

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں
میں ترتیب دی جانے والی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جدید

گلدستہ تفاسیر

مرتب
حضرت مولانا عبد القیوم رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجتہد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مجتہد الملک حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا یحییٰ عینی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ الزمان شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

اردو کی چھ مستند تفسیریں منتخب

اول مکمل تفسیر عثمانی

تفسیر ابن کثیر

تفسیر مظهری

تفسیر عزیز

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ

معارف القرآن

حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر میرٹھی

مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۰۲۰۱۲

جدید
گلدستہ نقاشی
جلد سوم

مدینہ منورہ کی مبارک فضائوں میں ترتیب
دی جانے والی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستہ تفاسیر جدید

جلد سوم

02-2016

سُورَةُ الْأَنْفَالِ تَا سُورَةُ إِبْرَاهِيمَ

ترتیب

حضرت مولانا عبد القیوم
بظلال العالی
ہماچر مدنی

پندرہ مودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پکستان

(0322-6180738, 061-4519240)

گلدستہ تفاسیر جدید

تاریخ اشاعت..... ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

محمد اکبر ساجد

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

297-16
ش 50
159444
جلد ۲

قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک فوارہ..... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور
مکتبہ علمیہ..... اکوڑہ خٹک..... پشاور
اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید..... راولپنڈی
دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ
مکتبہ دارالخلاص..... قصہ خوانی بازار..... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

ملتان
کراچی
پشاور

فہرست عنوانات

سورۃ انفال	
۲۹	ظلم کی انتہاء
۲۹	قتال کی اجازت
۲۹	ابتدائی لائحہ عمل
۲۹	غزوہ بدر
۳۰	کفر کی شکست
۳۰	خود ساختہ خیال
۳۱	مال غنیمت کا مالک اللہ ہے
۳۱	فتح کمزوروں کی برکت سے ملتی ہے
۳۲	مسلمانوں کے مختلف گروہوں کا خیال
۳۲	یقینی جنتی مومن
۳۲	قائد اور امام ابوحنیفہ کا مکالمہ
۳۲	جنت الفردوس کی دعاء مانگو
۳۲	جنت کے درجات
۳۳	فوجیوں کے انعام کے چار طریقے
۳۳	جنت کے محلات کی قیمت
۳۳	اللہ کی توفیق اور امداد پر غور کرو
۳۴	صحابہ کرام کی جاں نثاری
۳۴	غزوہ بدر
۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ فوج
۳۵	ابوسفیان نے خطرہ کی خبر مکہ بھیج دی
۳۵	عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب
۳۵	ابوجہل کی طعنہ زنی
۳۶	قریشیوں کی تیاری و روانگی
۳۶	شیطان کی کارروائی
۳۶	جہیم بن صلت کا خواب
۳۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریاں
۳۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء
۳۷	حبیب بن اساف
۳۷	سوار یوں کی کمی
۳۷	ہرن کا شکار
۳۷	ابوسفیان اور قریشیوں کی خبر
۳۸	مشورہ اور مہاجرین و انصار کے جذبات
۳۹	اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرنا چاہتے تھے
۳۹	بے سرو سامانی کا علاج
۳۹	میدان جنگ کا انتخاب
۳۹	پہلی رات
۴۰	جنگ میں نیند
۴۰	بوڑھے کی خبر میں سے معلومات لی
۴۰	دو غلاموں کی خبریں
۴۱	ابوسفیان کا خوف اور مکہ پہنچنا
۴۱	پہنچنے کے بعد لشکر والوں کی طرف پیغام
۴۱	اللہ کی مدد
۴۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز پڑھتے رہے
۴۱	حضرت عمار اور حضرت عبداللہ کی خبریں
۴۲	حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی رائے
۴۲	حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مشورہ
۴۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سایہ کی جگہ
۴۲	سرداروں کی قتل گاہوں کی نشاندہی
۴۲	غزوہ بدر کی فضیلت و ثواب
۴۲	قریشیوں کے جذبے
۴۳	حکیم بن خزام
۴۳	عمیر بن وہب کی جاسوسی
۴۳	ابوسلمہ کی جاسوسی
۴۳	قریشی سرداروں کی بزدلی
۴۴	قریش کے نام حضور ﷺ کا پیغام
۴۴	حضرت سواد کی خوش نصیبی
۴۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر
۴۴	لڑائی کا آغاز

صورتیں مکتبی

۱۱/۱۱/۱۱

۲۲	ابو جہل کی دعاء	۵۲	دو بچوں کا کارنامہ	۲۵	اس کے بعد دعاء
۲۲	عذاب کو روکنے والی دو چیزیں	۵۳	ابو جہل کا سر	۲۵	حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ
۲۳	کافروں کے ظلم کی انتہاء	۵۵	فرمانبرداری میں لگے رہو	۲۵	حضور اپنے رب کے حضور میں
۲۳	مسجد کے متولی کی صفات	۵۵	یہودیوں اور مشرکوں کی طرح نہ بنو	۲۵	فرشتوں کا اترنا
۲۳	یہ امت قیامت تک عذاب سے محفوظ رہے گی	۵۵	جانوروں سے بدتر لوگ	۲۶	جبریل کی واپسی
۲۳	مشرکوں کی نماز	۵۵	نا اہل قوم	۲۷	ابراہیم غفاری کی گواہی
۲۴	بچوں اور پاگلوں کو مسجد سے دور رکھو	۵۶	اللہ کے احکام پورے کرو	۲۷	فرشتے نے باندھ دیا
۲۴	مشرکین کی انتقامی کارروائی	۵۶	رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل	۲۷	حضرت ابواسید کا بیان
۲۴	ان کو حسرت ہی ملے گی	۵۶	اللہ کے احکام میں سستی کی مثال	۲۷	خصوصی نشانی
۲۵	اب بھی وقت ہے	۵۶	حکم بجالانے میں دیر نہ کرو	۲۸	حضرت عبداللہ اور حضرت ابوبکرؓ
۲۵	جہاد قتال کا اولین مقصد	۵۶	لڑکے کی دعاء	۲۸	نزول اتم کا درجہ
۲۶	معاہدے والے شخص کے حقوق کا تحفظ	۵۷	قوموں کا فتنہ	۲۸	مسلمانوں کیلئے مشکلات
۲۶	حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا خط	۵۷	فتنہ کا دوسرا مفہوم	۲۸	غیبی مدد
۲۷	جہاد کا آخری مقصد	۵۸	حکم الہی نہ چھوڑو	۲۸	رحمت کا نزول
۲۷	مسلمان ظاہر حال کے مکلف ہیں	۵۸	خیانت سے بچو	۲۹	معرکہ بدر کی اہمیت
۲۷	لڑائی کب تک رہے گی	۵۸	حضرت ابولبابہ کا واقعہ	۲۹	مسلمان اور کافر کے دل کا فرق
۲۷	مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں	۵۹	دو آدمیوں کے درمیان خیانت	۵۰	فرشتوں کے کام
۲۸	مال غنیمت کی تفصیل	۵۹	ایک منافق کی خیانت	۵۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوئی
۲۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد	۵۹	حضرت ابولبابہؓ کیلئے بشارت	۵۰	فقط اشارہ سے سرکٹ جاتا
۲۸	دارالحرب سے آنے والا مال	۵۹	حضرت ابولبابہ کا پورا واقعہ	۵۰	ابولہب کی ذات
۲۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار	۶۰	اولاد کا فتنہ	۵۱	میدان جنگ سے بھاگنا
۲۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم	۶۰	تقویٰ کا پھل	۵۲	کنکریوں سے کافر مرنے لگے
۲۹	خادم سے بہتر چیز	۶۱	دل کی بصیرت	۵۲	بدر کے غازیوں کا اعزاز
۲۹	مقتول کافر کا مال	۶۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	۵۳	بدر کے شہداء کی فضیلت
۷۰	”جو جس کے ہاتھ آئے“	۶۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۵۳	بدر میں فیصلہ ہو گیا اب عبرت پکڑو
		۶۲	کافروں کے جھوٹے دعوے	۵۳	حق والوں کی مشکلات

۸۵	ہر قسم کی تیاری ضروری ہے	۷۷	شیطان کا کافروں کی ہمت بڑھانا	۷۰	انعام بقدر مشقت
۸۶	تیر اندازی	۷۸	شیطان کی دُعاء	۷۱	سوار اور پیادے کا فرق
۸۶	گھوڑوں کی پیشانی کے بال	۷۸	ابو جہل کا اعلان	۷۱	خمس کا نکالنا
۸۶	تین طرح کے گھوڑے	۷۸	شیطان کا ذلیل ہونا	۷۱	کھجور کی ایک خشک شاخ تلوار بن گئی
۸۷	مجاہد کو سامان دینا	۷۹	یہ ذلت ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے	۷۲	حصوں کی تاکید
۸۷	غزوہ تبوک میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد	۸۰	قدیم دستور	۷۲	خیانت نہ کرو
۸۷	سامان جنگ کا اثر		شیطان کا خوف	۷۲	خمس دینا ایمان میں داخل ہے
۸۷	مالی جہاد کا ثواب		منافقوں کی چہ میگوئیاں	۷۲	لڑائی والی رات
۸۸	صلح بھی ہو سکتی ہے		کافروں کیلئے ذلت کی موت	۷۳	اللہ کی تدبیر
۸۹	اسلام نے صدیوں کی جنگیں ختم کرادیں	۸۱	نعمتیں کب چھینی جاتی ہیں	۷۳	اس لڑائی کا مقصد
۹۰	مسلمان دن گناہ بڑے دشمن پر غالب ہیں	۸۱	قریشیوں کے حالات کی تبدیلی	۷۳	اللہ کی حمایت پر بھروسہ
۹۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت		حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد	۷۴	اللہ نے بزدلی سے بچالیا
۹۱	دو گنی طاقت کے مقابلے سے بھاگنا حرام ہے		”قصی“ کے کارنامے	۷۴	حضور ﷺ کا خواب اور اس کی تعبیر
۹۱	بدر کے قیدیوں کا فیصلہ	۸۱	فرعونیوں کی ہلاکت	۷۴	مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی کمی
۹۱	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے	۸۲	بد عہد اور بے ایمان بدترین جانور ہیں	۷۴	ذکر اللہ کی تاثیر
۹۱	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے	۸۲	عہد پورا کرنے کا عجیب واقعہ	۷۵	ہوا کے ذریعہ مدد
۹۲	فیصلہ	۸۲	دھوکے بازوں کو عبرتناک سزا دو	۷۵	اگر مقابلہ ہو تو ثابت قدمی دکھاؤ
۹۲	اس فیصلہ کی ناپسندیدگی	۸۳	اس آیت کے نازل ہونے کا واقعہ	۷۵	لڑائی کے وقت اللہ کا ذکر
۹۲	بدر کے ایک قیدی حضرت عباسؓ	۸۳	یہود بنی قریظہ پر حملہ	۷۵	ذکر کا اثر
۹۳	حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کی مثال	۸۴	یہودیوں نے دعوت قبول نہ کی	۷۵	تفرقہ بازی کا نقصان
۹۳	سہل بن بیضاء	۸۴	کافروں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی	۷۵	کامیابی کی کنجی
۹۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رور ہے تھے	۸۵	آلات جہاد کی تیاری فرض ہے	۷۶	کافروں کا غرور اور انجام
۹۳	مسلمانوں کی آزادی	۸۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منجیق کا استعمال	۷۶	فتح بدر کی اہمیت
		۸۵	گھوڑوں کی خصوصیت	۷۶	ابو جہل کا تکبر
		۸۵	سامان جنگ کی فضیلت	۷۷	شیطان کی کارروائی
				۷۷	ابلیس کے بھاگنے پر ابو جہل کی تسلیاں

۱۱۲	ایمان باللہ اور غلبہ حق اعمال کی روح	۱۰۳	۹ھ کا حج اور اعلان عام	۹۴	حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار
۱۱۲	حضرت عباس اور حضرت طلحہ کا مکالمہ	۱۰۴	چار اہم اعلان	۹۵	شامہ بن آمال کا مسلمان ہونا
۱۱۳	سب سے افضل لوگ	۱۰۵	حرمت والے مہینے	۹۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فضیلت
۱۱۳	زمزم سے پانی پینے پلانے کا قصہ	۱۰۵	زکوٰۃ نہ دینے والا اور نماز نہ پڑھنے والا	۹۵	قیدیوں کے برابر مسلمانوں کی شہادت
۱۱۳	سب سے افضل عمل	۱۰۵	مشرک کو پناہ دینا	۹۶	حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا
۱۱۴	تین چیزوں پر تین بشارتیں	۱۰۶	اعلان براءت کی حکمت	۹۶	سزارک جانے کی وجہ
۱۱۴	رشتہ داری وغیرہ جہاد و ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے	۱۰۶	دُنیا پرست گروہ	۹۷	غنیمت کا مال حلال و پاکیزہ ہے
۱۱۵	جہاد چھوڑنے کی سزا	۱۰۷	کفر کے امام	۹۷	جو اخلاص سے ایمان لائے
۱۱۵	ایمان کا کمال	۱۰۸	جہاد فرض کرنے کی غرض	۹۷	حضرت عباسؓ کو منہ مانگا مال دیا
۱۱۵	رشتہ داروں سے تعلق کی حد	۱۰۸	جہاد کی ایک اور حکمت	۹۸	مجبور مسلمان قیدی
۱۱۵	ہجرت چھوڑنے کی سزا	۱۰۹	امت محمدیہ کا مخلص گروہ	۹۸	مسلمانوں کی قسمیں
۱۱۵	ہجرت کی اہمیت	۱۰۹	مسلمانوں سے خطاب	۹۹	کافر، کافر کا دوست ہے
۱۱۵	مال و اولاد کی محبت کا جادو	۱۰۹	مساجد کی آبادی	۹۹	مسلمان کی جان کافر کیلئے
۱۱۵	محبت اختیاری وغیر اختیاری	۱۱۰	مسجد بنانے کی فضیلت	۹۹	وطني حربی کافروں کا مال
۱۱۶	محبت کا اعلیٰ مقام	۱۱۰	گمشدہ چیز کا اعلان	۹۹	اعلیٰ مسلمان
۱۱۶	حضرت ابراہیم کا قول	۱۱۰	گھروں میں مسجد	سورۃ التوبہ	
۱۱۶	باپ بیٹے سے جنگ	۱۱۰	عمل پر غور نہ کرو	۱۰۰	سورۃ کا پس منظر
۱۱۸	سرداروں کا مشورہ	۱۱۱	خرید و فروخت وغیرہ	۱۰۱	سورۃ براءۃ اور سورۃ نور
۱۱۸	مسلمانوں پر حملہ	۱۱۱	ایمان کیا چیز ہے	۱۰۱	بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ
۱۱۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری	۱۱۱	نہ ڈرنے کا مطلب	۱۰۲	تلاوت کا طریقہ
۱۱۹	ایک سوار کی اطلاع	۱۱۱	بعض مسائل متعلقہ آیت	۱۰۲	۶ء کے بعد کے حالات اور اعلان براءت
۱۱۹	حضرت عبداللہ کی جاسوسی	۱۱۱	کافر کو متولی بنانا	۱۰۲	حج اکبر
۱۲۰	اللہ حفاظت کرنے والا ہے	۱۱۱	کافر کا چندہ	۱۰۳	حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنا
۱۲۰	کافروں کے تین جاسوس	۱۱۱	ایمان کی نشانی	۱۰۳	اعلان کن کے خلاف تھا
۱۲۰	فوجوں کی صف بندی	۱۱۱	اللہ کا مہمان	۱۰۳	معاہدہ پورا کرنے والے قبائل

۱۲۰	جزیہ و خراج	۱۲۹	حضرت صفوان کو پوری گھائی عطاء فرمادی	۱۲۰	تعداد کی کثرت
۱۲۱	حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کیسے بنایا	۱۳۰	مردم شماری	۱۲۰	دشمن کا حملہ
۱۲۱	عیسائیوں کی ابیت کا عقیدہ	۱۳۰	انصار سے حضور ﷺ کا خطاب	۱۲۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری
۱۲۲	علماء و مشائخ کو خدا بنانا	۱۳۱	مالک کی کارروائیں	۱۲۱	عبدالملک کا مسلمان ہونا
۱۲۳	پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جاوے گا	۱۳۱	دلی اطمینان کے بغیر کسی کا حق لینا	۱۲۲	حضرت نصر بن حارث کا مسلمان ہونا
۱۲۳	غلبہ اسلام	۱۳۱	حرم کی مشرکین سے صفائی	۱۲۲	مکہ میں غلط خبر پہنچنا
۱۲۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پیشگوئیاں	۱۳۲	اہل شام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معاہدہ	۱۲۲	ثابت قدم رہنے والے حضرات و خواتین
۱۲۴	اسلام کا ہمہ جہتی غلبہ	۱۳۳	نجاست کو دیکھنے کا نقصان	۱۲۳	صحابہ کا میدان جنگ میں واپس آنا
۱۲۴	ایمانداروں کا خاتمہ	۱۳۳	کون سی نجات مراد ہے	۱۲۳	ایک مٹھی کنکریوں سے دشمن کو شکست
۱۲۴	شیعوں کی پریشانی	۱۳۴	معاشی تنگی کی فکر نہ کرو	۱۲۳	پانچ ہزار فرشتوں کی امداد
۱۲۵	حضرت علیؑ کی تقیہ سے براءت	۱۳۴	معاشی خوشحالی کی صورتیں	۱۲۴	کافروں کی شکست
۱۲۷	گھانا پانے والے	۱۳۴	مشرکین کے بعد یہود و نصاریٰ کا معاملہ	۱۲۴	مال غنیمت
۱۲۷	مال اڑو دھابن جائے گا	۱۳۴	جزیہ لینا	۱۲۴	طائف کے قلعہ کا محاصرہ
۱۲۷	حضرت ابو ذرؓ کی رائے اور عمل	۱۳۵	مجوسیوں سے جزیہ لینا	۱۲۵	بنو ثقیف کیلئے دعاء
۱۲۸	بخیل مالدار کی سزا	۱۳۵	کیا ہندو اہل کتاب ہیں	۱۲۵	غزوہ حنین کا پس منظر و دیگر تفصیل
۱۲۸	مال کا حق ادا نہ کرنے کی سزا	۱۳۵	ہندوؤں پر جزیہ و قید	۱۲۶	حنین کی فتح اور قیدیوں کی واپسی
۱۲۹	اہل کتاب اور مشرکین میں مشابہت	۱۳۶	لشکر اسلام کو حضور ﷺ کی ہدایات	۱۲۶	قیدیوں کی درخواست
۱۲۹	نسب کی رسم	۱۳۶	عربی کتابی سے جزیہ لینا	۱۲۶	کثرت پر ناز اللہ کو پسند نہیں
۱۲۹	حلال و حرام کرنے کا حق	۱۳۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں	۱۲۷	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان
۱۵۰	اللہ تعالیٰ کی منتخب چیزیں	۱۳۶	جزیہ کی مقدار	۱۲۷	کافروں کی حالت
۱۵۰	قربانی کے دن حضور ﷺ کا خطاب	۱۳۷	جزیہ کس چیز کا عوض ہے	۱۲۷	کافروں کا مسلمان ہونا
۱۵۰	کافروں سے لڑنا	۱۳۷	ناداروں اور معذوروں کا حکم	۱۲۷	قیدیوں کی درخواست پر مال کی واپسی
۱۵۱	لوند کا سال	۱۳۸	شام رسول کی سزا	۱۲۸	قیدیوں کی آزادی
۱۵۱	تیل کے تاجروں کی اطلاع	۱۴۰	اہل نجران سے حضور ﷺ کا معاہدہ	۱۲۸	آپ کا رضاعی رشتہ داروں کا احترام کرنا
۱۵۱	غزوہ تبوک	۱۴۰	مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کا جزیہ	۱۲۹	سرداروں کی تالیف قلب
۱۵۳	عبدالعزیز بن مروان کا انتقال			۱۲۹	حضرت حکیم بن حزام

۱۶۹	نیند میں آدمی معذور ہے	۱۵۹	ام معبد کی بکری	۱۵۳	عقیدہ آخرت کا اثر
۱۶۹	منافقوں کا جہاد میں نہ جانا بہتر ہے	۱۶۰	ام معبد کا مسلمان ہونا	۱۵۳	واقعہ ہجرت
۱۶۹	سادہ لوح مسلمان	۱۶۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ جوام	۱۵۴	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت
۱۶۹	منافق ناکام ہی رہیں گے		معبد نے بیان کیا	۱۵۵	ہجرت مدینہ کا آغاز
۱۷۰	ایک بڑے منافق کا عذر	۱۶۱	ابو جہل کا حضرت ابو بکر کے گھر جانا	۱۵۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف آوری
۱۷۰	منافقوں کا مسلمان سے حسد	۱۶۱	جن کے اشعار		خوشخبری
۱۷۱	سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے	۱۶۱	قریشیوں کا ام معبد کے پاس جانا	۱۵۵	اونٹنیوں کی خریداری
۱۷۱	مخلص مجاہد کا اجر	۱۶۱	سراقہ کا قصہ	۱۵۵	سامان سفر
۱۷۱	منافق کا مال بھی قبول نہیں ہے	۱۶۲	نیک فال	۱۵۵	حضرت علیؓ کی ذمہ داری
۱۷۲	قبول نہ ہونے کا سبب	۱۶۲	جھنڈا	۱۵۶	مکہ سے روانگی
۱۷۳	منافقوں کی جھوٹی قسمیں	۱۶۲	مکہ سے روانگی	۱۵۶	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مالی قربانی
۱۷۳	منافقوں کی مطلب پرستی	۱۶۲	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی دلیل	۱۵۶	حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کی فکر
۱۷۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصاف نہیں کریں گے تو کون کرے گا	۱۶۳	حضرت ابو بکرؓ اور موسیٰؑ کی قوم	۱۵۷	حضرت ابو بکر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء
۱۷۴	جو ملے اسی پر راضی رہو	۱۶۵	جہاد کی عام دعوت	۱۵۷	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک دن اور رات کا عمل
۱۷۴	محصل زکوٰۃ کو کتنا دیا جائے	۱۶۵	حضرت ابو ایوب کا جہاد	۱۵۷	جنگلی کبوتر اور مکڑی
۱۷۴	زکوٰۃ کے مستحقین	۱۶۵	حضور ﷺ پر اعتراض کرنے والے	۱۵۸	دو بار مکڑی کے ذریعہ حفاظت کی گئی
۱۷۵	مولفہ قلوب کا حصہ	۱۶۵	غزوہ کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑھ چڑھ کر عطیات	۱۵۸	حضرت ابو بکرؓ پر خوف اور اطمینان
۱۷۵	قرض دار	۱۶۷	مؤمنین کی شان	۱۵۸	فرشتوں نے حفاظت کی
۱۷۵	فی سبیل اللہ کا مفہوم	۱۶۸	منافقوں کو اللہ نے جہاد سے دُور رکھا	۱۵۸	حضرت حسان کے شعر
۱۷۵	ابن السبیل کا معنی	۱۶۸	جہاد تبوک پر روانگی	۱۵۹	حضرت عبداللہ
۱۷۶	بڑے اجر والا دینار	۱۶۸	مدینہ میں امیر	۱۵۹	عامر بن فہیرہ
۱۷۶	دوہری خیرات	۱۶۸	منافقوں کی فتنہ پروری	۱۵۹	حضرت ابو بکرؓ کی بیان کی ہوئی تفصیل
۱۷۶	قریبی رشتہ داروں کو خیرات	۱۶۸	عبداللہ بن ابی کی منافقت		
۱۷۶	عورتوں کو صدقہ کرنے کی خصوصی ہدایت				

۱۹۴	آج کی قابل افسوس حالت	۱۸۵	منافقوں کے حیلے	۱۷۷	پڑوسی کا حق
۱۹۵	منافقوں کی تکذیب	۱۸۵	اللہ اور رسول سے مقابلہ کر نیوالے	۱۷۷	بھوکے کو کھانا کھلانا
۱۹۵	جلاس منافق اور اس کی توبہ		کا انجام	۱۷۷	سوال کرنے والا
۱۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منافقوں کی سازش	۱۸۶	منافقوں کی پریشان حالی	۱۷۸	سب سے برا آدمی
۱۹۶	منافقوں کی نمک حرامی	۱۸۶	منافقوں کی سازش کی ناکامی اور رسوائی	۱۷۸	یتیم اور قیدی
۱۹۷	ایک آدمی کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اور اس کی ناشکری واقعہ کی تفصیل	۱۸۷	بارہ سربر آوردہ منافقوں کی طلبی	۱۷۸	ایک شخص کو ساری زکوٰۃ دینا
۱۹۸	وعدہ خلافی اور جھوٹ کی سزا	۱۸۸	منافقوں کی بیہودگی	۱۷۸	کس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے
۱۹۸	نفاق کی نشانیاں	۱۸۹	اللہ اور رسول استہزاء کی جگہ نہیں ہے	۱۷۹	طاقت ور کمائی کر سکنے والا
۱۹۸	اللہ دلوں کو جانتا ہے	۱۹۰	خدا کے منافقوں کو چھوڑ دیا	۱۸۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے زکوٰۃ وغیرہ جائز نہیں
۱۹۹	کم مال اور زیادہ عبادت والے	۱۹۰	بنی اسرائیل سے مشابہت	۱۸۰	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کیلئے بھی جائز نہیں ہے
۱۹۹	منافق خواہ مخواہ طعنے مارتے تھے	۱۹۱	تمہارا انجام انہیں جیسا ہو سکتا ہے	۱۸۰	غیر مسلموں کو نفلی صدقہ دینا
۱۹۹	حضرت عبد الرحمن کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء	۱۹۱	ان کے اعمال بے کار ہوئے	۱۸۱	زکوٰۃ کے مصارف اللہ کی طرف سے
۲۰۰	منافقوں کو معاف نہ کیا جائے گا	۱۹۱	گذشتہ اقوام کی تباہی	۱۸۲	اجرت کا اصول
۲۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت	۱۹۲	قومیں اپنی ہلاکت کا سامان خود آپ کرتی ہیں	۱۸۲	اسلامی مدارس کے سفیر
۲۰۱	نیکی سے گھبرانا برائی پر خوش ہونا	۱۹۲	جنت اور رضاء کا وعدہ	۱۸۲	چار مدوں کیلئے چار بیت المال
۲۰۱	گناہ اور بد اعتقادی کا فرق	۱۹۳	عالی شان محلات	۱۸۲	فی سبیل اللہ
۲۰۱	جہنم کی آگ بہت سخت ہے	۱۹۳	چار چیزیں جو اللہ نے دست خاص سے بنائیں	۱۸۲	مقروض
۲۰۱	دوخی بہت روئیں گے	۱۹۳	سونے اور چاندی کی جنتیں	۱۸۳	رفاہ عام پر زکوٰۃ نہیں لگتی
۲۰۲	قیامت کے خوف سے	۱۹۳	عدن کا محل	۱۸۳	مسئلہ تملیک
۲۰۲	آئندہ منافقوں کو غزوات میں	۱۹۳	رضاء خداوندی	۱۸۳	والغارمین
۲۰۳	عبداللہ بن ابی کا جنازہ	۱۹۴	جہاد کا مفہوم	۱۸۳	منافقین کی بد تمیزی
۲۰۳	عبداللہ بن ابی کی خواہش	۱۹۴	منافقوں کی تعداد اور نام	۱۸۳	بخل شیطان
		۱۹۴	کافروں اور منافقوں پر سختی کا معنی	۱۸۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم پوشی بہتر ہے

۲۲۳	منصوبہ بنانے والا	۲۱۴	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲۰۳	ابن ابی نے بدر کے دن حضرت عباس کو کرتہ دیا
۲۲۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مکر	۲۱۴	گھائی میں بیعت کرنے والے	۲۰۳	ایک ہزار آدمی کا مسلمان ہونا
۲۲۳	مسجد ضرار کا پول کھل گیا	۲۱۴	پہلے اور دوسرے دور کے مسلمان	۲۰۳	منافقوں سے روپیہ
۲۲۴	مسجد ضرار کی تعمیر کرنے والے	۲۱۴	تمام صحابہ جنتی ہیں	۲۰۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ
۲۲۴	ابو عامر کی رہبانیت ناکام ہو گئی	۲۱۵	صحابہ کرام کی برتری	۲۰۴	نماز جنازہ کا ثواب
۲۲۵	مسجد کے مقاصد	۲۱۵	ہجرت اور نصرت میں اول لوگ	۲۰۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دانائی
۲۲۵	ریاء کاری والی مسجد	۲۱۵	ہلسنت والجماعت	۲۰۵	منافق کام چور ہیں
۲۲۵	مسجد قباء کی فضیلت	۲۱۵	فرقہ امامیہ کی تردید	۲۰۵	دل پر مہر لگا دی گئی
۲۲۵	مسجد ضرار کی بربادی	۲۱۶	صحابہ کے باہمی اختلافات	۲۰۶	مؤمنوں کو دیکھو کیسے جاں نثار ہیں
۲۲۶	مسجد نبوی	۲۱۶	مدینہ اور اردگرد کے منافقین	۲۰۶	دو قسم کے دیہاتی
۲۲۶	ریاض الجنۃ	۲۱۶	منافقین کو دو گنا عذاب	۲۰۷	واقعی معذور لوگ
۲۲۶	ہزار نماز کا ثواب	۲۱۶	نام لے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کو نکال دیا	۲۰۸	صحابہ کرام کا جذبہ
۲۲۶	آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں تشریف لے جانا	۲۱۷	مسلمان جنہوں نے سچی توبہ کر لی	۲۰۸	حضرت غلیہ کا عجیب واقعہ
۲۲۷	مسجد قباء والوں کی طہارت	۲۱۷	غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے	۲۰۸	حضرت ابو یعلیٰ اور حضرت عبداللہ
۲۲۷	تقویٰ والا کام مستحکم ہے	۲۱۸	امید دلانے والی آیت	۲۰۸	حضرت ابو موسیٰ کی درخواست
۲۲۷	مسجد ضرار کی جگہ سے ڈھواں	۲۱۸	صدقہ کی اہمیت	۲۰۹	الزام کے مستحق لوگ
۲۲۷	مسجد ضرار والوں کی سزا	۲۱۸	حضرت ابولبابہ کی توبہ کی قبولیت	۲۱۰	تمہارے کرتوت کھل گئے ہیں
۲۲۸	سب سے زیادہ نفع والی تجارت	۲۲۰	قبولیت فقط اللہ کے اختیار میں ہے	۲۱۰	منافقوں کی جھوٹی قسموں کا مقصد
۲۲۸	اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق	۲۲۰	پاک کمائی کا صدقہ	۲۱۱	خدا کے آگے تو کوئی چالاکی نہیں چل سکتی
۲۲۹	بیعت کرنے والے	۲۲۰	توبہ کا عجیب واقعہ	۲۱۱	دیہاتیوں کی خصلتیں
۲۲۹	سب سے پہلا مہاجر مدنی	۲۲۱	توبہ کے بعد بھی عمل درست رکھو	۲۱۲	اللہ ہر طبقہ کے مطابق حکم دیتا ہے
۲۲۹	جہاد کی فضیلت	۲۲۱	مردوں پر اعمال کا پیش ہونا	۲۱۲	منافق اپنی خیر منائیں
۲۲۹	گھائی میں مدینہ والوں کی تین بیعتیں	۲۲۱	خاتمہ قابل اعتبار ہے	۲۱۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا معجزہ
۲۳۰	عجیب خریدار	۲۲۱	غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے	۲۱۳	درجہ بدرجہ اولیت رکھنے والے حضرات
۲۳۰	مجاہد اور طالب علم	۲۲۲	مسجد ضرار	۲۱۳	حضرت خدیجہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

۲۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا اثر	۲۳۸	حضرت کعب کے رہ جانے کی وجہ	۲۳۰	روزہ کا اجر
۲۳۲	صحابہ کے ایمان کی پختگی	۲۳۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی اطلاع	۲۳۰	طالب علم کے فضائل
۲۳۵	مبارک باد دینا	۲۳۹	خدمت اقدس میں حاضری	۲۳۱	افضل عمل
۲۳۵	توبہ اور مال کا صدقہ	۲۳۹	بنی سلمہ کی ترغیب	۲۳۱	نماز کے فضائل
۲۳۵	بچوں کی صحبت	۲۳۹	دو دوسرے حضرات	۲۳۱	حد سے نہ بڑھو
۲۳۵	مجلس کا اثر	۲۴۰	ان سے بولنے کی ممانعت	۲۳۱	مشرکین کیلئے دُعاء استغفار منع ہے
۲۳۵	تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ	۲۴۰	شاہ غسان کا خط	۲۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین محترمین
۲۳۵	عالم و صالح کی پہچان	۲۴۰	بیویوں سے الگ ہونے کا حکم	۲۳۲	حضرت ابو طالب
۲۳۵	حضرت خثیمہ کی حضور سے محبت	۲۴۱	توبہ کی قبولیت	۲۳۲	ابو طالب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت
۲۳۶	جہاد کی برکتیں	۲۴۱	خدمت نبوی میں حاضری	۲۳	اپنی والدہ محترمہ کیلئے دُعاء
۲۳۷	ہر جہاد فرض عین نہیں ہے	۲۴۲	توبہ کی تکمیل	۲۳۳	قوم کیلئے دُعاء مغفرت
۲۳۸	فقہ کا علم	۲۴۲	واقعہ کے بعض اہم اجزاء	۲۳۳	حضرت ابراہیمؑ کی اپنے والد کیلئے دُعاء
۲۳۸	علم حاصل کرنے کی حیثیت	۲۴۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت کعب کے متعلق پوچھنا	۲۳۴	تحمل کرنے والا
۲۳۸	علم لدنی	۲۴۳	روانگی کے بعد کی حالت	۲۳۴	حضرت عبدالمطلب کا دین
۲۳۹	بعثت کی غرض	۲۴۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچی بات	۲۳۵	حکم خدا ہی کا چلے گا
۲۵۰	فرض عین اور فرض کفایہ	۲۴۳	پہلا حکم	۲۳۵	فرشتوں کا عبادت کرنا
۲۵۰	فرض عین	۲۴۳	میرا امتحان	۲۳۵	غزوہ تبوک کی مشکلات
۲۵۰	علم تصوف بھی فرض عین میں	۲۴۳	دوسرا حکم	۲۳۵	سوار یوں اور غداء کی قلت
۲۵۰	فرض کفایہ	۲۴۳	مشکل کے پچاس دن	۲۳۶	دُعاء سے بارش برسنا
۲۵۱	فقہاء اور محدثین	۲۴۳	خوشخبری	۲۳۶	حضرت ابوذر کی شرکت اور بشارت
۲۵۱	علم کی تقلید فرض ہے	۲۴۳	سچی توبہ	۲۳۶	تین پیچھے رہ جانے والے حضرات
۲۵۱	جہاد کی ترتیب	۲۴۳	توبہ کے مواقع	۲۳۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
۲۵۱	قریبی دشمن	۲۴۳	توبہ سے اللہ خوش ہوتا ہے	۲۳۷	رضی اللہ عنہم پر اللہ کی مہربانیاں
۲۵۱	زید بن یعیب کا واقعہ	۲۴۳	صحابہ کی محبت	۲۳۷	غزوہ تبوک میں تین پیچھے رہ جانے والے
۲۵۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھے نماز پڑھنا	۲۴۳		۲۳۷	حضرت کعب کی فضیلت
۲۵۲	جنوں کا قرآن سننا				

۲۶۷	قدم صدق کا معنی	۲۵۹	مشکیزے میں برکت	۲۵۲	تبوک کا چشمہ
۲۶۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی کامل صفات موجود ہیں	۲۵۹	اونٹوں کی کمزوری	۲۵۲	اچھا اور بُرا آدمی
۲۶۸	زمین و آسمان کی پیدائش کا وقت	۲۶۰	مدینہ منورہ	۲۵۳	مؤمن اور کافر کا کھانا
۲۶۸	قدرت کا کرشمہ	۲۶۰	اُحد پہاڑ	۲۵۳	چھوڑوں میں برکت
۲۷۰	کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر لب بھی نہیں ہلا سکتا	۲۶۰	مؤمن کی شان	۲۵۴	منافق کی موت
۲۷۰	بس اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے	۲۶۰	خدا سے ڈرتے رہو	۲۵۴	پانی کا کنواں اُبل پڑا
۲۷۱	نور اور روشنی	۲۶۰	منافقوں کی بیماری	۲۵۴	حضرت معاویہ بن معاویہ کا انتقال
۲۷۱	چاند کی منزلیں	۲۶۱	ایمان بڑھتا	۲۵۴	گھی میں برکت
۲۷۱	روشنی کے رنگ	۲۶۱	منافقوں کی رسوائی	۲۵۴	قیصر کی طرف خط
۲۷۱	اوقات کا حساب	۲۶۲	اونٹنی ما مورر من اللہ ہے	۲۵۴	ہرقل کی طرف خط
۲۷۲	عقلمندوں کا کام	۲۶۳	امت کی فکر	۲۵۵	خط کا جواب
۲۷۲	ہر چیز خالق پر دلیل ہے	۲۶۳	خیر الامم کی مثال	۲۵۵	قاصد حضور ﷺ کی خدمت میں
۲۷۲	غافل لوگ	۲۶۳	بے مثال سخاوت	۲۵۵	قاصد کا انعام اور مہمان نوازی
۲۷۲	ایمان و عمل کا پھل	۲۶۳	اللہ کافی ہے	۲۵۶	قاصد کی واپسی
۲۷۳	جنتیوں کی ٹھاٹھ	۲۶۳	غموں کا علاج	۲۵۶	ہرقل کا ایمان جھوٹا
۲۷۳	جنتیوں کا سلام	۲۶۵	آخری دو آیتیں	۲۵۶	دومتہ الجندل پر چڑھائی
۲۷۳	مہاجرین کو سلام		قوم شمود کے کھنڈرات	۲۵۷	اکیدر کے بھائی کی قبائے
۲۷۳	فرشتوں کا سلام		معجزات طلب نہ کرو	۲۵۷	امیر ایلیہ کی حاضری
۲۷۳	جنتیوں کا آخر کلام		جاہلیت کے نکاح	۲۵۷	اہل جربا وغیرہ سے معاہدہ
۲۷۳	کھانے پینے کے آداب			۲۵۸	تبوک میں قیام
۲۷۳	دُعاء کا ادب			۲۵۸	شام جانے کے بارے مشورہ
۲۷۳	اللہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے	۲۶۶	قرآن ہر لحاظ طے محکم ہے	۲۵۸	طاعون والی سرزمین
۲۷۳	عزیزوں کے حق میں بددُعاء	۲۶۶	سورۃ کے مضامین	۲۵۸	یہودیوں کی رائے
۲۷۳	انسان کی بیباکی اور کمزوری	۲۶۶	پچھلی سورۃ کے ساتھ ربط	۲۵۸	غذا کی کمی کا مسئلہ اور اس کا حل
		۲۶۶	پیغمبر کا آنا قابل تعجب نہیں ہے	۲۵۹	صبح کی نماز کا قضاء ہونا
		۲۶۷	عمل ضروری ہے	۲۵۹	مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ
		۲۶۷	انسان کو پیغمبر بنانے کی حکمت		

۲۹۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال	۲۸۲	پھر اچانک آفت نے انہیں کو ختم کر دیا	۲۷۵	عیش و آرام میں خدا کو یاد رکھو
۲۹۰	عقل کے اندھوں کو آپ نہیں منوا سکتے	۲۸۳	جنت کی طرف آؤ	۲۷۵	ظلم و کفر کی سزا آخر مل کر رہتی ہے
۲۹۰	انہوں نے خود ظلم کیا	۲۸۳	جنت کو دارالسلام کہنے کی وجہ	۲۷۶	انسانوں کا امتحان
۲۹۰	دین اور لوگوں کی مثال	۲۸۳	حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ	۲۷۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے بارے میں خواب
۲۹۱	قیامت آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی	۲۸۳	کا خطاب	۲۷۶	مشرکوں کی بے ہودہ فرمائش
۲۹۱	کوئی کچھ مدد نہ کر سکے گا	۲۸۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال	۲۷۶	فرمائش کی تردید
۲۹۱	غلبہ اسلام کے بعد پورے ہو کر ہے	۲۸۳	صراط مستقیم	۲۷۸	ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا
۲۹۲	امتوں کے متعلق اصول	۲۸۳	بھلائی اور زیادتی	۲۷۸	خدا کے ساتھ مشرکوں کا معاملہ
۲۹۲	مقررہ وقت پر عذاب آئے گا	۲۸۳	سب سے بڑی نعمت	۲۷۸	بت نہ سفارش کر سکتے ہیں اور نہ معبود ہیں
۲۹۳	عذاب کی جلدی کیوں مچاتے ہو	۲۸۳	صحابہ سب عادل تھے	۲۷۹	کسی دین میں شرک جائز نہیں
۲۹۳	در اصل تمہیں یقین نہیں ہے	۲۸۵	جہنمیوں کے چہرے	۲۷۹	فیصلے کا دن قیامت ہے
۲۹۳	کفر و شرک کا مزا	۲۸۵	فرضی معبودوں کی بے بسی	۲۷۹	پیغمبر کیلئے فرمائی نشان دکھانا ضروری نہیں
۲۹۳	موت کے بعد زندگی حق ہے	۲۸۶	سب توہمات ختم ہو جائیں گے	۲۷۹	مشرکین کی حیلہ بازی
۲۹۳	پھر بے فائدہ ندامت ہوگی	۲۸۶	سب کچھ اللہ نے دیا ہے	۲۷۹	وہ اعمال جن کا بدلہ جلدی مل جاتا ہے
۲۹۳	اللہ انصاف کر کے رہے گا	۲۸۶	مالک کا اقرار کرتے ہو اسکی عبادت کرو	۲۸۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء
۲۹۳	نسخہ شفاء	۲۸۷	اب آخرت کو بھی تسلیم کر لو	۲۸۰	اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی کامیاب ہے
۲۹۳	نفس انسانی کے مراتب	۲۸۷	راہنما بھی اللہ ہی ہے	۲۸۰	مشرکین کی موقع پرستی
۲۹۵	دلوں کی شفاء	۲۸۷	مشرکوں کے پاس تو وہم کے سوا کچھ نہیں	۲۸۱	حضرت عکرمہ کا مسلمان ہونا
۲۹۵	جسبانی بیماریوں کا علاج	۲۸۸	صحیح راستہ بتانے والا صرف قرآن ہے	۲۸۱	تمہیں اپنی شرارتیں لے ڈوبیں گی
۲۹۵	امام غزالی کی تالیف	۲۸۸	منکروں کو چیلنج	۲۸۱	لوٹ پڑنے والی چیزیں
۲۹۵	بیداری کا پیغام	۲۸۸	قرآن ہر لحاظ سے کامل ہے	۲۸۱	اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل
۲۹۵	غلط عقائد کا علاج	۲۸۸	قرآن کا دعویٰ	۲۸۱	مؤمن اور کافر بندے
۲۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیب روحانی	۲۸۹	انکار کی بنیاد تعصب ہے	۲۸۲	دنیاوی زندگی کی مثال
۲۹۶	خوش ہونا	۲۸۹	منکرین کو ضرور سزا ملے گی	۲۸۲	کھیتی تیار ہوگی
۲۹۶	اللہ کا فضل اور رحمت	۲۹۰	ہر ایک کو اپنے عمل کا پھل ملے گا		
۲۹۶	اصل چیز فضل و رحمت ہے				

۳۱۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام	۳۰۳	کشف و کرامت	۲۹۶	عراق کا خراج
۳۱۲	فرعون کی تدبیر	۳۰۴	اولیاء کیلئے بشارتیں	۲۹۶	حلال و حرام قرآن بتلاتا ہے
۳۱۲	جادو گروں کا آنا سامنا	۳۰۴	اچھا خواب بشارت ہے	۲۹۷	رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے
۳۱۲	جادو گروں کا کرتب	۳۰۴	مرزا قادیانی کی جہالت	۲۹۷	سزائیں نہیں سکتی
۳۱۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر	۳۰۵	عالم مثال کا انکشاف	۲۹۷	بہت کم لوگ قدر دان ہوتے ہیں
۳۱۲	بنی اسرائیلی نوجوانوں کا ایمان لے آنا	۳۰۵	تین قسم کے خواب	۲۹۷	ہر عمل اللہ کے سامنے ہے
۳۱۳	جادو کا علاج	۳۰۵	سچا خواب نبوت کا چھیا لیسواں جزو ہے	۲۹۸	اولیاء بے خوف ہوں گے
۳۱۳	واقعہ فرعون ظالم و جابر تھا	۳۰۵	لوگوں کی تعریف بھی بشارت ہے	۲۹۸	اولیاء اللہ کون ہیں
۳۱۳	مومنین کو تسلی	۳۰۵	فرشتوں کی بشارت	۲۹۹	ولایت حاصل کرنے کا طریقہ
۳۱۴	ایمان لانے والوں کا اخلاص اور استقامت	۳۰۶	موت کے وقت بشارت	۳۰۰	اولیاء کی پہچان
۳۱۴	بنی اسرائیل کیلئے خصوصی حکم	۳۰۶	صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے بشارتیں	۳۰۰	کشف و کرامت ضرورت نہیں
۳۱۴	نماز ہر حال میں قائم رکھو	۳۰۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی	۳۰۰	خوف اور غم نہ ہونے کا مطلب
۳۱۴	حالت مجبوری مسجد کی حاضری	۳۰۷	مشرکوں کے ہاتھ میں کوئی حقیقت نہیں	۳۰۰	قرب محبت
۳۱۵	فرعونیوں کیلئے بددعاء	۳۰۸	مجوسیوں کا رد	۳۰۱	قرب محبت اور قرب خلقی
۳۱۶	بددعاء کا اثر	۳۰۸	شُرک کے اندھیرے کا علاج	۳۰۱	قرب کا ابتدائی درجہ
۳۱۶	ثابت قدم رہو اور جلدی نہ مچاؤ	۳۰۸	عیسائیت کا رد	۳۰۱	کم سے کم درجہ
۳۱۶	فرعون کا غرق ہونا	۳۰۹	جھوٹے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے	۳۰۱	فناء قلب کا درجہ
۳۱۶	ڈوبتے وقت ایمان کا کلمہ	۳۰۹	قوم نوح سے سبق حاصل کرو	۳۰۱	اولیاء اللہ کی تعریف
۳۱۷	فتوحات مکہ کی عبارت	۳۰۹	پیغمبر کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا	۳۰۲	قابل رشک مرتبہ والے لوگ
۳۱۷	نزع کے وقت کا کلمہ کفر	۳۱۰	پیغمبر کسی تکلیف سے نہیں ڈرتا	۳۰۲	حصول ولایت کے ذرائع
۳۱۷	فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا	۳۱۰	جھٹلانے والوں کا انجام	۳۰۲	محبت کا فائدہ
۳۱۷	جلال الدین دوانی کا قول	۳۱۰	جھوٹی قومیں	۳۰۲	اللہ والوں کی صحبت
۳۱۷	فرعون کا فتویٰ	۳۱۱	امت محمدیہ کے منکر	۳۰۳	اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں؟
۳۱۸	فرعون کی نعش عبرت کا نشان ہے	۳۱۱	فرعونیوں کا تکبر	۳۰۳	اولیاء کی ہمنشین اللہ کی ہمنشین ہے
۳۱۸	بنی اسرائیل کو حکومت دی گئی	۳۱۱	فرعونیوں کا انکار	۳۰۳	اللہ والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے
		۳۱۱	فرعونیوں کی کم عقلی	۳۰۳	ہر وقت حالت ایک جیسی نہیں رہتی

سورہ ہود		سورہ ہود	
۳۲۸	حضرت علیؑ کا دلگیر ہونا	۳۱۸	بنی اسرائیل میں فرقہ بندی
۳۲۸	آنحضرت ﷺ کو تسلی	۳۱۸	قسطنطین اعظم
۳۳۹	مشرکوں کو منہ توڑ جواب	۳۱۹	اپنا شک دور کر لو
۳۳۹	قرآن کے بے مثال ہونے کے دلائل	۳۲۰	تکوینی فیصلہ
۳۴۰	قادیانی دہقان کی گستاخی	۳۲۰	قوم یونسؑ کی توبہ
۳۴۰	دنیا پرستوں کو دنیا ہی ملتی ہے	۳۲۱	علماء کے اقوال
۳۴۰	کافروں کے اچھے اعمال کی حقیقت	۳۲۱	قوم یونسؑ کی توبہ کا قبول ہونا
۳۴۱	ریاء کاری والا عمل	۳۲۱	حضرت یونسؑ کا قصہ
۳۴۱	کافر آخرت میں عمل سے خالی ہوگا	۳۲۱	عذاب کی علامات
۳۴۱	حرص و ہوس کا نتیجہ	۳۲۲	توبہ کا خیال
۳۴۱	مؤمن کا مقصد	۳۲۲	حضرت یونسؑ کا سفر
۳۴۲	جس کیلئے عمل کیا اسی سے اجر مانگو	۳۲۲	حضرت یونسؑ پانی میں
۳۴۲	مخلص مؤمن	۳۲۲	چھلی کے پیٹ میں
۳۴۲	گواہ سے کیا مراد ہے	۳۲۳	تسبیح اور پھر باہر آنا
۳۴۳	حضرت علیؑ کے شاہد ہونے کی وجہ	۳۲۳	غلام کو بادشاہی مل گئی
۳۴۳	حضرت علیؑ کے مناقب	۳۲۳	زبردستی مؤمن نہیں بنایا جاسکتا
۳۴۳	امام شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق	۳۲۳	فرقہ قدریہ کا مذہب
۳۴۴	قرآن کو ماننا ضروری ہے	۳۲۴	غور و فکر سے توفیق ملتی ہے
۳۴۴	قرآن شک و شبہ سے پاک ہے	۳۲۴	غور و فکر کا سامان
۳۴۴	قرآن کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے	۳۲۵	یہ ضدی بھی عذاب کا انتظار کریں
۳۴۵	ظالموں کے خلاف گواہی	۳۲۵	اب بھی سچے مؤمنوں کو نجات ملے گی
۳۴۵	ظالموں پر لعنت	۳۲۵	عقیدہ توحید کی وضاحت
۳۴۶	یہ ظالم بہرے اور اندھے ہیں	۳۲۶	نیت صحیح ہو تو ہر عمل کا اجر ملے گا
۳۴۶	مؤمن کا اچھا انجام	۳۲۶	نقصان والا آدمی
۳۴۶	مؤمن و منکر برابر نہیں	۳۲۶	ہر ایک نفع نقصان اپنا ہے
۳۴۶	حضرت نوحؑ کا قوم سے خطاب	۳۲۸	خاص بندے

۳۶۲	ماں اور اس کے بچے کا غرق ہونا	۳۵۴	قوم کی مذاق بازی	۳۴۷	قوم کے سرداروں کا جواب
۳۶۲	ہر چیز میں عقل و شعور ہے	۳۵۴	عذاب آنے والا ہے	۳۴۸	پیغمبر اخلاق و اعمال میں بلند ہوتا ہے نہ مال میں
۳۶۳	حضرت نوحؑ کی درخواست	۳۵۵	کشتی کے بارے میں مردوں کے بیانات	۳۴۸	تم دل کے اندھے ہو
۳۶۳	کافر اور ظالم کیلئے دُعاء جائز نہیں	۳۵۵	عذاب کی ابتداء	۳۴۸	میں غریب مومنوں کو دھتکار نہیں سکتا
۳۶۴	وطنی یا نسی بنیاد پر قومیت کی تعمیر	۳۵۶	تنور کہاں ہے اور کہاں تھا	۳۴۸	غربت کوئی عیب نہیں ہے
۳۶۴	توبہ کا ادب	۳۵۷	ہر چیز کا ایک جوڑا لے لو	۳۴۹	مخلص لوگوں کو چھوڑا نہیں جاسکتا
۳۶۴	حضرت نوحؑ کو اترنے کا حکم	۳۵۷	کشتی میں شیطان کا داخلہ	۳۵۰	فرشتہ کیسے نبی ہو سکتا ہے
۳۶۵	طوفان کا خاتمہ	۳۵۷	سانپ اور بچھو	۳۵۰	ہمیشہ غریب پیغمبروں کے پیروکار ہوئے ہیں
۳۶۵	حضور ﷺ کی سچائی کی دلیل	۳۵۷	کشتی میں تمام جانور نہیں تھے	۳۵۰	حقیقی کمینہ کون ہے
۳۶۵	آخر کار آپ کا غلبہ ہوگا	۳۵۷	کشتی والوں کی تعداد	۳۵۰	کافروں کے پاس کوئی دلیل نہ رہی
۳۶۵	پیغمبروں کی ایک مشترکہ صفت	۳۵۸	حضرت نوحؑ کی بیوی اور بیٹا	۳۵۰	عذاب اللہ کے قبضہ میں ہے
۳۶۶	قوم کو استغفار کی ترغیب	۳۵۸	کشتی پر سوار ہونے کا ادب	۳۵۱	تم گواہی کے شیدائی ہو
۳۶۶	قوم عاد کی ہٹ دھرمی	۳۵۸	ہر سواری کا چلنا، ٹھہرنا	۳۵۱	اہل مکہ کا حضور ﷺ پر الزام
۳۶۷	بت کچھ نہیں بگاڑ سکتے	۳۵۸	انسان کی عقلت	۳۵۱	لطائف و معارف
۳۶۷	میرا بھروسہ فقط اللہ پر ہے	۳۵۹	حضرت نوحؑ نے بیٹے کو دعوت دی	۳۵۲	قوم نوح کا آخری انجام
۳۶۷	میرا کوئی نقصان نہیں تم اپنی فکر کرو	۳۵۹	بیٹے کی نادانی	۳۵۲	قوم کی طرف سے تکالیف
۳۶۷	قوم عاد پر آندھی کا عذاب	۳۵۹	کوئی پہاڑ عذاب سے نہیں بچا سکتا	۳۵۳	عذاب کی تیاری
۳۶۸	عاد سے عبرت پکڑو	۳۵۹	ڈوبنے سے بچنے کی دُعاء	۳۵۳	کشتی بنانے کا حکم
۳۶۸	ان کو دنیا و آخرت کی لعنت ملی	۳۵۹	زمین و آسمان کو تھم جانے کا حکم	۳۵۳	کشتی کی لسبائی چوڑائی
۳۶۸	حضرت صالحؑ کی دعوت	۳۶۰	طوفان نوح تمام دنیا میں آیا	۳۵۳	کشتی بنانے کی مدت
۳۶۹	قوم کا جواب	۳۶۰	کو ا اور کبوتر	۳۵۳	کشتی کے درجے
۳۶۹	میں تمہاری وجہ سے حق کو نہیں چھوڑ سکتا	۳۶۰	کشتی کہاں ٹھہری	۳۵۳	مومنین اور تمام ضروریات کشتی میں سوار کیں
۳۶۹	تم مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہو	۳۶۱	کشتی کتنی مدت چلتی رہی	۳۵۳	تمام صنعتوں کی ابتداء
۳۶۹	صالح علیہ السلام کا معجزہ	۳۶۱	خشکی کی خبر		
۳۷۰	قوم ثمود پر عذاب	۳۶۱	زبانوں کا بدلنا		
۳۷۰	بے نام و نشان کر دیئے گئے	۳۶۲	عاشوراء کا روزہ		

۳۸۲	ہم تیرے کنبہ کا لحاظ کرتے ہیں	۳۷۸	مؤمنین کو بچا کر لے جانا	۳۷۰	سورہ ہود کے گذشتہ مضامین کا خلاصہ
۳۸۲	نظام مالیات میں شریعت کی تعلیمات	۳۷۸	عذاب کی آمد	۳۷۱	حضرت ابراہیم اور حضرت لوط اور ان کی قوم
۳۸۵	تم خدا کا لحاظ نہیں کرتے	۳۷۹	اینٹ سے اینٹ بجادی گئی	۳۷۱	تین مہمان
۳۸۶	تو پھر فیصلہ ہونے والا ہے	۳۷۹	مخصوص پتھر بر سے	۳۷۱	حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی
۳۸۶	قوم شعیب کی ہلاکت	۳۷۹	عبرت پکڑو	۳۷۱	فرشتوں کی میزبانی
۳۸۶	سکوں کو توڑنا حرام ہے	۳۸۰	اب بھی ظالم تباہ ہوں گے	۳۷۲	حضرت ابراہیم کے خوف کی وجہ
۳۸۶	موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں	۳۸۰	حضرت شعیب کی دعوت	۳۷۲	مہمان داری کے چند اصول
۳۸۷	فرعون اور وزیروں کی جہالت	۳۸۰	ناپ تول کا نظام درست رکھو	۳۷۲	کھانے کی قیمت
۳۸۷	فرعون جہنمیوں کا امام ہوگا	۳۸۱	حلال کی کمائی میں خیر ہے	۳۷۳	حضرت ابراہیم کا خوف
۳۸۷	ان پر ہمیشہ کی لعنت ہے	۳۸۱	حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت میں انتہاء کر دی	۳۷۳	فرشتوں کا تسلی دینا
۳۸۷	جاہلیت کے شاعروں کا امام	۳۸۱	حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم نے مذاق اڑایا	۳۷۳	حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری
۳۸۷	پچھلی قوموں کے یہ قصے قابل غور ہیں	۳۸۲	ہدایت کی ناشکری نہیں ہو سکتی	۳۷۳	حضرت سارہ کی ہنسی کی وجہ
۳۸۸	انہیں اپنے ظلم نے ہلاک کیا	۳۸۲	اپنی نصیحت کا پہلے خود پابند بنوں	۳۷۴	حضرت سارہ کا تعجب
۳۸۸	خدا کی پکڑ بہت سخت ہے	۳۸۲	واعظ کیلئے عمل ضروری ہے	۳۷۴	فرشتوں نے کہا تعجب کی ضرورت نہیں
۳۸۸	دنیا کا عذاب آخرت کی یاد دہانی ہے	۳۸۳	میں تو فقط تمہاری اصلاح چاہتا ہوں	۳۷۴	ازواج اہل بیت میں شامل ہیں
۳۸۹	جب سب کا فیصلہ ہوگا	۳۸۳	حضور ﷺ نے قیدیوں کو رہا کر دیا	۳۷۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شفقت بھری کوشش
۳۸۹	بس میعاد پوری ہونے کی دیر ہے	۳۸۳	حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد	۳۷۵	حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد
۳۸۹	اس دن کوئی بول نہ سکے گا	۳۸۳	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ	۳۷۵	قوم والوں کا بھاگ کر آنا
۳۸۹	عمل کئے جاؤ	۳۸۴	اے قوم! پچھلی امتوں سے عبرت پکڑو	۳۷۶	مہمانوں کی آبرو بچانے کی کوشش
۳۹۰	خدا اور مخلوق کا ہمیشہ رہنا	۳۸۴	توبہ واستغفار کرو	۳۷۶	حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی
۳۹۰	اللہ تعالیٰ جنت والوں کی طرف جھانکیں گے	۳۸۴	قوم کی بے پرواہی	۳۷۷	فرشتوں نے حقیقت ظاہر کر دی
۳۹۱	ہر شخص کی جنت	۳۸۴	قوم نے کہا تم تو کمزور ہو	۳۷۷	سب قوم والے اندھے ہو کر بھاگنے لگے
۳۹۱	اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے	۳۸۴	حضرت شعیب کا زونا		

۳۹۱	نیک بختی اور بد بختی کی پانچ نشانیاں	۳۹۸	ایک وقت میں نمازیں جائز نہیں	۲۰۷	عجیب قصہ
۳۹۲	چیخ و پکار	۳۹۹	نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں	۲۰۷	جنت والے پڑھیں گے
۳۹۲	جنت اور جہنم کی زندگی ابدی ہے	۳۹۹	پانچ نمازوں کی مثال	۲۰۷	بہترین قصہ اور بہترین بات
۳۹۲	دوزخ کے دوسانس	۳۹۹	یہ اصول پوری امت کیلئے ہے	۲۰۸	اب پچھلی کتابوں کی ضرورت نہیں رہی
۳۹۲	گناہ گار مسلمان جنت میں آجائیں گے	۴۰۰	حضرت ابوالیسر کا واقعہ	۲۰۹	یوسف علیہ السلام کا خواب
۳۹۳	مہلت سے دھوکا نہ کھاؤ	۴۰۰	نمازوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں	۲۰۹	خواب میں نظر آنے والے تارے
۳۹۳	اختلاف کا فیصلہ قاعدے کے مطابق ہوگا	۴۰۱	اللہ کی امداد حاصل کرنے کا طریقہ	۲۰۹	حضور ﷺ اور حضرت یوسفؑ میں مشابہت
۳۹۳	وقت پر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا	۴۰۱	نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا	۲۱۰	خواب کی تعبیر باپ کی نصیحت
۳۹۳	آپ سیدھی راہ پر جسے رہیں	۴۰۱	اللہ خواہ مخواہ ہلاک نہیں کرتے	۲۱۱	خواب کیوں اور کیسے آتے ہیں
۳۹۳	استقامت کی اہمیت	۴۰۲	شُرک کی وجہ سے ہلاک نہ کرنے کی وجہ	۲۱۱	خواب کی قسمیں
۳۹۵	شدت اختیار نہ کرو	۴۰۲	کون سا اختلاف برا ہے	۲۱۱	صوفیاء کی تحقیق
۳۹۵	استقامت کا مفہوم	۴۰۳	تکوینی حکمت	۲۱۲	خواب چھ ہیں
۳۹۵	تمام گمراہیوں کی بنیاد	۴۰۳	اللہ کی مشیت اور حکم	۲۱۲	اچھا اور برا خواب
۳۹۶	جامع عمل	۴۰۳	دنیا کو پیدا کرنے کی غرض	۲۱۲	بُرا خواب بیان نہ کرنے کی حیثیت
۳۹۶	حضرت عبداللہ بن عباس کی نصیحت	۴۰۳	جنت اور دوزخ کی گفتگو	۲۱۳	خواب بیان نہ کرنے کی حکمت
۳۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا	۴۰۴	بعض واقعات بیان کرنے کی حکمت	۲۱۳	مؤمن کا خواب نبوت کا حصہ کیوں ہے
۳۹۶	تاکیدی حکم	۴۰۴	حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا صبر کرو	۲۱۳	کبھی کافر فاسق آدمی کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے
۳۹۶	ظالموں سے ذرا بھی تعلق نہ رکھو	سورۃ یوسف		۲۱۳	خواب کی حیثیت
۳۹۷	نا پسندیدہ عالم	۴۰۶	سورۃ کا تعارف	۲۱۴	خواب ہر شخص سے بیان کرنا
۳۹۷	ظالم کی نحوست	۴۰۶	اصلاح کا نسخہ	۲۱۴	تین طرح کا خواب
۳۹۷	ظالموں سے دوستی نہ کرو	۴۰۶	اصل مقصود انشاء ہے	۲۱۴	یہودیوں کا سوال
۳۹۷	اللہ کی طرف جھکو	۴۰۶	مورخین کیلئے ہدایات	۲۱۵	بنی اسرائیل کی بنیاد
۳۹۸	قرآن کریم کا اندازِ خطاب	۴۰۶	روشن احکام	۲۱۵	حضرت یعقوبؑ کا خطرہ
۳۹۸	پوری امت کو حکم	۴۰۷	عربی قرآن	۲۱۵	بھائیوں کی سخت دلی
		۴۰۷	نہایت سبق آموز انداز بیان		

۴۲۷	مصر میں فروخت	۴۲۱	تم غفلت کرو گے	۴۱۵	یہودا کی رحمدلی
۴۲۷	مصر میں قیمت	۴۲۱	بیٹوں کا جواب	۴۱۵	یوسفؑ کے بھائی انبیاء نہیں تھے
۴۲۷	مصری خریدار	۴۲۱	قرآن کا انداز بیان	۴۱۶	حضور ﷺ کی دلیل
۴۲۷	یوسفؑ کو بیٹا بنالیا	۴۲۱	بھائی ساتھ لے گئے	۴۱۶	اچھا خواب
۴۲۸	دنیا کے ذہین شخص	۴۲۱	بھائیوں کا ظلم اور یوسفؑ کی فریاد	۴۱۶	یونانیوں کی نادانی
۴۲۸	تدبیر الہی	۴۲۲	کنوئیں میں ڈال دیا	۴۱۶	نبوت کی بشارت
۴۲۸	علم و حکمت کا حصول	۴۲۲	ابراہیم علیہ السلام کا کرتہ	۴۱۶	علم و حکمت کی تعلیم
۴۲۸	سلامت طبع	۴۲۲	بھائیوں کی واپسی	۴۱۶	بہت ساری نعمتیں ملیں گی
۴۲۹	امتحان یوسف	۴۲۳	والد کے سامنے بیان	۴۱۷	باپ دادوں کو ملیں
۴۲۹	حضرت یوسفؑ کی کامیابی	۴۲۳	دوڑ کا مقابلہ	۴۱۷	علم اور حکمت
۴۲۹	زینخا کا جال	۴۲۳	اپنے منہ میاں مٹھو	۴۱۷	ہدایت و عبرت کا سامان
۴۲۹	اعمال نامہ کا اصول	۴۲۳	جھوٹا خون	۴۱۷	یعقوبؑ کی اولاد
۴۲۹	گناہ سے بچنے کا ذریعہ	۴۲۳	یعقوب علیہ السلام کی دانائی اور صبر	۴۱۸	سوال کرنے والے
۴۳۰	زینخا کو سبق	۴۲۴	بھائیوں کی عقل پر پردہ	۴۱۸	بھائیوں کی ناگواری
۴۳۰	لفظ ”رب“ کا اطلاق	۴۲۴	یوسف علیہ السلام قافلہ کے ہاتھ	۴۱۸	یوسفؑ سے زیادہ محبت کی وجہ
۴۳۰	انبیاء گناہ سے محفوظ ہیں	۴۲۴	یوسف علیہ السلام کا حسن	۴۱۸	یعقوبؑ نے زیادتی نہیں کی
۴۳۰	توفیق الہی کے بغیر بچنا مشکل تھا	۴۲۴	قافلہ والوں کی خوشی	۴۱۹	قتل کا پروگرام
۴۳۱	زینخا اور یوسفؑ کے قصد میں فرق تھا	۴۲۵	یوسف علیہ السلام کا کرتہ	۴۱۹	بھائیوں کی خوش فہمی
۴۳۱	خدائی برہان	۴۲۵	یوسف علیہ السلام غلام بن گئے	۴۱۹	قتل کا پروگرام
۴۳۲	یوسف علیہ السلام کی عظمت	۴۲۵	ارادہ خداوندی	۴۱۹	بھائیوں کی خوش فہمی
۴۳۲	برائی نے قصد کیا تھا	۴۲۵	حضور ﷺ کیلئے بشارت	۴۱۹	یہودا کا مشورہ
۴۳۲	یوسفؑ کا باہر نکلنا	۴۲۵	یہ واقعات محض اتفاق نہ تھا	۴۱۹	بھائیوں کے جرائم
۴۳۲	زینخا کی چالاکی	۴۲۶	بھائیوں نے بھائی کو بیچ ڈالا	۴۱۹	اللہ نے بچالیا
۴۳۳	معصوم بچے کی گواہی	۴۲۶	معارف و مسائل	۴۲۰	باپ سے اجازت
۴۳۳	چار بچے	۴۲۶	وہ بھائی سے بیزار تھے	۴۲۰	اجازت مانگنے کا عذر
۴۳۳	تین بچے	۴۲۷	زاہد کا معنی	۴۲۰	یعقوب علیہ السلام کا جواب

۲۵۳	یوسفؑ کی فضیلت	۲۴۱	دونو جوان قیدی	۲۳۳	گیارہ بچے
۲۵۳	حضور ﷺ کی افضلیت	۲۴۲	قیدیوں کے خواب	۲۳۴	بچے کی حکیمانہ گواہی
۲۵۳	بادشاہ کی عورتوں سے تفتیش	۲۴۲	قیدیوں پر احسان	۲۳۴	احکام و مسائل
۲۵۴	یوسفؑ کی پاکدامنی کا اقرار کر لیا	۲۴۳	پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال	۲۳۴	مولانا رومیؒ
۲۵۵	تحقیق و تفتیش کا مقصد	۲۴۳	پہلے یوسفؑ کی تسلی اور دعوت توحید	۲۳۵	غیر جانبدارانہ گواہی
۲۵۵	عورتوں کے بیانات	۲۴۴	پیغمبروں کا کام	۲۳۵	عزیز کی معذرت
۲۵۶	یوسفؑ نے فخر نہیں کیا	۲۴۵	عقیدہ توحید کا تاریخی تسلسل	۲۳۵	عورتوں کی مکاری
۲۵۶	عناصر اربعہ کی خاصیتیں	۲۴۵	حکیمانہ انداز	۲۳۵	عورت کا اثر
۲۵۶	زینحٰ کی ندامت	۲۴۵	فقط اللہ کی عبادت کرو	۲۳۶	عزیز کی سمجھداری
۲۵۷	عجیب ساتھی	۲۴۶	سیدھا راستہ	۲۳۷	شہر میں بدنامی
۲۵۷	نفس کا تقاضا	۲۴۶	خوابوں کی تعبیر	۲۳۷	شہرت کیوں ہوئی
۲۵۷	نفس کی قسمیں	۲۴۶	رہا ہونے والے قیدی	۲۳۷	بدنامی ختم کرنے کی تدبیر
۲۵۷	حضرت یوسفؑ کی دعاء	۲۴۶	شیطان نے قیدی کو بھلوا دیا	۲۳۷	یوسف علیہ السلام کا حسن
۲۵۷	بادشاہ سے گفتگو	۲۴۷	پیغمبرانہ شان کی نزاکت	۲۳۷	عورتوں کے ہوش اڑ گئے
۲۵۸	یوسف علیہ السلام کا مشورہ	۲۴۷	جبریلؑ کی گفتگو	۲۳۸	عرش کے سایہ میں جگہ پانے والے
۲۵۸	عہدہ کی طلب	۲۴۷	مصر کے بادشاہ کا خواب	۲۳۸	یہ تو فرشتہ ہے
۲۵۸	کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا	۲۴۸	معجزہ کا اظہار ضروری ہے	۲۳۸	زینحٰ نے اپنی براءت کر دی
۲۵۹	دربار میں آنے کی تیاری	۲۴۸	احکام و مسائل	۲۳۹	زینحٰ نے اصل بات بتادی
۲۵۹	دربار میں پہنچنا	۲۴۹	درباری تعبیر نہ بتا سکے	۲۳۹	زینحٰ کی دھمکی
۲۶۰	یوسفؑ نے خود تعبیر بتلائی	۲۴۹	اب ساقی کو یوسفؑ یاد آئے	۲۳۹	تمام عورتیں یوسفؑ کو بہلانے لگیں
۲۶۰	اپنی خدمات پیش کر دیں	۲۴۹	پیغمبروں کی صداقت	۲۳۹	یوسفؑ کی پاکدامنی
۲۶۱	عہدہ طلب کرنے کا مقصد	۲۵۰	خواب کی تفصیل	۲۴۰	عافیت کی دعاء کرنی چاہئے
۲۶۱	تخت شاہی پر جلوہ افروزی	۲۵۱	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۲۴۰	یوسفؑ کی التجاء
۲۶۱	زینحٰ سے نکاح	۲۵۲	حضرت یوسفؑ کی طلبی	۲۴۰	دعاء کی قبولیت
۲۶۲	حکومت میں آپ کا مقام و مرتبہ	۲۵۲	یوسفؑ نے صفائی طلب کی	۲۴۰	یوسفؑ کا حسن خلق
۲۶۳	بھلائی اور نیکی کا انعام	۲۵۲	یوسفؑ کا صبر	۲۴۱	یوسفؑ کو جیل بھیجنے کی وجہ

۴۸۲	بستی والوں سے پوچھ لو	۴۷۲	بنیامین کے ساتھ خصوصی معاملہ	۴۶۳	یوسف کی حسن تدبیر
۴۸۲	یعقوب علیہ السلام کا صبر و توکل	۴۷۳	سگے بھائی کی محبت کی مجبوری	۴۶۴	شادی اور اولاد
۴۸۳	یعقوب علیہ السلام کا غم	۴۷۳	برتن کیساتھ	۴۶۴	بھائیوں کا مصر میں آنا
۴۸۳	افسوس کا اظہار	۴۷۴	قافلے کی روانگی	۴۶۴	بھائی کو کیوں نہ پہچان سکے
۴۸۳	صاحبزادہ ابراہیم کی وفات	۴۷۴	حیلہ اور توریہ کا مسئلہ	۴۶۴	احوال کی چھان بین
۴۸۳	گریبان پھاڑنا	۴۷۵	اس دور میں چور کی سزا	۴۶۵	بھائیوں کا خاص احترام
۴۸۴	یعقوب علیہ السلام نا بنیا ہو گئے	۴۷۵	پیالہ برآمد ہو گیا	۴۶۵	خواب کا دوسرا حصہ
۴۸۴	بیٹوں کی طرف سے تسلی	۴۷۵	بنیامین کو بھائیوں کی ملامت	۴۶۶	فلسطین میں آپ کی شہرت
۴۸۴	انبیاء کی آزمائش	۴۷۶	یہ تدبیر اللہ نے کی	۴۶۶	بنیامین کی طلب
۴۸۴	یعقوب علیہ السلام کی محبت	۴۷۶	اللہ کی کار سازی	۴۶۶	پچھلے واقعات کا اظہار
۴۸۵	یعقوب علیہ السلام کو تسلی	۴۷۶	معارف و مسائل	۴۶۷	بنیامین نہ آیا
۴۸۵	جبریلؑ نے یوسفؑ کو حالات کی اطلاع دی	۴۷۶	احکام و مسائل	۴۶۷	قیمت بھی واپس کر دی
۴۸۶	عزرائیل سے ملاقات	۴۷۷	خلاف واقعہ کچھ نہیں کیا	۴۶۷	قیمت واپس کرنے کی وجہ
۴۸۶	مؤمن مایوس نہیں ہوتا	۴۷۷	علمی برتری	۴۶۸	فرمایا: کیسے اعتماد کروں؟
۴۸۶	یوسف و بنیامین کی تلاش	۴۷۸	اپنا دامن صاف کر دکھایا	۴۶۸	بنیامین کو لے جانے کی کوشش
۴۸۶	احکام و مسائل	۴۷۸	یوسفؑ نے بت توڑا تھا	۴۶۸	آخر کار بنیامین کو بھیج دیا
۴۸۶	دو گھونٹ	۴۷۸	سچی گھرانہ	۴۶۸	ہدایات و مسائل
۴۸۷	یعقوب علیہ السلام کا ثواب	۴۷۸	یوسفؑ کی پرورش	۴۷۰	نظر بد اور حسد وغیرہ سے حفاظت
۴۸۷	بھائیوں کی مصر روانگی	۴۷۹	یوسف علیہ السلام کا حوصلہ	۴۷۰	معارف و مسائل
۴۸۷	صدقہ کا بدلہ	۴۷۹	روئیل کا غصہ	۴۷۱	نظر بد کا اثر حق ہے
۴۸۸	یعقوب علیہ السلام کا خط	۴۷۹	بھائیوں کی منت سماجت	۴۷۱	نظر بد کا علاج
۴۸۸	خط کا اثر	۴۷۹	ہم بے انصافی نہیں کر سکتے	۴۷۱	اچھی چیز میں برکت کی دُعاء کرو
۴۸۸	یوسف علیہ السلام کی مروت	۴۸۰	وحی کا اتباع ضروری ہے	۴۷۱	تقدیر کا لکھا پورا ہو گیا
۴۸۸	اب بھائیوں نے پہچان لیا	۴۸۱	بڑے بھائی نے جانے سے انکار کر دیا	۴۷۱	احکام و مسائل
۴۸۹	کیسے پہچانا	۴۸۱	تم جا کر ابا کو اطلاع دو	۴۷۲	تقدیر غالب آگئی
		۴۸۱	معارف و مسائل	۴۷۲	راز و نیاز کی باتیں

۵۰۶	کبھی کوئی فرشتہ نبی نہیں بنا	۴۹۶	خواب کی تعبیر پوری ہوئی	۴۸۹	اللہ کی نعمتوں کو یاد کرے
۵۰۶	کوئی عورت نبی یا رسول نہیں بنی	۴۹۶	احکام و مسائل	۴۹۰	صبر و تقویٰ ہر مصیبت کا علاج ہے
۵۰۶	رسول شہر والوں سے بھیجے	۴۹۷	احسانات و خداوندی کا شکریہ	۴۹۰	بھائیوں کی شرمساری
۵۰۷	پچھلے منکروں سے عبرت پکڑو	۴۹۸	یعقوب علیہ السلام کا شکوہ	۴۹۰	یوسف علیہ السلام کی کریمی
۵۰۷	مہلت سے دھوکہ نہ کھاؤ	۴۹۸	یعقوب کی تدفین	۴۹۱	یعقوب کی آنکھوں کیلئے کرتہ بھیجا
۵۰۷	پیغمبروں کیلئے حالات کی سنگینی	۴۹۸	موت کی دعاء	۴۹۱	یہ قمیض کہاں سے آیا تھا
۵۰۸	پیغمبر کس چیز سے مایوس ہوئے	۴۹۸	قصہ کا تکملہ	۴۹۱	تمام کنبہ کی دعوت
۵۰۸	شاہ ولی اللہ کی تفسیر	۴۹۹	معارف و مسائل	۴۹۲	خوشبوئے یوسف
۵۰۹	ان قصوں سے عبرت حاصل کرو	۵۰۰	ہدایات اور احکام	۴۹۲	کتنے فاصلے سے خوشبو آئی
۵۰۹	قرآن ذریعہ ہدایت	۵۰۰	موت کی تمنا	۴۹۲	بازگشتن برداران یوسف
۵۱۰	حضور ﷺ کیلئے صبر کی تلقین	۵۰۰	آیاء کی رفاقت کا شوق	۴۹۲	انبیاء کے معجزات
۵۱۰	کامل رہنمائی	۵۰۱	وفات یوسف	۴۹۳	عمر فاروق کی کرامت
سورہ رعد		۵۰۱	آپ کا تابوت شام لے گئے	۴۹۳	بیٹوں کا انکار
۵۱۱	عظیم الشان کتاب	۵۰۱	حضور ﷺ کی آخری دعاء	۴۹۳	بینائی لوٹ آئی
۵۱۱	حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی	۵۰۱	یوسف کی دعاء کا مقصد	۴۹۳	یعقوب کی فکر
	قرآن کی طرح وحی الہی ہے	۵۰۲	حضور ﷺ کی قصہ نبوت کی دلیل	۴۹۴	گناہ بخشوانے کی درخواست
۵۱۱	دنیا کی چھت	۵۰۲	معارف و مسائل	۴۹۴	تاخیر کا مقصد
۵۱۱	نظریہ کشش	۵۰۲	اخبار غیب اور علم غیب	۴۹۴	مصر جانے کی تیاری
۵۱۲	کرسی، عرش اور آسمان	۵۰۳	آپ کو کوئی نقصان نہیں	۴۹۴	استقبال
۵۱۲	امیہ بن الصلت کے اشعار	۵۰۳	تکوینی نشانیاں	۴۹۵	یوسف کی ماں
۵۱۲	کیا آسمان آنکھوں سے نظر آتا ہے	۵۰۳	معارف و مسائل	۴۹۵	باپ بیٹے کی ملاقات
۵۱۲	چاند اور سورج کا دورہ	۵۰۴	مکہ والوں سے شرک	۴۹۵	شہر میں داخلہ
۵۱۳	سیاروں کی رفتار اور امداد	۵۰۴	بدشگونی کا کفارہ	۴۹۵	تعظیم یوسف
۵۱۳	تدبیر کائنات دلیل قیامت	۵۰۴	شرک کی باریکیاں اور تحفظ	۴۹۵	سجدہ اور تعظیم
۵۱۳	انسانی تدبیر برائے نام ہے	۵۰۴	بے خوف کیوں ہو	۴۹۶	وفات یعقوب
۵۱۴	زمین کا گول ہونا	۵۰۵	مشرک، منافق اور ریاکار	۴۹۶	سجدہ کا مقصد

۵۳۱	صلہ رحمی	۵۲۳	تقدیر اور تدبیر	۵۱۴	پہاڑ اور نہریں
۵۳۱	قطع رحمی کی سزا	۵۲۴	قوموں کا عروج و زوال	۵۱۵	قدرت کے کارنامے
۵۳۲	صلہ رحمی کا مطلب	۵۲۴	شانِ انعام و انتقام	۵۱۵	گہائے رنگ رنگ
۵۳۲	سب سے پہلا حقدار	۵۲۴	کڑک اور بجلی	۵۱۶	قابلِ تعجب بات
۵۳۲	خوفِ خدا	۵۲۵	گناہ چھوڑنے پر اللہ رحمت بھیجتے ہیں	۵۱۶	مشرکین کی منطق
۵۳۲	تکلیفوں پر صبر	۵۲۵	رعد و برق کی تسبیح	۵۱۶	باغیوں کا انجام
۵۳۳	کون سا صبر مفید ہے	۵۲۶	کڑک کے وقت کی دعاء	۵۱۷	عذاب کوئی مشکل نہیں
۵۳۳	قیام نماز و اداء زکوٰۃ و صدقات	۵۲۶	کڑک کیسے پیدا ہوتی ہے	۵۱۷	گناہگاروں کیلئے امید گاہ
۵۳۳	گناہ کے بعد نیکی	۵۲۶	ایک گستاخ کو نقد سزا	۵۱۷	منہ مانگی نشانیاں دکھانا
۵۳۴	برائی کے بدلہ اچھائی کا اجر	۵۲۷	خوف اور امید	۵۱۸	رافضیوں کا غلط استدلال
۵۳۴	عدن کیا ہے	۵۲۷	برق فرشتہ	۵۱۸	فرمائشیں عناد کی علامت ہیں
۵۳۴	قرابت کا فائدہ	۵۲۷	اگر بندے نافرمان نہ ہوتے	۵۱۸	حمل کی کم از کم مدت
۵۳۴	ایک شبہ	۵۲۷	غیر اللہ کو پکارنا بے سود ہے	۵۱۸	زیادہ سے زیادہ مدت
۵۳۵	جواب	۵۲۸	دعوتِ حق	۵۱۹	عجیب تر
۵۳۵	مجاہدین کا اعزاز	۵۲۸	ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے	۵۱۹	حمل کا یقینی علم
۵۳۵	مؤمن کا اعزاز	۵۲۸	جورب ہے وہی معبود ہے	۵۱۹	ہر چیز حکمت کے تحت ہے
۵۳۶	پہلے جنت میں جانے والے	۵۲۸	موحد اور مشرک	۵۲۰	علم الہی لا محدود ہے
۵۳۷	بد عہدی	۵۲۸	بے بصیرت اور صاحب بصیرت آدمی	۵۲۰	تمہارے اعمال بھی معلوم ہیں
۵۳۷	بغاوت اور قطع رحم	۵۲۹	کیا بتوں نے بھی مخلوق پیدا کی ہے	۵۲۰	ہر آدمی کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں
۵۳۷	عہد کی قسمیں	۵۲۹	شرک سے حفاظت	۵۲۰	کتنے فرشتے مقرر ہیں
۵۳۷	بڑی صلہ رحمی	۵۳۰	حق و باطل کی مثال	۵۲۱	فرشتوں کی ڈیوٹیاں اور کارگزاری
۵۳۷	صلہ رحمی کے فوائد	۵۳۰	پیغمبر اور امت کی مثال	۵۲۱	عامر بن طفیل اور ابن ربیعہ
۵۳۸	دنیا کے عیش معیار نہیں ہے	۵۳۰	ایمان و عمل کا اجر	۵۲۲	حفاظت کے فرشتے
۵۳۸	دنیا پر نہ اتراؤ	۵۳۰	انکار کی سزا	۵۲۳	دس فرشتے
۵۳۸	کافروں کی فرمائش کا جواب	۵۳۱	حکمت کا تقاضا	۵۲۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتہ
۵۳۹	اطمینان حاصل کرنے کا نسخہ	۵۳۱	ایفائے عہد	۵۲۳	اگر فرشتے نہ ہوں.....

۵۵۸	تلاوت بھی مستقل مقصد ہے	۵۳۹	پیغمبر پر نکتہ چینی بلا وجہ ہے	۵۳۹	دلوں کی روزی
۵۵۸	بعثت کے مقاصد	۵۳۹	کفار و مشرکین کا نظریہ	۵۴۰	ذکر اللہ
۵۵۸	الفاظ اور معانی دونوں ہدایت ہیں	۵۵۰	حضور ﷺ کی سنت	۵۴۰	طوبی کیا ہے
۵۵۸	اس راہ میں ناکامی نہیں ہے	۵۵۰	ہر چیز کا وقت مقرر ہے	۵۴۰	طوبی درخت کا پھیلاؤ
۵۵۹	بد نصیب لوگ	۵۵۱	اللہ مختارِ کل ہے	۵۴۱	درخت سے اونٹنی برآمد
۵۵۹	کافروں کی حالت	۵۵۱	اسباب	۵۴۱	گھوڑوں، اونٹوں کی بارش
۵۵۹	اہل علم کی ایک غلطی	۵۵۱	اللہ جو چاہے مٹا دے جو چاہے باقی رکھے	۵۴۱	طوبی کا تفصیلی تعارف
۵۵۹	تین بری خصلتیں	۵۵۲	عمر میں کمی زیادتی	۵۴۳	حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد
۵۶۰	طبعی تربیت کا لحاظ	۵۵۲	حضرت مجددؑ کا واقعہ	۵۴۳	قریشِ رحمن کے منکر تھے
۵۶۰	قرآن عربی میں نازل کرنے کی حکمت	۵۵۲	مٹانے اور باقی رکھنے کا مطلب	۵۴۳	توکل علی اللہ
۵۶۰	ہر رسول اپنی قوم کا ہم زبان تھا	۵۵۳	صفتِ تقدیر اور علمِ ازلی	۵۴۴	قرآن پاک
۵۶۰	حضور ﷺ کی خصوصیات	۵۵۳	حضرت عمر فاروقؓ کی دعاء	۵۴۴	بعض مسلمانوں کے خیال کی تصحیح
۵۶۰	عربی زبان کی خصوصیت	۵۵۳	تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے	۵۴۵	ان کا علاج جہاد ہے
۵۶۱	تمام کتب کی اصل زبان عربی تھی	۵۵۳	اشاعتِ اسلام	۵۴۵	ڈھیل سے بے خوف نہ ہو
۵۶۱	قرآن کی خصوصیت	۵۵۳	اللہ کا فیصلہ اٹل ہے	۵۴۵	خدا کسی سے غافل نہیں
۵۶۱	عربی کے انتخاب کی وجوہات	۵۵۵	اللہ کی تدبیر کامیاب ہے	۵۴۶	خدا کا کوئی شریک نہیں ہے
۵۶۱	مثالی معاشرے کا قیام	۵۵۵	کافر انجام دیکھ لیں گے	۵۴۶	شرک کی کوئی حقیقت نہیں ہے
۵۶۲	عربی زبان کا لٹریچر	۵۵۵	اللہ کی گواہی کافی ہے	۵۴۶	فقط دھوکہ ہے
۵۶۲	تعلیماتِ قرآنیہ	۵۵۵	اہل کتاب کی گواہی	۵۴۶	ہدایت اللہ کے پاس ہے
۵۶۲	افضل و اکمل زبان	۵۵۶	عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا	۵۴۷	جنت کا تعارف
۵۶۲	اپنی مرضی کی چیز خریدی	۵۵۷	سورۃ ابراہیم	۵۴۷	جنت کے سائے
۵۶۲	موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو	۵۵۷	عظمتِ قرآن	۵۴۸	قرآن خوشی کا پیغام ہے
۵۶۳	گزشتہ اقوام کو یاد کرو	۵۵۷	سورۃ کے مضامین	۵۴۸	اہل کتاب کا انکار
۵۶۳	صبر و شکر ضروری ہے	۵۵۸	حروفِ مقطعات	۵۴۸	کسی کی خوشی کی پرواہ نہیں
۵۶۳	”ایام اللہ“ کا معنی	۵۵۸	قرآن امن و ہدایت کی کتاب	۵۴۹	علم و حکمت کا خزانہ
۵۶۳	عمل کی تدبیر				فقط قرآن کی پیروی کرو

۵۷۹	مسلمان کے مشابہ درخت	۵۷۰	سرکشوں کی گرفت	۵۶۳	ماضی میں نشانیاں ہیں
۵۷۹	شاہ ولی اللہ کی تشریح	۵۷۰	عذابِ آخرت	۵۶۳	صبر کا اجر
۵۸۰	مؤمن کی استقامت	۵۷۰	پیپ پلائی جائے گی	۵۶۳	امت محمدیہ کی دانشمندی
۵۸۰	قبر میں سوال و جواب	۵۷۱	بے پناہ تکلیف	۵۶۳	صبر و شکر کی حقیقت
۵۸۱	عذابِ قبر سے پناہ	۵۷۱	اعمال کفار	۵۶۵	انعام سے آزمائش
۵۸۲	نیک و بد کی موت	۵۷۲	آخرت کی زندگی	۵۶۵	شکر سے نعمت بڑھتی ہے
۵۸۲	نیکیاں ساتھ ہوتی ہیں	۵۷۲	تابع و متبوع کا جھگڑا	۵۶۵	شکر اور ناشکری کے نتائج
۵۸۲	دنیا و آخرت کی ثابت قدمی	۵۷۲	سرداروں کا جواب	۵۶۵	ناشکری
۵۸۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول	۵۷۳	بے کار اور جبری صبر	۵۶۶	نعمتِ ایمان کا شکر
۵۸۶	قبر کا عذاب و ثواب	۵۷۳	دوزخیوں کا رونا	۵۶۶	اللہ شکر کا محتاج نہیں
۵۸۶	مشیتِ خداوندی	۵۷۴	ابلیس کا خطاب	۵۶۶	ناشکری کا نقصان تمہیں ہوگا
۵۸۷	ضروری عقیدہ	۵۷۵	شفاعتِ کبریٰ	۵۶۶	پچھلی قوموں سے عبرت
۵۸۷	سردارانِ قریش	۵۷۵	کافروں کو سفارشی نہ ملے	۵۶۷	قوم کی گستاخیاں
۵۸۸	بنی مغیرہ اور بنی امیہ	۵۷۶	جنت کا سلام	۵۶۷	نظام کائنات کی شہادت
۵۸۸	عذاب کی دھمکی	۵۷۶	ایمان کی مثال	۵۶۷	بخشش کی دعوت
۵۸۸	اہل ایمان کو تنبیہ	۵۷۶	ترازو کو بھرنے والے کلمات	۵۶۸	معجزات کی فرمائش
۵۸۹	پہلے نیکیاں کام آئیں گی	۵۷۶	کلمہ طیبہ	۵۶۸	اللہ نے نبوت سے سرفراز کیا
۵۸۹	اعلانیہ اور خفیہ عمل	۵۷۶	کھجور کا درخت	۵۶۸	معجزات اللہ کے اختیار میں ہیں
۵۹۰	موت کا دن	۵۷۷	درخت اور ایمان میں مشابہت	۵۶۹	ہم تو کل نہیں چھوڑ سکتے
۵۹۰	پانی کا اترنا	۵۷۸	کفر کی مثال	۵۶۹	قوم والوں کا فیصلہ
۵۹۰	جوہر حیات	۵۷۸	کفار کی مثال	۵۶۹	اللہ تعالیٰ کا فیصلہ
۵۹۰	سمندروں کی تسخیر	۵۷۸	گندہ درخت	۵۶۹	شرط کامیابی
۵۹۰	سورج چاند کی تسخیر	۵۷۸	دونوں مثالوں کا حاصل	۵۷۰	پیغمبروں کی دعائیں

۶۰۴	چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی	۵۹۷	مکہ میں پہنچنا	۵۹۰	مسخر کر دینے کا مطلب
۶۰۵	جنتیوں کی روٹی	۵۹۷	پانی کا ختم ہونا	۵۹۱	تمام ضرورتوں کی کفالت
۶۰۵	محشر کی بھوک اور پیاس	۵۹۷	زمزم کا چشمہ	۵۹۱	بے شمار نعمتیں
۶۰۵	زمین آگ بن جائے گی	۵۹۷	بنی جرہم	۵۹۲	بے انصاف انسان
۶۰۵	لوگ کہاں ہوں گے	۵۹۸	حضرت اسماعیلؑ کی شادی	۵۹۲	صبح شام استغفار
۶۰۶	چہروں کی خاک	۵۹۸	پیغمبرانہ استقامت	۵۹۲	تین رجسٹر
۶۰۶	تبدیلی کیسے ہوگی؟	۵۹۸	بیت اللہ کی پہلی تعمیر	۵۹۲	انسانوں کی ناشکری
۶۰۶	دو مرتبہ تبدیلی	۵۹۸	نماز کی پابندی	۵۹۳	قریشیوں کو نصیحت
۶۰۶	مساجد	۵۹۹	پھل	۵۹۳	دُعائے ابراہیمؑ
۶۰۷	تبدیلی کا ایک اور معنی	۵۹۹	اسماعیلؑ و اسحاقؑ کی ولادت	۵۹۳	قرآن کا مقصد
۶۰۷	جہنمی کرتے	۵۹۹	دُعاء کی اہمیت	۵۹۳	اولادِ اسماعیلؑ
۶۰۸	حساب کی مدت	۶۰۰	والد کیلئے دعاء	۵۹۴	ابراہیمؑ کون ہے
۶۰۸	جاہلیت کے کاموں کی سزا	۶۰۰	ظالم عاقل نہ ہوں	۵۹۴	مشرک کیلئے رزق کی دعاء
		۶۰۰	آیت کا مخاطب کون ہے؟	۵۹۴	حکیمانہ دعاء
		۶۰۱	قیامت کی ہولناکی	۵۹۴	کامیابی کے دو بنیادی اصول
		۶۰۱	خوف حیرت	۵۹۴	اولاد کی معاشی راحت
		۶۰۱	مہلت کی درخواست	۵۹۵	حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیلؑ علیہ السلام
		۶۰۲	جواب درخواست	۵۹۶	تعمیر کعبہ
		۶۰۲	باوجود علم کے ظالموں کی پیروی	۵۹۶	مکہ کی حرمت
		۶۰۲	سب مخالفانہ داؤنا کام	۵۹۶	حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا
		۶۰۳	حقیقت ٹل نہیں سکتی	۵۹۶	حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا
		۶۰۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال	۵۹۷	نطاق کا استعمال
		۶۰۴	زمین و آسمان کی تبدیلی		



بواط، عسیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔
غزوہ بدر

۲ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لئے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔ دوسرے ”انصار“ کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو۔ ابتداء اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے ٹک بھڑ ہونے کی توقع نہ تھی اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا، فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی“۔ ابوسفیان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے ائمة الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ نَبَاٌ مِّنْ حَرْبِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَنَبَاٌ مِّنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو عزت و کامیابی کا تاج ملے گا اور وہ اپنے دین میں سلامت رہے گا۔ (ابن سیرین رحمہ اللہ)
ظلم کی انتہا

مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجز نما استقامت و للہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا ہی مثال واقعہ ہے۔ قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر خالص خدا و رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔

قتال کی اجازت

جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گزر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا و رسول کی محبت اور دولت تو حید و اخلاص سے ایسے بھر پور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب ان مظلوموں کی جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی
لَقَدْ يُرِي الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَغْيٌ حَقٌّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ (۱۰۰)
ابتدائی لائحہ عمل

مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداء وہاں چڑھ کر جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین ”مکہ“ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال ”ابواء“

ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کریگا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے۔ اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جو ہر شجاعت دکھلائے جائیں۔

کفر کی شکست

چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔

خود ساختہ خیال

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو ”مدینہ“ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی، وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار مجاہدین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں، پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ اِن هٰذَا الشَّيْءِ عَجَابٌ بَاقِيٌ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا هٰٓؤُلَآءِ سَبِيْلًا وَّقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْكُمْ كَمَا هُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے، کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں۔ فی نفسہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں

اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو۔ یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی محمد یحییٰ سلمہ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں اپنے رسالہ ”الجهاد الكبير“ میں لکھی ہے۔ اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ ”الشہاب“ میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ! (تفسیر عثمانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ
تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے
وَالرَّسُوْلِ ؕ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ
اور رسول کا سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو
بَيْنِكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اِنْ كُنْتُمْ
آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اگر
مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا
ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا ثَلِيَتْ
نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ
ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر
يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ
بھروسہ رکھتے ہیں وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے ایمان
حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ
والے ان کے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور
مَغْفِرَةٌ ۝ وَرِشْقٌ كَرِيْمٌ ۝
معافی اور روزی عزت کی ☆

مال غنیمت کا مالک اللہ ہے

”بدر“ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے متعلق صحابہ میں نزاع تھی۔
 نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔
 پرانے لوگ جو نوجوانوں کی پشت پر تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا
 لگانے سے فتح ہوئی۔ لہذا غنیمت ہم کو ملنی چاہئے۔ ایک جماعت جو نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق
 سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلادیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ کسی کا
 سہارا اور زور پیش نہیں جاتا۔ سو مال کا مالک خدا ہے۔ پیغمبر اس کے
 نائب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے
 موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہئے (اس حکم کی تفصیل آگے آئے گی) بکے
 مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔ آپس میں صلح و
 آشتی سے رہیں، ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں، اپنی آراء و
 جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا اور رسول کا حکم مانیں، جب خدا کا نام
 درمیان میں آجائے، ہیبت و خوف سے کانپ اٹھیں، آیات و احکام الہی
 سن کر ان کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی
 ہو جائے کہ ہر معاملہ میں ان کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی
 نہ رہے۔ اسی کے سامنے سر عبودیت جھکائیں، اسی کے نام پر مال و
 دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی
 خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا
 ایمان دار کہا جاسکتا ہے جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے
 بڑے مقامات و مراتب قرب پر فائز ہونگے۔ جنہیں معمولی کوتاہیوں
 سے درگزر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔

رزقنا اللہ منہ بفضلہ و منہ (تفسیر عثمانی)

”انفال“ کا معنی

مال غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے اور مال فتنے
 وہ جو بغیر قتال و جہاد کے ہاتھ آجائے۔ اور لفظ انفال دونوں کے لئے
 عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو
 امیر جہاد عطا کرے ہے۔ جیسا ایک حدیث قدسی میں رسول کریم صلی
 اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت و عبدیت کے ذریعہ اللہ
 تعالیٰ کا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں یہ فرماتے
 ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ

دیکھتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ
 سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ جس کو پکڑتا ہے
 میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔
 خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی خاص نصرت و امداد اس کے ساتھ ہو
 جاتی ہے۔ جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ کان یا ہاتھ پاؤں سے
 ہوتا ہے، درحقیقت اس میں قدرت حق تعالیٰ شانہ کی کار فرمائی ہوتی ہے
 رشتہ در گردنم انگندہ دوست میسر و ہر جا کہ خاطر خواہ دوست
 مادی اسباب نہ چھوڑو

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی
 نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کر کے
 بیٹھ جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب و آلات کو اصل کامیابی
 کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ بقدر قدرت و ہمت مادی اسباب اور تدابیر کو
 فراہم کرنے اور استعمال کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد
 کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب
 کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ ایک
 حدیث میں فرمایا اجملوا فی الطلب و توکلوا علیہ یعنی رزق اور
 اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی
 اسباب کے ذریعہ کوشش کر لو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اپنے دل و
 دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب ہی میں نہ الجھا رکھو۔

دو قسم کا ایمان

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے
 ابو سعید کیا آپ مؤمن ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ایمان دو قسم کے
 ہیں۔ تمہارے سوال کا مطلب اگر یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے
 فرشتوں کتابوں اور رسولوں پر اور جنت دوزخ اور قیامت اور حساب
 کتاب پر ایمان رکھتا ہوں تو جواب یہ ہے کہ بیشک میں مؤمن ہوں۔
 اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ مؤمن کامل ہوں جس کا
 ذکر سورۃ انفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں
 داخل ہوں یا نہیں۔ سورۃ انفال کی آیات سے وہی آیات مراد ہیں جو
 ابھی آپ نے سنی ہیں۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

فتح کمزوروں کی برکت سے ملتی ہے

محمد یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ

خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور ہم نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا تو آپ نے پوچھا تم نے کیا جواب دیا۔ ہم نے عرض کیا ہم کچھ جواب نہ دے سکے۔ فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ کیا تم یقینی جنتی ہو مؤمنین حق تو یقینی جنتی ہوتے ہیں۔

مسئلہ:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انا مؤمن ان شاء اللہ کہنا ہی مکروہ ہے کیونکہ اس سے ایمان میں شک ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے بلکہ انا مؤمن کے بعد ان شاء اللہ کہنے کی بجائے حقا کہنا صحیح ہے۔ انا مؤمن حقا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اپنا خاتمہ بخیر اور بر ایمان ہونے کا قطعی یقین ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس وقت میں قطعی مؤمن ہوں میرا ایمان شک و شبہ سے پاک ہے۔

حضرت قتادہؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مکالمہ

امام ابوحنیفہؒ نے قتادہؒ سے پوچھا آپ اپنے ایمان کو ان شاء اللہ سے مشروط کیوں کرتے ہیں۔ قتادہؒ نے جواب دیا حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا،
وَالَّذِي اٰطَمَهُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (یعنی مجھے طمع ہے کہ قیامت کے دن اللہ میرے قصور کو معاف کر دے؛ اس میں لفظ طمع آیا ہے کہ جو عدم یقین پر دلالت کر رہا ہے) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید کیوں نہیں کی کہ جب اللہ نے ان سے فرمایا اَوْ كَمْ تَتَوَهَّنُ کیا تو ایمان نہیں لایا تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلَىٰ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (یعنی ایمان کیوں نہیں لایا مگر میں قلبی اطمینان کے لئے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں)

جنت الفردوس کی دُعا مانگو

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر سو درجات ہیں ہر درجہ کا دوسرے درجہ سے فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان زمین کے درمیان ہے فردوس کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہوگا۔ دُعا کرتے وقت تم اللہ سے فردوس مانگا کرو۔ (رواہ الترمذی)

جنت کے درجات

بغوی نے لکھا ہے کہ ربیع بن انسؓ نے فرمایا ستر درجے ہیں ہر درجہ کی دوسرے درجہ سے مسافت اتنی ہے جتنی مسافت اس دوڑ کے میدان کی ہوتی ہے جس میں مشاق سوار گھوڑا ستر برس تک دوڑاتا چلا جائے۔ (تفسیر مظہری)

صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو برابر برابر تقسیم کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوار کو جو قوم کی حفاظت کرتا ہے اتنا ہی دے رہے ہیں جتنا ایک کمزور آدمی کو (جو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتا دوسروں کو تو کیا بچائے گا) فرمایا تیری ماں تجھے روئے کیا (تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ تم کو فتح کمزوروں کی (برکات اور دعاؤں) کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا لگادی جس نے کسی (کافر جنگی) کو قتل کیا ہو اس سے چھینا ہو مال قتل کرنے والے کا ہے اور جس نے کسی کو قید کیا ہو تو وہ قیدی اسی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل کو مقتول (کافر) سے چھینا ہو مال عنایت فرمادیتے تھے۔

مسلمانوں کے مختلف گروہوں کا خیال

سعید بن منصور، امام احمد، ابن المنذر، ابن حبان اور حاکم نے سنن میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا مسلمانوں کا کافروں سے مقابلہ ہوا اللہ نے دشمن کو شکست دے دی۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا کسی کو قید اور کسی کو قتل کرنے لگے۔ دوسرا گروہ میدانِ جنگ میں جا گھسا اور مالِ غنیمت جمع کرنے لگا اور تیسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے احاطہ میں لئے رہا کہیں دشمن دھوکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دکھ نہ پہنچادے۔ جن لوگوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا مال ہم نے جمع کیا ہے اس لئے (ہمارے سوا) کسی اور کا اس میں حصہ نہیں ہے۔ جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو، ہم نے دشمن کو نکالا اور شکست دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ دستہ نے کہا تم میں سے کوئی بھی ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھیرے میں لئے رہے اور حفاظت کرتے رہے کہیں دشمن غفلت میں کوئی دکھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچادے ہم اسی حفاظت میں لگے رہے۔ اسی پر آیات يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کا نزول ہوا۔

یقینی جنتی مؤمن

علقمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ایک سفر میں ہماری ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی۔ ہم نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا نحن المؤمنون حقا ہم یقیناً پکے مؤمن ہیں ہم لا جواب ہو گئے سمجھ میں نہ آیا کہ ان سے کیا کہیں۔ جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی

فوجیوں کے انعام کے چار طریقے

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ امام اگر فوج کے افراد کو کوئی انعام دے جو ان کے مقررہ حصے کے علاوہ ہو تو اس کو نفل یا انفال کہتے ہیں اور یہ اس کی کارگزاریوں اور دشمن پر زوردار حملہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نفل جو امام کی طرف سے اعتراف حسن کارگزاری کے طور پر ملتا ہے چار طریقوں پر ہوتا ہے۔ ہر طریقہ اپنی جگہ پر دوسرے طریقہ سے الگ ہے۔ ایک تو مقتول کا لوٹا ہوا مال و اسباب اُس میں سے کوئی پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو پانچواں حصہ الگ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر دشمن پر بھیج دیا وہ غنیمت کا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے اس لشکر کو چوتھائی یا تہائی اپنے حسب صوابدید تقسیم کر دے۔ تیسرا یہ طریقہ کہ جو خمس نکال کر باقی تقسیم کیا جانے والا ہے اس میں سے اپنے حسب صوابدید اور حسب کارگزاری جس کو جتنا مناسب سمجھے دے اور باقی تقسیم کر دے۔ چوتھی صورت یہ کہ ساری غنیمت میں سے نفل دے قبل اس کے کہ خمس نکالے۔

جنت کے محلات کی قیمت

انس کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرارہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسی چیز ہنسی کا سبب ہوئی؟ تو فرمایا کہ میرے دو امتی خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک خدا سے کہتا ہے کہ یا رب اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے، یا رب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اسے دے دوں۔ تو وہ مظلوم کہتا ہے کہ اے خدا! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لا دو۔ یہ کہتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ لوگ اس بات کے حاجت مند ہو گئے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اب اللہ پاک طالب انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ! وہ سر اٹھائے گا جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا، یا رب! اس میں تو چاندی اور سونے کے محل ہیں موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یا رب! یہ محل کسی نبی اور کس صدیق اور شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے اس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ کہے گا، یا رب! کون اس کی قیمت

ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا۔ یا رب کس طرح؟ اللہ جل شانہ ارشاد فرمائے گا وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے وہ کہے گا، یا رب میں نے معاف کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا، اب تم دو قتل ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ”خدا سے ڈرو، آپس میں صلح قائم رکھو کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مومنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔“

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے

وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ

اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانْتُمَا

وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد گو یا وہ

يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ

ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں اُدیکھتے ☆

اللہ کی توفیق اور امداد پر غور کرو

یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کار فرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا۔ جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے اور جھتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اہل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے۔ تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اول تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہئے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ

سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔ (تشبیہ) کما اخرجک الخ کے 'کاف' کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا، بلکہ ابو حیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَإِذْ كُرُوا كَمَا هَدَيْتُكُمْ میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ الی آخر الآیات کے مضمون کو میں نے الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابو حیان کی طرح "اعزک اللہ" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ "أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ" میں صرف آن خروج من البیت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے۔ جس میں "وَإِنْ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرِهُونَ يَجَادُونَكَ فِي الْحَقِّ" وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینہ ہی کے وقت ظاہر ہوگئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرام کی جاں نثاری

ابو دقاص لیٹی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف سب کو لے کر نکلے اور مقام روحاء میں پہنچ کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! ہمیں علم ہو چکا ہے کہ یہ کفار یہاں یہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اب کی مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابو بکر کی طرح جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اور ایک باریہ سوال کیا تو سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہم سے ہے، خدا کی قسم میں نہ کبھی برک الغماد گیا ہوں نہ مجھے اس کی راہ کا علم ہے لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے برک الغماد تک بھی جائیں تو بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلیں گے اور امت موسیٰ کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم یہیں سے تمہارا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلنے کے وقت کسی اور غرض سے نکلے ہوں، پھر

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دی ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو صورت چاہیں اختیار کریں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا چاہتا ہے دے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹنا چاہتا ہے ٹوٹ جائے، جو چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف بن جائے اور جو چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر کے رہے۔ ہمارا مال جو کچھ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لے سکتے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی بنا پر وہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

غزوہ بدر

تجارتی قافلہ

ابن عقبہ اور ابن عابد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ جس میں ہزار اونٹوں پر بڑا قیمتی تجارتی سامان لدا ہوا ہے۔ ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں شام سے آرہا ہے اور کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہیں بچا ہے جس کے پاس ایک مثقال بھی ہو اور اس نے اس تجارت میں حصہ نہ لیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار دینار ہیں اور ستر آدمی ساتھ ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت عبد اللہ بن زبیر محمد بن اسحاق اور سدی کا بیان ہے کہ ابوسفیان چالیس سواروں کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا۔ یہ چالیس سوار قریش کے بڑے لوگ تھے جن میں عمرو بن عاص اور مخزمہ بن نوفل زہری بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہر نکل چلنے کی دعوت دی اور فرمایا قریش کا یہ قافلہ ہے جس میں قریش کا بہت مال ہے چلو نکل چلیں۔ شاید اللہ تم کو ان کا مال غنیمت عطا فرمادے۔ لوگوں نے دعوت قبول کی کچھ لوگ ہلکے (یعنی بغیر ساز و سامان اور اسلحہ کے) تھے اور کچھ بھاری (ساز و سامان اور اسلحہ کے ساتھ) بہت سے لوگ ساتھ نہیں بھی گئے مگر ان کو قابل ملامت نہیں قرار دیا گیا کیونکہ ان کو خیال بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑائی پیش آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی اور فرمایا جس کے پاس سواری موجود ہو ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے کچھ لوگوں نے اجازت طلب کی کہ ہماری سواریاں بالائی مدینہ میں ہیں ہم جا کر لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں صرف وہ شخص جائیں جن کی سواریاں اس وقت موجود ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ فوج

مدینہ سے روانہ ہونے سے دس روز پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو شام کے راستہ کی طرف قافلہ کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں حضرات سرزمین خوار میں پہنچ کر کشد بن مالک جہنی کے پاس مقیم ہوئے۔ کشد نے دونوں کو اپنی ذمہ داری میں اپنے پاس چھپا کر رکھ لیا۔ جب قافلہ گزر گیا تو دونوں حضرات کشد کے گھر سے باہر آگئے اور کشد ان کو مقام ذوالمرہہ تک پہنچا گیا۔ دونوں بزرگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ کی اطلاع دینے پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ ینبوع پر ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشد کو ینبوع جاگیر میں کاٹ دیا تھا۔ کشد نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو بوڑھا ہوں (آج مراکل دوسرا دن) میرے بھتیجے کے نام یہ جاگیر کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کشد کے بھتیجے کے نام ینبوع کی جاگیر کر دی۔ پھر اس سے عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ نے خرید لی (رواہ عمر بن شیبہ)۔

ابوسفیان نے خطرہ کی خبر مکہ بھیج دی

ادھر بنی حزام کے ایک آدمی نے مقام زرقاء میں پہنچ کر ابوسفیان کو اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ کی واپسی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ابوسفیان ساتھیوں کو لے کر ڈرتے ڈرتے تاک گھات کے لئے نکلا۔ حجاز کے قریب پہنچا تو بحسب احوال کرنے لگا جو سوار ملتا اس سے خبر دریافت کرتا۔ آخر ایک سوار سے اس کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ کے لئے نکل چکے ہیں۔ ابوسفیان کو اندیشہ پیدا ہو گیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس دینار مزدوری دے کر مکہ کو بھیجا اور اس سے کہہ دیا کہ مکہ میں پہنچنے کے وقت اونٹ کے کان کاٹ کر جاوہ الثاباندھ لینا اور آگے پیچھے سے اپنا کرتہ پھاڑ لینا (فریاد کرنا) اور قریش سے جا کر کہنا کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے باہر آ جائیں اور ان کو یہ بھی بتا دینا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں سمیت قافلہ کو لوٹنے کے درپے ہیں۔ ضمضم فوراً مکہ کو چل دیا اور جیسا ابوسفیان نے حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کا خواب

ابن اسحاق نے بروایت عروہ اور بیہقی نے بروایت ابن شہاب اور ابن اسحاق اور حاکم اور بیہقی نے بالاتفاق عکرمہ کی روایت سے حضرت

ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کا یہی بیان ہے کہ ضمضم کے پہنچنے سے تین رات پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ صبح کو اس خواب سے ان کو بڑی فکر ہو گئی۔ انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلوایا اور کہا بھائی میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔ قریش پر کوئی مصیبت اور آفت آنے والی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عباس نے خواب پوچھا تو عاتکہ نے کہا میں اس شرط پر تم سے بیان کر سکتی ہوں کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ لوگ اگر اس کو سن لیں گے تو ہم کو دکھ پہنچائیں گے اور ناگوار باتیں سنائیں گے۔ حضرت عباس نے ظاہر نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ عاتکہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور وادی کے اوپر پہنچ کر بہت زیادہ چیخ کرتا ہے اور کہا اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو۔

لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے وہاں سے وہ مسجد میں آیا لوگ پیچھے پیچھے آئے اور مسجد میں پہنچ کر اس کا اونٹ سیدھا کھڑا ہو گیا اور کعبہ کے اوپر پہنچ کر اس نے تین چیخیں ماریں اور کہا اے غدارو تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو پھر (وہاں سے چل دیا اور) کوہ ابو قیس پر پہنچ کر اس نے وہی کہا کہ اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑا پتھر اکھاڑ کر نیچے کوڑھکایا پتھر لڑھکتا ہوا آیا جس کی گڑگڑاہٹ شدید تھی۔ نیچے پہنچ کر پارہ پارہ ہو گیا اور آپ کی قوم کے ہر گھر میں اس کا ٹکڑا (اڑ کر) جا پہنچا۔ آپ کی قوم کا کوئی گھر اور کوئی کوٹھڑی ایسی نہیں بچی کہ اس میں پتھر کا ٹکڑا نہ پہنچا ہو۔ حضرت عباس نے کہا واللہ یہ خواب ہی ہے (تخیل نہیں ہے) اس کو پوشیدہ رکھنا اگر قریش کو اس کی اطلاع پہنچ گئی تو وہ ہم کو دکھ دیں گے۔ اس کے بعد عباس عاتکہ کے پاس سے چلے آئے اور ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالمطلب سے ملاقات کی اور چونکہ ولید عباس کا دوست تھا اس لئے عباس نے اس سے اس خواب کا ذکر کر دیا لیکن چھپائے رکھنے کی تاکید کر دی۔ ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس کا ذکر کر دیا اور عتبہ نے اس کا چرچا کر دیا۔ اس طرح بات مکہ میں پھیل گئی اور قریش آپس میں اس کا چرچا کرنے لگے۔

ابوجہل کی طعنہ زنی

حضرت عباس کا بیان ہے صبح کو میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ابوجہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا وہاں عاتکہ کے خواب کا تذکرہ کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا ابو الفضل طواف سے فارغ ہو کر

اور وعدہ دلاتا رہا کہ تمہارے پیچھے بنی کنانہ بھی تمہاری مدد کے لئے آتے والے ہیں اور میں ضامن ہوں کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تمام لوگ روانہ ہو کر مقام مر الظہر ان میں فروکش ہوئے۔ ابو جہل نے دس اونٹ ذبح کئے اور لشکر گاہ میں کوئی ڈیرہ خیمہ ایسا نہ بچا کہ وہاں تک اونٹوں کا خون نہ پہنچا ہو۔ ضمضم بن عمرو کو دکھائی دیا کہ وادی مکہ میں اوپر سے نیچے تک خون ہی خون بہ رہا ہے۔

جہیم بن صلت کا خواب

بیہقی نے ابن شہاب اور ابن عقبہ اور عروہ بن زبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ جب سب لوگ جحفہ میں فروکش ہوئے تو ان کے ساتھ بنی مطلب بن مناة کے خاندان کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہیم بن صلت بن مخزومہ تھا۔ یہ شخص آخر میں حنین کی جنگ کے وقت مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ شخص کچھ نیم خوابی کی حالت میں سر رکھے ہوئے تھا یعنی کچھ کچھ غافل تھا کہ اچانک اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کیا تم نے اس سوار کو دیکھا جو ابھی ابھی میرے پاس کھڑا تھا۔ لوگوں نے کہا تو پاگل ہے کوئی بھی نہیں تھا۔ جہیم نے کہا ابھی ایک سوار کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا ابو جہل اور عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ اور زمعہ اور ابو البختری اور امیہ بن خلف مارے گئے۔ جہیم نے کچھ اور سرداران قریش کے نام بھی لئے تھے جو بدر میں گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کے سینہ پر تلوار ماری اور زخمی کر کے لشکر میں چھوڑ دیا اور لشکر گاہ میں کوئی ڈیرہ ایسا نہیں بچا کہ اس اونٹ کا خون وہاں نہ پہنچا ہو۔ جہیم کے ساتھی بولے تو شیطان کا بازیچہ بن گیا۔ یہ بات ابو جہل تک بھی پہنچادی گئی۔ ابو جہل بولا پہلے بنی ہاشم کے جھوٹ سے تمہارا واسطہ پڑا تھا اب بنی مطلب کے جھوٹ میں بھی مبتلا ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریاں

دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ نماز کے لئے ابن ام مکتوم کو قائم کیا اور مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ پھر مقام رداء سے ابولبابہ کو واپس کر دیا اور مدینہ پر اپنا نائب ان کو بنا دیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ رمضان المبارک کو ہفتہ کے دن مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ ابن ہشام نے ۸ رمضان بیان کیا ہے۔ مدینہ سے ایک میل نکل کر چاہ ابو عقبہ پر پہنچ کر لشکر قائم کیا اور جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا۔ واپس ہونے والوں میں عبد اللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر، زید بن

ہماری طرف آجانا۔ میں فارغ ہو کر وہاں پہنچ کر ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ ابو جہل بولا اے اولاد عبدالمطلب یہ نبی تم میں کب سے پیدا ہوگئی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا عاتکہ کا خواب۔ میں نے کہا عاتکہ کا خواب کیا ہے۔ ابو جہل بولا اے اولاد عبدالمطلب! تم کو اسی پر بس نہیں ہوا کہ تمہارے مرد نبی بن گئے اب تمہاری عورتیں بھی نبیہ ہونے لگیں۔ حضرت عباس کا بیان ہے اس آواز نے ابو جہل کے لئے میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں چھوڑا اور میں اس کی طرف سے رک گیا۔ اس پر عاتکہ نے یہ شعر کہے کیا خواب سچا نہ تھا۔ اس کی تصدیق لے کر تو تمہارے پاس ایک بھاگا ہوا شکست خوردہ آدمی آ گیا میں نے جھوٹ نہیں کہا تو نے مجھے جھوٹا کہا جو خود جھوٹا ہے وہ میری اس سچی بات کو جھوٹا کہتا ہے۔

قریشیوں کی تیاری و روانگی

لوگوں نے جلد جلد تیاری کی اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ ابن حضرمی کے قافلہ کی طرح ہوگا ایسا ہرگز نہیں ہوگا خدا کی قسم ان کو کچھ اور ہی نتیجہ معلوم ہوگا۔ غرض لوگ یا تو خود جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے یا اپنی جگہ کسی کو بھیج دیا اور دو یا تین دن میں تیاری کر لی جو طاقتور تھے انہوں نے کمزوروں کی مدد کی۔ اگر کسی کا مسلمان ہو جانا قریش کو معلوم تھا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے دوست ہونے کا کسی پر شبہ تھا یا خاندان بنی ہاشم کا کوئی فرد تھا ایسے سب لوگوں کو انہوں نے ساتھ لیا۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث، طالب بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالب اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ روانہ ہو گئے۔ ابولہب صرف ایسا شخص تھا جو نہ خود گیا نہ اپنی جگہ کسی کو بھیجا ورنہ ہر قریشی کو یا خود جانا پڑا یا اپنی جگہ دوسرے کو بھیجا پڑا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے جب لوگ تیاری کر چکے اور روانگی کا ارادہ کر لیا اور جو اچھی بری سواریاں تھیں ان پر سوار ہو گئے اور گانے والی باندیوں کو اور ان کے تہلبوں کو بھی ساتھ لے لیا تو اس وقت سوچا کہ ہمارے اور بنی بکر بن عبدمناة بن کنانہ کے درمیان تو خوں ریز جنگ ہے۔ طرفین میں باہم قصاص کے مطالبات ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اگر ہم گئے تو ہمارے پیچھے (ہمارے گھروں پر) وہ حملہ نہ کر دیں قریب تھا کہ یہ خیال کر کے وہ جانا ملتوی کر دیں۔

شیطان کی کارروائی

ابن عقبہ اور ابن عابد کا بیان ہے کہ ابلیس بھی مشرکوں کے ساتھ نکلا

نادار ہیں ان کو اپنی مہربانی سے مالدار بنادے۔ کل ستر اونٹ ساتھ تھے باری باری سے لوگ انہی پر سوار ہوتے رہے۔
سوار یوں کی کمی

امام احمد اور ابن سعد نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے ہم بدر کے زمانہ میں تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے۔ ابولبابہ اور علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سواری تھے۔ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو جائیں ہم پیدل چلیں گے۔ فرمایا تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قوت نہیں رکھتے اور میں ثواب کا امیدوار تم سے کم نہیں ہوں۔

ہرن کا شکار:۔ ابن سعد کی روایت میں آیا ہے کہ تین گھوڑے ساتھ تھے۔ تیسرا گھوڑا مرثد بن ابی مرثد غنوی کا تھا۔ مقام تر بان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا ہرن کو دیکھو سعد نے تیر چلہ پر چڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے کھڑے ہو کر اپنی ٹھوڑی سعد کے موٹے ہاتھ اور کان کے درمیان رکھی اور فرمایا تیر چلا اے اللہ اس کے تیر کو نشانہ پر صحیح بٹھا دے۔ چنانچہ تیر ہرن کے سینہ پر لگ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے سعد دوڑتے ہوئے گئے اور ہرن کو پکڑ لیا۔ کچھ جان باقی تھی سعد ذبح کر کے اس کو اٹھا کر لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو بانٹ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ گوشت سب کو تقسیم کر دیا گیا۔

آگے روانگی ابوسفیان اور قریشیوں کی خبر

پھر چلتے چلتے مقام ذونج پر جا کر اترے۔ یہ مقام بھی روحاء کے درمیان واقع تھا پھر یہاں سے کوچ کر کے موڑ پر پہنچ کر مکہ کا راستہ بائیں کو چھوڑ دیا۔ اور دائیں ہاتھ کو نازیہ پر بدر کے ارادہ سے چل دیئے۔ نازیہ کے کنارے کنارے چل کر وادی زحفان کو طے کیا، وادی زحفان نازیہ اور مقام السفراء کے درمیان تھی۔ پھر مضیق السفراء پر پہنچے اور وہاں سے نشیب میں چل دیئے۔ جب صفراء کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی خبر معلوم کرنے کے لئے لیس بنی عمر جہنی کو اور عدی بن زعباء کو بدر کی طرف روانہ کیا۔ لیس بنی ساعدہ کے معاہدے تھے اور عدی بنی نجار کے حلیف تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفراء سے بائیں ہاتھ کو چل کر وادی ذفران کے دائیں جانب چلتے رہے اور وادی کے اندر کچھ حصہ طے کر کے پڑاؤ ڈالا تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔

ارقم، زید بن ثابت اور عمیر بن ابی وقاص تھے۔ عمیر رونے لگے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شریک رہنے کی اجازت دے دی اور بدر کی لڑائی میں سولہ سال کی عمر میں آپ شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ چاہ سقیا کا پانی پیئیں اور خود بھی اس کنویں کا پانی پیا اور سقیا کے گھروں کے پاس نماز پڑھی اور سقیا سے روانگی کے وقت قیس بن ابی صعصعہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا۔ قیس نے سب لوگوں کو ابو عتبہ کے کنویں کے پاس کھڑا کر کے گنتی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ یہ سب ۳۱۳ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خوش ہوئے اور فرمایا طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی شمار تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لئے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ! ابراہیم تیرا بندہ تیرا خلیل اور تیرا نبی تھا۔ اس نے مکہ والوں کے لئے دعاء کی تھی۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں مدینہ والوں کے لئے تجھ سے دعاء کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع (چار سیر کا ایک ناپ) اور ان کے مد (ایک سیر کے برابر ناپ) اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما (یعنی ان کی کھیتی باڑی اور باغوں کی پیداوار میں برکت عطا کر) اے اللہ تو مدینہ کی محبت ہم کو عطا کر اور مدینہ کے آب و ہوا کی خرابی (بخار ملیبیر یا وغیرہ) کو خم میں منتقل کر دے جس طرح تیرے خلیل ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں بھی مدینہ کی دونوں سوختہ پتھر ملی زمینوں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں (مدینہ کے دونوں جانب پتھر ملی گرم پتی ہوئی زمین ہے مدینہ دونوں کے درمیان واقع ہے)۔

حبیب بن اساف

حبیب بن اساف اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مال غنیمت کے لالچ میں اپنے قبیلہ خزرج کی مدد کے لئے چلے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے ساتھ وہی جائے جو مسلمان ہو کوئی غیر مسلم نہ جائے۔ یہ سن کر حضرت حبیب مسلمان ہو گئے اور کسوٹی پر بہت اچھے اترے۔ آپ نے اچھے کارنامے انجام دیئے۔

آگے روانگی

سقیا کی آبادی سے اتوار کی رات کو روانہ ہوئے اور روانگی کے وقت دعا کی اے اللہ یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا کر یہ برہنہ بدن ہیں ان کو لباس عنایت کر یہ بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کھانا مرحمت کر یہ

ہمارے پاس چھوڑ دیجئے وہ ہماری نظر میں لئے ہوئے مال سے زیادہ محبوب نہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دینا چاہیں دیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلیں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو لے کر برک عدان یا برک الغماد پہنچنا چاہیں گے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلیں گے اور اگر سمندر ہمارے سامنے ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہم کو ناگوار نہ ہوگا۔ ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں امید ہے کہ ہماری (جنگی) کارگزاریوں سے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ دوسری بات پیدا کر دے پس اللہ کا نام لے کر ہم کو لے کر چلئے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے اور موسیٰ کی قوم کی طرح نہ ہونگے جنہوں نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہاں سے آگے بڑھنے والے نہیں بلکہ آپ اور آپ کا رب چلیں دشمن سے لڑیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ سعد کی یہ تقریر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکنے لگا اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گا ہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا) بعض مسلمانوں کو دشمن سے بڑھ پسنند تھی۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا جب ہم ایک دو دن چلتے رہے (اور قافلہ کا پتہ نہ چلا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں سے (یعنی قریش سے) جنگ کرنے کے متعلق آپ لوگوں کی کیا رائے ہے (آگے بڑھ کر قریش سے جنگ کریں یا واپس مدینہ کو لوٹ جائیں) ان لوگوں کو تمہارے نکلنے کی اطلاع پہنچ گئی ہم نے عرض کیا بخدا ہم میں ان لوگوں سے لڑنے کی جان نہیں ہے ہمارا ارادہ تو قافلہ کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا تم لوگوں کی رائے جنگ کے متعلق کیا ہے ہم نے پہلا جواب دے دیا۔ (تفسیر مظہری)

مشورہ اور مہاجرین و انصار کے جذبات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مشورہ لیا (کہ اب کیا کیا جائے) مہاجرین نے بطور مشورہ کچھ اچھا کلام کیا۔ اول ابو بکرؓ کھڑے ہو کر اچھا بولے۔ پھر عمرؓ نے بھی کھڑے ہو کر اچھی گفتگو کی پھر مقدادؓ بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چلئے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھ گئے (آگے نہیں بڑھیں گے)۔ آپ اور آپ کا رب چل کر لڑیں ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہیں آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حقانیت کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو برک الغماد کو لے جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں ہم وہاں بھی تلواروں سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک وہاں پہنچ نہ جائیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک شگفتہ ہو گیا۔ پھر مقدادؓ کے حق میں کچھ کلمات خیر فرمائے اور دعا کی۔ اس کے بعد تیسری بار لوگوں سے مشورہ لیا۔ اب انصار سمجھے کہ روئے خطاب ہماری طرف ہے کیونکہ انہی کی تعداد زیادہ تھی۔ اس پر سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ہم سے ہے۔ فرمایا ہاں سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان چکے ہم نے اقرار کر لیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ حق ہے ہم نے آپ سے مضبوط وعدہ کر لیا اور عہد و پیمانہ دے دیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے ہم سنیں گے اور بجالائیں گے۔ اب جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں وہ کریں یا رسول اللہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہو کہ انصار صرف اپنی بستیوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں سفر کریں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ جس سے جوڑ کرنا چاہیں کریں جس سے توڑنا چاہیں تعلق توڑیں ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہم کو دے دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو مال

یا اللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت مسلمین فنا ہو گئی تو پھر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا (کیونکہ ساری زمین کفر و شرک سے بھری ہوئی ہے یہی چند مسلمان ہیں جو صحیح عبادت بجالاتے ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسی طرح الحاج و زاری کے ساتھ دعاء میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے چادر بھی سرک گئی، حضرت ابو بکر صدیق نے آگے بڑھ کر چادر اوڑھائی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ زیادہ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

میدان جنگ کا انتخاب

جس جگہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول قیام فرمایا۔ اس مقام کے واقف کار حضرت خباب بن منذر نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، اس میں تغیر تبدیل کیا جاسکتا ہے تب حضرت خباب بن منذر نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کیا جائے وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔

اس سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ بنا دیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔

اور ایک مختصر سایہ بان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنا دیا گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت معاذ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات

معرکہ کی پہلی رات تھی۔ تین سو تیرہ بے سامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنی تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا۔ میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتیلہ جس میں

وَاذِيعِدْكُمْ اللهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ

اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کردہ

انها لكم وتودون ان غيذات الشوكة

تمہارے ہاتھ لگے کی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے

تكون لكم ويريد الله ان يحق الحق

وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو

بكلية ويقطع دابر الكافرين ليحق

اپنے کاموں سے اور کاٹ ڈالے جز کافروں کی تاکہ سچا کرے

الحق ويبطل الباطل ولو كره المجرمون

سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار ☆

اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرنا چاہتے تھے

مسلمان چاہتے تھے کہ ”تجارتی قافلہ“ پر حملہ ہو، کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سامان ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سرو سامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ **فلله الحمد والمنه.** (تفسیر عثمانی)

بے سرو سامانی کا علاج

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں اور مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت و امداد کی دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مانگتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے یہ کلمات نقل فرمائے ہیں۔

”یا اللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرمادے۔“

کے ساتھیوں کی خبریں دریافت کیں شیخ بولا مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی فلاں فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر اطلاع دینے والے نے مجھے صحیح اطلاع دی ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہونگے جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا تھا شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا، اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ قریش فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر خبر دینے والے نے مجھے صحیح خبر دی ہے تو آج قریش فلاں جگہ ہونگے شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش موجود تھے۔ پھر کہنے لگا تم دونوں کون ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ماء سے ہیں (یہ لفظ تورہ کے طور پر استعمال فرمایا بوڑھا تو سمجھا ہوگا کہ بنی ماء السماء جو عرب کا مشہور قبیلہ تھا اس سے ان کا تعلق قرابت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ماء دافق یعنی کودتے ہوئے پانی سے ہم دونوں پیدا ہوئے ہیں)

دو غلاموں کی خبریں

ابن اسحاق کا بیان ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آئے شام ہوئی تو علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بدر کے چشمہ کی طرف خیر خبر لینے کے لئے بھیجا ان لوگوں کو قریب کے کچھ ستے ملے جن میں بنی الحجاج کا غلام اسلم اور بنی العاص بن سعید کا غلام ابو یسار بھی تھا یہ حضرات دونوں کو لے آئے اور ان سے کچھ سوالات کئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے دونوں نے جواب دیا ہم قریش کے خدمت گار ہیں انہوں نے ہم کو پانی بھر نے بھیجا تھا مسلمانوں کو یہ جواب ناگوار گذرا ان کا خیال تھا کہ یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہیں (اور قافلہ کہیں قریب ہی ہے) اس لئے ان کو مارنے لگے جب خوب مارا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں صحابہ نے ان کو چھوڑ دیا اور اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا اور فرمایا جب انہوں نے تم سے سچی بات کہی تھی تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹی بات کہی تو تم نے ان کو چھوڑ دیا انہوں نے سچ کہا تھا خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (پھر دونوں غلاموں سے فرمایا) مجھے قریش کے متعلق بتاؤ دونوں نے عرض کیا وہ اس سامنے والے ٹیلہ کے اس پرے کے اونچے مقام پر اور ریت کے ٹیلہ پر فروکش ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہیں دونوں نے عرض کیا بہت ہیں فرمایا کتنی میں کتنے ہیں بولے یہ

چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی۔ حافظ حدیث ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سونہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیر نے بحوالہ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جب کہ اپنے عرش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آگئی مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا۔ اے ابو بکر خوشخبری سنو یہ جبرئیل علیہ السلام ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر آپ سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے سَيُهِزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔ (تفسیر مظہری)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و اطمینان کی نشانی ہوتی ہے۔ اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

جنگ میں نیند

اور جیسا کہ غزوہ بدر میں تکان اور پریشانی دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام پر خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اسی طرح غزوہ احد میں بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا۔

قصہ بدر کا تکملہ

ذفران سے روانہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پہاڑیوں کے راستہ سے جن کو اصراف کہا جاتا ہے آگے چلے (اصراف کی پہاڑیاں جحفہ کے قریب مکہ کو جاتے ہوئے دائیں جانب کو واقع ہیں) پھر نیچے اتر کر ایک بستی کی جانب جس کا نام دیہ ہے رخ کیا اور حنان کو دائیں جانب چھوڑ دیا حنان ایک بڑے پہاڑ کی طرح ریت کا ٹیلہ تھا۔ پھر بدر کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

بوڑھے کی خبر میں سے معلومات لی

اور خود حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر ایک عرب بوڑھے کے پاس پہنچے اور اس سے قریش کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

گے گانے والیوں کا گانا سنیں گے۔ عرب ہماری یہ خبریں سنیں گے اور ہمارے آپہنچنے کی اطلاع ہوگی تو اس کے بعد ہمیشہ ہم سے ہیبت کھائیں گے ان پر ہمارا رعب پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی مدد

غرض قریش ریت کے ٹیلے اویٹن وادی کے پیچھے پرے کے کنارہ والی اونچی زمین پر فروکش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورلے کنارہ پر۔ شروع میں پانی پر مشرکوں کا قبضہ رہا مسلمان پیا سے رہ گئے اور ان پر سخت مصیبت پڑی۔ شیطان نے ان کے دلوں میں دوسوہ ڈالا کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں مگر پانی پر مشرکوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے اور تم جنابت کی حالت میں بغیر غسل کے نمازیں پڑھتے ہو مگر اسی رات اللہ نے بارش کر دی مشرکوں کی طرف تو ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے اور مسلمانوں کے لئے ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے بدن کی گندگی بھی دور ہوگئی اور زمین بھی ہموار ہوگئی ریت سخت پڑ گئی اور قدم جمنے لگے (دل دل اور کچھ نہیں ہوئی) پڑاؤ بھی درست ہو گیا دلوں میں سکت بھی آگئی اور ادھر ادھر چلنے کی رکاوٹ دور ہوگئی وادی بننے لگی سب نے پانی پی لیا اونٹوں کو بھی پلا دیا اور مشکیزے بھی بھر لئے اسی رات کو مسلمانوں پر ایک ایسی اونگھ طاری ہوگئی کہ سب لوگ سو گئے ایک دوسرے کے سامنے آکر اٹھاتا تھا مگر اس کو پتہ بھی نہ چلتا تھا اور وہ پہلو کے بل گر پڑتا تھا۔ ابو یعلیٰ اور بیہتی نے دلائل میں حضرت علیؑ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقدادؓ کے علاوہ ہم میں کوئی سوار نہ تھا اور میری آنکھوں میں اب تک وہ منظر ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو سونہ گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز پڑھتے رہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نماز پڑھتے رہے یہ جمعہ کی رات تھی اور دونوں فریقوں کے درمیان ریت کی ایک پہاڑی حائل تھی۔

حضرت عمار اور حضرت عبد اللہ کی خبریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر اور عبد اللہ بن مسعود کو (قریش کی طرف حال معلوم کرنے) بھیجا دونوں نے جا کر ان لوگوں کی فرودگاہ کے آس پاس چکر لگایا اور آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ خوف

تو ہمیں معلوم نہیں فرمایا کتنے (اونٹ ذبح کرتے ہیں کہنے لگے ایک دن نو اور ایک دن دس فرمایا تو نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔ پھر فرمایا ان میں سرداران کون کون ہیں۔ دونوں نے عرض کیا ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ شیبہ۔ ابوالختری بن ہشام حکیم بن حزام۔ نوفل بن خویلد۔ حارث بن عامر۔ طعیمہ بن عدی۔ نضر بن حارث رعتہ الاسود۔ ابو جہل بن ہشام ربیعہ الاسود امیہ بن خلف۔ حجاج کے دونوں بیٹے بیہ اور منبہ سہل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مکہ کے جگر پارے (یعنی خلاصہ اور مکھن) ہیں جن کو مکہ نے باہر نکالا ہے۔

ابوسفیان کا خوف اور مکہ پہنچنا

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان قافلہ کو لے کر آیا مدینہ کے قریب پہنچا تو بہت خوف زدہ تھا مضمض بن عمرو نضیر کی واپسی میں بھی تاخیر ہوگئی تھی۔ غرض ڈرتے ڈرتے پانی پر پہنچا۔ پانی پر مجدی بن عمرو جہنی سے ملاقات ہوئی ابوسفیان نے مجدی سے پوچھا کیا تم کو (یہاں) کچھ سن گئی ہے۔ مجدی نے کہا اور تو کسی اجنبی کو میں نے دیکھا نہیں صرف اتنی بات دیکھی کہ دو سوار آئے انہوں نے اس ٹیلہ کے پاس اونٹ بٹھایا اور اتر کر مشکیزوں میں پانی لیا اور چل دیئے۔ ابو سفیان مجدی سے یہ بات سن کر ٹیلہ کے پاس ان کی فرودگاہ پر پہنچا اور اونٹ کی ایک بیٹنی اٹھا کر اس کو توڑا اس کے اندر سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی کہنے لگا خدا کی قسم یہ تو یثرب والوں کا چارہ ہے (یعنی اونٹوں کو گٹھلیاں وہ ہی کھلاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ سوار مدینہ کے تھے) فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا اور قافلہ کا رخ موڑ کر بدر کو بائیں چھوڑ کر ساحل کے راستہ پر پڑ گیا اور تعاقب کرنے والوں کے ڈر سے سر پٹ رات دن چلتا رہا اور جب دیکھا کہ اب میں نے قافلہ کو بچا لیا۔

پہنچنے کے بعد لشکر والوں کی طرف پیغام

تو قریش کے پاس قیس بن امراء القیس کو یہ پیام دیکر بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کی اور آدمیوں کی جانوں و مالوں کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے اب چونکہ اللہ نے سب کو بچا دیا ہے اس لئے لوٹ آؤ قریش کو یہ اطلاع اس وقت ملی جب یہ لوگ حنفہ میں تھے ابو جہل کہنے لگا خدا کی قسم بدر پر اترے بغیر ہم نہیں لوٹیں گے بدر پر ہر سال عرب کا ایک تہوار ہوتا اور بازار لگتا تھا یہ زمانہ تہوار ہی کا تھا ہم تین روز بدر میں قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانا کھلائیں گے شرابیں پلائیں

زودہ ہیں اور ان پر سخت بارش ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو لے کر عشاء کے وقت اور آگے بڑھے تاکہ مشرکوں کے پہنچنے سے پہلے چشمہ پر قبضہ کر لیں چنانچہ آگے پہنچ گئے اور پانی پر قبضہ کر لیا اور بدر کے اول چشمہ پر پہنچ کر ٹھہر گئے مشرکوں کو بارش نے آگے نہ بڑھنے دیا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی رائے

ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ خباب بن منذر بن جموع نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس جگہ اترنے کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے پھر تو ہم پیچھے آگے ہٹ نہیں سکتے یا یہ ایک مصلحت اور جنگی تدبیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حکم نہیں بلکہ رائے مصلحت اور جنگی تدبیر ہے خباب نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اترنے کی جگہ نہیں ہے یہاں سے لوگوں کو الٹالے چلے اور قریش کے قریب ترین جو پانی ہے وہاں چل کر ٹھہریے وہاں چشمہ کے قریب ہم ایک کنواں کھود دینگے اور کنویں پر ایک حوض بنا دیں گے اس طرح چشمہ سے نکلنے کی بجائے پانی کنویں میں آ کر بھر جائے گا اور اس پانی سے ہم حوض بھر لیں گے ہمارے پینے کے لئے تو پانی ہو جائے گا اور وہ نہ پی سکیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مشورہ سمجھ کا دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جبریل نے بھی اتر کر کہا تھا کہ خباب نے جو مشورہ دیا وہ ٹھیک ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سب لوگوں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قریش کے قریب ترین پانی کے پاس آدھی رات کو پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک کنواں کھودا گیا اور اس پر ایک حوض بنا دیا گیا اور حوض کو پانی سے بھر دیا گیا پھر سب لوگوں نے اس میں (اپنے اپنے) برتن ڈال دیئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مشورہ

سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنا دیتے ہیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کریں پاس ہی ہم کچھ اونٹنیاں تیار رکھیں گے پھر ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اگر ہم دشمن پر غالب آگئے تو مقصد پورا ہو گیا اور اگر کچھ دوسری بات ہوئی تو آپ اونٹنی پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچ جائیں جن کو ہم اپنے پیچھے (مدینہ میں) چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہاں ہمارے پیچھے بکثرت ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں اگر ان کو خیال ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ پیش آئے گی تو وہ پیچھے نہ رہتے اللہ ان کے ذریعہ سے آپ کی حفاظت کرے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سایہ کی جگہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر سعد کے لئے کلمات خیر ادا فرمائے اور ان کو دعادی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ٹیلہ پر جہاں سے میدان جنگ کی حالت دکھائی دیتی تھی ایک جھونپڑی بنا دی گئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ فروکش ہوئے۔ تیسرا کوئی نہ تھا۔ سعد بن معاذ جھونپڑی کے دروازہ پر تلوار گردن سے لٹکائے کھڑے ہو گئے۔

سرداروں کی قتل گاہوں کی نشاندہی

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ کے مقام پر تشریف لے گئے اور ہاتھ سے اشارہ کر کر کے بتانے لگے کہ یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے اس جگہ فلاں آدمی مارا جائے گا ان شاء اللہ چنانچہ جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر دیا تھا قریش کے آدمیوں میں سے کوئی بھی وہاں سے بچ نہ سکا (ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ پر ہی مارا گیا) رواہ احمد و مسلم وغیرہما۔

غزوہ بدر کی فضیلت و ثواب

طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اہل اسلام کا کوئی بچہ پیدا ہو کر آخر عمر تک اللہ کی پوری پوری اطاعت کرتا رہے تب بھی (ثواب اور درجہ میں) تمہاری اس ایک رات (یعنی شب بدر) کو نہیں پہنچ سکتا اور فرمایا جو ملائکہ بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ ان ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں جو حاضر نہیں ہوئے۔ اس روایت کے تمام راوی سوائے جعفر بن معاص کے ثقہ ہیں جعفر تغیر معروف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح مقام بدر پر کی۔ قریشیوں کے جذبے

ادھر قریش اپنی پوری طاقت اور اسلحہ کے ساتھ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں نکلے تھے ان کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے خلاف جوش، غضب غصہ اور سخت اشتعال تھا کہ صحابہؓ نے ان کے قافلہ کو لوٹنا اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس سے پہلے عمرو بن حفص کو قتل اور اس کے اونٹوں کو چھین چکے تھے۔

عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس قوم میں سے کسی میں کوئی خیر ہو سکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی اگر یہ لوگ اس کا مشورہ مان لیتے تو سیدھے راستہ پر پڑ

منہ میں زبانیں گھماتے ہیں بخدا میرا خیال ہے کہ ان کا ایک آدمی بھی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک وہ تمہارے کسی آدمی کو قتل نہ کر دے اگر وہ اپنی تعداد کے برابر تمہارے آدمیوں کو قتل کر دیں (اور خود بھی مارے جائیں) تو اس کے بعد زندگی کا کیا فائدہ؟ اب تم خود سوچ لو۔
ابوسلمہ کی جاسوسی

اس کے بعد قریش نے ابوسلمہ جشمی کو بھیجا اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گردا گرد چکر لگایا اور واپس آ کر کہا خدا کی قسم میں نے نہ چمڑے کی وردی دیکھی نہ سامان نہ زرہ نہ گھوڑے بلکہ میں نے ان کو ایسی قوم پایا جو خیال کئے ہوئے ہیں کہ اب گھروالوں کے پاس لوٹ کر جانا نہیں۔ وہ مسلم ہیں موت کے طلب گار نہ ان کے محافظ ہیں نہ کوئی پناہ گاہ بس تلواریں ہی ان کا سب کچھ ہیں نیلی آنکھوں والے ہیں۔ ڈھالوں کے پیچھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی چٹانیں ہیں غیر متحرک اب تم خود سوچ لو۔

قریشی سرداروں کی بزدلی

حکیم بن حزام نے جو یہ باتیں سنی تو چل کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس پہنچے اور اس سے لوگوں کو واپس لے جانے کی گفتگو کی اور کہا ابوالولید آپ قریش کے معمر بزرگ ہیں سردار ہیں آپ کی بات سب مانتے ہیں کیا آپ ایک کام ایسا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا نام ہمیشہ رہے گا۔ عتبہ نے پوچھا حکیم وہ کیا بات ہے حکیم نے کہا لوگوں کو لوٹا کر لے جائیے اور اپنے حلیف عمر بن حضرمی (کے جانی و مالی نقصان) کو خود برداشت کر لیجئے۔ عتبہ نے کہا حکیم تم نے (میرے پاس آ کر تو) ایسا کر لیا میں یہ نقصان اپنے اوپر لیتا ہوں کیونکہ عمر حضرمی میرا حلیف تھا مجھ پر اس کی دیت اور مالی نقصان لازم ہے (میں دے دوں گا) مگر تم ابن حنظلہ کے پاس بھی جاؤ مجھے اندیشہ اور کسی سے نہیں صرف اسی سے ہے وہی لوگوں پر جادو کر دے گا۔ ابن حنظلہ سے مراد ابو جہل تھا۔

اس کے بعد عتبہ نے لوگوں میں جا کر ایک تقریر کی اور کہا اے گروہ قریش تم کیا کر رہے ہو خدا کی قسم صبح کو اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں پر کچھ غلبہ بھی پالو گے تب بھی آئندہ ہمیشہ ایک آدمی دوسرے کو نفرت کی نظر سے دیکھے گا کیونکہ وہ اس کے چچا یا ماموں کے بیٹے کو اس کے کنبہ کے کسی اور آدمی کو قتل کر چکا ہوگا (کسی کو اپنے بھائی برادر کا قاتل کیسے اچھا لگے گا) لہذا تم لوٹ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے عربوں کے (مقابلہ) کے لئے چھوڑ دو۔ اگر دوسرے عرب اس

جاتے یہ عتبہ ہے یہ لڑائی سے روک رہا اور لوٹ جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا قوم والو آج لوٹنے کی عادی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہو کہ عتبہ نامراد ہو گیا اور ابو جہل انکار کر رہا تھا (اور جنگ کے لئے اڑا ہوا تھا) خفاف بن ایما بن رھصہ غفاری نے یا اس کے باپ نے (یہ تینوں آخر میں مسلمان ہو گئے تھے مگر اس وقت کافر تھے) اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ اونٹ قریش کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ اگر تم چاہو تو اسلحہ اور آدمیوں سے ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں قریش نے جواب میں کہلایا آپ سے تعلق اور رشتہ پکا ہے جو آپ پر حق تھا وہ آپ نے ادا کر دیا (آئندہ امداد کی ضرورت نہیں) اگر ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہے تو خدا کی قسم ان کے مقابلہ میں ہمارے اندر کوئی کمزوری نہیں ہو سکتی اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گمان کے مطابق ہماری لڑائی اللہ سے ہوئی تو اللہ کا مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

حکیم بن حزام

جب لوگ ٹھہر گئے تو قریش کے چند آدمی جن میں حکیم بن حزام بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (بنائے ہوئے) حوض پر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اترنے دو سوائے حکیم بن حزام کے ان میں سے جس شخص نے بھی اس کا پانی پی مارا گیا حکیم بن حزام بچ گئے اور اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور اسلام میں پختہ رہے جب آپ (مسلمان ہونے کے بعد) مضبوط قسم کھاتے تھے تو یوں کہتے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس نے بدر کے دن مجھے بچالیا۔

عمیر بن وہب کی جاسوسی

جب قریش ٹھکانے سے ہو گئے تو عمیر بن وہب جمعی کو (جو آخر میں مسلمان ہو گئے تھے) مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا عمیر نے مسلمانوں کے لشکر کے گردا گرد گھوڑے کو چکر دیا اور لوٹ کر بتایا کہ کم و بیش تین سو ہیں لیکن ذرا ٹھہرو میں یہ بھی دیکھ لوں کہ کہیں ان کی چھپی ہوئی کمک نہ ہو چنانچہ وادی کے اندر وہ دور تک گیا اور جب کچھ نظر نہ آیا تو لوٹ کر قریش سے کہہ دیا میں نے کوئی کمک تو نہیں دیکھی لیکن ایک بات دیکھی اونٹنیاں موتوں کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹوں پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ ایسی قوم ہے کہ سوائے تلواروں کے نہ ان کے محافظین ہیں نہ پناہ کا مقام کیا تم کو نہیں معلوم کہ وہ باتیں کرتے ہیں ہوشیار رہتے ہیں اور سانپ کی طرح

حضرت سواد کی خوش نصیبی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صف بندی کر رہے تھے تو سواد بن غزیہ کچھ آگے نکل آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیٹ میں گھونسا مارا اور فرمایا سواد سیدھا رہ۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے دکھ پہنچایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا واسطہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے آپ کو اس کا بدلہ دینا ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا بدلہ لے لو سواد پیٹ کھلا دیکھ کر پیٹ سے چمٹ گئے اور چومنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواد تم نے ایسا کیوں کیا۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کا جو حکم تھا وہ سامنے آ گیا اور مجھے خیال ہے کہ میں مارا جاؤں گا اس لئے میری خواہش ہوئی کہ آخری وقت آپ سے چمٹ جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا جب دشمن تمہارے قریب ہوں تو تیر مارنا اور تلوار سے جنگ اس وقت کرنا جب بالکل ہی قریب آجائیں۔ کذا روی ابو داؤد عن ابی اسید۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر فرمائی اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو جنگ پر ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی کا طلبگار ہونے کی ترغیب دی۔

لڑائی کا آغاز

قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور (انسانی شکل میں) شیطان بھی ان کے ساتھ لگا رہا۔ مسلمان اپنی لائن پر جمے رہے (کوئی ابتدا میں آگے نہیں بڑھا) سب سے پہلے عامر حضرمی نے مسلمانوں پر حملہ کیا اس کے مقابلہ پر مہجع بن عایش حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام نکلا عامر نے مہجع کو شہید کر دیا۔ انصار میں سے سب سے پہلے حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے آپ کو حیان بن عرقہ نے شہید کیا۔ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے درمیان میدان میں نکلا اس کے مقابلہ کے لئے تین انصاری عبد اللہ بن رواحہ معوذ اور معاذ نکلے معوذہ و معاذ کے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفرہ تھا عتبہ نے کہا ہم تم سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ ہمارے مقابلہ کے لئے ہمارے ہم سر (قریشی) سردار ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن حارث کھڑے ہو جاؤ حمزہ کھڑے ہو جاؤ علی کھڑے ہو جاؤ حمزہ نے تو

پر غالب آگئے تو تمہاری مراد حاصل ہوگئی اگر اس کے سوا کچھ ہو تو وہ تم کو الگ پائے گا تم اس سے تعرض نہ کرو گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ موت کے طلب گار ہیں تم میں جب تک خیر ہے ان لوگوں تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی ان پر غلبہ پانے کے لئے تم کو بہت بڑا جانی نقصان اٹھانا پڑے گا) لوگو! آج اس عار کی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہد و عتبہ بزدل ہو گیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے اندر نامرد نہیں ہوں۔

عتبہ نے کہا عنقریب اس زمانہ کو معلوم ہو جائے گا کہ میری یا اس کی کس کی بزدلی ہے اس کے بعد عتبہ نے سر کا خود طلب کیا مگر لشکر بھر میں اتنا بڑا خود کوئی نہیں ملا جو اس کے سر پر آسکتا مجبوراً چادر اوڑھنی کی طرح اس نے سر سے لپیٹ لی ابو جہل نے تلوار سونت کر اپنے گھوڑے کی پشت پر ماری یہ دیکھ کر ایمان بن رضہ بولا یہ تو بد شگون ہوئی۔

قریش کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

محمد بن عمر سلمی، بلادری اور صاحب الامتاع کا بیان ہے کہ قریش کے پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو یہ پیام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں تم سے لڑنے کو میں پسند نہیں کرتا یہ کام میرے مقابلہ پر تمہاری جگہ اگر دوسرے لوگ کریں تو اس سے اچھا ہوگا تم مجھ سے لڑو۔ یہ پیام سن کر حکیم بن حزام نے کہا بات تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کی پیش کی ہے اس بات کو مان لو، خدا کی قسم وہ انصاف کی بات جب پیش کر چکا تو اب تم اس پر غالب نہیں آسکتے۔ کیونکہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی۔ ابو جہل بولا جب اللہ نے ہم کو ان پر قابو دے دیا ہے تو اب ہم (بغیر ان لوگوں کی بیخ کنی کے) واپس نہیں جائیں گے۔

صف بندی

غرض صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی صف بندی کی اور تیر کی طرح صفوں کو ہموار کیا آپ کے پاس ایک چھوٹا تیر تھا اس سے اشارہ کر رہے تھے کسی سے فرما رہے تھے ذرا آگے بڑھو کسی کو حکم دے رہے تھے پیچھے ہٹو آخر صفیں درست ہو گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا مصعب بن عمیر کو دیا جس جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ مصعب اس طرف کو بڑھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لائنوں کو دیکھنے لگے مغرب کی طرف اور سورج کی طرف لشکر کی پشت کرائی مشرک سامنے تھے ان کا منہ سورج کی طرف رہا۔

چاند ہے اور فرمایا گیا میں شام کو ہی اس قوم کی قتل گا ہوں کو دیکھ رہا تھا۔ سعید بن منصور نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت ملاحظہ فرمائی تو دو رکعت نماز پڑھی ابو بکر رضی اللہ عنہ دائیں طرف کھڑے تھے اور نماز میں دعا کی اے اللہ مجھے بے مدد نہ چھوڑنا اے اللہ میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ احمد مسلم ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ تین سو انیس تھے تو کعبہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنے رب کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر اے اللہ اپنے وعدہ کے مطابق مجھے عطا کر اے اللہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین پر تیری پرستش نہ ہو سکے گی۔ برابر یونہی قبلہ کی جانب ہاتھ پھیلائے پکار رہے تھے یہاں تک کہ دوش مبارک سے چادر بھی گر گئی تھی اور ابو بکرؓ نے آکر چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈالی پھر پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چٹ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ بس کیجئے اللہ کو پکارنے کی حد ہوگی اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّي مُّمِدُّكُمْ

جو تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد کو بھیجوں گا

بِالْفِ مِّنَ الْمَلِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ

تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے اور یہ تو ہی اللہ نے

الْاِبْتِرَاءِ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ

لفظ خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد

الْاَمِّنُ عِنْدَ اللهِ اِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

نہیں سحر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور ہے حکمت والا

فرشتوں کا اترنا

اسی طرح کی آیت ”آل عمران“ پارہ لن تالوا کے رُبع پر گزر چکی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ البتہ اُس جگہ فرشتوں کی تعداد تین

شبیہ کو سنبھلنے بھی نہ دیا قتل کر دیا۔ علیؓ نے ولید کو فرصت نہ دی قتل کر دیا عبیدہ اور عتبہ میں تلواروں کی نوک جھونک ہونے لگی دونوں زخمی ہو گئے یہ دیکھ کر حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اور قریش اپنے آدمی (عتبہ) کو اٹھا کر لے گئے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ سورت حج میں انہی دونوں کے متعلق آیت هٰذَيْنِ حَخَفْنِ اِخْتَصَمُوْا فِى رَيْبِهِمُ الْخِ نَازِلِ هُوْنَى۔

اس کے بعد دعاء

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جھوپڑی میں لوٹ آئے تیسرا کوئی ساتھ نہ تھا اور اللہ سے اس فتح کی دعا کرنے لگے جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ بھی تھے اے اللہ آج اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین پر پھر تیری پوجا نہ ہو سکے گی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! اب اپنے رب کی پکار میں کمی کیجئے اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ یقیناً پورا کرے گا۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو مشورہ دینے سے بالاتر ہے مگر میں ایک مشورہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ کو اس کا وعدہ یاد دلانے کی اب ضرورت نہیں اس کی ذات اس کی یاد دہانی سے بالا اور علیؓ ہے فرمایا ابن رواحہ میں اللہ کو اس کا وعدہ کا واسطہ دیتا رہوں گا۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور میں

ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت علیؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن میں کچھ دیر لڑتا رہا پھر دوڑا ہوا آیا کہ دیکھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑے یا حی یا قیوم فرما رہے ہیں اس سے زیادہ کوئی لفظ نہیں فرما رہے تھے پھر میں لڑائی کی طرف لوٹ گیا کچھ دیر کے بعد واپس آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں یہی الفاظ کہتے پایا اس کے بعد اللہ نے فتح عنایت فرمادی بیہوشی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی۔ اس میں اتنا زائد ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ موڑا ایسا معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ

ہزار ملائکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب نازل ہوئے تھے میں بائیں جانب تھا۔ الحدیث

امام احمد، بزار اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا بدر کے دن مجھ سے اور ابو بکرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم میں سے ایک سے فرمایا تمہارے ساتھ جبرئیل ہیں اور دوسرے سے فرمایا تمہارے ساتھ میکائیل ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صرف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں ہے۔ ابویعلیٰ کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے تھے (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے تھے (کیا وجہ تھی)۔ فرمایا جبرئیل میری طرف سے گزرے تھے قوم کے تعاقب سے واپس آ رہے تھے ان کے پروں پر غبار کا کچھ اثر موجود تھا میری طرف دیکھ کر ہنسے تھے میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

جبرئیل کی واپسی

ابن سعد اور ابوالشیخ نے حضرت عطیہ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی سے فارغ ہو گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سرخ گھوڑی پر سوار زرہ پہنے نیزہ لئے آئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی نہ ہو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سے الگ نہ ہوں۔ کیا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں خوش ہو گیا۔ اس کے بعد جبرئیل واپس چلے گئے۔

فائدہ: بعض فرشتے آدمی کی شکل میں بعض لوگوں کے سامنے نمودار ہوئے تھے۔ ابراہیم حرثی کا بیان ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے کہا ہم نے بدر میں کچھ گورے رنگ کے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان دیکھے تھے۔ بیہتی اور ابن عساکر راوی ہیں کہ حضرت سہل بن عمرو نے فرمایا بدر کے دن میں نے کچھ گورے رنگ کے مرد ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان دیکھے جو قتل بھی کر رہے تھے اور قید بھی کر رہے تھے۔

محمد بن عمرو اسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن

سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائے گا کہ اول ایک ہزار کا دستہ آیا ہوگا۔ پھر اس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں، جن کی تعداد تین ہزار سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ ”مردفین“ میں اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بیہتی نے حضرت ابن عباس حضرت حکیم بن حزام اور حضرت ابراہیم تیمی کی روایت سے حدیث دعاء اور حضرت ابو بکرؓ کا قول نقل کیا ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھونپڑی کے اندر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو ایک جھٹکا ہوا پھر (گویا) بیدار ہو کر آپ نے فرمایا ابو بکرؓ بشارت ہو یہ جبرئیل سر پر زرد عمامہ باندھے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آسمان وزمین کے درمیان موجود تھے پھر زمین پر اترے اور کچھ دیر کے لئے میری نظر سے غائب ہو گئے پھر گھوڑے پر سوار نمودار ہوئے اور مجھ سے کہہ رہے ہیں جب اللہ سے تم نے دعاء کی تو اللہ کی مدد تم کو پہنچ گئی۔

ابن اسحاق اور ابن المنذر کی روایت میں حدیث کے یہ الفاظ ہیں یہ جبرئیل ہیں گھوڑے کو چاروں ٹانگوں پر چلاتے ہوئے آگے سے لگام پکڑے آ رہے ہیں۔ بخاری اور بیہتی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل اسلحہ لگائے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔

”مردفین کا ترجمہ ہے، قطار در قطار ایک کے پیچھے ایک“

طبرانی نے حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اپنے نبی کی اور مسلمانوں کی مدد ایک ہزار ملائکہ سے کی ایک پہلو پر جبرئیل کے ساتھ پانچ سو تھے اور دوسرے پہلو پر میکائیل کے ساتھ پانچ سو۔ الحدیث۔

ابویعلیٰ اور حاکم کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں بدر کے کنویں کے پاس تھا کہ ایسی تیز ہوا آئی جس کی طرح میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر ویسی ہی ایک تیز ہوا آئی پھر اسی طرح کی ایک تیز ہوا اور آئی۔ پہلی ہوا جبرئیلؑ کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے تھے دوسری ہوا میکائیل کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب اترے تھے۔ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف تھے اور تیسری ہوا اسرافیل کے آنے کی تھی جو ایک

ایک دراز قامت گورے رنگ کے آدمی نے پکڑ لیا یہ شخص گھوڑے پر سوار تھا اور آسمان وزمین کے درمیان معلق تھا۔ پھر مجھے باندھ دیا اتنے میں عبد الرحمن بن عوف آگئے اور مجھے بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا اس کو کس نے باندھا ہے لیکن کسی نے مجھے گرفتار کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے پیش کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس نے گرفتار کیا ہے۔ میں نے اصل بات بتانی نہیں چاہی اور جواب میں کہہ دیا مجھے نہیں معلوم۔ فرمایا تجھے ایک فرشتہ نے گرفتار کیا ہے۔ امام احمد ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابوالیسرؓ نے عباس کو گرفتار کیا تھا۔ ابوالیسرؓ ٹھیلے بدن کے نائے قد کے آدمی تھے اور عباسؓ قد آور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسرؓ سے دریافت فرمایا تم نے عباسؓ کو کیسے گرفتار کر لیا۔ ابوالیسرؓ نے کہا یا رسول اللہ گرفتار کرنے میں ایک اور شخص نے میری مدد کی جس کی ہیئت اس اس طرح کی تھی۔ میں نے اس شخص کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتہ نے کی تھی۔

حضرت ابواسید کا بیان

ابن اسحاق اور اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ حضرت ابواسید ساعدی نے نابینا ہو جانے کے بعد فرمایا تھا اگر اب میں تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری آنکھیں بھی ہوتیں تو میں تم کو وہ گھائی بتاتا جس سے ملائکہ نکل کر آئے تھے اور مجھے (ان کے آنے میں) کوئی شک تھا نہ شبہ۔

خصوصی نشانی

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سفید عمامے تھے جن کو انہوں نے پشت پر چھوڑ رکھا تھا (یعنی عمامہ کا کچھ حصہ بطور دم دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکا رکھا تھا) اور خیبر کے دن (فرشتوں کی خصوصی نشانی) سرخ عمامے تھے۔ ابن اسحاق نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ اسی روایت میں اتنا زائد ہے ہاں جبریل کا عمامہ زرد تھا۔ طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبریلؑ زبیر کی شکل میں زرد عمامہ باندھے اترے تھے۔ ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سبز اور زرد

عوف نے فرمایا میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تیسرا آگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چوتھا آگیا۔

ابراہیم غفاری کی گواہی

محمد بن عمرو سلمی کا بیان ہے کہ ابراہیم غفاری نے کہا میں اور میرا چچا کا بیٹا بدر کے پانی پر تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کی قلت اور قریش کی کثرت دیکھ کر ہم نے کہا دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوگا تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر اور اس کے ساتھیوں کا قصد کریں گے (یعنی براہ راست ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو نشانہ بنائیں گے)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے میسرہ (بائیں بازو) کو جا کر دیکھا تو اندازہ کیا کہ یہ قریش سے ایک چوتھائی ہونگے۔ ہم میسرہ میں گھوم ہی رہے تھے کہ ایک بادل آیا اور ہم سب پر چھا گیا ہم نے بادل کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں سے کچھ آدمیوں کی اور ہتھیاروں کی آواز سنائی دی، ایک آدمی اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا جیزوم آگے بڑھ۔ (اس قصہ میں اقدام جیزوم کا لفظ آیا ہے۔ حضرت مؤلف نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اقدام، اقدام، اقدام تینوں طرح پڑھنا درست ہے۔ نووی نے اقدام کو ترجیح دی ہے۔ مراد ہے جنگ میں آگے بڑھنا یا اقدام کرنا۔ جیزوم جیزوم سے مشتق ہے۔ جیزوم سینہ کو بھی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس گھوڑے کا نام جیزوم اس لئے ہو کہ وہ ملائکہ کے سب گھوڑوں سے آگے تھا)۔

(یہ نبی آدمی) آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میمنہ پر اترے پھر ایک جماعت اور اسی طرح کی (اوپر سے) آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئی۔ اب وہ (صحابہؓ کی فوج) قریش سے دو گنی ہو گئی۔ میرا چچا کا بیٹا تو مر گیا میں رکا رہا (یعنی جنگ میں بچ گیا) اور مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی۔ فرشتے نے ابراہیم کو باندھ دیا

ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک غفاری شخص کا اور بیہقی نے سائب بن ابی جیش کا قول نقل کیا ہے۔ غفاری اور سائب کہتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے کسی آدمی نے قید نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب قریش کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے تو میں ان کے ساتھ بھاگا۔ مجھے

مسلمانوں کیلئے مشکلات

بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے۔ مقابلہ پر ان سے کتنی تعداد کا لشکر تھا جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی قابل ذکر ٹکر تھی۔ پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھستے تھے۔ گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرورتاً سید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔

عیسیٰ مدد

اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کچھڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔

رحمت کا نزول

جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ رات بھر ”عریش“ میں مشغول دعا رہے۔ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو سیہزم الجمع و یولون الدبر زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اس بار ان رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقدادؓ کے سوا کسی کے پاس سواری نہیں تھی۔ ہم سب نیند کے سے عالم میں تھے لیکن

اور سرخ نورانی عمامے تھے جن کی دیمیں انہوں نے شانوں کے درمیان چھوڑ رکھی تھیں اور گھوڑوں کی پیشانیوں پر بطور کلغی اون بندھا ہوا تھا اور ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ نے خصوصی نشانی مقرر کر لی ہے تم بھی (یہ ہی) نشانی اختیار کرو۔ چنانچہ لوگوں نے اون (بطور کلغی) اپنے سروں کے نیچے اور ٹوپوں پر باندھ لیا۔

حضرت عبداللہ اور حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کا فرق

عبداللہ بن رواحہ نزول اتم کے مرتبہ پر فائز نہ تھے اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کو وعدہ یاد دلایا جائے، اس سے اللہ بہت بالا و برتر ہے (اس کو اس کی ضرورت نہیں) اور حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ سے واقف تھے اور آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل تھا۔ اس لئے حضرت ابن رواحہ کی طرح تو الفاظ زبان سے نہیں نکالے ہاں یہ فرمایا کہ اب اللہ کو واسطہ دے کر دعا کرنے کی حد ہو گئی (اس سے زیادہ ضرورت نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے قرار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اشاعت اسلام اور استیصال کفر کی انتہائی رغبت رکھتے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ سارے جہان کی عبادت سے بے نیاز ہے (اس کو ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی عبادت کرے اور دنیا میں اسلام پھیلے اور کفر مٹے) واللہ اعلم۔

نزول اتم کا درجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نزول اتم کا مرتبہ حاصل تھا۔ اسی لئے باوجود کمال ایمانی کے حضرت ابراہیمؑ نے احواء موتی کو آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کی تا کہ شہودی طور پر اطمینان قلب پیدا ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہودی اطمینان کے لئے امداد ظاہری کے لئے دعاء کی۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ يَغْشِيكُمْ السُّعَاسُ اَمْنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ

جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا

عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ

تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کر دے

وَيُدْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ

اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے

عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُنَبِّئُ بِهٖ الْاَقْدَامَ ۝

تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدم ☆

ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں مشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو دوسو سے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو کیونکہ آج ان سب جنی و انسی کافروں نے مل کر خدا و رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سوائے معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھایا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے۔ یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تشبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان اور کافر کے دل کا فرق

شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ کافروں کے دل فرشتوں کے الہام کے قابل نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالنے کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرشتوں کو مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کا حکم دیا اور اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

نکتہ: چونکہ معرکہ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں متمثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور خدا کے آگے روتے رہے۔

حدیث میں ہے کہ بروز بدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے کاشانہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دونوں مل کر خدا سے دعا کر رہے تھے۔ ایسے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ سی آگئی۔ پھر آپ تبسم کرتے ہوئے خود ہی آگے اور فرمانے لگے، اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ وہ ہیں جبرئیلؑ گرد آلود کیفیت میں۔ پھر آپ کاشانے سے باہر آئے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ ”و دشمنوں کو ہزیمت ہوگئی اور وہ پیٹھے پھیر کر بھاگ جائیں گے۔“

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْتِي مَعَكُمْ

جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے

فَقَتَبُوا الَّذِينَ امْنُوا سَأَلْنِي فِي قُلُوبِ

سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے میں ڈال دوں گا دل میں

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ

کافروں کے دہشت سو مارو

الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۗ

گردنوں پر اور کانوں ان کی پور پور

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ وَ

یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور

مَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ

جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بیشک اللہ کا

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۗ ذَلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ

عذاب سخت ہے یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو

لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۗ

کہ کافروں کے لئے عذاب دوزخ کا ☆

معرکہ بدر کی اہمیت

جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متمثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے

اندر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! میں تجھے تیری ذمہ داری اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! اگر مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی آج تیری مشیت ہوئی تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جاسکے گی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سامنے خوب زاری کر چکے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا ختم کر دی) اور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے ڈیرہ سے باہر آگئے سیہزم الجمع ویؤلون الدبر۔

فقط اشارہ سے سرکٹ جاتا

حاکم اور بیہتی اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا بدر کے دن ہم میں سے بعض لوگ اپنی تلوار سے مشرک کے سر کی طرف اشارہ ہی کرتے تھے اور تلوار پہنچنے نہ پاتی تھی کہ سر نیچے گر پڑتا تھا بیہتی نے حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں پر آگ سے جلے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن اسحاق اور بیہتی نے حضرت ابو اقدیس کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے دن ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر گر پڑا۔ اس سے میں پہچان لیتا تھا کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا۔ بیہتی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے دریافت کیا بدر کے دن اقدم حیضوم کہنے والا کون فرشتہ تھا۔ حضرت جبریل نے فرمایا تمام آسمان والوں کو میں نہیں پہچانتا۔

ابولہب کی ذلت

حضرت ابو رافع فرماتے ہیں دشمن خدا ابولہب خود بدر میں شریک نہ ہوا تھا اپنی جگہ اس نے عاصم بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا۔ جب اس کو بدر کی شکست کی اطلاع ملی تو اللہ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور ہم کو اپنے اندر قوت اور عزت محسوس ہونے لگی۔ میں کمزور آدمی تھا تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرہ کے اندر بیٹھا تیر چھیلا کرتا تھا۔ ایک روز حجرہ کے اندر بیٹھا تیر تراش رہا تھا ام الفضل میرے پاس بیٹھی تھیں کہ ابولہب کافر پاؤں کو گھسیٹتا ہوا سامنے سے آگیا اور حجرہ کے بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا۔

مشرکین کے حوصلے بڑھائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا کہ میرا تمام قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور بعد ازاں ابلیس لعین شیاطین کا ایک بھاری لشکر لے کر مشرکین کی مدد کیلئے معرکہ بدر میں حاضر ہوا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کرنے کیلئے فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے الہامات سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور ان کی مدد کریں اور ان کے ہمراہ ہو کر کافروں سے لڑیں ورنہ فی الحقیقت اللہ کو نہ فرشتوں کی احتیاج ہے اور نہ آدمیوں کی وہ ایک فرشتہ سے بھی بڑی بستی تباہ کر سکتا ہے۔ یہ سب من جانب اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنے صحابہ کا اعزاز و اکرام تھا۔ (معارف کاندھلوی)

فرشتوں کے کام

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کئے گئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے، مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بھی بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا۔ اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر درمنثور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا، ابا! آپ کو ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے کیسے گرفتار کر لیا اگر آپ چاہتے تو اس کو مٹھی میں پکڑ لیتے (آپ قد آور جسیم آدمی ہیں اور ابوالیسر رضی اللہ عنہ ناٹا ٹھگنا مٹھی بھر آدمی ہے)۔ فرمایا بیٹے ایسا نہ کہو۔ وہ مجھے کوہ خندق سے بھی بڑا دکھائی دیتا تھا۔ ابن انباری نے کہا فرشتے واقف نہ تھے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ نے فاضر بوا فرما کر ان کو بتا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء قبول ہوئی

بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈیرہ کے

میدان جنگ سے بھاگنا

”فرار من الزحف“ جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیٹھ دکھانا بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دگنے ہوں اس وقت تک فقہاء نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔ (تفسیر عثمانی)

بدر کے بعد جب حنین کی لڑائی پیش آئی تو مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی مگر اس کثرت کے باوجود وہ پیٹھ پھیر کر گھبراہٹ سے بھاگ کھڑے ہوئے میرے نزدیک بغوی کی تفسیر زیادہ مناسب ہے اس تفسیر پر ممانعت کے حکم میں عموم ہو جائے گا جماعت کا مقابلہ جماعت سے ہو یا ایک کا ایک سے بہر حال پیٹھ دینے کی ممانعت مستفاد ہوگی جب جمع کا تقابل جمع سے ہوتا ہے تو افراد کا افراد سے مقابلہ لازم

مسئلہ: اکثر اہل علم کے نزدیک میدان جنگ سے مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے چاروں اماموں کا قول یہی ہے مگر سب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نصف ہے کم نہ ہو، اگر نصف سے کم ہو تو دشمنوں کو چھوڑ کر بھاگنا جائز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاکت آفریں چیزوں میں قتال سے بھاگنے کا شمار کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُؤَلِّمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّقًا

اور جو کوئی ان سے پھیرے پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو

لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَرِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ

لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھیرا

بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا أُولَٰئِكَ جَاهِلُونَ

اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے ☆

یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو، مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ مؤثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جدا ہوگئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ لوگوں نے کہا لو ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آگیا۔ ابولہب بولا بھتیجے میرے پاس آؤ تمہارے پاس ضرور اطلاع ہوگی۔ ابوسفیان اس کے پاس آکر بیٹھ گیا لوگ کھڑے رہے۔ ابولہب نے کہا بھتیجے بتاؤ کیا ہوا۔ ابوسفیان نے کہا کچھ نہیں۔ خدا کی قسم مقابلہ ہوا تو ہم نے اپنے شانے ان کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ جیسا چاہیں کریں ہم کو قتل کریں یا قید کریں اس کے باوجود خدا کی قسم لوگ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے۔ مگر ہمارا مقابلہ ایسے گورے رنگ کے لوگوں سے ہوا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور آسمان وزمین کے درمیان (فضا میں) معلق تھے۔ خدا کی قسم ان کا اندازہ کسی چیز سے نہیں ہوتا تھا نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکتی تھی۔ حضرت ابورافع کا بیان ہے میں نے یہ سن کر خیمہ کا ایک حصہ (غالباً راوی نے جس کو حجرہ کہا ہے وہ حجرہ نما ڈیرہ ہوگا جو طنابوں سے بندھا ہوا ہوگا) اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کہا خدا کی قسم وہ ملا نکلے تھے۔ ابولہب نے ہاتھ اٹھا کر فوراً میرے منہ پر زور سے ضرب لگائی۔ میں اس سے لپٹ گیا اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اوپر چڑھ کر مجھے مارنے لگا۔ مگر میں کمزور آدمی تھا۔ ام الفضل نے جو یہ دیکھا تو ڈیرے کی ایک ٹیکی لے کر ابولہب کے زور سے ماری جس سے اس کا سر برے طور سے پھٹ گیا اور بولیں چونکہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔

ابولہب ذلیل ہو کر منہ پھیر کر چل دیا اور سات راتیں گزرنے نہ پائی تھیں کہ اللہ نے اس کو عدسہ کے مرض میں مبتلا کر دیا اور ختم کر دیا۔ ابن جریر نے کہا عدسہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا تھا۔ عرب اس کو منخوس جانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بڑا متعدی مرض ہے۔ ابولہب کو چونکہ عدسہ کا مرض ہوا تھا اس کے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور دور ہی رہی۔ کوئی اس کی لاش کے قریب نہ آتا تھا نہ اس کو دفن کرنے کا قصد کرتا۔ آخر جب بدنامی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو ایک گڑھا کھود کر لاشوں کے سہارے لاش کو اٹھا کر اس گڑھے میں ڈال دیا اور دور ہی سے پتھروں سے گڑھے کو پاٹ کر لاش کو چھپا دیا۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم

كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْآدْبَارَ

کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ ☆

کنکریاں نہ بھر گئی ہوں۔ ابو الشیخ، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے بدر کے دن آسمان سے کچھ کنکریاں گرنے کی آواز سنی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی طشت میں گری ہیں۔ جب صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں لے کر مشرکوں کے چہروں پر پھینک ماریں جس کی وجہ سے ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔

آیت کے شان نزول کی دوسری روایت

حاکم نے بروایت سعید بن مسیب بحوالہ مسیب بیان کیا کہ احد کے دن ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور مصعب بن عمیر اس کے مقابلہ پر آ گئے۔ ابی کی زرہ اور خود کے درمیان ایک شکاف تھا جس سے اس کی ہنسی کی ہڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ پائی اور اس شکاف میں چھوٹا نیزہ (برجھی) مارا۔ ابی فوراً گھوڑے سے گر پڑا، ایک پسلی ٹوٹ گئی مگر زخم سے خون نہیں نکلا (یعنی ایسا زخم نہیں لگا کہ خون نکلتا، کچھ خراش لگ گئی) مگر ابی بیل کی طرح چلانے لگا کہ ساتھیوں نے کہا تو کیسا ڈھیلا آدمی ہے (کوئی زخم نہیں پھر کیوں چلاتا ہے) صرف ایک خراش لگی ہے ابی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کہا تھا کہ ابی کو میں قتل کئے دیتا ہوں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر یہ زخم تمام ذی الحجاز (ذی الحجاز ایک میلہ کا نام ہے جہاں عکاظ کے میلہ کے بعد عرب جمع ہوتے تھے) والوں کے لگتا تو سب مر جاتے۔ غرض مکہ کو پہنچنے سے پہلے مر گیا اور اللہ نے آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ نازل فرمائی۔ اس حدیث کی سند صحیح مگر غریب ہے۔

بدر کے غازیوں کا اعزاز

ابوداؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے جید سند سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اہل بدر کے احوال سے واقف ہو جانے پر فرماتا ہے کہ تم (اب) جو چاہو عمل کرو، میں نے تم کو بخش دیا۔ صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا قصہ آیا ہے (کہ حاطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع مکہ والوں کو دینے کے لئے خط لکھا تھا اور راستہ میں وہ خط حضرت علیؓ کے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا) اور یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ حاطب کی گردن مار دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ شرکاء بدر میں سے نہیں ہے اور اللہ نے اہل بدر کے احوال

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ

اور تو نے نہیں پھینکی مٹی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے

رَمَىٰ وَ لِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءٌ

پھینکی اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے

حَسَنَاتٍ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

خوب احسان پیشک اللہ ہے سنتے والا جاننے والا ☆

کنکریوں سے کافر مرنے لگے

جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ شاہت الوجوہ فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کفار کھیت رہے، اس کو فرماتے ہیں کہ گویا ہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عاۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے۔ تم بے سرو سامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منڈ مارے جاتے، یہ خدایا کہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا، ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادۃ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مؤمنین کی دعا و فریاد کو سنتا اور ان کے افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی) طبرانی اور ابو الشیخ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا مجھے ایک مٹی کنکریاں دے دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کوئی شخص نہ بچا جس کی آنکھوں میں

بدر میں فیصلہ ہو گیا اب عبرت پکڑو

یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۗ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی خدا وندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ واکرم ہوا سے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر فَعَلْنَا جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۗ میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی اعلیٰ و افضل تھے ان کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

حق والوں کی مشکلات

بغوی نے اپنی سند سے حضرت قیس بن حباب کا قول نقل کیا ہے۔ حضرت قیس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر سر کے نیچے رکھے کعبے کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شکوہ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ سے دعا نہیں کرتے اور اللہ سے نصرت کی درخواست نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھے، چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر گڑھے میں ان کو کھڑا کر کے آ رہے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن یہ اذیت بھی ان کو ان کے دین سے نہیں لوٹا سکتی تھی۔ بعض لوگوں کے گوشت کے اندر لوہے کی کنگھیاں، ہڈی اور پٹھے تک کی جاتی تھیں مگر یہ دکھ بھی ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکتا تھا۔ اللہ اس کام کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ تمہارا سوار صنعاء سے حضرموت تک بلا خوف و خطر جائے گا اور راستہ میں سوائے اللہ کے اور کسی کا اس کو ڈرنہ ہوگا (یعنی مسلمانوں کے لیے امن عام ہو جائے گا) مگر تم جلدی کرتے ہو (اور وقت سے پہلے غلبہ کے خواہشمند ہو)۔

پر مطلع ہونے کے بعد ہی فرمایا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور یہ بھی فرمادیا کہ تمہارے لئے جنت ضروری ہوگی۔

بدر کے شہداء کی فضیلت

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن حضرت حارثہ بن زید شہید ہو گئے تو ان کی ماں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ واقف ہیں کہ حارثہ کا مجھ سے کیا رشتہ تھا۔ اب اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور ثواب کی امید رکھوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی صورت ہو تو مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اری! کیا جنت ایک ہے جنتیں تو بہت ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔ بخاری کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حارثہ دور سے دیکھنے والوں میں شامل تھے ان الفاظ سے اہل بدر کی مزید فضیلت پر روشنی پڑتی ہے کہ حارثہ میدان جنگ کے وسط میں بھی نہ تھے، ہلاکت گاہ میں بھی نہ تھے، دور سے دیکھنے والوں میں تھے کہ ایک تیرا لگا جب کہ آپ حوض سے پانی پی رہے تھے۔ اس کے بعد جنت الفردوس میں ان کو جگہ ملی اور جنت الفردوس ہی جنت کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور سب سے برتر چیز ہے۔ یہیں سے جنت کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں جب ایسے لوگوں کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان لوگوں کے مرتبہ کا کیا کہنا جو دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور دشمن کی تعداد بھی تین گنا بھی اور اسلحہ کی طاقت بھی تین گنا تھی۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ وَاَنْ اِنَّ اللّٰهَ مُؤْمِنٌ كَبِيْرٌ اَلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰﴾

یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ ست کر دے گا تدبیر کافروں کی ☆

یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو ست کر دیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَاِنْ

اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر

تَنْتَهَوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْذُوْا نَعُوْذْ

باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر بھی کرو گے تو ہم بھی پھر بھی کریں گے

وَلٰكِنْ تَغْنِيْ عَنْكُمْ فِعْنَكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ

اور کچھ کام نہ آجیگا تمہارے تمہارا جتنا اگرچہ بہت ہوں

وَاَنْ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ☆

دو بچوں کا کارنامہ

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے میں بدر کے دن لائن میں کھڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے دائیں بائیں دو لڑکے ہیں اور میں دونوں جوان لڑکوں کے درمیان ہوں، مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر میرے دونوں طرف طاقتور آدمی ہوتے تو بہتر ہوتا (کہ وقت پر کچھ میری مدد کرتے اور کچھ کام کرتے) اتنے میں ایک لڑکے نے چپکے سے مجھے دبایا اور پوچھا چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں، میں نے کہا ہاں لیکن بھتیجے تم کو اس سے کیا سروکار؟ کہنے لگا مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ پایا تو میری نظر کے سامنے وہ ہٹنے نہ پائے گا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے آئی ہے وہ مارا جائے گا۔ دوسرے نے بھی مجھے ہاتھ سے دبا کر یہی بات کہی۔ مجھے ان کی باتیں سن کر اچنبھا ہوا اتنے میں ابو جہل یہ شعر گاتا ہوا لوگوں میں نظر پڑا۔

ما تنقم الحرب العوان منی بازل عامین حدیث سنی۔ پھر کہنے لگا ایسے ہی دن کے لئے میری ماں نے مجھے جنا تھا۔

میں نے ان لڑکوں سے کہا جس شخص کے متعلق تم دریافت کر رہے تھے وہ یہ ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں تلواریں لے کر اس پر چھٹ پڑے اور دونوں نے فوراً مار کر اس کو ٹھنڈا کر دیا اور لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کے اسلحہ اور اس سے چھیننا ہوا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو عطا فرمایا۔ یہ دونوں شخص معاذ بن عمرو اور معاذ بن عفراء تھے۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دیکھ کر آئے ابو جہل کس حال میں ہے۔ حسب الحکم حضرت ابن مسعودؓ گئے اور جا کر دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جا کر اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کیا تو ابو جہل ہے (کہ اتنا غرور کرتا تھا) ابو جہل نے کہا کیا جس شخص کو اس کی قوم نے یا یہ کہا کہ تم لوگوں نے قتل کر دیا ہے اس سے بڑا کوئی ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ قاضی (عیاض) نے العیون میں لکھا ہے کہ ابن وہب کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت معاذؓ اپنا (لٹکایا

کٹا ہوا) ہاتھ اٹھائے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب مبارک لگا دیا فوراً ہاتھ جڑ گیا۔ قاضی عیاض نے شفاء میں ابن وہب کی روایت سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے حضرت معاذؓ کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ حضرت معاذؓ وہ ہاتھ اٹھائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب لگا کر (اس کی جگہ پر) جوڑ دیا اور وہ جڑ گیا۔

اسحاق نے بیان کیا ابو جہل زمین پر کچھڑا پڑا تھا۔ حضرت معوذ بن عفراء اس کی طرف سے گزرے اور تلوار کا ایک کارگر ہاتھ مارا مگر کچھ جان اس میں باقی رہی۔ حضرت معاذؓ جنگ میں شہید ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو جہل کی طرف سے گزرے۔ آپ کا بیان ہے میں نے اس کو آخری سانسوں میں پایا اور گردن پر پاؤں رکھ کر کہا دشمن خدا اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا۔ بولا ذلیل کیسے کر دیا۔ تم نے جس شخص کو قتل کیا ہے کیا اس سے زیادہ کوئی باعزت ہے (یعنی جس شخص کو اس کی قوم قتل کر دے وہ ذلیل نہیں ہوتا) مجھے یہ بتاؤ کہ انجام کس کے ہاتھ رہا (یعنی فتح کس کی ہوئی) میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فتح ہوئی۔ ابو جہل کا سر

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو جہل نے مجھ سے کہا اے بکریوں کے چرواہے تو سخت (دشوار رس) بلندی پر چڑھا ہے (یعنی میرا سینہ اونچے پہاڑ کی طرح ہے جس کی چوٹی پر پہنچنا سخت دشوار تھا اور تو اس پر چڑھا بیٹھا ہے)۔ پھر میں اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے عرض کیا جی ہاں قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ کہہ کر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر گئے۔ تیسری روایت میں ہے (بطور شکر) دو رکعت نماز پڑھی۔ ابن عابد نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے، اس امت کا فرعون ابو جہل ہے، اس پر اللہ کی مار۔ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو قتل کر دیا فرمایا ملائکہ نے اس کو قتل کر دیا اور ابن مسعودؓ نے اس کا کام تمام کر دیا اور تیزی سے قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

جانوروں سے بدتر لوگ

جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں۔ نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا۔ جس کے لئے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۗ

اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝۱۰

اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں منہ پھیر کر ☆

نا اہل قوم:۔ یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو۔ جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اُس میں قبول حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی۔ اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی۔ اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کر کے دوزخ میں چلے جاتے ہیں الخ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن عبد اللہ بن مسعود۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَ

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور

لِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۝۱۱

رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے ☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا

وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝۱۰

اور اس سے مت پھرو سن کر ☆

اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو پہلے فرمایا تھا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے "اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلادیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار ہو۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اسکا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر لیا، تو قولاً و فعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا

اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا

وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝۱۱

اور وہ سنتے نہیں ☆

یہودیوں اور مشرکوں کی طرح نہ بنو یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کون کر سمجھے نہیں۔ یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھامسنا وعصینا (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا، یعنی جو قرآن آپ سنا تے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہر حال مومن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہئے۔ اس کی شان یہ ہے کہ دل سے زبان سے عمل سے حاضر و غائب احکام الہیہ اور فریضین نبویہ پر نشان ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمَمُ

پیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے

الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝۱۲

گھونٹے ہیں جو نہیں سمجھتے ☆

اوپر والے اس کو سوراخ کرنے سے روک دینگے تو وہ سوراخ کرنے والا بھی بچ جائے گا اور اوپر والے بھی بچ جائیں گے ورنہ وہ تو ڈوبے گا ہی ساتھ میں اوپر والے بھی مرینگے رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ

اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے

وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ﴿۲۱﴾

اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہو گے ☆

حکم بجالانے میں دیر نہ کرو

یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداء نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنا لے تو مہر کر دیتا ہے۔ کذافی الموضع بعض نے **يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ** کو بیان قرب کیلئے لیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ **وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (ق رکوع ۲۷) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سراڑ پر مطلع ہے، خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و سراڑ کھول کر رکھ دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

ما احييتني: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب خدا تعالیٰ کے پاس تصرف میں ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیرے۔ پھر فرمایا: اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لڑکے کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ تو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے لہذا میرے اور میرے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا کہ میں کوئی برا کام نہ کر سکوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے اور اس کو دعا خیر دی۔

اللہ کے احکام پورے کرو

یعنی خدا و رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سر تا پتا تمہاری بھلائی ہے۔ ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جدھر وہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل

ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف گذر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی حضرت ابی جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے تم کو پکارا تھا تو تم نے فوراً اجابت کیوں نہیں کی (میری دعوت پر لبیک کیوں نہیں کہا اور کیوں حاضر نہیں ہوئے) حضرت ابیؓ نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ** حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک ضروری تھی آئندہ جب کبھی آپ پکاریں گے میں ضرور جواب دوں گا خواہ نماز ہی پڑھتا ہوں یہ حدیث تائید کر رہی ہے کہ جس کام کی دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہو اسکی تعمیل ضروری ہے۔

اللہ کے احکام میں سستی کی مثال

حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی مقررہ حدود میں سستی کرنے والے اور ان میں داخل ہو جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جہاز میں کچھ لوگ سوار ہوں اور قرعہ اندازی کر کے کچھ زیریں حصہ میں اور کچھ بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوں اور زیریں حصہ میں رہنے والا بالائی حصہ میں رہنے والوں کی طرف سے پانی کا مرور کرے اور پانی کے اس مرور سے ان کو تکلیف ہو اس لئے نیچے رہنے والا کلبھاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصہ میں کچھ سوراخ کرنے لگے یہ دیکھ کر اوپر والے کہیں تم یہ کیا کرتے ہو سوراخ کرنے والا جواب دے تم لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کا مرور بہر حال مجھے کرنا ہی تھا اسلئے سوراخ کر رہا ہوں اب اگر

آیت کا مقصد

آیت میں بندہ سے اللہ کے قرب کو بطور تشبیہ بیان کیا ہے جیسے آیت
 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ میں (انتہائی قرب کو بطور تشبیہ ظاہر
 کیا گیا ہے) اور اس امر پر تشبیہ کی گئی ہے کہ اللہ دل کے اسرار سے اتنا
 واقف ہے کہ آدمی خود اپنے قلبی راز سے غافل ہو سکتا ہے مگر اللہ ناواقف
 نہیں ہے لہذا اخلاص خاطر لازم ہے یا اللہ کی کامل قدرت اور انسان کے
 دل پر اللہ کے پورا پورا قابو ہونے کی تصویر کشی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے
 کہ اللہ انسان کے عزم کو شکست کر دینے اور مقصد کو بدل دینے پر پورا
 قابو رکھتا ہے اگر اللہ انسان کی سعادت چاہتا ہے تو کفر و معصیت اور
 انسان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (اس صورت میں آدمی گناہ کی
 طرف نہیں بڑھ سکتا) اور اگر انسان کی بدبختی اس کو منظور ہوتی ہے تو ایمان
 و طاعت اور قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس صورت میں آدمی
 ایمان و طاعت کی طرف نہیں بڑھ سکتا لہذا ہر وقت خاتمہ کا ڈر رکھنا اور اللہ
 سے ہر دم زاری اور التجا اور دعا کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت انس بن
 مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کثرت سے
 کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک اے دلوں
 کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر جمائے رکھنا۔ صحابہ نے عرض
 کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے ہیں تو کیا
 آپ کو آئندہ دین سے لوٹ جانے کا) ہمارے متعلق اندیشہ ہے فرمایا
 تمام دل اللہ کی ایک چٹکی میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹ
 پلٹ کر دیتا ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے

ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَ اعْلَمُوا

خاص ظالموں ہی پر اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ☆

قوموں کا فتنہ

یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر
 لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مدد منت برتی، نہ نصیحت کی نہ

اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مددگار
 سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں
 شامل ہونگے کوئی نہ بچے گا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ
 خدا اور رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار ہو اور نافرمانوں کو نصیحت و ہم آئش
 کرو۔ نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحب نے آیت کا
 مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہئے
 جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک
 پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ
 کرے۔ کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تشبیہ فرماتے
 ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کرینگے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دینگے تو رسم بد پھیلے
 گی۔ اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد
 بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تمام سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم جب تم امر
 بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے، عذاب نہیں آئے گا اور
 جہاں بری باتوں سے تم نے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کام کی ترغیب سے
 رک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے، پھر تم لاکھ دعا
 کرو گے دعا قبول نہیں ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر دوسری قوم کو مسلط کر
 دے گا پھر تمہاری ساری دعائیں بے کار ہو جائیں گی۔

فتنہ کا دوسرا مفہوم

بعض علماء کا قول ہے کہ فتنہ سے مراد ہے بغاوت اور ملک کی تخریب و
 تباہی، اس کا وبال بے قصور لوگوں کو پہنچتا ہے۔ بے قصور لوگ مارے اور لوٹے
 جاتے ہیں۔ قناد نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ جب یہ آیت نزل
 ہوئی تو دانشمند صحابی سمجھ گئے کہ عنقریب فتنے پیدا ہونگے۔ اسی بناء پر ابن زید
 نے کہا کہ فتنے سے مراد اس جگہ افتراق کلمہ اور آپس کی پھوٹ ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 اللہ کی مقررہ حدود میں سستی کرنے والے اور ان میں داخل ہو جانے والے کی
 مثال ایسی ہے جیسے کسی جہاز میں کچھ لوگ سوار ہوں اور قرعہ اندازی کر کے
 کچھ زیریں حصہ میں اور کچھ بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوں اور زیریں حصہ
 میں رہنے والا بالائی حصہ میں رہنے والوں کی طرف سے پانی کا مرور کرے
 اور پانی کے اس مرور سے ان کو تکلیف ہو اس لئے نیچے رہنے والا کلبھاڑی لے
 کر جہاز کے نچلے حصہ میں کچھ سوراخ کرنے لگے یہ دیکھ کر اوپر والے کہیں تم

خیانت سے بچو

خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اس میں دخل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے۔ و نحو ذلک۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کئے جائیں، خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آگئے۔

حضرت ابولبابہ کا واقعہ

روایات میں ہے کہ یہود ”بنی قریظہ“ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ”نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنا لو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گزرے مگر معاذ تنبیہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤ نہ گناہ پیو نہ گناہی کی موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے۔ فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولو نہ گناہی تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الی آخر القصہ (ابن عبدالبر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا واللہ اعلم)۔ (تفسیر عثمانی)

یہ آیت ابولبابہ انصاری کے بارے میں نازل ہوئی یہود بنی قریظہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور سے صلح کی درخواست کی تو اس بات میں یہود نے ابولبابہ سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ چونکہ ان کے مال و عیال اس گھڑی

یہ کیا کرتے ہو۔ سوراخ کرنے والا جواب دے تم لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کا مرور بہر حال مجھے کرنا ہی تھا اس لئے سوراخ کر رہا ہوں۔ اب اگر اوپر والے اس کو سوراخ کرنے سے روک دیں گے تو وہ سوراخ کرنے والا بھی بچ جائے گا اور اوپر والے بھی بچ جائیں گے۔ ورنہ وہ تو ڈوبے گا ہی ساتھ میں اوپر والے بھی مرینگے۔ رواہ البخاری (تفسیر مظہری)

وَ اذْکُرُوا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ

اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے

فِي الْاَرْضِ تَخَافُونَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ

ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو

التَّاسُ فَاَوْكُمُ وَاَيْدِكُمْ بِنَصْرِهِ وَ

لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور

رِزْقِكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۶﴾

روزی دی تم کو سحری چیزیں تاکہ تم شکر کرو ☆

کمزوری کو دیکھ کر حکم الہی نہ چھوڑو

یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھاؤ۔ دیکھو ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوئی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوح کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور فدیہ اساری الگ دیا۔ غرض حلال طیب سحری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو

اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا مَن تَخُونُوا

اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں

وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾

میں جان کر ☆

وقت تک نازل نہیں ہوا تھا اسلئے حضرت ام سلمہؓ نے دروازہ پر آکر کہا ابو لبابہؓ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ سنتے ہی لوگ ابو لبابہؓ کو کھولنے کے لئے چڑھ دوڑے ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں (مجھے کوئی نہ کھولے) خدا کی قسم جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھ سے مجھے نہیں کھول لیں گے (میں کسی کو کھولنے نہ دوں گا) چنانچہ فجر کی نماز کو جاتے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابو لبابہؓ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو آزاد کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا آمَاؤُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ

اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں

فِتْنَةٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ☆

آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کے بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانت داری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو لبابہ کا پورا واقعہ

مفسرین کے نزدیک حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جو غزوہ بنو قریظہ میں پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بنو قریظہ کے قلعہ کا اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا جس سے عاجز ہو کر انہوں نے وطن چھوڑ کر ملک شام چلے جانے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرائطوں کے پیش نظر اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ صلح کی صورت ہے کہ سعد بن معاذؓ تمہارے بارہ میں جو کچھ فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ۔ انہوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ کے بجائے ابو لبابہؓ کو یہ کام سپرد کر دیا جائے کیونکہ حضرت ابو لبابہؓ کے اہل و عیال اور جائداد بنو قریظہ میں تھے، ان سے یہ خیال تھا کہ وہ ہمارے معاملہ میں رعایت کریں گے۔ آپ نے ان کی درخواست پر حضرت ابو لبابہؓ کو بھیج دیا۔ بنو قریظہ کے سب مرد و زن ان کے گرد جمع ہو کر رونے لگے اور یہ پوچھا کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتر آئیں تو کیا ہمارے معاملہ میں وہ کچھ نرمی فرمائیں گے۔ ابو لبابہؓ کو معلوم تھا کہ ان کے معاملہ میں نرمی برتنے کی رائے نہیں ہے۔ انہوں نے کچھ ان لوگوں کی گریہ و زاری سے اور کچھ اپنے اہل و عیال کی محبت سے متاثر ہو کر اپنے گلے پر تلوار کی طرح

میں ان کے پاس تھے۔ اس لئے بمقتضائے بشریت ابو لبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کر ڈالیں گے ابو لبابہ یہ اشارہ کرتے گزرے مگر فوراً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کی واپس آ کر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے۔

یا اللہ میری توبہ قبول کرے سات آٹھ دن یوں ہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہو گئی آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی اس پر کہا کہ خدا کی قسم جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں گے اس وقت تک میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا آپ تشریف لائے اور خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ (معارف کاندھلوی)

دو آدمیوں کے درمیان خیانت

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان کی بات بہر صورت امانت ہوا کرتی ہے۔ بات کو جہاں سنا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہئے، کسی کے سامنے کسی کی بات دہرانا نہیں چاہئے، اگرچہ اس نے منع نہ کیا ہو۔

ایک منافق کی خیانت

جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ابوسفیانؓ کے سے نکلے، جبرائیل نے آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان فلاں مقام ہے اس کو گرفتار کرنے کے لئے نکلو اور یہ معاملہ بالکل راز میں رہے۔ لیکن ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو پکڑنے کے درپے ہیں، ہو شیار ہو جاؤ۔ تو یہ آیت اتری کہ اللہ اور رسول کی خیانت مت کرو۔ رسول کا راز ظاہر کر دینا یہی رسول کی خیانت ہے۔

حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کیلئے بشارت

ابن اسحاق نے بروایت یزید بن عبد اللہ بن قسیط بیان کیا کہ ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہونے کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے اول صبح (سحر کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا اللہ آپ کو ہنساتا رہے (اس وقت) ہنسنے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا ابو لبابہؓ کی توبہ قبول کر لی گئی حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میں یہ خوشخبری (باہر کے لوگوں کو) نہ دیدوں۔ فرمایا کیوں نہیں (دیدو) پردہ کا حکم اس

اولاد کا فتنہ:- ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بوسہ دیا اور فرمایا سنو یہ (بچے) کنجوس ہو جانے اور بز دل بن جانے کا سبب ہیں اور یہ اللہ کی رحمت بھی ہیں۔ رواہ البخاری۔ ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا اولاد دل کا چین (بھی) ہے اور بز دلی کنجوسی اور غم کا سبب بھی۔ حاکم نے حضرت خولہ بنت حکیم کی روایت سے بیان کیا کہ اولاد (جنت کے سکھوں میں سے) ایک سکھ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے

يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا

تو کر دے گا تم میں فیصلہ ☆

تقویٰ کا پھل

یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دیگا۔ دنیا میں بھی کہ تم کو عزت دیگا اور انکو ذلیل یا ہلاک کریگا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور انکا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ وَاهْتَاذُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْبَجْرِيُّونَ (یسر رکوع ۴) هَذَا أَيُّومُ الْفَصْلِ (المرسلات رکوع ۱) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دیگا جس سے تم ذوقاً وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ اسکے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے کہ ”شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھریار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جاویگا تمہارے گھریار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستی اختیار کرو اور (پوری راستی ممکن نہ ہو تو) راستی کے قریب آ جاؤ اور بشارت پاؤ کیونکہ تم میں سے کسی کے اعمال تو جنت میں لے جانے والے نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت نہیں جائیں گے۔ فرمایا نہ میں بھی بغیر اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔

ہاتھ پھیر کر اشارہ سے بتلا دیا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ گویا اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کر دیا۔

بال و اولاد کی محبت میں یہ کام کرتے گزرے مگر فوراً متنبہ ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس درجہ ندامت سوار ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹنے کے بجائے سیدھے مسجد میں پہنچے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اسی طرح بندھا رہوں گا چاہے اسی حالت میں موت آجائے۔ چنانچہ سات روز مکمل اسی طرح بندھے کھڑے رہے۔ ان کی بیوی اور لڑکی نگہداشت کرتی تھیں، انسانی ضرورت کے وقت اور نماز کے وقت کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر باندھ دیتی تھیں، کھانے پینے کے پاس نہ جاتے تھے یہاں تک کہ غشی طاری ہو جاتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اول اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر وہ اول ہی میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور توبہ قبول ہو جاتی۔ اب جب کہ وہ یہ کام کر گزرے تو اب قبولیت توبہ نازل ہونے کا انتظار ہی کرنا ہے۔

چنانچہ سات روز کے بعد آخر شب میں آپ پر یہ آیتیں ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنائی اور کھولنا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہ کھولیں گے میں کھلنا پسند نہ کروں گا۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ آیت مذکورہ میں جو خیانت کرنے اور مال و اولاد کی محبت سے مغلوب ہونے کی ممانعت کا ذکر آیا ہے اس کا اصل سبب یہ واقعہ ہے۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ نے یہ الفاظ کہے تھے میں نہیں کھلوں گا نہ کھانے پینے کا مزہ چکھوں گا تا وقتیکہ اللہ میری توبہ قبول نہ کر لے یا میں یونہی مر جاؤں۔ اس واقعہ کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اطلاع پہنچی تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود وہ کام کر لیا جو اس نے چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اسکو نہیں کھلوں گا۔ چنانچہ ابولبابہؓ سات روز تک اسی حالت میں بغیر کچھ کھائے پئے رہے آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

دل کی بصیرت

فراست مؤمن کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے اس سے یہی قلبی بصیرت مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا مؤمن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور یعنی خداداد نور بصیرت سے دیکھتا ہے۔ رواہ البخاری فی التاریخ والترندی عن ابی سعید الخدری والطرانی وابن عدی عن ابی امامۃ و ابن جریر عن ابن عمر۔ دوسری حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہ مفتی تھے فتویٰ دے چکے ہوں (مگر تو پھر بھی) اپنے دل سے فتویٰ طلب کر رواہ البخاری فی التاریخ عن وابصۃ بسند حسن۔ یہ قلبی فتویٰ اسی وقت ہوتا ہے جب نفس تمام بری باتوں سے پاک ہو گیا ہو اور قلب کی نفسانیت فنا ہو چکی ہو حقیقت فتویٰ اس وقت ظاہر ہوتی ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو (باطنی) کشف کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ سِيئاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
اور دور کر دے گاتم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾
اور اللہ کا فضل بڑا ہے اور
إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ
جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں
أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ
یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ
اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿۳۰﴾
کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ☆

سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں۔ اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، ادھر ان کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ نے اطلاع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کولٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت علیؑ کا بال بینکانہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کئے گئے۔ اس سے بتلا دیا کہ جب خدا سنا تھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچا لیا، تمہارے گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے۔ دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تراست۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت نے مجلس شوریٰ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر رسانی کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں اہل نجد کا شیخ ہوں، میں نے سنا کہ تم لوگ مجلس شوریٰ کر رہے ہو، میں بھی چلا آیا تاکہ میری نصیحت اور مشورے سے تم محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آئیے ضرور آئیے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب فکر اور تدبیر سے کام لو ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ تم پر چھا جائے۔ چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اسے قید کر دینا چاہئے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حاکم نے حضرت علی بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ (آیت من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں) علی رضی اللہ عنہ نے ہی اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کی یا خریدی اور اسی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار فرمائے۔

وقیت ہنسی خیر من وطی لہمی	ومن طاف بلیت العقیق و بلحجر
رسول اللہ اخاف ان یمکروا بہ	فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر
وبات رسول اللہ فی الغار امانا	موتی و فی حفظ الالہ و فی ستر
وبت اراعیہم و ما یتہمونہ	وقد و طنت نفسی علی القتل و الاسر

کافروں کا مشورہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا، قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خزعوفہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابو جہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ

اور اس قدر شہود سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسایا جاتا۔ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابو جہل نے مکہ سے نکلنے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں ☆

سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ

اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرے گا ان پر

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۶﴾

جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے ☆

عذاب کو روکنے والی دو چیزیں

نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں۔ ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔ دوسرے استغفار۔ یعنی مکہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا۔ اب ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گنہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں۔ ایک میرا وجود، اور دوسرے استغفار، کذا فی الموضح۔ (تنبیہ)

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَعَذِّبُونَ ﴿۱۷﴾

کے بعض مفسرین کے موافق ہیں۔ لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ

جن لوگوں نے (بطحاء کی) پتھریوں کو روند اور کعبہ اور سنگ اسود کا طواف کیا ان میں سب سے برتر ہستی کو اپنی جان کی پیش کش کر کے میں نے بچایا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے مجھے اندیشہ تھا کہ مشرک ان پر خفیہ داؤ نہ کریں آخر مشرکوں کے داؤ سے قدرت والے اللہ نے ان کو بچا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر غار کے اندر بے فکری کے ساتھ محفوظ اللہ کی حفاظت و پناہ میں رہے اور میں نے رات بھر مشرکوں کی اور ان کی سازش کی تاک جھانک رکھی اور اپنی جان کو مارے جانے اور قید ہونے پر جمائے رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا تَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدَّ

اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم

سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا آ

سن سچے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا

إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸﴾

یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے ☆

کافروں کے جھوٹے دعوے

نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا لائیں۔ اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے۔ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے، مگر چلتا نہیں۔ بہر حال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ

اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا

تیری طرف سے تو ہم پر برساتے پتھر

مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ اعْتِنَا بِعَذَابِ الْيَوْمِ ﴿۱۹﴾

آسمان سے یا لاہم پر کوئی عذاب دردناک ☆

ابو جہل کی دعاء

اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوند اگر واقعی یہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر

سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تو لیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو بتلادیا کہ اولاد ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔ (تفسیر عثمانی)

مسجد کے متولی کی صفات

معلوم ہوا کہ مسجد کا متولی مسلمان دیندار پرہیزگار ہونا چاہئے اور بعض حضرات مفسرین نے ان اولیائوہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع قرار دیکر یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ کے ولی صرف متقی پرہیزگار لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ شریعت و سنت کے خلاف عمل کرنے کے باوجود ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں اور جو ایسے لوگوں کو ولی اللہ سمجھیں وہ دھوکے میں ہیں۔

یہ امت قیامت تک عذاب سے محفوظ رہے گی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قیامت تک قائم رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک دنیا میں ہیں۔ اس لئے یہ امت قیامت تک عذاب عام سے مامون رہے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس
إِلَّا مُكَاً وَتَصَدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ
مگر سیٹیاں بجا اور تالیاں سو چکھو عذاب
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۵﴾
بدلہ اپنے کفر کا ☆

مشرکوں کی نماز

یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے ہوتا تھا یا ازراہ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عادت عذاب طلب کر رہے تھے جو قوم کی قوم کا دفعۃً استیصال کر دے ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ ”لمتہ دعوة“ ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت متاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آجائے وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں ”غفرانک، غفرانک“ کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا وباء یا قتل کثیر وغیرہ) اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔ آخر جب وہ لوگ شرارتیں کرینگے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ

اور ان میں کیا بات ہے عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّ

مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے

أَوْلِيَاءَ ۚ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں ☆

کافروں کے ظلم کی انتہاء

یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے۔ حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تو لیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بد معاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں سے اکثر اپنی جہالت سے یوں

احد میں خرچ کیا اور اس میں بھی انجام کار مغلوب ہوئے اور شکست کے غم کے ساتھ مال ضائع کرنے کی حسرت مزید ہو گئی۔ (معارف مفتی صاحب) قریش پر جنگ بدر میں جب مصیبت پہنچی اور یہ لوگ مکہ واپس ہوئے اور ابوسفیان بھی قافلہ لے کر لوٹے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور قریش کے کئی آدمی جن کے باپ بیٹے بھائی جنگ میں کام آئے تھے ابوسفیان سے اور ان سے جن کا مال تجارت اس قافلہ میں تھا کہنے لگے کہ اے معشر قریش تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں نچا دکھا چکے ہیں تمہارے شرفاء کو قتل کر دیا ہے، ان سے دوبارہ لڑنے کے لئے اس قافلہ کا مال تم دے دو تا کہ ہم ان سے اپنا انتقام لیں۔ چنانچہ انہوں نے سب مال دے دیا۔ اسی بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لَعْنَى كَافِرٍ اِنَّمَا خَرَجَ كَرَّرَ هِيَ۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ

سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا وہ ان پر

حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ

افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے اور جو

كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۸۰﴾

کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے ☆

ان کو حسرت ہی ملے گی

جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہو گئے تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹینگے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادام ہو کر کفر سے توبہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ

تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور

يَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ

رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر

فَيَرْكِبُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ

پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈال دے اس کو دوزخ میں ☆

بچوں اور پاگلوں کو مسجد سے دور رکھو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچاؤ چھوٹے بچوں سے اور پاگل آدمیوں سے اور باہمی جھگڑوں سے۔ چھوٹے بچوں سے مراد وہ بچے ہیں جن سے ناپاکی کا خطرہ ہے اور پاگل سے ناپاکی کا بھی خطرہ ہے اور نمازیوں کی ایذا کا بھی۔ اور باہمی جھگڑوں سے مسجد کی بے حرمتی بھی ہے اور نمازیوں کی ایذا بھی۔

اس حدیث کی رو سے متولی مسجد کے لئے یہ تو حق ہے کہ ایسے چھوٹے بچوں، پاگلوں کو مسجد میں نہ آنے دے اور باہمی جھگڑے مسجد میں نہ ہونے دے۔ لیکن بغیر ایسی صورتوں کے کسی مسلمان کو مسجد سے روکنے کا کسی متولی مسجد کو حق نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

بیٹھ جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے ☆

مشرکین کی انتقامی کارروائی

بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہو گئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے، وہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی) بروایت محمد بن اسحاق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ غزوہ بدر کے شکست زدہ زخم خوردہ، بچے کھچے کفار مکہ جب وہاں سے واپس مکہ پہنچے تو جن لوگوں کے باپ بیٹے اس جہاد میں مارے گئے تھے وہ تجارتی قافلہ کے امیر ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ جنگ تمہارے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے لڑی گئی جس کے نتیجہ میں یہ تمام جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مشترک تجارتی کمپنی سے ہماری کچھ مدد کی جائے تاکہ ہم آئندہ مسلمانوں سے اپنا انتقام لے سکیں۔ ان لوگوں نے اس کو منظور کر کے ایک بڑی رقم دے دی جس کو انہوں نے غزوہ بدر کا انتقام لینے کے لئے غزوہ

غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہ ہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف سے مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر چل رہی تھیں تو دو شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلاء میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں حالانکہ آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے۔ کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے میدان میں نہیں آتے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ کیا آپ قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً لِّعَنِ مَقَاتِلِهِمْ كَرْتُمْ رَہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور غلبہ دین اسلام کا ہو گیا۔ اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے فتنہ پھر پیدا کر دو اور غلبہ غیر اللہ کا اور دین حق کے خلاف کا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کر لینگے۔ تانیک و بد جدا ہو جاوے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۶۵﴾

وہی لوگ ہیں نقصان میں ☆

یعنی دنیوی و اخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوْا

تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں

يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ﴿۶۶﴾

تو معاف ہوں گا جو کچھ ہو چکا ☆

اب بھی وقت ہے

یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں، اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ گوشی اختیار کر لیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے، وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ الاسلام بھدم ما کان قبلہ (حقوق العباد معاف نہ ہونگے، ان کا مسئلہ علیحدہ ہے) (تفسیر عثمانی)

وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۷﴾

راہ اگلوں کی ☆

ورنہ یہ بھی برباد ہوں گے

یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے، ان پر بھی تباہی آئے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتَّى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةً

اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد ☆

جہاد و قتال کا اولین مقصد

یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو

خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لئے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔

معاہدہ والے شخص کے حقوق کا تحفظ

دوسری ایک حدیث جو ابو داؤد نے بہت سے صحابہ کرام کی روایت سے نقل کی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی معاہدہ پر یعنی اس شخص پر جس نے اسلامی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا معاہدہ کر لیا ہو کوئی ظلم کرے یا اس کو نقصان پہنچائے یا اس سے کوئی ایسا کام لے جو اس کی طاقت سے زائد ہے یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو میں قیامت کے دن اس مسلمان کے خلاف معاہدہ کی حمایت کروں گا۔ (معارف، مفتی اعظم)

حضرت عروہ کا خط خلیفہ عبدالملک کے نام

عبدالملک بن مروان نے عروہ کو لکھا اور چند باتیں دریافت کیں، تو عروہ نے یوں جواب لکھ بھیجا: سلام علیک! میں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں اور پھر تمہیں لکھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعات پوچھے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا، قوت و طاقت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی، وہ کیسے اچھے نبی کیسے اچھے سید تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے جنت میں ہمیں ان کا چہرہ دکھائے انہیں کے دین و ملت پر زندگی رکھے اور انہیں کے دین پر مارے اور انہیں کے ساتھ زندہ اٹھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہدایت اور نور کی طرف قوم کو بلایا تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو سن بھی لیتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتوں کا ذکر شروع کیا اور مالدار قریش کے لوگ طائف سے مکے آئے تو ان میں سے اکثر کو یہ تبلیغ ناگوار گزری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے بیزار ہوئے۔ جو کوئی مسلمان ہو بھی جاتا تو اس کو بہکانے لگتے۔ چنانچہ مائل ہونے والے عامۃ الناس بھی بے رغبت ہو گئے۔ مگر چند لوگ اپنے مستقل ارادے پر قائم رہے۔ اسلام کی طرف سے ان کے خیالات پر اگندہ نہیں ہوئے۔ اب قریش کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ اسلام قبول کرنے والوں

پر سختی کریں۔ یہ فتنہ ایک زبردست زلزلہ تھا جو اس فتنہ میں پھنس گیا سو پھنس گیا اور جس کو اللہ نے محفوظ رکھا تو محفوظ رہا۔ جب مسلمانوں پر یہ قریش بہت ظلم توڑنے لگے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر جائیں، حبش کا بادشاہ ایک مرد صالح تھا جس کا نام نجاشی تھا۔ وہ ظالم بادشاہ نہیں تھا۔ چاروں طرف اس کی تعریف ہوتی تھی۔ سرزمین حبش قریش کی تجارت گاہ تھی اور تجارت قریش کے وہاں مکانات تھے جہاں وہ تجارت کر کے بہت رزق پیدا کرتے تھے۔ امن حاصل کرتے تھے اور تجارت خوب چمکی ہوئی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو عام مسلمان جن پر مکہ والے زیادہ ظلم توڑ رہے تھے، حبش کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی جان کا خوف تھا۔ وہ وہاں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہرے صرف چند سال رہے۔ وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام پھیلایا وہاں کے شرفاء بھی اسلام لائے۔ جب کفار قریش نے یہ رنگ دیکھا کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے وہ حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں اور سرداروں کو اپنا بنا لیتے ہیں تو اب انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ نرم برتاؤ اختیار کریں۔ چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے لگے۔ چنانچہ پہلی آزمائش مسلمانوں کی یہی تھی جس نے مسلمانوں کو حبش کی طرف بھیجا۔ چنانچہ جب نرمی پیدا ہو گئی اور وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے مسلمان صحابہ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے واپس چلے آئیں۔ چنانچہ وہ تھوڑے بہت بھی جو گئے تھے واپس آ گئے۔ اس اثناء میں مدینہ کے انصار مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں بھی اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ ان اہل مدینہ کا مکے آنا جانا شروع ہوا اس سے مکے والے اور بگڑے، مشورہ کیا کہ اب تو ان پر اور سختی کرنا چاہئے۔ چنانچہ عام طور پر مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے مسلمان بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے یہ مسلمانوں کے لئے دوسرا فتنہ اور دوسری آزمائش تھی۔ ایک فتنہ تو یہ کہ حبش کی طرف مسلمانوں کو بھاگنا پڑا اور دوسرا فتنہ وہاں سے مسلمانوں کے واپس آنے کے بعد جب کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ مدینے سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مدینے سے ستر آدمی آئے جو معتبر اور سردار لوگ تھے اور یہ سب مسلمان ہو گئے، حج کیا اور بہ مقام عقبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم

گے اس طرح سارا اقتدار اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ رواہ احمد زیر فرمان ہونے سے مراد ہے محکوم ہو جانا اور ذمی بن جانا۔ (تفسیر مظہری)

فَإِنْ أَنْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا

پھراگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے

يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

کام کو دیکھتا ہے ☆

مسلمان ظاہر حال کے مکلف ہیں

یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں، ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا۔ جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں و فی الحدیث امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عصموا مني دماءهم و اموالهم الا بحقها و حسابهم على الله عز و جل۔ (تفسیر عثمانی)

لڑائی کب تک رہے گی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں (یعنی کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا اله الا الله اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہو جائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں جب وہ ایسا کر لیں تو ان کے خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق عباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جا سکیں گے) اور ان کا (باطنی حساب) اللہ کے ذمہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ

اور اگر وہ نہائیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار ہے ☆

مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں

یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے ”جنگ بدر“ میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو رہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہو رہیں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہمارے شہر آئیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اصحاب کی ایسی حمایت کریں گے جیسے کہ اپنی اور اپنے لوگوں کی کرتے ہیں۔ قریش نے اس معاہدہ کو سن کر مزید سختی برتنی شروع کر دی۔ اب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو حکم دیدیا کہ مدینے کی طرف ہجرت کر جائیں، یہ دوسرا فتنہ تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اصحاب کو مکے سے نکالا۔ اسی چیز کو اللہ پاک نے قرآن میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ یہ فتنے ختم ہو جائیں اور دین اللہ کا ہی سکھ چلے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ خط عروہ نے عبد الملک بن مروان کو لکھا تھا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

اور ہو جائے حکم سب اللہ کا ☆

جہاد کا آخری مقصد

یہ ”جہاد“ کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ خَوَاهِ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجوئی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آگیا۔ الجهاد ماض الی یوم القیامۃ (جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے) (تفسیر عثمانی)

غلبہ اسلام کا مقدر ہے

حضرت مقداد بن اسود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کوئی ایسا مکان اور خیمہ روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے (خواہ) عزت مند کو عزت دیکر یا ذلیل کو ذلت دے کر یا تو مکان اور ڈیرے والوں کو (مشرف باسلام کر کے) اللہ عزت عطا فرمادے گا۔ اور ان کو اہل کلمہ بنا دیگا یا (اسلام سے محروم رکھ کر) ان کو ذلیل کر دیگا اور وہ کلمہ اسلام کے زیر فرمان ہو جائیں

پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ساقط ہو گیا اب اس حصہ کو بقیہ اصناف پر خرچ کرنا چاہئے۔ اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک آپ کے حصے کو مسلمانوں کی عام ضرورت میں صرف کیا جائے اور قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ خلیفہ کا حق ہے۔

مال فی

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں مؤلفۃ القلوب کو مال فتنی سے کچھ عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ غزوہ حنین میں جو مال غنیمت آپ کو حاصل ہوا وہ مقاتلہ اور جنگ کے بعد حاصل ہوا روایات میں اس مال پر فتنی کا اطلاق آیا ہے معلوم ہوا کہ فتنی کا اطلاق عام ہے غنیمت پر بھی اس کا اطلاق آجاتا ہے۔ (معارف کا نہ حلوی) مال غنیمت کے پانچوں حصہ میں سے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو بھی قرآن کی اس آیت نے حصہ دیا ہے اس لئے اس پر متنبہ کیا گیا کہ یہ حصہ لوگوں کی ملکیت سے منتقل ہو کر نہیں آیا بلکہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کفار کی ملک سے نکل کر براہ راست حق تعالیٰ کی خالص ملکیت ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام تقسیم ہوتا ہے۔

مسئلہ: لشکر کے ساتھ جانیوالے تاجروں اور گھوڑوں کے سائیسوں کے لئے مال غنیمت میں امام اعظم کے نزدیک کوئی حصہ نہیں۔ جب تک وہ مار دھاڑ میں حصہ نہ لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

امام اعظم ابوحنیفہ کا فرمانا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اس کی دو بنیادیں تھیں ایک ان کی حاجت مندی اور فقر دوسرے اقامت دین اور دفاع عن الاسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد۔ دوسرا سبب تو وفات نبوی کے ساتھ ختم ہو گیا صرف پہلا سبب فقر و حاجت مندی رہ گیا اس کی بنا پر تا قیامت ہر امام و امیر ان کو دوسروں سے مقدم رکھے گا۔ (ہدایہ۔ جصاص) امام شافعی سے بھی یہی قول منقول ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

دار الحرب سے آنے والا مال

اگر امام کی اجازت سے ایک دو آدمیوں نے دار الحرب میں جا کر کسی تدبیر سے کچھ مال حاصل کر لیا تو با اتفاق اس میں خمس واجب ہے کیونکہ امام کی اجازت کے بعد جانے والے کی مدد کرنا امام پر لازم

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے

فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت کے واسطے

وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ

اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ☆

مال غنیمت کی تفصیل

آغاز سورت میں فرمایا تھا ”قُلِ الْإِنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ“ یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے ان قرابتداروں بنی ہاشم و بنی المطلب پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا۔ یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے، وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے ”حنفیہ“ کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجتمندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہئے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس خمس ملنا چاہئے، واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ”غنیمت“ میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ امام اعظم کے نزدیک حضور

ہے اور حفاظتی طاقت رکھنے والی جماعت خواہ چار کی ہو یا زائد کی ہو اگر امام کی اجازت کے بغیر بھی دار الحرب میں جائے گی تو ان کی مدد امام پر لازم ہے تاکہ مسلمانوں کی اور اسلام کی توہین نہ ہو اور جب امام کی پشت پناہی حاصل ہو تو پھر وہ لوگ چور نہیں کہلائے جاسکتے۔

من شىء کے لفظ سے تعیم ہو گئی یعنی مال غنیمت کتنا ہی ہو خواہ صرف دھاگہ اور سوئی ہو سب کا پانچواں حصہ واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار

امام شافعی نے بسند معتبر حضرت جبیر بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کا حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی المطلب کو تقسیم کیا۔ بنی عبدالمطلب اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیا۔ بخاری نے صحیح میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم

تمام ائمہ کا اجماع ہے اور تمام راوی بھی اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے چار حصے تو شرکاء جہاد کو عطا فرمادیتے تھے اور پانچواں حصہ کے پھر پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے ایک حصہ تو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لیتے تھے اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ اسی سے چلاتے تھے اور کچھ بچ رہتا تو اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرتے تھے اور ایک حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے، مالدار، نادار، مرد، عورت سب کو دیتے تھے اور تین حصے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو عنایت کرتے تھے۔

خادم سے بہتر چیز

طحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ چکی پینے کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ٹھینٹ پڑ گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (غنیمت میں) کچھ باندی غلام آئے ہیں۔ (کسی باندی کی درخواست کیلئے) حضرت سیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت عائشہؓ سے آمد کی غرض بیان کر دی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شامہ نبوت میں تشریف لے آئے تو حضرت عائشہؓ نے جناب سیدہؓ کی آمد کا ذکر کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع پا کر فوراً ہمارے گھر تشریف لے

آئے۔ ہم اپنے بستروں میں جا چکے تھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ لیٹے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ کر ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میرے پیٹ سے لگ گئے) مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس ہوئی (غالباً سردی کا زمانہ ہوگا) پھر بیٹھ کر فرمایا کیا میں تم دونوں کو ایسی چیز بتاؤں جو تمہاری درخواست کردہ چیز سے بہتر ہے خوابگاہ میں پہنچ کر ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت فاطمہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا) کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم سے تمہارے لئے بہتر ہے، ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔

مقتول کافر کا مال

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مشرک نے مسلمانوں کو دعوت مقابلہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقابلہ کا حکم دیا۔ حضرت زبیرؓ نے صف سے نکل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ روئے الطحاوی حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ براء بن مالک (برادر انسؓ بن مالک) نے فارس کے ایک مرزبان سے مقابلہ کیا اور برچھما مار کر اس کی کاٹھی کا اگلا حصہ توڑ کر اس کو زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا۔ پھر اس کے سامان کی قیمت کا اندازہ کیا گیا تو کوئی تیس ہزار کا سامان معلوم ہوا۔ فجر کی نماز جب ہم پڑھ چکے تو حضرت عمرؓ تشریف لائے اور ابو طلحہؓ سے فرمایا پہلے ہم مقتول کے سامان کے پانچ حصے نہیں کرتے تھے لیکن براء نے جو سامان چھینا ہے اس کی قیمت بڑی ہے لہذا ہم نے اس کے پانچ سہام کرنے کی تجویز کی ہے۔ چنانچہ تخمینہ سے اس سامان کی قیمت ۳۰ ہزار قرار پائی تو ہم نے (پانچویں حصہ کی قیمت) چھ ہزار (حضرت عمرؓ کو) دے دیئے اور چار سہام یعنی ۲۴ ہزار کا سامان تو یونہی حضرت براءؓ کا تھا ہی ۶ ہزار ادا کرنے کے بعد کل سامان حضرت براءؓ کا ہو گیا (رواہ الطحاوی

طحاوی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ براء بن مالک نے فارس کے ایک سردار کو دبو دبو مقابلہ کر کے قتل کر دیا اور اس کا سامان اتار لیا اور حضرت عمرؓ کو تحریری اطلاع دے کر حکم طلب کیا۔ حضرت عمرؓ نے سپہ

جائے گا۔ اس کے علاوہ جن مجاہدین کے ہاتھ میدان جنگ میں کوئی مال غنیمت نہ آیا ہو گا وہ مال غنیمت کا حصہ پانے سے محروم ہو جائیں گے۔ احناف کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر امیر مناسب سمجھے تو جتنا مال غنیمت کسی کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب اس (جماعت یا فرد) کو دے سکتا ہے، حاکم نے مکحول کی وساطت اور ابو امامہ کی روایت سے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ جس کے ہاتھ جو (مال غنیمت) لگے وہ اسی کا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت خمس جو اس کے بعد نازل ہوئی، وہ اس حکم کی ناسخ ہے۔ پس آیت خمس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: انعام ان چار سہام میں سے دیا جائے گا جو خمس نکالنے کے بعد باقی رہتے ہیں اور دارالاسلام میں جمع ہونے سے پہلے دیا جائے گا۔ لیکن دارالاسلام میں جمع ہونے کے بعد پھر ان چار سہام میں سے انعام نہیں دیا جائے گا بلکہ خمس میں سے دیا جائے گا۔ یہ تفریق امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے۔

میں کہتا ہوں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے خمس یعنی مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے جو خالص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا کسی کو کچھ عنایت کیا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک موہبت اور بخشش تھی اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ مجاہدین کے حصہ کے مال میں سے کسی کو بطور انعام کچھ دینا ناجائز ہے۔

انعام بقدر مشقت

دیکھو ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل فی البداءة الربع و فی الرجعة الثلث۔ اس حدیث کا مطلب خطابي نے یہ بیان کیا ہے کہ جب کوئی فوجی دستہ شروع میں کسی جہاد پر جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور انعام اس کے لئے مال کا چہارم حصہ مقرر فرماتے اور جب سفر سے واپس آ کر بغیر کسی آرام و راحت کے فوراً دوبارہ کسی جہاد پر چلے جاتے تو ان کے لئے ایک تہائی حصہ مقرر فرمادیتے کیونکہ پہلی مرتبہ جہاد کے لئے جانا زیادہ تکلیف دہ اور شاق نہیں ہوتا تھا اس لئے انعامی رقم کم مقرر کی جاتی تھی اور تھک کر سفر سے لوٹنے کے بعد دوبارہ جہاد کے سفر پر جانا بڑا تکلیف دہ ہوتا تھا اس لئے اس کی انعامی رقم بھی زیادہ مقرر کی جاتی تھی۔ ابو داؤد نے حبیب

سالار کو لکھ بھیجا کہ سامان کا پانچواں حصہ اپنے قبضہ میں لے لو اور باقی (چار حصے) براء کو دے دو۔ امیر لشکر نے پانچواں حصہ لے لیا۔ یہ دونوں آثار بتا رہے ہیں کہ مقتول کا سامان ہے تو قاتل کا اور اس کے پانچ سہام قائم کرنا درست نہیں ہے لیکن اگر مال زیادہ ہو اور خلیفہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لینا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

صحیحین میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ابو جہل کے قتل کے سلسلہ میں منقول ہے، اس بیان میں یہ بھی آیا ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفران کی تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معانہ فرمائیں اور معانہ کے بعد فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے لیکن ابو جہل کا سارا سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن عمرو بن جموح کو دے دیا۔ معاذ بن عفران کو کچھ نہیں دیا۔ اگر مقتول کا سامان قاتل کو دینا (عموماً) لازم ہوتا تو (چونکہ دونوں قاتل تھے اس لئے) دونوں کو وہ سامان دیا جاتا۔ مسئلہ: بتفصیل یعنی کسی کو اسکے حصے سے زائد دیدینے کا حق باتفاق علماء امیر کو ہے بشرطیکہ دوران قتال میں قتل سے پہلے امیر نے اس کا اظہار کر دیا ہو کیونکہ درحقیقت یہ ترغیب جہاد کی ایک صورت ہے اور امیر ترغیب جہاد پر مامور ہے۔ اللہ نے فرمادیا حَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ اور مسلمانوں کو لڑنے پر براہیختہ کرو۔

لہذا اگر امیر یہ اعلان کر دے کہ جو شخص کسی مشرک کو قتل کر دے گا تو اس کو دس روپیہ دئے جائیں گے یا جو شخص اس قلعہ میں داخل ہو جائے گا اس کو اتنا انعام دیا جائے گا یا فوجی دستہ سے کہہ دے کہ خمس نکالنے کے بعد تم کو (باقی مال کا) آدھا یا چوتھائی حصہ (بطور انعام) دیا جائے گا یا یوں کہے کہ جو کسی عورت کو گرفتار کر لے گا اس کو اسی کی باندی بنا دیا جائے گا، یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ بعض فوجی دستوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا کرتے تھے اور عام لشکریوں کے حصہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ان کو بطور انعام کچھ مزید عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ متفق علیہ

”جو جس کے ہاتھ آئے“ کا اعلان درست نہیں ہے

یہ بات کہنا اور اس کو اعلان کرنا کہ جس شخص کے ہاتھ جو چیز لگے وہ اس کی ہے ناجائز ہے اس سے اس خمس کا قانون ٹوٹ جائے گا جس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ پھر احادیث میں پیادوں اور سواروں کے حصوں کی جو مقدار آئی ہے اس کا بھی ابطال ہو

گھوڑوں کا حصہ دیا کرتے تھے اور کسی کو دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہیں دیتے تھے خواہ اس کے ساتھ دس گھوڑے ہوتے۔
خمس نہ نکالنا

حضرت ابن عمر کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لشکر کو مال غنیمت میں کچھ طعام اور شہد ملا اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا۔ عبید الرحمن کے آزاد کردہ غلام قاسم نے بعض صحابیوں کا قول نقل کیا ہے کہ جہاد میں ہم اونٹ کا گوشت کھاتے تھے تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب اپنے پڑاؤ پر آتے تھے تو ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوتی تھیں۔ یہ تینوں احادیث ابوداؤد نے نقل کی ہیں۔

کھجور کی ایک خشک شاخ تلوار بن گئی

کھجور کی ایک خشک شاخ تلوار بن گئی، ابن سعد نے زید بن اسلم اور یزید بن رومان وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے اور بیہقی وابن عساکر نے بھی یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کی لڑائی میں عکاشہ بن محسن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایندھن کی ایک لکڑی اٹھا کر دے دی اور فرمایا عکاشہ اس سے لڑو۔ جونہی عکاشہ نے وہ لکڑی ہاتھ میں لے کر ذرا اس کو حرکت دی وہ لکڑی فوراً ایک لمبی چوڑی سفید تلوار بن گئی۔ عکاشہ اسی تلوار سے لڑے یہاں تک کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے۔ اس تلوار کا نام عیون تھا۔ عکاشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مختلف معرکوں میں اسی سے لڑتے تھے آخر ارتداد کے زمانہ میں طلحہ بن خویلد اسدی (مدعی نبوت) کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہئے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو گو سوئی ہو یا تاگا ہی ہو پر وردگار عالم فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہوگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہتے ہیں کہ خمس میں سے خدائی حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا حضرت ابوالعالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پانچ حصے کرتے تھے، چار تو مجاہدین میں تقسیم ہوتے، پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اُسے کعبے میں داخل کر دیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول خدا کا ایک قرابت

بن سلمہ فہری کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

مسئلہ: جنگ کے خاتمہ پر اگر امیر لشکر کو کسی کی کوشش و پیروں کی کوشش سے زیادہ معلوم ہوئی تو جائز ہے کہ امیر اس کو اس کے تقسیمی حصہ سے الگ کچھ مزید بھی دے دے خواہ دوران جنگ یا جنگ سے پہلے اگر کوئی انعامی اعلان نہ کیا ہو۔ امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں صرف خمس میں سے انعام دیا جاسکتا ہے۔ لشکر والوں کے حصوں کو کاٹ کر نہیں دیا جاسکتا، ان کے حق کو کم نہیں کیا جاسکتا۔
سوار اور پیادے کا فرق

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بنی مطلق کے کچھ قیدی باندی غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مسلمانوں کو بانٹ دیئے۔ سوار کو دوہرا حصہ دیا اور پیادہ کو اکہرا۔ اس حدیث کی سند اس طرح ہے محمد بن محمد سری از منذر بن محمد از محمد پدر منذر از یحییٰ بن محمد بن ہانی از محمد بن اسحاق از محمد بن جعفر بن زبیر از عروہ۔

امام اعظم مندرجہ ذیل اثر کی روشنی میں ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ آدمی کا قرار دیتے تھے۔ زکریا بن حارث نے منذر بن ابی حمصہ ہمدانی کا بیان نقل کیا کہ حضرت عمرؓ کے کسی غلام نے (جو مجاہدین کے کسی دستہ کا سردار تھا) شام کے کسی جہاد میں مال غنیمت کی تقسیم اس طرح کی کہ گھوڑے کا ایک حصہ آدمی کا ایک حصہ دیا، اس کی اپیل حضرت عمرؓ سے کی گئی آپ نے یہ تقسیم جاری رکھی۔

لیکن جن آثار و احادیث میں گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا ایک حصہ آیا ہے ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور مذکورہ اثر سے زیادہ وہ قابل اعتماد بھی ہیں اور عموماً جمہور کا معمول مختار بھی یہی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں گھوڑے کا درجہ آدمی کے برابر یا بڑھ کر ہو جائے گا تو واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں سامان جہاد کے بیش از بیش فراہم کرنے کی ترغیب ہے کہ ہر شخص زیادہ تیاری کی کوشش کرے اور لوگ جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کریں۔ دیکھو گھوڑے کے حصہ سے گھوڑے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کا حصہ تو مالک کے پاس چلا جاتا ہے گھوڑے کو کچھ نہیں ملتا۔

ابن جوزی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن منصور بوساطت ابن عیاش اوزاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی۔ اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

خمس دینا ایمان میں داخل ہے

صحیحین میں ہے کہ وفد عبدالقیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا زکوٰۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا الخ۔ پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ التَّقِي الْجَمْعِ وَاللَّهُ

جس دن بھڑکس دو دنوں فوجیں اور اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

ہر چیز پر قادر ہے ☆

جیسے اس دن تم کو مظفر و منصور کیا، وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عنایت فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

لڑائی والی رات

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لیلة القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو اس لئے کہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔ حسن ابن علی فرماتے ہیں کہ لیلة الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی رمضان شریف کی سترہویں تھی یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا

جس وقت تم تھے ورلے کنارے پر

وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى

اور وہ پرلے کنارہ پر ☆

داروں کا، ایک یتیموں کا، ایک مسکینوں کا، ایک مسافروں کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کے حصے کا نام صرف بطور تبرک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے بیان کا گویا وہ شروع ہے۔

حصوں کی تاکید

ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی القریٰ میں آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! غنیمت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر گز نہیں یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں۔ حضرت حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں جو خدا تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابو درداء نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال اپنی چٹکی میں لے کر فرمایا کہ یہ بال اس اونٹ کے جو مال غنیمت میں سے ہے یہ بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں۔ میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دیدیا جاتا ہے۔ پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو

خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کے لئے دونوں جہان میں آگ ہے، قریب والوں سے دور والوں سے راہ خدا میں جہاد جاری رکھو، شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔

إِنْ كُنْتُمْ أَمِنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا

اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر

أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن ☆

”فیصلہ کے دن“ سے مراد ”یوم بدر“ ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت

مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر
جما رہے دونوں کا ایمان یا کفر و وضوح حق کے بعد ہو۔ (تفسیر عثمانی)
اس لڑائی کا مقصد

اس آیت کے آخری جملے کی تفسیر سیرۃ ابن اسحاق میں یہ ہے کہ اس
لئے کہ کفر کرنے والے دلیل خدا دیکھ لیں جو کفر ہی پر رہیں اور ایمان
والے بھی دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی بغیر آمادگی اور بغیر شرط و
قرارداد کے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مشرکوں کی یہاں اچانک مذبھیز
کرادی کہ حقانیت کو باطل پر غلبہ دے کر حق کو بالکل ظاہر کر دے اس
طرح کہ کسی کو شک شبہ باقی نہ رہے۔ اب جو کفر پر رہے وہ بھی کفر کو کفر
سمجھ کر رہے اور جو ایمان والا ہو جائے وہ دلیل دیکھ کر ایماندار بنے،
ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۷﴾

اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ☆

یعنی اللہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس
طریقہ سے ان کی مدد کی جائے، دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی
سنی اور کیسی مدد فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

إذِ بَرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا

جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے ☆

اللہ کی حمایت پر بھروسہ

یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد
کریں، کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ بدر
میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ أَرَاكُمْ كَثِيرًا لَفَشَلْتُمْ وَ

اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نا مردی کرتے اور

لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ

جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے

سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۸﴾

بچالیا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ☆

”ورلے کنارے“ سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب جو
مدینہ طیبہ سے قریب تھی۔ اسی طرح ”پرلا کنارہ“ وہ ہوگا جو مدینہ
سے بعید ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالرَّكْبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ

اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے ☆

یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف ہٹ کر سمندر کے
کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی
فوج حائل ہو چکی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَأَخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ

اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ ☆

یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو
ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق
پس و پیش کرتا۔ کیونکہ ادھر مسلمان کفار کی تعداد اور ظاہری
ساز و سامان سے خائف تھے، ادھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی
اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے۔ دونوں کو جنگ کی ذمہ داری
لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ

تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور

يَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد ☆

اللہ کی تدبیر

یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے کو، قافلہ
بچ گیا اور دونوں جیس ایک میدان کے دو کناروں پر آپڑیں۔ ایک کو دوسرے کی
خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصد اجاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے۔ اور اس
فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا جو مراد وہ بھی یقین جان کر مراد اور
جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر۔ اللہ کا الزام پورا ہو۔ کذافی الموضع۔ اور ممکن ہے

اللہ نے بزدلی سے بچالیا

یعنی انہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت کرتا کوئی نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خدا نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچالیا وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی اور کس بات سے جبن و نامردی۔ (تفسیر عثمانی) مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے

گر تو خواہی عین غم شادی شود عین بند پائے آزادی شود
چوں تو خواہی آتش آب خوش شود در تو خواہی آب ہم آتش شود
خاک و باد و آب و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ با حق زندہ اند
(معارف مفتی صاحب)

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّقِيَمَ فِي

اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت

أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي

تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا

أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو

مَفْعُولًا ۖ وَاللَّهُ يَرْجِعُ الْأُمُورَ ۗ

مقرر کر چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور اس کی تعبیر

پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تاکہ جرأت سے لڑیں۔ پیغمبر کا خواب غلط نہیں۔ ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے، اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دیئے تو وہ واقعی تھوڑے تھے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اول آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کئے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے کمافی ”آل عمران“ و اخروی کافرة یرونہم مثلہم
رای العین (آل عمران رکوع ۲۴) (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی کمی

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا دشمنوں کی تعداد ہم کو اتنی کم نظر آتی تھی کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کیا تمہارے خیال میں یہ لوگ نوے ہونگے۔ اس نے جواب دیا میرے خیال میں سو ہونگے۔ جب ہم نے ان کا ایک آدمی قید کر لیا (اور جنگ کے بعد) اس سے پوچھا، تم کتنے تھے تو اس نے کہا ایک ہزار کافروں کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد دیکھ کر بھاگ نہ جائیں۔ ابو جہل نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ کر کہا تھا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تو ایک اونٹ کی خوراک ہیں۔ ابن المزدراور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن جریج بیان کیا کہ ابو جہل نے یہ بھی کہا تھا ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا بلکہ پکڑ کر رسیوں سے باندھ لینا۔ اس پر آیت اِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ نازل ہوئی۔

یہ تعداد کی تقلیل کفار کی نظر میں جنگ چھڑنے سے پہلے تھی جب گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو اس وقت کافروں کو مسلمانوں کی تعداد اپنی تعداد سے دوگنی نظر آنے لگی۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً

اے ایمان والو جب بھڑوسی فوج سے

فَاتَّبَعْتُمُوهَا وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو ☆

ذکر اللہ کی تاثیر

اس میں نماز، دعا، تکبیر، اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ ”ذکر اللہ“ کی تاثیر یہ ہے کہ ذکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ
(رعد رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

صحیح احادیث میں یہی آیا ہے۔ اللہ کی یاد کرنے سے مراد ہے فتح کی دعا کرنا تاکہ اللہ کی یاد سے قوت حاصل ہو اور کامیابی کی قوی امید ہو۔ اس آخری جملہ میں اس بات کی درپردہ تعلیم کہ مومن بندہ سے اللہ کی مہربانی کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔ اس لئے بندہ پر لازم ہے کہ

محنت و مشقت کا کام کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی کلمہ یا گیت گنگنایا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس کا نعم البدل دے دیا جو ہزاروں فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لئے آخر آیت میں فرمایا، **لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ** یعنی اگر تم نے ثبات اور ذکر اللہ کے دو گریا کر لئے اور ان کو میدان جنگ میں استعمال کیا تو فلاح و کامیابی تمہاری ہے۔

میدان جنگ کا ذکر ایک تو وہ ہے جو عام طور پر نعرہ تکبیر کے انداز میں کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر نظر اور اعتماد تو کل اور دل سے اس کی یاد لفظ ذکر اللہ ان سب کو شامل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۶﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ

تا کہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا

وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَعَشَلُوا

اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے

وَتَذْهَبَ رِجْكُمْ

اور جاتی رہے گے تمہاری ہوا

تفرقہ بازی کا نقصان

یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بدر عسلی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۷﴾

اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے ☆

کامیابی کی کنجی

جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو، ہمت نہ ہارو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو بتلادیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یادِ الہی، خدا اور رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ”ابن کثیر“ کے چند الفاظ نقل کر دوں جو اخلاص و ایمان کی انتہائی گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں۔

شدائد کے وقت بھی اللہ ہی کی طرف اپنی پوری توجہ رکھے۔ اللہ کی یاد سے کسی وجہ سے بھی غافل نہ ہو۔ اللہ کی مہربانی پر پورا بھروسہ رکھے اور خلوص دل کے ساتھ اسی کی یاد میں مشغول رہے۔

ہوا کے ذریعہ مدد

بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پروا ہوا کے ذریعہ سے فتح عنایت کی گئی اور عاد کو پچھی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ حضرت نعمان بن مقرن کا بیان ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (جہادوں میں) شریک ہوتا رہا ہوں اگر شروع دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ نہ کرتے تھے (لڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے) تو پھر سورج ڈھلنے کا اور (نزم) ہوائیں چلنے اور (اللہ کی طرف سے) نصرت نازل ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ (تفسیر مظہری)

اگر مقابلہ ہو تو ثابت قدمی دکھاؤ

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ دشمن کے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولو العزمی دکھاؤ گو وہ چینی چلائیں لیکن تم خاموش رہا کرو۔ طبرانی میں ہے تین وقتوں میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازے کے وقت۔ اور حدیث میں ہے میرا کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت بھی میرا ذکر کرتا رہے۔ یعنی اس حال میں بھی میرے ذکر کو، مجھ سے دعا کرنے کو اور مجھ سے فریاد کرنے کو ترک نہ کرے۔

لڑائی کے وقت اللہ کا ذکر

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں پوری مشغولی کے وقت یعنی جب تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، تو جرجہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بلند آواز سے کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (تفسیر ابن کثیر) ذکر کا اثر

میدان جنگ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اگرچہ بظاہر مجاہدین کے لئے ایک کام کا اضافہ نظر آتا ہے جو عادت مشقت و محنت کو چاہتا ہے۔ لیکن ذکر اللہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ محنت نہیں لیتا بلکہ ایک فرحت و قوت اور لذت بخشتا ہے اور انسان کے کام میں اور معین و مددگار بنتا ہے۔ یوں بھی

کافروں کا غرور اور انجام

ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تا کہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرے سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جاسکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں، شرابیں پییں، مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں، تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے۔ اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں، اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں، چلنے دے یا نہ چلنے دے۔ بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرور و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں ”بدر“ سے ”مکہ“ تک بچھ گئیں جو مال تقاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لئے لقمہ غنیمت بنا۔

فتح بدر کی اہمیت

ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں، بلکہ عظیم الشان عبادت ہے۔ عبادت پر اتراوے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مہیت چلو۔ (تفسیر عثمانی)

ابو جہل کا تکبر

ابو جہل سے جب کہا گیا کہ قافلہ تو بچ گیا اب لوٹ کر واپس چلنا چاہئے تو اس ملعون نے جواب دیا کہ واہ کس کا لوٹنا، بدر کے پانی پر جا کر پڑاؤ کریں گے وہاں شرابیں اڑائیں گے کباب کھائیں گے گانا سنیں گے، تاکہ لوگوں میں شہرت ہو جائے۔ اللہ کی شان کے قربان جانیے ان کے ارمان قدرت نے پلٹ دئے یہیں ان کی لاشیں گریں اور یہیں کے گڑھوں میں ذلت کے ساتھ ٹھونس دیئے گئے۔

”و قد كان للصحابة رضی الله عنهم في باب الشجاعة والائتمار بما امرهم الله ورسوله به و امتثال ما ارشدهم اليه ما لم يكن لاحد من الامم و القرون قبلهم ولا يكون لاحد ممن بعلمهم فانهم ببركة الرسول صلى الله عليه وسلم و طاعته فيما امرهم فتحوا القلوب و الاقاليم شرقاً و غرباً في المدة اليسيرة مع قلة عددهم بالنسبة الى جيوش سائر الاقاليم من الروم و الفرس و الترك و الصقالية و البربر و الجيوش و اصناف السودان و القبط و طوائف بني ادم قهروا الجميع حتى علت كلمة الله و ظهر دينه على سائر الاديان و امتدت الممالك الاسلاميه في مشارق الارض و مغاربها في اقل من ثلاثين سنة فرضى الله عنهم و ارضاهم اجمعين و حشرنا في زمرة من انهم كريم تواب“ (تفسیر عثمانی)

بخاری نے صحیح میں عمرو بن عبد اللہ کے آزاد کردہ غلام ابوالنصر سالم کی روایت سے بیان کیا ہے، سالم عمرو بن عبد اللہ کے کاتب بھی تھے کہ عبد اللہ بن ابی اونی نے ایک خط لکھا جو میں نے پڑھا تھا۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں جبکہ دشمن کے مقابلہ پر تھے منتظر رہے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا۔ زوال کے بعد (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت (بچاؤ) کی دعاء کرو لیکن جب مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر دعاء کی اے اللہ اے کتاب نازل کرنے والے بادلوں کو چلانے والے اور (کافروں کے) گروہوں کو شکست دینے والے ان کو شکست دے دے اور ہم کو ان پر فتح عنایت کر۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ

اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے

دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ

گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کو

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ حَبِيطٌ

اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ☆

شیطان کی کارروائی

ابلیس سراقہ بن مالک بن جشم مدلیجی کی صورت میں مشرکوں میں تھا۔ ان کے دل بڑھا رہا تھا اور ان میں پیش گوئیاں کر رہا تھا کہ بے فکر رہو آج تمہیں کوئی بھی ہرا نہیں سکتا۔ لیکن فرشتوں کے لشکر دیکھتے ہی اس نے تو منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں تم سے بری ہوں میں انہیں دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نگاہ میں نہیں آتے۔ حارث بن ہشام چونکہ اسے سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھا اس لئے اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے اس کے سینے میں اس زور سے گھونسا مارا کہ یہ تو منہ کے بل گر پڑا اور شیطان بھاگ گیا۔ سمندر میں کود پڑا اور اپنا کپڑا اونچا کر کے کہنے لگا خدا میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ طبرانی میں حضرت رفاعہ بن رافع سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں آج بھی ہوتیں تو میں تمہیں بدر کے میدان میں وہ گھائی دکھا دیتا جہاں سے فرشتے آتے تھے۔ بے شک و شبہ مجھے وہ معلوم ہے انہیں ابلیس نے دیکھ لیا اور خدا نے انہیں حکم دیا کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔ یہ لوگوں کے پاس ان کے جان پہچان کے آدمیوں کی شکل میں آتے اور کہتے خوش ہو جاؤ یہ کافر بھی کوئی چیز ہیں اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ بے خوفی کے ساتھ شیر کا سا حملہ کر دو۔ ابلیس یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا اب تک وہ سراقہ کی شکل میں کفار میں موجود تھا۔

ابلیس کے بھاگنے پر ابو جہل کی تسلیاں

ابو جہل نے یہ حال دیکھ کر اپنے لشکروں میں گشت شروع کیا کہہ رہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، اس کے بھاگ کھڑا ہونے سے دل تنگ نہ ہو جاؤ۔ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے سیکھا پڑھا آیا تھا کہ تمہیں عین موقع پر بزدل کر دے، کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ لات وعزى کی قسم آج ان مسلمانوں کو ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سمیت گرفتار کر لیں گے نامردی نہ کرو دل بڑھاؤ اور سخت حملہ کرو دیکھو خبردار انہیں قتل نہ کرنا زندہ پکڑنا تا کہ انہیں دل کھول کر سزا دیں۔ یہ بھی اپنے زمانے کا فرعون ہی تھا، اس نے بھی جادو گروں کے ایمان لانے پر کہا تھا کہ یہ تو صرف تمہارا ایک مکر ہے کہ یہاں سے تم ہمیں نکال دو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جادو گرو! یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے، حالانکہ یہ محض اس کا فریب تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے

وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتْهُ الْفِئْتَانِ

اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں

نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ

تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے

مِنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي

ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں

أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے ☆

شیطان کا کافروں کی ہمت بڑھانا اور بھاگ جانا

قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابو جہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد و حمایت پر ہیں۔ بنی کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کارن پڑا اور شیطان کو جبریل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابو جہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر لٹے پاؤں بھاگا۔ ابو جہل نے کہا، سراقہ! عین وقت پر دعا دے کر کہاں جاتے ہو، کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں، جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے (اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں۔ کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا، اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے تابعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر

شیطان کی دُعاء

اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا، اے میرے رب! اپنا وہ وعدہ پورا کر جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اس مہلت کی جو تو نے مجھے (قیامت تک کے لئے) دی تھی۔

اس دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ابلیس کو اپنے مارے جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا (اس کو ڈر ہو گیا تھا کہ جبرئیل مجھے مار ڈالیں گے)

ابو جہل کا اعلان

ابو جہل کہنے لگا لوگو! سراقہ نے تمہاری مدد نہ کی، تم اس کو کوئی اہمیت نہ دو، اس کی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سازش ہو ہی گئی تھی۔ عتبہ اور شیبہ کے مارے جانے کا بھی زیادہ خیال نہ کرو، انہوں نے جلدی کی تھی (اس لئے مارے گئے) قسم ہے لات و عزیٰ کی ہم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں گے لوٹ کر نہ جائیں گے۔ تم میں سے کوئی آدمی مجھے ایسا نہ ملنا چاہئے جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی آدمی کو قتل کیا ہو، ان کو پکڑ لو تا کہ ہم ان کو ان کے برے کرتوت بتا سکیں۔

شیطان کا ذلیل ہونا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کر بڑ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان جب عرفہ کے دن (حج کے دن) اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ اللہ (بندوں) کے بڑے بڑے گناہوں سے (بھی) درگزر فرما رہا ہے تو یہ حالت دیکھ کر وہ اتنا ذلیل حقیر بے عزت اور غضب ناک نظر آتا ہے کہ سوائے یوم بدر کے کبھی اتنا ذلیل نہیں دیکھا گیا۔ عرض کیا گیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان نے بدر کے دن کیا بات دیکھی تھی (کہ وہ اپنے کو حقیر ترین ذلیل ترین اور بے عزت دیکھنے لگا تھا) فرمایا، اس نے جبرئیل کو دیکھا کہ وہ ملائکہ کو ڈیوٹیوں کی تقسیم کر رہے تھے (یہ دیکھ کر اس کو اپنی ساری مکاری چھ نظر آنے لگی اور ذلیل ہو کر بھاگا) رواہ مالک مرسل و البغوی فی شرح السنۃ المصنوع والمعالم۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کا خوف

شیطان نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تو ان کی قوت سے وہ واقف تھا سمجھ گیا کہ اب اپنی خیر نہیں اور یہ جو کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، امام تفسیر قتادہ نے کہا کہ یہ اس نے جھوٹ بولا اگر وہ خدا سے ڈرتا تو نا فرمانی کیوں کرتا۔ مگر اکثر حضرات نے فرمایا کہ ڈرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے

کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا یعدہم و یمنیہم و ما یعدہم الشیطان الا غروراً (نساء رکوع ۱) کَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اَكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیٌّ ؕ مِّنْكَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الحشر رکوع ۲) وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدْلُكُمْ وَعَدْلُ الْحَقِّ وَعَدْلُكُمْ فَاخْلَفْتُمْ وَمَا كَانَ لِيْ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُمُوْنِیْ وَلَوْلَا اَنْفُسُكُمْ مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیْ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ابراہیم۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

یعنی جب مسلمانوں اور کافروں کے دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے اور شیطان نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور سمجھ گیا کہ ان سے مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تو منہ پھیر کر پشت موڑ کر بھاگا۔ طبرانی نے حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہزار فرشتے بھیج کر اپنے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور مسلمانوں کو مدد پہنچائی۔ حضرت جبرئیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ ایک طرف اور حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری جانب تھے۔ ابلیس بھی شیطانوں کا لشکر اور اپنا جھنڈا لئے آ گیا۔ شیطانی لشکر والے بنی مدج کے مردوں کے بھیس میں تھے اور خود ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں۔ اس وقت شیطان نے مشرکوں سے کہا لَا غَالِبَ لَكُمْ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ لیکن جو نبی جبرئیل ابلیس کی طرف بڑھے اور ابلیس نے ان کو دیکھا اس وقت ابلیس کا ہاتھ کسی مشرک کے ہاتھ میں تھا فوراً ہاتھ چھڑا کر پشت پھیر کر بھاگا اور اس کے چیلے بھی اسی کے ساتھ چل دیئے۔ ایک شخص نے کہا سراقہ تو نے تو کہا تھا اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ (اب بھاگا جا رہا ہے) کہنے لگا اِنِّیْ بَرِیٌّ ؕ مِّنْكُمْ اِنِّیْ اَرِیْ مَا لَا تَرَوْنَ الخ۔ ابلیس کا یہ فرار ملائکہ کو دیکھنے کے بعد ہوا تھا۔ حارث بن ہشام نے جب ابلیس کا کلام سنا اور حارث اس کو سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھے (سراقہ بدر کے بعد مسلمان ہو گئے تھے) تو اس کا دامن پکڑ لیا مگر شیطان نے حارث کے سینے پر ضرب کاری رسید کی۔ حارث گر پڑے اور شیطان بھاگ نکلا۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ آخر جا کر سمندر میں گر پڑا۔

معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے متعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی۔ برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے کافر کی روح نکالتے وقت اس کے منہ پر اور اس کی دبر پر یعنی اس کی سرین پر آگ کے گرز مارتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کافر کا منہ اور اس کی دبر دونوں ایک ہی حکم میں ہیں اس لئے کہ عطف کیلئے معطوف اور مطعوف علیہ میں مناسبت ضروری ہے اور یہاں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دبر سے حسی اور ظاہری نجاست خارج ہوتی ہے اسی طرح کافروں کے منہ سے کلمات کفریہ نکلتے ہیں جو نجاست معنویہ ہیں اسی وجہ سے مشرکین کو نجس اور رجس کہا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ** بلکہ زبان سے جو کلمہ معصیت کا نکلتا ہے وہ نجاست کا حکم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کے بعد وضوء کو مستحب لکھا ہے۔ دیکھو فتح القدر شرح ہدایہ۔ (معارف القرآن کا نہدھلوی) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ملائکہ لوہے کے گرزوں سے مار رہے تھے اور گرز کی ضرب سے زخموں میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ **ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ** کا یہی مطلب ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنْ اَللّٰهُ
یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے
لَيْسَ بِظُلَامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝۱۰
کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر ☆

یہ ذلت ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے

یعنی یہ سب تمہاری کرتوت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ ادھر سے رتی برابر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہونی چاہئے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر دیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے پس آپس میں کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے۔ میرے بندو! میں تو صرف تمہارے کئے

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عذاب شدید کو پوری طرح جانتا ہے اس لئے نہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ تراخوف بغیر ایمان و اطاعت کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
جب کہنے لگے منافق اور جن کے
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُمْ وَاَلَّا دِيْنُهُمْ
دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر
وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱
زبردست ہے حکمت والا ☆

منافقوں کی چہ میگوئیاں

مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سرو سامان اور اس پر ایسی دلیری و شجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں جو اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے۔ جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہوگا عین حکمت و صواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَرَى اِذْ يَتَوَفّٰى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمَلٰٓئِكَةُ
اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ
مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں
وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝۱۲
چکھو عذاب جلنے کا ☆

کافروں کیلئے ذلت کی موت

یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو، اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ

سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمَّ يَكُ مُغَيِّرًا لِّنِعْمَةٍ

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی

اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُ مَا

اُس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں

بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اپنے جیوں کی بات اور یہ کہ اللہ سنے والا جاننے والا ہے ☆

نعمتیں کب چھینی جاتی ہیں

یعنی جب لوگ اپنی اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قوی اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے۔ وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہذا جس سے جو معاملہ کریا نہایت ٹھیک اور بر محل ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔ گویا ”مَا بِاَنْفُسِهِمْ“ سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ یعنی یہ عذاب جو ان پر نازل ہوا (یہ ظلم نہیں ہے بلکہ) بان اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اس کو دکھ اور عذاب سے اس وقت تک نہیں بدلا کرتا جب تک وہ اپنی اچھی حالت کو بری حالت سے خود تبدیل نہ کر لیں (اور مستحق عذاب نہ ہو جائیں) مثلاً اہل مکہ کو اللہ نے رزق، عزت اور امن سے سرفراز کیا اور اصحاب فیل کے لشکر کو تباہ کیا تو اللہ نے بدر کے دن قید و قتل کی مصیبت میں اس وقت تک ان کو گرفتار نہیں کیا جب تک کہ انہوں نے دین اسمعیل، ملت ابراہیم، اقرباء سے حسن سلوک، کعبہ کی خدمت، مہمان نوازی اور حاجیوں کو پانی پلانے اور دوسرے اچھے کاموں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی نہ اختیار کر لی

ہوئے اعمال ہی کو گھیرے ہوئے ہوں۔ بھلائی پا کر میری تعریفیں کرو اور اس کے سوا کچھ اور دیکھو تو اپنے تئیں ہی ملامت کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰبِ اِلٰ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ

جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے

قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمْ

پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو

اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ

اللہ نے ان کے گناہوں پر بیشک اللہ زور آور ہے

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۷﴾

سخت عذاب کرنیوالا ☆

قدیم دستور

یعنی قدیم سے یہ ہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے ان کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قانونی حدود توڑنے والے گناہ گار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر مدافعت کرنے والے ہیں، یعنی باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز کے دو طبقے ہوں اور نیچے کے طبقہ والے اوپر آ کر اپنی ضرورت کے لئے پانی لیتے ہوں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کریں۔ نیچے والے یہ دیکھ کر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائے گا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔

☆ امام بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود و صدیقہ عائشہ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے جب تک کہ ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک

اور مسجد حرام سے ان کو روک دیا اور قربانی کے جانوروں کی حرم میں داخلہ ممانعت نہ کر دی اور اہل توحید کا خون بہانے کے درپے نہیں ہو گئے اور آیات کی تکذیب اور استہزاء قرآن کو اختیار نہ کر لیا۔

قریشیوں کے حالات کی تبدیلی

اور تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تیسرے دادا کے دادا ہیں یہ ابتداء سے دین ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کے پابند اور اس پر قائم تھے اور نسلًا بعد نسل اس دین کی قیادت و سیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔ قصی بن کلاب کے زمانہ میں ان لوگوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے جمعہ کے روز جس کو ان کی زبان میں عربہ کہا جاتا تھا سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا کرتے تھے ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے۔ ان کا اتباع سب پر لازم ہوگا۔ جو ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ان کے عربی اشعار شعراء جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں۔ اور قصی بن کلاب تمام حجاج کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں آپ کے عہد مبارک تک قائم رہیں۔ اس تاریخی تشریح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قریش کی تبدیلی حالات سے یہ مراد ہو کہ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ”قصی“ کے کارنامے

اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا (عبدالمطلب بن ہاشم) کے دادا کا نام عبدمناف تھا اور عبدمناف (بن قصی) کے دادا کا نام کلاب (بن مرہ بن کعب بن لوی) تھا کلاب سے پہلے اس کے تمام آباء و اجداد نسلًا بعد نسل دین اسماعیل پر تھے ہر بیٹے کو اپنے باپ سے ریاست و قوم ملتی تھی، اور دین اسماعیل پر قائم رہنے کی وصیت بھی، اولاد اسماعیل میں دین ابراہیم کی تبدیلی اور بت پرستی کی ایجاد قصی بن کلاب کے زمانہ میں ہوئی۔ کعب بن لوی نے عرب کو مجتمع کیا تھا تمام قریش اس کے پاس جمع ہوتے تھے۔ قصی ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع دیتا اور بتاتا تھا کہ وہ

میری نسل میں سے ہوں گے۔ تم لوگ ان کا اتباع کرنا اور ان پر ایمان لانا۔ پھر چند اشعار پڑھتا جن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا۔ کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جب قریش حق سے سرکشی کریں گے اور مدد نہ کریں گے قصی منی اور عرفات کے زمانہ میں حاجیوں کو بہت زیادہ کھانا کھلاتا تھا اس کو فادہ کہا جاتا ہے چمڑے کے بڑے بڑے ٹینک اس نے بنوائے تھے جن میں پانی بھر کر مکہ اور منی اور عرفات میں حاجیوں کو پلاتا تھا۔ اس کو سقاہ کہا جاتا ہے۔ قصی کے حکم سے عہد جاہلیت میں حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی رسم جاری تھی یہاں تک کہ اسلام آ گیا اور اسلام نے بھی اس رسم کو قائم رکھا۔ قصی نے ایک دستور یہ ایجاد کیا تھا کہ مزدلفہ میں رات کو آگ جلاتا تھا تاکہ عرفہ سے روانہ ہونے والے آگ کو دیکھ لیں اور راستہ نہ بھٹک جائیں۔ آگ روشن کرنے کا دستور برابر اسلام میں بھی جاری رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ سلسلہ قائم رہا۔ مزدلفہ میں آگ روشن کی جاتی رہی۔ عمرو بن لُحی خزاعی پہلا شخص ہوا جس نے دین اسماعیل کو بگاڑا بت پرستی اور سانڈ چھوڑنے کی رسم نکالی۔ (تفسیر مظہری)

كَذَابِ الْفِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ
جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے
قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ
پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے
بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلَّ
ان کو ان کے گناہوں پر اور ڈوب دیا ہم نے فرعون والوں کو اور سارے
كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۵۱﴾
ظالم تھے ☆

فرعونیوں کی ہلاکت

فرعونیوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑا غرق کر دیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دیکھا گیا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدرا۔ یعنی نعرہ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی۔ دیکھا تو یہ کہنے والے بزرگ حضرت عمرو بن عبسہؓ صحابی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تاکہ التواء جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں۔ (ابن کثیرؒ) (معارف مفتی اعظم)

فَمَا تَتَفَتَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِدْ

سواگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو ان کو ایسی سزا

بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۵۷﴾

دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے تاکہ ان کو عبرت ہو

وَأَمَّا اتَّخَافُونَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ

اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو بھینک دے

فَأَنْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ

ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ کو

لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۵۸﴾

خوش نہیں آتے دغا باز ☆

دھوکے بازوں کو عبرتناک سزا دو

یعنی اگر یہ دغا باز غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے، جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغا بازی نہیں کی، ہاں آثار و قرآن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دستبرداری کی اطلاع کر کے مناسب کارروائی کریں۔ تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک و اشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی چوری اور خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں

كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾ الَّذِينَ

جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے جن سے تو نے

عَاهَدَتْ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي

معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر

كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۶۰﴾

بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے ☆

بدعہد اور بے ایمان بدترین جانور ہیں

جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں، وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونوں کا حال بد عہدی اور غداری میں یہ تھا۔ وَلَيَأْوِقَنَّ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْغُفْوَةِ إِذَا هُمْ يُنكِرُونَ (اعراف رکوع ۱۶) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ کی یہی خصلت تھی۔ آپ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے، پھر ان کی امداد کرتے۔ اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے۔ آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی) حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے چھ آدمیوں کے بارہ میں آئی ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔

عہد پورا کرنے کا عجیب واقعہ

ابو داؤد، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبلؓ نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب پہنچادیں تاکہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر عین اس وقت جب حضرت معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ

شکنی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا تھا اور بغاوت و حسد کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک برقعہ پوش عربی عورت بنی قینقاع کے بازار میں آئی اور زیور خریدنے کسی سناہ کے پاس بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کی نقاب اتروانا چاہی لیکن اس نے نقاب کھولنے سے انکار کر دیا۔ سناہ نے اس کے کپڑے کا کنارہ کسی کانٹے میں الجھا دیا۔ عورت جو نادانستگی میں اٹھی تو تنگی ہو گئی۔ لوگ اس پر ہنس پڑے۔ عورت چیخ پڑی عورت کی چیخ سن کر ایک مسلمان نے سناہ پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا۔ سناہ تھا یہودی، یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے مار ڈالا اور مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ مقتول مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں سے فریاد کی، مسلمان غضب ناک ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں میں بنی قینقاع کے یہودیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر آیت **وَإِنَّمَا اتَّخَفْتُمْ مِّنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ** الخ نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنی قینقاع کی طرف سے (عہد شکنی کا) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سپرد کیا اور مدینہ میں اپنی جگہ حضرت ابولبابہ بن عبدالممنذ کو قائم کیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ روز تک ان کا سخت محاصرہ جاری رکھا آخر اللہ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرائط پر انہوں نے باہر نکل آنا منظور کر لیا۔ شرائط یہ تھیں کہ ان کے سارے مال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ ہو جائے گا۔ صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر وہ جلا وطن ہو جائیں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد وہ مدینہ سے نکل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال میں سے صفی اور کل مال کا پانچواں حصہ خود لے لیا اور چارخمس (۴/۵) ساتھ والوں کو بانٹ دیا۔ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا خمس تھا (یعنی بدر کے مسلمانوں کو پہلا مال غنیمت حاصل ہوا تھا جس کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ صفی اس مال کو کہا جاتا تھا جو تقسیم سے پہلے کل مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے چھانٹ لینے کا حق رکھتے تھے)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ .

بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بغوی نے ایک عمیری شخص کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ

صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعادى معاہدہ تھا، میعاد کے اندر امیر معاویہ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہدہ گذرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے، جس وقت یہ کارروائی جاری تھی، ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ ”اللہ اکبر و فاء لا غدرأ۔ یعنی عہد پورا کرو عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ واپس کیا جائے حضرت معاویہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اُلٹے واپس آگئے۔ پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دو کہ پیچھے والوں کو عبرت ہو۔ یعنی ان عہد شکنوں کو اس طرح قتل کرو اور سزا دو کہ مکہ اور یمن کے رہنے والے جوان کے پیچھے ہیں ان کو عبرت ہو وہ ڈر جائیں اور اپنے جتھوں کو تمہارے مقابلہ پر نہ لائیں۔ اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلط پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔ طبرانی نے حضرت اسلم انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی انگوٹری پر مجھے مامور فرمایا تھا چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑادی۔ **لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ** تاکہ وہ نصیحت اندوز ہوں اور آئندہ عہد شکنی کی جرأت نہ کریں۔

اس آیت کے نازل ہونے کا واقعہ

ابوالشیخ نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا آپ نے تو ہتھیار کھول دیئے اور ہم اب تک قوم کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نکل کر چلئے اللہ نے بنی قریظہ سے جہاد و قتال کرنے کی آپ کو اجازت دیدی ہے اسی کے متعلق آیت **وَإِنَّمَا اتَّخَفْتُمْ مِّنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ** الخ نازل ہوئی۔

یہودی بنی قریظہ پر حملہ

میں کہتا ہوں یہ قصہ غزوہ احزاب کے بعد کا ہے۔ حافظ محمد یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بنی قینقاع کے یہودیوں نے عہد

اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا معاویہؓ بلا دروم کی طرف جارہے تھے تاکہ میعاد معاہدہ ختم ہوتے ہی (بغیر اعلان و اطلاع کے) ان سے جنگ شروع کر دیں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص (سامنے سے) گھوڑے پر آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء عہد کرو، غداری نہ کرو، دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہ تھے حضرت معاویہؓ نے ان کو بلوایا اور پوچھا کیا بات ہے حضرت عمرو بن عبسہ نے فرمایا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس معاہدہ کی شکست و ریخت نہ کرے تا وقتیکہ معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا (فریق مخالف کی خلاف ورزی کی صورت میں) اس کا معاہدہ اسی پر لوٹا نہ دیا جائے، یہ سن کر حضرت معاویہؓ لوٹ آئے۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکروں کو سرحد روم کی طرف بڑھانا شروع کیا مدت صلح ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں تو ایک شیخ اپنی سواری پر سواریہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، وعدہ وفائی کرو غدرد درست نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے عہد و پیمان ہو جائیں تو نہ کوئی گرہ کھولو نہ باندھو جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے یا انہیں اطلاع دے کر عہد نامہ چاک نہ ہو جائے جب یہ بات حضرت معاویہؓ کو پہنچی آپ نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا یہ شیخ حضرت عمرو بن عبسہ تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہودیوں نے دعوت قبول نہ کی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شہر کے قلعے کے پاس پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم مجھے بلاؤ میں تمہیں بلاؤں گا جیسے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بلائے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا میں بھی انہی میں سے ایک شخص تھا پس مجھے اللہ عز و جل نے اسلام کی ہدایت کی اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو جو ہمارا حق ہے وہی تمہارا حق ہوگا اور جو ہم پر ہے تم پر بھی وہی ہوگا اور اگر تم اسے نہیں مانتے تو ذلت کے ساتھ تمہیں جزیہ دینا ہوگا اسے بھی قبول نہ کرو تو ہم تمہیں ابھی سے مطلع کرتے ہیں جب کہ ہم تم پر برابری کی حالت میں ہیں، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔ تین دن تک انہیں اسی طرح دعوت دی آخر چوتھے روز صبح ہی صبح حملہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور مدد فرمائی۔

یہ الفاظ ہیں گھوڑے تین طرح کے ہیں۔ رطمن کے، شیطان کے

اور انسان کے۔ اس میں ہے کہ شیطانی گھوڑے دو ہیں جو گھڑ دوڑ کی شرطیں لگانے اور جوئے بازی کرنے کے لئے ہوں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ تیر اندازی گھوڑا سواری سے افضل ہے، امام مالکؒ اس کے خلاف ہیں لیکن جمہور کا قول قوی ہے کیونکہ حدیث میں بھی آچکا ہے۔ حضرت معاویہ بن خدیج، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ اپنے گھوڑے کی خدمت کر رہے تھے پوچھا تمہیں یہ گھوڑا کیا کام آتا ہے؟ فرمایا میرا خیال ہے کہ اس جانور کی دعاء میرے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ کہا جانور اور دعاء؟ فرمایا ہاں خدا کی قسم ہر گھوڑا صبح دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک کے حوالے کیا ہے تو مجھے اس کی تمام اہل سے اور مال سے اور اولاد سے زیادہ بنا کر اس کے پاس رکھ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر عربی گھوڑے کو صبح کو دو دعائیں کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا

اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے

إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۵۹﴾

وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو ☆

کافروں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی

ہذا عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و عذر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا۔ اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا و آخرت میں سزا دینا چاہے گا، تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کردی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور

مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ

پلے ہوئے گھوڑوں سے ☆

آلات جہاد کی تیاری فرض ہے

یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے۔ نہیں، مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہانک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروڑوں وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں، باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ خود ہی فرما چکے ”الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ“ کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ ”جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے، پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔“ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منجیق کا استعمال

حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت لشکر سے دریافت کیا تم دشمن کے قلعوں کے ساتھ کیا کرو گے اور ان کو کس طرح فتح کرو گے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم دبا بے بنا لیں گے اور ہمارے جوان ان میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگائیں گے یعنی اس طرح دشمن کے قلعوں کو مسخر کریں گے۔ (دیکھو نہایت ص ۱۰، ج ۲ مجمع البحار ص ۳۹۳ ج ۱) معلوم ہوا کہ اس زمانے میں منجیق کا استعمال لڑائیوں میں معروف و مشہور تھا۔ غزوہ خیبر میں جب قلعہ صعب فتح ہوا اور اس میں سے کچھ دبا بے اور کچھ منجیقیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جو رومیوں کے آلات جنگ تھے اس قلعہ کے فتح کے بعد جب خیبر کے دوسرے دو قلعے وطیح اور سلام کے فتح کرنے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشواری پیش آئی تو اس وقت آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں پر منجیق کو نصب کیا جائے۔ مگر اس کی نوبت نہیں آئی اور یہ دونوں قلعے بجمہ تعالیٰ بغیر منجیق کے نصب کئے ہوئے فتح ہو گئے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان آلات کے استعمال کا ارادہ فرمانا جو غیر مسلموں کی ایجاد تھے یہی اس کی مشروعیت اور جواز کی دلیل ہے۔ پھر جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد طائف کی طرف روانہ ہوئے اور بارہ ہزار صحابہؓ آپ کے ہمراہ تھے اور وہاں پہنچ کر طائف کا محاصرہ کیا تقریباً بیس روز محاصرہ رہا جب فتح میں دشواری ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کے مشورے سے ان پر منجیق نصب کی اور یہ منجیق سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کی۔ اور ان کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لئے اس کو بنایا اور یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے سامنے ہوا۔ علامہ زرقاتی فرماتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی منجیق تھی جو دشمنوں کے مقابلہ میں نصب کی گئی اور دنیا میں سب سے پہلا شخص نمرود ہے جس نے منجیق تیار کی اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ پھینکنے کے لئے اس کو استعمال کیا۔ تفصیل کے لئے زرقاتی شرح مواہب ص ۳۱ ج ۳ دیکھیں۔ غرض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر و تلوار کے علاوہ جدید آلات حرب بھی استعمال کئے اور صحابہؓ کو ان کے بنانے کا حکم بھی دیا اور آپ کے بعد جب فاروق اعظمؓ کو شام اور عراق کی مہم پیش آئی تو آپ نے صحابہؓ کو قلعہ شکن دبا بوں کے بنانے کا اور استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (معارف کا ندھلوی)

گھوڑوں کی خصوصیت

سامان جنگ میں سے خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا ذکر اس لئے کر دیا کہ اس زمانہ میں کسی ملک و قوم کے فتح کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر و مفید گھوڑے ہی تھے۔ اور آج بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کو گھوڑوں کے بغیر فتح نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے۔

سامان جنگ کی فضیلت

صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان جنگ فراہم کرنے اور اس کے استعمال کی مشق کرنے کو بڑی عبادت اور موجب ثواب عظیم قرار دیا ہے۔ تیر بنانے اور چلانے پر بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

ہر قسم کی تیاری ضروری ہے

اور چونکہ جہاد کا اصل مقصد اسلام اور مسلمانوں کا دفاع ہے اور دفاع ہر زمانہ اور ہر قوم کا جدا ہوتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السننکم (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی عن انسؓ) (معارف مفتی اعظم)

پھینکنے والا۔ تیر جوڑ دینے والا۔ تم لوگ تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سوار ہونے سے تمہاری تیر اندازی بہتر ہے آدمی کے لئے ہر لہو (کھیل) ناجائز ہے سوائے کمان سے تیر پھینکنے اور گھوڑے کی سواری کی ٹریننگ حاصل کرنے اور اپنی بیوی سے تفریح کرنے کے۔ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ (ابوداؤد)

گھوڑوں کی پیشانی کے بال

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں میں برکت ہے۔ (مشق علیہ)

حضرت جریر بن عبد اللہ راوی ہیں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے مروڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں سے قیامت تک خیر (بھلائی، نفع) وابستہ رہے گی۔ ثواب (جہاد کا یا شہادت کا) اور مال غنیمت (بصورت فتح) رواہ مسلم۔ بغوی نے بطریق بخاری حضرت عروہ باریکی کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

تین طرح کے گھوڑے

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے تین (طرح کے) ہوتے ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لئے (گناہ کا) بار ہوتا ہے دوسرا گھوڑا آدمی کے لئے (بے آبروئی اور دوزخ سے) پردہ (آڑ حفاظت) ہوتا ہے تیسرا گھوڑا آدمی کے لئے ثواب کا ذریعہ ہوتا ہے جو گھوڑا آدمی دکھاوٹ غرور اور مسلمانوں سے اونچا ٹھننے کے لئے پالے وہ اس کے لئے بار (گناہ) ہے اور جو گھوڑا آدمی جہاد میں شریک ہونے کے لئے پالے اور اللہ نے جو حق گھوڑے کی سواری اور گھوڑے کی ذات سے وابستہ کر دیا ہے اس کو فراموش نہ کرے تو ایسا گھوڑا اس شخص کے لئے پردہ ہے اور جو گھوڑا کسی مسلمان کو جہاد میں شریک کرنے کے لئے کوئی پالے وہ باعث اجر ہے اگر ایسے گھوڑے کو کسی چراگاہ یا سبزہ زار میں باندھ دے گا اور گھوڑا اس چراگاہ یا سبزہ زار سے کچھ کھائے گا اسی کے بقدر گھوڑے والے کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو لید یا پیشاب کرے گا اس کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی جب گھوڑا رسی تڑا کر کہیں ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر کھلیں بھرے گا تب بھی اس کے قدموں کے نشانات اور لید اور پیشاب کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اگر گھوڑے کو پانی پلانے کے

یعنی مسلمانو! معاہدہ توڑنے والے یا عام کافروں کے مقابلہ کے لئے جو تیاری ممکن ہو کر لو۔ اعداد کا معنی ہے ضرورت کے لئے تیاری کرنا۔ قوت سے مراد ہے سامان، اسلحہ، ٹریننگ، ریاضت، جنگی، گھوڑے، کشتی، تیر اندازی کی مشق، گولی چلانا وغیرہ۔ جہاد کے لئے مال فراہم کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ بعض کے نزدیک قوت سے مراد ہیں قلعے۔

تیر اندازی: حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ خبردار ہو جاؤ، قوت تیر اندازی ہے، خوب سن لو، قوت تیر اندازی ہے، آگاہ ہو جاؤ قوت تیر اندازی ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو حنیفہ سلمی کا بیان ہے میں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر پہنچایا جنت میں اس کے لئے ایک درجہ ہے اور جس نے راہ خدا میں ایک تیر پھینکا وہ اس کے لئے (گناہوں کا) فدیہ ہے اور آزاد کرنے والا ہے (یعنی وہ دوزخ سے آزاد ہو جائیگا) رواہ النسائی۔ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب روم کی فتح تم کو عنایت کی جائیگی اور اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا پس تم میں سے کوئی تیر بازی سے عاجز نہ ہو (یعنی بطور تفریح تیر اندازی کی مشق جاری رکھو) رواہ مسلم و ابوداؤد۔ ترمذی نے حضرت عقبہ والی روایت نقل کی ہے، اس میں اتنا زائد ہے کہ راہ خدا میں جس کے بال سفید ہوئے قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور بن جائیگے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں تینوں حدیثیں نقل کی ہیں، البتہ راہ خدا کی جگہ اسلام کا لفظ بیہقی کی روایت میں آیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرما رہے تھے جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یوں فرمایا، اس نے نافرمانی کی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو اسیدؓ کا بیان ہے، بدر کے دن جب ہم نے قریش کے سامنے اور قریش نے ہمارے سامنے صف بندی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو تیروں سے کام لینا تم پر لازم ہے۔ رواہ البخاری۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنمی کا بیان ہے، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ ایک تیر کے ذریعہ سے تین آدمیوں کو جنت میں لے جائے گا۔ تیر بنانے والا جو تیر بنانے سے امیدوار ثواب ہو۔ تیر

کی جھولوں اور پالانوں کے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپیل کی، حضرت عثمانؓ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا، مجھ پر راہ خدا میں تین سواونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت لازم ہوئے۔ راوی کا بیان ہے میں دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر سے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے، اس کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عمل بھی کرے عثمانؓ سے اس کا مواخذہ نہیں (ہوگا) اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے عثمان سے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ جیشِ عسرت کی تیاری کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لے کر آئے اور لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بکھیر دیئے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گود میں وہ اشرفیاں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، عثمان اس کے بعد جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہ پہنچے گا (یعنی مواخذہ نہ ہوگا) یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار فرمائے۔ (رواہ احمد) (مظہری)

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ

کراس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان

دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ

کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے ☆

سامان جنگ کا اثر

یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا تعالیٰ کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور وہ لوگ جن کو بالیقین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے یا یہود "بنی قریظہ" یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں

يُؤْتِ الْبِكْرَ وَأَنْتُمْ لَا تظَلَمُونَ ①

دہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا ☆

مالی جہاد کا ثواب

یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر

لئے دریا پر لے جائے گا اور وہ وہاں پانی پئے گا تو جتنا اس نے پانی پیا ہوگا اس کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو وہبؒ حبشی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھوڑے پالوان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو ان کی گردنوں میں قلا دے ڈالو گرتانت کے قلا دے نہ ڈالو۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

مجاہد کو سامان دینا

حضرت زید بن خالد راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان جہاد دیا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اسکے گھروالوں کی نگہداشت اس کی بجائے کی اس نے جہاد کیا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی جس کے نیل پڑی ہوئی تھی لے کر آیا اور عرض کیا یہ جہاد کے لئے دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سواونٹیاں ملیں گی سب کی نیلیں پڑی ہوں گی۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مالوں جانوں اور زبانوں سے مشرکوں سے جہاد کرو۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

ابن ماجہ نے حضرت علیؓ حضرت ابودرداءؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو امامہؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عمران بن حصین کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے جہاد کے لئے کچھ خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر بیٹھا رہا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات سو درہم (کا ثواب) ہوگا اور جس نے خود جہاد کیا اور خود ہی جہاد میں صرف کیا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات ہزار درہم کا ثواب ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت

وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ پڑھی۔

غزوہ تبوک میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد

حضرت عبدالرحمن بن حباب کا بیان ہے میں موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیشِ عسرت (تبوک کو جانے والے لشکر) کو تیار کرنے اور مدد کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! سواونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جیشِ عسرت کی مدد کی ترغیب دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا، میرے ذمے دو سواونٹ مع ان

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی طاقت اور قوت ہو تو پھر ان سے صلح کرنا کسی طرح مناسب اور زیبا نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے پس اگر کفار سے صلح کی جائے تو فریضہ جہاد کا ترک یا اس میں تاخیر لازم آئے گی اور مسلمانوں کے امیر کے لئے یہ کسی طرح زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بغیر ضرورت اور بغیر مجبوری کے صلح کرے اس لئے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے اے مسلمانو! تم دشمنان اسلام کے جہاد و قتال میں کمزور اور سست نہ پڑو اور اس راہ میں جو تکلیف پہنچے اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم سچے اور پکے مسلمان ہو۔ (اللہ کا حکم ختم ہوا) اور اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی قوت نہ ہو تو پھر صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لئے خیر اور مصلحت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ نیز ایسی حالت میں صلح کر لینا یہ درپردہ جہاد و قتال کی ایک تدبیر ہے اس لئے کہ مجاہد پر یہ فرض ہے کہ اولاً وہ اپنی قوت کو محفوظ کرے اور قوت حاصل ہو جانے کے بعد پھر دشمن اسلام پر غلبہ کی کوشش کرے جب کبھی اس کو یہ موقع ملے۔ امام ابوحنیفہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا۔ اور یہی مضمون احکام القرآن ص ۶۹ ج ۲ ص ۷۰ ج ۳ للامام ابی بکر الجصاص میں مذکور ہے فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمان فرمانروا کافروں سے ایک مدت معینہ کے لئے صلح کر سکتا ہے مگر جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قریش سے دس سال کے لئے معاہدہ کیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَإِنْ يَرِيدُ وَإِنْ يَخِدْعُوكَ

اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي

تو تجھ کو کافی ہے اللہ اسی نے تجھ کو

أَيْدِكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ

زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا ☆

مال خرچ کرو گے اُس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے سات سو درہم واللہ یضعف لمن یشاء اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ

اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ

عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا اور جاننے والا ☆

صلح بھی ہو سکتی ہے

مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کا ارشاد ہے کہ حسب صواب دید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھادیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمتہ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ اُن کی نیتوں کو جانتا اور اُن کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اُس کی حمایت کے سامنے ان کی بد نیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔ (تفسیر عثمانی)

شریعت نے کافروں سے اصل حکم جہاد کا دیا ہے اور بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی ہے کہ اگر تم کافروں سے صلح کر لو تو جائز ہے مگر واجب نہیں۔

قال ابو حنیفة رحمہ اللہ لا ینبغی موادعة اهل المشرك اذا كان بالمسلمین علیہم قوة لان فیہ ترک القتال المامور بہ او تاخیر ہ و ذلک مما لا ینبغی للامیران یفعلہ من غیر حاجة قال اللہ تعالیٰ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین وان لم یکن بالمسلمین قوة علیہم فلا باس بالموادعة لان الموادعة خیر للمسلمین فی ہذہ الحالة وقد قال عزوجل وان جنحوا للسلام فاجنح لها الاية ولان هذا من تدبیر القتال فان علی المقاتل ان یحفظ قوة نفسه او لائم یطلب العلوا والغلبة اذا تمکن من ذالک. (شرح سیر کبیر للامام السرخسی)

کی دشمنی کے لئے حضور کی ذات قدسی صفات کو مح نظر بنا لیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم تا خریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبعوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جاسکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدانے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ

اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور

اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۱

جتنے تیرے ساتھ ہیں مسلمان ☆

افراد اور سامان کی قلت سے نہ گھبراؤ

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلتِ عدد اور بے سرو سامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا اِنَّكَ بِنَصْرِهِ وَاِلَى الْمُؤْمِنِينَ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی وغیرہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ۳۹ مرد و عورت ایمان لائے تھے، ان کے بعد حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے۔ اس طرح چالیس مسلمان ہو گئے۔ اس وقت اللہ نے آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ الخ نازل فرمائی۔

بزار نے ضعیف سند کے ساتھ عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اگر صلح کر کے وہ لوگ دعا بازی اور عہد شکنی کا ارادہ کر لیں تو فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کے سب فریب و خداع بیکار کر دے گا۔ اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی، اور ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔ (تفسیر عثمانی)

عبدہ بن ابی لہب فرماتے ہیں میری حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص خدا کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے سے بہ خندہ پیشانی ہاتھ ملاتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے میں نے کہا یہ کام تو بہت آسان ہے فرمایا یہ نہ کہو یہی الفت وہ ہے جس کی نسبت جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے اگر تو روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دے ان کے اس فرمان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھدار ہیں۔

وَالْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ

اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا لَفَتْ بَيْنَ

جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے

قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ

دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۱۲

بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا ☆

اسلام نے صدیوں کی جنگیں ختم کرادیں

اسلام سے پہلے جب عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی۔ مدینہ کے دوز بردست قبیلوں ”اوس“ و ”خزرج“ کی حریفانہ نبرد آزمانی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرایا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم

گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔

تنبیہ:- بیس اور سو دو عدد شاید اس لئے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے ”سریہ“ میں کم از کم بیس اور ”جیش“ میں ایک سو سپاہی ہوتے ہونگے۔ اگلی آیت مدت کے بعد تری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے سریہ کم از کم ایک سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہوگا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی سے وقت مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے بدر کے دن فرمایا اٹھو اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی ہے۔ حضرت عمیر بن حمام کہتے ہیں اتنی چوڑائی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی۔ اس نے کہا واہ واہ۔ آپ نے فرمایا یہ کس ارادے سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری پیشگوئی ہے کہ تو جنتی ہے۔ وہ اٹھتے ہیں دشمن کی طرف بڑھتے ہیں اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں انہیں کھاؤں! اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے۔ انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جو ہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہوئے راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں رضی اللہ عنہم وارضاهم۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِينَ خَفَفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ

اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ

فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو

مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ

فحص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر

يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ

ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر

بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۶﴾

اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے ☆

مسلمان ہو گئے تو مشرکوں نے کہا آج ہماری قوم (کی طاقت) آدھی ہو گئی۔ اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت کی ہے یا مدنی

یہ تمام احادیث بتا رہی ہیں کہ یہ آیت کی ہے مگر کلام کی رفتار کا تقاضا ہے کہ اس کو مدنی کہا جائے کیونکہ یہ سورت بدر کے بعد نازل ہوئی (تو یہ آیت بھی بدر کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہوگی) (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى

اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو

الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ

لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں

مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا

سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۷﴾

اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

مسلمان دس گنا بڑے دشمن پر غالب ہیں یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمان کہ لڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مؤمنین کو اپنے سے دس

بدر کے قیدیوں کا فیصلہ

بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے۔ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا، امتحان و آزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی۔ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ إِلَىٰ آخِرِ الْآيَةِ (الاحزاب رکوع ۴) یا معراج میں آپ کے سامنے خمر و لبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے، آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبریلؑ نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ بہر حال آپ نے صحابہؓ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجہ شہادت ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحمہ لی اور شفقت وصلہ رحمی کی بناء پر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہؓ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بناء پر جو ابو بکرؓ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ (کما یظہر من قولہ تعالیٰ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا صرح بہ الحافظ ابن حجر وابن القیم رحمہ اللہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سرٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم

دو گنی طاقت کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے

بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ گزشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ الَّذِينَ خَفَعَتِ اللَّهُ الْخَيْبَةَ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا تھا۔ اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی نئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گئے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلاوت معلوم تھی۔ کچھ مدت کے بعد ان میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جوئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ”توکل علی اللہ“ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دو گنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔ ”غزوہ موتہ“ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بجز اللہ بھری پڑی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ

نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو

حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ

جب تک خوب خونریزی نہ کر لے ملک میں تم چاہتے ہو

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ط

اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵۷﴾

اور اللہ زور آور ہے حکمت والا ☆

نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو، وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔

فیصلہ:- الغرض بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا، کیونکہ کثرت رائے ادھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رافت و رحمت کی بناء پر اسی طرف مائل تھے اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہ ہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گزر رہا تھا، ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع تھا کہ تمہارے تعلقات قرابت اموال، جتنے اور طاقتیں، اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداء ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب و ہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہترے مواقع باقی رہتے تھے۔ ادھر ستر مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔

اس فیصلہ کی ناپسندیدگی

اس لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا، ”ما کان لنبی ان یکون له اسوی حتی یشخن فی الارض“ میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر ”تُریدُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا“ سے خطاب کیا گیا۔ یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مؤمن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کر سکتا ہے۔ بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحمدلی کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہؓ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ

رائے پیش کر رہے تھے۔ گویا صحابہؓ کے مشورہ میں کلا یا جزء مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے ”بغض فی اللہ“ میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد ”جہاد“ سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضا مند ہو جانا صحابہؓ جیسے مقررین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اسے غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضورؐ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا، ”قتلوہ قتلہم اللہ“ الحدیث۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔ (تفسیر عثمانی)

بدر کے ایک قیدی حضرت عباس رضی اللہ عنہ

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے، ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ابن ابی شیبہ احمد، ترمذی، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابن المنذر ابن مردویہ ابو اشیح اور ابو نعیم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ ایک انصاری نے آپؓ کو گرفتار کیا تھا اور انصاریوں نے ان کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو یہ اطلاع ملی تو (آپؐ کو رات بھر نیند نہیں آئی اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے چچا عباس کے خیال سے آج رات نیند نہیں آئی۔ انصار کا خیال ہے کہ عباسؓ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ تو کیا میں انصار کے پاس جاؤں فرمایا ہاں! حضرت عمرؓ انصار کے پاس گئے اور ان سے کہا عباسؓ کو چھوڑ دو انصار نے کہا واللہ ہم نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ انصار نے کہا اگر رسول اللہؐ کی یہ رضا ہے تو ان کو لے لو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو لے لیا۔ جب عباسؓ قبضہ میں آگئے تو حضرت عمرؓ نے کہا عباسؓ ضلیمان ہو جاؤ۔ آپ کا اسلام لانا مجھے خطاب کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اور اس بات کی صرف یہ وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا مسلمان ہونا پسند ہے۔

ہو جاتے ہیں۔ ابوبکرؓ تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں میکائیل جو بارش لاتے ہیں اور انبیاء میں جیسے ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے کہا تھا فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں جبرائیل جو سختی مصیبت اور عذاب اللہ کے دشمنوں پر لاتا ہے اور انبیاء میں جیسے حضرت نوح جنہوں نے کہا تھا رَبِّ لَآذِرْ عَلَيَّ الْأَرْضِ مِنَ الْكُفْرَيْنِ دَيَّارًا اے رب زمین پر کافروں کے کسی تنفس کو نہ چھوڑ یا جیسے انبیاء میں حضرت موسیٰ تھے جنہوں نے کہا تھا رَبَّنَا اظْمِسْ عَلَيَّ أَمْوَالَهُمْ وَاشْدُدْ عَلَيَّ قُلُوبَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ اے اللہ ان کے مالوں کو یکسر برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں (اور معائنہ عذاب کے بعد ایمان قبول نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم دونوں متفق رائے ہوتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا، تم لوگ نادار ہو اس لئے ان میں سے کوئی بغیر فد یہ ادا کئے نہیں چھوٹ سکتا یا اس کی گردن ماری جائے گی۔

سہل بن بیضاء

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سہل بن بیضاء کو مستثنیٰ فرما دیجئے۔ میں نے اس کو اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے مجھے آسمان سے اپنے اوپر پتھر برسنے کا اندیشہ اس روز سے زیادہ کبھی نہیں ہوا (کہ میں نے ایک کافر کی سفارش کی) آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سہل بن بیضاء مستثنیٰ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے دوسرا دن ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ رو رہے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! رونے کی کیا وجہ ہے۔ بتائیے اگر میں بھی روسکا تو روؤنگا، ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونی شکل بنا لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن خطاب کی رائے کے خلاف کرنے سے ہم پر دردناک عذاب آنے والا ہی تھا اگر عذاب آجاتا تو ابن خطاب کے علاوہ عذاب سے کوئی بھی نہ بچتا۔

مختلف آراء: بخاری اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ انصاری اجازت لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے بھانجے عباسؓ کا زرفدیہ معاف کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں خدا کی قسم ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قیدی اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیئے ہیں۔ یہ سب تمہارے بھائی بند ہیں ان کے متعلق تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کے قبیلہ کنبہ کے لوگ ہیں اللہ نے ان پر آپ کو کامیابی اور نصرت عنایت کر دی ہے۔ یہ سب چچا زادے ہیں قبیلہ والے ہیں بھائی ہیں ان کو قتل نہ کیجئے۔ میری رائے ہے کہ ان سے زرفدیہ لے لیجئے ہم کو جو مال ان سے وصول ہوگا وہ کافروں کے مقابلہ کے لئے ہمارے لئے باعث قوت ہوگا اور امید ہے کہ آپ کے ذریعے سے اللہ ان کو ہدایت فرما دے گا اور یہ آپ کے بازو بن جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، وطن سے نکال باہر کیا اور آپ سے جنگ کی، میری رائے ابوبکرؓ کی رائے کے موافق نہیں۔ میری رائے ہے کہ فلاں شخص (حضرت عمرؓ کا ایک قریبی عزیز تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا) کو آپ میرے قابو میں دے دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کی محبت نہیں ہے۔ یہ قریش کے سرداران ہیں پیشوا ہیں لیڈر ہیں ان کی گردنیں مار دیجئے۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال

حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ وادی میں بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا کر ان کو جلا ڈالئے۔ حضرت عباسؓ عبد اللہ کی یہ بات سن رہے تھے بولے تم نے قرابت کا رشتہ کاٹ دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے۔ کچھ لوگ کہنے لگے حضرت ابوبکرؓ کی بات رسول اللہ قبول کر لیگے۔ کسی نے کہا حضرت عمرؓ کے مشورہ پر چلیں گے، اور بعض کا خیال ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی رائے اختیار کر لیگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کچھ لوگوں کے دل اللہ اتنے نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض کے دل اتنے سخت کر دیتا ہے کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت

ایک قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک عذاب جو تم لوگوں پر آنے والا تھا مجھے دکھایا گیا (مگر اللہ نے وہ عذاب ٹال دیا) اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَكُونَ لَكَ أَنْزَلِي ضحاک کی روایت میں آیا ہے جب بدر کے دن مشرک شکست کھا کر بھاگے تو لوگ لڑائی چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس سے حضرت عمرؓ کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں کفار پھر پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔

مسئلہ: علماء کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ امام المسلمین کو قیدیوں کو قتل کرنے کا اختیار ہے۔ یہ آیت اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو قتل کر دیا تھا اور نصر بن حارث طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتاری کے بعد قتل کر دیا تھا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا کون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ۔ عقبہ کو بقول ابن اسحاق ابن ابی اللاح نے قتل کیا تھا اور بقول ابن ہشام حضرت علیؓ بن ابی طالب نے۔

مسئلہ: قیدیوں کو غلام بنائے رکھنا بالاتفاق علماء جائز ہے۔ اس میں کافروں کے شرکاء دفعیہ اور مسلمانوں کی مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کوئی از خود قیدی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے وہ جو مناسب سمجھے کرے ہاں اگر کسی نے از خود (بغیر امام کی اجازت کے) قیدی کو قتل کر دیا تو اس کو قتل کا تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ: قیدیوں کو چھوڑ کر بلا معاوضہ دارالحرب میں بھیج دینا تاوان لے کر دارالحرب بھیج دینا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لینا یا ذمی بنا کر دارالاسلام میں آزادی کے ساتھ رکھنا یہ سب شقیں اما مناً بعد و اما فداء اکی ہیں۔ قوی ترین روایت یہ ہے کہ تبادلہ جائز ہے صاحبین کا بھی قول یہی ہے۔ رہا آزاد کر کے ذمی بنا لینا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل عراق اور باشندگان شام کو ذمی بنا کر رکھا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مفت یا مال لے کر یا قیدیوں سے تبادلہ کر کے ان کافروں کو دارالحرب بھیج دیا جائے گا تو کافروں کو قوت حاصل ہوگی اور لوٹ کر وہ دوبارہ ہم سے لڑینگے۔

مسلم نے صحیح میں ابوداؤد نے مسند میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت عمران بن حصین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کا ایک مشرک (قیدی) سے تبادلہ کیا۔

بنی فزارہ کی قیدی لڑکے کے بدلہ مسلمانوں کی آزادی مسلم اور احمد اور اصحاب السنن الاربعہ نے حضرت سلمہ بن اکوع کے حوالہ سے بیان کیا، حضرت سلمہؓ نے کہا رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارا امیر بنا کر جہاد پر بھیجا۔ ہم نے آپ کے زیر قیادت بنی فزارہ پر لشکر کشی کی۔ جب (بنی فزارہ کے) پانی پر پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابوبکرؓ کے حکم پر ہم نے پڑاؤ کیا۔ پھر آپ نے بنی فزارہ پر حملہ کر دیا اور ان کے پانی پر اتر گئے اور وہاں جس (فزاری) کو مارا جانا تھا مارا گیا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ جن میں عورتیں اور بچے تھے ایک بلندی کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ مجھ سے پہلے یہ پہاڑی پر پہنچ جائیں گے۔ (اور محفوظ ہو جائیں گے) اس لئے میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان حائل ہو کر ان پر تیر برسنا شروع کئے۔ جب انہوں نے تیر (برستے دیکھے تو رک گئے اور میں ان کو ہنکاتالے آیا۔ ان میں بنی فزارہ کی ایک عورت بھی تھی جس کے ساتھ عرب کی حسین ترین ایک لڑکی تھی۔ میں ان کو ہنکاتا ہوا حضرت ابوبکرؓ تک لے آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی پھر ہم مدینہ کو آگئے مگر (راستہ میں) میں نے اس لڑکی کا کپڑا تک نہیں کھولا۔ بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مجھ سے ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا سلمہؓ یہ عورت مجھے دے دے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو مجھے پسند ہے اور میں نے اب تک اس کا کپڑا بھی نہیں کھولا ہے۔ حضورؐ خاموش ہو گئے۔ دوسرا دن ہوا تو پھر بازار میں رسول اللہؐ سے ملاقات ہوئی اور حضورؐ نے فرمایا سلمہ اللہ تیرا بھلا کرے یہ عورت مجھے دے دے۔ میں نے جواب دیا یا رسول اللہ یہ آپ کے لئے ہے۔ میں نے اس کا کپڑا بھی نہیں کھولا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو مکہ بھیج دیا اور مکہ میں جو مسلمان قیدی تھے اس کے عوض ان قیدیوں کو رہا کر لیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار

ابن اسحاق اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کا زرفندیہ بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت رقت طاری ہو گئی اور صحابہؓ سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو چھوڑ دو اور جو چیز اس نے بھیجی ہے اس کو بھی

گیا۔ میں غمرہ کرنے جا رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں نے پکڑ لیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب ثمامہ مکہ پہنچے تو ایک شخص نے کہا کہ تم بے دین ہو گئے۔ ثمامہ نے کہا نہیں میں اسلام لے آیا آئندہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گیبوں کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا۔

حضرت عمر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کی فضیلت

امام احمد نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا اللہ نے ان پر تم کو قابو عطا فرمادیا ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی گردنیں مار دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (کے مشورہ) کی طرف توجہ نہ دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا مناسب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے درگزر فرمائیں اور فدیہ قبول کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ کے موافق) ان کو معاف کر دیا اور فدیہ قبول کر لیا اس پر اللہ نے آیت نازل فرمائی۔

لَوْلَا كَيْدُكَ فَمَنْ اللَّهُ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فَمَا آخَذْتُمْ عَذَابًا عَظِيمًا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جتنے لوگ وہاں حاضر تھے ان میں سے سوائے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی مال فدیہ کو ناپسند نہیں کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا تھا یا رسول اللہ! خوب خوں ریزی کرنی میرے نزدیک ان لوگوں کو باقی رکھنے سے اچھی ہے اسی لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ اگر آسمان سے عذاب آجاتا تو سوائے عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نہ بچتا۔

قیدیوں کے برابر مسلمانوں کی شہادت

ابن ابی شیبہ، ترمذی نسائی، ابن سعد، ابن جریر، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ حضرت جبریل نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم نے جو قیدیوں کا فدیہ لے لیا ان کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنی قوم کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیدو تو وہ آگے بڑھ کر ان قیدیوں کی گردنیں مار دیں یا ان کا

واپس کر دو۔ صحابہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حاکم کی صحیح روایت میں اتنا زیاد آیا ہے کہ ابوالعاص کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو بھیج دے اس نے وعدہ کے مطابق عمل کیا۔

مطعم بن عدی کی درخواست قبول ہوتی

صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان لوگوں کے متعلق مجھ سے درخواست کرتا تو اس کی وجہ سے میں ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دیتا۔

ثمامہ بن اثال کا مسلمان ہونا

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار یمامہ کی جانب روانہ کئے وہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ صحابہؓ نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرے پاس کیا ہے۔ ثمامہ نے جواب دیا بھلائی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو خونی قتل کرو گے اگر کرم کر کے چھوڑ دو گے تو شکر گزار پر کرم کرو گے اگر تم مال چاہتے ہو تو جتنا چاہو طلب کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یونہی چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ دوسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ کیا خیال ہے۔ ثمامہ نے گذشتہ جواب کی طرح جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر تشریف لے گئے تیسرا روز ہوا تو پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرا کیا خیال ہے ثمامہ نے جواب دیا میرا خیال وہی ہے جو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ چکا ہوں۔ فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ صحابہؓ نے کھول دیا۔ مسجد کے پاس ہی کچھ کھجور کے درخت تھے وہاں جا کر ثمامہ نے غسل کیا پھر مسجد میں آیا اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم روئے زمین پر کسی کی صورت سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے تھی مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔ خدا کی قسم کسی دین سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے تھی مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب مجھے تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر تمام شہروں سے زیادہ میرے لئے قابل نفرت تھا مگر اب تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہو

سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا کاش مجھے اس مال سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا کیونکہ اللہ نے مجھے اس مال سے بہتر عنایت کر دیا یعنی چالیس غلام عنایت کر دیئے جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں (میرا) مال ہے جس سے وہ کمائی کرتا ہے (اور وہ کمائی میری ہوتی ہے) اور مجھے اللہ سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ

اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے

فِي مَا آخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۸﴾

تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب

سزا رک جانے کی وجہ

یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا۔ مگر سزا ہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے۔ اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں (۱) مجتہد کی اس قسم کی اجتہادی خطا پر عذاب نہیں ہوگا (۲) جب تک خدا امر او نہی کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا (۳) اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے (۴) غلطی سے جو رو یہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی۔ ”فَاِمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً“ (۵) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں، عذاب نہ آئے گا (۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و فاسد تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تشبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطی پر آ سکتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش کیا گیا، گویا یہ قولی تشبیہ کو زیادہ موثر بنانے کی ایک صورت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ کر وقف گریہ و بکاء ہو گئے، حضرت عمر نے سبب پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے یعنی جس کا آنا ان پر ممکن تھا اگر موانع مذکورہ بالا نہ ہوتے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

فدیہ لے لیں لیکن فدیہ لینے کی شرط یہ ہے کہ قیدیوں کی گنتی کی برابر تمہاری قوم کے آدمی (آئندہ) مارے جائیں گے رسول اللہ نے لوگوں کو بلوا کر ان سے اس حکم کا ذکر کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیدی تو ہمارا خاندانی کنبہ ہیں ہمارے بھائی ہیں ہم ان سے فدیہ اس لئے لے رہے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم کو (اسلحہ وغیرہ کی) قوت حاصل ہو جائے اب اگر ان لوگوں کی گنتی کے برابر ہمارے آدمی شہید ہو جائیں تو ہم اس کو برا نہیں سمجھتے (چنانچہ آئندہ جنگ احد میں ستر صحابی شہید ہو گئے)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی بدر کے دن گرفتار کر لئے گئے تھے آپ ان دس میں سے ایک تھے جنہوں نے بدر والے کافروں کے کھانے کا ذمہ لیا تھا خاص بدر کے دن سب (قریش اور دوسرے کافروں کو کھانا کھلانے کی آپ کی باری تھی۔ آپ بیس اوقیہ سونا کھانا کھلانے کے لئے لے کر آئے تھے۔ جب بدر کے دن جنگ ہو گئی تو وہ سونا حضرت عباسؓ کے پاس رہ گیا اور جب گرفتار ہوئے تو وہ سونا بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ بیس اوقیہ میرے زر فدیہ میں محسوب کر لیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز تم (اسلام کے خلاف) کام میں لانے کے لئے لے کر نکلے ہو میں اس کو تمہارے لئے نہیں چھوڑوں گا (یعنی زر فدیہ میں شمار نہیں کرونگا) حضرت عباسؓ کو مجبور کیا گیا کہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کریں حضرت عباسؓ نے عرض کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے مجھے ایسا کر کے چھوڑا ہے کہ جب تک زندہ رہوں قریش کے سامنے بھیک مانگتا پھروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ سونا کیا ہوا جو مکہ سے چلتے وقت تم ام الفضل کو دے آئے تھے اور یہ کہہ آئے تھے معلوم نہیں مجھے کیا پیش آئے۔ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ سونا تمہارا اور عبد اللہ اور عبید اللہ اور فضل اور قثم کے لئے موجود ہے یعنی حضرت عباس کے چاروں بیٹوں کے لئے حضرت عباسؓ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے رب نے بتایا۔ حضرت عباسؓ فوراً بول اٹھے اشہد ان لا اله الا الله و اشہد انک عبده و رسوله۔ سوائے اللہ کے اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی، ابو نعیم اسحاق بن راہویہ۔

یہ پیش کرنا اسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت و دوزخ دیوار قبلہ میں متمثل کر دی گئی تھی۔ یعنی اس متوقع عذاب کا نظارہ کرانا تھا اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَ اتَّقُوا

سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستمرا اور ڈرتے رہو

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤١﴾

اللہ سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ☆

غنیمت کا مال حلال و پاکیزہ ہے

پچھلے عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں فدیہ ساری بھی شامل ہے، اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ۔ ہاں جہاد کے سلسلہ میں مال غنیمت وغیرہ کو محض نظر بنانا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہئے کہ مقاصد عالیہ اور مصالح کلیہ سے اغماض ہونے لگے۔ بیشک وقتی حالات و مصالح کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریق کار اختیار کیا۔ مگر نفس مال میں کوئی بحث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرمادے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَأْتِيهَا النَّبِيُّ قُلُوبًا لِّمَن فِي أَيْدِيكُمْ

اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں

مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَٰعْلَمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ

ہیں قیدی اگر جانے لگا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ

خَيْرًا يُؤْتِيكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ

نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٢﴾

اور تم کو بخشنے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا

اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو وہ دغا کر چکے ہیں

اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَأَمَّا مَن مِّنْهُمْ وَاللَّهُ

اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے ان کو پکڑا دیا اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤٣﴾

سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

جو اخلاص سے ایمان لائے ان کو بہتر بدلہ ملے گا

بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرفدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا، اور پچھلی خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغا بازی کرنے کا ارادہ ہے تو پیشتر خدا سے جو دغا بازی کر چکے ہیں، یعنی فطری عہد الست کے خلاف کفر و شرک اختیار کیا یا بعض ”بنی ہاشم“ جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق ہوئے تھے۔ اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغا بازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”خدا کا وعدہ پورا ہوا، ان میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بیشمار دولت بخشی، جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔“ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو منہ مانگا مال دیا

بخاری اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کو مسجد میں پھیلا دو (یعنی یونہی بے قدری کے ساتھ ڈال دو) اتنے میں حضرت عباسؓ آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس میں سے (عنایت کیجئے) میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے لو۔ حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا کپڑا بھر لیا اور جب اٹھانے لگے تو اٹھانہ سکے۔ کہنے لگے کسی کو اٹھوانے کا حکم دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں حضرت عباسؓ نے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھوا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ حضرت عباسؓ نے (مجبوراً) کچھ حصہ نکال دیا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھ کر لے گئے اور جاتے میں کہنے لگے اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا میں وہی لے رہا ہوں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی مالی حرص معائنہ فرمائی اور جاتے میں جب نظر کے سامنے رہے برابر دیکھتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی رہا۔ (تفسیر مظہری)

ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح و جنگ میں ”دارالاسلام“ کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے، بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہئے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں تابقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی۔ نیز تواریخ باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا، اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اور چونکہ اس آیت کا شان نزول ایک خاص ہجرت ہے مکہ سے مدینہ کی طرف اور غیر مہاجر مسلمان وہی تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور کفار مکہ کے زحف میں تھے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا امداد طلب کرنا انہیں کفار مکہ کے مقابلہ میں ہو سکتا تھا۔ اور جب قرآن کریم نے مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کا حکم دے دیا تو بظاہر اس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں انکی امداد کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ قوم جس کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ التواء جنگ کا بھی ہو چکا ہو۔ حالانکہ اصول اسلام میں عدل و انصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر فرما دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے بھائی مسلمانوں کی امداد بھی معاہدہ کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسلمانوں کی قسمیں

مسلمانوں کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں ایک تو مہاجر جنہوں نے نام خدا پر وطن ترک کیا اپنے گھر بار مال تجارت کنبہ قبیلہ دوست احباب چھوڑے خدا کے دین پر قائم رہنے کے لئے نہ جان کو جان سمجھانہ مال کو مال۔ دوسرے انصار مدنی جنہوں نے ان مہاجروں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اپنے مالوں میں ان کا حصہ لگا دیا ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے لڑائی کی یہ سب آپس میں ایک ہی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھائی چارہ کر دیا، ایک انصاری ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی بندی قرابت داری سے بھی مقدم تھی، ایک دوسرے کا وارث بناتا تھا، آخر میں یہ منسوخ ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور

الَّذِينَ آوُوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ

جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے

أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ

رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور

يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مَنْ

گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ

شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ

کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں

فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ

دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد کرنی مگر مقابلہ میں

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا

ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۶﴾

کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے ☆

مجبور مسلمان قیدی اور دارالحرب کے مسلمان قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے، مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا حکم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کے اصحاب دو فرقے تھے ”مہاجرین“ اور ”انصار“۔ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا۔ آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے، ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف، بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخاۃ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا

اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ

وہی ہیں سچے مسلمان ان کے لئے

مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۷۱﴾

بخشش ہے اور روزی عزت کی ☆

اعلیٰ مسلمان۔ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔ (تفسیر عثمانی) مسند بزار میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو آپ نے ہجرت کو ہی پسند فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا

اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور

جَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا

لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں اور رشتہ دار

الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ

آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں ☆

یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام ”مہاجرین اولین“ کی برادری میں منسلک ہیں ہجرت کے تقدیم و تاخر کی وجہ سے صلح و جنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہو یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۲﴾

تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے ☆

وہی جانتا ہے کہ کس کا کس قدر حق ہونا چاہئے لہذا اس کے احکام سراسر علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٌ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي

ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا

الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿۷۳﴾

ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی ☆

کافر، کافر کا دوست ہے یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق و مددگار نہ ہونگے یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت و رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ پیا ہو جائے گا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان کی جان کافر کیلئے نہیں دی جاسکتی

مسئلہ: مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کچھ حربی کافر دار الحرب میں کسی کافر بستی پر حملہ کر دیں اور اس بستی کے باشندوں کو لوٹیں اور وہاں کافر بھی رہتے ہوں اور متامن مسلمان بھی۔ تو مسلمانوں کے لئے بستی والے کافروں کی مدد کرنی جائز نہیں، ہاں اگر اپنے جان و مال کا اندیشہ ہو تو حملہ کرنے والوں سے مقابلہ کرنا جائز ہے کیونکہ لڑائی میں مقابلہ کرنے کا معنی ہے اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جانا اور مسلمان کی جان صرف اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کی عزت کو قائم رکھنے کے لئے دی جاسکتی ہے۔

وطنی حربی کافروں کا مال

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حربی کافر مسلمانوں سے لوٹے ہوئے مال کے مالک بن جاتے ہیں اور بستی میں رہنے والے مسلمانوں نے ان سے معاہدہ کر لیا ہے کہ جس مال پر تم قابض ہو گے اس سے تعرض نہیں کریں گے اس لئے دارالاسلام سے لوٹے ہوئے مال کو چھڑانے کے لئے اپنے وطنی حربی کافروں سے جنگ جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ التَّوْبَةِ

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ صالحین سے دوستی رکھے گا۔ (ازتعبیر الرؤیاء)
سورۃ کا پس منظر

سورۃ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورہ براءۃ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں، فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورہ ”توبہ“ یا ”براءۃ“ کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے موخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و منسوق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو ”انفال“ کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ انفال تمام تر غزوۃ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا۔ کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلادیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ”انفال“ کے خاتمہ پر اِلَّا تَتَّعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔

”انفال“ کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالات و اخوة اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کیلئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (انفال۔ رکوع ۵) کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جرائم سے بالکل صاف کر دیا جائے، تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کیلئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اسکے

لئے میں نے دونوں کو یکجا کر دیا اور براءت کو سبع طوال میں درج کر دیا اور دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی سطر نہیں لکھی۔ رواہ البغوی بسندہ واحد و ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم والترمذی۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ لکھنے کی وجہ

بِسْمِ اللّٰهِ کے ترک کی وجہ ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ براءت کا نزول امان کا حکم اٹھالینے کیلئے ہوا اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان (کی تعلیم) ہے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے دریافت کیا براءت میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کیوں نہیں لکھی گئی، فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان ہے اور براءت تلوار لے کر اتری ہے۔ کذا اخرج ابوالشیخ وابن مردویہ۔ (تفسیر مظہری) جامع قرآن حضرت عثمان غنی نے اپنی خلافت کے عہد میں جب قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا تو سب سورتوں کے خلاف سورة توبہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ تھی اس لئے یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسری سورت کا جز ہو۔ اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسری سورت کا جز ہو تو وہ کون سی سورت ہو سکتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سورة انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو روایت ابن عباس یہ منقول ہے کہ سورة براءت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان ہے اور سورة براءت میں کفار کے امان اور عہد و پیمانہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سو یہ ایک نکتہ اور لطیفہ ہے جو اصلی سبب کے منافی نہیں۔

مستدرک حاکم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ تم نے براءت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰهِ امان کیلئے ہے اور اس سورت میں کافروں پر تلوار چلانے کا حکم ہے اس لئے بِسْمِ اللّٰهِ نہیں لکھی گئی تاکہ قہر الہی اور غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوں۔ (درمنثور)

مگر یہ وجہ دراصل ترک بِسْمِ اللّٰهِ کی علت نہیں بلکہ ترک بِسْمِ اللّٰهِ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

صحیح یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ اس سورة کے شروع میں اس لئے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ لیکر نازل نہیں ہوئے

قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورة براءت کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وساوس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ الغرض سورة انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورة توبہ (براءت) میں اس کی انتہا ہے۔ اسی لئے ”اول باخر نسبتہ دارد“ کے موافق ”براءت“ کو ”انفال“ کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورة براءت اور سورة نور

ابوعطیہ ہمدانی راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے لکھ کر بھیجا، سورة براءت (خود) سیکھو اور اپنی عورتوں کو سورة نور سکھاؤ۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورة براءت میں ترغیب جہاد ہے اور سورت نور میں پردہ کی تلقین ہے (اول مردوں کا فریضہ ہے اور دوسرا عورتوں کا) انفال و براءت کا ربط

حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورت انفال اور سورت براءت کو ہم جوڑ کہا جاتا تھا اسی لئے سبع طوال میں میں نے ان کو ایک جگہ لکھوایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا انفال مثانی میں سے ہے اور براءت مبین میں سے آپ حضرات نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور دونوں کے بیچ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور براءت کو سبع طوال میں درج کر دیا اس کی کیا وجہ؟ حضرت عثمان نے فرمایا، مختلف زمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا۔ جب کچھ نازل ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاتب کو بلوا کر حکم دیتے تھے، اس آیت کو فلاں سورة میں رکھو۔ سورة انفال مدینہ کے ابتدائی ایام میں (یعنی ہجرت کے فوراً بعد) نازل ہوئی اور سورة براءت سب سے آخری زمانہ میں اور دونوں کا بیان باہم ملتا جلتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں فرمائی کہ سورة براءت سورة انفال کا جزء ہے اس

پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعاد نہ تھا۔ ان کو اطلاع کر دی گئی۔ کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا۔ ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی چین و امن کے ساتھ مسلمانوں سے بے خوف ہو کر چار مہینے ملک میں گھومتے پھرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ تم اللہ کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتے۔ اللہ نے اگرچہ تم کو مہلت دے دی ہے مگر تم کو اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو اور اللہ کافروں کو ضرور ذلیل کرنے والا ہے دنیا میں قتل اور قید کی ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم کی خواری۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذْ أَنْزَلْنَا مِنَ اللَّهِ رِسْوَلَهُ إِلَىٰ

اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اس کے رسول کی

النَّاسِ يَوْمَ الْحَبَشَةِ الْأَكْبَرِ

لوگوں کو دن بڑے حج کے ☆

حج اکبر

حج اکبر اس لئے کہا کہ ”عمرہ“ حج اصغر ہے اور یوم الحج اکبر سے دسویں تاریخ ”عید الاضحیٰ“ کا دن یا نویں تاریخ ”عرفہ“ کا دن مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جدا کرنے کے لئے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی مگر سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لئے صحابہ نے اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادتی نہ کی۔ صحابہ کرام نے جس ترتیب سے قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم و کاست تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا۔ (ارتقان) (معارف کا دھلوئی)

تلاوت کا طریقہ

حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اوپر سے سورۃ انفال کی تلاوت کرتا آیا ہو اور سورۃ توبہ شروع کر رہا ہو وہ بسم اللہ نہ پڑھے۔ لیکن جو شخص اسی سورت کے شروع یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہیے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر شروع کرے بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورۃ توبہ کی تلاوت میں کسی حال بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط ہے اور اس پر دوسری غلطی یہ ہے کہ بجائے بسم اللہ کے یہ لوگ اس کے شروع میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ پڑھتے ہیں جس کا کوئی ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نہیں ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِسْوَلِهِ اِلَى الذّٰلِمِیْنَ

صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی ان مشرکوں

عَاهِدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۱۰ فَمِیْضُوْا فِی

کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا سو پھر لو

الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْا

اس ملک میں چار مہینے اور جان لو

اَنْكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَاَنْ

کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ

اللّٰهُ فَخْزِی الْکٰفِرِیْنَ ۝۱۱

اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ☆

۶ھ کے بعد کے حالات اور اعلان برأت

۶ ہجری میں بمقام ”حدیبیہ“ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا، تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پروا نہ کر کے خزاعہ

کیا۔ پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیگی۔ نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے (تظہیر جزیرۃ العرب کا) وہ پورا ہو کر رہیگا۔ کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بد عہدی کی سزا مل کر رہے گی۔ (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگر چہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا۔ تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تا کہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا
پھر انہوں نے کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں
عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَهُمُ إِلَيْهِمْ عَهْدُهُمْ
کسی کی سوان سے پورا کر دو ان کا عہد ان کے
إِلَىٰ مَدَّتْ يَدَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ①
دعدہ تک بیٹک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے ☆

معاہدہ پورا کرنے والے قبائل

یہ استثناء ان قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعاد ہی تھا پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بد عہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

۹ھ کا حج اور اعلان عام

شوال ۹ھ میں جب یہ سورت نازل ہوئی تو حج کے اجتماع میں لوگوں کو سنانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بھیجا۔ نسائی نے حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا، ہم بھی آپ کے ساتھ گئے

عمرہ کو چونکہ چھوٹا حج کہا جاتا ہے اس لیے حج کے ساتھ اکبر کی صفت ذکر کر دی تا کہ عمرہ کا احتمال نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس دن حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طواف زیارت کر کے محرم حلال ہو جاتا ہے۔ حج اکبر شریعت میں ہرج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا

حضرت علیؑ کے بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز و قریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبرؓ آپ کے خاندانی عزیز و قریب نہ تھے اس لئے آپ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبرؓ ہی نے پڑھائی صرف سورۃ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علیؑ نے پڑھ کر کافروں کو سنادیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیں کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائیگا یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے۔ (معارف القرآن)

إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۗ
کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے
وَأَسْأَلُكُمْ فَإِن تَبَّتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
اور اس کا رسول سوا کرتے توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے
وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلِمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ
اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ
مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ
تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری سناوے
كَفَرُوا بِعَذَابِ اللَّهِ ۗ
کافروں کو عذاب دروناک کی ☆

اعلان کن کے خلاف تھا

یہ اعلان غالباً ان قبائل کے حق میں تھا جنہوں نے میعاد ہی معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امارت حج سے معزول نہیں کیا تھا اور حضرت علی کو صرف ان آیات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال حضرت ابو بکر کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ کے بعد حضرت علی کو اپنی اہلی عیال پر سوار کر کے بھیجا تا کہ سورہ برأت کا ابتدائی حصہ اجتماع حج میں لوگوں کو سنا دیں اور یہ بھی اختیار دے دیا کہ مکہ اور منیٰ اور عرفات میں اعلان عام کر دیں کہ (آئندہ) ہر مشرک سے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ذمہ داری اٹھ گئی اور کوئی شخص برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے۔ حضرت ابو بکرؓ (حضرت علی کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر) لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میری بابت کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے فرمایا مناسب نہیں کہ اس (اعلان برأت) کو کوئی شخص بھی (لوگوں تک) پہنچائے سوائے اس شخص کے جو میرے گھر والوں میں سے ہو (کیونکہ دوسرے کے اعلان کا لوگوں کو یقین نہیں آئے گا) اور ابو بکرؓ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو (یعنی تمہاری خوشی کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے) کہ تم میرے ساتھ غار میں تھے اور (قیامت کے دن) میرے حوض پر میرے ساتھ ہو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! بلاشبہ میں اس پر راضی ہوں، اس کے بعد حضرت ابو بکر امیر حج ہو کر اور حضرت علی سورہ برأت کا اعلان کرنے کیلئے چل دیئے سات تاریخ ہوئی تو حضرت ابو بکر نے لوگوں کو خطاب کیا اور مناسک حج سمجھائے اور حج کرایا۔ عرب اس سال تک حج کے معاملہ میں اپنے جاہلی دستور کے پابند تھے۔ جب قربانی کا دن ہوا تو حضرت علی نے کھڑے ہو کر وہی اعلان کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور سورت برأت سب کو پڑھ کر سنائی۔

چار اہم اعلان

زید بن تیخ کا بیان ہے ہم نے حضرت علی سے دریافت کیا آپ کو کیا پیام دے کر بھیجا گیا تھا، فرمایا، چار باتوں (کا اعلان کرنے) کیلئے مجھے بھیجا گیا۔ نمبر ۱: آئندہ ننگا ہو کر کوئی شخص کعبہ کا طواف نہ کرے۔ نمبر ۲: جس کا رسول اللہ سے کوئی میعاد معاہدہ (صلح) ہو وہ اپنی مقررہ میعاد تک معاہدہ پر رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ نہ ہو اس کیلئے چار ماہ کی میعاد دی جانی ہے نمبر ۳: جنت میں سوائے مومن کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ نمبر ۴: اس سال کے بعد مومنوں کے ساتھ مشرکوں کا اجتماع نہ ہوگا۔ (یعنی مشرک حج نہ کر سکیں گے)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت

(مدینہ سے روانہ ہو کر) عرج میں پہنچے صبح کی نماز کے لئے الصلوٰۃ خیر من النوم کی ندا ہوئی حضرت ابو بکرؓ تیار ہو کر (نماز کی) تکبیر کہنا ہی چاہتے تھے کہ پیچھے سے اونٹ کی آواز سنائی دی آپ تکبیر کہنے سے رک گئے اور فرمایا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جدعاء کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حج کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور آپ تشریف لے آئے اگر ایسا ہے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کریں گے اتنے میں حضرت علی اونٹنی پر سوار تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دریافت کیا، کیا آپ امیر حج ہو کر آئے ہیں یا قاصد ہو کر، حضرت علی نے جواب دیا قاصد ہو کر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ مواقف حج میں لوگوں کو سورہ برأت پڑھ کر سنا دوں۔ غرض ہم مکہ پہنچے اور یوم ترویہ سے ایک دن پہلے (یعنی ذی الحجہ کو) حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے آداب حج بیان کئے۔ جب خطبہ سے فارغ ہو گئے تو حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور آخر تک سورہ برأت پڑھی پھر ہم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ نکل آئے۔ جب عرفہ کا دن ہوا تو پھر حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور آداب حج سکھائے اور جب آپ خطاب سے فارغ ہو گئے تو حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور سورہ برأت آخر تک پڑھ کر سنائی۔ پھر قربانی کا دن ہوا اور ہم چلے تو حضرت ابو بکرؓ نے پھر لوگوں کو خطاب کیا روانگی اور قربانی کے احکام اور دوسرے مناسک حج بتائے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پوری برأت کی سورت پڑھ کر سنائی پھر واپسی کا پہلا دن ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو خطاب کیا واپسی کی کیفیت اور پتھریاں مارنے کا طریقہ اور دوسرے آداب بیان کیے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر سورہ برأت پوری پڑھ کر سنائی۔

حمید بن عبد الرحمن نے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ حمید کی یہ بھی روایت ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر حکم دیا کہ وہ برأت کا اعلان کر دیں ابو ہریرہ نے کہا پھر علی نے ہمارے ساتھ منیٰ کے اجتماع میں قربانی کے دن اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریگا۔

نتیجہ: اس قصہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ

ابوبکرؓ نے مجھے دوسرے اعلان کرنے والوں کے ساتھ قربانی کے دن منیٰ میں یہ اعلان کرنے کیلئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی برہنہ آدمی کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا انْسَلَخْنَا الْاَشْهُرَ الْحَرَامَ فَاَقْتُلُوا
پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو
المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم
مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو
واحصروهم واقعدوا لهم كل
اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی
مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة
تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز
واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم ان
اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ پیشک
اللہ غفور رحيم ﴿٥﴾
اللہ ہے بخشنے والا مہربان ☆

حرمت والے مہینے

استثناء سے فارغ ہو کر پھر مشن منہ کا حکم بیان فرماتے ہیں یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہ رہا اور اس لئے علی الفور جنگ کی جاسکتی ہے تاہم ”شہر حرم“ کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہر حرم میں ابتداء قتال کرنا ممنوع ہوگا یا مصلحہ کہ تھوڑی سی بات کیلئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہر حال ماہ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کر لیں۔ اس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں۔ جو کچھ برتاؤ جنگ میں ہوتا ہے (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا گھات میں رہنا) وہ سب ہوگا، البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہوگا۔

زکوٰۃ نہ دینے والا اور نماز نہ پڑھنے والا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں۔ امام احمدؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ (امام احمدؒ کے نزدیک رذہ اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حداً و تعزیراً) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زد و کوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ یموت اویتوب (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہر حال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال سے آمادہ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کیلئے جنگ کی جائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے
فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ
تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اس کو
مَأْمِنًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾
اس کی امن کی جگہ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ☆

مشرک کو پناہ دینا

پہلے فرمایا تھا کہ اگر اپنی کفریات سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں تو مامون ہیں۔ ممکن تھا کہ کسی شخص کو اصول اسلام سے آگاہی نہ ہو وہ تحقیق و رفع شکوک کی غرض سے مسلمانوں کے پاس آنا چاہے، اس کی نسبت فرمادیا کہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر خدا کا کلام اور اسلام کے حقائق و دلائل سناؤ۔ اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل مت کرو، بلکہ کہیں ٹھکانے پر امن کی جگہ پہنچا دو، جہاں پہنچ کر وہ مامون و مطمئن ہو جائے، اس کے بعد وہ سب کافروں کے برابر ہے۔ یہ امن دینے کا حکم اس لئے ہے کہ اسلامی اصول و حقائق سے ان لوگوں کو آگاہی نہیں ہے۔ لہذا ان کے سامنے حق خوب طرح واضح کر دینا چاہیے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد برتتے تو ”تبیین الرشدمین الغی“ کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغ دار ہو۔ خدا کو وہ ہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بد عہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے۔ ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ ۗ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

بچ ڈالے انہوں نے اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کے راستہ سے برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں ☆

دنیا پرست گروہ

یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض و اہواء کی خاطر خدا کے احکام و آیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا۔ جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول و قرار پر کیا قائم رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَاذِمَّةً ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝

نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر ☆

یعنی کچھ تمہارے ہی ساتھ نہیں بلکہ مسلمان نام سے ان کو بیر ہے۔ کوئی مسلمان ہو، موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کیلئے سب تعلقات قرابت اور قول و قرار اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَاكُمْ فِي الدِّينِ ۗ

سوا کر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں ☆

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ

کیونکر ہووے مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے

عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مگر

الَّذِينَ عَاهَدُوا لَكُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے

الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا

پاس سو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے

لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۗ كَيْفَ

رہو بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے کیونکر رہے صلح

وَأِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ

اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا

إِلَّا وَاذِمَّةً ۗ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ

اور نہ عہد کا تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے

وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ ۗ وَكَثُرُوا فَيَسِقُونَ ۗ

اور ان کے دل نہیں مانتے اور اکثر ان میں بد عہد ہیں ☆

اعلان براءت کی حکمت

پچھلی آیات میں جو براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا، اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے۔ کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں۔ تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں۔ ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بد عہد ہیں اگر کوئی اکاد کا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغا بازی بد عہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو تم ابتدا کر کے نہ توڑو۔ جب

فرمایا یہ آیت ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداران قریش کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے عہد شکنی کی تھی، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا بلکہ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ائمة الکفر سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے پیشوایان کفر مراد ہیں اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ بلا تعین تمام ائمة الکفر اور بلا تخصیص تمام پیشوایان کفر اور ناقصین عہد سے جہاد و قتال واجب ہے دیکھو البحر المحيط نمبر صفحہ ۱۲ جلد ۵ (معارف کاندھلوی)

الْاٰتِقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكثُوْا اٰيْمَانَهُمْ وَا

کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور

هٰٓؤُلَاءِ اٰخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَّوْكُمْ

فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے

اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخَشَوْنَهُمْ فَاَلِهَ الْكُفْرَ

پہلے چھیڑ کر تم سے کیا ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہئے

اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو ☆

بد عہد قوم سے اسلام کی جنگ ہے

قریش نے قسمیں اور معاہدے توڑ دیئے تھے کیونکہ خلاف عہد خزاہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ہجرت سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کو وطن مقدس (مکہ معظمہ) سے نکلنے کی تجاویز سوچیں۔ اور وہ ہی نکلنے کا سبب بنے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنِيْ اَتَيْنُ الْاَيَةَ مَكَّةَ میں بے قصور مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے مظالم کی ابتداء کی۔ جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بچ نکلا تو ازراہ نخوت و رعوت بدر کے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی چھیڑ کرنے کیلئے گئے اور ”صلح حدیبیہ“ کے بعد بھی اپنی جانب سے عہد شکنی کی ابتداء کی کہ مسلمانوں کے حلیف خزاہ کے مقابلہ پر بنو بکر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور اسلحہ وغیرہ سے ان کی امداد کرتے رہے۔ آخر کار مسلمان ان سے لڑے اور مکہ معظمہ کو مشرکین کے قبضہ سے پاک کیا اَلْاٰتِقَاتِلُوْنَ قَوْمًا اِلٰخ سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو کوئی قوم اس طرح کے احوال رکھتی ہو، اس سے جنگ

یعنی اب بھی اگر کفر سے توبہ کر کے احکام دینیہ (نماز زکوٰۃ وغیرہ) پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کیلئے محفوظ و مامون ہو جائینگے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہونگے۔ جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔ جو کچھ بد عہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرآن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا، اس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں، مگر معتد اور دوست نہ بنائیں۔“ (تفسیر عثمانی)

وَنَفِصِلُ الْاٰيَةَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے

وَ اِنْ تَنَكَّرُوْا اٰيْمَانَكُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ

اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد

وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَجَاتِلُوْا اٰيَةَ الْكُفْرِ

اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے

اِنَّهُمْ لَا اٰيْمَانَ لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۹﴾

بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں ☆

کفر کے امام

یعنی اگر عہد و پیمانہ توڑ ڈالا (جیسے بنو بکر نے خلاف عہد خزاہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دین حق کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ ”اٰيَةَ الْكُفْرِ“ (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کجبر اور بیوقوف پیچھے ہولیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمانہ باقی نہیں رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پانہی شرارت و سرکشی سے باز آجائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اٰيَةَ الْكُفْرِ (کفر کے پیشوا) فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مقاتلہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر کے سردار اور پیشوا ہیں کفر کی سرداری نے ہی ان کو مستحق قتل بنا دیا ہے بعض کے نزدیک اٰيَةَ الْكُفْرِ سے مراد مشرکوں کے سردار اور لیڈر ہیں یعنی اہل مکہ۔ کیونکہ ان سے مقاتلہ کی اہمیت زیادہ تھی اور وہ ہی قتل کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت ابن عباس نے

کے ہاتھ سے سزا دلوائے۔ سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید و رحمت سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے ان کے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۱۵

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

یعنی ہر ایک کی حالت کو جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے مناسب احکام بھیجتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمْ يَاعْلَمِ

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا

اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلٍ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

انہوں نے سوائے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو

وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۶

بھیدی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو ☆

جہاد کی ایک اور حکمت

مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کر نیوالے توبہ بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی

کرنے میں مسلمانوں کو کسی وقت کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ان کی طاقت و جمعیت اور ساز و سامان کا خوف ہو تو مومنین کو سب سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہیے۔ خدا کا ڈر جب دل میں آجائے پھر سب ڈر نکل جاتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے اور اسکے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتْلُوْهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ بِاٰيٰتِكُمْ وَيُغْزٰهُمُ

لڑوان سے تاکہ عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کر

وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل

مُؤْمِنِيْنَ ۗ وَيَذْهَبْ غِيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ

مسلمان لوگوں کے اور نکالے ان کے دل کی جلن

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ

اور اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا ☆

جہاد فرض کرنے کی غرض

اس آیت میں مشروعیت ”جہاد کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا ہے قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعہ خاتمہ ہو جاتا تھا۔ فَكَلَّا اٰخِذْنَا بِذُنُوْبِهِمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّبِيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا عَلَيْهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيْظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ (عنکبوت رکوع ۴) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کیلئے عبرت ناک تھیں لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص و فادار بندوں

کو مسلمانوں کے راز اور اسرار پر مطلع کر دیا کرتے تھے، اس لئے اس آیت میں مخلص مسلمان کی دو علامتیں بتلا دی گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں

شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَٰئِكَ

اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ

حَبِطَتْ أَعْيَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰﴾

خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ

إِنَّا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ

وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَىٰ الزَّكَاةَ

آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ

وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ

اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ

يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱﴾

ہو دیں ہدایت والوں میں ☆

مساجد کی آبادی

پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جاسکتے بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں ان کی ثابت قدمی دیکھی جائیگی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں، اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہ) حقیقتاً ایسے ہی اولوالعزم مسلمان کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔

مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اس کی شان کے لائق ہو۔ ”ذکر اللہ“ کرنیوالے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات و خرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو ”مسجد حرام“ کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی خدمت گزاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان ہی کی نذر و نیاز کرتے، اور نہیں مانتے تھے۔ بہت سے لوگ ننگے بطواف کرتے

پر جب تک کسانہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں، جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا و رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق و اخلاص سے کیا یا نمود و دریاہ سے جیسا عمل ہوگا ادھر سے اسی کے موافق پھل ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ولبیحة کا معنی ہے اندرونی دوست، رازدار۔

امت محمدیہ کا مخلص گروہ

لما یعلم سے اس طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ میں مخلص مجاہدین کے پائے جانے کی امید رکھنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا۔ جو اللہ کے احکام کو قائم کرے گا کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی مخالفت کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (یعنی اللہ ان کا مددگار اور حامی ہوگا کسی مخالف کی مخالفت ان پر اثر انداز نہ ہوگی) وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے کہ اللہ کا حکم آجائے گا (قیامت برپا ہو جائیگی) یہ حدیث معاویہ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے حاکم نے بھی یہ حدیث حضرت عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے لیکن آخری الفاظ یہ ہیں کہ میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائیگی۔ (تفسیر مظہری)

مسلمانوں سے خطاب

سولہویں آیت میں ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم صرف کلمہ اسلام زبان سے کہہ لینے اور اسلام کا دعویٰ کر لینے پر آزاد چھوڑ دیئے جاؤ گے، جب تک اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر بھی ان سچے اور سچے مسلمانوں کو نہ دیکھ لیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں، اور جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار اور دوست نہیں بناتے۔

اسی آیت میں ان عام لوگوں کو خطاب ہے جو مسلمان سمجھے جاتے تھے اگرچہ ان میں سے بعض منافق بھی تھے اور بعض ضعیف الایمان اور مذہب تھے، ایسے ہی لوگوں کا یہ حال تھا کہ اپنے غیر مسلم دوستوں

تھے، ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ لے دے کر ان کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیل لگا دی یا حرم شریف میں چراغ جلا دیا۔ یا کعبہ پر غلاف چڑھایا، یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست و ریخت کی مرمت کرا دی، مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہ لا شریک لہ کی ذات منبع الکمالات نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ عمل نہیں ہے۔ (اسی کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال و حال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے۔ یہ کام صرف ان لوگوں کا ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لائے ہیں، جو ارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت و تطہیر کی خاطر جہاد کیلئے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل زبان ہاتھ پاؤں، مال و دولت، ہر چیز سے خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسند میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اسکے ایمان کی شہادت دو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اور حدیث میں ہے مسجدوں کے آباد کرنے والے اللہ والے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم پر سے ہٹالیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ عز و جل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کے آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب ہٹالیتا ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکری

کو پکڑ لے جاتا ہے پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو جماعت کو اور مسجدوں کو لازم پکڑے رہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی اپنے کافر ہونے پر شہادت یہ تھی کہ وہ بت پرستی کرتے تھے بیت حرام کے باہر دیواروں کے پاس انہوں نے کچھ بت نصب کر رکھے تھے جب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو ہر چکر میں بتوں کے سامنے سجدے کرتے تھے۔

مسجد بنانے کی فضیلت

محمود بن لبید کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان نے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے اس کو ناپسند کیا (کیونکہ مدینہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مسجد موجود تھی) اور اس ارادہ کو ترک کرنے کی خواہش کی حضرت عثمان نے فرمایا میں نے خود سنا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو اللہ کیلئے مسجد بنائے گا اللہ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو شخص اللہ کیلئے مسجد بنائے گا، اللہ جنت کے اندر اس سے بڑا مکان اس کیلئے بنائے گا۔

گمشدہ چیز کا اعلان

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص مسجد کے اندر کسی کو اپنی گم شدہ اونٹنی تلاش کرتے سنے تو کہے اللہ کرے تیری اونٹنی واپس نہ ملے کیونکہ مسجد میں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئی ہیں (رواہ مسلم) گھروں میں مسجد

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ گھروں کے اندر مسجد (نماز کی جگہ) بنالی جائے اور اس کو پاک و صاف اور خوشبودار رکھا جائے۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

شعر پڑھنا

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اشعار گا کر پڑھنے اور خرید و فروخت اور نماز سے پہلے وہاں گھیرا بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

عمل پر غور نہ کرو

ابونعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کسی پیغمبر کے پاس وحی

کے ہاں اس خوف سے مغلوب ہو کر کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں خلل ڈالنا یا ان کو ترک کر دینا یہ مومن کی شان نہیں، یہی اس جگہ مراد ہے۔

کافر کو متولی بنانا

حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں باقی رہا ظاہری درود یوار وغیرہ کی تعمیر سواس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)

کافر کا چندہ

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کیلئے مسلمانوں کو چندہ دیدے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو (درالحقار، شامی، مراغی)

ایمان کی نشانی

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لئے یا علم دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کیلئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید خدری نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما یعمرو مسجد اللہ من امن باللہ۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا ایک درجہ تیار فرمادیتے ہیں۔

اللہ کا مہمان

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا مہمان ہے، اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ (مظہری بحوالہ طبرانی، ابن جریر، بیہقی وغیرہ)

بھیجی کہ تمہاری امت میں جو میرے اطاعت گزار بندے ہیں ان سے کہدو کہ اپنے اعمال پر لگن نہ ہو جانا کیونکہ قیامت کے دن جب میں کسی بندے کی حساب فہمی کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اس کے اعمال موجب نجات نہ ہو سکیں گے) اور تمہاری امت میں جو میرے نافرمان ہیں ان سے کہدو کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (اور ناامید نہ ہو) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور پرواہ نہ کروں گا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

خرید و فروخت وغیرہ

مفسر القرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں، مثلاً خرید و فروخت دنیا کی باتیں، کسی گم شدہ چیز کی تلاش، یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال، یا فضول قسم کے اشعار، جھگڑا لڑائی اور شور و شغب وغیرہ (مظہری)

ایمان کیا چیز ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ آدمی دل سے اس کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس حدیث نے بتلادیا کہ رسول پر ایمان لانا اللہ پر ایمان لانے میں داخل اور شامل ہے۔ (مظہری بحوالہ صحیحین)

نہ ڈرنے کا مطلب

اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کو ترک نہ کرے ورنہ خوف کی چیزوں سے ڈرنا، اور دہشت کھانا تو تقاضائے عقل و فطرت ہے، درندے اور زہریلے جانوروں سے چور ڈاکو سے طبعی طور پر ڈرنا اس کے خلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھلائے تو وہ ڈر گئے، فَادْوَجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّؤْمِنِي اس لئے ایذاء اور نقصان پہنچانے والوں سے طبعی خوف نہ حکم قرآنی کے خلاف ہے نہ رسالت اور ولایت

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

کیا تم نے زکریا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام

الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر

وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ

اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے

اللَّهُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑩

نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ☆

ایمان باللہ اور غلبہ حق اعمال کی روح

مشرکین مکہ کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے نہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کسوۃ کعبہ یا تیل بتی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباسؓ نے بھی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی طرح کی بحث کی تھی، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے، کوئی کہتا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں، دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے (مثلاً جھاڑو دینا یا روشنی وغیرہ کرنا) تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ تم ”جمعہ“ کے وقت منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو، ذرا صبر کرو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیز دریافت کر لی جائیگی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا (افضل ہونا تو کجا؟) یہاں جہاد کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بدون پانی پلانا

یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے۔ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ (فاطر۔ رکوع ۳۷) اور اگر صرف مومنین کے اعمال کا باہمی موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کو بیان فرمانا ہے۔ ایمان کے ذکر سے تشبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشعے محض ہے۔ ان عزائم اعمال (جہاد ہجرت وغیرہ) کا تقوم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہ ہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے ہوں۔ ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت طلحہؓ کا مکالمہ

ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور طلحہؓ بن شیبہ کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں نے اپنے اپنے کارناموں کا فخر یہ اظہار کیا تھا۔ طلحہؓ نے کہا کہ میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں یہ میری ڈیوٹی اور میرا حق ہے حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں میں نے قبلہ کی طرف رخ کر کے چھ سال نمازیں پڑھی ہیں یعنی سب لوگوں سے پہلے اور میں مجاہد ہوں (راہ خدا میں میں نے جہاد کیے ہیں) اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

حضرت عباسؓ نے اپنی قید کے زمانے میں کہا تھا کہ تم اگر اسلام و جہاد میں تھے تو ہم بھی خانہ خدا کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بے کار ہے۔ صحابہؓ نے ان پر جب لے دے شروع کی تو حضرت عباسؓ نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ میں ہوئی تھی۔ مروی ہے کہ طلحہ بن شیبہ، عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے، طلحہ نے کہا میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں۔ میں اگر چاہوں وہاں رات

نے اسی کا پانی پیا پھر زمزم (کے چشمہ) پر تشریف لے گئے لوگ پانی پلا رہے تھے اور چشمہ کے اندر کام کر رہے تھے۔ فرمایا کام کیے جاؤ تم اچھے کام پر لگے ہو پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ (یعنی لوگوں کا ہجوم اتنا ٹوٹ پڑے گا اور مجھے دیکھ کر اتنے لوگ اندر اترنے کی کوشش کریں گے کہ تم بے بس ہو جاؤ گے) تو میں بھی اندر اتر کر (مشک یا ڈول کی) رسی اپنے اس مقام پر رکھ لیتا (حضور نے اپنے کاندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لفظ فرمایا تھا)

مسلم کا بیان ہے کہ بکر بن عبد اللہ مازنی نے کہا میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کیا وجہ کہ تمہارے چچا کے بیٹے تو شہد اور دودھ پلاتے ہیں اور تم لوگ نبیذ پلاتے ہو کیا یہ بات تمہارے افلاس کی وجہ سے ہے یا بخل کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا الحمد للہ ہم محتاج نہیں نہ ہمارے اندر کنجوسی ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر (زمزم پر) تشریف لائے تھے پیچھے اسامہ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم لوگوں نے خوب کیا تم نے ٹھیک کیا یونہی کیے جاؤ اب ہم نہیں چاہتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدل ڈالیں۔ (تفسیر مظہری)

سب سے افضل عمل

مسند احمد اور ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل بتلاؤں جو تمہارے تمام اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہو، اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور سونے چاندی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی افضل ہو، اور اس سے بھی افضل ہو کہ تم جہاد میں دشمن سے سخت مقابلہ کرو جس میں تم ان کو قتل کرو وہ تمہیں قتل کریں، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ عمل ضرور بتلائیے، آپ نے فرمایا کہ وہ عمل ذکر اللہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کی فضیلت جہاد سے بھی زیادہ ہے، اور عمارت مسجد جب بمعنی ذکر اللہ لی جائے تو وہ بھی جہاد سے افضل ہے، مگر اس جگہ مشرکین کا فخر و غرور ظاہر ہے کہ ذکر اللہ اور عبادت کی بناء پر نہ تھا بلکہ ظاہری تعمیر اور انتظامات کی بناء پر تھا، اس لئے جہاد کو اس سے افضل قرار دیا گیا۔

گزار سکتا ہوں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں اگر چاہوں مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں۔ علیؓ نے کہا میں نہیں جانتا کہ تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو، میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافروں کا قول تھا کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کے پانی پلانے کی سعادت بہتر ہے ایمان و جہاد سے۔ ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں اس لئے ہم سے بہتر کوئی نہیں۔ اللہ نے ان کا فخر و غرور اور حق سے تکبر اور منہ پھیرنا بیان فرمایا کہ میری آیتوں کی تمہارے سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم اس سے بے پروا ہی سے منہ موڑ کر اپنی کتھامیں مشغول رہتے ہو، پس تمہارا گمان بے جا تمہارا غرور غلط تمہارا فخر نامناسب ہے۔ یوں بھی خدا کے ساتھ کا ایمان اور اس کی راہ کا جہاد بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلے میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ تمہاری تو کوئی نیکی بھی ہو اسے شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

سب سے افضل لوگ

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے پاس سب سے اونچے درجہ والے اور سب سے بدتر کون لوگ ہوں گے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی (اللہ کا ذکر بکثرت کرنے والے افضل ہیں) فرمایا اگر کوئی تلوار سے کافروں کو اتا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے یا خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہوگا رواہ احمد و الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

زمزم سے پانی پینے پلانے کا قصہ

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقایہ (پانی پینے پلانے کا مقام) کے پاس تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (اپنے بیٹے سے) کہا افضل اپنی ماں کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے پانی لے آؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اسی (سقایہ) کا پانی پلاؤ، حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں، فرمایا اسی سے پلاؤ۔ چنانچہ آپ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ
اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو
وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَبَوْا الْكُفْرَ
اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رہیں کفر کو
عَلَى الْإِيمَانِ ط وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ
ایمان سے اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۶﴾
سو وہی لوگ ہیں گنہگار ☆

رشتہ داری وغیرہ جہاد و ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے

پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم و افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش واقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے، ایک مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کام بھرے حتیٰ کہ یہ تعلقات اس کو جہاد و ہجرت سے مانع ہو جائیں، ایسا کرنے والے گنہگار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَ
تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور
إِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
بھائی اور عورتیں اور برادری
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا
جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
جو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
اس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ﴿۱۷﴾
اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ☆

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرًا
راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۸﴾
بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں خوشخبری دیتا ہے
وَيُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ
ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی
وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۱۹﴾ خَالِدِينَ
اور باغوں کی کہ جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ رہا کریں
فِيهَا أَبَدًا بِإِذْنِ اللَّهِ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۰﴾
ان میں مدام بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ☆

تین چیزوں پر تین بشارتیں

یعنی اس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد اور ہجرت۔ ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنت۔ ابو حیان نے لکھا ہے کہ ”رحمت“ ایمان پر مرتب ہے ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور ”رضوان“ (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ و تعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان و مال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔ باقی ”ہجرت“ وہ خدا کے لئے وطن مالوف اور گھریا چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہتا ہوگا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئیگی۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد چھوڑنے کی سزا

یعنی اگر خدا و رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائیگی اموال تلف ہوں گے، تجارت مندی پڑ جائے گی یا بند ہو جائیگی۔ آرام کے مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑیگا، تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو، جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آئیوالا ہے۔ جو لوگ مشرکین کی موالات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور ”جہاد“ چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دیگا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان کا کمال

کمال ایمان یہ ہے کہ آدمی کی طبیعت شریعت کے تابع ہو جائے تقاضائے طبیعت بھی وہی ہو جائے جو شریعت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خوشنودی کیلئے محبت کی اللہ کی خوشنودی کیلئے دشمنی کی اللہ کی خوشنودی کیلئے یا (اللہ کی خوشنودی کیلئے روکا (نہیں دیا) اس نے ایمان کامل کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن ہشام کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ حضرت عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم آپ مجھے سولے اپنی جان کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ میں کہتا ہوں ہاں جن لوگوں کو اللہ نے اپنی معرفت عطا کر دی ہے وہ وہی بات کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے کہی ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند

فرزند و عیال و خان و ما را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخش

دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

جس نے تجھے پہچان لیا وہ جان اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اس کو اپنا دیوانہ کر کے دونوں جہان بخش رہا ہے تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

رشتہ داروں سے تعلق کی حد

ماں باپ بھائی بہن اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایات سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے مگر اس آیت میں یہ بتلادیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں باپ اور اولاد کا ہو، یا حقیقی بھائی بہن کا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں، تو پھر رشتہ و تعلق اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی قائم رکھنا ہے اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرنا ہے۔

ہجرت چھوڑنے کی سزا

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس جگہ حکم سے مراد حکم عذاب ہے کہ دنیوی تعلقات پر اخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے آیت میں اس جگہ مقصود تو ترک ہجرت پر وعید ہے مگر ذکر بجائے ہجرت کے جہاد کا کیا گیا، جو ہجرت کے بعد کا اگلا قدم ہے، اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ ابھی تو صرف ہجرت اور ترک وطن ہی کا حکم ہوا ہے۔

ہجرت کی اہمیت

جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض کر دی گئی تو وہ صرف ایک فرض ہی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی علامت بھی تھی، جو باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرے وہ مسلمان نہ سمجھا جاتا تھا، یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا اور اصل حکم یہ باقی رہ گیا کہ جس زمین پر انسان کو اللہ کے احکام نماز روزہ وغیرہ کی تعمیل ممکن نہ ہو اس سے ہجرت کرنا ہمیشہ کیلئے فرض ہے بشرطیکہ ہجرت پر قدرت ہو۔

مال و اولاد کی محبت کا جادو

امام تفسیر قاضی بیضاوی وغیرہ نے فرمایا کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس آیت کی وعید سے مستثنیٰ ہوں کیونکہ عام طور پر بڑے سے بڑے عابد و زاہد اور عالم متقی بھی اہل و عیال اور مال و متاع کی محبت سے مغلوب نظر آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

محبت اختیاری وغیر اختیاری

مگر ساتھ ہی قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ محبت سے مراد اس جگہ

حضرت ابراہیم کا قول

یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو ہجرت کے بارے میں تردد تھا اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے تو اہل و عیال اور خویش واقارب اور یہ مکانات جن میں آرام سے بسر کرتے ہیں یہ سب چھوٹ جائیں گے۔ اور تجارت کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قول کو سامنے رکھو **فَاَنْهَمُوْهُ عَدُوْلِيْ الْاَلْبَتَّ الْعَلَمِيْنَ** یعنی اللہ رب العلمین کے سوا سب میرے دشمن ہیں۔ (معارف کا نہ حلوی) باپ بیٹے میں جنگ

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا، باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہوگئی آپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اس پر آیت لا تجرا لخصم نازل ہوئی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۝۱۰

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ۝۱۱
اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ ۝۱۲
پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ ۝۱۳
زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے
مُدْبِرِيْنَ ۝۱۴ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ ۝۱۵
تم پیٹھ دے کر پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ ۝۱۶
اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں
جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ ۝۱۷
فوجیں کہ جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا
كَفَرُوْا وَاُوْذِلِكْ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸
کافروں کو اور یہی سزا ہے مکروں کی ☆

اختیاری محبت ہے غیر اختیاری اور طبعی محبت مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت و اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اس لئے اگر کسی شخص کا دل ان دنیوی تعلقات کی طبعی محبت سے لبریز ہو مگر ان سے اتنا مغلوب نہ ہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی پروا نہ کرے، تو وہ بھی اس وعید سے خارج اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو غالب رکھنے والا ہے جیسے کوئی بیمار دوا کی تلخی یا آپریشن کی تکلیف سے طبعاً گھبراتا ہے مگر عقلاً اس کو اپنی نجات و سلامتی کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کرتا ہے، تو وہ کسی کے نزدیک قابل ملامت نہیں اور نہ کوئی عقل سلیم اس کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ طبعی اور غیر اختیاری گھبراہٹ اور کراہت کو بھی دل سے نکال دے، اسی طرح اگر کسی کو مال و اولاد وغیرہ کی محبت کے سبب بعض احکام الہیہ کی تعمیل میں غیر اختیاری طور پر تکلیف محسوس ہو، مگر اس کے باوجود وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے احکام الہیہ بجالائے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں، بلکہ قابل تحسین ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے مطابق غالب رکھنے والا کہلائے گا۔

محبت کا اعلیٰ مقام

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ محبت کا اعلیٰ مقام یہی ہے کہ محبت طبعیت پر بھی غالب آجائے اور محبوب کے حکم کی تعمیل کی لذت ہر تلخی و تکلیف کو بھی لذت بنا دے، جیسا دنیا کی فانی لذت و راحت کے طلبگاروں کو رات دن دیکھا جاتا ہے۔ کہ بڑی سے بڑی محنت و مشقت کو ہنس کھیل کر اختیار کر لیتے ہیں، کسی دفتر کی ملازمت میں مہینہ کے ختم پر ملنے والے چند سکوں کی محبت انسان کی نیند آرام اور سارے تعلقات پر ایسی غالب آجاتی ہے۔ کہ اس کے پیچھے ہزاروں مشقتوں کو بڑی کوششوں سفارشوں اور رشوتوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

بہن و راحت شد چو مطلب شد بزرگ گرد گلہ تو تیاے چشم گرگ اللہ والوں کو یہ مقام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نعمائے آخرت کی محبت میں ایسا ہی حاصل ہوتا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تکلیف تکلیف نظر نہیں آتی، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جاویں تو اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے وہ تین خصلتیں یہ ہیں، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک ان کے ماسوائے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو، دوسرے یہ کہ وہ کسی اللہ کے بندے سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت رکھے تیسرے یہ کہ کفر و شرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر محسوس ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

ہوگئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے زغہ میں تھے۔ ابوبکر، عمر، عباس، علی، عبد اللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو یا اسی صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار ہیں، عباس ایک رکاب اور ابوسفیان بن الحارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے۔ ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے، ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرنی بارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے۔ جدھر سے ہوازن و ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے۔ اور ادھر ہی آگے بڑھنے کیلئے خچر کو ہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لوگی ہے۔ اور زبان پر نہایت استغناء و اطمینان کے ساتھ انا النبی لا کذب انابن عبد الملطوب جاری ہے۔ یعنی بیشک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبد الملطوب کی اولاد ہوں۔ اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی الی عباد اللہ الی انارسول اللہ۔ خدا کے بندو! ادھر آؤ۔ یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباس نے (جو نہایت جہری الصوت تھے) اصحاب سمرہ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سوار یوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا۔ جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی۔ ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرنی طور پر مسلمانوں کی تقویت و ہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا۔ پھر کیا تھا۔ کفار کنکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے

پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومنین کو کنبہ برادری اموال و املاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہیے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت و کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پیشتر بھی بہت سے میدانوں میں تم کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ و نصیر اور حدیبیہ کا کرشمہ تھا۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب و غریب نشان آسمانی نصرت و امداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مجاہدین و انصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کیلئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے، آپ کے ہمراہ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جہاد میں نکلے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہو نیوالی نہیں۔ یہ جملہ مردان تو حید کی زبان سے نکلنا ”بارگاہ احدیت“ میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کو ساتھ لیکر ایک فیصلہ کن جنگ کیلئے پوری تیاری سے نکلے تھے اونٹ گھوڑے مواشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے۔ ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکٹھے گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ

چاروں طرف سے امداد آنی شروع ہو گئی اب ورید بن الصمہ آیا اور کہنے لگا یہ مجھے بچوں کے رونے کی آواز کیسی سنائی دے رہی ہے اونٹوں کا بلبلانا، گدھوں کا ڈونکنا بکریوں کا منمنانا اور گایوں کا چیخنا میں کیوں سن رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا مالک کے حکم سے لوگ اپنے اہل و عیال اور جانوروں کو ساتھ لیکر آئے ہیں ورید نے مالک سے کہا تم سب کو کیوں کھینچ کر لائے ہو مالک نے جواب دیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب ہر شخص کے ساتھ اس کے بیوی بچے اور جانور ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت و مدافعت کے لئے جم کر لڑے گا (بھاگنے کا ارادہ بھی نہیں کرے گا) ورید نے لوگوں سے کہا، یہ بھیڑوں کا چرواہا ہے اس کا جنگ سے کیا تعلق۔ پھر تعجب کے طور پر ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا بھاگنے والے کو کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاسکتی اگر جنگ کا پلڑہ تمہارے حق میں ہوتا ہے تو تم کو مردوں کی تلواریں اور نیزے ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں (بال بچے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے) اور اگر جنگ تمہارے خلاف پڑی تو بیوی بچوں کی گرفتاری اور مویشیوں کی اوٹ تم کو سوا کر دے گی لہذا ان تمام عورتوں بچوں اور جانوروں کو قوم کے بالائی مقامات اور محفوظ علاقوں میں پہنچا دو پھر گھوڑوں پر سوار اور پیدل سب مل کر لڑو اگر تم کو فتح حاصل ہوئی تو بیوی بچے اور جانور سب تم سے آکر مل جائیں گے اور اگر تم کو شکست ہوئی تو اہل و عیال اور مال کی تو حفاظت رہے گی، مالک نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے ورید کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور بولا اے گروہ ہوازن کعب اور کلاب کہاں ہیں لوگوں نے جواب دیا ان میں سے تو کوئی نہیں آیا ورید نے کہا طاقت اور بہادری تو غائب ہو گئی۔ اگر یہ دن غلبہ پانے اور برتری حاصل کرنے کا دن ہوتا تو وہ لوگ غیر حاضر نہ ہوتے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح کا امکان نہیں اسی لئے بنی کعب و بنی کلاب نہیں آئے) اے گروہ ہوازن لوٹ چلو اور کعب و کلاب نے جیسا کیا ہے تم بھی ویسا ہی کرو۔ لوگوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ ورید نے کہا اچھا تم میں سے کون کون آیا ہے قوم نے جواب دیا عامر کے دونوں بیٹے عمر و اور عوف۔ ورید نے کہا یہ دونوں بنی عامر کے کمزور اشخاص ہیں فرار تو اختیار نہیں کریں گے لیکن ان کی موجودگی بھی فائدہ رساں نہیں ہے۔

مسلمانوں پر حملہ

مالک نے ورید سے پوچھا اس رائے کے علاوہ بھی کوئی رائے ہے جس

رہے جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ آنا فانا میں مطلع صاف ہو گیا۔ بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فسبحان من بیدہ ملکوت کل شیء اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ حنین

سرداروں کا مشورہ

اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ رمضان ۸ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو سرداران ہوازن کو خوف پیدا ہوا کہ اب مسلمان کہیں ان پر حملہ نہ کر دیں آپس میں کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بالکل فارغ ہو گئے ہیں ہم پر حملہ کرنے سے ان کیلئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اس لیے مناسب یہ ہے کہ ہم ہی ان پر حملہ کر دیں (تا کہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں) رائے یہ ہوئی کہ سب لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھر آنے سے پہلے تم ہی ان کی طرف چل دو، مشورہ طے ہو گیا۔

ابن ابی براء نے ان کو شریک ہونے سے منع کر دیا اور بولا مشرق سے مغرب تک جو کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غالب آ جائیں گے۔ (لہذا ان سے مقابلہ کرنا بیکار ہے) بنی جشم میں ایک (مشہور مدبر شاعر) سردار تھا جس کا نام تھا ورید بن الصمہ اس کی عمر ایک سو ساٹھ یا ایک سو بیس برس تھی قبیلہ والوں نے اس کی سوجھ بوجھ کی وجہ سے اس کو اپنا کمانڈر بنانا چاہا ورید بولا مجھے آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا نہ سواری پر جم کر ٹھیک طرح سے بیٹھ سکتا ہوں پھر بھی تم کو مشورہ دینے کیلئے میں تمہارے ساتھ چلوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تم میری مخالفت نہ کرنا۔ اگر میرے مشورہ کے خلاف کرو گے تو میں نہیں جاؤں گا اس وقت مالک بن عوف تیس سالہ جوان ہوازن کا سردار تھا۔ اس نے جواب دیا ہم آپ کے مشورہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ غرض جب مسلمانوں پر چڑھائی کا پختہ ارادہ ہو گیا تو مالک کے حکم کے موافق سب لوگ عورتوں سمیت نکل کھڑے ہوئے اور اپنا مال بھی ساتھ لے لیا۔ مالک نے اوٹاس میں لشکر گاہ بنائی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی دونوں بیبیاں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بھی تھیں جن کے لئے خیمہ لگا دیا گیا تھا۔ ابن اسحاق نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت حارث بن مالک نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کو روانہ ہوئے۔ دور جاہلیت سے نکلے ہوئے ہم کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ قریش اور دوسرے کافروں کو ایک درخت سے عقیدت تھی۔ (تفسیر مظہری)

ایک سوار کی اطلاع

حضرت سہیل بن حنظلہ کی روایت ہے کہ ایک سوار نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فلاں فلاں پہاڑیوں پر چڑھ کر دیکھا تو نظر آیا کہ تمام ہوازن مع عورتوں اور اونٹوں اور بکریوں کے ایک جا اکٹھے ہو گئے ہیں یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔ پھر فرمایا آج رات ہمارا چوکیدارہ کون کرے گا۔ حضرت انس بن مالک ابی مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نگرانی کروں گا فرمایا تو سوار ہو کر اس گھائی کے سامنے سے جاؤ اور اوپر پہنچ جاؤ (وہاں سے نگرانی کرو)۔ اور جو لوگ تمہارے سامنے ہیں ان سے غافل نہ رہنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ چکے تو حضرت انس آگئے اور عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گیا تھا اور گھائی کے اوپر (رات کو) رہا تھا جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھائیوں کی طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شخص وہاں دکھائی نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تمہارے لئے واجب کر دی گئی اس کے بعد اگر تم کوئی عمل بھی نہیں کرو گے تب بھی تمہارے لئے کوئی حرج نہ ہوگا (یعنی اس نیکی نے تم کو جنت کا مستحق بنا دیا اور آئندہ نیکیوں سے بے نیاز کر دیا) رواہ ابوداؤد والنسائی۔

حضرت عبداللہ کی جاسوسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حدرود کو ہوازن کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔ عبداللہ بن حدرود جا کر ان کے اندر گھس گئے اور ایک دو روز (حالات کی جستجو میں) وہیں رہے وہاں انہوں نے مالک کو اپنے ساتھیوں سے یہ الفاظ کہتے سنا کہ اس بار سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی (لڑنے والی) قوم سے لڑنے کا واسطہ نہیں پڑا نا تجربہ کار لوگوں سے ان کا مقابلہ ہوتا رہا جو لڑائی سے واقف ہی نہیں تھے اس لئے ان پر غالب آتے رہے صبح کو تم لوگ اپنے جانوروں عورتوں

پر چلنے کا میں قوم کو حکم دوں، اور یہ نے کہا ہاں اپنی فوج کے کچھ آدمی کمین گاہ میں چھپا دو جو تمہاری مدد کے لئے تیار رہیں۔ اگر دشمن تم پر حملہ آور ہوں گے تو یہ تمہاری چھپی ہوئی کمک دشمنوں کے پیچھے سے ان پر حملہ کرے گی اور تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے مقابلہ کرو گے اور اگر تم حملہ کرو گے تو ان میں سے کوئی بچ کر نہ جائے گا۔ مالک نے ایسا ہی کیا۔ کچھ لوگوں کو پہاڑی گھاٹیوں اور وادی کے غاروں میں چھپا دیا اور مسلمانوں پر حملہ کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ساتھی بھاگ پڑے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہوازن کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا اور عتاب بن اسید کو جن کی عمر بیس سال تھی اپنی جگہ مکہ میں حاکم بنایا اور معاذ بن جبل کو مسائل اسلام سکھانے کیلئے معلم مقرر کیا بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کو جانے کا ارادہ کر لیا تو فرمایا کل ان شاء اللہ ہمارا پڑاؤ خیف بنی کنانہ پر ہوگا جہاں کافروں نے کفر پر قائم رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں اور ہتھیار مستعار مانگے۔ صفوان نے کہا محمد کیا زرہیں اور ہتھیار مجھ سے چھیننا چاہتے ہو یا بطور عاریت مانگتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محض عاریت کے طور پر اور وہ بھی ضمان ادا کرنے کے وعدہ پر (یعنی جو ہتھیار تلف ہوگا اس کا معاوضہ دیا جائے گا) صفوان نے سوز رہیں اور ان کے لائق ضروری اسلحہ دیدیئے، ابن اسحاق نے حضرت جابر کی روایت سے اور ابوداؤد و احمد نے امیہ بن صفوان کے حوالہ سے یونہی نقل کیا ہے۔ سہیلی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار برچھے بطور عاریت لیے تھے اور فرمایا تھا میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ برچھے دشمنوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔

روائی:۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے، عروہ اور زہری کا بیان کہ جب رسول اللہ مکہ میں تشریف لائے تھے تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار اشخاص تھے پھر دو ہزار (مکہ کے) آزاد کردہ (یعنی مکہ کے باشندے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جاؤ تم آزاد ہو) بڑھائے گئے اس طرح چودہ ہزار ہو گئے۔

نے ان لوگوں کو بند کر دیا اس کو اندیشہ ہوا کہ ان کا یہ خوف کہیں لشکر میں نہ پھیل جائے۔ پھر لوگوں سے کہا مجھے ایک جیالا آدمی بتاؤ (جو بیباکی کے ساتھ صحیح اطلاعات فراہم کرے) سب نے ایک شخص کا انتخاب کر دیا وہ شخص (جاسوسی کرنے کیلئے گیا۔ جب واپس آیا تو اس کی بھی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے والے تینوں آدمیوں کی تھی اور اس نے بھی وہی بات کہی جو پہلے آدمیوں نے کہی تھی۔

فوجوں کی صف بندی

محمد بن عمر کا بیان ہے دو تہائی رات گزرنے کے بعد مالک نے وادی حنین میں اپنے ساتھیوں کی ترتیب اور صف بندی کی یہ وادی بڑی خوفناک تھی۔ اس میں بکثرت گھاٹیاں اور تنگ راستے تھے۔ مالک نے اپنے آدمیوں کو ان گھاٹیوں اور تنگ راہوں میں پھیلا دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ سب یکدم حملہ کر دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور صبح کو ان کی صف بندی کی جھنڈے اور پھریرے قائم کیے اور بنفس نفیس دوزر ہیں خود اور بکتر سے آراستہ ہوئے اور لشکر کی صفوں کے سامنے جا کر معائنہ کیا اور گھوم پھر کر بعض کو بعض کے آگے پیچھے کیا پھر سب کو جنگ پر آمادہ کیا اور فتح کی خوش خبری دی بشرطیکہ لوگ سچے دل سے ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہیں۔ خالد بن ولید کو بنی سلیم کی قیادت سپرد کی، خالد کو اور اہل مکہ کو آگے بڑھایا لشکر کے تین حصے کے مہینہ، میسرہ اور قلب (دایاں بازو دایاں بازو اور وسط) قلب میں خود رہے۔

تعداد کی کثرت

بزار کی روایت میں آیا ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم مغلوب نہ ہوں گے اور جو نبی مقابلہ ہوگا دشمن شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یونس بن بکر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا یہ قول اور کثرت تعداد پر غرور ناپسند ہوا۔ ابن المنذر نے حسن کا بھی یہی قول نقل کیا ہے أَعْجَبْتُ كَثْرَتُكُمْ سے یہی مراد ہے (یعنی مکہ اور مدینہ والوں کا دل کراپنی کثرت پر اترانا اور خوش ہونا)

دشمن کا حملہ

ابن اسحاق امام احمد اور ابن حبان نے حضرت جابر کی روایت سے اور ابو یعلیٰ (محمد بن عمر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت جابر نے فرمایا جب وادی حنین ہمارے سامنے آئی تو ہم خوفناک وادی سے

اور بچوں کو اپنے پیچھے قطار در قطار جمع کر دینا پھر اپنی طرف سے حملہ کا آغاز کرنا اور تلواروں کی نپا میں توڑ ڈالنا بیس ہزار برہنہ تلواریں لے کر ایک دم ایک ساتھ ایک شخص کی طرح حملہ کر دینا خوب سمجھ لو کہ جو پہل کرے گا غلبہ اسی کو حاصل ہوگا۔

اللہ حفاظت کرنے والا ہے

راوی کا بیان ہے کہ ہم اوٹاس میں ایک بڑے درخت کے نیچے اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی درخت کے نیچے فروکش ہوئے وہاں ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرا آدمی بھی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آگیا اور میری ہی تلوار سونت کر میرے سر ہانے کھڑا ہو گیا۔ میں بیدار ہو گیا اس نے مجھ سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ یہ سن کر میں نے اپنی تلوار نیام سے سونت لی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں واللہ یہ دشمن کے جاسوسوں میں سے ہے فرمایا ابو بردہ خاموش رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کچھ نہیں فرمایا نہ اس کو کوئی سزا دی اور مجھ سے فرمایا ابو بردہ اللہ میری حفاظت کرنے والا، اور بچانے والا ہے (اس وقت تک وہ میری حفاظت رکھے گا) کہ اس کا دین تمام مذاہب پر غالب ہو جائے۔

کافروں کے تین جاسوس

ابو نعیم اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ اشوال منگل کی شام کو حنین پہنچے۔ مالک بن عوف نے ہوازن کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے احوال کی جستجو کیلئے تین آدمی بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر پھیل جائیں (اور ہر ایک دشمن کے احوال کی جستجو کرے) جب یہ جاسوس مسلمانوں کے لشکر سے واپس آئے تو ہر ایک کا جوڑ جوڑ (بند بند) الگ الگ ہو رہا تھا (یعنی سب بے سکت خوف زدہ ہو رہے تھے) مالک نے پوچھا ارے تمہاری یہ کیا حالت ہے جاسوس بولے ہم کو کچھ گورے گورے آدمی اہل بلیق گھوڑوں پر سوار دکھائی دیئے ان کو دیکھتے ہی ہم بے سکت ہو گئے اور وہ حالت ہو گئی جو تم دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم ہماری جنگ زمین کے باشندوں سے نہیں ہوگی آسمان والوں سے ہم کو لڑنا ہوگا۔ مالک نے کہا تف ہے تم تمام اہل لشکر سے زیادہ بزدل ہو مالک

زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے اور مکہ کو فتح کر کے حنین کے جہاد کو گئے تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی قریش کے ساتھ ہوازن کی طرف چل دینا چاہیے تاکہ ہوازن سے جب مسلمانوں کی (گھسان کی جنگ ہو اور) گتھم گتھا ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غفلت کا موقع پا کر میں ان پر حملہ کر دوں مجھے اپنے باپ کی جس کو حزمہ نے قتل کیا تھا یاد آئی اور میں نے کہا آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا اور تمام قریش کا انتقام لے لوں گا اور اگر سارا عرب و عجم بھی محمد کے پیچھے ہو جائے تب بھی میں ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ چنانچہ روانگی کے وقت سے میں تاک میں لگا رہا اور برابر میرا حوصلہ بڑھتا ہی جاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے تو میں (حملہ کا موقع تلاش کرنے کیلئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف گیا میں نے دیکھا ادھر عباس چمکیلی زرہ پہنے کھڑے ہیں، میں نے خیال کیا یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں یہ ضرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے پھر میں بائیں طرف سے گیا ادھر ابوسفیان بن خارث موجود تھے میں نے کہا یہ چچا کے بیٹے ہیں یہ بھی ان کو ہرگز بے مدد نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میں پیچھے سے گیا اور تلوار سے حملہ کرنے ہی والا تھا کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی کہ میں نے دیکھا میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بجلی کی طرح آگ کے شعلے چمک رہے ہیں مجھے ڈر لگا کہ کہیں مجھ پر نہ آ پڑیں اور اپنی نظر جاتے رہنے کے خوف سے میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور پچھلے قدم لوٹ پڑا اور سمجھ گیا کہ (اللہ کی طرف سے) ان کی حفاظت کی جا رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف رخ پھیرا اور فرمایا شبیبہ میرے قریب آ جاؤ میں قریب پہنچ گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر کہا اے اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے میں نے فوراً اپنا سراو پراٹھایا تو آپ کی صورت مجھے اپنے کانوں آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ پیاری دکھائی دینے لگی پھر فرمایا شبیبہ کافروں سے لڑو میں فوراً آپ کے آگے بڑھ گیا اور خدا کی قسم میری یہ خواہش ہو گئی کہ آپ کو ہر دکھ درد سے بچانے کیلئے اپنی جان قربان کر دوں جب ہوازن کو شکست ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑاؤ پر واپس تشریف لے آئے تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے تم کو خیر پہنچانی چاہی (یعنی تم کو پختہ ایمان عطا کر دیا) پھر آپ نے وہ بات بیان فرمادی جس کا میں نے ارادہ کیا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر مظہری)

نشیب کی طرف گئے وادی میں مختلف راستے تک مقامات اور گھاٹیاں تھیں دشمن کے آدمی ہم سے پہلے وادی میں گھاٹیوں، مخفی مقامات اور تنگ جگہوں میں چھپ گئے تھے اور حملہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے ہم نیچے کو اتر ہی رہے تھے اور کوئی شبیبہ بھی نہ تھا کہ یکدم فوجی دستوں نے ایک آدمی کی طرح یکدم ہم پر حملہ کر دیا۔ یہ تیر انداز تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا ہوازن کی طرف سے جو چیز ہمارے سامنے آئی ایسی تو خدا کی قسم میں نے اس زمانہ میں کبھی دیکھی ہی نہ تھی، دشمن کی کثرت تھی وہ لوگ عورتوں بچوں اور جانوروں کو بھی لے کر آئے تھے، انہوں نے صف بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر کے مردوں کی قطاروں کے پیچھے کر دیا تھا، پھر اونٹوں، گایوں اور بکریوں کو ان کے پیچھے جمع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ نہیں بھاگیں گے دور سے کچھ کالی کالی شبابت نظر آئی ہم سمجھے وہ آدمی ہیں جب ہم وادی سے نشیب میں اترے صبح تڑکے کا وقت تھا ہماری غفلت کی حالت میں کچھ دستے وادی کے تنگ راستوں اور گھاٹیوں سے نکل کر ایک شخص کی طرح یکدم ہم پر حملہ آور ہو گئے جس کی وجہ سے بنی سلیم کے اگلے سوار تتر بتر ہو کر بھاگ پڑے اور ان کے پیچھے اہل مکہ بھی چلے اور ان کے پیچھے دوسرے لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور غبار اتا اٹھا کہ ہم میں سے کسی کو اپنا ہاتھ بھی نہیں سوجھتا تھا۔ حضرت جابر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قلب سے) دائیں جانب سمٹ گئے پھر فرمایا لوگو! میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری

ابن اسحاق کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت براء نے فرمایا، جب گھسان کارن پڑتا تھا تو ہم حضور کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرتے تھے (یعنی رسول اللہ کے پیچھے آ جاتے تھے) ہم میں بڑا بہادر آدمی وہ ہوتا تھا جو رسول اللہ کے برابر کھڑا ہوتا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آگے ہوتے اسی طرح وہ بھی حضور کے برابر کھڑا ہوتا۔ اور آگے کی صف میں بغیر آڑ لیے کھڑا رہتا)

عبدالمالک کا مسلمان ہونا

ابن سعد و ابن عساکر نے عبدالمالک بن عبید اللہ کی روایت سے اور طبرانی بیہقی ابن عساکر اور ابو نعیم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ شبیبہ بن عثمان نے کہا کہ فتح کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نصر بن حارث کا مسلمان ہونا

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت نصر بن حارث نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو عزت اسلام دے کر سرفراز فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ہم پر احسان کیا اور ہم اسی (شرک) پر نہیں مرے جس پر ہمارے باپ دادا مر گئے۔ راوی نے یہ طویل حدیث ذکر کی جس کے آخر میں ہے کہ حضرت نصر نے فرمایا۔ میں قریش کے کچھ اشخاص کے ساتھ جو اس وقت تک اپنے مذہب پر قائم تھے نکلا۔ ان اشخاص میں ابوسفیان بن حرب سفیان بن امیہ اور سہیل بن عمرو تھے ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست ہوئی تو ان کو لوٹنے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں گے ہم مشرکوں کے (دائرہ کے اندر تھے ان کے) یہی خواہ تھے۔ جب دونوں گروہوں کا آمناسا منا ہوا تو ہوازن نے یکبارگی حملہ کر دیا ہمارا خیال ہو گیا کہ مسلمان اس حملہ کو نہ سہ سکیں گے ہم مسلمانوں کی فوج میں تھے اور میرا ارادہ محمد کے متعلق وہی تھا جس کا میں قصد کر چکا تھا میں ارادہ کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ میں نے دیکھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار مشرکوں کے سامنے کھڑے ہیں اور گورے گورے چہروں والے لوگوں نے ان کو جھرمٹ میں لے لیا ہے میں اپنے ارادہ کے ساتھ محمد کی طرف بڑھا تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا ادھر ہی رہنا ادھر نہ بڑھنا چیخ سن کر میرا دل لرز گیا اور اعضا میں کپکپی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا یہ بات تو بدر کے دن کی طرح ہوئی بیشک یہ شخص حق پر ہے اور اس کی (غیب سے) حفاظت کی جاتی ہے۔ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا اور میرے سابق ارادہ کو بدل دیا۔ (الحدیث بطولہ)

مکہ میں غلط خبر پہنچنا

محمد بن عمر نے حضرت ابو قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ تیزی کے ساتھ بھاگنے والے لوگوں نے ۲۴ گھنٹے مسلسل چل کر مکہ پہنچ کر اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکست کھا جانے کی اطلاع دیدی۔ حضرت عتاب بن اسید اس وقت امیر مکہ تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل بھی تھے یہ خبر سن کر ان لوگوں کو سخت غم ہو گیا لیکن اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں کو اس خبر سے خوشی ہوئی اور انہوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ ایک شخص بولا اب عرب باپ دادا کے مذہب کی

طرف لوٹ آئیں گے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے اور ان کے ساتھی پراگندہ ہو گئے حضرت عتاب نے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو ہو گئے اللہ کا دین تو قائم ہے محمد جس کی عبادت کرتے تھے وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا دن یونہی گذرا جب شام ہوئی تو اطلاع آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کو شکست دیدی اس خبر کو سن کر حضرت عتاب اور حضرت معاذ خوش ہو گئے اور جو لوگ پہلی خبر سے خوش ہوئے تھے ان کو خدا نے ذلیل کر دیا۔ بھاگنے والے (مسلمان) پھر (سمٹ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ پڑے اور اوٹاس میں پہنچ کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے اور یہاں سے حضور نے طائف کی طرف کوچ کیا۔

بیہوشی نے حضرت حارثہ بن نعمان کا بیان نقل کیا ہے جب لوگ پیٹھ دے کر بھاگ گئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ جانے والوں کا اندازہ کیا میرے خیال میں وہ سوتھے۔ احمد طبرانی اور حاکم والی نعیم نے معتبر سند سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ حنین کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا لوگ پیٹھ دیکر بھاگ گئے۔ مہاجرین و انصار میں سے صرف اسی آدمی باقی رہ گئے ہم لوگ بھی تقریباً اسی قدم ایڑیاں موڑ کر (پیچھے) ہٹ گئے تھے مگر ہم نے کافروں کو پیٹھ نہیں دی تھی۔

ثابت قدم رہنے والے حضرات و خواتین

حضرت انس کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ ان میں سے ہر ایک نے دس سے زیادہ تلوار کے زخم کھائے تھے۔ یا پہنچائے تھے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابو عمر و کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو آدمی (بھی) باقی نہیں رہے تھے۔ سو کی نفی اور اسی کے اثبات میں کوئی تعارض نہیں (سونہ ہوں گے، سو سے کم ہوں گے) محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حنین کے دن جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھوڑ کر پھٹ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ بن نعمان سے فرمایا، حارثہ! کتنے لوگ اپنی جگہ قائم رہے۔ حضرت حارثہ کا بیان ہے میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھ کر عرض کیا سو ہونگے مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ کتنی میں سو ہی تھے یہ تو اس وقت معلوم ہوا جب ایک روز مسجد کے دروازہ کے پاس رسول اللہ کو جبرئیل سے چپکے چپکے باتیں کرتے میں نے سنا اور جبرئیل نے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون ہے حضور صلی اللہ

اور کہنے لگے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں انصار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ کر آنا بالکل ایسا تھا جس طرح اونٹ اپنی اولاد پر (پیار سے) جھک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے انصار کے نیزے کافروں کے برچھوں سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگے۔

ایک مٹھی کنکریوں سے دشمن کو شکست

ابو یعلیٰ اور طبرانی نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن ایک مٹھی سفید کنکریاں لے کر کافروں پر پھینک ماریں اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ شکست پاگئے اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت علی نے بڑی سخت جنگ کی۔

ابن سعد، ابن ابی شیبہ، احمد ابوداؤد اور بغوی وغیرہ نے بروایت ابو عبد الرحمن یزید فہری (جن کا نام کرز تھا) ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا کہ مسلمان پشت دے کر بھاگ پڑے جیسا اللہ نے فرمایا ہے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پھر گھوڑے سے اتر کر زرعہ میں گھس گئے اور جو شخص حضور سے زیادہ قریب تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لپ مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا چہرے بگڑ گئے۔ یعلیٰ بن عطاء کا بیان ہے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل تھے ان کی اولاد نے مجھ سے بیان کیا کہ ہمارے باپ کہتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک کی آنکھیں اور منہ خاک سے بھر گئے۔ اور آسمان کی طرف سے ہم نے ایک ایسی جھنجھناہٹ سنی جیسے کسی طشت میں لوہے کے گرنے سے ہوتی ہے غرض اس طرح اللہ نے ان کو شکست دیدی۔

پانچ ہزار فرشتوں کی امداد

وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ایسے لشکر اتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لشکر ملائکہ کا تھا۔ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حنین کے دن اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کو بھیج کر کی تھی۔ ابن اسحاق ابن المنذر، ابن مردویہ، ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ دشمنوں کی شکست سے پہلے جب لوگ لڑ رہے تھے میں نے ایک سیاہ چادر آسمان کی طرف

علیہ وسلم نے فرمایا یہ حارث بن نعمان ہے جبریلؑ نے کہا یہ وہی ہے جو حنین کے دن سو ثابت قدم رہنے والوں میں شامل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث کو اس گفتگو کی اطلاع دی حارث نے عرض کیا میں تو یہ سمجھا تھا کہ وحیہ کلبی آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔

اس روز چار عورتیں بھی اپنی جگہ جمی رہی تھیں ام سلیم بنت ملحان، ام عمارہ، ام سلیط، ام حارث۔

بعض کے نزدیک المؤمنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے بھاگے نہ تھے۔ بیہقی نے دلائل میں اور طبرانی و حاکم و ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت عبد اللہ نے فرمایا حنین کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ پڑے تو میں اسی مہاجرین و انصار کے ساتھ ثابت قدم رہا تقریباً اسی قدم ہم بھی اپنے قدموں کے بل بٹے تھے مگر ہم نے دشمن کو پیٹھ نہیں دی تھی انہی (اسی آدمیوں) پر سیکنہ کا نزول ہوا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا میدان جنگ میں واپس آنا

حضرت ابن عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رکابوں میں پاؤں ڈالے خچر پر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے اے اللہ میں تجھے واسطہ دیتا ہوں اس وعدہ کا جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ! ان کو ہم پر غالب نہ ہونا چاہیے۔ پھر حضرت عباسؓ سے فرمایا، عباسؓ! پکارو اے گروہ انصار! اے کیکر کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو! اے سورہ بقرہ والو! حضرت عباسؓ بلند آواز آدمی تھے آپ کا بیان ہے میں نے اونچی آواز سے ندا کی انصار کہاں ہیں۔ کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے) والے کہاں ہیں۔ سورہ بقرہ والے کہاں ہیں جو نبی انصار نے میری آواز سنی خدا کی قسم وہ ایسے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) مڑ کر آگئے جیسے مائیں اپنے بچوں کی طرف مڑ جاتی ہیں۔

عثمان بن ابی شیبہ کی روایت میں حسب صراحت بیہقی و بغوی آیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عباسؓ مہاجرین کو چیخ کر آواز دو جنہوں نے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور انصار کو پکارو جنہوں نے (مہاجرین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ٹھکانے دیئے اور مدد کی (میں نے آواز دی انصار فوراً لوٹ پڑے)

نے ایک اشعری آدمی کو جس کا نام ابو عامر تھا لشکر کا کمانڈر بنا کر اوٹاس کو بھیجا۔ وہاں اس فوج کی مشرکوں سے لڑائی ہوئی ورید بن الصمہ مارا گیا مشرکوں کو شکست ہوگئی مسلمانوں نے ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا۔ مالک بن عوف نصری بھاگ کر طائف چلا گیا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا اور اس کے جانور اور اہل و عیال گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں کا امیر ابو عامر بھی شہید ہو گیا۔ اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اللہ نے اپنے رسول کو فتح یاب اور اپنے دین کو غالب کر دیا تو ان میں سے بکثرت آدمی مسلمان ہو گئے۔

مال غنیمت

مال غنیمت جو جمع کیا گیا تھا رسول اللہ نے اس کو جہرانہ لے جائینا حکم دیا حکم کی تعمیل کی گئی یہاں تک کہ طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جہرانہ آ گئے۔ ابن سعد اور مؤلف العیون نے لکھا ہے کہ قیدی چھ ہزار اونٹ ۲۴ ہزار اور بھیڑ بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ عبدالرزاق نے سعید بن مسیب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس روز چھ ہزار عورتیں اور لڑکے قید کیے گئے اور ابوسفیان بن حرب کو مال غنیمت کا نگران مقرر کیا گیا بلاذری نے کہا بدیل بن ورقاء خزاعی کو اور ابن اسحاق نے کہا مسعود بن عمر غفاری کو نگران غنیمت مقرر کیا گیا تھا۔

طائف کے قلعہ کا محاصرہ

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجی چھاؤنی ڈال دی ثقیف کے لوگ اپنے قلعہ پر چڑھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ قلعہ عرب کے سارے قلعوں میں بے نظیر تھا۔ قلعہ کے اوپر انہوں نے سوتیر انداز مقرر کر دیئے جنہوں نے دور والوں پر تیر برسائے شروع کر دیئے اور جو لوگ قلعہ کے قریب پہنچ گئے تھے ان پر وہ آگ میں تپائی ہوئی چنگاریاں برساتی ہوئی لوہے کی چھریاں پھینکتے تھے اتنی کثرت سے انہوں نے تیر برسائے کہ معلوم ہوتا ایک ٹڈی دل ہے بہت مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ پر چڑھ گئے جہاں بنی ثقیف نے مسلمان ہونے کے بعد مسجد بنا دی ہے۔ عمرو بن امیہ ثقفی نے جو آخر میں مسلمان ہو گیا تھا اپنی جماعت سے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں نکل کر دبدو جنگ کی دعوت دیں تو کوئی (کسی مسلمان سے دبدو) لڑنے کے لئے باہر نہ نکلے جب تک وہ یہاں پڑے رہیں پڑا رہنے دو چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے جب میدان میں نکل کر اپنے حریف کو طلب کیا تو کسی نے اوپر سے جھانکا بھی نہیں۔

سے آتی دیکھی جو آ کر لوگوں کے سامنے گر گئی، میں نے دیکھا کہ (اس چادر کے اندر سے) سیاہ چیونٹیاں اتنی برآمد ہوئیں کہ وادی بھر گئی۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ شاید ملائکہ ہیں پس میرے دیکھتے دیکھتے دشمنوں کو فوراً شکست ہو گئی۔ محمد بن عمر نے بروایت یحییٰ بن عبد اللہ بیان کیا ہے کہ مشائخ انصار کہتے تھے ہم نے اس روز سیاہ چادروں کی طرح تہ برتہ آسمان سے گرتی ہوئی کوئی چیز دیکھی دیکھتے کیا ہیں کہ بکثرت چیونٹیاں یکدم (وادی میں) پھیل گئیں ہم ان کو اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے اس کے بعد فوراً اللہ کی مدد سے ہم فتح یاب ہو گئے۔

روایت میں آیا ہے کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کچھ گورے گورے خوبصورت لوگ حائل نظر آئے جنہوں نے ہم سے کہا چہرے بگڑ گئے لوٹ جاؤ ہم فوراً لوٹ پڑے انہوں نے ہماری مشکلیں کس لیں (گرفتار کر لیا) اور یہ وہی تھے۔

محمد بن عمر نے مالک بن اوس بن حدثان کا قول نقل کیا ہے مالک نے کہا مجھ سے میرے قبیلہ کے چند آدمی جو اس روز شریک جنگ تھے کہہ رہے تھے کہ اس روز کنکریاں جو رسول اللہ نے (کافروں کی طرف) پھینکی تھیں ان کی وجہ سے کوئی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو اور ہم کو اپنے سینوں کے اندر ایک ایسی اضطرابی لہر محسوس ہونے لگی جیسے طشت میں پتھر گرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دھڑکن میں سکون ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ہم نے اس روز کچھ گورے رنگ کے آدمی دیکھے جو آسمان وزمین کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار تھے ان کے سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے شانوں کے درمیان لٹکار رکھے تھے ان کے دستے دستے (الگ الگ) تھے ہم کو ان کے رعب کی وجہ سے غور کر کے دیکھنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔

ابن ابی حاتم نے (عذاب کی تشریح میں) سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی ان کو تلوار سے قتل کرایا۔ بزار نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن فرمایا ان کو خوب کاٹ ڈالو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔

کافروں کی شکست

بغوی کا بیان ہے جب مشرک شکست کھا کر پیٹھ دیکر بھاگے تو اوٹاس پہنچے وہاں ان کے بیوی بچے اور مویشی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہدایت کر دے اور ہم کو ان کی مشقت سے بچالے (یعنی ان کے دلوں میں ایمان ڈال دے تاکہ ہم پر حملہ نہ کریں اور ہم ان پر لشکر کشی نہ کریں)۔ ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو حسن کہا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلاڈالا آپ ان کے لئے بددعا کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو ایمان دار بنا کر لے آ۔ (تفسیر مظہری)

غزوہ حنین کا پس منظر و دیگر تفصیل

حنین، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان ۸ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور قریش مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں ہلچل مچ گئی، انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا، اس لئے دانش مندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کیلئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا، اس قبیلہ کے سب بڑے چھوٹے بجز معدودے چند افراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی، سب ہی جمع ہو گئے۔ اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہی میں تھا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حنظلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ گھوڑ سوار آدمی ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروانہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔

قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا ڈال دیا، گردوغبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے صرف رسول

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ مشائخ کہتے تھے رسول اللہ نے اعلان کیا جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے چنانچہ دس سے کچھ زائد لوگ قلعہ سے نکل کر آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا میری رائے میں گوچھن نصب کر کے قلعہ پر پتھر برسائے جائیں اور اسلام میں (مسلمانوں کی طرف سے) یہ پہلی گوچھن لگائی گئی جس سے پتھر پھینکے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے انگور کی ٹہنیاں اور کھجور کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو مامور کر دیا کہ پانچ درخت (کھجور کے) اور پانچ بیلین (انگور کی) قطع کر دے۔ مسلمانوں نے بے دریغ بکثرت درخت کاٹنے شروع کر دیئے۔ بنی ثقیف نے پکار کر کہا تم ہمارا مال کس وجہ سے کاٹتے ہو، اگر تم ہم پر غلبہ پالو گے تو یہ مال تمہارا ہو جائے گا ورنہ اس کو اللہ اور قرابت کا لحاظ کر کے چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کو اللہ اور قرابت کا لحاظ کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ مکھن سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ مجھے ہدیہ میں پیش کیا گیا ایک مرغ نے اس کو دیکھ لیا اور پیالہ میں جو کچھ تھا اس کو گرا دیا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا میرے خیال میں آج آپ وہ چیز نہیں پاسکتے جو آپ کو مطلوب ہے (یعنی طائف کا قلعہ فتح یاب نہ ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں (بھی) یہ نہیں سمجھتا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب طائف کے محاصرہ کو ۱۵ دن گذر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل بن معاویہ دہلی سے مشورہ کیا اور فرمایا نوفل اس جگہ ٹھہرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ نوفل نے عرض کیا یا رسول اللہ! لومڑی بھٹ کے اندر ہے اگر آپ یہاں پڑے رہیں گے تو (کبھی نہ کبھی اس کو پکڑ لیں گے اگر چھوڑ دیں گے تو یہ لومڑی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

بنو ثقیف کیلئے دُعاء

حضرت عروہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا (کل) اونٹ چرنے کیلئے نہ چھوڑے جائیں صبح ہوئی تو آپ نے اور صحابہ نے کوچ کر دیا اور لوٹنے کیلئے سوار ہو گئے تو دعا کی اے اللہ ان

اسی مقام پر پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا، ابھی اموال غنیمت تقسیم ہو ہی رہے تھے، کہ دفعۃً ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

قیدیوں کی درخواست

جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابورقان بھی تھے، انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور یہ درخواست کی کہ ہمارے اہل و عیال اور اموال ہمیں واپس دیدیئے جائیں اس درخواست میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم بسلسلہ رضاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خویش و عزیز ہیں اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر احسان فرمائیں، رئیس وفد ایک شاعر آدمی تھا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم بادشاہ روم یا شاہ عراق سے اپنی ایسی مصیبت کے پیش نظر کوئی درخواست کرتے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ بھی ہماری درخواست کو رد نہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ میں سب سے زیادہ ممتاز فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم بڑی امید لے کر آئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اسباب کی کثرت پر ناز اللہ کو پسند نہیں

جنگ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بطور نازیہ لفظ نکلا کہ آج ہماری تعداد بہت بڑی ہے ہم کسی سے مغلوب ہونے والے نہیں۔ بارگاہ خداوندی میں یہ ناز پسند نہ آیا کہ بجائے ہماری رحمت اور عنایت کے اپنی قوت اور کثرت پر کیوں نظر کی چنانچہ جب مقابلہ شروع ہوا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مخصوص رفقاء کے بہت سے لوگ میدان جنگ سے منتشر ہو گئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو آواز دیں چنانچہ آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور ناز سے تائب ہو کر نیاز کی طرف آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی مدد پہنچی آسمان سے مدد کیلئے فرشتے نازل کئے اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کی شکست کو فتح سے بدل دیا بے شمار کافر مارے گئے اور چھ ہزار بچے اور عورتیں قید ہو کر آئے اور بیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں مال غنیمت میں مسلمانوں

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جے رہے وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورہ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہئے کہ واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔

حنین کی فتح اور ہوازن و ثقیف کے سرداروں کا مسلمان ہو

کر حاضر ہونا قیدیوں کی واپسی

حنین میں قبیلہ ہوازن و ثقیف کے کچھ سردار مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ جوان کے اہل و عیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جس میں چھ ہزار قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، جس کے تقریباً چار من ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب کو اموال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

پھر شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر ان کو شکست ہوتی گئی، وہ سخت مرعوب ہو کر طائف کے نہایت مستحکم قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا یہ قلعہ بند دشمن اندر ہی تیر برساتے رہے، سامنے آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان لوگوں کے لئے بددعا فرمائیے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرما کر واپسی کا قصد فرمایا اور مقام جحرانہ پر پہنچ کر ارادہ فرمایا کہ پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا کریں، پھر مدینہ طیبہ کو واپسی ہو، مکہ والوں کی بڑی تعداد جو تماشائی بن کر مسلمانوں کی فتح و شکست کا امتحان کرنے آئی تھی، اس جگہ پہنچ کر ان میں سے بہت لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

کیا حال تھا؟ تو وہ طشت میں کنکریاں رکھ کر بجا کر کہتے بس یہی آواز ہمیں ہمارے دل سے آرہی تھی بے طرح کلیجہ اچھل رہا تھا اور دل دہل رہا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى

پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٠﴾

چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

کافروں کا مسلمان ہونا

چنانچہ ہوازن وغیرہ کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی اور اکثر مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن اسحاق نے یونس بن بکر کی وساطت سے حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے ابن عمر نے فرمایا، میں حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہوازن پر مال اور اہل و عیال کی گرفتاری کی مصیبت جو پڑی تھی وہ بڑ گئی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام جمرانہ ہوازن کا ایک وفد آیا جس میں چودہ آدمی تھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی چچا ابو ریقان بھی شامل تھا۔ اس وفد کا سرگروہ زہیر بن صرد تھا یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے ابو ریقان نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سب کی جڑ ایک اور کنبہ ایک ہے اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے اب آپ ہم پر کرم کریں اللہ آپ پر کرم کرے گا زہیر نے کھڑے ہو کر اپنے خطاب میں کہا یا رسول اللہ! ان باڈوں کے اندر جو قیدی عورتیں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ یعنی رضاعی۔ اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے اور جو آپ کی خدمت ذمہ داری کے ساتھ کرتی رہی ہیں اگر ہمارا نکر او حارث بن ابی شمر (غانی) شاہ شام یا نعمان بن منذر شاہ عراق سے ہوتا اور ان کی طرف سے ہم پر ایسی مصیبت پڑتی جیسی آپ کے حملے سے پڑی ہے تو ہمیں امید تھی کہ (آخر میں) وہ ہم پر مہربانی اور رحم کرتے اور یا رسول اللہ! آپ تو سب سے بڑھ کر کفیل ہیں پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ شعر پڑھ کر سنائے۔

قیدیوں کی درخواست پر مال کی واپسی

صالحی کا بیان ہے کہ زہیر بن صرد جی کہتے تھے جب حنین اور ہوازن

کے ہاتھ میں آئیں جس سے سب پر واضح ہو گیا کہ لشکر عظیم میں سے بعض افراد کا بھی اپنی قوت اور کثرت پر نظر کرنا کس قدر ضرور رساں ہے۔ ایک لحظہ زکوئے یار دوری در مذہب عاشقان حرام است نکتہ: مکہ مکرمہ اگر چہ تہ فتح ہوا مگر وہاں سے ادب اور احترام کی بناء پر کوئی چیز غنیمت میں نہیں لی گئی حق جل شانہ نے غنائم حنین سے اس کی تکمیل فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دل میں ایسا جوش و خروش پیدا فرمادیا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں اپنے تمام اہل و عیال اور تمام اموال اور مویشیوں کو لیکر میدان میں آگئے جو بعد میں سب مسلمانوں کیلئے غنیمت بنے اللہ کے رسول نے ان کے بچوں اور عورتوں کو تو واپس کر دیا اور اموال اور مویشیوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بھی اس لشکر میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسی مہاجر و انصار رہ گئے تھے ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی ہم پر اللہ نے اطمینان و سکون نازل فرمادیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے جانور نے ٹھوکر کھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم زین پر سے نیچے کی طرف جھک گئے میں نے آواز دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونچے ہو جائیے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچا ہی رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مٹھی مٹی کی تو بھردو۔ میں نے بھردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی طرف پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں پھر فرمایا مہاجر و انصار کہاں ہیں؟ میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں تولے ہوئے لپک لپک کر آگئے اب تو مشرکین کی کچھ نہ چلی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان سے اتر رہی ہے چیونٹیوں کی طرح اس نے میدان گھیر لیا اور اسی وقت مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے واللہ ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ آسمانی مدد تھی۔

کافروں کی حالت

یزید بن عامر سوائی اپنے کفر کے زمانے میں جنگ حنین میں کافروں کے ساتھ تھا بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اس موقع پر تمہارے دلوں کا رعب و خوف سے

آپ کا رضاعی رشتہ داروں کا احترام کرنا

ابوداؤد بیہقی اور ابویعلیٰ نے بیان کیا کہ حضرت ابوالطفیل نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے ہیں (شاید گوشت سے مراد بھیڑ بکریاں ہوں) اتنے میں ایک بدوی عورت آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے اپنی چادر بچھادی وہ چادر پر بیٹھ گئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون عورت ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہے (دودھ پلانے والی) ابوداؤد نے مر اسیل میں حضرت عمرو بن سائب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کا رضاعی باپ آیا آپ نے اس کیلئے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھادیا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا پھر آپ کی رضاعی ماں آئیں آپ نے ان کیلئے اسی کپڑے کا دوسرا حصہ بچھادیا وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ کا رضاعی بھائی آیا آپ کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قید کر لیا اور پھر (لشکر میں) قیدیوں کی اور بھیڑ بکریوں کی تقسیم کرنے لگے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ہم پر کرم و احسان کیجئے۔ آپ ہی ایسے شخص ہیں جس سے ہم (کرم کے) امیدوار اور منتظر احسان ہیں میں نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور نے اشعار سن کر فرمایا میرا اور اولاد عبدالمطلب کا (اس مال غنیمت اور قیدیوں میں) جو حصہ ہے وہ تمہارے لیے ہے (یعنی تم واپس لے لو میں دست بردار ہوتا ہوں) قریش نے جو یہ بات سنی تو وہ بولے ہمارا جو حصہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ واپس کر دیا لہذا ہم بھی اپنے حصے واپس کرتے ہیں) اور انصار نے بھی یہی کہہ دیا۔ صالحی نے کہا اس حدیث کی سند بہت بڑھیا اور کھری ہے۔ مقدسی نے بھی اس کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور ابن حجر نے اس کے حسن ہونے کو ترجیح دی ہے۔

قیدیوں کی آزادی

بخاری نے صحیح میں مروان اور مسور بن مخرمہ کی روایت سے یہ قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب ہوازن والے مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو تم دیکھ رہے ہو اور مجھے سب سے اچھی بات وہی لگتی ہے جو سچی ہو (پس سچی اور صاف بات یہ ہے کہ) تم دونوں میں سے ایک چیز واپس لے لو، یا قیدی یا مال، بنی ہوازن نے کہا ہم قیدیوں کی واپسی پسند کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور مناسب حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ابا بعد۔ اب تمہارے بھائی توبہ کر کے تمہارے پاس آئے ہیں۔ میں ان کے قیدیوں کو واپس کرنا چاہتا ہوں تم میں سے جو شخص بخوشی خاطر ایسا کرنا چاہیے کرے اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا پسند کرے اس کو ہم (اس کے حصہ کا معاوضہ) اس مال میں سے جو اللہ سب سے پہلے بطور غنیمت عطا فرمائے گا دیدیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم نے بخوشی خاطر ایسا کیا (یعنی بلا شرط معاوضہ قیدیوں کو واپس کرنے پر رضا مند ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم میں سے کس نے اجازت دیدی اور کس نے نہیں دی لہذا لوٹ کر جاؤ اور جو تمہارے نمائندے ہیں وہ آ کر مجھے تمہاری رائے بتائیں لوگ واپس چلے گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا کہ سب نے بخوشی خاطر اجازت دیدی۔

محمد بن عمر کا بیان ہے جب حنین کے دن مشرکوں کو شکست ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر قبیلہ بنی سعد کا بجاؤ تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ چھوڑنا اس شخص نے ایک بڑا جرم کیا تھا ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا پھر اس کو آگ میں جلایا تھا۔ وہ بھی اپنے جرم سے واقف تھا اس لئے بھاگ گیا تھا مگر سواروں نے اس کو پکڑ لیا اور حارث بن عبد العزی کی بیٹی شیماء کے ساتھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھی لا کر قید کر دیا تھا۔ شیماء کہنے لگی واللہ! میں تو تمہارے سردار کی بہن ہوں مگر لوگوں نے اس کی بات سچ نہیں سمجھی اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے شیماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تمہاری بہن ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نشانی کیا ہے شیماء نے اپنا انگوٹھا دکھایا جس پر کانٹے کا نشان تھا اور کہنے لگی یہ نشان تمہارے کانٹے کا ہے ہم تمہارے اور اپنے ماں باپ کے جانور وادی سرب میں چراتے تھے میں تم کو کولھے پر بٹھائے ہوئے تھی کہ تم نے میرے انگوٹھے میں کانٹا تھا ماں کا دودھ پینے پر میرا تمہارا نزاع ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانی پہچان لی اور کوڈ کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ شیماء کیلئے اپنی چادر بچھادی اور فرمایا اس

ہے۔ حضرت عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لفظ مجھے اپنے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ پیارا ہو گیا اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا باوجود یہ کہ بعض لوگ مجھے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن ان کو چھوڑ کر میں بعض ایسے لوگوں کو دیتا ہوں کہ (مال نہ پہنچنے کی صورت میں) ان کے اونٹھے منہ دوزخ میں گر جانے کا مجھے اندیشہ ہوتا ہے (یعنی مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو نہ دوں گا تو یہ مرتد ہو کر جہنم میں گر پڑیں گے) (رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص)

حضرت حکیم بن حزام

شیخین نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا میں نے حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواونٹ مانگے آپ نے عنایت فرمادئے۔ میں نے پھر سواونٹ مانگے آپ نے وہ بھی دے دئے اور دینے کے بعد فرمایا، حکیم یہ مال شیریں ہے جو شخص سخاوت نفس کے ساتھ اس کو لے گا اس کو مال میں برکت حاصل ہوگی اور جودل کی حرص سے لے گا اس کو برکت حاصل نہ ہوگی، جیسے کوئی کھائے اور (کتنا ہی کھائے) پیٹ نہ بھرے اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور (دینا) ان لوگوں سے شروع کرو جن کے تم سرپرست ہو۔ حکیم نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ کے بعد میں کسی سے کچھ مانگ کر اپنی ذلت نہیں کروں گا چنانچہ حضرت عمر (اپنے عہد خلافت میں) حضرت حکیم کو ان کا حصہ دینے کیلئے طلب فرماتے تھے اور حکیم لینے سے انکار کر دیتے تھے حضرت عمر فرماتے تھے لوگو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں حکیم کو ان کا حصہ دے رہا ہوں اور وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔

حضرت صفوان کو پوری گھائی عطاء فرمادی

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو سواونٹ عطا فرمائے پھر سودے پھر سودے محمد بن عمر کا بیان ہے کہ صفوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مال غنیمت کی تلاش (جنگل میں ہر طرف) کرتے پھر رہے تھے۔ ایک گھائی کی طرف سے گذر رہا۔ گھائی میں بکریاں اونٹ اور ان کے چرواہے بھرے پڑے تھے۔ یہ مال غنیمت تھا جو اللہ نے اپنے رسول کو (بغیر مقابلہ اور جنگ کے) عطا کیا تھا۔ صفوان کو وہ مال مویشی بہت پسند آئے اور گھائی کی طرف دیکھنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو وہب کیا تم کو یہ گھائی پسند ہے صفوان نے جواب دیا

پر بیٹھ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مر جا کہا آنکھوں میں آنسو آگئے اور رضاعی ماں باپ کی خبر دریافت کی۔ شیمانے کہا ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہاں رہنا چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ تم کو رکھا جائے گا اور واپس اپنی قوم میں جانا ہو تو حفاظت کے ساتھ تم کو واپس پہنچا دیا جائے گا۔ شیمانے کہا میں اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں پھر شیمانے مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین باندی غلام دیئے اور ایک یاد اونٹ دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا تم جعرانہ کو جا کر اپنی قوم کے ساتھ رہو، میں اب طائف کو جا رہا ہوں۔ شیمانے جعرانہ کو لوٹ گئی پھر (طائف سے واپس آ کر) جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملاقات کی اور اس کو اس کے بقیہ گھروالوں کو اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ شیمانے بجا دیکھ کر معاف کر دینے کی درخواست کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول کر لی (اور جیسا شیمانے کہا ویسا ہی کر دیا)

سرداروں کی تالیف قلب

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ القلوب کو بھی حصہ دیا۔ مؤلفۃ القلوب عرب کے کچھ سردار تھے جن کی تالیف قلب (قول محمد بن عمر مال دے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقصود تھی آپ نے ان کو تقسیم مال کے وقت سب لوگوں سے پہلے حصہ دیا۔ صالحی کا قول ہے ان میں سے بعض آدمیوں کو سواونٹ اور بعض کو پچاس اونٹ دیئے ان کی مجموعی تعداد پچاس سے زائد تھی۔ صالحی نے ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں اور ۵ نام بیان کیے ہیں۔

امام احمد مسلم اور بیہقی نے حضرت رافع بن خدیج کا بیان ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ القلوب میں سے ہر ایک مرد کو حنین کے مال غنیمت سے سواونٹ عطا کیے۔

بخاری نے حضرت عمرو بن ثعلب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو (مال) دیا اور کچھ کو نہیں دیا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ جن کو کچھ نہیں دیا وہ ناراض ہو گئے اس پر حضور نے فرمایا مجھے جن لوگوں کی حرص اور بھوک سے (ان کے ضعیف الاسلام ہو جانے یا اسلام سے پھر جانے کا) اندیشہ ہوتا ہے تو میں ان کو (مال) دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو ان کے قلبی (مضبوط) اسلام اور بے نیازی کے سپرد کر دیتا ہوں (ان کو کچھ نہیں دیتا) انہی میں سے عمرو بن ثعلب بھی

جی ہاں فرمایا وہ مع ان چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں تمہاری ہوگئی۔ صفوان نے عرض کیا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں نبی کے سوا کسی اور کا دل بخوشی خاطر کبھی اس کو دینا پسند نہیں کر سکتا۔

مردم شماری

حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ مردم شماری کریں اور مال غنیمت کی مقدار بھی معلوم کریں۔ اس کے بعد لوگوں کو حصہ وار مال تقسیم کیا گیا ہر پیدل کو چار اونٹ یا چالیس بکریاں ملیں گھوڑے کے سوار کو بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں دی گئیں (یعنی سوار کا حصہ پیدل سے تین گنا لگایا گیا) اگر کسی سوار کے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ گھوڑے نکلے تو مزید گھوڑے کا حصہ نہیں لگایا گیا۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مال غنیمت کے کل اونٹ چوبیس ہزار تھے اور کل بکریاں چالیس ہزار یا اس سے زائد تھیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا ہے اس طرح چار ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریوں کے برابر ہوئے اور اونٹوں کی کل تعداد ۲۸ ہزار ہوگئی۔

محمد بن اسحاق نے بروایت محمد بن حارث تیمی بیان کیا کہ کسی صحابی نے جن کا نام محمد بن عمر نے سعد بن ابی وقاص بتایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو تو سو سو اونٹ عطا فرمادیئے اور جمیل بن سراقہ ضمیری کو نظر انداز کر دیا۔ حضور نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جمیل بن سراقہ تو عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے تمام اہل ارض سے کہیں بہتر ہے لیکن میری غرض ان دونوں کو جوڑے رکھنا ہے تاکہ یہ مسلمان رہیں اور جمیل بن سراقہ کو تو میں نے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا ہے (اس کا اسلام اتنا مضبوط ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا)

انصار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

ابوسعید کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! انصاریوں کا یہ قبیلہ اپنے دلوں میں آپ سے ناراض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے حضرت سعد نے کہا مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے۔ آپ نے اپنی قوم کو اور دوسرے عربوں کو تو دیا اور انصاریوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سعد تمہارا کیا خیال ہے۔ حضرت سعد نے کہا میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اپنی قوم والوں کو اس احاطہ کے اندر یکجا جمع کر لو۔ حضرت سعد نے باہر آ کر لوگوں کو چیخ کر پکارنا شروع کیا اور سب کو جمع کر لیا۔ ایک مہاجر بھی آ گیا۔ حضرت سعد نے اس کو بھی انصار کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ لیکن دوسرے مہاجرین نے درخواست کی تو حضرت سعد نے ان کی استدعا رد کر دی اجازت نہیں دی جب سب انصار آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے پھر (میرے ذریعہ سے) اللہ نے تم کو ہدایت فرمائی کیا تم نادار نہ تھے پھر اللہ نے تم کو مالدار کر دیا کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو ملا دیا۔ انصار نے عرض کیا بیشک ایسا ہی ہوا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، انصار نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار تم (دوسرے طور پر) جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اور کیا کہیں اور آپ کو کیا جواب دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو یوں کہہ سکتے تھے اور یہ بات سچی بھی ہوتی اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ آپ ہمارے پاس (وطن اور قوم سے) بھاگ کر آئے تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا آپ نادار تھے ہم نے آپ کی مدد کی۔ سب نے آپ کو جھوٹا قرار دیا تھا۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انصار نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر یہ کیا بات ہے، جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، انصار خاموش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا، اس پر کچھ سمجھ دار انصاریوں نے عرض کیا، (یا رسول اللہ!) ہمارے دانشمند طبقہ نے تو کچھ کہا نہیں، البتہ کچھ نوجوانوں نے کہا تھا کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نہیں دیتے حالانکہ ان کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے کفر کا زمانہ ابھی حال ہی میں گذرا ہے (اور ایمان ابھی پختہ نہیں ہوا ہے) مجھے ان کو ملانے رکھنا

جو مویشی جنگل میں چرنے کیلئے نکلتے تھے مالک ان کو لوٹ لیتا تھا اور اکادکا جو آدمی ہاتھ لگتا تھا اس کو قتل کر دیتا تھا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیتا تھا ایک بار سوانٹ بھیجے اور ایک بار ہزار بکریاں بھیجیں اہل طائف کے مویشی بھی مالک نے پکڑ لیے اور ایک دن میں ہزار بھیج بکریاں ہنکالایا۔

ابن اسحاق نے بروایت یونس بیان کیا ہے کہ رمضان ۹ ہجری میں قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے بعد کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

دلی اطمینان کے بغیر کسی کا حق لینا

حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش دلی کا اطمینان نہ ہو جائے کسی کا حق لینا جائز نہیں، مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لئے کافی نہیں، اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی دینی مقصد کے لئے چندہ کرنا بھی درست نہیں کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی محض شرمناشرمی کچھ دے دیتے ہیں پوری رضامندی نہیں ہوتی اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ (معارف مفتی اعظم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ

اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے

عَامِهِمْ هَذَا

اس برس کے بعد ☆

حرم کی مشرکین سے صفائی

جب حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کر دیا اور قبائل عرب جو درجوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ ہجری میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور مرکز توحید و ایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

ہے، دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں میں قریش کو دیتا ہوں اس لیے کہ ان کا دور جاہلیت حال ہی میں گزرا ہے اور وہ دکھی ہیں، میں ان کے زخموں پر پٹی باندھ رہا ہوں۔ اے گروہ انصار کیا تم کو اپنے دلوں میں دنیا کے حقیر مال کا احساس ہو جو ان (نئے) مسلمانوں کو جوڑے رکھنے کیلئے میں نے دے دیا اور تم کو تمہارے اسلام کے اعتماد پر چھوڑے رکھا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا ہے اے گروہ انصار کیا تم اس سے خوش نہیں کہ جو لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر گھروں کو جائیں، دوسری روایت میں لفظ دنیا آیا ہے دنیا لے کر گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹو اور اللہ کے رسول کو اپنے گھروں میں رکھو۔ قسم ہے اس کی جس کے دست میں میری جان ہے کہ اگر سب لوگ ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی پر تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا۔ اور لوگ میرا ظاہر ہیں اور تم میرا باطن ہو، انصار میرا جگر ہیں میرے محل اسرار ہیں اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، اے اللہ! انصار پر، انصار کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما، انصار یہ تقریر سن کر رونے لگے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور کہنے لگے ہم اللہ اور اللہ کے رسول کو اپنے نصیب اور حصہ میں پا کر خوش ہیں (ہم کو ان کے مقابلہ میں دنیا کا مال درکار نہیں) محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا بطور جاگیر انصار کیلئے لکھ دینے کا ارادہ کیا تا کہ آپ کے بعد بحرین انہی کے پاس رہے۔ بحرین اس زمانہ کے مفتوحہ علاقوں میں سب سے بڑھیا علاقہ تھا۔ لیکن انصار نے انکار کر دیا اور عرض کیا آپ کے بعد ہم کو دنیا کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا، تم میرے بعد دوسروں کی اپنے اوپر بہت زیادہ ترجیح پاؤ گے (یعنی حکومت اور دولت پر لوگ خود قابض ہو جائیں گے تم کو نہیں دیں گے) تو صبر کرنا یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے۔

مالک کی کارروائیاں

قبائل دوس ہوازن ثقیف اور شمالہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کو ان کا سردار بنا دیا اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اس کے پاس سمٹ آئے۔ حضور نے سب کی کمانڈ مالک کے سپرد کر دی تا کہ اپنی جماعت کو لے کر مشرکوں سے لڑنے لگا بلکہ ثقیف کے خلاف اس نے جنگ شروع کر دی۔ ثقیف کے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ جزیرہ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دوں گا۔ کسی کو سوائے مسلمان کے یہاں نہیں چھوڑوں گا مگر اس کام کی تکمیل سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کا موقع نہیں ملا، آخر حضرت عمرؓ نے سب غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دیا۔ البتہ تاجروں کو تجارت کے لئے حجاز میں آنے اور تین دن ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ جزیرہ عرب کی حدود اربعہ اس طرح ہیں، طول میں عدن کے آخری کنارہ سے عراق کے سبزہ زار تک اور عرض میں جدہ اور ساحل سمندر سے شام تک۔

بَعْدَ عَامٍ هَذَا ان کے اس سال کے بعد یعنی اس سال کے بعد جس میں سورہ توبہ اتری تھی اور حضرت ابوبکرؓ نے سب کو حج کرایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کافروں سے براءت کا اعلان کیا تھا یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصرانی کو مسلمانوں کی مسجدوں میں نہ آنے دو۔ اس منع کرنے میں آپ اس آیت کی ماتحتی میں تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اہل شام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معاہدہ

عبدالرحمن بن غنم اشعری کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ اہل شام کے فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل و عیال کیلئے امن طلب کی ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی دیر اور کوئی گرجا گھر اور کوئی خانقاہ بنائیں بنا لیں گے اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہیں درست نہیں کریں گے ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہم ان کے دروازے رہ گزر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے مسلمانوں کی توقیر و عزت کریں گے ہماری جگہ

اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاری سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔ اب بطور استیلاء یا توطن کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کو رضامند ہونا جائز نہیں۔ بلکہ تطہیر جزیرہ العرب بقدر استطاعت ان کافرینہ ہے ہاں حنفیہ کے نزدیک کوئی کافر مسافر نہ عارضی طور پر امام کی اجازت سے وہاں جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ امام اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے۔ باقی حج و عمرہ کی غرض سے داخل ہونے کی کسی کافر کو اجازت نہیں کماورد فی الحدیث الا لایحجن بعد العام مشرک۔ (تفسیر عثمانی)

چونکہ کافر کا باطن ناپاک ہے اس لئے شرعاً وہ ناپاک ہے اس سے اجتناب لازم ہے جس طرح حقیقی نجاست سے اجتناب نمازی کیلئے ضروری ہے اسی طرح کافر سے اجتناب لازم ہے اسی لیے کفار سے گہرا دلی تعاون درست نہیں۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ لِهَذَا يَهْدَاهُ مَسْجِدَ حَرَامٍ كَيْفَ يَأْتِيهِمْ
آئیں۔ احناف کا قول ہے کہ مسجد حرام کے قریب آنے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ نہ کریں ویسے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو موسم حج میں اعلان کرنے کیلئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اس اعلان سے مراد ہے حج و عمرہ کی ممانعت کرنا مسجد حرام میں کافر کے داخلہ کی ممانعت مقصود نہیں۔ لہذا دوسری مساجد میں کافروں کا داخلہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

قریب جانے کی ممانعت صرف کلام میں زور پیدا کرنے (اور حج و عمرہ) کی سختی کے ساتھ ممانعت کرنے) کیلئے کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے (۱) حرم کے اندر کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں، ذمی ہو حربی ہو یا مستامن۔ اس آیت کا بظاہر یہی مطلب ہے۔ اگر امام (امیر المسلمین) حرم کے اندر ہو اور کافروں کی طرف سے دارالکفر سے کوئی (غیر مسلم) قاصد آئے تو حرم کے اندر داخل ہونے کی اجازت اس کو نہیں دی جاسکتی۔ امیر المؤمنین اپنے کسی آدمی کو حرم کے باہر بھیج کر اس کا پیام معلوم کرائے۔

(۲) حجاز کے اندر تجارت وغیرہ کی غرض سے کافروں کا داخلہ تو ہو سکتا ہے مگر تین روز یعنی مدت سفر سے زائد قیام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی

ہے اسی طرح یہ ناجیز کہتا ہے کہ کفر اور شرک کی نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصیرت کا سبب ہے۔ اور اسی پر تمام اولیاء و عارفین کا اجماع ہے۔ اور کتاب و سنت کے نصوص میں جو کافر اور فاسق کی صحبت اور مجالست کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

کون سی نجاست مراد ہے

جمہور علماء اسلام اور ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے اور بعض صحابہ و تابعین سے یہ مروی ہے کہ نجاست سے نجاست حسیہ اور ظاہریہ مراد ہے اور کفار اور مشرکین کلب اور خنزیر کی طرح نجس العین ہیں جو مشرک کو چھو دے اس پر وضو لازم ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صافح مشرکاً فلیتوضأ (اخرجه ابوالشیخ وابن مردويه)

جیسے حدیث میں مس ذکر سے وضو کا حکم آیا ہے اسی طرح مس کافر سے وضو کا حکم سمجھو۔

واخرن ابن مردويه عن هشام بن عروة عن ابیه عن جدہ قال استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام فناولہ یدہ فابی ان یتنا ولہا فقال یا جبریل مامنک ان تاخذ یدی قال انک اخذت ید یتودی فکرت ان تمس یدی یدا قد مسح ید کافر فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بماء فتوضا فناولہ یدہ فتنا ولہا تفسیر در منشور صفحہ ۲۲۷ ج ۳ اور دیکھو روح المعانی صفحہ نمبر ۶۸

ہشام اپنے باپ عروہ بن الزبیر سے اور عروہ حضرت زبیرؓ سے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل امین سے ملاقات ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جبریل امین نے ہاتھ بڑھانے سے انکار کیا اور عذر یہ کیا کہ اسی راستہ میں آپ نے ایک یہودی سے ہاتھ ملایا ہے اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ اس ہاتھ سے ہاتھ ملاؤں جو کافر کے ہاتھ کو مس کر چکا ہے آپ نے اسی وقت وضو کیلئے پانی منگایا اور وضو کر کے جبریل امین کی طرف ہاتھ بڑھایا یا جبریل امین نے فوراً مصافحہ کر لیا۔

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک کفار کا مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ مگر امام اعظم کے نزدیک بطور غلبہ اور تسلط یا بطور اعزاز و اکرام مشرک

اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے، ان کی کنتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑے پر سواریاں نہ کریں گے تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے، انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے، شراب فروشی نہیں کریں گے اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوا دیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے زنا ضرور تباؤ ڈالے رہیں گے صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گزرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے نہیں بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں آواز بلند اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے ان کے گھروں میں انہیں جھانکیں گے نہیں۔ جب یہ عہد نامہ فاروق اعظم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؓ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں یہ تمام شرطیں ہمیں قبول و منظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی انہی شرائط پر ہمیں امان ملی ہے اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قریب جانے سے منع کرنے کا مطلب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک آیت میں مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال سے ان کو مشرکانہ طرز پر حج و عمرہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور دلیل یہ ہے کہ جس وقت موسم حج میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ذریعہ اعلان براءت کر دیا گیا تو اس میں اعلان اسی کا تھا کہ لایحجن بعد العام مشرک، جس میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

نجاست کو دیکھنے کا نقصان

حکماء نے لکھا ہے کہ نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصر کا سبب

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا

لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ

آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے

وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ

اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ

لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں

عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۹﴾

اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر ☆

مشرکین کے بعد یہود و نصاریٰ کا معاملہ

جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح ذرا ہموار ہوئی تو حکم ہوا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی قوت و شوکت کو توڑو۔ مشرکین کے وجود سے تو بالکل عرب کو پاک کر دینا مقصود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے متعلق اس وقت صرف اسی قدر رخ نظر تھا کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں زور نہ پکڑیں اور اس کی اشاعت و ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اس لئے اجازت دی گئی کہ اگر یہ لوگ ماتحت رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، قبول کر لو، پھر حکومت اسلامیہ ان کے جان و مال کی محافظ ہوگی، ورنہ ان کا علاج بھی وہ ہی ہے جو مشرکین کا تھا (یعنی مجاہدانہ قتال) کیونکہ یہ بھی اللہ اور یوم آخرت پر جیسا چاہیے ایمان نہیں رکھتے نہ خدا اور رسول کے احکام کی کچھ پروا کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کجا، اپنے تسلیم کردہ نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی سچی پیروی نہیں کرتے، محض اہواء و آراء کا اتباع کرتے ہیں، جو سچا دین پہلے آیا۔ یعنی حضرت مسیح وغیرہ کے زمانہ میں اور جو اب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے، کسی کے قائل نہیں۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آتا ہے اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ اپنی پھونکوں سے گل کر دیں۔ ایسے بد باطن نالائقوں کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک میں فتنہ و فساد اور کفر و تمرد کے شعلے برابر بھڑکتے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیدیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے۔

کا مسجد میں آنا جائز نہیں۔ البتہ مسلمان کا کوئی غلام یا خادم یا کوئی ذمی کسی مسلمان کی اجازت سے ادب اور احترام کے ساتھ مسجد میں کسی ضرورت کی وجہ سے آجائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ باقی کسی کافر اور مشرک کو بطور اعزاز و اکرام مسجد میں مدعو کرنا اور اس کافر سے مسجد کے منبر پر تقریر کرانا یہ بلاشبہ حرام ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمْ

اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ

اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ سب کچھ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

جاننے والا حکمت والا ہے ☆

معاشی تنگی کی فکر نہ کرو

حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے، وہ نہیں آئیگا۔ اس لئے تسلی کر دی کہ اس سے مت گھبراؤ۔ تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ خدا نے سارا ملک مسلمان کر دیا۔ مختلف بلاد و اموال سے تجارتی سامان آنے لگا، بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی، فتوحات و غنائم کے دروازے کھول دیے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں۔ غرض مختلف طرح سے حق تعالیٰ نے اسباب غناء جمع کر دیے۔ بیشک خدا کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معاشی خوشحالی کی صورتیں

عکرمہ نے کہا (بموجب وعدہ) اللہ نے ان کو غنی کر دیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ بارش خوب ہوئی اور پیداوار کی کثرت ہو گئی، مقاتل نے کہا جدہ اور صنعاء اور جوش والے مسلمان ہو گئے اور بکثرت بقدر ضرورت غلہ اپنے ملک سے مکہ میں لے آئے جس سے اہل مکہ کو فقر و فاقہ کا خوف نہیں رہا۔

ضحاک اور قتادہ نے کہا اللہ نے کافروں سے ان کو جزیہ دلوادیا اور اس طرح مکہ کے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

کو اسی مذہب کی دعوت دے جو تیرا مذہب مان لے اس کو چھوڑ دے جو نہ مانے اس کو تلوار سے قتل کر دے بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا مگر بادشاہ کا حکم کسی نے نہیں مانا اور شام تک لوگ قتل ہوتے رہے عورت نے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ لوگ قتل ہونے سے نہیں ڈرتے۔ آئندہ تو ان کو جلانے کی دھمکی دے اور ایک جگہ آگ روشن کر دے۔ بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا اور لوگوں کو دہکتی آگ میں ڈال دینے کی دھمکی دی تو لوگ ڈر گئے اور بادشاہ کی بات مان لی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا چونکہ مجوسی اہل کتاب تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خراج لے لیا اور چونکہ مشرک ہو گئے تھے اس لئے ان سے نکاح اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام قرار دے دیا۔

ابن جوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل فارس کا پیغمبر جب وفات پا گیا تو ابلیس نے ان کیلئے دستور مجوسیت لکھ دیا۔ کیا ہندو اہل کتاب ہیں

میں کہتا ہوں اگر مجوسیوں کے اسلاف کا اہل کتاب ہونا ان مجوسیوں کے اہل کتاب قرار دینے کے لئے کافی ہے تو ہمارے زمانہ کے یہ ہندو بت پرست بھی اہل کتاب ہو جائیں گے ان کے پاس بھی وید نام کی ایک کتاب ہے جس کے چار حصے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ خدائی کتاب ہے۔ پھر ان کے اکثر اصول بھی شرعی اصول کے موافق ہیں اور جن اصول میں اختلاف ہے وہ شیطانی آمیزش کا نتیجہ ہے۔ جس طرح شیطانی تفرقہ اندازی سے مسلمانوں کی ایک جماعت پھٹ کر تہتر فرقے بن گئی۔ ہندوؤں کے اہل کتاب ہونے کی تائید قرآن سے بھی ہو رہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وان من امة الا اخلافيها فذيو هرامت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور گذرا ہے۔ مجوسیوں سے تو ہندو اہل کتاب کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجوسیوں کے بادشاہ نے تونشہ سے بدست ہو کر اپنی بہن سے زنا کیا اور اپنے دین و کتاب کو چھوڑ دیا اور دین آدم کا مدعی بن بیٹھا مگر ہندوؤں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ چوتھے وید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت مذکور ہے جس کو پڑھ کر بعض ہندو مسلمان ہو گئے ہیں واللہ اعلم۔

ہندوؤں پر جزیہ و قید

مجوسیوں کے اسلاف اہل کتاب تھے تو اس بات سے کوئی فرق

جزیہ لینا:۔ عکرمہ نے کہا مراد یہ ہے کہ لینے والا بیٹھا ہو اور دینے والا کھڑا ہو کر پیش کرے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ اس کی گردن روند کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے، کلبی نے کہا، لیتے دیتے وقت اس کی گردن پر گھونسا رسید کیا جائے، بعض نے کہا اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا جائے، بعض نے کہا اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے سختی کے ساتھ مقام تحصیل تک لایا جائے۔ بعض نے کہا جزیہ پیش کرنا ہی ذلت ہے امام شافعی نے فرمایا ذمیوں پر اسلام کے احکام لاگو کرنا ہی ان کی تذلیل ہے۔

مجوسیوں سے جزیہ لینے پر اجماع علماء ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عرب ہوں یا عجمی۔ اور عجم کے مشرکوں سے بھی لیا جائے گا خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست البتہ مرتدوں سے نہیں لیا جائے گا۔ مجوسیوں سے جزیہ لینا

امام ابو یوسف نے نصر بن خلیفہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ فروہ بن نوفل اجمعی نے کہا یہ بات بہت سخت ہے کہ مجوسیوں سے خراج لیا جاتا ہے باوجود یہ کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں یہ بات سن کر مستورد بن احنف نے کھڑے ہو کر کہا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کی فوراً توبہ کرورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ کے رہنے والے مجوسیوں سے خراج لیا تھا۔ آخر دونوں اس جھگڑے کو حضرت علیؑ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا میں مجوسیوں کے متعلق ایک بات بیان کرتا ہوں جس کو تم دونوں پسند کرو گے مجوسی ایک کتابی امت تھی ان کے پاس (اللہ کی) ایک کتاب تھی جس کو وہ پڑھتے تھے ایک بار ان کے بادشاہ نے شراب پی اور نشہ میں اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر بستی سے باہر لے گیا۔ پیچھے پیچھے چار آدمی ہو لیے، وہاں جا کر اس نے بہن سے قربت کی پیچھے جانے والے لوگ دیکھ رہے تھے۔ جب نشہ اتر تو بہن نے اس سے کہا فلاں فلاں لوگوں کی نظروں کے سامنے تو نے ایسی حرکت کی۔ بادشاہ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ بہن نے کہا اب تجھے قتل کر دیا جائے گا ورنہ میری بات مان لے۔ بادشاہ نے کہا میں ضرور مانوں گا۔ عورت نے کہا اس فعل کو تو مذہبی مسئلہ بنا دے اور لوگوں سے کہہ دے کہ آدم کا مذہب یہی ہے حوا کی پیدائش آدم ہی سے ہوئی تھی (گویا حواء آدم کی بیٹی تھیں) لوگوں

نہیں پڑتا (کیونکہ مشرکوں اور بت پرستوں کے اسلاف بھی صحیح طور پر اہل کتاب تھے اس کے علاوہ) یہ مجوسی تو بہر حال اپنے اسلاف کی کتاب کے حامل اور عامل نہیں۔

پھر (مجوسیوں کی طرح) بت پرستوں کو باندی غلام بنانا با تفاق علماء درست ہے لہذا مجوسیوں کی طرح ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی درست ہونا چاہیے غلامی ہو یا تقرر جزیہ دونوں صورتوں میں ذاتی (تصرفات کی) آزادی میں تو خلل پڑتا ہی ہے غلام آقا کیلئے کماتا ہے اور اپنی کمائی سے خود اپنا خرچ بھی چلاتا ہے جزیہ ادا کرنے والا بھی اپنی کمائی سے خود بھی کھاتا ہے اور جزیہ بھی ادا کرتا ہے۔

لشکر اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

سلیمان بن بریدہ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجتے تھے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ سے ڈرنے اور ساتھ والے مسلمانوں سے بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے تھے پھر فرماتے تھے اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جو اللہ کے منکر ہوں ان سے قتال کرنا لڑنا شکست نہ کھانا عہد شکنی نہ کرنا کسی کے ناک کان نہ کاٹنا کسی بچے کو قتل نہ کرنا دشمن سے آمناسا منا ہو تو سب سے پہلے اس کو تین باتوں کی دعوت دینا اگر وہ ان تین باتوں میں سے ایک بات کو بھی مان لیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے باز رہنا اول ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر مان لیں تو تم بھی مان لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا پھر ان سے کہنا کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر مدینہ چلے چلو وہاں رہنا اگر تم ایسا کر لو گے تو دوسرے مہاجرین کی طرح ہو جاؤ گے ان کا نفع تمہارا نفع اور ان کا ضرر تمہارا ضرر مانا جائے گا۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو ان سے کہہ دینا کہ دوسرے بیرونی مومنوں کی فہرست میں ان کا شمار ہوگا۔ اعراب اہل اسلام پر جو حکم لاگو ہے وہی ان پر ہوگا غنیمت اور فے کے مال میں بغیر جہاد میں شرکت کرنے کے ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرنا جزیہ دے دیں تو لے لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا آخر میں اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ سے مدد کی درخواست کرنا اور ان سے قتال کرنا۔ الحدیث۔ (رواہ مسلم)

عربی کتابی سے جزیہ لینا

حضرت انس کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب

کتابی سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اکیدر حاکم دو متہ الجندل کی طرف بھیجا حضرت خالد اس کو گرفتار کر لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانی پناہ دیدی اور اداء جزیہ کی شرط پر اس سے صلح کر لی۔ (رواہ ابو داؤد) امام ابو حنیفہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربوں میں ان کے سامنے پلے بڑھے تھے اور قرآن بھی عرب کی زبان میں ہی اترتا تھا اس لیے عرب کے لیے معجزہ کا ظہور ناقابل انکار تھا اسی وجہ سے عرب (کے بت پرستوں) سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں کیا جاسکتا ورنہ قتال کیا جائے گا۔ یہی حالت مرتدوں کی ہے مرتد ہدایت پانے اور اسلام کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد انکار کرتا اور اسلام کو ترک کرتا ہے (اس کے پاس اسلام سے ناواقفیت کا کوئی عذر نہیں ہوتا اسی لیے) اسلام یا قتال کے سوا اس کی طرف سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی نصیحت فرمائی تھی۔ فرمایا تھا مشرکوں کو جزیہ عرب سے نکال دو اور (غیر ملکی کافروں کے) وفد کو ویسی ہی اجازت (داخلہ) دو جیسی میں دیتا ہوں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تیسری بات بیان کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یا میں بھول گیا۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر بن عبد اللہ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میں یہود و نصاریٰ کو جزیہ عرب سے ضرور نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمان کے سوا کسی کو یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ (رواہ مسلم)

مؤخر الذکر روایت اسحاق نے اپنی مسند میں نقل کی ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری کلام کیا وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں کو حجاز سے اور اہل نجران (اہل یمن) کو جزیہ عرب سے نکال دو۔ یہ حدیث امام احمد اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

جزیہ کی مقدار

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقدار جزیہ کی تعیین باہم صلح اور رضامندی سے ہونی چاہیے۔ جتنی مقدار بھی باہم طے ہو جائے کوئی حد بندی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یمن کے) نجرانیوں سے

(شخصی) ٹیکس عائد نہیں کیا۔ سعید کا بیان ہے کہ میرے ایک ساتھی نے روایت میں اتنا اختلاف کیا ہے کہ کھجور کی جریب پردس درہم اور انگور کی جریب پر آٹھ درہم ہونے کا ذکر کیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے بروایت حارثہ بن مطرف بیان کیا کہ حضرت عمر نے سواد کو مسلمانوں کیلئے تقسیم کرنے کا ارادہ کیا اور سواد نے (عراق) کی مردم شماری کرائی تو کافروں کی تعداد اتنی نکلی کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو دو تین تین کافر آئے (گویا عراق کے دیہاتیوں کی تعداد مسلمانوں سے دو گنی تین گنی نکلی) یہ دیکھ کر صحابہ نے باہم مشورہ کیا حضرت علی نے فرمایا یہ کفار تو مسلمانوں کے اقتصادی مددگار ہو سکتے ہیں اس لیے ان کی زمینیں نہ نکالی جائیں بلکہ سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جائے) چنانچہ حضرت عثمان بن حنیف کو بھیجا گیا اور عثمان نے جا کر (تین طبقات قائم کیے اور) ۲۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم سالانہ مقرر کیے۔ حنیف نے حضرت معاذ والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یمن کو فوجی غلبہ سے نہیں فتح کیا گیا بلکہ صلح سے وہاں تسلط قائم کیا گیا۔ اہل یمن سے مقدار جزئیہ بھی مصالحت سے طے ہوئی پھر اہل یمن عموماً محتاج تھے اس لئے مقدار جزئیہ ان پر وہ عائد کی گئی جو مفلسوں پر لاگو ہوتی ہے اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابوہریرہ نے بیان کیا میں نے مجاہد سے پوچھا شام والوں پر توئی کس چار دینار مقرر کیے گئے اور یمن والوں پر توئی کس ایک دینار اس کی کیا وجہ ہے۔ مجاہد نے جواب دیا یہ سہولت کے پیش نظر کیا گیا (اہل شام مالدار تھے اور اہل یمن نادار) جزئیہ کی کوئی خاص حد شرعاً مقرر نہیں امام مسلمین کی رائے پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بے روزگار مفلس سے جزئیہ نہ لیا جائے۔

جزئیہ کس چیز کا عوض ہے

امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جزئیہ کفر کی سزا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دی جاتی لہذا حالت کفر کا جزئیہ بھی اسلام کے بعد نہیں لیا جاسکتا۔ معاہدہ جزئیہ سے قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے اسلام سے بھی قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے رہا جزئیہ کا اجرت سکونت ہونا توبہ ناقابل تسلیم ہے ذمی تو اپنی ملک میں رہتا ہے۔

ہمارے قول کا ثبوت حضرت ابن عباس کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر جزئیہ نہیں ہے۔ رواہ

دو ہزار کپڑے کے جوڑوں کی وصولیابی کی شرط پر صلح کی تھی۔

زمین کا جزئیہ زمین پر قائم رہے گا خواہ وہ زمین کسی ذمی یا تغلیبی (عیسائی) یا مسلمان کے ہاتھ فروخت ہی کر دی گئی ہے (مگر ٹیکس زمین پر قائم رہے گا) یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کی زمینوں پر بھی زمین کا جزئیہ عائد ہوگا البتہ پرسنل ٹیکس (شخصی جزئیہ) عورتوں اور بچوں پر عائد نہ ہوگا۔ حارثہ بن مضر کا بیان آیا ہے کہ حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو بھیجا انہوں نے نی کس ۲۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم جزئیہ قائم کیا یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی کا ہے کسی نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اس لیے یہ تجویز اجماع کے قائم مقام ہو گئی۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بروایت سری بن اسماعیل عامر شعی کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے عراق کی پیمائش کرائی ۳۶۰ کروڑ جریب زمین پیمائش سے نکلی اناج کاری کے جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلہ اور انگوروں کے ایک جریب پردس درہم اور کھجوروں کے ایک جریب پر پانچ درہم ٹیکس کے مقرر کیے اور شخصی جزئیہ نی کس ۱۲ اور ۲۴ اور ۲۸ درہم سالانہ طے کیے۔ شعی نے کہا مجھ سے سعید بن ابی عروبہ نے بروایت قتادہ ابن مجلز کا بیان نقل کیا کہ حضرت عمر نے نماز کی امامت اور فوج کی قیادت حضرت عمار بن یاسر کے اور محکمہ قضا و خزانہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور زمین کا سروے حضرت عثمان بن حنیف سے متعلق کر کے بھیجا اور ان حضرات کے راشن کے لئے ایک بکری روزانہ مقرر کر دی، آدھی بکری اور شکمی آلات حضرت عمار کیلئے، چوتھائی بکری حضرت ابن مسعود کیلئے اور چوتھائی بکری حضرت عثمان بن حنیف کے لیے۔ اور فرمایا میں اپنی ذات کو اور آپ لوگوں کو اس مال کے معاملہ میں یتیم کے سرپرست کی طرح خیال کرتا ہوں، اللہ نے فرمادیا ہے کہ جو مالدار ہو وہ (یتیم کے مال سے) بچار ہے اور جو نادار ہو وہ (اپنے زیر نگرانی یتیم کے مال میں سے) دستور کے مطابق کھا سکتا ہے جس زمین سے روزانہ ایک بکری لے لی جائے خدا کی قسم میرے خیال میں وہاں بہت جلد نقصان (یعنی بکریوں کی کمی) ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان نے جا کر زمینوں کی پیمائش کی انگور والی ایک جریب زمین پردس (درہم) کھجور والی جریب پر آٹھ گنے کی ایک جریب پر چھ گیسوں کی ایک جریب پر چار اور جو کی ایک جریب پر دو درہم (سالانہ) مقرر کیے۔ اور شخصی ٹیکس بارہ درہم چوبیس درہم اور اڑتالیس درہم لاگو کیا اور عورتوں بچوں پر کوئی

مقدار جزیہ کی تعیین امام کی رائے پر موقوف ہے امام کو چاہیے کہ ذمی کی طاقت کا لحاظ رکھے برداشت سے زائد کا اس کو تکلیف نہ کرے۔

مسئلہ: اگر کسی ذمی کافر کے معاہدے کو ایک سال پورا گزر گیا اور اس نے جزیہ ادا نہیں کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس سے پورے گزشتہ سال کا جزیہ لیا جائے گا (اسلام سے واجب الادا جزیہ ساقط نہ ہوگا) کیونکہ جزیہ کافر کے دارالاسلام میں رہنے کی اجرت ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے کوفہ کے ایک بوڑھے عالم نے بیان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو لکھ کر بھیجا (تحریر کے الفاظ یہ تھے) تم نے مجھ سے تحریر دریافت کیا ہے کہ حیرہ کے رہنے والے وہ یہودی اور عیسائی اور مجوسی جو مسلمان ہو جائیں

اور حالت کفر کا ایک بڑا جزیہ ان کے ذمہ باقی ہو، اس جزیہ کا کیا کیا جائے تمہارا مقصد یہ ہے کہ سابق جزیہ ان سے وصول کیا جائے تم کو جان لینا چاہیے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے بھیجا

ٹیکس جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا اس لئے ان مذاہب والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس پر جزیہ نہیں (یعنی سابق جزیہ جو اس پر واجب الادا رہا ہو وہ معاف ہو جائیگا)

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک سال شروع ہوتے ہی پورے سال کا جزیہ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے امام مالک کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لہذا ذمیت کا معاہدہ ہوتے ہی سال بھر کا جزیہ ادا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: اگر دو سال یا دو سال سے زیادہ مدت کا جزیہ ذمی نے ادا نہیں کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تدخل ہو جائیگا یعنی اس سے صرف ایک سال کا جزیہ لیا جائیگا۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: بچوں، پاگلوں اور عورتوں پر جزیہ واجب نہیں یہ قول متفق علیہ ہے بچے اور پاگل کسی سزا کے اہل ہی نہیں ہیں۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے عبید اللہ نے نافع کی روایت سے اسلام کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے (اپنے تحصیلداروں کو) لکھا تھا بالغوں سے جزیہ لینا عورت اور بچہ سے نہ لینا اور جزیہ میں صرف چار دینار یا چالیس درہم (فی کس سالانہ) لینا یعنی زیادہ نہ لینا۔

بیہقی نے بروایت زید بن اسلم زید کے باپ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے فوجی کمانڈروں کو لکھ کر بھیج دیا تھا کہ جزیہ صرف بالغوں پر مقرر کرنا۔ حضرت عمر عورتوں اور بچوں پر جزیہ مقرر نہیں

احمد و الترمذی و ابو داؤد۔ ابو داؤد نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا جب ذمی مسلمان ہو گیا تو اس پر (سابق) جزیہ کی ادائیگی نہیں۔ سفیان ثوری نے جو تشریح کی ہے وہ ابن عمر کی روایت سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان ہو گیا اس پر جزیہ نہیں۔ (رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط) ناداروں اور معذوروں کا حکم

ابو یوسف نے بروایت عمرو بن نافع بوساطت ابو بکر بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی شخص کے دروازے کی طرف سے گذرے وہاں ایک بوڑھا نابینا سائل (بھیک مانگ رہا تھا) باقی حدیث حسب سابق ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عمر نے اس بوڑھے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے کا حکم ساقط کر دیا۔ ابو بکر کا بیان ہے میں اس وقت موجود تھا اور میں نے اس بوڑھے کو دیکھا بھی تھا۔

ابو یوسف نے بروایت ہشام بن عروہ از عروہ (بن زبیر بن عوام) بیان کیا کہ حضرت عمر شام سے واپسی میں کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے ان لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر تیل بہایا جا رہا تھا۔ فرمایا یہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا ان پر جزیہ واجب ہے اور انہوں نے ادا نہیں کیا ہے۔ جزیہ وصول کرنے کیلئے ان کو تکلیف دی جا رہی ہے فرمایا جزیہ ادا کرنے کے متعلق ان کا کیا عذر ہے۔ لوگوں نے کہا یہ اپنی ناداری ظاہر کر رہے ہیں۔ فرمایا ان کو چھوڑ دو اور برداشت سے زیادہ ان کو مجبور نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگوں کو عذاب نہ دو جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے، اللہ قیامت کے دن ان کو عذاب دے گا، اس کے بعد آپ نے ان کو رہا کر دینے کا حکم دے دیا۔

ابو یوسف نے فرمایا مجھ سے ایک بوڑھے شیخ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ارقم کو ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمایا جب عبداللہ نے جانے کیلئے پشت پھیری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پکار کر فرمایا سن لو جو شخص کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا اس کو ناقابل برداشت کام پر مجبور کرے گا یا اس کو گھٹائے گا یا اس کی خوشی خاطر کے بغیر کچھ اس سے لیگا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔ اس حدیث سے امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ

نہیں گری تو اس نے دھکا دے کر عورت کو گدھے سے گرا دیا اور اس پر چڑھ گیا اس لئے میں نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آپ کے سامنے ہے حضرت عمر نے (اس نبی کی طرف خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان شرطوں پر تو ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا ہے اس کے بعد آپ کے حکم سے اس شخص کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے ذمے کو پھینکا کرو لیکن جو شخص ان میں سے ایسی حرکت کرے اس کی ذمہ داری نہیں رہتی۔

ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ معاہدہ ذمیت کی شکست صرف اسی وقت کی جاسکتی ہے کہ ذمی ادا جزیہ سے یا ہمارے احکام کو ماننے سے انکار کر دے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا صرف اس صورت میں معاہدہ توڑا جاسکتا ہے کہ ذمی دارالحرب سے مل جائے یا اسکے پاس کوئی فوجی طاقت ہو جس کی وجہ سے وہ دارالاسلام کے کسی حصہ پر قابض ہو گیا ہو ان دونوں صورتوں میں وہ حربی ہو جائے گا ذمی نہ رہے گا باقی کسی صورت میں معاہدہ نہیں توڑا جاسکتا کیونکہ مسلمانوں کو قتال سے بازداشت یعنی کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ کافر ادائے جزیہ کا وعدہ کر لیتے ہیں اور جزیہ کو اپنے اوپر لاگو مان لیتے ہیں (اس کے بعد ادا بھی کرتے ہیں یا نہیں یہ دوسری بات ہے) جزیہ ادا کرنا معاہدے کی بنیاد نہیں ہے اب اگر کوئی ذمی جزیہ نہیں دیتا اور اس کے پاس جنگی یا فوجی قوت بھی نہیں ہے تو اس نہ دینے کا اعتبار نہیں (ہم اس کو باغی یا حربی نہیں کہہ سکتے) امام المسلمین اس کو گرفتار کر سکتا ہے اور مار سکتا ہے۔

مسئلہ: اللہ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنے یا قرآن مجید یا دین اسلام کے متعلق نامناسب کلمات ادا کرنے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی بابت ناشائستہ کلام کرنے سے امام احمد کے نزدیک معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے خواہ معاہدہ کے وقت اس شرط کا تذکرہ آیا ہو (یا نہ آیا ہو) کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا السام علیک (آپ پر ہلاکت ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ یہودیوں کے الفاظ (اور مطلب) سمجھ گئیں آپ نے فوراً یہودیوں کو جواب دیا علیکم السام واللعنة (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر فرمایا عائشہ شرمی کرو اللہ مہربان ہے ہر کام

کرتے تھے۔ دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضرت عمر نے لکھا تھا) عورتوں اور بچوں پر جزیہ لاگو نہ کرنا۔

مسئلہ: غلام پر جزیہ نہیں، خواہ خالص غلام ہو یا مکاتب، یا مدبر یا امام ولد کا بیٹا (مکاتب وہ غلام ہے جس کو آقا نے یہ اختیار دے دیا ہو کہ اتنی رقم اگر تم مجھ کو دیدو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا نے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ ام ولد وہ باندی ہے جس کے بطن سے آقا کی کوئی اولاد پیدا ہو جائے ایسی باندی کو بیچنا جائز ہے اس کا بیٹا اگر چہ اس کے آقا کا بیٹا ہوتا ہے مگر باندی کا بچہ ہوتا ہے)۔ کیونکہ غلام کا کسی طرح کا غلام ہو۔ کوئی مال اپنا نہیں ہوتا۔ آقا کا ہوتا ہے اور ان کے مالکوں پر غلاموں کے حصہ کا یوں جزیہ نہیں کہ غلاموں کی وجہ سے ان پر جزیہ کا وجوب پہلے ہی زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر ذمی جزیہ ادا کرنے یا اسلام کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے لوگوں کو جمع کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یعنی نکاح (غیر شرعی) کر کے مسلمان عورت سے قربت کر لے یا کسی مسلمان کو اسلام کی طرف سے ورغلانے یا مسلمانوں کو راستہ میں لوٹ لے اور رہزنی کرے یا مشرکوں کیلئے جاسوسی کرے یا مسلمانوں کے خلاف کافروں کی راہنمائی کرے یا کافروں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچائے اور مسلمانوں کے رازوں سے ان کو واقف کرے تو ظاہر روایت میں آیا کہ امام احمد کے نزدیک ایسے ذمی کا معاہدہ توڑ دیا جائے گا اور وہ ذمی نہیں رہے گا۔ عبدالرزاق نے بروایت ابن جریر بیان کیا ہے کہ دو کتابوں نے ایک مسلمان عورت پر دست درازی کی تھی حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابو ہریرہ نے ان کو قتل کر دیا۔

بیہقی نے شععی کی روایت سے سوید بن غفلہ کا مقولہ نقل کیا ہے سوید کا بیان ہے ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے امیر المؤمنین اس زمانہ میں شام میں تھے اچانک ایک نبی شخص فریاد کرتا آیا کسی نے اس کو مارا تھا۔ اور وہ چیخ رہا تھا حضرت عمر نے صہیب سے فرمایا جا کر دیکھو یہ حرکت کس نے کی صہیب نے جا کر دیکھا تو مارنے والے عوف بن مالک نظر آئے عوف کو لے کر صہیب امیر المؤمنین کے پاس آگئے عوف نے کہا ایک مسلمان عورت (گدھے پر سوار جا رہی تھی اس) کو گدھے سے گرانے کیلئے اس شخص نے گدھے کو مارا لیکن جب عورت گدھے سے

جزیہ و خراج

جزیہ اس مال اور محصول کو کہتے ہیں جو کافروں کے نفوس اور ان کی ذات پر لگایا جائے اور خراج اس محصول کو کہتے ہیں کہ جو کفار کی زمینوں پر لگایا جائے۔ یہ لفظ جزاء سے مشتق ہے یعنی جزیہ۔ قتل کی جزاء اور اس کا بدلہ ہے کہ تم مستحق تو قتل کے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ تمہاری جان بخشی کر دی گئی اور دارالاسلام میں تم کو امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ نہ تم کو قتل کیا گیا اور نہ تم کو غلام بنایا گیا جیسے دیت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جزیہ سے قتل اور استرقاق ساقط ہو جاتا ہے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۲۷ ج ۱۰)

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ جزیہ قتل کی جزا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے حفاظت جان اور امن کا بدلہ اور فدیہ نہیں اس لئے کہ جزیہ صرف آزاد عاقل مردوں پر واجب ہوتا ہے جوڑنے اور جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عورت اور بچے اور مجنون اور غلام راہب اور معذور پر جزیہ نہیں حالانکہ حفاظت ان کی بھی کی جاتی ہے۔ اور باوجود کفر کے ان پر کوئی جزیہ نہیں اسلام میں جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے۔ جو مستحق قتل کے تھے معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ اور اس کا فدیہ ہے نہ کہ امن اور حفاظت کا عوض اور بدل ہے چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں ہی لغة الجزاء لانها جزت عن القتل كذا في الدر المختار.

نیز زمین عرب مرکز اسلام ہے اور قلب اسلام ہے اس سرزمین میں کسی طرح بھی بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ نیز آپ کی زندگی میں تمام قبائل عرب مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر اگر بت پرستی ہو سکتی ہے تو صرف ارتداد سے ہو سکتی ہے اور مرتد با تفاق ائمہ دین جزیہ دے کر قتل سے نہیں بچ سکتا۔ (معارف کا دھلوئی)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِيرُ بْنُ اللَّهِ

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے ☆

یہودیوں کا عقیدہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں لیکن یہ عقیدہ عام یہود کا نہ تھا۔ اور زمانہ مابعد میں تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب کوئی یہودی اس عقیدہ کا باقی نہیں رہا۔ اگر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا

میں نرمی کو پسند فرماتا ہے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے ان کا قول نہیں سنا فرمایا میں نے بھی تو وعلیکم کہہ دیا۔ بعض روایات میں علیکم بغیر واو کے آیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

شاتم رسول کی سزا

فتاویٰ میں امام اعظم کا مسلک یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا کوئی ہو یا کافر بہر حال اس کو قتل کر دیا جائے اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے۔ اس قول کا مطلب صاف ہے کہ رسول اللہ کی شان میں نازیبا کلمات کہنے سے معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی تائید امام ابو یوسف کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

اہل نجران سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا کہ ان کی پوری جماعت سے سالانہ دو ہزار حلے دینے پر معاہدہ ہو گیا، حلہ دو کپڑوں کے جوڑے کو کہتے ہیں، ایک تہبند اور ایک چادر، ہر حلہ کی قیمت کا اندازہ بھی یہ طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کا ہوگا، اوقیہ چالیس درہم یعنی ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے گیارہ تولہ چاندی ہوتی ہے۔

بنی تغلب سے معاہدہ

اسی طرح نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت فاروق اعظمؓ کا اس پر معاہدہ ہوا کہ ان کا جزیہ اسلامی زکوٰۃ کے حساب سے وصول کیا جائے مگر زکوٰۃ سے دو گنا۔

مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کا جزیہ

اور اگر مسلمانوں نے کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا، پھر وہاں کے باشندوں کی جائیدادوں کو انہی کی ملکیت پر برقرار رکھا، اور وہ رعیت بن کر رہنے پر رضامند ہو گئے، تو ان کے جزیہ کی مقرر شرح یہ ہوگی جو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں نافذ فرمائی کہ سرمایہ دار متمول سے چار درہم اور متوسط الحال سے اس کا نصف صرف دو درہم اور غریب سے جو تندرست اور محنت مزدوری یا صنعت و تجارت وغیرہ کے ذریعہ کماتا ہے اس سے اس کا بھی آدھا صرف ایک درہم ماہوار یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت لی جائے، اور جو بالکل مفلس یا ایاہج یا معذور ہیں ان سے کچھ نہ لیا جائے۔ اسی طرح عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے اور ان کے تارک الدنیا ہی پیشواؤں سے کچھ نہ لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

کے پاس تھا تو یہودیوں نے توریت پر عمل چھوڑ دیا اور توریت کو انہوں نے کھو دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے توریت ان کے سینوں سے فراموش کرادی اور تابوت کو اٹھالیا یہ حالت دیکھ کر حضرت عزیرؑ سے صبر نہ ہوسکا اور انہوں نے اللہ سے دعا وزاری کی اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ان کو توریت لوٹا کر عطا فرمادی (یعنی حضرت عزیر کو بھولی ہوئی توریت پھر یاد ہوگئی) حضرت عزیر نے بنی اسرائیل کو اطلاع عام دیدی اور فرمایا قوم والو! اللہ نے توریت مجھے دوبارہ عنایت فرمادی لوگ یہ سن کر (ہر طرف سے) ان سے چمٹ گئے (اور یاد کرنے لگے) اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا۔ پھر مدت کے بعد اللہ نے تابوت بھی نازل فرمادیا (تابوت کے اندر توریت بند تھی) لوگوں نے حضرت عزیر کی تعلیم دی ہوئی توریت کی تابوت والی توریت سے تطبیق کر کے دیکھی تو ایک ہی طرح پایا یہ بات دیکھ کر کہنے لگے عزیر کو دوبارہ توریت عطا ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ
اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا
اللَّهُ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ يَا فَوَاهِمَةٌ
بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے
يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا
ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی
مِنْ قَبْلُ
بات کی ☆

یعنی ”ابیت“ یا ”الوہیت“ مسیح وغیرہ کا عقیدہ پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے بلکہ ان ہی کی ایک تقلید میں یہ اختیار کیا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ کے فوائد میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عیسائیوں نے ابیت کا عقیدہ کیسے اختیار کیا

وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی اکیاسی برس تک اسلام پر قائم رہے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور رمضان کے روزے رکھتے

تو ضرور تھا کہ اس وقت یہود قرآن کی حکایت کی تغلیط کرتے۔ جیسا کہ اِتَّخَذُوا الْاَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَزْ اَبَاءِ قَوْمِ دُونِ اللَّهِ كُوْنِ كَرَعْدِي بِنِ حَاتِمٍ نَعْتَرَا ضَ كَمَا تَحَا كَهَابَارٍ وَرُهْبَانٍ كُوْرَبٍ تُو كُوْنِي نَهِيْسَ مَانَا اس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جو آگے آتا ہے۔ پس ابیت عزیر کے عقیدہ کو ان کی طرف نسبت کرنا، اور ان کا اعتراض و انکار کہیں منقول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ضرور اس وقت اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ ہاں جیسے مرد دھور سے بہت سے مذاہب اور فرقے مٹ مٹا گئے، وہ بھی نابود ہو گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ باقی ہم سے ایک نہایت ثقہ بزرگ (حاجی امیر شاہ خان مرحوم) نے بیان کیا کہ سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران میں مجھے بعض یہود اس خیال کے ملے جن کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیر کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کیسے بنایا

روایت میں آیا ہے کہ ایک فرشتہ نے ایک برتن میں پانی ملا کر عزیرؑ کو پلا دیا پیتے ہی ساری توریت حضرت عزیر کے سینے میں نقش ہوگئی پھر جب حضرت عزیرؑ قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا میں عزیر ہوں تو قوم نے تکذیب کی اور بولے اگر تم عزیر ہو تو توریت ہم کو لکھو دو۔ حضرت عزیرؑ نے توریت لکھ دی پھر کچھ زمانے کے بعد ایک شخص نے کہا مجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ توریت کو ایک مٹکے میں رکھ کر انگور کی بیلوں (کی جڑ) میں دفن کر دیا گیا تھا (تا کہ بخت نصر کے حملہ کے وقت توریت کا ایک نسخہ محفوظ رہے) اس شخص کی اطلاع پر لوگ اس کے ساتھ مقررہ جگہ پر گئے اور وہ وہاں سے توریت نکال لائے جب اس قدیمی توریت کو حضرت عزیر کی لکھوائی ہوئی توریت سے مقابلہ کر کے دیکھا تو دونوں کو مطابق پایا ایک حرف بھی نہیں چھوٹا تھا اس پر کہنے لگے اللہ نے ایک شخص کے سینہ میں پوری توریت القاء کر دی اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ شخص اللہ کا بیٹا ہے اسی وقت سے یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ (تفسیر مظہری)

عبید بن عمیر نے کہا اس قول کا قائل صرف فتاح بن عاذور یہودی تھا (کوئی اور قائل نہ تھا) اسی نے ان اللہ فقیر ونحن اغنيا ء بھی کہا تھا۔ بغوی نے عطیہ عوفی کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں میں عزیر کو ابن اللہ ماننے کی بنیاد اس طرح پڑی کہ جب عزیر موجود تھے اور توریت بھی موجود تھی اور تابوت بھی یہودیوں

بن گیا اور تینوں گروہوں میں باہم اختلاف ہو گیا اور آپس میں خوب قتل و قتل ہونے لگا۔ (تفسیر مظہری)

قَاتِلْهُمْ اللَّهُ اَنْتِ يُوَفِّكُوْنَ ۝۳۰

ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ☆

یعنی خدا ان کو عارت کرے تو حید کی صاف اور تیز روشنی پہنچنے کے بعد کدھرا اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ

ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

خدا اللہ کو چھوڑ کر ☆

علماء و مشائخ کو خدا بنانا

ان کے علماء و مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا۔ محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آدمیوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال و حرام کی تشریح) وہ علماء و مشائخ کو دیدیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے، جب معلوم ہوا کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع وغیرہ سے کہا پھر سند نہیں“ (تفسیر عثمانی)

رہبان (راہب کی جمع) گرجوں میں رہنے والے (تارک الدنیا) عیسائی (جیسے مسلمانوں میں خانقاہ نشین پیر اور درویش) رب قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور علماء و فقراء کے احکام کو مانتے ہیں۔ ترمذی نے صحیح میں اور بغوی نے حضرت عدی بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے۔ عدی نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی

تھے۔ جب نصاریٰ اور یہود میں جنگ ہوئی تو ایک بہادر یہودی نے جس کا نام بولس تھا حضرت عیسیٰ کے چند صحابیوں کو شہید کر دیا پھر خود ہی یہودیوں سے کہنے لگا اگر عیسیٰ برحق تھا اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو لا محالہ ہم دوزخی ہوں گے اور عیسائی جنت میں جائیں گے اس طرح ہم گھائے میں رہیں گے اور عیسائی فائدہ میں (عیسائیوں کو کافر بنانے کی) میں ایک تدبیر کرتا ہوں تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر دوزخی ہو جائیں۔

ایک گھوڑا تھا جس کا نام عقاب تھا عقاب پر سوار ہو کر ہی وہ جنگ کرتا تھا بولس نے اس گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور (دکھاوٹ کے طور پر) ندامت کا اظہار کیا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا عیسائیوں کے پاس پہنچا نصاریٰ نے پوچھا تو کون ہے بولا میں تمہارا دشمن بولس ہوں مجھے آسمان سے ایک ندا سنائی دی ہے کہ عیسائی ہوئے بغیر تیری توبہ قبول نہ ہوگی اس لئے میں نے یہودیت سے توبہ کر لی اور عیسائی ہو گیا عیسائی (اس کی باتوں میں آگئے) اور گرجا میں لے گئے وہاں ایک برس تک وہ ایک کونچری سے باہر نہیں نکلا نہ دن کو نہ رات کو سال بھر میں انجیل سیکھ گیا۔ پھر باہر آیا اور بولا مجھے ندا آئی ہے کہ اب تیری توبہ قبول ہوگئی۔ عیسائیوں نے اس کی بات سچ مان لی اور اس سے محبت کرنے لگے۔ پھر بولس نسطورا کو ایک کمرے میں لے گیا اور عیسائیوں پر اس کو اپنا نائب بنا کر کہا کہ عیسیٰ اور مریم اور الہ تینوں (الوہیت کے عناصر) تھے اس کے بعد روم چلا گیا اور روم کے عیسائیوں کو لاہوت و ناسوت کی تعلیم دی (یعنی یہ کہا) کہ عیسیٰ (حقیقت میں) آدمی نہ تھے نہ جسم تھے ان کی یہ ظاہری انسانیت و جسمانییت تو عالم ناسوت تھی عالم لاہوت میں وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ عقیدہ اس نے ایک شخص کو سکھا کر رومیوں پر اپنا خلیفہ بنا دیا پھر ایک اور آدمی کو طلب کیا جس کا نام ملکا تھا اس کو تعلیم دی کہ اللہ ازلی ابدی ہے اور عیسیٰ بعینہ اللہ ہے جب تینوں کا عقیدہ الگ الگ مضبوط کر دیا تو ہر ایک کو الگ الگ تنہائی میں طلب کر کے کہا تو میرا مخصوص مقرب ہے میں نے عیسیٰ کو خواب میں دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہیں۔ میں تو کل اپنے کو قربان کر دوں گا (اور عیسیٰ کے پاس چلا جاؤں گا) تم لوگوں کو اپنے عقیدہ اور مسلک کی تعلیم دینا۔ میں عیسیٰ کو خوش کرنے کیلئے اپنے آپ کو ذبح کر دوں گا اس کے بعد وہ ذبح خانہ (خودکشی کے مقام) میں چلا گیا۔ تیسرا دن ہوا تو تینوں میں سے ہر خلیفہ نے لوگوں کو اپنے مسلک کی دعوت دی ہر ایک کا ایک گروہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی اس بت کو اپنی گردن سے نکال کر پھینک دے میں نے اتا روی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ اِتَّخَذُوا الْاٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَزْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے۔ پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا ہم تو علماء و احبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسی بات نہ تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء و احبار حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال سمجھ لیتے تھے میں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا تھا فرمایا یہی ان کی عبادت تھی۔ (تفسیر مظہری)

غلبہ اسلام

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور ضحاک نے کہا یہ بات حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت ہو جائے گی تمام مذاہب والے مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ عیسیٰ کے زمانے میں تمام مذاہب برباد ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ ظہور سے مراد ہے تمام مذاہب پر دین حق کا غلبہ کسی ایک زمانہ میں۔ حضرت مقداد کا بیان اس کی تائید کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پیشگوئیاں

حضرت عدی فرماتے ہیں میرے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مجھ سے فرمایا اسلام قبول کر۔ تاکہ سلامتی ملے۔ میں نے کہا میں تو ایک دین کو ماننا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے دین کو تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے۔ میں نے کہا سچ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل سچ، کیا تو روسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا ہاں یہ تو سچ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں۔ پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کون سی چیز روکتی ہے۔ سن صرف اسی ایک بات کی تجھے روک ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور اور ناتواں ہیں تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ پنپ نہیں سکتے۔ لیکن سن حیرہ کا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا تو ضرور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر بغیر کسی کی امن کے مکہ معظمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔ واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا کسرے بن ہرمز کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں کسرے بن ہرمز کے، تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوا، یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں بے خوف و خطر بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ شریف پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ کسرے کے خزانے فتح ہوئے میں خود اس فوج

وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوا

اور مسیح مریم کے بیٹے بھی کو اور ان کو حکم یہی ہوا تھا

اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا اِلٰهًا

کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں

اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

اس کے سوا وہ پاک ہے ان کی شریک بتلانے سے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ بھادیں روشنی اللہ کی

يَا فَوَاھِمُ ؕ وَيَا بِي اللّٰهِ اِلَّا اَنْ

اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدون پورا کئے

يُتِمَّ نُوْرًا وَّلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اپنی روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر ☆

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پاسکتے ہیں یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث و جدل کر کے نور حق کو مدھم کر دیں ایسے ہی کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند اور سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے۔ یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی جلسیں مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے طاقتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت میں روئے زمین پر دو سلطنتیں تھیں ایک ایران کی اور دوسری روم کی ان دونوں بادشاہوں کی سطوت جبروت نے تمام دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب ان کی قوت کے سامنے مضطرب ہو رہے تھے۔ کسری شاہ ایران مذہباً مجوسی تھا اور قیصر روم مذہباً عیسائی تھا دنیا میں عیسائیت اور مجوسیت یہی دو مذاہب سب سے طاقتور تھے جن کو کسری اور قیصر کی سرپرستی حاصل تھی اور انہیں کادین تمام ادیان پر غالب تھا اور دیگر ادیان بمصدق الناس علیٰ دین ملوکہم مغلوب تھے۔ ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہود بھی تھے ان حالات میں اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بشارت دی گئی کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا۔

چنانچہ مقصد بعثت کی تکمیل ہوئی اور یہی خلافت خاصہ اور خلافت راشدہ ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا یہ تمام تر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔ جواز الہ الخفاء میں قلم حقائق رقم سے ظہور میں آیا ہے۔ (رحمۃ اللہ علیہ علیٰ امر الالیالی والایام)

قیصر و کسری کی شکست

حضرت عمر کے زمانے میں جب سلطنت قیصر مغلوب ہوئی تو گویا تمام ولایات فرنگ مغلوب ہو گئیں اس لئے کہ ولایات فرنگستان یعنی ریاست ہائے انگلستان سب قیصر روم کے ماتحت تھیں۔ اور حضرت عثمان کے زمانے میں سلطنت کسریٰ کا نام و نشان بھی نہ رہا ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مغرب کی جانب میں اسلامی سلطنت کی حدود اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچی اور مشرق میں بلاد چین تک پہنچی اور مشرق اور مغرب سے مدینہ میں خراج آنے لگا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کیا۔ اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

شیعوں کی پریشانی

شیعہ اس آیت کی تفسیر میں بہت حیران اور سرگرداں ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ اظہار دین سے سیف و سنان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ حجت اور برہان کا غلبہ مراد ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پوری ہو گئی۔

اور کشف الغمہ میں امام رضا سے منقول ہے لا ایمان لمن لا

میں تھا جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کسری کے مخفی خزانے اپنے قبضے میں کئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری پیشین گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر رہے گی۔ (ابن کثیر)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت

وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ

اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین

كُلِّهِ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۲۵﴾

پر اور پڑے برا مانیں مشرک ☆

اسلام کا ہمہ جہتی غلبہ

اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے۔ یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قریب قیامت کے ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایمانداروں کا خاتمہ قیامت کی علامت ہے

مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات و دن ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ (ایک زمانہ میں تمام دنیا میں) لات و عزریٰ کی پوجا ہونے لگے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ و دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ و لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ کے نزول کے بعد تو میرا خیال یہ تھا کہ یہ فیصلہ قطعی ہو چکا (آئندہ کبھی کفر کو غلبہ حاصل نہ ہوگا) فرمایا یہ (اسلام کا غلبہ) تو ہوگا اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گا پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اس کی روح قبض ہو جائے گی اور سوائے اہل شرک کے اور کوئی باقی نہ رہے گا سب لوگ اپنے اسلاف کے مذہب (شرک) کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

تو خلافت تو بنی رہتی۔ اور باغی اور مفسد لوگ سب ہی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے۔ اور دین کی ترقی ہوتی اور بایں ہمہ کچھ ہی سہی آخر قاتلان حضرت عثمان ظالم تھے اور مظلوم نہ تھے۔ اور ہمراہیان اور امام الشہداء کے برابر بے گناہ بھی نہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقیہ سے براءت

اس لئے تمام اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تقیہ کی نسبت یہ سب شیعوں کی تہمت ہے

سُبْحٰنَكَ هَذَا اِبْهَتَانٌ عَظِيْمٌ ہم غلامان اہل بیت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیر خدا تھے اور خدا کے محبت اور محبوب تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے سامنے دب کر رہیں۔ اور ان کی خوشامد کرتے رہیں اور خوشامد میں اپنی بیٹی (ام کلثوم) (عمر) کو دیدیں۔ یہ سب ناممکن اور محال ہے

۔ اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

(معارف القرآن کا ندرت)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا
اے ایمان والو بہت سے
مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ
عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ
مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
اللہ کی راہ سے ☆

دُنیا پرست علماء و مشائخ

یعنی روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الہیہ کو بدل ڈالتے ہیں ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گذرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے جو کچھ غلط سلسلہ کہہ دیں وہ ہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، ٹکے بٹورنے اور اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کیلئے عوام کو مکرو فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں کیونکہ عوام اگر ان

تقیہ فقیل یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی متی قال الی وقت یوم معلوم وهو خروج قائمنا فمن ترک التقیة قبل خروج قائمنا فلیس منا اور جامع الاخبار میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تارک التقیة کتارک الصلوة الغرض شیعوں کے نزدیک بغیر تقیہ کے ایمان نا تمام رہتا ہے اور تارک تقیہ بمنزلہ تارک صلاۃ کے ہے۔ تو حضرات شیعہ بتلائیں کہ پھر دین کا اظہار اور اعلان اور دعوت اور تبلیغ کی کیا صورت ہے۔

نیز کافروں سے خوف کی صورت میں ہجرت واجب ہے آیات قرآنیہ اس بات کے بیان سے بھری پڑی ہیں کہ جہاں اظہار حق اور دین پر عمل ممکن نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر جائیں

إِن أَرَجِنِیْ وَاسِعَةً فَإِنَّا یَیْ فَاَعْبُدُونِ یعنی میری زمین وسیع ہے کہیں چلے جاؤ اور جا کر میری عبادت کرو۔

شیعوں کے نزدیک حضرت علی پر ہجرت واجب تھی کہ کافروں اور منافقوں کو چھوڑ کر کہیں چلے جاتے ساری عمر تقیہ ہی میں گزاری اور ہجرت نہ کی۔

ہم خاکپائے غلامان اہل بیت کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی تقیہ نہیں فرمایا ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا وہ اسد اللہ الغالب تھے کہ وہ شجاعت تھے صاحب کرامت تھے مرکز کرامات و ولایت تھے انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی تقیہ تو کمزور اور خوف زدہ آدمی کیا کرتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت امیر نے تمام زندگی جو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ معاملہ رکھا وہ عین حقیقت اور عین مودت تھا معاذ اللہ معاذ اللہ محض ظاہر داری نہ تھی بفرض محال اگر خلفائے ثلاثہ کا کچھ ڈر تھا تو وہ ان کی زندگی تک تھا۔ اور جب ابو بکر و عمر دنیا سے چلے گئے تو پھر کس چیز کا ڈر تھا کہ جو بر سر منبر اپنے زمانہ خلافت میں ابو بکر و عمر کی فضیلت اور منقبت کو بیان فرماتے تھے۔

نیز اگر حضرت امیر نے ابو بکر و عمر کے ساتھ تقیہ کیا تو امیر معاویہ کے ساتھ تقیہ کیوں نہ کر لیا۔ اگر حضرت معاویہ کے ساتھ تقیہ کر لیتے تو بہت سے بہت یہ ہوتا کہ قاتلین عثمان مارے جاتے تو وہ کون سے آپ کے عزیز و اقارب تھے جن کا آپ کو اس قدر پاس و لحاظ تھا۔ حضرت سید الشہداء نے تو اپنے اہل و عیال اور نخت جگر کو اس دین کی بابت قتل کرادیا اور اپنے آپ بھی جان بحق ہوئے اور زن و فرزند اور ننگ و ناموس کا کچھ بھی لحاظ نہ فرمایا سید الشہداء نے یہ سب کچھ گوارا کیا مگر یزید کے مقابلہ میں تقیہ کو گوارا نہیں فرمایا۔

حضرت امیر اگر قاتلان عثمان کو امیر معاویہ کے حوالے کر دیتے

کی یہ سزا ہے تو اسی سے ان احبار و رہبان کا انجام معلوم کر لو جو حق کو چھپا کر یا بدل کر روپیہ بٹرتے ہیں۔ اور ریاست قائم رکھنے کی حرص میں عوام کو خدا کے راستہ سے روکتے پھرتے ہیں بہر حال دولت وہ اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ

سونے اور چاندی کو ساتھ ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعیین نصاب کے لئے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے۔ اور ملانے کے بعد ایک نصاب بنا کر اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے ملانے کی صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کا حساب لگانا ہے۔ اگر مجموعی قیمت بقدر نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کی جائے۔

زیادہ ثواب والا دینار

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وہ دینار ہے جس کو تو راہ خدا (جہاد) میں خرچ کرے۔ ایک وہ دینار ہے جو تو کسی غلام (کی آزادی) کیلئے صرف کرے، ایک وہ دینار ہے جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے، ایک وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کے (ضروری) صرف میں لائے ان میں سب سے زیادہ ثواب والا وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کے (ضروری) صرف میں لائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ثوبان رلوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اجر ثواب میں) سب سے بڑھ کر وہ دینار ہے جو آدمی اپنے بال بچوں کے (ضروری) مصارف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو راہ خدا میں کسی سواری کے صرف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو جہاد کے موقع پر کسی ساتھی کیلئے خرچ کرتا ہے۔

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابو سلمہ (سابق شوہر) کے بچے جو میرے بھی بچے ہیں اگر میں ان کیلئے کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان کیلئے خرچ کرو جو کچھ ان کے لئے خرچ کرو گی اس کا ثواب پاؤ گی۔ (بخاری و مسلم)

دوہرا اجر

حضرت ابن مسعود کی بیوی زینب کا بیان ہے کہ میں نے اور ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہم اگر اپنے شوہروں کو کچھ خیرات دیں تو کیا ہم کو اس کا ثواب ملے گا فرمایا دوہرا اجر ملے گا۔ خیرات کا اور رشتہ (نوازی) کا۔ (بخاری و مسلم)

کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کر لیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تا کہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے۔ علماء و مشائخ اور اغنیاء و رؤساء۔ ان میں سے دو کا ذکر تو ہو چکا تیسری جماعت (رؤساء) کا آگے آتا ہے۔ ابن المبارکؒ نے خوب فرمایا وھل افسد اللین الا الملوک و احبار سوء و رہبا نہا (تفسیر عثمانی)

ائمہ مجتہدین کا اتباع

اس سے معلوم ہوا کہ مسائل دین سے ناواقف عوام کے لئے علماء کے فتویٰ کا اتباع یا اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع اس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ اتباع درحقیقت خدا و رسول ہی کے احکام کا اتباع ہوتا ہے اہل علم و نظر براہ راست اللہ و رسول کے کلام کو دیکھ کر اس پر عمل کرتے ہیں، اور ناواقف عوام اہل علم سے پوچھ کر انہی احکام پر عمل کرتے ہیں اور اہل علم جو درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ بھی اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں، یہ اتباع خود قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہے اور حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

فَتَسَلُّوا أَهْلَ الْبَلَدِ الَّذِي كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ، ”یعنی اگر تم خود احکام خدا و رسول سے واقف نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کرو“

یہود و نصاریٰ کے عوام نے کتاب اللہ اور احکام خدا و رسول کو بالکل نظر انداز کر کے خود غرض پیشہ و علماء یا جاہل عبادت گذاروں کے قول و عمل ہی کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی

وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ

اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سوان کو خوشخبری سادے

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

عذاب دردناک کی ☆

سرمایہ پرستوں کا انجام

جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان

گھاٹا پانے والے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو حاجت سے زائد ہو وہ کنز ہے، کیونکہ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا رب کعبہ کی قسم وہ بہت گھاٹا پانے والے ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان کون لوگ فرمایا بڑے مالدار سوائے ان (مالداروں) کے جو اس طرح اور اس طرح دیتے ہیں۔ (یعنی) آگے سے پیچھے سے اور دائیں بائیں سے (لٹاتے ہیں) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ (صحیح مسلم صحیح بخاری، تفسیر منہری)

سرمایہ پرستی سے بچنے کی دعاء

حسان بن عطیہؓ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوسؓ ایک سفر میں تھے ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں مجھے برا معلوم ہوا آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کہی تھی اب تم اسے بھول جاؤ۔ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھ لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو۔ اللھم انی اسئلك الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد واسئلك شکر نعمتک واسئلك حسن عبادتک واسئلك قلبا سلیمًا واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خیر ماتعلم واعوذ بک من شر ماتعلم واستغفرک لما تعلم انک انت علام الغیوب، یعنی یا اللہ! میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر یہ اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والادل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے اس سے پناہ اور جن کی برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب کا جاننے والا ہے۔

مال اژدہا بن جائے گا

حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدہا بن کر اس کے پیچھے لگے گا جو عضو سامنے آجائے گا اسی کو چبا جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو اپنے بعد خزانہ چھوڑ جائے اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدہا بن کر جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے اس کے پیچھے لگے گا یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے

کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ۔ آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا اور اس سے اس کی پیشانی پہلو اور کمر داغی جائے گی۔ پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا یہی حال رہے گا پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھادی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف اٹخ۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی رائے اور عمل

امام بخاریؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہبؓ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آگے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم شام میں تھے وہاں میں نے آیت والذین یکنزون الخ کی تلاوت کی تو (حضرت) معاویہؓ نے فرمایا یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا ہمارے اور ان کے سب کے حق میں ہے۔ اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا، خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ میں جب مدینہ طیبہ پہنچا تو دیکھا کہ چو طرف سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ غرض میں مدینہ شریف میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آ گیا۔ آخر میں نے (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینہ شریف کے قریب ہی کسی صحرا میں چلے جاؤ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے اسے جمع کر رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی کا آپ فتویٰ دیتے تھے اور اسی بات کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے اسی کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر بڑا ہی تشدد کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے یہ نہ مانے تو آپ نے خلافت سے شکایت کی۔ امیر المؤمنینؓ نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کا حکم دیا۔ آپ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت معاویہؓ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں آپ نے شام سے پہلے ہی پہلے سب ادھر ادھر راہ اللہ خرچ کر ڈالیں۔ شام کو وہی صاحب

جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے وہ آئے اور کہا مجھ سے غلطی ہوگئی امیر معاویہ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائی تھیں میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں وہ واپس کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں اچھا جب میرا مال آجایگا تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ذرؓ کو ان کا حصہ ملا آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات کو فراہم کرنا شروع کیا۔ سامان کی خرید کے بعد سات بیچ رہے حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو۔ (تفسیر ابن کثیر)

زکوٰۃ دینے کے بعد مال کنز نہیں

حدیث میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز تم میں داخل نہیں۔ (ابوداؤد، احمد وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

کرے گا قیامت کے دن اس سونے چاندی سے اس کیلئے آگ کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو دہکا کر اس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب وہ کچھ ٹھنڈی پڑ جائیں گی تو دوبارہ تپا کر داغ لگائے جائیں گے اور ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی، آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس شخص کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا جنت کو جانے والا یا دوزخ کو جانے والا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اونٹوں کا کیا حکم ہے فرمایا اور جو اونٹوں والا ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا اور پانی پلانے کے دن ان کو دوہنا (اور دودھ میں سے مساکین کو دینا بھی) منجملہ حقوق کے ہے۔ قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں اونٹوں کے سامنے اس کو لٹایا جائے گا اونٹ سب موجود ہوں گے ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا، یہ اونٹ اپنے موزوں (یعنی کھروں) سے اس کو روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے اول حصہ جب روندتا چلا جائے گا تو پچھلا حصہ پھر (روندنے کیلئے) لوٹ پڑے گا۔ (یعنی روندنے کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا) ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کا کیا حکم ہے۔ فرمایا ان کا مالک اگر حق ادا نہ کرے گا تو ہموار میدان میں ان جانوروں کے سامنے اس کو پچھاڑ کر لٹایا جائے گا سب جانور موجود ہوں گے کوئی غیر حاضر نہ ہوگا۔ ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ اس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں نہ کوئی جانور منڈا ہوگا، نہ سینگ ٹوٹا ہوا (سب کے سینگ نوک دار آگے کی طرف ہوں گے) یہ تمام جانور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے روندیں گے اول حصہ گزرتا جائے گا اور پچھلا حصہ لوٹ کر آتا جائے گا۔ یہ عذاب اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی آخر جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا جنت کا یا دوزخ کا۔ (رواہ مسلم)

یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے اس میں اس امر کی صراحت ہے کہ وہ کنز جس کو تپا کر داغ دیئے جائیں گے اس سے مراد وہ کنز ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

یَوْمَ يُحْصَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ

جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی

فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ

پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں

وَأُظْهِرُوا فِي هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَفْهَمُونَ

اور پٹھیں (کہا جائیگا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے

فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۵﴾

اب مزہ چکھو اپنے گاڑھنے کا ☆

بخیل مالدار کی سزا

بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لئے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی) پہلو پیٹھ پر داغ دیے جائیں گے تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔ (تفسیر عثمانی)

مال کا حق ادا نہ کرنے کی سزا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ

نسی کی رسم

اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسی“ کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہیگا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے موافق ”نسی“ (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔ اور اس کی وہ ہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی قلمس کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اسی کی نسل سے ”ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی“ کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حرم میں داخل رہیگا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا۔ اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔

حلال و حرام کرنے کا حق

گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار اور ہبان کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کیلئے ”نسی“ کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور **إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ** الخ اس کے رد کی تمہید ہے۔ یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کیلئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں۔ جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ یہی سید ہادین (ابراہیم علیہ السلام کا) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں گناہ کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے مگر ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک

عَشْرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ

بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ

آسمان اور زمین ان میں چار

وَحُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينِ الْقَيِّمُ لَا

مہینے ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین ☆

اہل کتاب اور مشرکین میں مشابہت

میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتلایا کہ ان کے عقائد اور طور و طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین ”ملائکہ اللہ“ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں ”ابنیت مسیح“ کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے۔ وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا ٹھہرا لیا۔ باوجود دعوائے کتاب کے احبار اور ہبان کے احکام کو شریعت الہیہ کا بدل تجویز کر لیا۔ یعنی احبار اور ہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے۔ احکام سماوی کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ سے مشابہ ہے۔ ان کے سرگروہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کا ذکر ”انعام“ میں مفصل گزر چکا اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ ”مہینوں“ میں سے چار مہینے ”اشہر حرم“ (خاص ادب و احترام کے مہینے) میں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ ”اشہر حرم“ قرار دیے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی منتخب چیزیں

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرمایا فرشتوں میں انسانوں میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چن لئے اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرمایا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرمایا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرمایا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو اور راتوں میں سے لیلة القدر کو پسند فرمایا ان چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ جنہیں خدا نے عظمت دی ہے۔ امور کی تعظیم اتنی کرنی عقل مند اور فہیم لوگوں کے نزدیک ضروری ہے جتنی تعظیم ان کی اللہ تعالیٰ سبحانہ نے بتلائی ہو۔ ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے۔ ان میں جو کام حرام ہیں انہیں حلال نہ کر لو جو حلال ہیں انہیں حرام نہ بنا لو جیسے کہ اہل شرک کرتے تھے یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قربانی کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

صحیحین میں حضرت ابوبکر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) خطاب کیا اور فرمایا زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس ہیئت پر آسمان وزمین کی پیدائش کے دن تھا سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں تین پے در پے ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور (ایک) رجب مضر جو جمادی (الثانیہ) اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے ہم نے خیال کیا شاید اس مہینہ کا نام کوئی دوسرا نام (مروج نام کے علاوہ) لیں گے (لیکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں،

فرمایا یہ شہر کون سا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب واقف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔ ہمارا خیال ہوا کہ شہر کا نام مقررہ نام کے علاوہ کچھ اور لیں گے فرمایا کیا یہ مکہ شہر نہیں، ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں، فرمایا یہ دن کون سا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب واقف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے

ہمارا گمان ہوا کہ شاید کہ کوئی دوسرا نام لیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں، فرمایا تو جس طرح تمہارا یہ دن اس ماہ اور اس شہر میں حرمت والا ہے اسی طرح تمہارے آپس میں باہمی خون اور مال اور آبرو نہیں بھی حرام ہیں (کسی کو کسی کا قتل یا آبروریزی یا ناجائز مال لینا جائز نہیں) عنقریب تم کو اپنے رب کے سامنے جانا ہوگا اور وہ تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

اس لئے خوب سن لو کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔ تم نے سن لیا کیا میں نے حکم پہنچا دیا صحابہ نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ ہے اب جو حاضر ہے وہ اس کو (یہ حکم) پہنچا دے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ کبھی سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھتا ہے جس کو سننے والا پہنچاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا

اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے

يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ

وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں اور جان لو کہ

اللَّهُ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۵﴾

اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے ☆

کافروں سے لڑنا

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے (چنانچہ ”غزوة تبوک“ جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ ماہ رجب میں ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے۔ ان مہینوں میں زیادہ۔

اکثر علماء کی رائے یہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافران مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

ہے کہ کچھ نبطی لوگ ملک شام سے مدینہ میں روغن زیتون لاتے تھے انہوں نے مسلمانوں سے تذکرہ کیا کہ رومیوں نے بڑی فوجیں جمع کی ہیں اور ہرقل نے اپنے آدمیوں کو ایک سال کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی ہے اور ان کے ساتھ مختلف قبائل بنی لحم، بنی جذام، بنی عاملہ، بنی غسان وغیرہ بھی اپنے اپنے مقاموں سے چل دیے ہیں اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے مگر یہ ساری اطلاع غلط تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کی جب اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کو شام کی طرف چڑھائی کرنے کی دعوت دے دی۔ طبرانی نے عمران بن حصین کا بیان ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ کر بھیجا تھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تباہ ہو چکا ہے لوگ مسلسل قحط میں مبتلا ہیں ان کے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں اگر آپ اپنے دین کی حمایت چاہتے ہیں تو یہ موقع ہے اس اطلاع پر ہرقل نے اپنے ایک سردار کو چالیس ہزار فوج دیکر روانہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاد کا حکم دیدیا۔ (تفسیر مظہری)

بَيَّأَهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا
اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم
قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں
أَتَأْتَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ
تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ
دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر
فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي
سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا
الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۷﴾
آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا ☆

غزوہ تبوک

یہاں سے غزوہ تبوک کے لئے مؤمنین کو ابھارا گیا ہے

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ

یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں

يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُحِلُّونَهُ

مگر اسی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں

عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُؤَا

اس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں دوسرے برس تاکہ پوری کر لیں

طُوعًا وَعِدَّةً مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوهُ

کنتی ان مہینوں کی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں

حَرَّمَ اللَّهُ زِينَةَ لَهُمْ سُوءُ أَعْيَابِهِمْ

جو مہینہ کہ اللہ نے حرام کیا بھلے کر دیے گئے ان کی نظر میں ان کے برے کام

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو ☆

یعنی برے کام کو اچھا سمجھ رہے ہیں جب سمجھ الٹ جائے تو بھلائی کا رستہ کہاں ملے۔ اس آیت میں جو رسم کسی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل گذشتہ آیت کے فوائد زیر آیت ذلک الدین القیم گذر چکی۔

لوند کا سال

تنبیہ:- بعض اقوام جو اپنے مہینوں کا حساب درست رکھنے کے لئے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بڑھاتی ہیں۔ وہ کسی میں داخل نہیں۔ اور بعض اکابر سلف سے کسی کے تحت میں یہ منقول ہے کہ عرب جاہلیت میں سال کے مہینوں کا عدد بدل ڈالتے تھے مثلاً بارہ کے چودہ مہینے بنا لئے یا حساب میں ایسی گڑبڑی کی کہ جو ذیقعد تھا ذوالحجہ بن گیا حتیٰ کہ ۹ ہجری میں ابو بکرؓ کا حج بھی ان کے حساب سے ذیقعد میں ہوا۔ اور حدیث ان الزمان قد استدار کھیتہ الخ کی تقریر بھی اسی اصول کے موافق کی گئی۔ ان سب چیزوں پر حافظ ابن کثیر نے تعقب کیا ہے من شاء فليرجعه۔ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔ اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق ہوئی جیسا کہ ارادہ ہے تو وہاں تفصیلی کلام کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

تیل کے تاجروں کی اطلاع

محمد بن یوسف صالحی نے محمد بن عمر اور محمد بن سعید کی روایت نقل کی

گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں جوذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی۔ اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ فتح مکہ وغزوہ حنین کے بعد ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ (ملک غسان) قیصر روم کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ ہم خود حدود شام پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کیلئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی۔ سایہ خوشگوار تھا۔ پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا اور نہ صرف ملک غسان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سروسامان سے آراستہ افواج سے نبرد آزما ہونا، کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔ ایسی مہم میں مومنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جانبازانہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل و صعب سفر سے کترارہے تھے۔ جن میں بہت سے تو آخر کار ساتھ ہوئے اور گئے چنے آدمی رہ گئے۔ جن کو کسل و تقاعد نے اس شرف عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیس ہزار سرفروش مجاہدین کا لشکر جہاد لیکر حدود شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقام تبوک میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ادھر قیصر روم کے نام نامہ مبارک لکھا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ مگر قوم نے موافقت نہ کی۔ اس لئے قبول اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع ہوئی قیصر روم سے ظاہر کیا۔ اس نے مدد نہ کی ان لوگوں نے اطاعت کی مگر اسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں تمام ملک شام فتح ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور خدا نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافقین مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سستی اور کسل

کی بناء پر نہ گئے تھے بے حد نادام و متحیر تھے۔ اس رکوع کے شروع سے بہت دور تک ان ہی واقعات کا ذکر ہے۔ مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں کہیں کہیں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیت حاضرہ میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کا مرادف ہے مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پر پشہ کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگ دستی کا تھا۔ گرمی بھی سخت تھی ملک بھی خشک تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کیلئے مدینہ میں رکنا اور سایہ میں رہنا پسند کرتے تھے ایسے وقت اور اس حالت میں روانگی ان کو ناگوار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی جہاد پر جانے کا ارادہ ہوتا تو بطور کنایہ درپردہ بیان فرمادیتے اور توریہ کے طور پر کسی دوسری جگہ کا اظہار کر دیتے تھے صرف تبوک کا جہاد ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر لوگوں سے ارادہ کا اظہار کر دیا کیونکہ مسافت لمبی تھی زمانہ بھی سخت تھا اور جن دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ان کی تعداد بھی بہت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر اظہار فرمادیا تاکہ لوگ تیاری کر لیں ابن ابی شیبہ بخاری اور ابن سعد نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گردا گرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ کو بھی پیغام بھیج دیا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت لوگ ہو گئے لیکن منافق اور مخلص مومنوں میں سے بھی کچھ ست کار لوگ ساتھ نہیں گئے ان لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے

أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ

جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا

إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ

جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا

لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ

پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اس کی

أَيْدِيَهُمْ بِجُنُودٍ لَّهُمْ تَرَوُهَا وَجَعَلَ

مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے

كَلِمَةً الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةٌ

ذالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات

اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ١٠

ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ☆

واقعہ ہجرت

یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے نہ سہی۔ ان کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں، ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے آخر آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں کی ضرب لگائیں تاکہ خون بہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
(تفسیر مظہری)

عبدالعزیز بن مروان کا انتقال

مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان رحمہ اللہ نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوا یا اسے دیکھ کر فرمایا پس میرا تو دنیا سے یہی حصہ تھا اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں پھر پیٹھ موڑ کر رو کر کہنے لگے ہائے دنیا تیرا بہت بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی چھوٹا ہے افسوس ہم دھوکے میں ہی رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

عقیدہ آخرت کا اثر

عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں۔ توحید، رسالت، اور آخرت، ان میں عقیدہ آخرت درحقیقت اصلاح عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی دیوار ہے، اگر غور کیا جائے تو بدیہی طور پر معلوم ہوگا کہ دنیا میں امن و سکون اس عقیدہ کے بغیر قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ آج کی دنیا جرائم کا انسداد تو چاہتی ہے مگر خدا و آخرت سے غافل ہو کر چاہتی ہے اور قدم قدم پر ایسے سامان جمع کرتی ہے جس میں رہ کر خدا و آخرت کی طرف دھیان بھی نہ آئے۔ (معارف مفتی اعظم)

إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَنْصُرُوهُ

اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکے

شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ١١

تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ☆

یعنی خدا کا کام تم پر موقوف نہیں۔ تم اگر سستی کرو گے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی دوسری قوم کو دین حق کی خدمت کیلئے کھڑا کر دیگا۔ تم اس سعادت سے محروم رہو گے جو تمہارے ہی نقصان کا موجب ہے۔ منت منہ کہ خدمت سلطاں ہی کئی منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشت

نے اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹایا تاکہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علیؑ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بینکانہ ہوگا پھر خود بہ نفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے ”شاہت الوجوہ“ فرماتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابو بکرؓ نے اندر جا کر اسے صاف کیا سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کاٹنا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا۔ اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکرؓ کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی ادھر کفار ”قائف“ کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالاتن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دیدیے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ انہیں فکرتھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کیلئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ کر پائینگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی

کیفیت سکون و اطمینان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ابو بکرؓ کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و تائید کی۔ یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے ”اوہن البیوت“ بتلایا ہے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اس طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور ان کی تدابیر خاک میں ملا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ پیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

(تنبیہ): بعض نے وَ اَیَّدْنَا بِمُجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے بدر و حنین وغیرہ میں جو نزول ملا نہ کہ ہوا وہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ جب کہ پیغمبر اپنے ساتھی (ابو بکر) سے کہہ رہے تھے۔ اذ اخرجہ سے اذہما فی الغار اول بدل اور اذ یقول دوسرا بدل ہے۔ ترمذی اور بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم میرے غار کے ساتھی ہو اور حوض پر میرے ساتھی ہو گے۔ مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابو بکرؓ کو خلیل بنا لیتا مگر (اب) وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں اور اللہ نے تمہارے ساتھی کو (یعنی مجھے اپنا) خلیل بنا لیا ہے۔ حسن بن فضل کا قول ہے اگر کوئی ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی نہ کہے تو وہ کافر ہے قرآنی صراحت کا انکار کرتا ہے، باقی صحابہ میں سے اگر وہ کسی کو صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے تو بدعتی (فاسق) ہوگا کافر نہ ہوگا۔

لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم نہ کر بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ کی معیت بے کیف ہے۔ حضرت شیخ شہید مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت ابو بکرؓ کی یہ ہی فضیلت بہت بڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ ملا کر اللہ کی معیت کی دونوں کیلئے یکجائی ثابت کی اللہ کی جو معیت اپنے لئے ثابت کی وہی معیت حضرت ابو بکرؓ کے لئے بھی ثابت کی جو حضرت ابو بکرؓ کی

حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ قربان اس وقت جو آرہے ہیں تو ضرور حکم مل گیا ہے (اسی لئے دوپہر کو آرہے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے داخلہ کی اجازت لی اور اندر آگئے۔

خوشخبری: حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا جو لوگ تمہارے پاس ہوں ان کو یہاں سے ہٹا دو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کوئی مجھ نہیں بس یہی میری دونوں لڑکیاں ہیں دوسری روایت میں آیا ہے بس یہی آپ کے گھر والے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا مجھے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا ہاں (تم میرے ساتھ چلو گے) ابوبکرؓ رونے لگے خوشی سے روتے ہوئے میں نے اس سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

اونٹنیوں کی خریداری

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان میری یہ دو اونٹنیاں ہیں ان میں سے ایک آپ لے لیجئے۔ فرمایا قیمت سے (لوں گا) جو اونٹ میرا نہ ہو اس پر سوار نہیں ہوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے فرمایا لیکن جس قیمت پر تم نے خریدی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اتنی قیمت پر میں نے خریدی تھی فرمایا میں اتنی قیمت پر لیتا ہوں، حضرت ابوبکر نے کہا یہ آپ کی ہوگئی۔

بخاری نے غزوہ رجب کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ اونٹنی جدا تھی واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو درہم بتائی ہے۔

سامان سفر

حضرت عائشہ کا بیان ہے ہم نے دونوں کیلئے بہترین زادراہ تیار کیا اور ایک تھیلے میں کھانے کا سامان رکھ دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کھانے میں بکری کا پکا ہوا گوشت بھی تھا۔ اسماء نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ اسی لیے ان کا لقب ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) ہو گیا دوسری روایت میں آپ کا لقب ذات النطاق (کمر بند والی) آیا ہے۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء نے اپنا کمر بند چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے زادراہ باندھ دیا اور دوسرے کو خود باندھے رہیں، اسی لیے ان کو ذات النطاق اور ذات النطاقین کہا گیا۔ ایک کمر بند والی اور دو کمر بند والی آپ کا لقب اسی مناسبت سے ہو گیا۔ ابن سعد کے نزدیک دو کمر بند والی کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں

فضیلت کا انکار کرتا ہے وہ اس آیت کا انکار کرتا ہے اور جو آیت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ رہا حضرت ابوبکر کے دل میں فکر پیدا ہونا تو ایسا بزدلی کی وجہ سے نہ تھا جیسے رافضی تہمت لگاتے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے متعلق آپ کو اندیشہ ہوا اور انہوں نے (اپنے دل میں) کہا اگر میں مازا جاؤں تو (کوئی حرج نہیں) ایک آدمی کا قتل ہوگا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو امت ہلاک ہو جائیگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا تھا۔ اپنی جان کا اندیشہ نہ تھا۔

ہجرت:۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق اور امام احمد اور بخاری اور ابن حبان نے حضرت عائشہ کی روایت سے اور ابن اسحاق و طبرانی نے حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء کی روایت سے بیان کیا ہے۔

ہجرت مدینہ کا آغاز

حسب بیان بخاری حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے شعور ہوا تو میں نے اپنے ماں باپ کو ایک (نئے) دین پر چلتے دیکھا کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ صبح اور شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں جب مسلمانوں پر زیادہ تکلیفیں پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں تمہارا مقام ہجرت دیکھ لیا جہاں بکثرت کھجوروں کے درخت ہیں اور دو سنگلاخ زمینوں کے وسط میں واقع ہے۔ چنانچہ مہاجرین مدینہ کو ہجرت کر گئے اور جو لوگ مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے تھے۔ وہ بھی عموماً (حبشہ سے) مدینہ کو پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن رسول اللہ نے ان سے فرمایا ذرا توقف کرو۔ (ابھی مجھے اجازت نہیں ملی) امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائیگی حضرت ابوبکرؓ نے کہا میرے ماں باپ قربان کیا آپ کو اپنے لئے بھی اجازت کی امید ہے فرمایا ہاں حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کی غرض سے رک گئے آپ نے دو اونٹنیاں کیکر کے پتے کھلا کھلا کر چار ماہ تک پالیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف آوری ایک روز ہم حضرت ابوبکر کے گھر ٹھیک دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے کہ اسماء نے کہا ابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں آپ اس روز سر پر کپڑا ڈالے ایسے وقت آرہے تھے جو خلاف معمول تھا۔

اور بولے خدا کی قسم میرا خیال ہے وہ ساری رقم اپنے ساتھ لے گیا میں نے کہا ابا ایسا نہیں وہ تو ہمارے لئے بہت رقم چھوڑ گئے ہیں یہ کہنے کے بعد میں نے کچھ پتھریاں لے کر اس طاقت میں رکھ دیں جہاں میرے باپ رقم رکھا کرتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئی اور ان سے کہا ابا آپ اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھ لیجئے یہ رقم رکھی ہے بڑے میاں نے ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا اور کہنے لگے اگر وہ یہ رقم تمہارے لئے چھوڑ گیا ہے تب تو کوئی حرج نہیں ہے اس نے یہ اچھا کیا اس سے تمہارا کام چل جائے گا۔

خدا کی قسم! حضرت ابو بکر ہمارے لیے کچھ چھوڑ کر نہیں گئے تھے مگر میں نے بڑے میاں کو تسلی دینے کے لیے ایسا کیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی فکر

بیہتی کا بیان ہے جب حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہو گئے تو راستہ میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے آگے چلتے تھے کبھی دائیں کبھی بائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ

کہیں کوئی آگے گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں

پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی جستجو میں نہ آجائے تو پیچھے

ہو جاتا ہوں اسی طرح دائیں بائیں چلنے لگتا ہوں جب غار کے دہانہ

پر پہنچے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو اس

خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ اس کے اندر نہ

جائیں آپ سے پہلے میں اندر جا کر دیکھ لوں اگر اندر کوئی (موذی

کیڑا) ہوگا تو آپ سے پہلے مجھ پر اس کا وار ہوگا چنانچہ آپ پہلے داخل

ہو گئے اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنے لگے جو سوراخ نظر آتا اپنا کپڑا پھاڑ کر

اس میں ٹٹول دیتے تھے اس طرح سب سوراخ بند کر دیئے صرف ایک

سوراخ رہ گیا جس کو بند کرنے کیلئے کپڑا نہ رہا تو آپ نے اس کے منہ

پر اپنی ایڑی لگا دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہو گئے۔

سوراخ کے اندر سے سانپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ڈسنے لگے

اور آپ کے آنسو بہنے لگے (مگر آپ نے ایڑی نہ ہٹائی) ابن ابی شیبہ

اور ابن منذر کی خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب

ہم دونوں غار پر پہنچے تو ایک سوراخ نظر آیا۔ میں نے اس سوراخ میں

اپنی دونوں ٹانگوں کو اڑا دیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی سانپ

نے اپنا کمر بند چیر کر دو ٹکڑے کر کے ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ

باندھ دیا تھا اور دوسرے سے (پانی کے) مشکیزہ کا منہ جکڑ دیا تھا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ نے قبیلہ بنی ذل کا ایک آدمی جو اس وقت

کافر تھا بعد کے زمانہ میں مسلمان ہوا اجرت پر لے لیا تھا یہ شخص راہ شناس

اور ماہر راہنما تھا۔ دونوں حضرات نے اس کو امین بنا کر دونوں اونٹنیاں

اس کے سپرد کر دیں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ تین روز کے بعد غار ثور

پر وہ دونوں اونٹنیاں لے کر ملے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے جانے کی اطلاع

دے دی اور حکم دے دیا کہ میری جگہ تم یہاں رہ کر لوگوں کی جو امانتیں

میرے پاس موجود ہیں وہ ادا کر دینا (پھر چلے آنا) مکہ کے اندر جس

شخص کو اپنی کسی چیز کی حفاظت مقصود ہوتی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس لا کر بطور امانت رکھ دیتا تھا کیونکہ آپ کی سچائی اور امانت

پر اس کو بھروسہ ہوتا تھا (گو یا سب کی نظر میں آپ صادق و امین تھے)

مکہ سے روانگی

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابو بکرؓ کو غار کے غار پر جا پہنچے۔ بیہتی کا بروایت حضرت عمر

بیان ہے کہ رات میں روانہ ہوئے تھے ابن اسحاق اور واقدی کا قول

ہے کہ اس درخت سے نکلے تھے جو حضرت ابو بکر کے گھر کی پشت میں

تھا۔ ابو نعیم نے عائشہ بنت قدامہ کی روایت سے لکھا ہے۔ کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کھڑکی سے بھیس بدلے ہوئے نکلا سب

سے پہلے میرے سامنے ابو جہل آیا مگر اللہ نے اس کو نابینا کر دیا وہ نہ

مجھے دیکھ سکا نہ ابو بکر کو ہم دونوں (اس کے سامنے سے) گذر گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مالی قربانی

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

قربان کسی کیڑے نے مجھے ڈس لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فوراً تھکا کر دیا اور تکلیف جاتی رہی (مگر آخری عمر میں) پھر اس زہر کا حملہ ہوا اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اور دن وہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا اگر یہ لوگ اونٹ کی ٹانگ میں باندھنے کی ایک رسی دینے سے بھی (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے) انکار کریں گے تو میں رسی کے لئے ان سے جہاد کروں گا میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ملائے رکھیے اور ان سے نرمی کا سلوک کیجئے۔ فرمایا کیا تم جاہلیت میں تو بڑے قوی تھے اور اسلام میں آ کر بزدل ہو گئے۔ وحی بند ہو گئی دین کامل ہو گیا۔ کیا میرے جیتے جی دین میں کمی ہو سکتی ہے۔

جنگلی کبوتر اور مکڑی

ابن سعد، ابو نعیم بیہقی اور ابن عساکر نے ابو مصعب مکی کی روایت سے بیان کیا ابو مصعب نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ارقم اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کو پایا اور ان سب کو یہ بیان کرتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غار کے اندر داخل ہو گئے تو غار کے منہ پر اللہ نے درخت راہ اگا دیا (جس نے غار کا منہ چھپا لیا) اور حکم خدا مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بھی تن دیا اور دو جنگلی کبوتروں نے غار کے منہ میں بسیرا بھی کر لیا۔ جب قریشی جوان ہر طرف سے ڈنڈے لٹھیاں اور تلواریں لیے آ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا فاصلہ چالیس گز رہ گیا تو ایک شخص نے غار میں دیکھا اس کو دو جنگلی کبوتر نظر آئے وہ سمجھا کہ غار کے اندر کوئی نہیں۔ اس کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی جس سے آپ نے یقین کر لیا کہ اللہ نے آئی ہوئی مصیبت ٹال دی اور دونوں کبوتروں کو عادی اور ان کی بھلائی کا بدلہ مقرر فرما دیا۔ چنانچہ وہ جوڑ احرم میں پہنچا وہاں ان کے بچے ہوئے اور حرم کے سارے کبوتر انہی کی نسل سے ہوئے۔

امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان پر مشرک پہاڑ تک آ گئے۔ پہاڑی پر پہنچ کر قدموں کے نشانات گڑبڑ ہو گئے مگر وہ پہاڑی پر چڑھ کر غار کی طرف سے گذر گئے اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تانا ہوا دیکھ کر کہنے لگے اگر اس میں کوئی اندر گیا ہوتا تو جالا منہ پر تانا ہوا نہ

بچھو ہوگا تو پہلے مجھے ڈسے گا (آپ محفوظ رہیں گے) ابن مردویہ نے جندب بن سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب غار پر داخل ہو گئے اور صفائی کرتے میں کوئی چیز آپ کے ہاتھ میں لگ گئی آپ ہاتھ سے خون پونچھنے لگے اور کہنے لگے تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہو گئی ہے جو کچھ تجھے دکھ پہنچا ہے وہ اللہ کی راہ میں پہنچا ہے۔

حضرت ابو بکر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء

ابو نعیم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا تمہارا کپڑا کہاں گیا حضرت ابو بکرؓ نے وہ واقعہ عرض کر دیا جس میں کپڑے کو کام میں لائے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا، اے اللہ ابو بکرؓ کو جنت کے اندر میرے درجہ میں میرے ساتھ کر دینا اللہ نے وحی بھیجی کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک دن اور رات کا عمل

رزین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ آیا تو آپ رونے لگے۔ اور فرمایا مجھے دل سے یہ بات پسند ہے کہ میری زندگی کے سارے اعمال کا مجموعہ ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کے برابر (درجہ میں) ہو جائے رات تو وہ جس میں ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار کی طرف چلے تھے اور غار پر پہنچ کر عرض کیا تھا آپ کو خدا کی قسم آپ پہلے اس کے اندر نہ جائیں میں اول داخل ہو جاؤں اگر کچھ ہوگا تو مجھے دکھ پہنچ جائے گا آپ محفوظ رہیں گے چنانچہ آپ نے اندر جا کر غار کو صاف کیا ایک جانب ایک سوراخ نظر آیا تو اپنا تہبند پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیا مگر دو سوراخ اور رہ گئے تو آپ نے دونوں پاؤں ان دونوں کے منہ کے اندر اڑا دیئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اب آپ اندر آجائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر پہنچ گئے اور حضرت ابو بکرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے ایک سوراخ کے اندر سے کسی کیڑے نے حضرت ابو بکرؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا مگر اس خیال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بیدار نہ ہو جائیں آپ نے حرکت بھی نہیں کی شدت تکلیف کی وجہ سے آپ کے آنسو بہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے تو آنکھ کھل گئی اور پوچھا ابو بکرؓ کیا بات ہے ابو بکرؓ نے کہا میرے باپ ماں

ہمارے ساتھ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا:

فانزل اللہ سکینتہ علیہ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے اطمینان رسول اللہ پر نازل فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کذا ذکر البلاذری۔

ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ (علیہ کی ضمیر حضرت ابو بکرؓ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ نے اپنا اطمینان حضرت ابو بکرؓ پر نازل فرمادیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (اس قول سے حضرت ابو بکرؓ کے دل میں اطمینان پیدا ہو گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے سے ہی اطمینان حاصل تھا۔ یہ مطلب زیادہ صحیح ہے، فاء (حرف تعقیب) اس پر دلالت کر رہا ہے پھر قریب ترین مرجع کی طرف ضمیر کو لوٹانا بھی زیادہ مناسب ہے۔

فرشتوں نے حفاظت کی

وَ اَيُّدًا بِمُجْنُوذٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ان کی مدد اس لشکر سے کی جو تم کو دکھائی نہیں دیا۔ یعنی ملائکہ کی فوج بھیج دی جس نے کفار کے چہرے اور نظریں مار مار کر پھیر دیئے تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ ابو نعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک شخص کو غار کی طرف منہ کئے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہم کو دیکھ لے گا فرمایا ہرگز نہیں فرشتے اپنے پروں سے اس کے سامنے آڑ کر لیں گے، کچھ دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ وہ شخص سامنے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا اگر یہ ہم کو دیکھ لیتا تو ایسا نہ کرتا۔ بعض علماء نے کہا کہ فرشتوں نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ لوٹ گئے۔

مجاہد اور کلبی نے کہا بدر کے دن فرشتوں نے آپ کی مدد کی تھی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تھے اس وقت اللہ نے دشمنوں کے فریب کو ان کی طرف سے پھیر دیا اور ان کو ناکام کر دیا پھر بدر کے دن بھی ملائکہ کو بھیج کر اپنی نصرت کا اظہار کیا۔ حضرت حسان کے شعر

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا کہ ابو بکرؓ کے

ہوتا۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین رات ٹھہرے رہے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم غار میں ہیں (اور قریش اوپر ہیں) اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو نیچے ہم کو دیکھ لے گا رسول اللہ نے فرمایا ابو بکرؓ تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے (یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے)

دو بار مکڑی کے ذریعہ حفاظت کی گئی

ابو نعیم نے حلیہ بن عطاء بن میسرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ مکڑی نے (اللہ کے پیغمبروں کی حفاظت کیلئے) دوبارہ جالا بنا ایک بار حضرت داؤدؑ کی حفاظت کیلئے جب کہ طالوت ان کی جستجو کر رہا تھا اور ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے جب کہ حضور غار میں تھے۔ بلاذری نے تاریخ میں۔ مشرکوں کا قیافہ شناس

ابوسعید نے بیان کیا کہ مشرکوں نے ایک شخص کو جس کا نام علقمہ بن کرز بن ہلال خزاعی تھا مزدوری پر لے لیا تھا علقمہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے تھے (لیکن ہجرت کے وقت کافر تھے) علقمہ قدموں کے نشانات کے پیچھے پیچھے سب کو لے کر گیا مکہ کے نشیب میں جب غار ثور پر پہنچا تو کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات کٹ گئے ہیں میں نہیں سمجھتا دائیں کو گئے یا بائیں جانب پھر پہاڑ پر چڑھ گیا اور غار کے دہانے پر پہنچ گیا امیہ بن خلف نے کہا یہاں تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے سے مکڑی کا جالا ہے پھر امیہ نے (غار کے منہ پر) پیشاب کر دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر خوف اور اطمینان کا نزول

بیہقی نے حضرت عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو نہ ملے تو وہ سوار ہو کر آپ کی تلاش میں ہر طرف کوچل دیئے اور چشموں والوں کے پاس بھی انہوں نے آدمی بھیج دیئے ان کے لئے بڑا معاوضہ بھی مقرر کر دیا (کہ اگر وہ پتہ نشان بتادیں گے تو ان کو مقررہ معاوضہ دیا جائے گا) اور اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس کے اندر وہ غار تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کی آوازیں سن لیں، حضرت ابو بکرؓ ڈر کر رونے لگے غم و اندوہ اور خوف ان پر مسلط ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ابو بکرؓ سے فرمایا غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ

وسلم کے ساتھ چلے تھے اس کی تفصیل بتائیے آپ دونوں حضرات نے کیا کیا تھا، آپ نے فرمایا رات بھر اور آدھے دن چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو گئی اور راستہ خالی ہو گیا کوئی راہ گیر راستہ میں نظر نہ آتا تھا اور ایک لمبی سایہ دار چٹان سامنے نظر آئی۔ اس کے نیچے دھوپ کا اثر نہیں پہنچا تھا ہم وہیں اتر پڑے اور چٹان کے پاس پہنچ کر میں نے اپنے ہاتھ سے وہاں ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ یہاں سو جائیے میں چاروں طرف کا چوکیدارہ کرتا رہوں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور میں باہر آ کر ماحول کی نگرانی کرنے لگا۔ مجھے ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لیے چٹان کی طرف اسی غرض سے آ رہا تھا جس غرض سے ہم وہاں اترے تھے۔ میں (آگے بڑھ کر) اس سے ملا اور پوچھا تو کس کا غلام ہے اس نے مکہ والوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا میں اس کو پہچان گیا اور پوچھا تیری بکریوں کے پاس کچھ دودھ بھی ہے اس نے کہا جی ہاں میں نے کہا تو کیا میں دودھ دو لوں، اس نے کہا جی ہاں چنانچہ اس نے ایک بکری کو پکڑا میں نے کہا اس کے تھن جھاڑ کر خاک دھول صاف کر دے اس نے مشکل سے ایک بڑا پیالہ دودھ کا دوہ کر مجھے دیا میرے پاس ایک لوٹا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے اور وضو کرنے کیلئے میں پانی رکھتا تھا اور اس کے منہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا میں دودھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا مگر بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور بیدار کرنے کی نیت سے کھڑے کھڑے دودھ کے برتن میں پانی ڈالنے لگا۔ برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا اتنے میں حضور بیدار ہو گئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کچھ دودھ پی لیجئے آپ نے پی لیا اور میں خوش ہو گیا پھر فرمایا کیا ابھی روانگی کا وقت نہیں آیا میں نے عرض کیا آ گیا چنانچہ دھوپ ڈھلنے کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔

ام معبد کی بکری

طبرانی، حاکم، ابو نعیم اور ابو بکر شافعی نے حضرت سلیط بن عمر وانصاری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہ اور راہنما مدینے کو جانے کے ارادہ سے نکلے تو ان کا گذر ام معبد خزاعی کے خیمہ کی طرف سے ہوا ام معبد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی نہ تھی۔ ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ پردہ نہ کرتی تھی پاکدامن تھی خیمہ کے صحن

متعلق بھی تم نے کچھ کہا ہے حضرت حسان نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو کہو میں سنوں گا حضرت حسان نے کہا، وہ اونچے غار کے اندر دو میں کے دوسرے تھے جب کہ دشمن پہاڑ پر چڑھا ہوا چکر کاٹ رہا تھا۔ صحابہ جانتے تھے کہ ابو بکر سارے انسانوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ کے محبوب تھے آپ نے ان کے برابر کسی کو نہیں قرار دیا یہ شعر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے کہ ڈاڑھیں (یعنی وہ دانت جو آخری ڈاڑھیوں اور سامنے کے دانتوں کے درمیان ہوتے ہیں) نمودار ہو گئیں پھر فرمایا حسان جیسا تم نے کہا وہ ایسے ہی ہیں۔

حضرت عبد اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے پھر تین رات دونوں غار میں چھپے رہے اس عرصہ میں عبد اللہ بن ابی بکر بھی انہی کے پاس رات کو رہتے تھے۔ عبد اللہ ہوشیار اور بات کو جلد سمجھنے والے نوجوان تھے سحر کو اندھیرے ہی میں واپس آجاتے تھے اور صبح کو قریش کے ساتھ اس طرح ہو جاتے تھے جیسے رات کو انہی کے پاس رہے ہوں (دن میں) جو بات سنتے اس کو یاد رکھتے اور جب تاریکی ہو جاتی تو جا کر دن بھر کی خبروں کی اطلاع دیتے۔

عامر بن فہیرہ

ابو اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر کھانا بنا کر شام کو پہنچا دیتی تھیں عامر بن فہیرہ جو قریش کے چرواہوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا شام کو ایک گھنٹہ رات گئے (جانوروں کو لے کر) غار پر پہنچ جاتا تھا، اس طرح تازہ دودھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کو لے جاتا تھا ہر رات وہ ایسا ہی کرتا تھا جب تین راتیں گذر گئیں اور تلاش کرنے والے لوگوں کو سکون ہو گیا تو وہ شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے سواریاں پہنچانے کیلئے مزدوری پر ٹھہرایا تھا دونوں کے اونٹ لے کر آ پہنچا دونوں حضرات سوار ہو گئے۔ عامر بن فہیرہ بھی راستہ میں خدمت کرنے کیلئے ساتھ ہو گیا عامر بن فہیرہ، عبد اللہ بن طفیل کا غلام تھا اور عبد اللہ بن طفیل بن سخرہ حضرت عائشہؓ کا اخیافی بھائی تھا، راہنما دونوں حضرات کو عسفان سے نشیب کی جانب ساحل کے راستہ سے لے چلا پھر راجح پہنچ کر اس نے راستہ کاٹا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی تفصیل

امام احمد اور شیخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا، جس رات کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

میں بیٹھا کرتی تھی اور مسافروں کو کھلاتی پلاتی تھی، ان حضرات نے اس سے گوشت اور چھوڑے مول لینے کی غرض سے طلب کیے مگر چونکہ اس زمانہ میں وہ لوگ ناز اور کال میں مبتلا تھے۔ اس لئے ام معبد کے پاس کچھ نہ تھا۔ کہنے لگی خدا کی قسم اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم تم کو دکھ میں نہ رکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری دکھائی دی فرمایا ام معبد یہ بکری کیسی ہے ام معبد نے کہا کمزوری کی وجہ سے بکریوں کے ساتھ (جنگل کو) نہیں جاسکی ہے۔ فرمایا کیا اس کے پاس دودھ ہے، ام معبد نے عرض کیا یہ تو بہت ہی کمزور ہے۔ فرمایا کیا تمہاری اجازت ہے میں اس کو دوہ لوں ام معبد نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان اس کے پاس تو کبھی نہ نہیں آیا اگر آپ کو اس کے پاس دودھ معلوم ہوتا ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوا کر اس کے تھنوں کو اور پشت کو سہلایا اور بسم اللہ کہی اور ام معبد کے لئے بکری کے سلسلے میں کچھ دعا کی۔ بکری نے فوراً ٹانگیں چیر دیں اور دودھ جاری ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوا یا برتن اتنا بڑا تھا کہ وہ سب لوگ اس میں دودھ پی کر سیر ہو جایا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی برتن میں دودھ دوہا، دودھ کے جھاگ منہ تک آگئے اور دودھ اوپر تک بھر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کو (اول) دودھ پلایا وہ سیر ہو گئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے تو خود پیا اور فرمایا پلانے والے کو سب سے آخر میں پینا چاہئے پھر دوبارہ دوہا پھر بھی برتن بھر گیا اور بھر برتن اس کے پاس چھوڑ کر سب روانہ ہو گئے ابن سعد اور ابو نعیم نے ام معبد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس بکری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تھا وہ میرے پاس ۱۸ھ میں بھی تھی جو حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ تھا یہ سال انتہائی کال کا تھا روئے زمین پر (سبزی نام کی) کوئی چیز باقی نہ رہی تھی مگر ہم صبح شام اس بکری کا دودھ دوہا کرتے تھے (یعنی وہ برابر دودھ دیتی تھی) اس کا دودھ خشک نہ ہوا تھا) بیہتی نے دوسرے طریقہ سند کے کچھ کمی بیشی کے ساتھ ام معبد کا قصہ نقل کیا ہے کہ شام کو ام معبد کا بیٹا اپنی بکریاں لے کر واپس آیا تو ام معبد نے اس سے کہا یہ باکھر بکری اور چھری ان دونوں آدمیوں کے پاس لے جا اور ان سے جا کر کہہ دے کہ میرے باپ نے کہا ہے آپ لوگ اس بکری کو ذبح کر کے (بھون کر) کھالیں اور کھلا دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا تو چھری لے جا اور ایک

بڑا پیالہ لے آ۔ اس نے کہا یہ تو باکھر ہے اس کے پاس دودھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور پیالہ بھر کر دودھ دوہا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا ہم دورات وہاں ٹھیرے رہے پھر روانہ ہو گئے۔

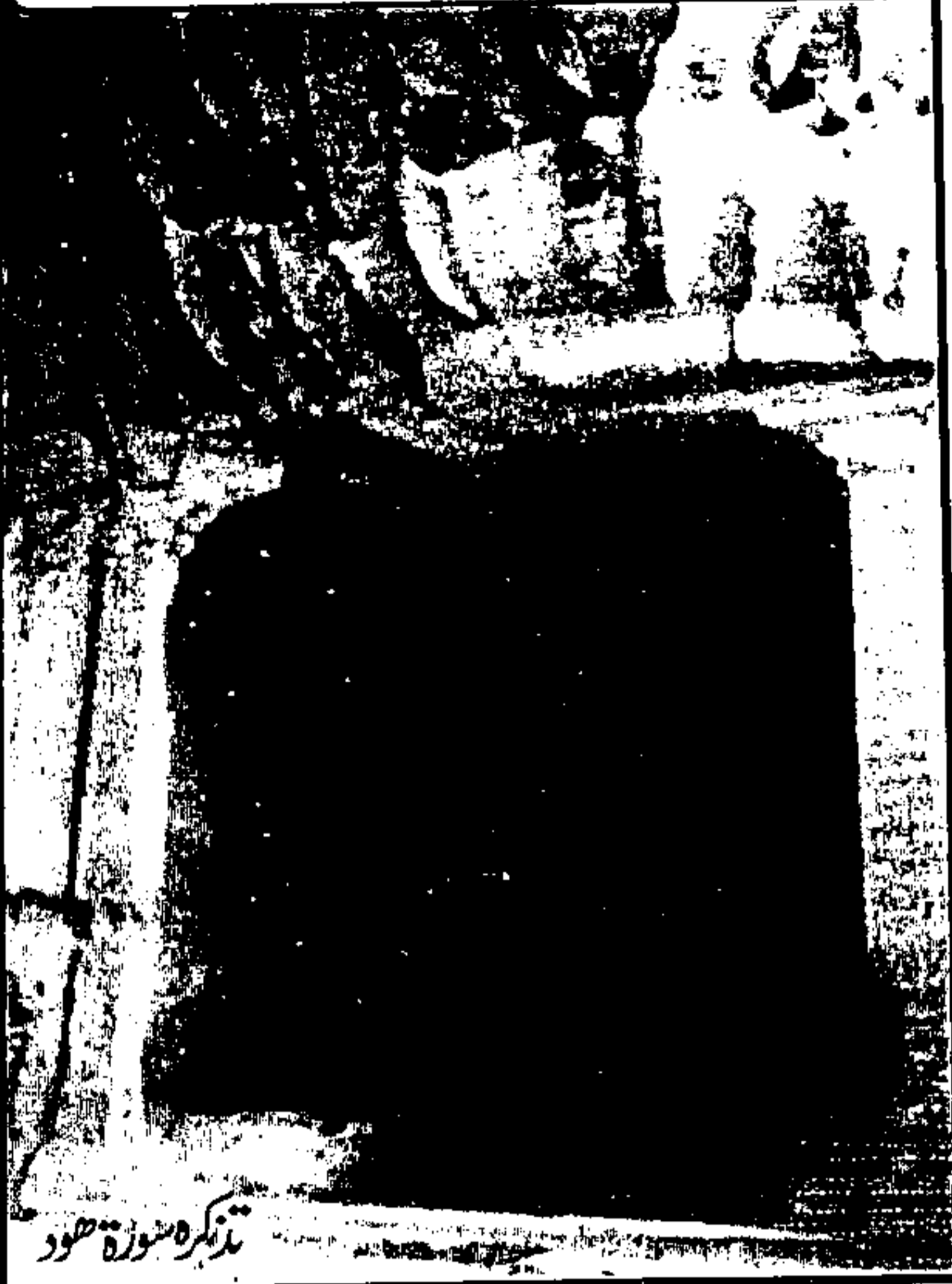
ام معبد کا مسلمان ہونا

ام معبد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک کہنے لگی اس کی بکریاں بہت ہو گئیں یہاں تک کہ (کچھ مدت کے بعد) وہ بکریاں لے کر مدینے کو آئی اس کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ کا گذر ہوا ام معبد کے بیٹے نے آپ کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اور اپنی ماں سے کہا ماں یہ آدمی وہی ہے جو مبارک کے ساتھ تھا ام معبد اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی اور بولی اے عبد اللہ وہ آدمی جو تمہارے ساتھ تھا کون شخص ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا وہ اللہ کے نبی ہیں، کہنے لگی مجھے ان کے پاس لے چلو۔ (حضرت ابو بکرؓ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانا کھلایا اور کپڑے دیئے اور وہ مسلمان ہو گئی۔

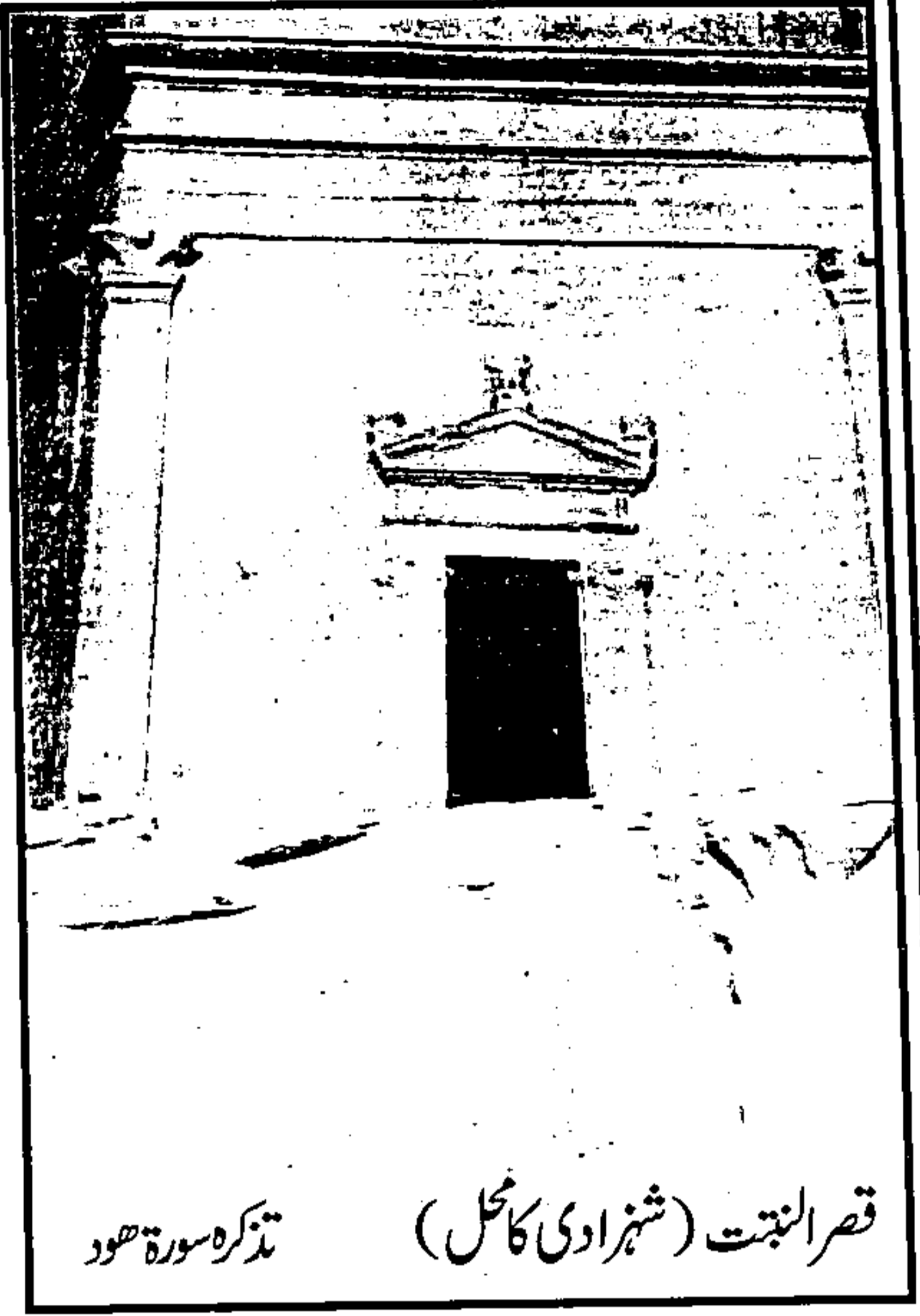
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ جو ام معبد نے بیان کیا

ہشام بن جش کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد معبد کا باپ دہلی حاملہ بکریاں ہنکا تا گھر واپس آیا اور دودھ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا معبد کی ماں یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا، بکریاں تو دور (جنگل میں) تھیں اور گھر میں کوئی دودھیا بکری نہ تھی۔ معبد کی ماں نے کہا یہ ایک بابرکت آدمی کی برکت ہے جس کا واقعہ اس طرح ہوا۔ معبد کے باپ نے کہا ام معبد اس کے کچھ حالات بیان کرو۔ ام معبد نے کہا ایک چمکدار چہرے والا روشن روشا نادر حسین خوش اخلاق آدمی تھا۔ نہ تو ند نکلنے کی وجہ سے وہ بد ہیئت تھا نہ سر چھوٹا ہونے کے سبب حقیر معلوم ہوتا تھا۔ (یعنی نہ تو ندیلا ہونے کا اس میں عیب تھا نہ سر چھوٹا ہونے سے پیدا ہونے والی حقارت) سیاہ کشادہ چشم اور گھنی پلکوں والا تھا۔ اس کی آواز میں گرج یا تیزی تھی داڑھی گھنی بھنویں پتلی لمبی اور ملی ہوئی تھیں خاموشی کے وقت باوقار اور کلام کرنے کے وقت پر رونق، دور سے بہت ہی حسین اور روشن چہرہ نظر آتا تھا اور قریب سے بڑا شیریں اور خوش (گفتار) اس کا کلام بلیغ، مناسب ممتاز تھا نہ کم ناقص نہ زیادہ بکواس۔ گفتگو پر وئے ہوئے موتیوں کی طرح تھی۔ اس کا قدمیانہ تھا نہ زیادہ طویل عیب دار نہ اتنا چھوٹا کہ آنکھوں کو حقیر معلوم ہو۔ اس کا قدمیانہ دو ٹہنیوں کے درمیان کی ٹہنی تھی۔ نہایت خوش منظر اور عالی قدر۔ اس کے

بادشاہ کی نشست گاہ جو پہاڑ کو کھود کر مہارت سے تعمیر کی گئی



تذکرہ سورۃ ہود



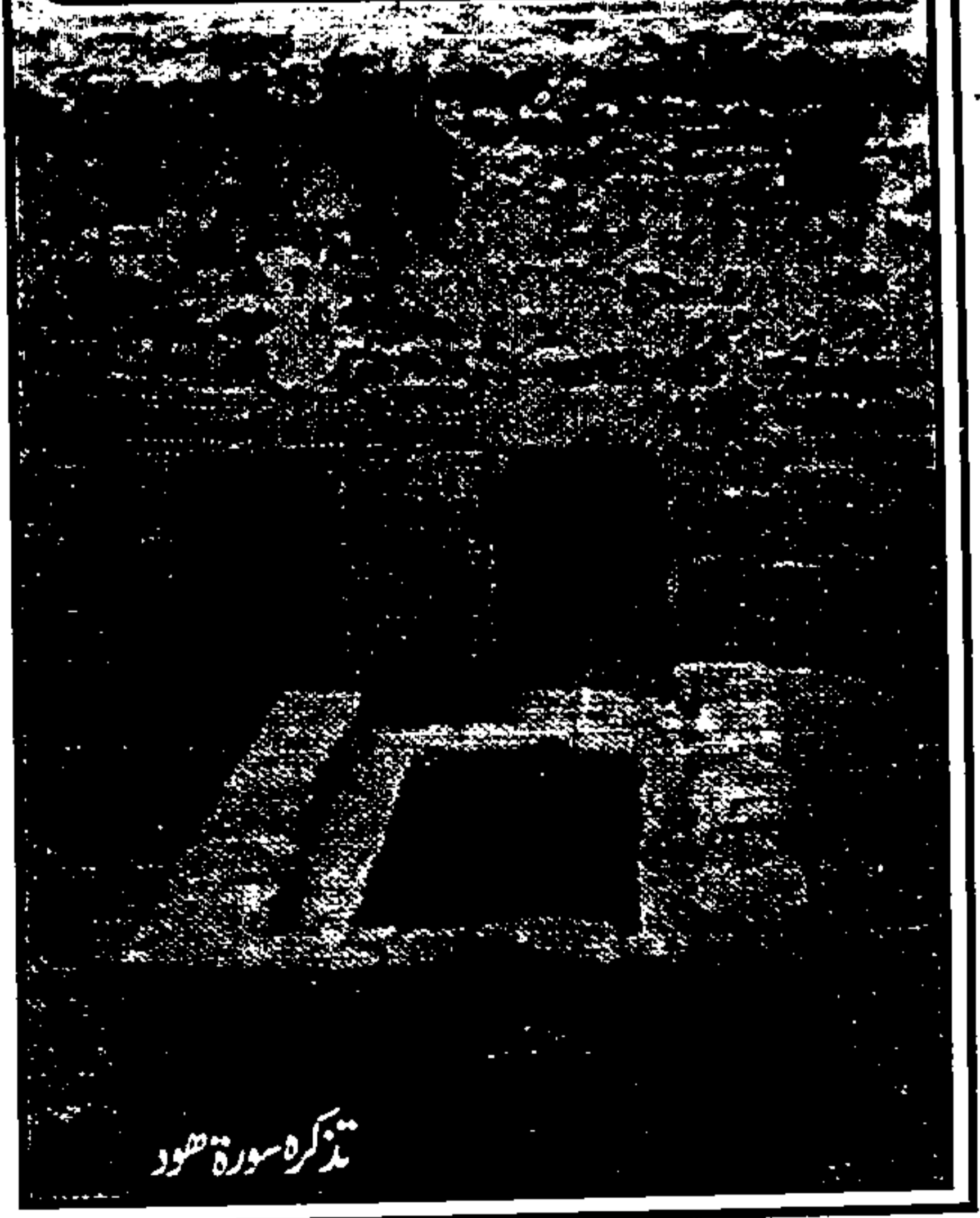
قصر النبت (شہزادی کا محل) تذکرہ سورۃ ہود

تذکرہ سورۃ ہود

حضرت صالح علیہ السلام کا مدفن



وہ کنواں جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی



تذکرہ سورۃ ہود

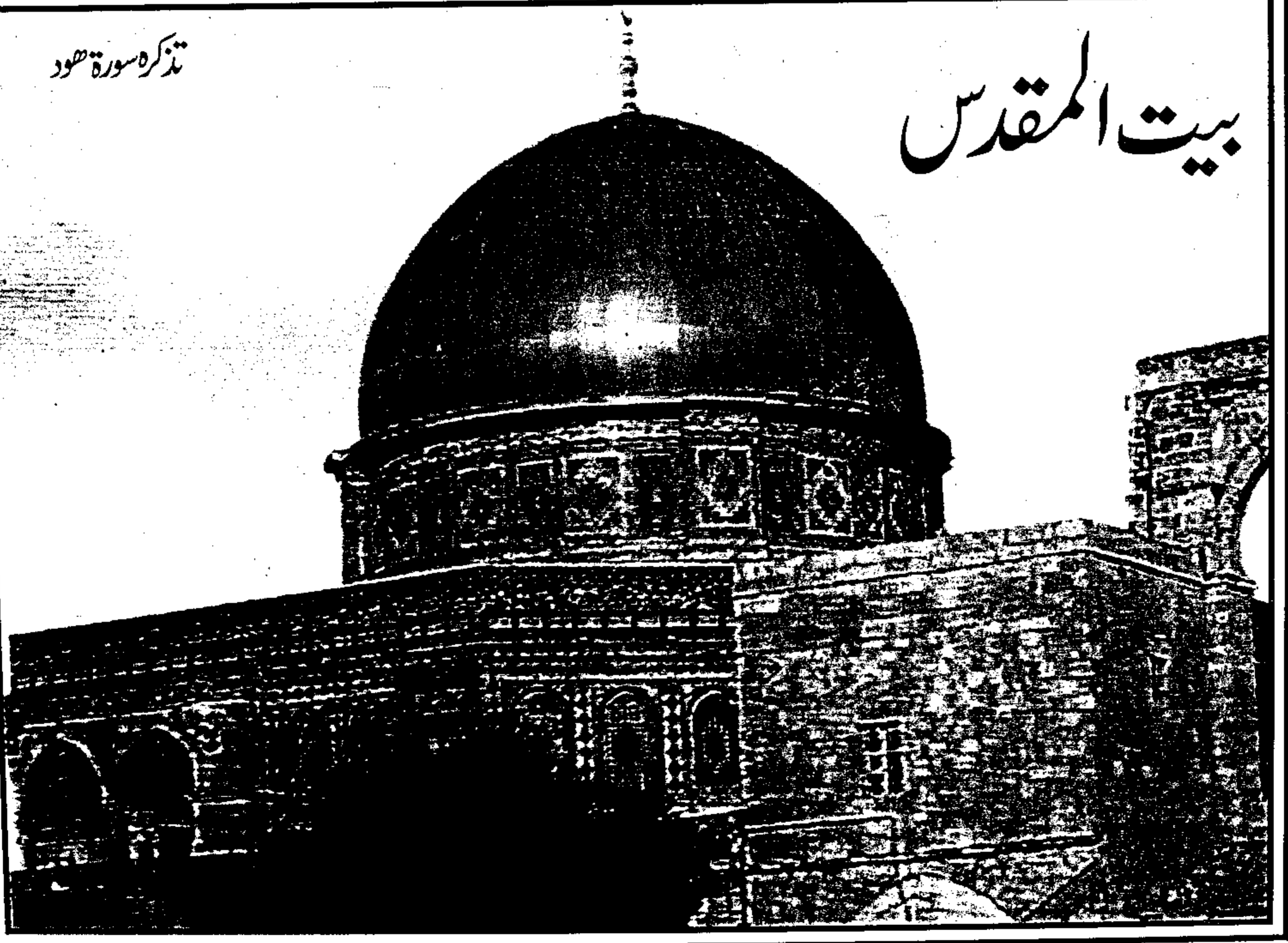


تذکرہ سورۃ ہود

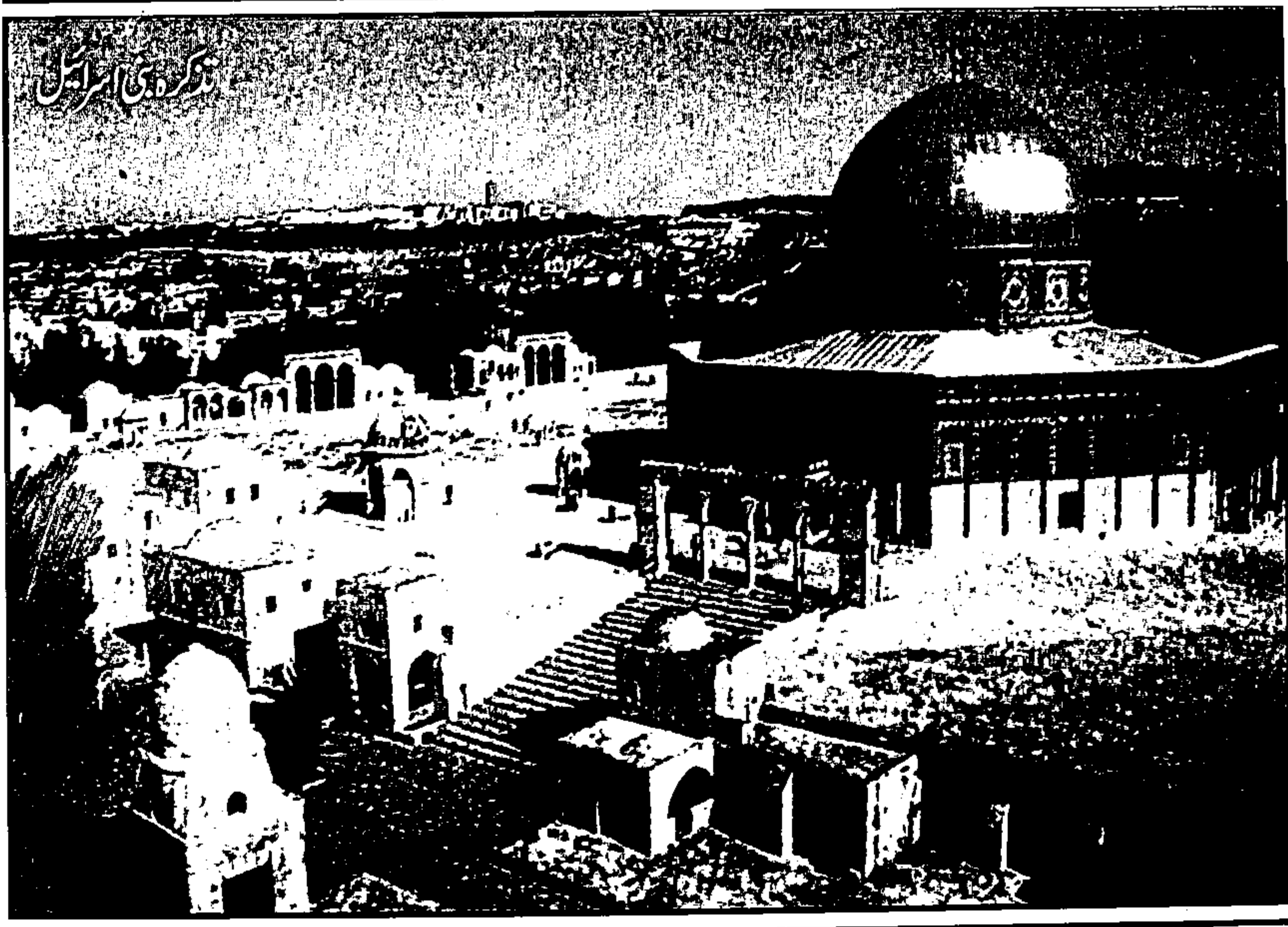
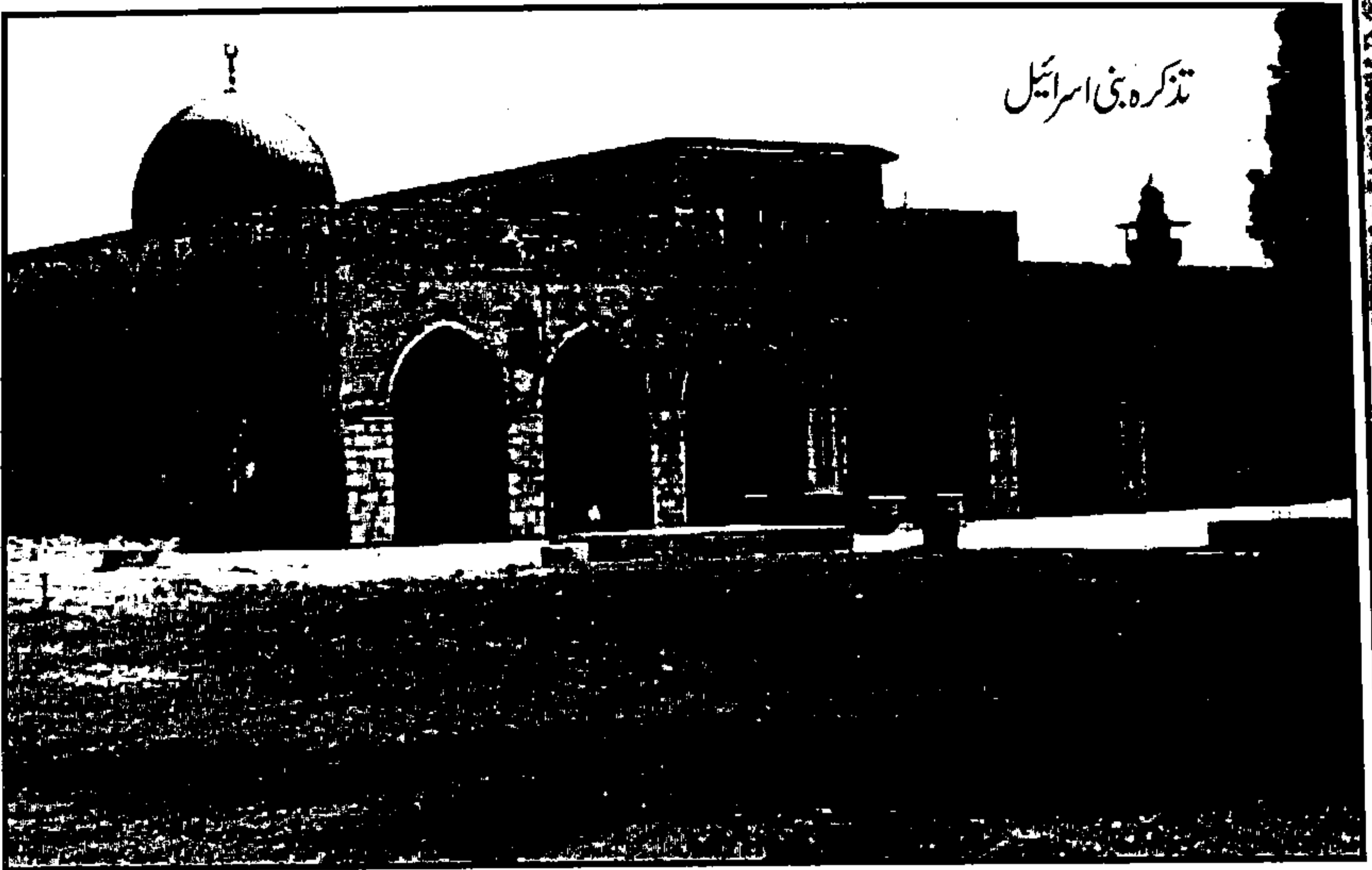
الخلیل قبرستان کا اندرونی حصہ: حضرت سارہ علیہا السلام زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا مدفن

بیت المقدس

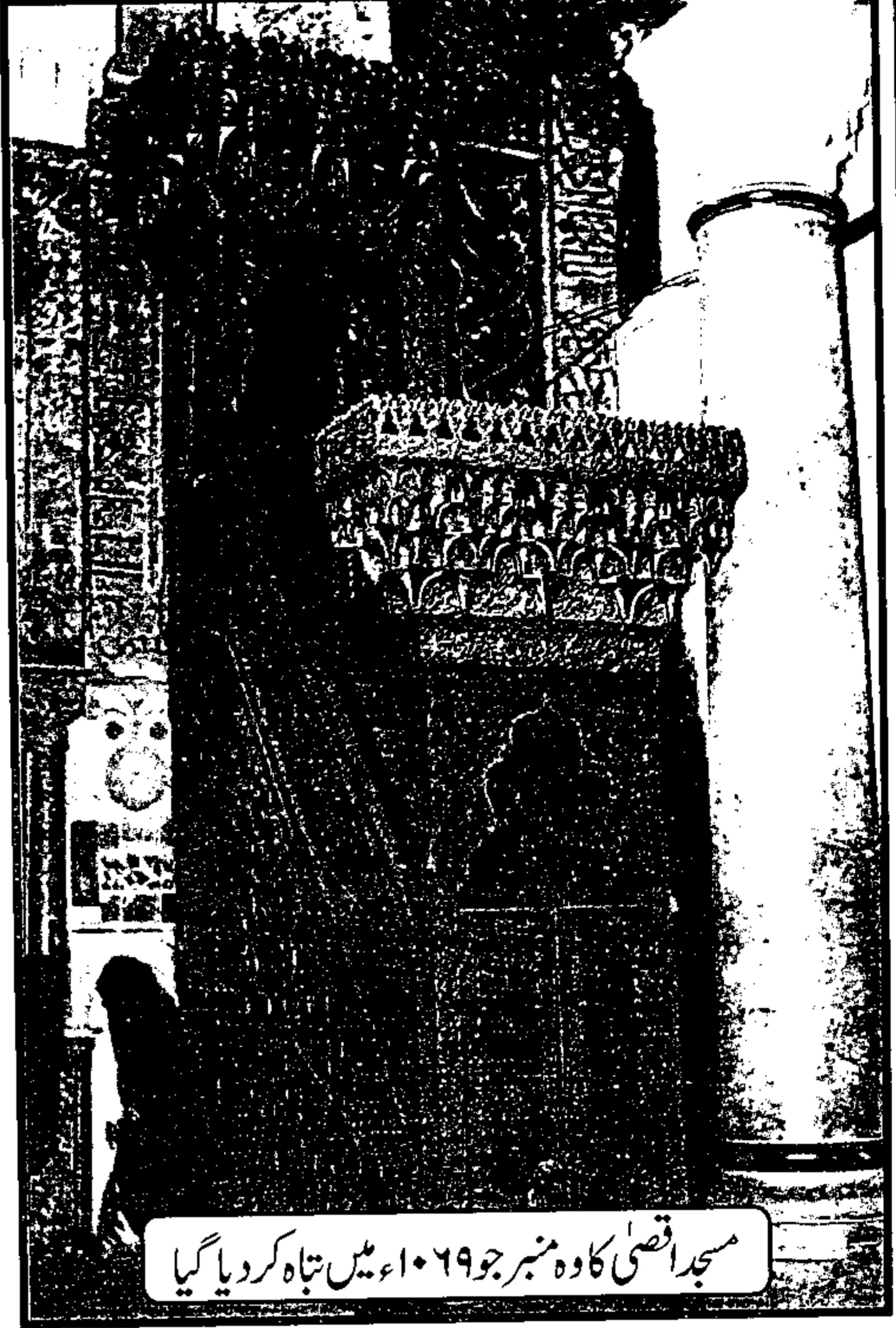
تذکرہ سورۃ ہود



بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے خوبصورت مناظر

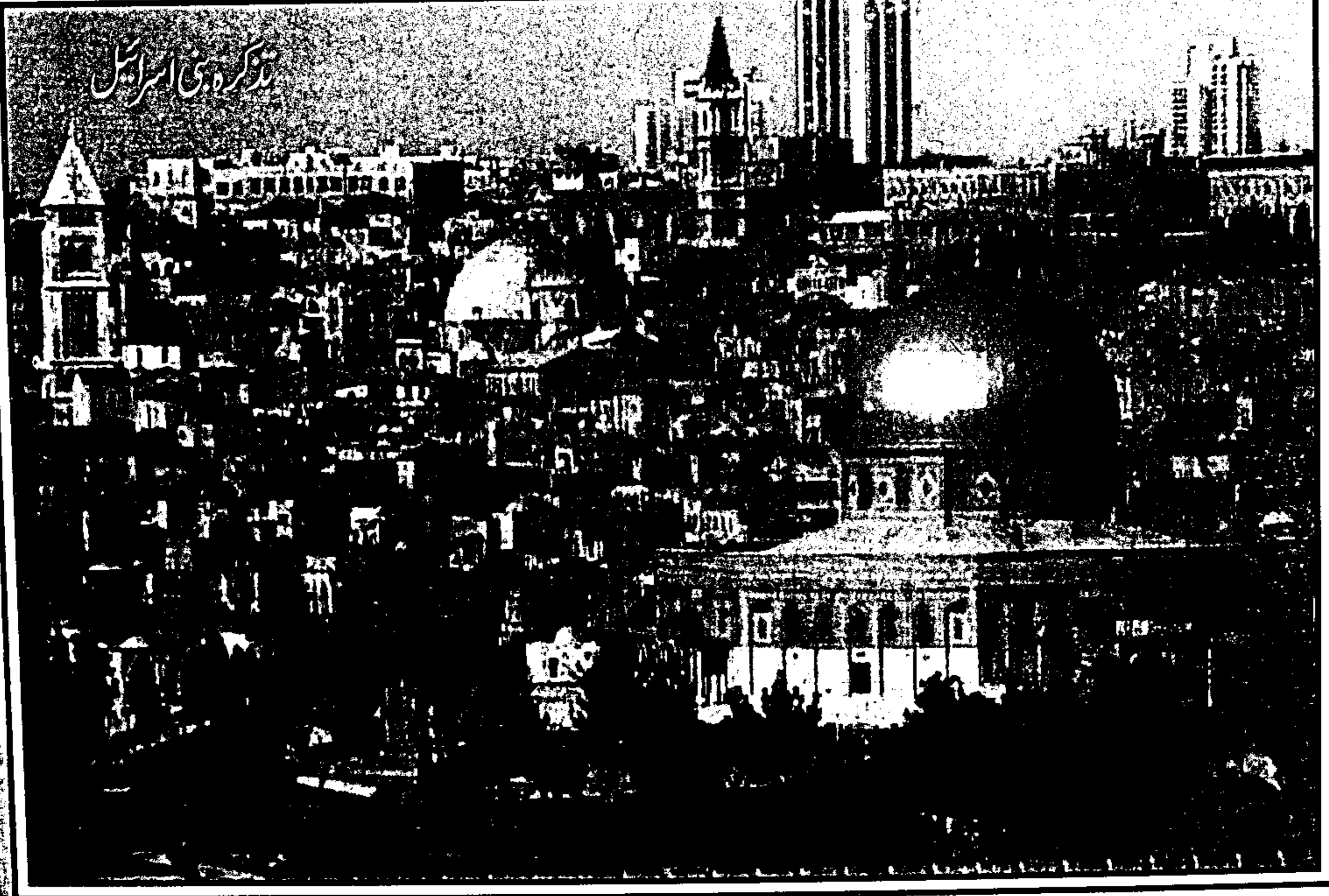


تذکرہ بنی اسرائیل



مسجد اقصیٰ کا وہ منبر جو ۱۰۶۹ء میں تباہ کر دیا گیا

تذکرہ بنی اسرائیل



قریشیوں کا ام معبد کے پاس جانا

بیہقی کی روایت میں حسن سند کے ام معبد کے قصہ کے ذیل میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے کرتے قریش ام معبد کے پاس پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس سے دریافت کیا اور حلیہ بیان کیا ام معبد نے جواب دیا تم کیا کہتے ہو ایک مہمان ہمارے پاس ٹھہرا تھا اور گا بھن بکری کا اس نے دودھ دوہا تھا۔ قریش نے کہا ہمارا مقصد اسی شخص کو دریافت کرنا تھا۔

سراقہ کا قصہ

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے سراقہ کی روایت سے اور امام احمد و یعقوب بن سفیان نے حضرت ابو بکرؓ کے حوالے سے بیان کیا۔ سراقہ کا بیان ہے کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے قتل یا گرفتار کرنے والے کیلئے ایک انعام مقرر کیا اور کہا کہ دونوں میں جس کسی کو کوئی قتل یا گرفتار کرے گا اس کو سواونٹیاں دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم بنی مدج کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آ کر کھڑا ہوا اور اس نے کہا سراقہ میں نے ابھی ساحل پر کچھ اشخاص دیکھے ہیں، دوسری روایت میں ہے تین سوار دیکھے ہیں میرے خیال میں وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے یہ سنتے ہی میں پہچان گیا کہ ہوں نہ ہوں وہی ہوں گے۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو وہ خاموش ہو گیا میں اٹھ کر گھر میں گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا لے کر بطن وادی میں پہنچادے اور خود اپنے خیمہ کے پیچھے سے ہتھیار لے کر نکل چلا اور نیزہ کو گھسیٹا گیا۔ بلم کا بالائی حصہ نیچے کو کر دیا۔ اس طرح گھوڑے تک پہنچا اور سوار ہو کر تیز دوڑاتا ہوا چل دیا۔ یہاں تک کہ مجھے دونوں شخص نظر پڑ گئے۔ قریب ہی پہنچا ہی تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں نیچے گر پڑا میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے فال لینے کے لئے تیر نکالے کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں، فال لینے پر تیر وہی نکلا جو مجھے پسند نہیں تھا یعنی فال یہ نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ مگر مجھے امید تھی کہ میں اس فال کو الٹ دوں گا اور سواونٹیاں لے لوں گا چنانچہ میں پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال نہ مانی اور گھوڑے کو تیز دوڑاتا چلاتا کہ وہ مجھے قریب پہنچادے۔ میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ساتھی اس کو گھیرے رہتے تھے۔ اگر وہ کہتا کہ سنو تو کان لگا کر خاموشی کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے اور اگر وہ کوئی حکم دیتا تو تعمیل حکم کیلئے ایک دوسرے سے پیش قدمی کرتا تھا وہ مخدوم مطاع تھا بدخلق نہ تھا۔

ابو معبد نے کہا خدا کی قسم یہ تو وہی قریشی ہے جس کے مکہ میں ظہور کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا میرا ارادہ تو اس کے پاس رہنے کا تھا اور اگر مجھے کوئی راہ ملی تو آئندہ ضرور ایسا کروں گا۔

ابو جہل کا حضرت ابو بکر کے گھر جانا

حضرت اسماء کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نکل کر چلے گئے تو ہمارے پاس کچھ قریشی آئے جن میں ابو جہل بھی تھا آ کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے میں باہر نکل کر گئی ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہیں۔ معلوم میرے باپ کہاں ہیں ابو جہل بڑا بدکلام خبیث تھا اس نے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میری بالی گر پڑی پھر سب لوٹ گئے۔ ہم تین روز اسی حالت میں رہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کدھر گئے۔

جن کے اشعار

تین روز کے بعد مکہ کے نشیبی جانب سے ایک جن عرب کے گانے کی طرح کچھ اشعار گاتا ہوا آیا لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر وہ دکھائی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اشعار کا ترجمہ۔ مالک عرش جزائے خیر دے ان دو ساتھیوں کو جنہوں نے ام معبد کے خیمہ میں دو پہر کو قیام کیا دونوں اس خیمہ میں ہدایت کے ساتھ اترے جس سے مجھے ہدایت مل گئی اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا، اے بنی قصی اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمہاری طرف سے ناقابل مقابلہ فضائل اور سرداری کو نہیں روکا۔ بنی کعب کو مبارک ہو کہ ایک عورت مسلمانوں کے گھات کے راستہ میں مقیم تھی اور وہیں وہ رہتی تھی۔ اپنی بہن سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق دریافت کروا کر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ شہادت دیگی ایک گا بھن بکری اس نے منگوائی اور اس نے اپنے تھنوں کی جڑوں سے خالص جھاگ دار دودھ دیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بکری اسی عورت کے پاس چھوڑ گئے تاکہ دودھ دوہنے والا اس کو پانی پراتارتے اور پانی سے نکالتے وقت دوہے (یعنی ام معبد کا شوہر اس بکری کو دوہا کرے اور جنگل کو لے جائے اور پانی پلانے کیلئے چشمے پراتارے اور پھر پانی پلا کر وہاں سے واپس لائے)۔

ٹھنڈک، اردو میں اگرچہ ٹھنڈا ہو جانے یا ٹھنڈک پڑ جانے کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کا ختم ہو جانا مگر عربی میں اس کا مفہوم ہے درست ہو جانا کیونکہ جب اختلاف اور جھگڑے کی آگ بجھ جائے گی اور خصومت کی گرمی جاتی رہے گی۔ تو معاملہ میں خنکی یعنی درستگی پیدا ہو جائے گی۔ رسول اللہ نے لفظ بریدہ سن کر اسی مبارک فال کی طرف اشارہ کیا اور استقبال کرنے والے کا نام سنتے ہی اپنے کام کی درستگی پر استدلال کیا) فرمایا کس قبیلہ سے ہو ابو بردہ نے کہا بنی اسلم سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا ہم کو سلامتی حاصل ہوگی (لفظ اسلم سے سلامتی پر استدلال کیا) پھر فرمایا بنی اسلم کس کی شاخ ہے۔ ابو بردہ نے عرض کیا بنی سہم کی، فرمایا تیرا سہم (حصہ یا تیر) نکل آیا۔

جھنڈا

صبح ہوئی تو بریدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کا ایک جھنڈا ہونا ضروری ہے چنانچہ انہوں نے اپنا عمامہ خود کھول کر اس کا پھریرا بنایا اور ایک نیزے میں باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے۔

مکہ سے روانگی اور مدینہ میں روانگی کا دن

حاکم نے لکھا ہے یہ خبر متواتر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے دو شنبہ کے دن برآمد ہوئے تھے اور دو شنبہ ہی کو مدینہ میں داخل ہوئے صرف محمد بن موسیٰ خوارزمی جمعرات کے دن مکہ سے روانگی کے قائل ہیں، حافظ (ابن حجر) نے دونوں قولوں کا تعارض اس طرح دور کیا کہ مکہ سے جمعرات کے دن برآمدگی ہوئی اور تین رات غار میں رہے شب جمعہ شب شنبہ شب یک شنبہ پھر پیر کی رات کو غار سے برآمد ہوئے۔ میں کہتا ہوں شاید جمعرات کی رات ہی کو مشورہ کے بعد قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر گئے تھے اور دونوں ساتھ ہو کر مکان کی پشت کی طرف والے دریچہ سے برآمد ہوئے تھے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابو بکرؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی دلیل معاذ اللہ۔ معاذ اللہ اگر ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوتے تو جب کافر غار کے منہ پر پہنچے تھے اس وقت ان کو چلانے اور یہ کہنے سے کون روکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کو تم ڈھونڈتے پھرتے ہو یہ اس

وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز میں نے سن لی آپ کی توجہ میری طرف نہ تھی مگر حضرت ابو بکرؓ میری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اسی حالت میں اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر پڑا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا اور خود اٹھا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا۔ گھوڑے نے کوشش کی کہ قدم باہر نکال لے اس کوشش میں دھویں کی طرح غبار اٹھ کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی مگر وہی فال نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا آخر میں جان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ غالب آئیں گے مجبوراً میں نے امان کیلئے پکارا اور کہا دیکھو میری کیا حالت ہے میں خدا کی قسم ہرگز تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور میری طرف سے تمہارے لئے کوئی ناخوشگوار حرکت نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کے سلسلہ میں انعام مقرر کیا ہے غرض لوگوں کا جو مقصد تھا میں نے اسکی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ کچھ زاد راہ اور سامان کی بھی پیش کش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی نہ کچھ مانگا صرف اتنا فرمایا کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا میں نے درخواست کی کہ (آئندہ کیلئے) مجھے کوئی پروانہ امن لکھ دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ابو بکرؓ اس کو لکھ دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ عامر بن فہیرہ کو لکھ دینے کا حکم دیا۔ عامر نے چڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل دیئے اور (علاقہ) مدینہ میں داخل ہونے کے وقت حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا نبی کے لئے جھوٹ بولنا سزاوار نہیں (اس لیے اگر لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ کیا پیغمبر (یہ تو مجھے صاف کہنا پڑے گا) تم لوگوں کو (کسی تدبیر سے ٹال دینا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ سے جب دریافت کیا گیا آپ کون ہیں تو آپ نے جواب دیا ایک غرض مند۔ اور جب پوچھا گیا یہ تمہارے ساتھ والے کون ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا راہنما جو مجھے راستہ بتاتے ہیں۔

نیک فال

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچے تو ابو بردہ اسلمی نے اپنی قوم بنی اسہم کے ستر آدمیوں کو لیکر آپ کا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کون ہو ابو بردہ نے کہا بریدہ حضور نے فرمایا ابو بکر ہمارا کام درست اور ٹھیک ہو گیا۔ بریدہ کا معنی ہے ٹھنڈا۔ برودت

موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا:

اقْبَلْ وَلَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيْيَ الْمُرْسَلُونَ

”ادھر آ اور ڈر مت میرے پاس رسول ڈر نہیں کرتے۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کا ڈر ہوا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی کیلئے یہ فرمایا لا تخف ڈر مت اور یوں نہیں فرمایا۔ لا تحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو۔ اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبیلے کو مار ڈالا اور ان کو ڈر ہوا کہ فرعون کے لوگ مجھ کو مار ڈالیں گے تو موسیٰ وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فخرج منها خائفا یعنی موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے اور بیسیوں جگہ کلام اللہ میں خوف کا لفظ موجود ہے۔ اور یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب غار ثور میں کفار کے آنے سے پریشانی ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے یہ فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا۔ معنا میں ضمیر جمع لائے اور صدیق اکبر کو بھی اس معیت میں شریک فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو جب فرعون اور اس کے لشکر کے آجانے سے پریشانی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کلا ان معی ربی سیهد بن لفظ معی کو بصیغہ مفرد فرمایا یعنی اللہ میرے ساتھ ہے اور معنا صیغہ جمع کا فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور قوم کو اس دولت میں شریک نہ کیا وجہ فرق کی یہ ہے کہ صدیق اکبر کو اپنی کوئی پریشانی نہ تھی۔ پریشانی فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو دیکھ لے اور حضرت صدیق دولت تو کل سے مالا مال تھے ان کی تسلی کیلئے یہی کلام مناسب تھا جو حضور پر نور نے استعمال فرمایا اور معیت الہیہ میں ان کو شریک کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ نہ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر متوکل تھے اور نہ یار غار کی طرح حضرت موسیٰ کے عاشق زار اور جاں نثار تھے ان کو تو اپنی جان کا خطرہ تھا پھر خطرہ ہی نہیں۔ بلکہ اس کا جزم اور یقین تھا کما قال تعالیٰ

غار میں میرے پاس بیٹھا ہے اور ان کے بیٹے عبدالرحمن اور ان کی بیٹی اسماء کو جو کھانا لے کر غار پر آتے جاتے تھے ان کو اس امر سے کون مانع تھا کہ کفار سے کہہ دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہم کو معلوم ہے آؤ ہم تم کو وہاں لے چلیں۔ خدا ایسے تعصب سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے آمین۔

حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لا تحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تو غمگین نہ ہو یہ لفظ ابو بکر کے عاشق صادق اور مومن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدہ شیعہ معاذ اللہ اگر ابو بکر دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تا کہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کر لیتے دشمنوں کیلئے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لئے مول لے لیں اور ان کو دے دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفہ اول کریں

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا

تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے لئے

غار میں تنہائی تھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس تنہائی میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقع تھا وہاں کون پوچھتا تھا مار کر کہیں چل دیتے اور ابو بکر کے فرزند ارجمند یعنی عبداللہ بن ابی بکر غار ثور پر جاسوسی کیلئے مقرر تھے انہیں کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کر دیتے یا اسماء بنت ابی بکر جو غار پر کھانا لے کر آیا کرتی تھیں ان کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کر دیتے اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ رازداری اور جان نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابو بکر کارنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونایہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں تھا اگر ابو بکر کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا اس لئے کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ رنج و غم کی جگہ یا محبوب کے فراق یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر ہنتی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو اڑدھا بن گیا

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سکینت سے طمانیت مراد ہے اور شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ سکینت ایک خاص کیفیت اور حالت کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے۔ نور اور قوت اور روح۔ نور سے قلب روشن اور منور ہو جاتا ہے دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حق اور باطل۔ ہدایت اور ضلالت شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل و علاء کی اطاعت بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب مومن نفس کے تمام دوائی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے۔

اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہو جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوہ خندق میں عبد اللہ بن رواحہ کا یہ رجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا۔

اللهم لولا انت ما احدثينا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے

ولا تصدقنا ولا صلينا

اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکينة علينا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانیت ہم پر نازل فرما جس سے ہماری پریشانی اور اضطراب دور ہو۔ تفصیل کیلئے مدارج السالکین ص ۲۷۸ ج ۲۔ کی جانب مراجعت کریں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی سکینت ابو بکر صدیق پر نازل کی کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سکینت الہی ہمیشہ رہتی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی منقول ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابو بکر صدیق کی طرف راجع ہے دیکھو زاد المسیر ص ۴۴۰ ج ۳ لابن الجوزی۔ اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر ص ۲۵۱ ج ۴ میں اس کو اختیار کیا ہے کہ علیہ کی ضمیر ابو بکر صدیق کی طرف راجع ہو۔

شیخ فرید الدین عطاء رحمۃ اللہ علیہ منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خواجہ اول کہ اول یارا دست ثانی اشین از ہانی الغارا دست

قَالَ اصْحَبُ مُؤْمِنِي اِنَّا لَمَذْكُورُونَ جس میں ان اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ تین موکدات موجود ہیں یعنی بس ہم تو یقیناً پکڑے گئے حالانکہ بارہا اس کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ فرعون کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اس کے وعدہ نصرت سن کر چلے تھے اور تمام امور کے ہوتے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانے کا یقین اور جزم کر بیٹھے جو ان کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دھمکا کر فرمایا۔ کلا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا جس تاکید سے انہوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اس کا جواب بھی تاکید کے ساتھ دیا گیا اور لفظ معی کو مفرد لائے اور باوجود خبر ہونے کے اس کو مقدم کیا تاکہ فائدہ حصر کا حاصل ہو اس لئے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید قصر ہوتی ہے مطلب یہ تھا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور تم لوگ بوجہ ضعیف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو ہر ایک کا کلام اپنے اپنے موقعہ پر نہایت بلیغ ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب صدیق اکبر جیسے ہوتے تو وہ بھی وہی فرماتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور نے فرمایا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ ہوتے جو حضرت موسیٰ کے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی فرماتے جو حضرت موسیٰ نے فرمایا بلاغت کے معنی مقتضائے حال کی رعایت کے ہیں۔

حکیم الامت تھانوی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا دیکھو وعظ الرفع والوضع ص ۲۵ نمبر ۳۲۲ از سلسلہ تبلیغ۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت۔ معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ان معی ربی میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق کی معیت معیت الہیہ تھی سب کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ان اللہ معنا تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے اسی آیت میں حق جل شانہ کی معیت کو اسم اعظم یعنی لفظ اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا یہ نکتہ عارف کامل شیخ ابن لبان کی کلام کی تشریح ہے جس کو علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَةً عَلَيْهِ

جب نکلیں انہیں قتل کر ڈالو پھر نکلیں پھر مار ڈالو پھر جب ظاہر ہوں پھر گردنیں مارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم خدا کی نہ میں تمہیں دوں نہ تم سے روکوں میں تو ایک خازن ہوں۔ جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ذوالنحوہ بصرہ ہر قوس نامی ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا تو عدل نہیں کرتا انصاف سے کام کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تیری بربادی کہیں نہیں جاسکتی۔ جب اس نے پیٹھ پھرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم میں سے ایک کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے تمہیں جہاں بھی وہ مل جائیں ان کے قتل میں کمی نہ کرو آسمان تلے ان مقتولوں سے بدتر مقتول اور کوئی نہیں الخ۔ (تفسیر ابن کثیر)

صدر دین صدیق اکبر قطب حق درہمہ چیز ازہمہ بردہ سبق
ریخت در صدر شریف مصطفیٰ ہرچہ حق از بارگاہ کبریا
لا جرم تا بود ازو تحقیق ریخت ثانی اشین او بود بعد از رسول
اوہمہ در سینہ صدیق ریخت چون تو کردی ثانی اثینش قبول

(معارف القرآن کا ندر حلوی)

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا

نکلو ہلکے اور بوجھل ☆

جہاد کی عام دعوت

یعنی پیادہ اور سوار فقیر اور غنی جوان اور بوڑھے جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں۔ نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔ (تفسیر عثمانی) بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دعوت جہاد سنتے ہی فوراً بلا تامل نکل کھڑے ہوں یا تامل وغور اور تیاری کے بعد نکلو زہری کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی اسی حالت میں آپ جہاد کو نکلے کسی نے کہا آپ تو بیمار اور دکھی ہیں فرمایا اللہ نے خفیف (تندرست) اور ثقیل (بیمار) سب کو جہاد کی دعوت دی ہے اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکے گی تو میں مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کا ہی سبب بن جاؤں گا اور سامان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابو ایوب کا جہاد

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول غزوے سے لیکر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف و ثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوائے ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والے

غزوہ کیلئے صحابہ کرام کے بڑھ چڑھ کر عطیات محمد بن عمر کا بیان ہے کہ خیرات کرنے یعنی تبوک کے لشکر کو تیار کرنے (اور اس کے لئے چندہ دینے) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی سب سے پہلے حضرت ابو بکر اپنا مال یعنی چار ہزار درہم لے کر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے گھر والوں کیلئے بھی کچھ چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا میں نے ان کیلئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمر اپنا آدھا مال لے کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا گھر والوں کیلئے بھی تم نے کچھ چھوڑا ہے۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں جتنا لایا ہوں اتنا ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔ حضرت عباس نے

اور روایت میں ہے کہ ایک نو مسلم صحرائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سونا چاندی بانٹتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اللہ نے تجھے عدل کا حکم دیا ہے تو تو عدل نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تباہ ہوا اگر میں بھی عادل نہیں تو زمین پر کون عادل ہوگا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے اور اس جیسوں سے بچو، میری امت میں اس جیسے لوگ ہوں گے قرآن پڑھیں گے لیکن حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ

اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ

اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

میں اگر تم کو سمجھ ہے ☆

یعنی دنیوی اور اخروی ہر حیثیت سے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقین کو فرمایا کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور بے محنت مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی تو جلدی سے ساتھ ہو لیتے، لیکن ایسی کٹھن منزلوں کا طے کرنا ان سے کہاں ممکن ہے؟

وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ انْفُسَهُمْ

ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو

وَاللَّهُ يَعْلَمُ انْتَهُمْ لَكَاذِبُونَ

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ☆

یا تو نکلنے سے پہلے قسمیں کھا کر طرح طرح کے حیلے حوالے کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت دیدیں اور یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بنائیں گے تاکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالیں۔ حالانکہ خدا سے ان کا جھوٹ اور نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہ نفاق و فریب دہی اور جھوٹی قسمیں کھانا انجام کار انہیں کے حق میں وبال جان ہوگا۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ اذْنَتَ لَهُمْ

اللہ بخشنے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے ان کو

حَتَّى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِينَ

یہاں تک کہ ظاہر جو جاتے تجھ پر

صَدَقُوا وَتَعْلَمُ الْكَاذِبِينَ

سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراخ دلی

منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے کید و نفاق سے اغماض کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں اجازت دیتے تھے۔ اس کو فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس وقت ظاہر ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے نہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن عبادہ کو سواریاں دیں حضرت عبد الرحمن بن عوف نے دو سو اوقیہ (سونا) لا کر خدمت گرامی میں پیش کیا اور حضرت عاصم بن عدی نے نوے وسق چھوڑے دیئے (ایک وسق ساٹھ صاع ایک صاع تقریباً چار سیر)۔ حضرت عثمان بن عفان نے ایک تہائی لشکر تیار کیا، یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے اس لشکر کی ہر ضرورت حضرت عثمان نے پوری کی۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا تبوک کی فوج تیس ہزار سے زائد تھی پس حضرت عثمان نے دس ہزار کو پورا سامان دے کر تیار کیا۔

ابو عمر نے اللہ رر میں لکھا ہے اور اسی کے اتباع میں الاشارہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان نے نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے کل ساز و سامان سمیت سواری کیلئے دیئے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی تیاری میں اتنا خرچ کیا کہ کسی اور نے اتنا خرچ نہیں کیا۔ ابن ہشام نے معتبر روایت سے بیان کیا ہے کہ جیش عسرت (تبوک کی فوج) کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم خرچ کئے۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا یعنی علاوہ سواریاں اور ان کا ساز و سامان دینے کے دس ہزار خرچ کیے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الھی تو عثمان سے راضی ہو میں اس سے راضی ہوں۔ امام احمد ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبد الرحمن بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرافیوں کو دست مبارک سے الٹ پلٹ کرتے جاتے اور بار بار فرماتے جاتے تھے۔ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں پہنچے گا (یعنی کسی عمل کا گناہ نہ ہو گا یا کوئی عمل گناہ کے قابل ہی نہ ہوگا) (تفسیر مظہری)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا

اگر مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ

تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہوتے لیکن لمبی نظر

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ

آئی ان کو مسافت ☆

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ

اپنے مال اور جان سے اور اللہ

عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝۱۰۱

خوب جانتا ہے ڈروالوں کو رخصت وہی مانگتے ہیں

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت

الْآخِرِ وَأَزَّابَتْ قُلُوبُهُمْ فَمُمْ

کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ

فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝۱۰۲

اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں ☆

مؤمنین کی شان

یعنی جن کے دلوں میں ایمان و تقویٰ کا نور ہے ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے۔

تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ

یعنی بے سرو سامانی وغیرہ کے عذر سے اگر ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے شرف سے محروم رہ جائیں تو اس فضل کے فوت ہو جانے پر ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔

بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

جانے کو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال نہ ہوتی۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ان کا جھوٹ سچ کھل جاتا۔

پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا، البتہ نہ دینا مصالح حاضرہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہوتا۔ اس اعلیٰ و اکمل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ سے شروع فرمایا۔ عفو کا لفظ ضروری نہیں کہ گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو۔

بعض محققین ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ اس جملہ کو صدر کلام میں محض دعا و تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں شائع تھا، مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور لفظ ”لَمْ آذَنْتَ لَهُمْ“ اسکی تائید کرتا ہے واللہ اعلم۔

نکتہ:- عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لَمْ آذَنْتَ لَهُمْ سفیان بن عیینہ نے کہا، رسول اللہ پر مہربانی فرمانے اور عزت بخشنے کیلئے اظہار تصور سے پہلے اعلان عفو فرمادیا (یعنی تصور کا اظہار لم آذنت میں کیا اور لم آذنت سے پہلے عفا اللہ عنک فرمادیا) میں کہتا ہوں اگر اظہار عتاب پہلے کیا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ اللہ کا خوف اور اس سے نشیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی درجہ کا تھا اس اندیشہ سے بچاؤ کیلئے اظہار عفو پہلے کر دیا۔

بعض نے کہا یہ کلمہ (یعنی عفا اللہ عنک) دعائیہ ہے (خبر نہیں ہے) جیسے کسی کی نظر میں اپنے کسی دوست کی عزت ہو تو وہ اپنے دوست سے کہتا ہے اللہ تجھے معاف کرے تو نے میرے کام کے سلسلہ میں کیا کیا اللہ تجھ سے راضی ہو تو ملاقات کو بھی نہیں آیا۔ بعض نے کہا عفا اللہ عنک کا مطلب ہے اللہ تیرے لئے ہمیشہ معافی قائم رکھے۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے گناہ معاف کر دینے کا قائل اس آیت میں وہی کر سکتا ہے جو عربی کلام سے ناواقف ہو۔ آیت میں مراد تو یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے اس فعل کو گناہ نہیں قرار دیا اور بات بھی یہی تھی، اللہ کی طرف سے عذر کو قبول کرنے کی کوئی ممانعت بھی نہیں آئی تھی کہ اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا جائے۔

نہ اللہ نے اس کو گناہ قرار دیا بلکہ اہل علم نے تو اس کو عتاب بھی نہیں کہا۔ (تفسیر مظہری)

وسلم جمعرات کو روانہ ہوئے تھے جمعرات کو روانہ ہونا ہی آپ کو پسند تھا۔
مدینہ میں امیر: بقول ابن ہشام مدینہ میں اپنا جانشین حضور نے محمد
بن مسلمہ انصاری کو بنایا تھا دروردی کی روایت میں محمد بن مسلمہ کی جگہ سباع
بن عرفظہ کا نام آیا ہے اور محمد بن عمرو ابن سعد نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے
ہیں ابن ام مکتوم کو حضور نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن ہمارے نزدیک
محمد بن مسلمہ انصاری کا جانشین ہونا زیادہ قوی ہے۔ محمد بن مسلمہ سوائے تبوک
کے اور کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں رہے۔

ابو عمر نے حضرت علی بن ابی طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
جانشین قرار دیا ہے۔ ابن دحیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔
عبدالرزاق نے مصنف میں صحیح سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان
نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو روانہ ہوئے تو مدینہ
میں اپنا جانشین حضرت علی بن ابی طالب کو مقرر فرما دیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی جگہ اپنے اہل بیت
کا نگران مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اہل بیت کے پاس رہیں۔

منافقوں کی فتنہ پروری: منافقوں نے اس واقعہ کو (فتنہ
پیدا کرنے کیلئے غلط طور پر) اچھالا اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم علی کا ساتھ رہنا اپنے لیے بار سمجھتے تھے اور ان سے ناراض تھے (اس
لیے چھوڑ گئے) حضرت علیؑ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنے ہتھیار لے
کر فوراً نکل کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقام جرف میں تھے۔ آپ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی بات کی اطلاع دی۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں نے تم کو صرف ان لوگوں
کی نگرانی کیلئے اپنے بجائے چھوڑا ہے۔ جو میرے بعد رہ گئے ہیں لہذا تم
میری جگہ میرے گھر والوں کی اور اپنے گھر والوں کی نگرانی رکھو۔ اے علیؑ
کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کیلئے
ہارون تھے مگر (فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حسب الحکم
حضرت علیؑ لوٹ آئے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔

عبداللہ بن ابی کی منافقت

عبداللہ بن ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب روانہ ہوا تھا مگر اس
نے اپنی جماعت کا پڑاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لشکرگاہ سے الگ ذباب
کی طرف کچھ نچلے حصہ میں قائم کیا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروکش

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ

اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان

عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ

اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا

فَتَبَطَّوهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا

سوروک دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو

مَعَ الْقُعُودِينَ ﴿۱۶﴾

ساتھ بیٹھنے والوں کے ☆

منافقوں کو اللہ نے جہاد سے دُور رکھا

ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں۔ ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے۔
حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان
کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے۔ نہ جانے کی
صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے ایک تینکے
کے برابر ان کی پروا نہیں۔ اسی لئے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل
ہونے سے روک دیا اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر رہے۔ گویا
ان کو تکیا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں بچوں اور اپنا بیچ آدمیوں کے ساتھ گھر
میں گھس کر بیٹھ رہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کا ذبہ کے
جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی یہ بھی ایک طرح خدا ہی
کا فرما دینا ہے۔ اس لئے تکیا کی قید بھی ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد تبوک پر روانگی
اکثر منافقوں کا ساتھ دینے سے انکار

ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے برآمد ہوئے اور ثنیۃ
الوداع میں فوجی کیمپ لگایا۔ (وہاں) آپ کے ساتھ تیس ہزار سے زائد تعداد تھی
محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن سعد کا یہی قول ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں
حضرت معاذ کی روایت سے یہ ہی بیان کیا ہے لیکن حاکم نے الاکلیل میں
ابوزرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے کہ تبوک (کی روانگی) میں ستر ہزار کی تعداد تھی یعنی
تابع اور متبوع دونوں کی مجموعی تعداد اتنی تھی مذکورہ بالا دونوں قولوں کا تعارض
دور کرنے کیلئے حاکم نے یہی تاویل کی ہے۔ صرف گھوڑ سواروں ہزار تھے۔

عبدالرزاق اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

منافقوں کا جہاد میں نہ جانا بہتر ہے

یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جہن و نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی ست کر دیتے اور آپس میں لگا بچھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے۔ غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا۔ ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی۔

وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ

اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے

وَاللَّهُ عَلَيْهِم بِالظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ☆

سادہ لوح مسلمان

یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر)۔ ویسا فتنہ و فساد برپا نہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جو اسپس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ چشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا

وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور الٹتے

لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ

رہے ہیں تیرے کام یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا

أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٤٨﴾

حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے ☆

منافق ناکام ہی رہیں گے

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کیلئے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔ مگر بدر

رہے عبد اللہ بھی مقیم رہا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب روانہ ہوئے تو عبد اللہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے ساتھی منافقوں کو لے کر مدینہ کو لوٹ آیا اور کہنے لگا محمد باوجود اتنی بد حالی (سختی) اور گرمی کے اتنی لمبی مسافت پر بنی الاصر سے لڑنے چلے ہیں جس کی ان میں طاقت نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بنی الاصر سے لڑنا کھیل ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو دکھائی دے رہا ہے کہ محمد کے ساتھی رسیوں میں بندھے ہوئے ہیں (یعنی گرفتار ہو جائینگے بلکہ ان کی گرفتاری اتنی یقینی ہے کہ مجھے وہ بندھے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں) عبد اللہ بن ابی نے اس قسم کی خبریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق فتنہ پیدا کرنے کیلئے مشہور کی تھیں اللہ نے ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق آیات ذیل نازل فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

نیند میں آدمی معذور ہے

صبح کو سویرے نماز کیلئے اٹھنے کی تیاری پوری کی، گھڑی میں الارم لگایا، یا کسی کو مقرر کیا جو وقت پر جگائے پھر اتفاق سے یہ تدبیریں غلط ہو گئیں جس کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ اتر لیس میں پیش آیا کہ وقت پر جاگنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ حضرت بلالؓ کو بٹھا دیا کہ وہ صبح ہوتے ہی سب کو جگا دیں مگر اتفاق سے ان پر بھی نیند غالب آگئی۔ اور آفتاب نکل آنے کے بعد سب کی آنکھ کھلی تو یہ عذر صحیح اور معقول ہے جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: لا تفريط فی النوم انما التفريط فی اليقظة، یعنی نیند میں آدمی معذور ہے کوتاہی وہ ہے جو جاگتے ہوئے کوتاہی کرے، وجہ یہ تھی کہ اپنی طرف سے وقت پر جاگنے کا انتظام مکمل کر لیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کے لئے تیاری کرنے یا نہ کرنے ہی سے کسی عذر کے معقول یا نامعقول ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا

اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر

خَبَالًا وَلَا أَوْضَعُوا خِلَاكَكُمْ

خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر

يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ﴿٤٩﴾

بگاڑ کر ان کی تلاش میں ☆

(جن کی تعداد دس سے کم تھی) لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی نگرانی ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں حضور نے فرمایا تیاری کرو تم فراخذست ہو شاید (مال غنیمت میں) تم کو بنی الاصف (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت دے ہی دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالئے میری قوم والے واقف ہیں کہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ عورتوں کا دلدادہ نہیں ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ پاؤں گا تو اپنے کو روک نہ سکوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا اور فرمایا ہم نے تم کو اجازت دے دی۔

طبرانی نے دوسری سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد کرو اور مال غنیمت میں رومی عورتیں حاصل کرو، بعض منافق کہنے لگے یہ تم کو عورتوں کے لالچ میں پھانسا چاہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ

اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے ان کو اور اگر

تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا

پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے سنبھال لیا تھا

أَمْرًا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ⑤

اپنا کام پہلے ہی اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے ☆

منافقوں کا مسلمانوں سے حسد

منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے تو فخر یہ کہتے کہ ہم نے ازراہ دورانہ لشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہی حشر ہونے والا ہے لہذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

میں جب کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا ان ہذا امر قد توجہ کہ یہ چیز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے۔ مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے۔ غرض ان کی فتنہ پردازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں۔ شروع سے ان کا یہ ہی وتیرہ رہا ہے جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لیکر راستہ سے لوٹ آئے تھے۔ مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائِذْنِي وَا

اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور

لَا تَفْتِنِّي اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا

گمراہی میں نہ ڈال سکتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں

وَإِنْ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ⑥

اور بیشک دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو ☆

ایک بڑے منافق کا عذر

ایک بڑے منافق جد بن قیس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکونگا۔ تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالئے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جبین و کفر پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا۔ اور آگے چل کر کفر و نفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔ بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لا تفتنی کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم کو ساتھ لے جا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے اس کا جواب اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا سے دیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن المنذر طبرانی ابن مردویہ اور المعرفة میں ابو نعیم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کے حوالہ سے اور محمد بن اسحاق و محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن قیس اپنے ساتھیوں کو

اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کیلئے منتظر رہنا چاہئے۔ آخر معلوم ہو جائیگا کہ دونوں میں زیادہ انجام میں اور دور اندیش کون تھا۔ (تفسیر عثمانی) مخلص مجاہد کا اجر

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کیلئے) نکلا ہو اور اس کے خروج کا سبب سوائے اللہ پر ایمان رکھنے اور اللہ کے پیغمبروں کو سچا جاننے کے سوا اور کچھ نہ ہو (یعنی کوئی نفسانی لالچ نہ ہو نہ حصول مال نہ ملک گیری اور اقتدار نہ شہرت و عزت دنیوی) تو اللہ نے اس کیلئے وعدہ فرمایا ہے کہ یا تو حاصل کردہ ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (صحیح و سالم) واپس کر دوں گا یا (بصورت شہادت) جنت میں داخل کر دوں گا۔ متفق علیہ۔ یعنی دونوں چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور عطا کروں گا۔ (فتح یا جنت) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ فتح کے ساتھ جنت نہیں مل سکتی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ

کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا

مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۷﴾

تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو ☆

منافق کا مال بھی قبول نہیں ہے

جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت میں بذات خود نہیں جاسکتا۔ لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں۔ اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے۔ یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کر نیکی ان کو توفیق کہاں وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہ کریگا۔ اس کا سبب اگلی آیت میں بتایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین اس شخص کی اعانت اور صدقہ قبول نہیں کریں گے جس کے منافق ہونے کا ان کو علم ہو۔

(۲) اللہ قبول نہیں فرمائے گا یعنی ثواب نہیں دے گا انکم کنتم قوماً فاسقین سے یہ مراد ہے کہ تم مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لیے تمہاری طرف سے دی ہوئی مالی مدد قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے

لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ

ہمارے لئے وہی ہے کارساز ہمارا اور اللہ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ هَلْ

ہی پرچاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان تو کہہ دے تم کیا

تَرْبِصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنِ ۖ

امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ

اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر

اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ يَأْتِيَنَا ۗ

اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں

فَتَرْبِصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿۵۹﴾

سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں ☆

سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے

یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ تو مل نہیں سکتی، نہ دنیا میں اس سے چارہ ہے۔ مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے خدا کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں لہذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے پست ہیں۔ کوئی سختی اس کی فرمانبرداری سے باز نہیں رکھتی۔ اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی کو آخرت میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔ اندریں صورت تم ہماری نسبت دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کی ضرور امید کر سکتے ہو۔ اگر خدا کے راستہ میں مارے گئے تو شہادت و جنت اور واپس آئے تو اجر یا غنیمت ضرور مل کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں حق تعالیٰ نے مجاہد کی نسبت ان چیزوں کا تکفل فرمایا ہے۔ برخلاف اس کے تمہاری نسبت ہم منتظر ہیں کہ دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور پہنچ کر رہے گی یا نفاق و شرارت کی بدولت بلا واسطہ قدرت کی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط ہوگا، یا ہمارے ہاتھوں سے خدا تم کو سخت سزا دلوائے گا جو رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دے گی۔ بہر حال تم

ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوئے مزاج کی وجہ سے زہر ہلاہل ہیں۔

چونکہ کفار دنیا کی حرص و محبت میں غریق ہوتے ہیں اس لئے اول

اس کے جمع کرنے میں بیحد کوفت اٹھاتے ہیں۔ پھر ذرا نقصان

یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے اسی قدر غم سوار

ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر و اندیشہ اور ادھیڑ بن سے خالی

نہیں جاتا۔ پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس

وقت کے صدمے اور حسرت کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے

عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں۔ چنانچہ

یورپ و امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس

پر شاہد ہیں۔ باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو معبود اور زندگی کا اصلی

نصب العین نہیں سمجھتے چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا

اس لئے یہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی

ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال و اولاد پر مغرور ہو کر کفر و طغیان

میں اور زیادہ شدید ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے۔ کہ اخیر دم تک

کافر ہی رہیں۔ نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں

ان کا حال یہ تھا کہ بادل نخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریاء و نفاق سے

مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے یہ دونوں

چیزیں منافقین کے منشاء قلبی کے بالکل خلاف تھیں اس طرح اموال

و اولاد ان کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ

لکھتے ہیں ”یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی ہے،

بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل

پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا تو بہ

کرے یا نیکی اختیار کرے“۔ (تفسیر عثمانی)

معتزلہ کے مسلک کی تردید

آیت میں (معتزلہ کے مسلک کے خلاف) اس امر کی دلیل ہے کہ

بندہ کیلئے جو چیز زیادہ مناسب اور مفید ہو وہ ہی عطا کرنا اللہ پر واجب نہیں

ہے (بلکہ وہ ضرور رساں غیر اصل چیز دے کر بندہ کو مبتلائے عذاب بھی

کر سکتا ہے) کیونکہ اس آیت میں اللہ نے بتایا کہ کافروں کو مال و اولاد دے

کر (ان کو نوازا اور ان کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ) ان کو گرفتار عذاب

کرنا اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکالنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ

اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا

إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا

مگر اسی بات پر کہ وہ مکر ہوئے اللہ سے اور اس کی رسول سے اور نہیں

يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا

آتے نماز کو مگر ہارے جی سے اور

يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ۗ

خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے ☆

قبول نہ ہونے کا سبب

عدم قبول کا اصلی سبب تو ان کا کفر ہے جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اشارہ کر چکے کہ کافر کا ہر عمل مردہ اور بے جان ہوتا ہے باقی نماز میں ہارے جی سے آنا یا برے دل سے خرچ کرنا یہ سب کفر کے ظاہری آثار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا

سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور

أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

کہ ان کو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں

وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۗ

اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں ☆

ایک شبہ کا جواب

شبہ گذر سکتا تھا کہ جب یہ ایسے مردود ہیں تو ان کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے۔ جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت و قوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاق مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہی حال ان دنیوی نعمتوں (مال و اولاد وغیرہ) کا سمجھو،

منافقوں کی مطلب پرستی

بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک ان کی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ اگر انہیں خوب جی بھر کر خواہش و حرص کے موافق دے دیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا گویا ہر طرح مال و دولت کو قبلہ مقصود ٹھہرا رکھا تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ایک مدعی ایمان کا صحیح نظریہ نہیں ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصاف نہیں کریں گے تو کون کرے گا شیخین اور بیہتی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ فتح حنین کے دن قبیلہ ہوازن سے چھینا ہوا مال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کیا تو سرداران عرب (میں سے بعض) کو تقسیم کے وقت ترجیح دی یہ بات دیکھ کر قوم انصار میں سے ایک شخص بولا یہ بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یا یہ کہا کہ یہ تقسیم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے کہا میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ کی اطلاع ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر اطلاع دے دی۔ سن کر چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چڑھا رنگنے والے گوند کی طرح (سرخ) ہو گیا اور فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتا تو پھر اور کون انصاف کر سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت ہو موسیٰ پر ان کو اس سے بھی زیادہ دکھ پہنچایا گیا تھا مگر انہوں نے صبر کیا۔ محمد بن عمر نے اس نکتہ چیں کا نام معتب بن قشیر ذکر کیا ہے جو منافق تھا۔

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے امام بخاری، مسلم اور امام احمد نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت قبیلہ ہوازن سے حاصل کیا ہوا مال غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم کر رہے تھے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری کے قول کے موافق یہ شخص بنی تمیم میں سے تھا جس کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے اس نے عرض کیا میرے خیال میں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ انصاف (سے تقسیم) کیجئے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں

وَمَا هُمْ مِّنكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ

اور وہ تم میں نہیں و لیکن وہ لوگ

يَفْرُقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً

ڈرتے ہیں تم سے اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ

أَوْ مَغْرَبٍ أَوْ مَدْخَلًا لَّوَلَوْ أَلِيَهُ

یا غار یا سرگھسانے کی جگہ تو اٹھ بھاگیں

وَهُمْ يَجْحَدُونَ ﴿٥٧﴾

اسی طرف رسیاں تڑاتے ☆

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

یعنی محض اس خوف سے کہ کفر ظاہر کریں تو کفار کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی ہونے لگے گا۔ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تمہاری ہی جماعت (مسلمین) میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر آج ان کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں یا کم از کم ذرا سرگھسانے کی جگہ ہاتھ آجائے غرض حکومت اسلامی کا خوف نہ رہے تو سب دعوے چھوڑ کر بے تحاشا اسی طرف بھاگنے لگیں چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے اس لئے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي

اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں

الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا

خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو

رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا

راضے ہوں اور اگر نہ ملے تو جھبی

إِذَا هُمْ يَسْتَخْفُونَ ﴿٥٨﴾

وہ ناخوش ہو جائیں ☆

اگر اس کی اجرت بقدر کفایت اتنی ہو کہ حاصل کی ہوئی زکوٰۃ کے کل مال کا اس کو استحقاق ہو جاتا ہے تو باتفاق علماء کل مال زکوٰۃ اس کو نہیں دیا جاسکتا۔ آدھا دیا جائے گا۔ آدھے سے زائد ہرگز نہیں دیا جائے گا۔ نصف سے زائد کل کے حکم میں ہوتا ہے اگر اس سے زیادہ دیا جائیگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے تحصیل زکوٰۃ فقراء کیلئے نہیں کی اپنے لئے کی۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ایک شخص نے زمانہ نبوی میں ایک باغ خرید اقدرت خدا سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو اسکے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں۔ (مسلم تفسیر ابن کثیر)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ

زکوٰۃ جو ہے سودہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا

وَالْعَبِيدِ عَلَيْهِمُ الْوَلْفَةُ قُلُوبُهُمْ

اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر چارنا منظور ہے

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ

اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تادان بھریں اور اللہ کے رستے

اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ط

میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا

وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝۱۰

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

زکوٰۃ کے مستحقین

چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی، کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیئے ہیں۔ جو آٹھ ہیں۔ ”فقراء“

ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے یمن سے کچا سونا مٹی سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا، اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، علقمہ بن علاشہ، اور زید خیر، اور فرمایا میں ان کی دلجوئی کیلئے انہیں دے رہا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے

وَرَسُولُهُ ۙ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ

اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ

سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ

وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور

رَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝۱۱

اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہئے ☆

جو ملے اسی پر راضی رہو

یعنی بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ سے دلوائے اس پر آدمی راضی و قانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور سمجھے کہ وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ غرض دنیا کی متاع فانی کو نصب العین نہ بنائے۔ صرف خداوند رب العزت کے قرب و رضا کا طالب ہو اور جو ظاہری و باطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو۔ (تفسیر عثمانی)

محصل زکوٰۃ کو کتنا دیا جائے

امام ابوحنیفہ اور اکثر ائمہ نے فرمایا، محصل نے جتنی مدت کام میں صرف کی ہو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کے بقدر اس کو دیا جائے مثلاً کسی نے تحصیل کے کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور ایک سال صرف کیا تو ایک سال کی معاش بقدر کفایت پانے کا مستحق قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کے مال میں غنی کا کوئی حق نہیں عامل کو اس کے عمل کا صرف اتنا اجر دیا جائے گا جتنا فقیروں کے کام میں وقت صرف کرنے سے اس کا واجب ہوگا۔ گویا یوں کہو کہ زکوٰۃ تو فقراء کا حق ہے عامل کو فقیروں کے حق میں سے بقدر اجر و کفایت دیا جائے گا۔

کیلئے زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کہ جس قرض دار کے پاس ادائے قرض کے قابل مال نہ ہو وہ کوئی ہو کسی وجہ سے قرض دار ہو، اس کا قرض چکانے کیلئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ الغار میں کالفظ عام ہے قرض دار کے پاس اگر بقدر ادائے قرض مال نہ ہو تو وہ فقیر ہی ہوگا (خواہ کتنا ہی مالدار ہو) رخصت سفر میں بھی امام اعظم اور دوسرے اماموں کا یہی اختلاف ہے (کہ امام اعظم کے نزدیک سفر طاعت ہو یا سفر اباحت یا سفر معصیت، ہر سفر میں رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سفر معصیت میں رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا نہ فقر صلوة کا نہ ترک صوم کا) اگر کسی شخص کے پاس ادائے قرض سے زائد مال ہو اور اتنا زائد ہو کہ اس زائد کی مقدار نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہو تو امام اعظم اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم

میں کہتا ہوں جب فقر تمام مصارف زکوٰۃ میں ضروری ہے (اور ہر مصرف زکوٰۃ کا غریب ہونا لازم ہے) تو بہتر یہی ہے کہ سبیل اللہ کے لفظ کو نہ صرف جہاد کیلئے مخصوص قرار دیا جائے نہ حج کے لئے بلکہ عام چھوڑ دیا جائے خواہ کوئی مصرف خیر ہو سب کو یہ لفظ شامل ہے لہذا غریب طالب علموں کو جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی فی سبیل اللہ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

ابن السبیل کا معنی

اگر کسی کے پاس وطن میں تو بہت مال ہو مگر سفر میں ساتھ اتنا مال نہ ہو کہ منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہو اور نہ اتنا مال ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو تو اس کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ابن السبیل سے اسی قسم کا مسافر مراد ہے زکوٰۃ کا مستحق ہونے کیلئے امام اعظم کے نزدیک فقر قبضہ کافی ہے یعنی اس کے قبضہ میں اتنا مال نہ ہو جو زکوٰۃ کے استحقاق سے محروم کر دے۔ خواہ ملکیت میں کتنا ہی مال ہو (بغیر قبضہ کی) ملکیت استحقاق زکوٰۃ سے مانع نہیں لہذا جو مالدار شخص اپنے وطن میں ہو (مگر اپنے مال پر اس کا قبضہ نہ ہو) یا دوسروں پر اس کا مال قرض ہو (اور قبضہ میں نہ ہو) تو امام صاحب کے نزدیک ایسا شخص (باوجود مالک مال ہونے کے) نادار اور مفلس ہے جیسے مالدار مسافر نادار۔ حالت سفر میں مفلس کذافی محیط اگر کسی کا مال وطن میں بہت ہو مگر سفر میں اس کے پاس صرف اتنا ہو کہ وطن تک پہنچ سکتا ہو اور جو مال

(جن کے پاس کچھ نہ ہو)۔ ”مساکین“ (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) ”عالمین“ (جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں) ”موکفۃ القلوب“ (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیر ذلک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مدینہ نہیں رہی) ”رقاب“ (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلانی جائے۔ یا خرید کر آزاد کئے جائیں۔ یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں) ”غارین“ (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) ”سبیل اللہ“ (جہاد وغیرہ میں جانیا والوں کی اعانت کی جائے) ”ابن السبیل“ (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو) ”حنفیہ“ کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے تفصیل فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

موکفۃ قلوب کا حصہ

امام ابوحنیفہ کے نزدیک موکفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو چکا اسلام کو اب تالیف قلوب کیلئے زکوٰۃ کا مال دینے کی ضرورت نہیں رہی ایک روایت میں امام مالک اور امام شافعی کے اقوال بھی یہی آئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب آیت کے حکم کو مسلمان موکفۃ القلوب کے ساتھ خاص قرار دے لیا گیا اور کافر موکفۃ القلوب کو حکم کے عموم سے الگ کر دیا گیا تو پھر غنی کو بھی حکم سے الگ کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ مالداروں کیلئے زکوٰۃ کا حلال نہ ہونا مختلف احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت معاذ والی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور ان ہی کے فقراء کو لوٹا دیا جائے۔

قرض دار

- (۱) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر گناہ کے راستہ میں خرچ نہیں کیا ایسے قرض داروں کے پاس اگر قرض ادا کرنے کیلئے مال نہ ہو بقدر ادائے قرض زکوٰۃ کا مال ان کو دے دیا جائے۔
- (۲) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر کسی نیکی کے راستہ میں یا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں خرچ کیا ہو یہ لوگ خواہ خود مالدار ہوں مگر ان کا قرض زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جاسکتا ہے۔
- (۳) وہ قرض دار جو گناہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور فضول خرچیاں کرنے کی وجہ سے قرض دار ہوئے ہوں ان کا قرض ادا کرنے

ہے اور یہ اللہ کے نام پر میں خیرات کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی نیکی اللہ کے پاس میرے لئے جمع رہے گی۔ اب آپ اس میں جیسے اللہ بتائے تصرف کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں کو دے دو، حسب ہدایت حضرت ابو طلحہ نے وہ (باغ) اپنے قرابت داروں اور چچا زادوں کو تقسیم کر دیا۔ (متفق علیہ)

قریبی رشتہ داروں کو خیرات اور زکوٰۃ دینا

رشتہ ولادت اور تعلق زوجیت رکھنے والوں کو زکوٰۃ دینی امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست نہیں، (بیٹا بیٹی ماں باپ کو والدین اولاد کو بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے) شرعاً اور عرفان کے منافع کے املاک مشترک ہوتے ہیں (اولاد والدین اور زوجین کا باہمی فائدہ اور ضرر ایک ہی مانا جاتا ہے) اس لئے تملیک کامل طور پر نہیں ہو سکتی۔

رابطہ بنت عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بیوی دست کار تھی اور حضرت ابن مسعود کے پاس مال نہ تھا اس لئے رابطہ ہی ان کا اور ان کے بچوں کا خرچ چلاتی تھی (ایک روز) حضرت ابن مسعود سے کہنے لگی آپ کے اور آپ کے بچوں کے خرچ نے تو مجھے صدقہ (خیرات کرنے) سے روک دیا، تمہارے خرچ کی موجودگی میں تو میں خیرات کر ہی نہیں سکتی حضرت عبد اللہ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ہم پر خرچ کر کے (خیرات کے) ثواب سے محروم رہو چنانچہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور رابطہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں دست کار عورت ہوں دست کاری سے جو کچھ تیار کرتی ہوں اس کو فروخت کر دیتی ہوں (اس طرح میری کمائی ہو جاتی ہے) مگر میرے بچے اور شوہر کا کوئی مال نہیں ہے (ان سب کا خرچ میں چلاتی ہوں اور) ان کا خرچ مجھے خیرات کرنے سے روک دیتا ہے کیا ان پر صرف کرنے کا مجھے کوئی ثواب ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم ان پر صرف کرو گی اس کا ثواب تم کو ملے گا تم ان پر خرچ کیا کرو۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ رابطہ وہی زینب زوجہ ابن مسعود تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زینب کے علاوہ کسی دوسری عورت کا حضرت عبد اللہ کی بیوی ہونا ثابت نہیں۔

عورتوں کو صدقہ کرنے کی خصوصی ہدایت

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے ایک روز صبح کی نماز سے فراغت

بحالت سفر اسکے پاس ہو وہ نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اس صورت میں اس کیلئے زکوٰۃ کا مال لینا درست نہیں، یہ مسئلہ سب علماء کا مسلمہ ہے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی وطن میں بہت مال ہو اور سفر میں اس کے پاس نصاب زکوٰۃ کے بقدر ہو مگر اتنے مال سے وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے شخص کے لئے بھی امام اعظم کے نزدیک زکوٰۃ لینا جائز نہیں خواہ سفر کی حالت ہو یا برسر سفر ہو اور مال دور ہو یا قریب امام شافعی جواز کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال مباح کرنے والی چیز فقر ہے اور یہ شخص فقیر نہیں ہے (نصاب زکوٰۃ کے بقدر اس کے پاس مال موجود ہے منزل مقصود پر پہنچ سکتے یا نہ پہنچ سکتے کو زکوٰۃ کا مال لینے نہ لینے میں کوئی دخل نہیں) امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ لینے کے جواز کی علت ارادہ سفر ہے بشرطیکہ اس کے پاس (ارادہ سفر کے وقت) اتنا مال نہ ہو کہ مسافت سفر طے کر سکے کیونکہ ابن السبیل مصارف زکوٰۃ کا ایک مستقل فرد ہے فقر کا اس میں اعتبار نہیں ہے۔

بڑے اجر والا دینار

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار وہ ہے جو تو نے راہ خدا میں خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو تو نے کسی بردہ کی گلو خلاصی کیلئے خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو کسی مسکین کو تو نے بطور خیرات دیا ایک دینار وہ ہے جو تو اپنے گھر والوں کے صرف میں لایا سب سے بڑے اجر والا وہ دینار ہے جو تو اپنے گھر والوں کے صرف میں لایا۔ (رواہ مسلم)

حضرت میمونہ بنت حارث کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میں نے ایک باندی آزاد کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا۔ فرمایا اگر تو وہ اپنے ماموؤں کو دے دیتی تو تیرے لئے بڑا ثواب ہوتا۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما)

دوہری خیرات

حضرت سلیمان بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین کو خیرات دینی ایک خیرات ہے اور رشتہ دار کو دوہری خیرات ہے ایک تو (معمولی) خیرات دوسرے کنبہ پروری۔ رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیرحاء (کا باغ) مجھے اپنے مال میں سب سے زیادہ پسند

طحاوی نے یہ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ سے مراد خیرات ہے پہلی حدیث میں آیا ہے کہ ابن مسعودؓ کی بیوی نے کہا میں دست کار عورت ہوں (دستکاری کر کے فروخت کرتی ہوں ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کی مالک نہ تھی کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی (صرف دستکاری تھی جس سے گھر کا خرچ چلاتی تھی) دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اپنا کل زیور صدقہ (خیرات) کرنا چاہتی تھی اور کل زیور کی خیرات بطور زکوٰۃ نہیں ہو سکتی۔ پھر تینوں احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اپنی اولاد کو صدقہ دینا جائز ہے حالانکہ باجماع علماء اولاد کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں صدقہ سے مراد خیرات ہے۔

پڑوسی کا حق

صدقات کے ترجیحی اسباب میں سے ایک مرنج سبب ہمسائیگی بھی ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی سے سلوک کے متعلق جبریل مجھے اتنی مسلسل نصیحت کرتے رہے کہ میرا خیال ہوا شاید وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے رواہ احمد و البخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمذی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث امام احمد اور شیخین اور اصحاب السنن نے بیان کی ہے۔

مسلم نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جب شور بہ پکاؤ تو پانی بڑھا دیا کرو اور پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو۔

بھوکے کو کھانا کھلانا

منجملہ اسباب مرنج کے عیال داری کی وجہ سے بھوک کی شدت بھی ہے (یعنی سخت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلانا بھی افضل ہے) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ (خیرات) یہ ہے کہ تم جو کی جگہ کو سیر کر کے کھلا دو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

سوال کرنے والا

سائل کا سوال بھی ایک مرنج سبب ہے اللہ نے فرمایا ہے
وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ سائل کو نہ جھڑکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ رواہ احمد و ابوداؤد و صحیح۔ ابوداؤد نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور طبرانی نے ہر ماس بن زیادؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

حضرت ام بجمیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں (کے گروہ) کی طرف تشریف لائے اور فرمایا اے گروہ زنان تم (عورتوں) سے زیادہ ناقص العقل ناقص الدین اور دانشمندیوں کی دانش کو زائل کرنے والا میں نے کسی اور (چیز) کو نہیں پایا۔ میں نے دیکھا کہ قیامت کے دن دوزخ والوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہوگی اس لئے جس قدر تم سے ہو سکے (خیرات کر کے) اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو عورتوں کے گروہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی بھی موجود تھی۔ وہ یہ فرمان سن کر پلٹ کر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بیان کیا پھر اپنی چادر لے کر چل دی ابن مسعودؓ نے پوچھا، اری یہ (زیور یا لباس) لے کر کہاں جا رہی ہے کہنے لگی میں اس کو خیرات کر کے اللہ اور اس کے رسول کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کروں گی شاید اللہ مجھے دوزخ سے بچالے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا، اری ادھر آ۔ اس کو مجھ پر اور میرے بچوں پر بطور خیرات خرچ کر (تجھے اللہ ثواب دے گا) کہنے لگی نہیں خدا کی قسم (ایسا نہیں ہو سکتا پہلے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر دریافت کر لوں۔ الحدیث۔ (جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر دریافت کیا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اس پر اور اس کی اولاد پر بطور خیرات خرچ کرو وہی لوگ اس کا محل ہیں (یعنی اول ان کا حق ہے وہی محل خیرات ہیں) بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کو تشریف لے گئے اور نماز کے بعد لوگوں کو نصیحت کی اور صدقہ (خیرات) دینے کا حکم دیا پھر عورتوں کی طرف سے گزرے اور فرمایا اے گروہ زنان خیرات کرو مجھے دکھایا گیا ہے کہ دوزخیوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہے عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ الحدیث) اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا میرے پاس زیور ہے میں اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں۔ ابن مسعود نے کہا میں اور میرے بچے اس (خیرات) کے زیادہ مستحق ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ کہا، تیرا شوہر اور تیرے بچے اس خیرات کے دوسروں سے زیادہ حق دار ہیں۔

سوال کرنے سے روکتی ہے۔ (اس سے مراد) صبح شام کے کھانے کی مقدار ہے۔ رواہ ابوداؤد و من حدیث سہیل بن حنظلہ۔ ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ بعض علماء نے کہا اگر چالیس درہم (تقریباً دس روپیہ) کا مالک ہو تو زکوٰۃ لینی درست نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسی حالت میں سوال کیا کہ اس کے پاس ایک اوقیہ کی مقدار چاندی تھی تو اس نے الحاف کیا (یعنی اس کو لپٹ چمٹ کر مانگنے والا قرار دیا جائیگا) اگر کوئی شخص کمائی سے لگا ہوا ہو تو ایک درہم بھی اس کو غنی بنا دیتا ہے اور اگر کمزور کثیر العیال ہو تو ہزار درہم بھی اس کو غنی نہیں بنا سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بغیر حاجت کے سوال حرام ہے اور حاجت ہو تو جائز ہے لہذا جس شخص پر فاقہ نہ ہو جس کا معیار حسب روایت سہیل بن حنظلہ صبح شام کا کھانا موجود ہونا ہے تو اس کیلئے سوال حلال نہیں۔ اتنا بھی نہ ہو تو سوال جائز ہے پس جس شخص کو قوام زندگی حاصل ہو وہ سوال تو نہیں کر سکتا مگر زکوٰۃ بغیر سوال کے لینا اس کیلئے جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا غنی وہ شخص ہے جس کے پاس اصلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب زکوٰۃ مال باقی رہے حضرت معاذ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور انہی کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ جس کو دیا جائے وہ شخص وہ نہ ہو جس سے لیا جائے لہذا صاحب نصاب کو دینا جائز قرار پایا (کیونکہ وہ تو دینے والا ہے لینے والا کیسے ہو سکتا ہے) صاحب نصاب کے پاس مال نامی ہو (بڑھوتری والا) یا غیر نامی دونوں صورتیں زکوٰۃ لینے کی ممانعت میں برابر ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں آیا ہے کہ اوقیہ ہو یا اوقیہ کی مقدار دونوں کا حکم برابر ہے۔ نامی اور غیر نامی کے فرق کا اثر و جوہ زکوٰۃ پر پڑتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کھیتی باڑی کے جانوروں میں، سواری، بار برداری کے جانوروں میں اور گھریلو پالتو جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے سہولت آفریں قدرت کے ساتھ و جوہ زکوٰۃ کو مشروط کیا ہے۔ رہا ممانعت زکوٰۃ کے لئے ہماری طرف سے یہ شرط لگانا کہ ضروریات اصلیہ کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب بچ جائے تو اس کی وجہ یہ ہے۔ اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار موجود بھی ہو لیکن فراہمی ضروریات اس سے

فرمایا سائل کو (کچھ دے کر) لوٹاؤ خواہ جلی ہوئی کھری ہی ہو۔ رواہ مالک والنسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے اس کو مرسل بیان کیا ہے۔

سب سے برا آدمی: حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ سب سے برا کون آدمی ہے سب سے برا وہ شخص ہے کہ اس سے اللہ کے واسطے سوال کیا جائے اور وہ نہ دے۔

یتیم اور قیدی: یتیمی اور قیدی بھی ترجیحی اسباب میں سے ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا اور اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت ہوتے ہوئے وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ایک شخص کو ساری زکوٰۃ دینا

جب احناف کا مسلک (ثابت ہو گیا اور) معلوم ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف فقراء ہیں اور باقی ساتوں اصناف فقراء ہی کے اقسام ہیں تو اس صورت میں ایک ہی صنف بلکہ ایک شخص کو زکوٰۃ کا کل مال دے دیا جائے تو جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فرض زکوٰۃ لے کر ایک ہی صنف کو (کبھی) دے دیا کرتے تھے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر حضرت حذیفہ حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ و تابعین کے اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک صنف کو کل زکوٰۃ دیدینا جائز ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے ہمارے بعض علماء شافعیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے میرے والد بھی یہی فتویٰ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آیت میں تو یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان اصناف کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ نہ دی جائے یہ تو نہیں بیان کیا کہ ان اصناف کو دینا واجب ہے۔

کس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

امام ابوحنیفہ نے فرمایا غنی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو کسی قسم کا مال ہو۔ بعض علماء نے کہا جس کے پاس صبح شام کا کھانے کو ہے اس کیلئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس اتنا ہو جو اس کو غنی (بے نیاز) کر دے اور وہ سوال کرے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ بڑھا رہا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! غنی کر دینے سے کیا مراد ہے فرمایا جو غنا

عدی میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور سنن ترمذی میں حضرت حبشی بن جنادہ کی روایت سے آئی ہیں۔ امام احمد نے ابو ذریعہ کی سند سے بنی ہلال کے ایک شخص کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت عبدالرحمن کی روایت سے بھی۔

ہم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اگر تم چاہو تو میں تم کو دے دوں اور غنی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے صراحت بتا رہا ہے کہ طاقتور اہل حاجت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو دے دوں۔ ہماری دلیل حضرت عمر کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمائیے الخ۔ (یہ پوری حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے) یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اس کو لے لو، اس سے تمہول حاصل کرو اور اس سے خیرات کرو، سالم نے کہا اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمر کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے اور بغیر سوال کے اگر ان کو کچھ دیا جاتا تھا تو رد نہیں کرتے تھے۔

ایک شبہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حضرت عمر کو عطا فرمایا تھا وہ تو کام کی اجرت تھی۔ فقر کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا اسی لئے فرمایا تھا کہ اس کو لے لو۔ اس سے تمہول حاصل کرو اور خیرات کرو۔ عمل کی اجرت کا ثبوت مسلم کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں ابو جمہر ساعدی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے مجھے صدقہ (زکوٰۃ) کے کام پر مامور کیا۔ کام تمام کرنے کے بعد جب میں نے رقم زکوٰۃ ادا کر دی تو آپ نے اجرت عمل مجھے دینے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا (امیر المؤمنین) میں نے تو اللہ کے واسطے کام کیا ہے میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے (اس سے لے لوں گا) فرمایا جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ لے لو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میں نے بھی (تحصیل زکوٰۃ کا) کام کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کام کی اجرت دی تو میں بھی تمہاری طرح کہا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جب تم کو بغیر سوال کے دیا جائے تو کھاؤ اور خیرات کرو۔

جواب:- الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی معتبر سے واقعہ کی خصوصیت ناقابل اعتبار ہے۔ الفاظ کا عموم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو اس مال میں سے کچھ مل جائے اور تم از خود نہ

وابستہ ہو تو اس نصاب کا وجود بھی عدم کی طرح ہے۔ اس کی نظیر میں اس پانی کو پیش کیا جاسکتا ہے جو موجود تو ہو مگر بقدر پیاس ہو ایسے پانی کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اسی لئے باوجود پانی ہونے کے تیمم جائز ہے۔ لہذا جو قرضدار مالک نصاب ہو لیکن اس کا نصاب قرض سے زائد نہ ہو یا مجاہد ہو (اور مالک نصاب ہو) یا مسافر ہو اور اس کے گھوڑے کی قیمت بقدر نصاب زکوٰۃ ہو یا کوئی عالم ہو اور مطالعہ مسائل یا درس کی ضرورت کیلئے اس کے پاس کتابیں ہوں یا کسی کے پاس رہنے کا مکان ہو ان سب کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اور ان کو زکوٰۃ لینی بھی درست ہے حدیث لا یحل الصدقة لغنی الا الخمسة الغازی فی سبیل اللہ والغارم وابن السبیل (غنی کیلئے زکوٰۃ حلال نہیں سوائے پانچ شخصوں کے مجاہد قرضدار اور مسافر) کا اصل مفہوم یہی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کمائی کر کے ضروریات پوری کر سکتا ہے مگر ہو حاجت مند (کم مایہ یا بے مایہ) تو اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ کیونکہ آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں عموم ہے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ حلال نہیں غنی کیلئے نہ طاقت و رحمت مند کیلئے رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم ابوداؤد و ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے نیز دارقطنی نے العلیل میں اور ابو یعلیٰ نے حضرت طلحہ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ زکوٰۃ کا مال آیا سنتے ہی لوگ چڑھ دوڑے فرمایا لوگو یہ درست نہیں غنی کے لئے نہ صحیح و سالم صحت مند کیلئے نہ طاقت ور برسر کار آدمی کیلئے رواہ احمد و دارقطنی۔

طاقت ور کمائی کر سکنے والا

عبید اللہ بن عدی کا بیان ہے کہ مجھے دو آدمیوں نے اطلاع دی کہ ہم دونوں مال زکوٰۃ میں سے کچھ مانگنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو نظر گھما کر غور سے دیکھا اور دونوں کو طاقت ور پا کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دے دوں (مگر) اس میں نہ غنی کا حصہ ہے اور نہ طاقت ور کمائی کرنے والے کا۔ رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی۔ صاحب تنقیح نے کہا یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث کیسی کھری اور عمدہ سند والی ہے اس بحث کی احادیث کامل ابن

حریص ہونہ سائل تو اس کو لے لو ان الفاظ میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو شخص احادیث کی تلاش کرے گا اس کو احادیث میں صراحت کے ساتھ یا دلالت یہ بات ملے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح و تندرست سائل کو زکوٰۃ کا مال عطا فرمایا۔ مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موٹی کناری کی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک دیہاتی نے چادر پکڑ کر اتنی زور سے پینچی کہ چادر کی کناری کا نشان گردن مبارک کے ایک طرف پڑ گیا پھر کہنے لگا محمد! جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف گردن موڑی اور ہنس دیئے۔ پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا، اس باب کی اکثر احادیث اس کی شاہد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے جو احادیث ذکر کر دیں بالا جمال ان سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طاقتور محتاج کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس نے سوال کیا ہو یا نہ کیا ہو ہاں سائل قوی کو دینا تو جائز ہے مگر اس کا سوال کرنا اور سوال کر کے لینا مکروہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے زکوٰۃ وغیرہ جائز نہیں

اکثر ائمہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ واجب صدقہ (یعنی فرض زکوٰۃ کا مال) لینا حلال تھا نہ نفل صدقہ (خیرات) لینا امام شافعی اور امام احمد کے دو مختلف قول خیرات لینے کے جواز و عدم جواز کے متعلق آئے ہیں، جمہور کے قول کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ پر گزرے وہاں چھوڑا پڑا تھا فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو کھا لیتا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر صدقہ کہا جاتا تو آپ ساتھیوں سے فرماتے تم کھا لو خود نہ کھاتے اور اگر ہدیہ کہا جاتا تو آپ ہاتھ بڑھادیتے اور ساتھیوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ متفق علیہ۔ طحاوی نے بھی بہزاد بن حکیم کے دادا کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کیلئے بھی جائز نہیں ہے

آل رسول کے لئے بھی صدقہ حلال نہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت حسنؓ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کا ایک چھوڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ حضور نے منہ سے پھینک دینے کیلئے

فرمایا انا خ۔ پھر فرمایا ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ (متفق علیہ)۔
روایت میں آیا ہے ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں۔ رواہ مسلم و الطحاوی
والطحاوی من حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ من حدیث رشد بن مالک۔ امام
احمد اور طحاوی نے حضرت حسنؓ کے قصہ میں بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

خیرات جائز ہے زکوٰۃ جائز نہیں امام ابو حنیفہ کا مشہور مسلک اور امام شافعی و امام حنبلی کا صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک کی طرف بھی ایک روایت میں اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ بلکہ امام مالک سے تو چاروں اقوال مروی ہیں۔ اور چاروں روایات مشہور ہیں اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں آل محمد کیلئے جس صدقہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد فرض صدقہ (زکوٰۃ) ہے اور فرض زکوٰۃ کی حرمت ہی حضرت مطلب بن ربیعہ بن حارث کی حدیث میں مراد ہے حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ایک بار جمع ہوئے اور بولے اگر ہم ان دونوں لڑکوں یعنی مجھے اور فضل بن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض کیلئے بھیج دیں کہ آپ تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر ان دونوں کو مقرر کر دیں تاکہ دوسرے لوگوں کو جو اجرت ملتی ہے وہ ان کو بھی مل جایا کرے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ان کو نہ بھیجو (مگر حضرت علیؓ کا مشورہ کسی نے نہ مانا) چنانچہ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور اس روز حضرت زینب بنت جحش کے گھر تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اب نکاح کے قابل ہو گئے اور آپ (اقارب کے ساتھ) سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والے اور بڑے کنبہ پرور ہیں ہم اس لئے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ وصول زکوٰۃ کی خدمت پر ہم کو بھی مامور فرما دیں جس طرح اور لوگ وصول کر کے داخل کرتے ہیں اور اجرت پاتے ہیں ہم بھی وصول کر کے داخل کر دیں گے اور ہم کو بھی دوسروں کی طرح اجرت مل جائے گی (اس طرح ہم نکاح کر سکیں گے اور ہمارا گذارا ہو جائے گا) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ مناسب نہیں یہ لوگوں کا میل کچیل ہے تم حمیہ بن جزیہ اسدی اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلا لاؤ۔ حمیہ کو حضور نے مال خمس کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا جب دونوں آگئے تو حمیہ سے فرمایا اس لڑکے فضل بن عباس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ حمیہ نے نکاح کر دیا اور نوفل بن

نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا موالی کی طرف بنی ہاشم کے سوا اور کسی کو نہیں پھیرا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخزومی شخص کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرمایا اس شخص نے ابورافع سے کہا تم بھی میرے ساتھ چلو، تم کو بھی کچھ مل جائے گا۔ ابورافع نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر میں نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ابورافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں اور کسی قوم کا غلام بھی انہی میں سے ہوتا ہے (یعنی اس کا حکم بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کے آقا کا) یہ حدیث حضرت ابورافع کی روایت سے امام احمد ابوداؤد ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ابورافع کا نام ارقم بن ابی الارقم تھا۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جانا مکروہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ منقول ہے کہ زکوٰۃ کا جو مال خراسان سے شام کو لایا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پھر شام سے خراسان کو لوٹا دیا۔ (تفسیر مظہری)

غیر مسلموں کو نفلی صدقہ دینا

نفلی صدقات میں سے غیر مسلموں کو دینا باتفاق امت جائز اور سنت سے ثابت ہے اور اگر صدقات سے مراد اس جگہ صدقات فرض، زکوٰۃ عشر وغیرہ ہی ہوں، تو منافقین کو اس میں سے حصہ دینا اس بناء پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور ظاہری کوئی حجت ان کے کفر پر قائم نہ ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بمصلحت حکم یہی دے رکھا تھا کہ منافقین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ (بیان القرآن ملخصاً)

زکوٰۃ کے مصارف اللہ کی طرف سے متعین ہیں

ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قوم کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ لشکر نہ بھیجیں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب مطیع و فرمانبردار ہو کر آجائیں گے پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا

حارث سے فرمایا تم اس لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو، انہوں نے بھی اپنی لڑکی کا نکاح حسب الحکم کر دیا پھر محمدیہ سے فرمایا خمس میں سے ان دونوں کا مہر اتنا اتنا دیدو۔ رواہ مسلم یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وصول زکوٰۃ پر اگر کوئی ہاشمی مامور ہو تب بھی مال زکوٰۃ میں سے اجرت لینی اس کیلئے جائز نہیں اور مامور نہ ہو تو جواز کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ لیکن اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے جس کو وصول کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مقرر فرماتے تھے۔

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا خرچ گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا اس کو اللہ کے مال کی طرح اللہ کے راستہ میں (یعنی جہاد کی تیاری گھوڑوں کی خریداری ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ) صرف کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت علی اور حضرت عباسؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی طرح کیا کرتے تھے۔ (یعنی ترکہ رسول میں سے جو حقیقت میں ترکہ نہ تھا بلکہ حضور کی وفات کے بعد اس کا حکم خیرات یا صدقہ کا حکم تھا اقرار رسول اللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق دیا کرتے تھے) اس سے ظاہر ہو گیا کہ بنی ہاشم کیلئے ہر صدقہ (خواہ خیرات ہی ہو) حرام نہ تھا (بلکہ صرف زکوٰۃ حرام تھی)

ہم کہتے ہیں بنی ہاشم کے شرف کا تقاضا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے (خواہ وہ ہاشمی ہی ہوں) میل پچیل سے اپنے کو محفوظ رکھیں اس لئے ہاشمی ہاشمی کی بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

مسئلہ: بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ حرام ہے ان میں پانچ نطن شامل ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب، یہ امام اعظم اور امام مالک کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بنی مطلب بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ذوی القربی کو دیتے تھے تو بنی مطلب کو بھی اس کا حصہ دار بناتے تھے ان کو بھی دیتے تھے۔ مسائل خمس میں جبیر بن مطعم کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بنی ہاشم کے غلاموں کے لئے بھی زکوٰۃ حرام نہیں ہے امام شافعی اور امام مالک کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے بعض کے نزدیک بنی ہاشم کے موالی کے لیے زکوٰۃ حرام

چارمدوں کیلئے چار بیت المال

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال چارمدات کیلئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء و مساکین کا حق چاروں میں رکھا گیا ہے ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں، پہلی مد یعنی خمس غنائم کے مصارف کا بیان سورہ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے۔ اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورہ توبہ کی مذکور الصدر ساٹھویں آیات میں آیا ہے، جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے، اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مال فتنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا بیان سورہ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسلامی حکومت کی اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمال حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اپنا حق محتاجوں اور لاوارث بچوں کیلئے مخصوص ہے۔ (شامی، کتاب الزکوٰۃ)

فی سبیل اللہ:۔ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کیلئے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں اس لئے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کیلئے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیر یہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کیلئے نشر و اشاعت، کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

مقروض:۔ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اخصداء المطاع فی قومہ جس میں گویا ان کو یہ خطاب دیا گیا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور مقتداء ہیں میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کو ہدایت ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گئے یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کیلئے حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ جواب دیا کہ:

”صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں۔ انتہی، (تفسیر قرطبی، ص ۱۶۸ ج ۸)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کسی غنی یعنی مال دار کے لئے حلال نہیں، بجز پانچ شخصوں کے ایک وہ شخص جو جہاد کیلئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں، اگرچہ گھر میں مال دار ہو، دوسرے عامل صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، تیسرے وہ شخص کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجود مال سے زیادہ کا مقروض ہے چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے پانچویں وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ تحفہ پیش کر دیا ہو۔

عالمین کی اجرت کا اصول

رہلیہ مسئلہ کہ عالمین صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے سواں کا حکم یہ ہے کہ انکی محنت و عمل کی حیثیت کے مطابق دی جائیگی۔ (احکام القرآن ص ۱۶۸ ج ۱)

اسلامی مدارس کے سفیر

فائدہ: آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کیلئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں جو عالمین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے۔ کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں ان کی طرف سے مال زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔

رفاہ عام پر زکوٰۃ نہیں لگتی

ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ تملیک

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کیلئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لا وارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دیدی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لا وارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کا مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد

بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں ائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ حنابلہ کی عام کتابوں میں اسکی تصریحات موجود ہیں۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ ثواب ہے مگر میاں بی بی اور والدین و اولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں۔ شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دیدی، تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی، اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے اولاد کی اولاد اور دادا پر دادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جاسکتا ہے تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے کیا دینے والوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کیلئے فرمایا کافی مقدار جمع ہوگئی تو وہ ان کو دیدی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

والغارین

غارین سے وہ مفلس قرضدار مراد ہیں جنہوں نے جائز ضرورت کے لئے قرض لیا تھا۔ مگر بعد میں ادا نہ کر سکے ایسے قرضداروں کی زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے امداد کرنی چاہیے۔ مگر جس نے معصیت کے

سے جو دعوائے ایمان رکھتے ہیں، ان کے حق میں آپ کی خاموشی و انماض ایک طرح کی رحمت ہے کہ فی الحال منہ توڑ تکذیب کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا۔ باقی منافقین کی حرکات شنیعہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کی پیٹھ پیچھے جو بدگوئی کرتے ہیں یا ”ہو اذن“ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں اس پر سزائے سخت کے منتظر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بنتل شیطان:۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنتل کالا لمبا پرانگندہ موسرخ چشم، چپکے گالوں والا بدر و آدمی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شیطان کو دیکھنا چاہتا ہو تو اس کو دیکھ لے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جا کر منافقوں سے چپکے چپکے کہتا تھا اس سے کہا گیا ایسا نہ کر کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سراسر کان ہیں جو ان سے کچھ جا کر کہہ دیتا ہے اس کو مان لیتے ہیں ہم جو کچھ چاہیں گے پھر جا کر جھوٹی قسمیں کھالیں گے (اور کہہ ہوئے سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہم کو سچا جان لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم پوشی بہتر ہے

قُلْ اُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ اَبٌ كَبِهَ دَبْحَةٌ كِهَ وَه كَان دے کروہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں سراسر خیر ہے۔ اذن کی خیر کی طرف اضافت ہے جیسے رجل صدق (بھلائی کے کان سچائی کا آدمی) گویا یوں کہا گیا کہ وہ بیشک کان ہیں مگر ان کا کان ہونا تمہارے لئے بہتر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کان لگا کر سنتے ہیں۔ شر اور بگاڑ کی بات نہیں سنتے۔ غیبت اور چغلی کی بات نہیں سنتے۔ عذر کرنے والے کی معذرت سن لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بھولا شریف ہوتا ہے اور کافر خبیث کمینہ، رواہ ابو داؤد و الترمذی و الحاکم عن ابی ہریرۃ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ خیر حق اور ہر واجب المقبول بات کو سنتے ہیں اور ان کے خلاف باتوں کو نہیں سنتے۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوشانیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوشانیں تھیں ایک شان سلطنت اور دوسری شان نبوت اور محبوبیت حق۔ پس منافقین اپنی جھوٹی قسموں سے حضور پر نور کو اور آپ کے صحابہ کو بحیثیت شان سلطنت راضی کرنا چاہتے تھے۔ بحیثیت شان نبوت و رسالت آپ کو راضی کرنے کی

کاموں کیلئے قرض لیا ہو، اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور فتاویٰ ظہیر یہ میں ہے کہ قرضدار کو زکوٰۃ دینا بہ نسبت فقیر کے زیادہ بہتر ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَ

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور

يَقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ خَيْرٌ

کہتے ہیں کہ یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے

لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ

واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا

وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ

اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ

يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ

بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۱﴾

عذاب ہے دردناک ☆

منافقین کی بدتمیزی

منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق بدگوئی کرتے۔ جب کوئی کہتا کہ ہماری یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام تک پہنچ جائیگی تو کہتے کیا پروا ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی برأت کا یقین دلا دیں گے۔ کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت اپنے حیا و وقار اور کریم النفسی سے جھوٹے کا جھوٹ پہنچانے تب بھی نہ پکڑتے۔ خلق عظیم کی بناء پر مسامت اور تغافل برتتے۔ وہ بیوقوف جانتے کہ آپ نے سمجھا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی کی یہ خوت تمہارے حق میں بہتر ہے۔ نہیں تو اول تم پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چشم پوشی اور خلق عظیم پر کسی وقت مطلع ہو کر تمہیں ہدایت ہو جائے۔ تمہاری جھوٹی باتوں پر نبی علیہ السلام کا سکوت اس لئے نہیں کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے۔ یقین تو ان کو اللہ پر ہے اور ایمانداروں کی بات پر۔ ہاں تم میں

فریب بازی خدا اور رسول کے ساتھ کام نہیں آتی۔ اگر دعوائے ایمان میں واقعی سچے ہیں تو دوسروں کو چھوڑ کر خدا اور رسول کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

الْمُ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنِ يُحَادِدِ اللَّهَ

کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے

وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

اور اس کے رسول سے تو اس کے واسطے ہے دو زخ کی آگ

فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝۱۳

سدا رہے اس میں یہی ہے بڑی رسوائی ☆

یعنی جس رسوائی سے بچنے کیلئے نفاق اختیار کیا ہے اس سے بڑی

رسوائی یہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ اور رسول سے مقابلہ کر نیوالے کا انجام

یزید بن ہارون کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا ایک بندہ کولا کر اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ نے دنیا میں اس کو اپنی نعمتوں سے نوازا، ہوگا اس کے رزق میں کشادگی عطا فرمائی ہوگی اور تندرستی بھی مرحمت کی ہوگی۔ اللہ کی پیشی ہوگی۔ تو اس سے پوچھا جائے گا تو نے اس دن کیلئے کیا عمل کیے تھے اور اپنے لئے پہلے سے کیا بھیجا تھا اس شخص کو اس وقت کوئی بھلائی نظر نہ آئے گی کیونکہ اس نے کچھ بھیجا ہی نہ ہوگا وہ رونے لگے گا کہ آنسو بہنے لگیں گے پھر اس کو عار دلائی جائیگی اور رسوا کیا جائے گا۔ اتنا کہ آخر وہ کہہ اٹھے گا اے میرے رب مجھے دو زخ میں بھیج دے اس جگہ سے تو مجھے رہائی دے۔ یہی مفہوم ہے اللہ کے قول **مَنِ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ** کا۔ (تفسیر مظہری)

يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ

ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو

عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي

مسلمانوں پر ایسی سورت کہ بتادے ان کو جو ان کے

قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوا بِإِن

دل میں ہے تو کہہ دے ٹھنھے کرتے رہو

اللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ۝۱۴

اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے ☆

فکر نہ تھی اور اس حیثیت سے آپ کو راضی کرنا عین حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور بعثت کا اصل مقصد شان نبوت و رسالت تھی شان سلطنت مقصود نہ تھی بلکہ شان نبوت کے تابع تھی کہ احکام خداوندی کے اجراء میں سہولت ہو۔ منافقین حضور پر نور کو بہ حیثیت سلطنت راضی رکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کے جان و مال محفوظ رہیں اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ غرض سلطنت کی حیثیت سے متعلق ہے حضور پر نور کو نبوت و رسالت اور مظہر حق ہونے کی حیثیت سے راضی کرنے کی ان کو کوئی فکر اور پرواہ نہ تھی حالانکہ حضور پر نور کی رضا نائب حق ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے۔ اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور جس حیثیت سے تم حضور کو راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جس حیثیت سے حضور کو راضی کرنا مطلوب ہے اس حیثیت سے تم حضور کو راضی کرنا نہیں چاہتے اور نہ تمہیں اس کی پرواہ ہے۔ ابوطالب کو حضور سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ حضور آپ کے چہیتے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ بڑے عاقل کامل یا بڑے سخی اور مہمان نواز تھے اور اب بھی بعض مصنفین یورپ آپ کی عقل اور فہم و فراست کی اور ہمت اور شجاعت کی اور آپ کے قانون شریعت کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر ان تمام حیثیتوں سے آپ کی محبت اور رضا شرعاً نجات کیلئے کافی نہیں بلکہ نجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ نبی اور رسول اور نائب حق ہونے کی حیثیت سے آپ سے محبت کی جائے اور اسی حیثیت سے آپ کو راضی کیا جائے۔ اتنی کلامہ ماخوذ از ارضاء الحق ص ۲۰ ج ۱، ص ۱۲ ج ۲ وعظ ششم و ہفتم از سلسلہ البلاغ۔ (معارف کاندھلوی)

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ

تسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں

وَاللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا

اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضروری ہے راضی کرنا

إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝۱۵

اگر وہ ایمان رکھتے ہیں ☆

منافقوں کے حیلے

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”کسی وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دغا بازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو تسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی۔ تاکہ ان کو راضی کر کے اپنی طرف کر لیں۔ نہ سمجھے کہ یہ

منافقوں کی پریشان حالی

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے، مومنین صادقین پر آوازے کستے، مہمات دین کا مذاق اڑاتے، پھر جب خیال آتا کہ ممکن ہے یہ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں تو کہتے کیا مضائقہ ہے وہ تو کان ہی کان ہیں۔ ہم ان کے سامنے جو تاویل و تلمیح کر دیں گے سن کر اسی کو قبول کر لینگے۔ مگر چونکہ بسا اوقات وحی الہی کے ذریعہ سے ان کے نفاق و بدباطنی کی قلعی کھلتی رہتی تھی، اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ کوئی سورت قرآن میں ایسی نازل نہ ہو جائے جو ہمارے مخاطبات سر یہ و نیات خفیہ کا پردہ فاش کر دے۔ اصل یہ ہے کہ منافقین کا قلب جہن و کمزوری سے کسی ایک طرف قائم نہ ہوتا تھا۔ ان کے دل ہر وقت دگدا میں رہتے تھے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اغماض و کریم النفسی کو دیکھ کر کچھ تسلی حاصل کرتے مگر صاعقہ قرآنی کی گرج سے پھر دہلنے لگتے تھے۔ اسی لئے فرمایا کہ بہتر ہے تم ٹھٹھے کرتے رہو اور استہزاء و تمسخر کا عمل جاری رکھو اور پیغمبر کی نسبت ”ہو اذن“ کہہ کر تسلی کر لو۔ لیکن خدا اس چیز کو ضرور کھول کر رہیگا جس کا تم کو ڈر لگا ہوا ہے وہ تمہارے مکر و خداع کا تار تار بکھیر کر رکھ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

منافقوں کی سازش کی ناکامی اور رسوائی

امام احمد نے حضرت ابو طفیل کی روایت سے بیہقی نے حضرت حذیفہ کی روایت سے اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا۔ نیز ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے ضحاک (تابع) کے حوالہ سے بیہقی نے عروہ اور ابن اسحاق کی وساطت سے اور محمد بن عمر نے اپنے مشائخ روایت کی سند سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے اور کسی راستے میں گزر رہے تھے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کر لیا کہ گھائی کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا کر قتل کر دیں۔ مشورہ طے کرنے کے بعد موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ (سفر مذکور میں) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گھائی پر چلنے کا ارادہ کیا تو منافق بھی آپ کے ساتھ ہوئے تاکہ جس وقت آپ گھائی پر چڑھیں تو منافق آپ کو اونٹنی سے اٹھا کر وادی میں پھینک دیں اللہ نے ان کی اس مکاری کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھائی پر چڑھنے لگے تو آپ کی طرف سے ایک منادی نے ندا کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم گھائی کے راستے میں جا رہے ہیں خبردار کوئی بھی گھائی کے راستے سے نہ جائے سب وادی کے اندر سے جائیں تم لوگوں کیلئے وادی کے اندر سے جانا آسان بھی ہے (اوپر چڑھنے سے بچ جاؤ گے) حسب الحکم سب لوگوں نے نطن وادی کی راہ اختیار کی مگر جن منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیر کی تھی۔ انہوں نے جب یہ حکم سنا تو (اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کیلئے) تیار ہو گئے اور چہروں پر کپڑا باندھ لیا (اور گھائی پر جا چھپے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گھائی پر اس شان سے چلنا شروع کیا کہ حسب الحکم آگے آگے حضرت عمار بن یاسر اونٹنی کی مہار پکڑے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے حضرت حذیفہ بن یمان ہنکار رہے تھے اچانک (چھپے ہوئے لوگوں کی) کچھ آہٹ محسوس ہوئی ساتھیوں نے نیزے تان لیے اور اونٹنی کو زور سے بھگایا اونٹنی اتنی تیزی سے بھاگی کہ کچھ سامان بھی گر پڑا رات اندھیری تھی حضرت حمزہ بن عمرو سلمی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھائی میں پہنچ گئے۔ حضرت حمزہ کا بیان ہے کہ (گھائی کے اندر مشعل کی طرح) میری پانچوں انگلیاں روشن ہو گئیں جن کی روشنی میں ہم نے کوڑا رسی اور دوسرا گرا پڑا سامان جمع کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ (آنے والے) لوگوں کو واپس لوٹا دیں حضرت حذیفہؓ کے پاس ایک ٹیڑھی موٹھ کی برچھی دار لٹھی تھی آپ اس لٹھی سے آنے والے لوگوں کی سوار یوں کے رخ لوٹانے لگے اور فرمایا اے اللہ کے دشمنو! ادھر ہی جاؤ ادھر ہی رہو ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ارادے کی اطلاع مل گئی اس لئے فوراً تیزی کے ساتھ گھائی سے اتر کر دوسرے لوگوں میں جا ملے۔ حضرت حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حذیفہؓ اونٹنی کو مارو اور عمار تم پیدل چلو سب لوگ تیزی سے چلے یہاں تک کہ یہ دونوں بزرگ گھائی کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھائی سے باہر نکل گئے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حذیفہؓ سے فرمایا جن لوگوں کو تم نے لوٹایا تھا کیا ان میں سے کسی کو پہچانا بھی۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا حضور رات کا اندھیرا تھا اور ان کے چہروں پر کپڑے بندھے تھے میں نے نہیں پہچانا ہاں ان کی اونٹنیوں کو پہچان لیا فرمایا تم سمجھے بھی کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا خدا کی قسم حضور! مجھے تو کچھ علم نہیں فرمایا انہوں نے داؤ کیا تھا کہ

وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور ابو حاضر اعرابی اور عامر ابو عامر اور حلاس بن سوید بن صامت اور مجمع بن حارثہ اور بلج تمیمی اور حیسر بن نمیر اور طعمہ بن امیرق اور عبداللہ بن عیینہ اور مرہ بن ربیع کو بلا لاؤ۔ حلاس ہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا جب تک آج رات گھائی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پھینک نہ دیں گے باز نہ رہیں گے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو ہم پھر بکریاں ہوں گے اور وہ چرواہے، ہم بے عقل ہوں گے اور وہ عقل والے۔ بلج تمیمی وہ شخص تھا جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے ملک میں مارا پھرتا تھا۔ حیسر بن نمیر وہ ہے جس نے زکوٰۃ کی چیزیں چرائی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کبخت یہ حرکت تو نے کیوں کی کہنے لگا مجھے اس حرکت پر اس خیال نے آمادہ کیا کہ اللہ آپ کو اس بات پر مطلع نہیں کرے گا (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں) لیکن اب جبکہ اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اب میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس وقت سے پہلے میں آپ پر ایمان نہیں لایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر اس سے درگزر فرمایا اور معاف کر دیا۔ عبداللہ بن عیینہ وہی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ آج رات کو جاگ لو ہمیشہ کیلئے نجات پا لو گے خدا کی قسم اس شخص کو قتل کر دینے کے سوا تمہارا کوئی کام نہیں۔ (اس کے بغیر تمہارا کام نہ ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوا کر فرمایا کم بخت اگر میں مارا جاتا تو تجھے کیا فائدہ پہنچتا۔ دشمن خدا کہنے لگا اے اللہ کے نبی! خدا کی قسم جب سے اللہ نے آپ کو فتح عنایت کی ہے ہم برابر خیریت کے ساتھ ہیں ہم تو بس اللہ اور آپ کی ذات کے سبب سے (خیریت اور آسائش میں) ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔ مرہ بن ربیع وہ شخص تھا جس نے عبداللہ بن ابی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔ اس رکاوٹ کو دور کر دو۔ اس ایک اکیلے شخص کے قتل کے بعد تو ہمارے لئے چین ہی چین ہے عام لوگ اس کے قتل سے مطمئن ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوا کر فرمایا ارے تو نے ایسی باتیں کیوں کہیں اس نے جواب دیا، یا رسول اللہ! میں نے تو ان میں سے کوئی بات نہیں کہی اگر کہی ہوتی تو آپ کو معلوم ہی ہوتی۔ غرض ان بارہ

میرے ساتھ ساتھ چلیں اور جب میں گھائی پر چڑھوں تو پتھر مار مار کر مجھے گھائی سے نیچے پھینک دیں اللہ نے مجھے ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام بتا دیئے میں ان شاء اللہ تم کو ان کی اطلاع دے دوں گا۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب لوگ آجائیں تو آپ حکم دے دیجئے کہ ان (بے ایمانوں) کی گردنیں ماری جائیں، فرمایا نہیں۔ لوگ باتیں بنائیں گے اور کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ (بغوی کی روایت کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے مگر مطلب ایک ہی ہے) ہمارے لیے اللہ کافی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار کو ان منافقوں کے نام بتا دیئے تھے مگر فرمایا تھا ان کو پوشیدہ رکھنا۔ غرض صبح ہوئی تو حضرت اسید بن خضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! رات آپ وادی کے اندر کی راہ سے کیوں نہ چلے یہ راستہ تو گھائی کے راستے سے آسان تھا۔ فرمایا ابو یحییٰ! کیا تم جانتے ہو کہ منافقوں کا میرے متعلق کیا ارادہ تھا اور انہوں نے کیا طے کیا تھا ان کا خیال تھا کہ میرے پیچھے پیچھے آئیں گے اور رات کی تاریکی میں میری اونٹنی کا سینہ بند اور تسمے کاٹ کر اونٹنی کے آرجھو دیں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) قریب تھا کہ اونٹنی سے مجھے نیچے پھینک دیں۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب سب لوگ جمع ہیں اور اتر پڑے ہیں (یعنی فروکش ہو گئے ہیں اور پڑاؤ ڈال لیا ہے) آپ ہر خاندان کو حکم دے دیں کہ اس خاندان کے جس شخص نے یہ ارادہ کیا ہو خاندان والے ہی اس کو قتل کر دیں اور اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو مجھے (ان کے نام) بتا دیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس جگہ سے ہٹوں گا بھی نہیں کہ ان کے سر آپ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دوں گا۔ فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ باتیں بنائیں اور کہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی مشرکوں سے ختم ہو گئی تو وہ اپنے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا اظہار نہیں کرتے۔ حضرت اسید نے عرض کیا جی کرتے تو ہیں، فرمایا اسی وجہ سے میں ان کے قتل سے باز رہا۔

بارہ سربراہ اور وہ منافقوں کی طلبی

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سب کو ان کی کہی ہوئی باتیں ان کی گفتگو اور ان کے ظاہر و باطن کی حالت بتائی اور آپ کو ان چیزوں کا علم وحی سے ہوا تھا۔ آیت **وَهُمْ أَيْمَانُ يَسْخَرُونَ مِنْكُمْ** سے اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ بارہ آدمی نفاق اور اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کے ارادہ ہی کی حالت میں مر گئے۔

بیہقی نے حضرت حدیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے بددعا کی تھی اور فرمایا تھا الہی ان کو ذیل میں مبتلا کر یعنی آگ کی ایک چنگاری میں جو ان کے دلوں کی رگ پر لگے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ آدمی منافق ہیں یہ اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے (اور سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے لہذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے) آٹھ کا کام تمام تو ذیل کر دے گا۔ یعنی آگ کا ایک چراغ جو ان کے شانوں کے درمیان پیدا ہوگا اور سینوں سے پار ہو جائے گا۔

بیہقی نے کہا ہم کو حضرت حدیفہؓ کی روایت پہنچی ہے کہ یہ لوگ چودہ یا پندرہ تھے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے تھے۔

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ
اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو
کنا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ
بات چیت کرتے تھے اور دل لگی ☆

منافقوں کی بیہودگی

”تبوک“ میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے ازراہ تمسخر کیا۔ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہونگے۔ یہ ہمارے قراء صحابہ (رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامردے کیاروم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے، وغیر ذلک من الہفوات۔ اس قسم کے

مقولے جو مسلمانوں کو روم سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کیلئے کہہ رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نقل ہوئے۔ آپ نے بلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! ہم کہیں سچ سچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں، محض خوش وقتی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں باسانی سفر کٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں منافقوں کا یہ قول انما کنا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ جو بجائے خود استہزاء کا ان کی طرف سے اعتراف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے تھے اس کا مقصد استہزاء کرنا نہ تھا بلکہ تفریحی کلام تھا راستہ طے کرنے کیلئے ہم بطور مذاق ایسی باتیں کر رہے تھے۔

شان نزول:- ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا ہم نے اپنے قرآن پڑھنے والوں کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا جو ان کی طرح کھانے کا حریص زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلہ کے وقت بزدل ہو ایک اور شخص یہ بات سن کر بولا تو نے جھوٹ کہا تو منافق ہے میں تیری اس بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا چنانچہ یہ خبر رسول اللہ تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہو گئی۔

شرح ابن عبید کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو درداء سے کہا اے قرآن خوانوں کے گروہ کیا وجہ کہ تم لوگ ہم سے زیادہ ڈر پوک ہو تم سے کچھ مانگا جاتا ہے تو بڑی کنجوسی کرتے ہو اور کھاتے وقت بڑے بڑے لقمے نکلتے ہو حضرت ابو درداء نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا اور جا کر حضرت عمر کو اطلاع دے دی۔ حضرت عمر اس شخص کے پاس گئے اور اس کا کپڑا پکڑ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے وہ شخص کہنے لگا انما کنا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ اس پر اللہ نے اپنے نبی کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا **وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ**

محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافقوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تبوک کو جا رہی تھی یہ لوگ صرف مال غنیمت کی طمع میں نکلے تھے۔ ان میں بنی عمرو بن عوف کا ودیعہ بن ثابت اور حلاس بن ثابت اور بنی اشج کا خشی بن حمیر بھی تھے۔ محمد بن عمر نے ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی ذکر کیا ہے ان میں سے

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ

بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے

إِيمَانِكُمْ إِنْ تَعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ

اظہار ایمان کے پیچھے اگر ہم معاف کر دیں تم میں

مِّنْكُمْ نُعَذِّبُ طَآئِفَةً

سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے

يَأْتِيهِمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گنہگار تھے ☆

جھوٹے بہانے بے فائدہ ہیں

یعنی جھوٹے عذر تراشتے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں جن کو نفاق واستہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔ ہاں جو اب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آ جائیں گے، انہیں خدا معاف کر دے گا جو پہلے ہی سے باوجود کفر و نفاق کے اس طرح کی فتنہ انگیزی اور استہزاء سے علیحدہ رہے ہیں، انہیں استہزاء و تمسخر کی سزا یہاں نہ ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ایک توبہ کرنے والے صاحب

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ صرف ایک شخص مخشی بن حمیرا شجعی کا جرم معاف کیا گیا (ابن اسحاق کی مراد شاید یہ ہے کہ عن طاہتہ سے مراد صرف ایک شخص ہے یا یہ مراد ہے کہ روایت میں صرف ایک شخص کا قصور معاف ہونا ثابت ہے باقی لوگوں کا علم نہیں) مخشی منافقوں کے ساتھ ہنستا تو تھا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور سب سے الگ الگ راستہ میں چل رہا تھا بلکہ منافقوں کی بعض باتوں کو پسند بھی نہ کرتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے نفاق سے توبہ کی اور دعا کی اے اللہ میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہے اس کے سننے سے تو رو نگلے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں، اے اللہ میری موت اپنی راہ میں قتل کی شکل میں مقدر کر دے (اور یہ بھی) کوئی نہ کہے کہ میں نے غسل دیا میں نے دفن کیا (یعنی مجھے کوئی غسل نہ دے نہ دفن کرے) چنانچہ جنگ یمامہ میں یہ شہید ہو گئے اور سوائے ان کے کسی مسلمان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں شہید ہوئے (اور جنازہ کہاں گیا) مخشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرا نام اور ولدیت بدل دیجئے

ایک نے دوسرے سے کہا کل اسی جگہ یہ لوگ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اس کہنے کا مقصد تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنسنی پیدا کر دینا اور مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس ڈال دینا۔ حلاس بن عمر نے عمیر کی ماں سے نکاح کر لیا تھا عمیر اس کے زیر پرورش تھے اس نے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو پھر خدا کی قسم ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اگر اس بات کی وجہ سے واپسی کے بعد ہم میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں تو خدا کی قسم یہ ضرب مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہمارے اندر قرآن نازل ہو (یعنی قرآن کا نزول مجھے اتنا ناگوار ہے کہ سو کوڑے کھانا آسان ہے مگر قرآن کا نزول پسند نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا، یہ لوگ جل گئے جلدان کے پاس پہنچو اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کو دریافت کرو اگر انکار کریں تو ان سے کہنا تم نے ضرور ایسی ایسی باتیں کہی ہیں (یعنی تفصیل بتا دینا) حضرت عمار ان کے پاس گئے اور ان سے ان کی باتیں بیان کیں (جب ان کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری باتوں کی خبر ہو گئی ہے تو) وہ عذر کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے۔ ودیعہ بن ثابت نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوہ کا پچھلا حصہ پکڑ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے (وہ کجاوہ پکڑے لٹکا ہوا تھا اور) اس کی دونوں ٹانگوں پر کنکریاں لگ رہی تھیں اسی حالت میں کہہ رہا تھا یا رسول اللہ انما کنا نخوض و نلعب۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ أَيْدِي اللَّهِ وَأَيْتِهِ وَرَسُولِهِ

تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے

كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾

تم ٹھٹھے کرتے تھے ☆

اللہ اور رسول استہزاء کی جگہ نہیں ہے

یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع محل یہ ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا و رسول کا استہزاء اور احکام الہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے، وہ بھی کفر عظیم ہے چہ جائیکہ منافقین کی طرح ازراہ شرارت و بدباطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شاید یہ مطلب ہو کہ دنیا میں بھی خدا کی پھٹکار (لعنت) کا اثر برابر پہنچتا رہے گا۔ یا پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ

جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے

مِنْكُمْ قُوَّةً وَ أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا

تم سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلْقِهِمْ

پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے ☆

یعنی دنیوی لذائذ کا جو حصہ ان کیلئے مقدر تھا، اس سے فائدہ اٹھا گئے اور آخری انجام کا خیال نہ کیا۔ (تفسیر عثمانی) بنی اسرائیل سے مشابہت

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی وہی طریقے اختیار کرو گے جو تم سے پہلی امتیں کر چکی ہیں، ہاتھ در ہاتھ اور بالشت در بالشت یعنی ہو بہو ان کی نقل اتارو گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گاوہ کے بل میں گھسا ہے تو تم بھی گھسو گے، حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ اس حدیث کی تصدیق کیلئے تمہارا جی چاہے تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو، كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا: ما اشبه الليلة بالبارحة، یعنی آج کی رات گذشتہ شب سے کیسی ملتی جلتی اور مشابہ ہے یہ بنی اسرائیل ہیں ہمیں انکے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلْقِكُمْ كَمَا

پھر فائدہ اٹھایا تم نے اپنے حصہ سے جیسے

اسْتَمْتَعِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے

بِخَلْقِهِمْ وَ خُصْتُمْ

اپنے حصہ سے اور تم بھی جلتے ہو

كَالَّذِي خَاضُوا

انہی کی سی چال ☆

(گویا کفر کے زمانہ کے نام سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمن یا عبداللہ رکھ دیا۔ (تفسیر مظہری)

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی

مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَ

ایک چال ہے سکھائیں بات بری

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ

اور چھڑائیں بات بھلی اور بند رکھیں

أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ

اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٦٧﴾

ان کو تحقیق منافق وہی ہیں نافرمان ☆

خدا نے منافقوں کو چھوڑ دیا

یعنی سب سے بڑے نافرمان یہ ہی بد باطن منافق ہیں جن کے مرد و عورت زبانی اقرار و اظہار اسلام کے باوجود شب و روز اسی تنگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں۔ خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ غرض کلمہ پڑھتے رہیں۔ لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے۔ جب یہ خدا کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ کر کہاں گرایا؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكٰفِرَ

وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا هِيَ حٰسِبُهُمْ

دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں وہی بس ہے ان کو ☆

یعنی یہ ایسی کافی سزا ہے جس کے بعد دوسری سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔

وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾

اور اللہ نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے لئے عذاب ہے برقرار رہنے والا ☆

حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے سے اگلوں کی راہ پر بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور چلو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گاوہ کے سوراخ میں گھسا تھا تو تم بھی گھسو گے اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سر راہ جماع کیا ہوگا (یعنی لوگوں کے سامنے بے حیائی کے ساتھ) تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔ (تفسیر مظہری)

الْمَيَاتِهِمْ نَبَأَ الَّذِينَ مِنْ

کیا پہنچی نہیں ان کو خبر ان لوگوں کی جو ان سے

قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ

پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور

ثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَ

ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور

أَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ ط

مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو اٹ دی گئی تھیں ☆

گذشتہ اقوام کی تباہی

قوم نوح طوفان سے ”عاد“ آندھی سے، ”ثمود“ صیحه (چیخ) سے ہلاک ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی حق تعالیٰ نے عجیب و غریب خارق عادت طریقہ سے تائید فرمائی۔ جنہیں دیکھ کر ان کی قوم ذلیل و ناکام ہوئی ان کا بادشاہ نمرود نہایت بد حالی کی موت مارا گیا۔ اصحاب مدین صیحه (چیخ) ریحہ (زلزلہ) وغیرہ سے تباہ ہوئے۔ قوم لوط کی بستیاں اٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ان سب اقوام کا قصہ (بجز قوم ابراہیم) سورہ اعراف میں گزر چکا۔

أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا

پہنچان کے پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر سو اللہ تو

كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا

ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧﴾

اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے ☆

تمہارا انجام انہیں جیسا ہو سکتا ہے

یعنی تم بھی ان کی طرح آخری انجام کے تصور سے غافل ہو کر دنیا کی متاع فانی سے جتنا مقدر ہے حصہ پارہ ہو اور ساری چال ڈھال انہی کی سی رکھتے ہو، تو سمجھ لو جو حشر ان کا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے ان کے پاس مال و اولاد اور جسمانی قوتیں تم سے زائد تھیں۔ پھر انتقام الہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو تم کو کاہے پر بھروسہ ہے جو خدائی سزا سے اس قدر بے فکر ہو بیٹھے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْبَالُهُمْ فِي

وہ لوگ مٹ گئے ان کے عمل

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ

دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٨﴾

پڑے نقصان میں ☆

ان کے اعمال بے کار ہوئے

یعنی کوئی دنیوی و اخروی برکت و کرامت انہیں نصیب نہ ہوئی باقی دنیوی لذائذ کا جو حصہ بظاہر ملا وہ فی الحقیقت ان کے حق میں استدراج اور عذاب تھا، جیسا کہ دو رکوع پہلے فَلَآ تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ”الخ“ کے فوائد میں گزر چکا اور اس سے پیشتر بھی کئی مواقع میں لکھا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاصل مراد یہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ خسران مال ہوئے اسی طرح تمہارے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور تمہیں بھی دونوں جہاں میں خسران نصیب ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی اپنے سے پہلوں کے پیچھے چلو گے بالشت بہ بالشت اور دست بدست (یعنی قدم بقدم ان کی پیروی کرو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گاوہ کے بھٹ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے (یعنی کامل پیروی کرو گے جو برے سے برے کام انہوں نے کیے تھے ویسے ہی تم کرو گے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا (پہلے لوگوں سے مراد) یہود و نصاریٰ ہیں، فرمایا اور کون۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں پس لوگ نہیں ہوں گے مگر وہی (یہود و نصاریٰ) (رواہ البخاری)

کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستیوں اور سلوکوں میں مثل ایک جسم کے ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگ اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔ سب کو بھلائیاں سکھاتے ہیں اچھی باتیں بتلاتے ہیں برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ

رہا کریں انہی میں اور سترے مکانوں کا رہنے

فِي جَنَّتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٍ مِّنَ

کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب

اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٤﴾

سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی ☆

مؤمنوں کیلئے جنت اور رضاء کا وعدہ

یعنی تمام نعمائے دنیوی و اخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اس لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الہی کا مقام ہے۔ حق تعالیٰ مؤمنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا۔ مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا جنتی "لبیک" کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا۔ "هل رضيتم" یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیجئے کہ پروردگار! خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا "هل اعطيتكم افضل من ذلك" یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سب سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو، جنتی سوال کریں گے کہ اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت فرمائیں گے اهل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدأ اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی رزقنا اللہ وسائر المؤمنین هذه الكرامة العظيمة الباهرة۔ (تفسیر عثمانی)

تو میں اپنی ہلاکت کا سامان خود آپ کرتی ہیں یعنی خدا کسی کو بلا وجہ اور بے موقع سزا نہیں دیتا۔ لوگ خود ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جن کے بعد عذاب الہی کا آنا ناگزیر ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی

أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ

اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ

نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں

اللَّهِ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

اللہ کے اور اس کے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧٥﴾

اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ☆

مؤمنوں اور منافقوں کا تقابل

ابتدائے رکوع میں منافقین کے اوصاف بیان ہوئے تھے۔ یہاں بطور مقابلہ مؤمنین کی صفات ذکر کی گئیں۔ یعنی جبکہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مؤمنین بدی کو چھڑا کر نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ منافقین کی مٹھی بند ہے۔ مؤمنین کا ہاتھ کھلا ہوا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے۔ یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا۔ یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے اور تمام معاملات میں خدا اور رسول کے احکام پر چلتے ہیں۔ اسی لئے وہ مستحق لعنت ہوئے اور یہ رحمت خصوصی کے امیدوار ٹھہرے۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن دوسرے مؤمن کا خیر خواہ ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال

عالی شان محلات

اور عظمت اس کو (اہل جنت کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے کا ذریعہ ہوگی۔
بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا وہ یعنی عدن کے
باغات جنت کے وسط میں ہیں۔

عدن کا محل

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا جنت کے اندر ایک محل ہے
جس کو عدن کہا جاتا ہے اس کے گردا گرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار
دروازے ہیں جن میں سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے کوئی اور داخل نہ ہوگا۔
حسن بصری نے فرمایا وہ سونے کا قصر ہے جس کے اندر سوائے نبی یا صدیق
یا شہید یا منصف حاکم کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ عطاء بن سائب کا قول ہے
عدن جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر باغ ہیں۔

رضاء خداوندی

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت
سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل
ہو چکیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم کو کسی اور چیز کی طلب ہے جو میں
عطا کر دوں جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک جو کچھ تو نے ہم کو عطا
فرمادیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے۔ اللہ فرمائے گا اللہ کی (تھوڑی)
رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر مظہری)

رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام کے
متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ
اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ
کرام نے اپنے لئے رضاء خداوندی کا معرودہ جانفزا سن لیا اور قرآن میں
تصریح ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُرِضِي عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ اللہ فاسقوں
سے راضی ہوتا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ سے
ناراض ہونے والا فاسق ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

اے نبی لڑائی کر کافروں سے

وَالْمُنَافِقِينَ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ

اور منافقوں سے اور تنذخوئی کر ان پر اور ان کا

مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ☆

ابن مبارک طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت عمر ان بن حصین
اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت و مسکن طیبہ فی
جنت عدن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ موتی کا ایک محل ہوگا جس میں یا قوت
سرخ کے ستر مکان ہوں گے ہر مکان میں سبز زمر کی ستر کوٹھریاں ہوں
گی۔ ہر کوٹھری میں ایک تخت ہوگا ہر تخت پر رنگا رنگ کے ستر بستر ہوں
گے۔ ہر بستر پر ایک فراخ چشم حور ہوگی جو جنتی کی بی بی ہوگی۔ ہر گھر میں
ستر خادم اور خادمائیں بھی مامور ہوں گی مومن کے پاس روزانہ ہر صبح کے
وقت کھانے پینے کی چیزیں آئیگی جو ہر کوٹھری میں ملیں گی۔

چار چیزیں جو اللہ نے دست خاص سے بنائیں

ابو الشیخ نے کتاب العظمت میں حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ
اللہ نے چار چیزوں کو اپنے دست خاص سے بنایا عرش، قلم، آدم، عدن
پھر فرمایا ہو جا (ظاہر) وہ چیز ہوگی (یعنی عالم ظہور میں آگئی) بزار ابن جریر
ابن مردویہ اور المؤمنون مختلف میں دارقطنی نے حضرت ابو درداء کی روایت
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ عدن اللہ کا (قائم کیا ہوا)
ایک ایسا مکان ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس
کا تصور گذرا اس میں صرف تین (گروہوں کے) لوگ رہیں گے انبیاء
صدیق اور شہید۔ اللہ فرمائے گا خوشی ہو اس کیلئے جو تیرے اندر داخل ہوا۔

سونے اور چاندی کی جنتیں

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے
برتن اور تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے
برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنت عدن کے اندر اہل جنت
اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ صرف (اللہ
کی) کبریائی کی چادر ہوگی جو اللہ کے چہرے پر پڑی ہوگی۔

امام احمد ابو داؤد و طیالسی اور بیہقی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ
بیان کی ہے کہ فردوس کی جنتیں چار ہوں گی۔ دو جنتیں سونے کی ہوں گی اور
بیہقی نے کبریائی کی چادر کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی کبریائی اور عظمت کی
وجہ سے کوئی بھی اذن کے بغیر اس کو نہ دیکھ سکے گا تو گویا اللہ کی کبریائی

جہاد کا مفہوم

”جہاد“ کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے۔ کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی کسی اور طریق سے، منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں ان کے مقابلہ میں جہاد بالسیف جمہور امت کے نزدیک مشروع نہیں، نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا۔ اسی لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا گیا ہے یعنی تلوار سے زبان سے قلم سے جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال غزوہ تبوک نے چونکہ منافقین کا نفاق بہت آشکارا کر دیا تھا۔ اس لئے اس آیت میں ان کی نسبت ذرا سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر نہایت نرم خو واقع ہوئے تھے۔

فِيمَا رَحِمْتُم مِّنَ الَّذِينَ لَئِن لَّهُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ فَظًا

غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ“ (ال عمران۔ رکوع ۱۷) پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا ”وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“ (شعراء۔ رکوع ۱۱) چونکہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے زمرہ میں شامل رہتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بھی درگزر، چشم پوشی اور نرم خوئی کا معاملہ فرماتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین نے کھلم کھلا بے حیائی، عناد اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ اب ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے، یہ شریخ خوش اخلاقی اور نرمی سے ماننے والے نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امام محمد بن اسحاق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں واللہ اعلم۔

منافقوں کی تعداد اور نام

صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمار کا کچھ تعلق تھا تو اس سے آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتلا دو اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ چودہ تھے اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور تین شخصوں کی اس قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی ندا سنی نہ ہمیں جانے والوں

کے ارادے کا علم، اس لئے معذور رکھا گیا۔ آپ کا فرمان ہے کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ جنت میں جائیں گے نہ اس کی خوشبو پائیں گے آٹھ کے موٹھوں پر آتشی پھوڑا ہوگا جو سینے تک پہنچے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔ اسی باعث حضرت حذیفہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدار کہا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہی کو ان منافقوں کے نام بتلائے تھے واللہ اعلم۔ طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں: معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن قیس، عبد اللہ بن بختل بن حارث جو عمرو ابن عوف کے قبیلے کا تھا اور حارث بن یزید طائی اور اس ابن قیظی اور حارث بن سوید اور سعد بن زرارہ اور قیس بن فہد اور سوید اور دا عس قبیلہ بنو جہلی کے اور قیس ابن عمرو بن سہل اور زید بن لصیت اور سلسلہ بن برہام یہ دونوں قبیلہ قبیقاع کے ہیں یہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کافروں اور منافقوں پر سختی کا معنی

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں، کیونکہ وہ سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ وہ کسی سے سخت کلامی اور سب و شتم نہیں کرتے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا زنت امة احدكم فليجلدها الحد ولا يثرب عليها
”اگر تمہاری کوئی کینرزنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا حد شرعی اس پر جاری کر دو مگر زبانی ملامت اور طعن و تشنیع نہ کرو۔“ (قرطبی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ كُنْتُمْ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ

”یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت کلام سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ کفار و منافقین سے گفتگو اور خطاب میں کبھی غفلت اختیار فرمائی ہو۔

آج کی قابل افسوس حالت

افسوس کہ خطاب اور کلام میں غلظت جس کو کفار کے مقابلہ میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اناللہ (معارف مفتی اعظم)

بھی بدتر ہیں (کہ اس کی سچائی بھی نہیں سمجھتے یا یہ مطلب کہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں) حضرت عمیر بن سعد نے یہ اطلاع رسول اللہ کو جا کر دی جلاس قسم کھا گیا کہ میں نے تو یہ بات نہیں کہی اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جلاس نے سچے دل سے توبہ کر لی تھی اور اس کی توبہ اچھی ثابت ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے ابن اسحاق نے بھی حضرت کعب کا بیان یونہی نقل کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں عروہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ بغوی نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت

کا نزول جلاس بن سوید کے بارے میں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز تبوک میں خطبہ دیا تھا جس میں منافقوں کا ذکر کیا تھا ان کو برا کہا تھا اور گندگی قرار دیا تھا (یعنی فرمایا تھا کہ منافق رجس ہیں) جلاس (کو اس قول کی اطلاع پہنچی تو اس) نے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینے کو واپس

تشریف لائے تو حضرت عامر بن قیس نے حاضر ہو کر جلاس کے قول کی اطلاع آپ کو دی۔ جلاس نے کہا یا رسول اللہ یہ مجھ پر دروغ بندی کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو منبر کے پاس جا کر قسم کھانے کا حکم دیا۔ جلاس نے عصر کے بعد منبر کے پاس جا کر قسم کھائی اور کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے یہ بات نہیں کہی۔ اور اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے پھر عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے یہ بات کہی اور میں نے اس پر دروغ بندی نہیں کی۔ پھر حضرت عامر نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی اے اللہ اپنے سچے نبی پر سچی بات نازل فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن امین ہوتا ہے اس کے بعد دونوں الگ الگ نہ ہونے پائے تھے کہ جبریل یہ آیت فَاِنْ يَتُوبُوا اِيْكَ خَيْرًا لَّهٖمْ تَك لے کر نازل ہوئے جلاس آیت سن کر فوراً کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے توبہ کی پیش کش فرمائی ہے عامر بن قیس اپنے قول میں سچے ہیں میں نے یہ بات کہی تھی اب میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں رسول اللہ نے جلاس کی توبہ قبول فرمائی جلاس نے توبہ کر لی اور ان کی توبہ صحیح ثابت ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُمْ اِيْمَانًا يَبْتَغُوْنَ

اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی ☆

يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک

قَالُوْا كَلِمَةً الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

مسلمان ہو کر ☆

منافقوں کی تکذیب

منافقین پیچھے بیٹھ کر پیغمبر اسلام کی اور دین اسلام کی اہانت کرتے، جیسا کہ سورہ منافقون میں آئیگا، جب کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی باتیں پہنچا دیتا تو اس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھا لیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ حق تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بیشک انہوں نے وہ باتیں زبان سے نکالی ہیں۔ اور دعوائے اسلام کے بعد مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت وہ کلمات کہے ہیں جو صرف منکرین کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے، بیٹھے بیٹھے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے یہ کہتے ہی نیلی آنکھوں والا ایک شخص سامنے سے نمودار ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں یہ کلام سن کر وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر حاضر ہوا اور سب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا ہم نے (آپ کے متعلق کوئی بری بات) نہیں کہی، اس قول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے درگزر فرمائی اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔ يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَه لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

جلاس منافق اور اس کی توبہ

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کو نہیں گئے تھے۔ جلاس نے کہا تھا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے

منافقوں کی نمک حرامی

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خدا نے انہیں دولت مند کر دیا، قرضوں کے بار سے سبکدوش ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی، ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا ورسول کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے اور ہر طرح پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ خدا دنیا و آخرت میں وہ سزا دیگا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ ”جلاس“ نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا اور آئندہ اپنی زندگی خدمت اسلام میں قربان کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابوالشیخ نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابن عدی بن کعب کے غلام نے کسی انصاری کو قتل کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خوں بہا میں بارہ ہزار (درہم) ادا کرنے کا فیصلہ کیا بغوی نے لکھا ہے کہ جلاس کا غلام مارا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت میں بارہ ہزار درہم جلاس کو دلوائے جس سے وہ مالدار ہو گیا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کلبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے اہل مدینہ بڑے تنگ حال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اموال غنیمت کی وجہ سے خوش حال ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِن

اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر

اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ

دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَبّٰۤا۟ اٰتٰهُمْ

ہو رہیں ہم نیکی والوں میں پھر جب دیا

مِّنْ فَضْلِهِۦ بَخِلُوْاۤ بِهٖ وَتَوَلَّوْا۟

ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا

وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور پھر گئے تلا کر ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منافقوں کی سازش

غزوہ تبوک سے واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جا رہے تھے تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حذیفہ اور عمار تھے۔ عمار کو انہوں نے گھیر لیا تھا، مگر حذیفہ نے مارا کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیئے چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے حذیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔ بعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ و عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتادیئے مگر منع فرمایا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اسی واقعہ کی طرف وہم و ابھالام ینالوا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی ہو گئی تھی منافقین نے اغوا کر کے مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی جیسا کہ سورہ منافقوں میں آئیگا۔

وَمَا نَقَمُوْا۟ اِلَّا اَنْ اٰغْنٰهُمْ

اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولت مند کر دیا ان کو

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُۥ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنَّ

اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر

يَتُوْبُوْا۟ بِكَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ

توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ

يَتَوَلَّوْا۟ يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا

مانیں گے تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب

اَلِيْمًاۙ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ

دردناک دنیا اور آخرت میں اور

مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ

نہیں ان کا روئے زمین پر کوئی حمایتی

وَلَا نَصِيْرٌ ﴿۷۷﴾

اور نہ مدد گار ☆

علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ کے رسول کا طریقہ تمہارے لئے لائق پیروی نہیں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں (جہاں میں جاؤں میرے ساتھ جائیں) تو وہ ضرور چلتے (ثعلبہ خاموش ہو گیا) پھر کچھ مدت کے بعد حاضر خدمت ہو کر اس نے درخواست کی یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمادیجئے کہ وہ مجھے مال نصیب کر دے۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر اللہ نے مجھے مال نصیب کر دیا تو میں ہر حق دار کو حق ضرور ضرور ادا کروں گا۔ حضور نے دعا فرمائی اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرمادے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد ثعلبہ نے کچھ بکریاں پالیں اور ان میں اتنی بڑھوتری ہوئی کہ مدینہ میں ان کے رہنے کی گنجائش نہیں رہی۔ مجبوراً ثعلبہ بکریاں لے کر مدینہ کی کسی وادی میں جا بسا اور بکریوں میں کیڑوں کی طرح بڑھوتری ہوتی رہی (اب یہ نوبت آگئی کہ) ثعلبہ ظہر اور عصر کی نمازیں تو رسول اللہ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ باقی نمازیں اپنی بکریوں کے مسکن میں پڑھتا تھا اس کے بعد بھی بکریوں میں اضافہ اور کثرت ہوتی رہی اور اتنی تعداد بڑھی کہ مدینہ سے دوران کو لے کر رہنا پڑا صرف جمعہ کی نماز کیلئے مدینہ میں آنے کا موقع ملتا (باقی نمازیں بکریوں کی قیام گاہ پر پڑھتا تھا) اور ترقی ہوئی تو مدینہ سے اور دور اس کو بکریاں لیکر رہنا پڑا، اب جمعہ اور جماعت سے کامل طور پر غیر حاضری ہو گئی۔ جمعہ کے دن صرف اتنا کرتا تھا کہ (راستہ میں جا کر کھڑا ہو جاتا اور) لوگوں سے ملاقات کر کے خبریں دریافت کر لیتا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثعلبہ کا کیا ہوا۔ صحابہ نے عرض کیا اس نے بکریاں پال لی ہیں اور بکریاں اتنی ہیں کہ ایک وادی (ہی) میں سماتی ہیں (اس لئے جماعت سے غیر حاضر رہتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا یہ لفظ حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد جب وصولی زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول صدقات کے لئے دو آدمی مقرر کیے ایک بنی سلیم کا اور ایک جہینہ کا دونوں کو ایک تحریر دیدی جس میں (قابل زکوٰۃ جانوروں کی) عمریں لکھو ادیں اور یہ بھی ہدایت کردی کہ کس طرح وصول کریں اور زبانی حکم دے دیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جا کر ان سے زکوٰۃ (کے جانور) وصول کرنا حسب الحکم دونوں (پہلے) ثعلبہ کے پاس گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر پڑھوا کر سنائی اور زکوٰۃ کے جانور طلب کیے ثعلبہ بولا یہ کیسے ٹیکس ہیں یہ تو (کافروں

ایک آدمی کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء اور اس کی ناشکری ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولت مند ہو جانے کی دعا فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے۔ آپ کے انکار پر اصرار بڑھتا رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دیگا۔ میں پوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعت بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے ”محصل“ پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا، ”وح ثعلبہ، اور یہ آیات نازل ہوئیں جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کیلئے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار کر دیا۔ ہر ایک یہ ہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دی۔ ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی) واقعہ کی تفصیل

بنو، ابن جریر ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور طبرانی نے نیز بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ دعا کر دیجئے کہ اللہ مجھے مال (کثیر) عطا فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ

زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور اس کو جزئیہ کی طرح قرار دیا۔ اور یہ بداعتقادی ان کے دلوں میں مرتے دم تک رہے گی، یا قیامت کے دن تک رہے گی جبکہ کروت کی سزا ان کے سامنے آئے گی یا قبر میں (عذاب سامنے) آنے تک رہے گی مقصد یہ ہے کہ اللہ نے توبہ سے ان کو محروم کر دیا ان کی موت نفاق پر ہوگی۔

نفاق کی نشانیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ۔

مسلم کی روایت میں حدیث کے الفاظ اتنے زائد ہیں خواہ وہ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعوے دار ہو۔ (تفسیر مظہری)

ایک سوال اور جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ثعلبہ تابع ہو کر حاضر ہو گیا تو اس کی توبہ کیوں قبول نہ کی گئی، وجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اب بھی اخلاص کے ساتھ توبہ نہیں کر رہا ہے اس کے دل میں نفاق موجود ہے۔ محض وقتی مصلحت سے مسلمانوں کو دھوکہ دے کر راضی کرنا چاہتا ہے اس لئے قبول نہیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منافق قرار دے دیا، تو بعد کے خلفاء کو اس کا صدقہ قبول کرنے کا حق نہیں رہا، کیونکہ زکوٰۃ کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ

کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید

وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۷۸

اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو ☆

اللہ دلوں کو جانتا ہے

یعنی خواہ کیسے ہی وعدے کریں باتیں بنائیں یا مجبور ہو کر مال پیش کریں۔ خدا ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کے ساتھ بیٹھ کر جو مشورے کرتے ہیں، ان سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لَنْصَدَّقَنَّ وَلَنْكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ کا وعدہ اور گھبرا کر زکوٰۃ حاضر کرنا کس دل اور کیسی نیت سے تھا۔ (تفسیر عثمانی) پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگامنت سماجت کرنے لیا آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضور

پر لگائے گئے) ٹیکسوں کی طرح ہیں اب تو تم کو جہاں جانا ہے جاؤ جب اور جگہ سے فارغ ہو جاؤ تو لوٹ کر میرے پاس آنا دونوں حضرات چلے گئے بنی سلیم والے شخص نے جب ان بزرگوں کی آمد کی خبر سنی تو اپنے جانوروں میں سے بہترین عمر والے جانور چھانٹ کر زکوٰۃ میں پیش کئے۔ ان مصلوں نے کہا ایسے (بہترین) جانور دینا تو تم پر لازم نہیں ہیں سلمی نے کہا لے لیجئے میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، ان حضرات نے لے لیے پھر دوسرے مالداروں کے پاس گئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کی آخر میں ثعلبہ کے پاس لوٹ کر آئے ثعلبہ نے کہا ذرا مجھے اپنی تحریر تو دکھاؤ تحریر پڑھنے کے بعد بولا یہ کیا ٹیکس لگائے ہیں۔ یہ تو (غیر مسلموں کے) ٹیکسوں کے بھائی ہیں تم دونوں (اب تو) چلے جاؤ میں سوچ لوں رائے قائم کر لوں دونوں حضرات چلے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ حضور نے تین بار فرمایا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ پھر سلمی شخص کیلئے دعا خیر فرمائی۔ ثعلبہ نے جو جواب دیا تھا ان حضرات نے وہ بعد کو بتایا۔ اس پر آیت ذیل ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِن اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنُصَدِّقُنَّ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْفٰسِقِيْنَ

فَاعَقَبَهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَفَرُوا ۗ وَتُجَازَىٰ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ

يَوْمَ يَلْقَوْنَٰٓ بِمَا اٰخَلَفُوا اللّٰهَ مَا

وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ

وَعَدُوْهُ وِبِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۗ

سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ ☆

وعدہ خلافی اور جھوٹ کی سزا

یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل و اعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہو گئی جو موت تک نکلنے والی نہیں۔ اور یہ ہی ”سۃ اللہ“ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرت مزاولت و ممارست سے وہ دائمی بن جاتی ہے۔ بری خصلت کے اسی دوام و استحکام کو کبھی کبھی ختم طبع (مہر لگانے) سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے یا بخل نے ان کے دلوں میں بداعتقادی پیدا کر دی، انہوں نے اللہ کے ادائے زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل واجب نہ سمجھی اور جو

منافق خواہ مخواہ طعنے مارتے تھے

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی نے ایک سو سو کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں۔ منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کو اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حجاب نے جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے۔ اس میں سے ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا پکار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی پر طعن کسی سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا **لَسَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ** (اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے) یعنی ان کے طعن و تمسخر کا بدلہ دیا بظاہر تو وہ چند روز کے لئے مسخر اپن کرنے کیلئے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جا رہی ہیں۔ اور عذاب الیم ان کے لئے تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا آیت صدقہ نازل ہوئی تو اس زمانہ میں ہم اپنی پشت پر (مزدوری کا) بوجھ اٹھایا کرتے تھے (یعنی بار برداری کی مزدوری کرتے تھے مگر آیت صدقہ نازل ہونے کا یہ اثر پڑا کہ) فوراً بعض آدمیوں نے بہت سا مال لا کر خیرات کیا اور بعض نے صرف ایک صاع دیا اس پر منافق زیادہ خیرات کرنے والے کے متعلق کہنے لگے اس نے دکھاوٹ کیلئے دیا ہے۔ اور ایک صاع دینے والے کے متعلق کہا اس کے دینے کی اللہ کو ضرورت نہیں (اس حقیر مال کا کیا ثواب) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ **الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الْمُطَّوِّعِينَ**

المطووعین (بخوشی دینے والے) اپنی دلی رغبت سے دینے والے۔ فی الصلقات سے مراد خیرات زیادہ دینا یعنی اپنی خوشی سے خیرات میں زیادہ مال دینے والے۔ جہد کا معنی ہے طاقت یعنی اپنے قابو اور استطاعت کے مطابق تھوڑا سا مال دیتے ہیں (زیادہ مال انکے پاس نہیں ہوتا) حضرت عبدالرحمن کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی حضرت عبدالرحمن بن عوف نے

صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ قبول نہیں کیا اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا الغرض پہلے تو وعدے کئے تھے سخاوت کے اور وہ بھی قسمیں کھا کھا کر، پھر پھر گیا اور سخاوت کے عوض بخیلی کر گیا۔ اور وعدہ شکنی کر لی۔ اس جھوٹ اور عہد شکنی کے بدلے اس کے دل میں نفاق پیوست ہو گیا جو اس وقت سے اس کی پوری زندگی تک اس کے ساتھ ہی رہا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کم مال اور زیادہ عبادت والے

ایک مرتبہ آپ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا میں اس کی بابت قیامت کے دن خدا کے سامنے گواہی دوں گا۔ اس وقت ایک صحابی نے اپنے عمائے میں سے کچھ دینا چاہا، لیکن پھر لپیٹ لیا، اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے جس سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی۔ کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ اللہ کے نام پر خیرات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا، اس نے کہا لیجئے بس نبھال لیجئے۔ اس پر کسی نے کہا کہ اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے آپ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے افسوس! سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس! تین مرتبہ یہی فرمایا، مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے، اور لپیں بھر بھر کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا، یعنی راہ اللہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔ پھر فرمایا انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے ہوں اور زیادہ عبادت والے ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنْ

وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل

الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ

کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر

لَا يَجِدُونَ إِلَّا جَهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ

جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں

مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۶

عذاب دردناک ہے ☆

چار ہزار درہم لاکر پیش کئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار خدمت گرامی میں لاکر حاضر کر دیئے آپ ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجئے۔ چار ہزار اپنی اہل و عیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا جو کچھ تم نے دیا اور جو کچھ روک لیا اللہ (سب میں) تم کو برکت دے اس دعا کا اثر تھا کہ اللہ نے حضرت عبدالرحمن کے مال میں اتنی برکت دی کہ وفات کے وقت آپ کی دو بیبیاں تھیں جن کا میراثی حصہ حضرت عبدالرحمن کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ تھا اس آٹھویں حصہ میں دو بیبیوں کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ملے۔ (تفسیر مظہری)

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ

توان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان

تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ

کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ

تَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا

بخشے گا ان کو اللہ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے

بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۴

نافرمان لوگوں کو ☆

منافقوں کو معاف نہ کیا جائے گا

یعنی منافقین کے لئے آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے۔ خدا ان بد بخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہ کریگا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ نے قیص مبارک کفن میں دیا۔ لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی، حضرت عمرؓ اس معاملہ میں آڑے آتے تھے، اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ وہ ہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں۔ ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا۔ کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ

مَكْرَةً فَكَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۴

کہ اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے۔ کہ ان کو معاف نہ کرے۔ یعنی ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سوان کے حق میں نہ سہی، ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرز عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور فور رحمت و شفقت کو دیکھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا، گویا اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ حضرت عمر کی طرح آپ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمر کی نظر بغض فی اللہ کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصود تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کے فائدہ سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔ لیکن آخر کار وحی الہی وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَدَا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ“ نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن و کفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس طرز عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مومنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا۔ اس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ (تفسیر عثمانی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ سبعین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر کا معین عدد سمجھ لیا اسی لئے خیال کیا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا حکم ستر بار استغفار کرنے سے الگ ہوگا (ستر بار استغفار کرنے سے مغفرت نہ ہوگی ستر بار سے زیادہ دعا کی جائے تو مغفرت ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت تھی، آپ دل سے خواستگار تھے کہ کسی صورت سے منافقوں کی مغفرت ہو جائے چونکہ اللہ کے کلام میں لفظی اعتبار سے گنجائش تھی کہ ستر سے محدود عدد مراد لے لیا جائے اس لئے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا جواز نکال لیا) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا کہ سبعین سے محدود عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، سات ستر اور سات سو کا لفظ عربی زبان میں کثیر عدد کیلئے عام طور پر مستعمل

ہوتا ہے۔ سات کا لفظ دونوں قسم کے عددوں کو مشتمل ہے، تین سے کم کو قلیل اور کم سے کم تین کو کثیر کہا جاتا ہے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھنے سے جدا ہو کر

رَسُولِ اللَّهِ وَكَرَهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا

رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں ☆

نیکی سے گھبرانا برائی پر خوش ہونا منافقت کی علامت ہے

یہ ان منافقین کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے۔ یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ برائی اور عیب کا کام کر کے خوش ہوتے ہیں نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے گذرا نیکی کرنیوالوں پر طعن کرتے اور آواز کتے ہیں۔ ایسی قوم کو نبی کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

گناہ اور بد اعتقادی کا فرق

یہاں سے گنہگار اور بد اعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کون سا

ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ "وَلَوْ أَنَّهُمْ

إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا" (نساء۔ رکو ۹۷)

لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ

اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں ☆

یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مومنین

سے کہتے ہو گئے کہ ان کی ہمتیں ست ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا

تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے

لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ

اگر ان کو سمجھ ہوتی ☆

جہنم کی آگ دنیا کی گرمی سے بہت سخت ہے

یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس

گرمی کی طرف جا رہے ہیں وہ کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ تو وہی مثال ہوئی

کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی

آگ دنیا کی آگ سے اہتر درجہ زیادہ تیز ہے نعوذ باللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین کی حدیث میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ

آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں

دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکی گئی تو سرخ

ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک جلانی گئی تو سفید ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک

دھونکی گئی تو سیاہ ہو گئی۔ پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہے۔ ایک

بار آپ نے آیت وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی تلاوت کی اور فرمایا ایک

ہزار سال تک جلانے سے وہ سفید پڑ گئی پھر ایک ہزار سال تک

دھونکے جانے سے سیاہ ہو گئی پس وہ سیاہ رات جیسی ہے اس کے شعلوں

میں بھی چمک نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک

چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا

سو وہ ہنس لیوں تھوڑا اور رو دیں بہت سا

جَزَاءَ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے ☆

دوزخی بہت روئیں گے

یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو پھر ان کو تو توں کی

سزا میں ہمیشہ کورونا ہے۔ (تفسیر عثمانی) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت

عبداللہ بن قیس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا، دوزخی اتاروئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی

جائیں تو چل جائیں پھر وہ خون کے آنسو بہائیں گے۔

نکتہ:- میں کہتا ہوں آیت کا تفسیری مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

سب لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہیے یہ امر استجابی ہے زیادہ ہنسنا مکروہ

ہے۔ ہنسنے کی زیادتی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور دنیا میں ہی اللہ کے خوف

سے خوب روئیں تاکہ جو گناہ ہو گیا ہے اس کی تلافی کی جائے۔

قیامت کے خوف سے

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترذی والنسائی وابن ماجہ۔ بخاری نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔ حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ذر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اس میں اتنا زائد بھی ہے اور تم کو کھانا گوارا ہوتا نہ پیتا۔ طبرانی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے حسب ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور نقل کی ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت روتے، کم ہنستے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے گر گڑا تے۔ تم کو واقفیت نہ ہوتی کہ تمہاری نجات ہوگی یا نہ ہوگی، حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو زیادہ روتے کم ہنستے۔ نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ امانت اٹھ جائے گی۔ رحمت سمیٹ لی جائیگی۔ امانت دار پر (خیانت کی) تہمت لگائی جائے گی جو امانت دار نہ ہوگا اس کو امین قرار دے لیا جائے گا۔ کالی رات کی طرح بڑے بڑے تاریک فتنے تم پر آپڑیں گے۔

بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، لوگو! اگر یہ کرو! اگر رونانہ آئے تو رونی شکل اختیار کر لو کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتار دیں گے کہ ان کے چہروں پر آنسو چھوٹی نہروں کی طرح بہیں گے، آخر آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہے گا یعنی خون کے آنسو بہنے لگیں گے اور چشمے پھوٹ نکلیں گے یہاں تک کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل جائیں۔

امام احمد، اور ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ سے زاری کرتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی آنکھوں سے آنسو نکالتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا الآية جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہنسو تھوڑا۔ روز زیادہ، یہ لفظ اگرچہ بصیغہ امر لایا گیا مگر حضرات مفسرین نے اس کو خبر کے معنی میں قرار دیا ہے اور بصیغہ امر ذکر کرنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ایسا ہونا حتمی اور یقینی ہے، یعنی یہ بات یقینی طور پر ہونے والی ہے کہ ان لوگوں کی یہ خوشی وہی صرف چند روز کی ہے۔ اس کے بعد آخرت میں ہمیشہ کیلئے رونا ہی رونا ہوگا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ:

”دنیا چند روزہ ہے اس میں جتنا چاہو ہنس لو، پھر جب دنیا ختم ہوگی اور اللہ کے پاس حاضر ہو گے تو رونا شروع ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (مظہری بمعارف مفتی اعظم)

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ

سواگر پھر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے اور منافقین مدینہ میں۔ ممکن تھا کہ بعض منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی سے قبل مرجائیں۔ اس لئے اِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فرمایا۔

فَاسْتَأْذِنُوا لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ

پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز

تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا

نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے

مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ

ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا

بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا

بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے

مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿۸۳﴾

رہنے والوں کے ساتھ ☆

آئندہ منافقوں کو غزوات میں جانے کی اجازت نہ دیں یعنی اب اگر یہ لوگ کسی دوسرے غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو فرما دیجئے کہ بس! تمہاری ہمت و شجاعت کا بھانڈا پھوٹ چکا اور تمہارے دلوں کا حال پہلی مرتبہ کھل چکا، نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل

موت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنے کی درخواست کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبداللہ بن ابی کی خواہش

حاکم نے صحیح سند سے اور دلائل میں بیہقی نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مرض موت کی حالت میں ابن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر درخواست کی کہ آپ میرے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے اور اپنے اس کپڑے کا مجھے کفن دلوادیتجئے جو آپ کے بدن سے لگا ہوا اور میرے جنازہ کی نماز پڑھ دیجئے۔ چنانچہ اس کے انتقال کے بعد کفن دینے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا اور نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی نے بدر کے دن حضرت عباس کو کرتہ دیا

بخاری نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن (قیدیوں میں) جب حضرت عباس کو لایا گیا تو اس وقت آپ کے بدن پر کرتہ نہ تھا (اور کسی کا کرتہ آپ کے جسم پر آ بھی نہیں سکتا تھا) عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ حضرت عباس کو دے دیا وہ آپ کے بدن پر ٹھیک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کرتہ آپ کو پہنادیا پھر اس کے بدلہ میں وہ کرتہ ابن ابی کے مرنے کے بعد عنایت فرمایا تھا جس کا اس کو کفن دیا گیا۔

ایک ہزار آدمی کا مسلمان ہونا

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سے (اس کے مرنے کے بعد) جو سلوک کیا (یعنی قمیض مبارک اس کو پہنایا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی) اس کے متعلق صحابہ نے آپ سے کچھ کلام کیا (یعنی مودبانہ شکایت کی)۔ حضور نے فرمایا میرا کرتہ اور میری نماز اللہ (کے عذاب) سے اس کو نہیں بچائے گی۔ خدا کی قسم میری خواہش تو یہ تھی کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن ابی کی قوم والوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیض سے اس نے تبرک حاصل کیا تو ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی اور وقت وفات تک کسی منافق کی قبر پر دعا کرنے نہیں کھڑے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

منافقوں سے رویہ

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی

سکتے ہو اور نہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بہادری دکھا سکتے ہو، لہذا اب تم کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ عورتوں، بچوں، اپانج اور ناتواں بڑھوں کے ساتھ گھر میں گھسے بیٹھے رہو، اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو۔ تاکہ اچھی طرح عذاب الہی کا مزہ چکھو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ

اور نماز نہ پڑھان میں سے کسی پر جو

أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ط

جائے اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر ☆

یعنی دعاء واستغفار کے لئے یا اہتمام دفن کیلئے۔ (تفسیر عثمانی)

عبداللہ بن ابی کا جنازہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا جب انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر باپ کے کفن کیلئے ایک کرتہ عطا فرمانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ پڑھادینے کی خواہش کی آپ نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ نے منافقوں کی نماز پڑھانے سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمادیا ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے

إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً أَلَا يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

اور میں ستر بار سے زیادہ اس کیلئے دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھادی اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے جنازہ پر اس وقت پہنچے جب کہ اس کو قبر کے گڑھے میں داخل کیا جا چکا تھا آپ نے جنازہ باہر نکلوا اور اپنے زانو پر اس (کے سر) کو رکھ کر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اپنا کرتہ اس کو پہنایا۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ نیک مخلص لوگوں سے تھے انہوں نے اپنے باپ کی مرض

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دانائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے قمیص سے یا نماز پڑھانے سے اس کی تو مغفرت نہیں ہوگی، مگر اس سے دوسری مصالح اسلامیہ حاصل ہونے کی توقع تھی کہ اس کے خاندان کے لوگ اور دوسرے کفار پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ اس کے ساتھ دیکھیں گے تو وہ اسلام کے قریب آجائیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے اور ممانعت صریح نماز پڑھنے کی اس وقت تک موجود نہ تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کیلئے جانا حرام ہے، عبرت حاصل کرنے کیلئے ہو یا کسی مجبوری کیلئے تو وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی ولی وراثت نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے۔ بیان القرآن (معارف مفتی اعظم)

إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ

وہ منکر ہوئے اللہ سے اور رسول سے اور

مَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۸۵﴾

وہ مر گئے نافرمان ☆

یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی، جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں، اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حدیفہ شریک نہ ہوں۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرا دیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب ”صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

کسی سے مکر اور فریب اور نفاق دیکھے تو اس سے قطع تعلق کر دے اور اس کی معاونت اور مجالست اور مصاحبت سے بھی احتراز کرے ایسے لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہ لے جائے اور اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور نہ ان کی قبر پر جا کر کھڑا ہو۔ لعنة الله عليهم اجمعين (معارف کاندھلوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

مسند احمد میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی جنازے کی طرف بلا یا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ لیتے اگر لوگوں سے اس کی بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔ حضرت عمر کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے اس کی جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے جس کی حضرت حدیفہ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے اس لئے کہ حضرت حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور صرف انہی کو یہ نام معلوم تھے اسی بناء پر انہیں راز دار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو حضرت حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔

نماز جنازہ کا ثواب

جنازے کی نماز اور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے، ان میں مردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھی جانے تک ساتھ رہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا سب سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کیلئے استغفار کرو اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

تو یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن و اطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں **فَإِذَا جَاءَ**
الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْتَنِي عَلَيْهِ
مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ

(الاحزاب۔ رکوع ۲۴) (تفسیر عثمانی)

وَطَبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ

اور مہر کردی گئی ان کے دل پر سو وہ نہیں سمجھتے ☆

دلوں پر مہر لگا دی گئی

یعنی کذب و نفاق، بکول عن الجہاد، اور تخلف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شامت سے ان کے دلوں پر مہر کردی گئی کہ اب موٹے موٹے عیب بھی ان کو عیب نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی و بزدلی پر بجائے شرم مانے کے نازاں و فرحان ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول

ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کو جہاد کیلئے ساتھ نہ چلنے کی اجازت دیدی تو کچھ اور منافق طلب اذن کیلئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو بھی اجازت دے دیجئے ہم اس گرمی میں جہاد کو نہیں نکل سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی اور منہ پھیر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ان کو معذور نہیں قرار دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے وہ قبیلہ بنی غفار کی ایک جماعت تھی (جن کی تعداد دس سے کم تھی۔ فردس سے کم تعداد کی جماعت کو کہتے ہیں) محمد بن عمر نے کہا وہ بیاسی آدمی تھے جن میں خفاف بن ایما بھی تھا انہی کے متعلق آیت **وَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ وَطَبِعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** تک نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا

اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے ان کو ان چیزوں

فِي الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسَهُمْ

کے باعث دنیا میں اور نکلے ان کی جان اور وہ

وَهُمْ كَافِرُونَ

اس وقت تک کافر ہی رہیں ☆

چار رکوع پہلے اسی مضمون کی آیت گذر چکی۔ اُس کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر

وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ

اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں

أُولَئِكَ الظُّلُمُوتُ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا

مقدور والے ان کے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے

نَكُنْ مَعَ الْقُعَيْدِينَ رَضُوا بِأَنْ

کہ رہ جائیں ساتھ بیٹھے والوں کے خوش ہوئے کہ وہ

يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ

رہ جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ☆

منافق کام چور ہیں

یعنی قرآن کی کسی سورت پر جب تنبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لاؤ، جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں۔ تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں سے استطاعت و مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں

دو قسم کے دیہاتی

یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی۔ اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔
مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر
وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الْخَيْرِ الْخَيْرِ آيَةً۔

یہاں دیہاتیوں کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے (معذروں اور قاعدوں) ان میں سے پہلی جماعت (معذروں) کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں۔

(جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) یا سچے عذر کرنے والے مسلمان جو واقعی جہاد کی شرکت سے معذور تھے اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہوگا۔

”معذروں“ تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض رسم ظاہر داری نبانے کیلئے جھوٹے حیلے بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے تھے۔ اور ”قاعدوں“ سے وہ منافقین مراد ہوں گے جنہوں نے اول دعوائے ایمان میں جھوٹ بولا۔

پھر ظاہر داری کی بھی پروا نہیں کی۔ جہاد کا نام سن کر گھروں میں بیٹھ رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے۔ اس تقدیر پر ”سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ“

دونوں جماعتوں کو شامل ہوگا۔ اور معنی یہ ہونگے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لیے عذاب دردناک ہے جن کو توبہ کی توفیق ہو جائیگی، وہ اس وعید کے نیچے داخل نہیں۔

اور اگر ”معذروں“ سے مراد مومنین مخلصین لئے جائیں جو واقعی معذور تھے تو ”قاعدوں“ سے مراد منافقین ہونگے اور ”سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ کی وعید صرف ان ہی کے حق میں ہوگی پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں

مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

ساتھ اس کے وہ لڑے ہیں اپنے مال

وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ

اور جان سے اور انہی کے لئے ہیں خوبیاں

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸۸﴾

اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے تیار کر رکھے ہیں

اللَّهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ

اللہ نے ان کے واسطے باغ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں

ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۸۹﴾

یہی ہے بڑی کامیابی ☆

مومنوں کو دیکھو کیسے جاں نثار ہیں۔ منافقین کے بالمقابل مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو یہ ہیں خدا کے وفادار بندے جو اسکے راستہ میں نہ جان سے ہٹتے ہیں نہ مال سے۔ کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو، اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام کی معیت میں ہر قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں۔ پھر ایسوں کیلئے فلاح و کامیابی نہ ہوگی تو اور کس کیلئے ہوگی۔

وَجَاءَ الْمُعَذَّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ

اور آئے بہانے کرنے والے گنوار

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا

تا کہ ان کو رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا

اللَّهُ وَرَسُولُهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ

اللہ سے اور اس کے رسول سے اب پہنچے گا ان کو

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

جو کافر ہیں ان میں عذاب دردناک ☆

ورسول کے ساتھ ٹھیک ٹھیک معاملہ رکھیں (مثلاً خود نہ جاسکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں) بلکہ اپنے مقدر کے موافق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کیلئے مستعد رہیں، ان پر جہاد کی عدم شرکت سے کچھ التزام نہیں۔ ایسے مخلصین سے اگر مقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگزر فرمایا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا

اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے

لِتَعْمَلَهُمْ قُلْتَ لَا أُجِدُّ مَا

تو ان کو تو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں

أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ

کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو اٹھے پھرے اور ان کی آنکھوں سے

تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مَرَحْنًا

بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ

الَّا يُجِدُّوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩١﴾

نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں ☆

صحابہ کرام کا جذبہ

سبحان اللہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں عشق الہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا جس کی مثال کسی قوم و ملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدر والے صحابہ کو دیکھو تو جان و مال سب کچھ خدا کے راستے میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے دلورہ اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں جن کو مقدر نہیں وہ اس غم میں رور و کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کیلئے اپنے کو پیش کر سکتے۔ حدیث صحیح میں آپ نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر میں شریک ہے۔ تم جو قدم خدا کے راستے میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو وہ قوم

لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى

نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر

وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے

يُنْفِقُوْنَ حَرْجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ

خرچ کرنے کو کچھ گناہ جب کہ دل صاف ہوں اللہ

وَرَسُولِهِ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

اور اس کے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی

مِنْ سَبِيْلِ ط

کوئی راہ ☆

واقعی معذور لوگ

جھوٹے عذر کرنیوالوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ عذر کبھی تو شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادت کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی، اور کبھی عارضی ہوتا ہے۔ پھر ”عارضی“ یا بدنی ہے جیسے بیماری وغیرہ، یا مالی، جیسے افلاس و فقدان اسباب سفر۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا، اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا، جیسے آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور سورہ برأت لکھ رہا تھا اور قلم کو اپنے کان پر رکھے ہوئے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا اترتا ہے اتنے میں ایک نابینا آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اندھا ہوں میرے متعلق کیا حکم ہے، اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاللَّهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر ان کے دل صاف ہوں اور خدا

برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبوریوں نے تمہارے ہمراہ چلنے سے روکا۔ حسن کے ”مرسل“ میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ نے یہ ہی آیت ’ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتُمْ لِيَخْلِفْتُمْ أَنْ يُدْرِكُوا الْهَيْجَرَ مِنْكُمْ لِيُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ‘ (تفسیر عثمانی) حضرت علیہ کا عجیب صدقہ

ابن اسحاق نے یونس اور ابن عمر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علیہ بن زید کو جب خود کوئی سواری نہیں ملی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی (زائد) سواری ایسی تھی کہ علیہ کو سواری کیلئے مل جاتی تو وہ رات سے نکل کھڑے ہوتے انہوں نے جتنی نماز چاہی پڑھی پھر رونے لگے اور دعا کی اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا اور ترغیب دی (اور میرے پاس جہاد میں جانے کیلئے سواری نہیں ہے اب) میں ہر مسلمان پر (اپنی ہر چیز) تصدق کر دوں گا اس حق کے عوض جو مسلمان پر عائد ہوتا ہو خواہ مجھے مال دینا پڑے یا جسم یا آبرو۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں کے ساتھ علیہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات صدقہ دینے (کا وعدہ کرنے) والا کہاں ہے۔ سب لوگ خاموش رہے۔ کوئی نہیں کھڑا ہوا۔ علیہ کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قول کی اطلاع دے دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو بشارت ہو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تیرا) صدقہ مقبول زکوٰۃ میں لکھ لیا گیا۔

حضرت ابو یعلیٰ اور حضرت عبداللہ کی حسرت اور کامیابی

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب سواری کے طلبگاروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواریاں نہ دے سکے، اور لوگ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لوٹے تو ان روتے والوں میں ابو یعلیٰ اور عبداللہ بن مغفل بھی تھے (راستہ میں) ان کی ملاقات یا مین بن عمرو نضری سے ہوئی۔ یا مین نے دونوں کو روتا دیکھ کر رونے کی وجہ دریافت کی، دونوں بزرگوں نے کہا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواریاں مانگنے حاضر ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ایسی سواری ہی نہ تھی جو آپ ہم کو دے دیتے، اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم جہاد کو جا سکیں اور رسول اللہ

کے ہمراہ جہاد پر نہ جانا بھی ہم کو گوارا نہیں۔

(رونے کی بس یہ وجہ ہے) وجہ گریہ سن کر یا مین نے ان کو پانی سینچنے والا ایک اونٹ اور زادراہ کیلئے ہر ایک کو دو صاع (تقریباً آٹھ سیر) چھوڑے دیدیئے۔ محمد بن عمرو نے اتنا زائد بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن مطلب نے بھی دو آدمیوں کے لئے سواری کا انتظام کر دیا اور حضرت عثمان بن عفان نے لشکر کی تیاری کے علاوہ مزید تین آدمیوں کو سواریاں دے دیں۔

میں کہتا ہوں، سواری سے محروم کل سولہ آدمی تھے (جو جہاد میں شریک ہونے کیلئے بے تاب تھے) جن میں سے سات کا تو اس طرح انتظام ہو گیا اور راوی کا شک کی وجہ سے دو آدمیوں کو ان میں سے اور کم کر دیا جائے تو سات آدمی رہ جاتے ہیں (جو سواری سے محروم رہے اور جانے کیلئے روتے تھے) انہی کے متعلق اللہ نے وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتُمْ الخ فرمایا۔

حضرت ابو موسیٰ کی درخواست اور کامیابی

بخاری و مسلم نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا، میں اشعر قبیلہ کے چند آدمیوں کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست کرنے کیلئے کہ ان لوگوں کو سواری کی ضرورت ہے ان کو سواریاں عطا فرمادی جائیں حاضر ہوا دوسری روایت میں آیا ہے میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں سواریاں طلب کرنے کیلئے بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں یہ عرض کرنے کیلئے بھیجا ہے کہ آپ ان کو سواریاں عنایت فرمادیتے۔ میری اس حاضری اور گزارش کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں تھے اور مجھے پتہ نہ تھا فرمایا میں تم کو کوئی سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس کوئی (زائد) سواری ہے کہ تم کو دے سکوں۔ انکاری جواب سن کر میں غمگین حالت میں لوٹ آیا اور یہ اندیشہ بھی ہوا کہ میرے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دل میں احساس (نہ) کر لیا ہو واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نقل کر دیا کچھ وقفہ کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت کے کچھ اونٹ آئے اور ذرا سی دیر کے بعد ہی میں نے بلال کی نداسنی جو پکار رہے تھے عبداللہ بن قیس کہاں ہے

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

راہ الزام کی تو ان پر ہے جو رخصت

يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا

مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ مالدار ہیں خوش ہوئے اس بات

بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ

سے کہ رہ جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کردی

اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

اللہ نے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے ☆

الزام کے مستحق لوگ

یعنی باوجود قدرت و استطاعت جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیت سے یہ عارگوار کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھروں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گناہ کی ممارست (پریکٹس) سے آدمی کا قلب ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیب و ہنر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔ جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس قدر پاگل ہو جائے کہ نادم و متاسف ہونے کی جگہ اس پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں خدائی مہر لگ چکی ہے العیاذ باللہ!

اللَّهُ
سُبْحَانَ اللَّهِ
وَتَعَالَى

میں نے فوراً جواب دیا بلال نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو بلا رہے ہیں۔ حکم کی تعمیل کرو۔ میں خدمت گرامی میں حاضر ہو گیا فرمایا یہ ایک جٹ (دوانٹ ایک رسی سے بندھے ہوئے) اور یہ جٹ میں نے اسی وقت سعد سے چھ اونٹوں کے بدلے میں خریدے ہیں تم ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ یا فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو سواری کیلئے دیئے ہیں ان پر سوار ہو جانا۔ حضرت ابو موسیٰ کا بیان ہے میں اونٹ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اونٹ سوار ہونے کیلئے تم کو دے دیئے ہیں لیکن تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں نے پہلے جو بات تم سے کہی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی بار تمہارے لئے درخواست کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا پھر اس کے بعد اب عنایت فرمادیئے (اس واقعہ کے گواہ موجود ہیں)

تم میں سے کوئی میرے ساتھ ان لوگوں کے پاس چلے جنہوں نے میرا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا تھا میں اس (تحقیقات) کے بغیر تم کو نہیں چھوڑوں گا ساتھیوں نے کہا خدا کی قسم آپ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور جو آپ کی خواہش ہے ہم ایسا بھی کر دیں گے چنانچہ میں اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور ابتدائی انکار پھر عطا کا حکم سنا تھا گواہوں نے وہ بات ان لوگوں کے سامنے بیان کر دی۔ جو میں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کی تھی۔

پھر ہم نے (یعنی میں نے اور میرے ساتھیوں نے) کہا خدا کی قسم اس میں ہم کو برکت حاصل نہ ہوگی (کیونکہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے ساتھ یہ اونٹ عنایت فرمائے ہیں) حسب مشورہ ہم لوٹ کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے (از خود) تم کو یہ سواریاں نہیں دی ہیں بلکہ اللہ نے دی ہیں۔ پھر فرمایا، آئندہ اگر میں کسی بات پر قسم کھاؤں گا اور اس سے بہتر (قسم کے خلاف) اگر کوئی معاملہ سامنے آیا تو ان شاء اللہ میں قسم کا کفارہ دے دوں گا اور بہتر بات کو اختیار کر لوں گا۔ (تفسیر مظہری)

يَعْتَدِ رُؤُوكُمْ اِذَا

بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم

رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَدِ رُؤَا

پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ

لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأْنَا اللّٰهُ

ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے

مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ

اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ

عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ

تمہارے کام اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے

اِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

سو وہ بتائے گا تم کو جو تم کر رہے تھے ☆

سَيَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ

پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تاکہ تم ان سے درگزر کرو

فَاعْرِضُوا عَنْهُمْ اِنْ هُمْ

سو تم درگزر کرو ان سے بیٹک وہ لوگ

رِجْسٌ مِّمَّا وَاوَلْتُمْ بِهِمْ وَهُمْ

پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۲﴾

بدلہ ان کے کاموں کا ☆

منافقوں کی جھوٹی قسموں کا مقصد

تبوک سے واپسی کے بعد منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جو عذر پیش کرتے تھے اس کی غرض یہ تھی کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو اپنی قسموں اور ملع ساز یوں سے راضی و مطمئن کر دیں تاکہ بارگاہ رسالت سے ان پر کوئی عتاب و ملامت اور دار و گیر نہ ہو۔ سابق کی طرح یوں ہی معاملہ ابہام میں رہے مسلمان ان سے کچھ تعرض نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ بہتر ہے تم ان سے تعرض مت کرو لیکن یہ اغماض و تغافل (تعرض نہ کرنا) راضی و مطمئن ہونے کی بناء پر نہیں، بلکہ ان کے نہایت پلید اور شریر ہونے کی وجہ سے ہے، یہ لوگ اس قدر گندے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے پاک و صاف ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ لہذا اس غلاظت کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے خدا خود ان کو ٹھکانے لگا دے گا۔

يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ

وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے ☆

تمہارے کرتوت کھل گئے ہیں آگے کی سوچو یعنی جیسے تبوک کی طرف روانہ ہونے کے وقت منافقین نے طرح طرح کے حیلے بہانے بنائے جب تم مدینہ واپس آؤ گے، اس وقت بھی یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کر کے تم کو مطمئن بنانا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے کہ حضرت ہمارا قصد مصمم تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں، مگر فلاں فلاں مواعظ و عواقب پیش آجانے کی وجہ سے مجبور رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بیکار ہیں۔ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب و نفاق پر مطلع کر چکا۔ پھر کس طرح ہم تمہاری لغویات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب پچھلے قصہ کو چھوڑو، آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائیگا کہ اپنے دعوے کو کہاں تک نباتے ہو، سب جھوٹ بیچ ظاہر ہو کر رہیگا اور بہر حال اس ”عالم الغیب والشہادۃ“ سے تو کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اسی کے یہاں سب کو جانا ہے وہ جزاء دینے کے وقت تمہارا ہر چھوٹا بڑا، ظاہری و باطنی عمل کھول کر رکھ دے گا اور اسی کے موافق بدلہ دیا جائیگا۔

دل سخت ہوں اور کفر و نفاق کے جس راستہ پر پڑ جائیں بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ اعراب کی سنگدلی کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی اعرابی نے حضور سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں، خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کا پیار نہیں لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

چونکہ ان خانہ بدوشوں صحرائیوں کا اہل علم سے اختلاط کم ہے اور قرآن و حدیث سننے کا موقع ان کو کم ملتا ہے اور ان کے دلوں میں سختی اور مزاج میں وحشت و کرجنگی بہت ہے اس لئے شہر میں رہنے والوں سے کفر و نفاق میں یہ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کے نازل کردہ ضوابط و احکام سے ناواقف رہنے کے زیادہ مستحق ہیں ما انزل اللہ سے مراد ہیں تمام فرائض و واجبات سنن مباحات ممنوعات مکروہات۔ (تفسیر مظہری)

امام احمد نے بالاسناد ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صحرائی ہو وہ گویا جلاوطن ہے اور جو شکار کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے بڑا ہی بے سمجھ ہے اور جس نے کسی بادشاہ کی ہمنشینیاں اختیار کی وہ فتنہ سے دوچار ہو گیا۔ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی سفیان ثوریؒ سے یہ حدیث مروی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن غریب بتایا ہے۔ ثوری سے روایت کے سوا اور کسی سے اور روایت کا ہمیں علم نہیں۔ بدویوں میں چونکہ بد مزاجی اجڈ پن اور بد تمیزی ہوتی ہے اس لئے اللہ نے ان میں سے اپنا رسول نہیں پیدا کیا۔ بعثت نبوت ہمیشہ شہری اور مہذب لوگوں میں ہوا کرتی ہے۔

جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ لِيَعْنِيَهُمْ نَمُّهُمْ نَمُّهُمْ نَمُّهُمْ نَمُّهُمْ پہلے بھی جتنے رسولوں کو انسانوں کی طرف بھیجا وہ سب شہری اور متمدن تھے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے اپنا ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تو اس وقت تک اس کا دل خوش نہ ہوا جب تک کہ اس سے کئی گنا زیادہ آپ نے اس کے پاس نہ بھیج دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ قرشی، ثقفی، انصاری اور دوسی کے سوا اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ لوگ متمدن شہری ہیں مکہ طائف، مدینہ اور یمن میں رہتے ہیں اخلاق میں یہ بدویوں سے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اعرابی اجڈ بہت ہوتے ہیں۔

خدا کے آگے تو کوئی چالاکی نہیں چل سکتی

بڑی کوشش یہ ہے کہ مکر و فریب اور کذب و دروغ سے مسلمانوں کو خوش کر لیں۔ فرض کیجئے اگر چکنی چڑی باتوں سے مخلوق راضی ہو جائے تو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جبکہ خدا ان سے راضی نہ ہو۔ خدا کے آگے تو کوئی چالاکی اور دغا بازی نہیں چل سکتی۔ گویا متنہ فرما دیا کہ جس قوم سے خدا راضی نہ ہو، کوئی مومن قانت کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ لہذا جھوٹی باتوں سے پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو خوش کر لینے کا خط انہیں دماغوں سے نکال دینا چاہیے۔ اگر ان کے ساتھ تغافل و اعراض کا معاملہ رکھا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت ویگانگت روا نہیں۔“

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا

گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں

وَأَجْدَدُ الْأَيْعَلُ وَاحِدٌ وَمَا

اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو

انزل اللہ علی رسولہ

نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر ☆

دیہاتیوں کی خصلتیں

یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے۔ اب کچھ حال دیہاتی بدوؤں کا ذکر کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں، کفار منافقین اور مخلص مسلمان چونکہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تند خو اور سخت مزاج ہوتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ”من سكن البادية جفا“) اور مجالس علم و حکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا اثر اور علم و عرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں، اس لئے ان کا کفر و نفاق شہری کفار و منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم و صلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت و تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کریں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کئے۔ علم و معرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔ جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں، ضرور ہے کہ ان کے

وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۹۷﴾

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

اللہ ہر طبقہ کے مطابق حکم دیتا ہے

یعنی اس کا علم بنی آدم کے تمام طبقات پر محیط ہے وہ اپنی حکمت سے ہر ایک طبقہ کے ساتھ اس کی استعداد و قابلیت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اعراب کی طبیعت میں بے حکمی، غرض پرستی، اور جہالت شدید ہوتی ہے سو اللہ حکمت والا ہے ان سے وہ مشکل بھی نہیں چاہتا اور درجے بلند بھی نہیں دیتا۔“

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو

مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَائِرَ

تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ

ان ہی پر آئے گردش بری اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۸﴾

سننے والا جاننے والا ہے ☆

منافق اپنی خیر منائیں

یعنی اعراب منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اگر کسی وقت خدا کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے۔ تو ایسی کراہت سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی جرمانہ اور تاوان ادا کرتا ہو۔ وہ ابھی تک اس کے منتظر ہیں کہ مسلمان حوادث دہر سے کسی گردش اور آفت سے پھنس جائیں تو ہم خوب شادیاں بجا لیں۔ یہ خبر نہیں کہ انہیں کی قسمت گردش میں آرہی ہے۔ اسلام تو غالب و فائق ہو کر رہیگا اور یہ منافقین سخت ذلیل و رسوا ہونگے۔ خدا ہر ایک کی باتیں اور دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون عزت و کامیابی کا اہل ہے اور کون لوگ ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو

قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ

نزدیک ہونا اللہ سے اور دعائیں رسول کی سنتا ہے

أَلَّا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سِوَا خَلْمٍ

وہ ان کے حق میں نزدیکی ہے داخل کرے گا ان کو

اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۹﴾

اللہ اپنی رحمت میں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا معجزہ

یہاں قرآن کریم کی معجزانہ تاثیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حیرت انگیز کرشمہ دکھلایا ہے کہ ان ہی درست مزاج، سنگدل، تند خو گنواروں میں جو کفر و نفاق اور جہل و طغیان کی وجہ سے اس لائق ہی نہ تھے کہ خدا کے بتلائے ہوئے ادب اور قاعدے سمجھ سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور قرآن کریم کی آواز نے ایسے عارف اور مخلص افراد پیدا کر دیئے جو مبداء و معاد سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، خالص قرب الہی حاصل کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعا لینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ بیشک وہ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان کو وہ چیز مل کر رہیگی جس کی نیت کی ہے (یعنی قرب الہی اور خدا ضرور ان کو اپنی رحمت میں جگہ دیگا۔ رہی پیغمبر علیہ السلام کی دعاء اسے تو وہ اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدقہ وغیرہ لے کر حاضر ہوتا ہے تو حضور اس کو دعائیں دیتے ہیں۔ حضور کی اس دعاء کا ثمرہ بھی وہ ہی رحمت الہی ہے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قبیلہ) غفار کو اللہ نے بخش دیا (یا اللہ مغفرت کرے) اور قبیلہ اسلم کو اللہ نے محفوظ رکھا (یا محفوظ رکھے) اور عصبہ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، حضرت ابو ہریرہ کی

روان اسلام کی پیروی کرتے رہے، ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوشدلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے احکام تشریحی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں۔ اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

تنبیہ: مفسرین سلف کے اقوال ”السُّبْقُونَ الْأَوَّلُونَ“ کی تعیین میں مختلف ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار مراد ہیں، جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ و بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان ”سابقین اولین“ ہیں۔ بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والے کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین و انصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے ”سابقین اولین“ ہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال میں چنداں تعارض نہیں۔ ”سبقت“ اولیت اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے جیسا کہ ہم نے ”فائدہ“ میں اشارہ کیا ہے۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق و اول ہوگی اسی قدر رضائے الہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائیگی۔ کیونکہ سبقت و اولیت کی طرح رضاء و کامیابی کے بھی مدارج بہت سے ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بغوی نے لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ کا سب سے اول ایمان لانا تو مسلم الثبوت اور جماعی قول ہے۔ آپ کے بعد کون سب سے پہلے مسلمان ہوا اس میں علماء کا اختلاف ہے حضرت جابر بن عبد اللہ نے حضرت خدیجہ کے بعد حضرت علیؑ کو مومن اول فرمایا ہے اس کی تائید میں خود حضرت علیؑ کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے

سبقتکم الی الاسلام طرا غلاما ما بلغت او ان حلم
(میں لڑکا ہی تھا بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ تم سب سے پہلے میں نے اسلام کی طرف سبقت کی)

مجاہد اور ابن اسحاق کے قول پر دس سال کی عمر میں حضرت علیؑ مسلمان ہوئے تھے بعض کے نزدیک حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضرت

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ اسلم، غفار اشجج (سب) دوست اور بھائی ہیں اور ان کا دوست سوائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلم غفار اور کچھ جہینہ اور مزینہ والے اللہ کے نزدیک قیامت کے دن تمیم اور اسد بن خزیمہ اور ہوازن اور غطفان سے بہتر ہوں گے۔

ترمذی کے علاوہ باقی اہل صحاح نے خود حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عبد اللہ نے اپنی زکوٰۃ (یا خیرات) کا مال خدمت گرامی میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ابو اوفی کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔ (تفسیر مظہری)

وَالسُّبْقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے

وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ

اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَ

اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور

أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

تیار کر رکھی ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے

الْأَنْهَارِ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ

ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾

بڑی کامیابی ☆

درجہ بدرجہ اولیت رکھنے والے حضرات

”اعراب مومنین“ کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ زعماء و اعیان مومنین کا کچھ ذکر کیا جائے۔ یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت و اولیت کا شرف حاصل کیا، اور جن انصار نے نصرت و اعانت میں پہل کی، غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے بڑھ کر حصے لئے، پھر جو لوگ نیکو کاری اور حسن نیت سے ان پیش

تبلیغ کی اور) قرآن سکھایا، ان کی کوشش سے مردوں اور عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی۔

پہلے اور دوسرے دور کے مسلمان

ممکن ہے کہ سابقین سے مراد ہوں مقررین جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ

النَّعِيمِ ثَلَاثَةٌ قَسَمَ الْأَوَّلِينَ (ثلاثہ ایک گروہ) ثلثہ سے مراد ہیں صحابہ تابعین اور تبع

تابعین امت اسلامیہ میں تقدم انہی کو حاصل ہے، اس کے بعد

قَلِيلٌ مِّنَ الْأَخِيرِينَ فرمایا یعنی ایک ہزار برس کے بعد چھوٹے آدمی کمالات

نبوت کے حامل ہوں گے ابتدائی دور میں تو کمالات نبوت کے حاملین کی تعداد بہت

زیادہ تھی لیکن پچھلے دور میں یعنی ہزار برس کے بعد باکمال لوگوں کی تعداد بہت کم ہو گئی۔

حضرت مجاہد زلف ثانی نے فرمایا تمام صحابہ کثر تابعین اور تھوڑے تبع تابعین کمالات

نبوت کے حامل تھے میں کہتا ہوں اس صحت میں من امہاجرین و الانصار میں من

تبعیضیہ نہ ہوگا بلکہ بیانیہ ہوگا لہذا سابقین لادین کلیان ہوگا۔ اور

الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ سے مراد سابقین آخرین اور صاحب الیمین ہیں جن کو

ثَلَاثَةٌ قَسَمَ الْأَوَّلِينَ فرمایا ہے پہلے قرن سے شروع ہو کر ہزار برس پر ختم ہو جائیں

گے اور ثَلَاثَةٌ قَسَمَ الْأَخِيرِينَ سے مراد وہ اباب کمال ہیں جو ہزار برس کے بعد آئے

اور جن کی انتہا و قیامت پر ہوگی۔ عطاء نے کہا الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ سے وہ

لوگ مراد ہیں جو صحابہ کذا کر کفقتن کے لئے دعا و رحمت کرتے ہیں۔

تمام صحابہ جنتی ہیں

ابو حزمہ بن زیاد کا بیان ہے میں محمد بن کعب قرظی کے پاس گیا اور دریافت کیا

صحابہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے فرمایا تمام صحابہ جنتی ہیں، اچھے نیکو کا ہوں،

یابری (گناہ گار) میں نے کہا آپ یہ کہاں سے کہتے ہیں، فرمایا کلام مجید میں آیا

ہے۔ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ (اس میں کوئی

شرط نہیں کہ نیک ہوں یا برے) سب کے متعلق فرمایا رضی اللہ

عنہم ورضوا عنہ۔ اس کے بعد فرمایا وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ۔ اس

میں تابعین کیلئے شرط لگا دی کہ بھلائیوں میں صحابہ کے تابع ہوں برائیوں

میں تابع نہ ہوں۔ ابو حزمہ نے کہا یہ آیت سن کر مجھے محسوس ہوا کہ گویا یہ

آیت میں نے پہلے پڑھی ہی نہ تھی نہ اس کی تفسیر کا مجھے علم تھا محمد بن کعب

کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے۔

میں کہتا ہوں تمام صحابہ کے جنتی ہونے کی دلیل میں اگر ذیل کی

آیت پیش کی جائے تو زیادہ مناسب ہے فرمایا ہے

ابو بکر ایمان لائے یہ قول حضرت ابن عباس ابراہیم نخعی اور عامر شععی کا ہے۔ اس قول کی تائید حضرت حسان کے ان اشعار سے ہوتی ہے جو حضرت ابو بکر کی مدح میں آپ نے کہے تھے اور رسول اللہ نے ان کو تسلیم کیا تھا۔

زہری اور عروہ بن زبیر کے نزدیک حضرت خدیجہ کے بعد سابق

الاسلام حضرت زید بن حارثہ تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت ابو بکر نے

اپنے اسلام کا اظہار کر دیا (چھپا کر نہ رکھا) اور دوسروں کو اللہ اور رسول کی

طرف آنے کی دعوت دی۔ آپ ہر دعوت پر بااخلاق آدمی تھے قریش کے

نسب اور حالات کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ تاجر تھے بڑے بااخلاق

اور مخیر قوم کے لوگ آپ کی دانائی اور اچھی صحبت کی وجہ سے مختلف کاموں

کیلئے آپ کے پاس آتے اور انیسیت رکھتے تھے۔ آپ بھی اپنی قوم میں

سے جس پر اعتماد رکھتے تھے اس کو اسلام کی دعوت دیتے تھے چنانچہ میری

اطلاع کے بموجب حضرت عثمان حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمن

بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ آپ ہی کی

ترغیب سے ایمان لائے تھے جب یہ حضرات مسلمان ہو گئے تو آپ ان

کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب

نے نماز ادا کی۔ پھر دوسرے لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ مسلمان

مردوں اور عورتوں کی تعداد سات سال میں انتالیس ہو گئی پھر حضرت

عمر مسلمان ہوئے۔ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ حضرت عمر کے مسلمان

ہونے کے بعد مشرکوں نے کہا آج ہماری طاقت آدھی ہو گئی۔ سات سال

کے بعد حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے اسلام میں قوت آگئی اور اس

کا پھیلاؤ ہونے لگا۔ اسی بنیاد پر حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ اور لوگوں سے

سات برس پہلے میں نے نمازیں پڑھیں۔

گھائی میں بیعت کرنے والے

سابقین انصار سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلۃ العقبہ

(گھائی والی اول رات) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ یہ

چھ سات آدمی تھے پھر (دوسرے سال) دوسری گھائی کے موقع پر بارہ

آدمی تھے (جنہوں نے بیعت کی) اور (تیسرے سال) تیسری گھائی

میں ستر تھے۔ (جنہوں نے بیعت کی) ان ایمان لانے والوں میں

ابو ذرارہ، اور مصعب بن عمیر بھی تھے ان بزرگوں نے (مدینہ پہنچ کر

اہلسنت والجماعت

اور الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اولین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے خواہ وہ صحابہ ہوں یا تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان سے بھی بعد۔ غرض یہ کہ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جو مہاجرین اور انصار کی پیروی کریں۔ خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں۔ وہ سب جنت کے مستحق ہیں اور خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ کے طریقہ پر ہوں اور اقوال و افعال میں ان کے پیرو ہوں بغیر صحابہ کے اتباع اور پیروی کے خدا کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی اور اہل سنت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور جماعت صحابہ کرام کے طریقہ پر چلتے ہیں، اس لئے ان کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

آیت کا خلاصہ

اس آیت سے صحابہ کا مومن کامل ہونا معلوم ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور منافق سے راضی نہیں ہوتا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ لَا يُرِضِي عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُرِضِي عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ کافر تھے اور نہ فاسق۔ الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کی مدح فرمائی اور انہیں جنت کی خوشخبری دی اور ان کو اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

فرقہ امامیہ کی تردید

اس آیت نے منکرین صحابہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس آیت نے تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے فرقہ امامیہ کے عقیدہ کو خاک میں ملادیا ہے۔ اس لئے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں وہ سبقت ہجرت پر اور نصرت پر موقوف ہیں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں۔ اس آیت میں حق جل شانہ نے صحابہ کرام کیلئے بلا کسی شرط کے اپنی رضا اور مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا بخلاف تابعین کے یعنی بعد میں آنے والوں کے لئے یہ قید لگادی کہ بشرطیکہ وہ مہاجرین اور انصار کا اتباع کریں اور اعمال اور افعال میں ان کے طریقہ پر چلیں۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَلَا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال راہ خدا میں صرف کیا اور جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے اپنا مال راہ خدا میں فتح مکہ کے بعد صرف کیا اور جہاد کیا اول گروہ دوسرے گروہ سے اونچا درجہ رکھتا ہے (لیکن) اللہ نے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ دونوں گروہوں سے کر لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (آپس میں فرق مراتب کے باوجود) تمام صحابہ جنتی ہیں۔ اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔

صحابہ کرام کی برتری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برانہ کہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو وہ (ثواب میں) صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر (غلہ کھجور وغیرہ) کے برابر نہ ہوگا۔ متفق علیہ من حدیث ابی سعید الخدری۔ (منظہری)

ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو (ایمان کی نظر سے) دیکھا۔

ترمذی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ میں سے جب کوئی شخص کسی سرزمین (گاؤں، قصبہ، شہر وغیرہ) میں مرجائے گا تو قیامت کے دن وہ اس زمین کے رہنے والوں کے لئے پیشوا اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ رزین نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔

ہجرت اور نصرت میں اول لوگ

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اولین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق اور اول ہیں کیونکہ سابقین اولین کا لفظ مجمل ہے جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق اور اول ہیں پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ موصوف فرمایا معلوم ہوا کہ صفت ہجرت اور صفت نصرت میں سبقت اور اولیت مراد ہے۔

منافقین کو دو گنا عذاب

بڑا عذاب دوزخ کا ہے۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (نساء۔ رکوع ۲۱) اس سے قبل کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کئے جائینگے۔ ایک عذاب قبر دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہیگا۔ مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ ”اخرج فانک منافق۔“

یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ یا پہلے اسی سورت میں گذرا کہ ان کے اموال و اولاد کو حق تعالیٰ نے ان کے حق میں عذاب بنا دیا۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الخ) یا ان میں کے بعض بھوک وغیرہ آفات ارضی و سماوی میں مبتلا ہو کر ذلت کی موت مرے یا اسلام کی ترقی و عروج کو دیکھ کر غیظ کھانا اور دانت پینا یہ بھی ان کے حق میں سوہان روح تھا۔

میرے نزدیک یہ سب قسم کے عذاب ”مرتین“ کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور دو کا عدد یا تو مطلق تعدد کے لئے ہے۔ جیسے ”ثُمَّ اُخْرِجُ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ“ میں۔ اور یا دو بار سے مراد نوعی اثنییت ہے یعنی ”عذاب قبر“ اور ”عذاب قبل الموت“۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی) نام لے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کو نکال دیا کلبی اور سدی نے کہا (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور (الگ الگ نام لے لے کر مختلف لوگوں کو خطاب کر کے) فرمایا اے فلاں شخص نکل جا تو قطعاً منافق ہے اے فلاں شخص تو بھی نکل جا تو بھی بلاشبہ منافق ہے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کر دیا۔ یہ رسوائی اور مجلس نبوی سے نکالا جانا پہلا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے مراد ہے عذاب قبر۔

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا عذاب دنیوی مراد ہے جس کی شکل کوئی ہو اور دوسرا عذاب قبر کا مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحابہ کے باہمی اختلافات میں احتیاط ضروری ہے

تنبیہ: جو لوگ صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بناء پر بعض صحابہ کرام کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں۔ جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو سکیں، وہ اپنے آپ کو ایک خطرناک راستہ پر ڈال رہے ہیں، نعوذ باللہ منہ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ

اور بعض تمہارے گرد کے گنوار

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ والے

مَرْدُوًا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ

اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ

وہ معلوم ہیں ☆

مدینہ اور ارد گرد کے منافقین

پہلے سے دیہاتی عربوں کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں اعراب مومنین کے تذکرہ سے مہاجرین و انصار کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ اب اس آیت میں خاص ”مدینہ“ اور اس کے آس پاس رہنے والوں کا بیان ہے یعنی بعض اہل مدینہ اور ارد گرد پیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر عریق و عمیق ہے کہ ان کے قرب مکانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فطانت و فراست کے باوجود آپ بھی بالعمین اور قطعی طور پر شخص علامات و قرائن سے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکے ان کا ٹھیک ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے۔ جس طرح عام منافقین کا پتہ چہرہ لب و لہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا۔ (وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلا تَعْرِفَهُمْ بَسیئُهُمْ وَلا تَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ) ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات ان کا پردہ فاش نہیں کرتیں۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ

ان کو ہم عذاب دیں گے دو بار پھر وہ لوٹائے جائیں گے

اِلَى عَذَابٍ عَظِيْمٍ

بڑے عذاب کی طرف ☆

کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھلنے کے بعد تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں تصدق کریں، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن مسیب کی روایت میں ہے کہ جب ابولبابہ کو کھولنے کا ارادہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا، اور کہا کہ جب تک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر مجھے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے میں بندھا رہوں گا، چنانچہ صبح کی نماز میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دست مبارک سے ان کو کھولا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے حضرت ابولبابہ اور ساتھیوں کی پشیمانی

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک) جہاد پر تشریف لے گئے مگر ابولبابہ اور ان کے ساتھ پانچ دوسرے آدمی پیچھے رہ گئے (جہاد پر نہ جاسکے) پھر ابولبابہ نے اور پانچ میں سے دو آدمیوں نے غور کیا۔ پشیمان ہوئے اور ان لوگوں کو اپنی تباہی (یعنی دین کی بربادی) کا یقین ہو گیا۔ کہنے لگے ہم تو (ٹھنڈے) سایہ میں عورتوں کے ساتھ چلین کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب (دوسرے) مسلمان جہاد میں شریک ہوں (یہ بڑا گناہ ہے) خدا کی قسم ہم ستونوں سے خود اپنے کو باندھ دیں گے اور اس وقت تک نہ کھولیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھولیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ تین آدمی رہ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو نہیں بندھوایا تھا۔ (الحدیث)

ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے نیز بیہقی نے اس آیت کے ذیل میں سعید بن مسیب کے حوالہ سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا، یہ لوگ دس تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے انہیں میں سے ابولبابہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے تو ان میں سے سات آدمیوں نے مسجد کے ستونوں سے خود اپنے کو بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گذرگاہ اسی طرف تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ خود بندھے ہوئے لوگ کون ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ سے

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ

اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا

خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرَ سَيِّئًا

ملا یا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ

قرب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

مسلمان جنہوں نے سچی توبہ کر لی

اہل مدینہ میں اگر ایک طرف یہ منافقین متمر دین ہیں جو اپنی شرارتوں اور جرموں کو پردہ نفاق میں چھپاتے اور ان پر سختی سے اڑے رہتے ہیں تو دوسری جانب بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا و قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور برائی مخلوط (رلی ملی) ہے۔ برائی تو مثلاً یہ ہی کہ نفیر عام کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ”غزوہ تبوک“ میں حاضر نہ ہوئے۔ بعدہ اس غیر حاضری پر دل سے پشیمان و متاسف ہونا اور ظاہر و باطن توبہ کرنا اور دوسری اعمال صالحہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے غزوات کی شرکت وغیرہ) بجالانا یہ سب ان کی بھلائیوں کی فہرست میں داخل ہیں۔ ایسے حضرات کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے چند ہمراہیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے ”تبوک“ میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جب تبوک سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی معلوم ہوئی تو غایت ندامت سے ان سب نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان مجرموں اور قیدیوں کو معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے، اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا واللہ جب تک خدا ان کے کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ آخر یہ آیات نازل ہوئیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

”صدقہ“ کا ترجمہ مترجم محقق نے ”زکوٰۃ“ کیا ہے۔ لیکن اگر لفظ ”صدقہ“ کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ و صدقات نافلہ سب کو شامل ہو تو بہتر تھا۔ کیونکہ اکثر روایات کے موافق یہ آیت اور ان ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد میں معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی پچھلے فائدہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ہاں عموم الفاظ کو دیکھتے ہوئے حکم کو مورد نص پر مقصود رکھنے کی ضرورت نہیں اسی لئے سلف رضی اللہ عنہم مسئلہ زکوٰۃ میں بھی اس آیت کو پیش کرتے رہے ہیں۔

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ

کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے اور عادی

عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ

ان کو بیشک تیری دعاء ان کے لئے تسکین ہے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ☆

صدقہ کی اہمیت

توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے یعنی اس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت و ظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جاتی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کی مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے (”زکوٰۃ“ کے لغوی معنی نماء یعنی بڑھنے کے ہیں) اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے تھے۔ جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ کی دعاء کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی۔ اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کیلئے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ ”صلوٰۃ“ کا استعمال نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص حق تھا۔ (تفسیر عثمانی)۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ کی قبولیت

ابن مردویہ نے واقدی کے سلسلہ والی سند سے حضرت ام سلمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابولبابہ کی توبہ (قبول ہونے) کی آیت میرے گھر

عہد کر رکھا ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی نہ ہو جائینگے اور اپنے دست خاص سے ان کو نہ کھولیں گے یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو خود نہیں کھولوں گا اور ان کا عذر نہیں قبول کروں گا تا وقتیکہ اللہ ہی ان کو نہ کھولے یہ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد پر نہیں گئے۔ ان حضرات کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا تو بولے ہم بھی اپنے کو نہیں کھولیں گے تا وقتیکہ اللہ ہی نہ کھولے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اس آیت میں لفظ عسی آیا ہے جس کا معنی ہے امید۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے قطعی حکم ان کی توبہ قبول کرنے کا نہیں دیا تھا۔ صرف امید کا اظہار فرمایا ہے، لیکن) اللہ کی طرف سے امید کا اظہار چونکہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس جگہ عسی کا معنی وجوب کا ہے اسی بناء پر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ قبول ہونے کی خبر ان لوگوں کے پاس بھیج دی اور ان کا عذر قبول فرمایا اور ان کو رہا کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

امید دلانے والی آیت

ابو عثمان نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت اس امت کے لئے بڑی امید دلانے والی ہے اور صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندب مخرج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تفصیلی حدیث میں ہے کہ ساتویں آسمان پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تو ان کے پاس کچھ لوگ دیکھے جن کے چہرے سفید تھے، اور کچھ ایسے کہ ان کے چہروں میں کچھ داغ دھبے تھے یہ دوسری قسم کے لوگ ایک نہر میں داخل ہوئے اور غسل کر کے واپس آئے تو ان کے چہرے بھی بالکل صاف سفید ہو گئے تھے جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ یہ سفید چہرے والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر گناہوں سے پاک صاف رہے، **الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ** **يَلْبَسُوا اِلْبَاسًا يُّظَلُّوْا** اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملے جلے اچھے برے سب طرح کے کام کئے پھر توبہ کر لی، اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور گناہ معاف ہو گئے۔ (قرطبی) (معارف القرآن)

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ ☆

وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے شوہر کیلئے صلوة کر دیجئے یعنی دعائے مغفرت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دی۔ (خرجاہم) ابو داؤد اور نسائی نے حضرت قیس بن سعد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اپنی صلوة اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر کر دے۔ اس روایت کی سند عمدہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ مومن کی روح سے کہتے ہیں تجھ پر اور تیرے بدن پر اللہ کی رحمت ہو۔

امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت علماء کا قول ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے لفظ صلوة کا استعمال مستقل طور پر (یعنی تنہا غیر انبیاء کیلئے) درست نہیں ذیلی طور پر (یعنی انبیاء کے بعد اگر دوسروں کا ذکر آیا ہو تو بالفتح) درست ہے کیونکہ اہل شریعت کی اصطلاح میں انبیاء خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے لفظ صلوة خاص کر لیا گیا ہے۔ لہذا انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اسی بناء پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی کی طرف سے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پر صلوة بھیجنا (یعنی لفظ صلوة سے دعا کرنا) مناسب نہیں۔ رواہ ابن ابی شیبہ من طریق عثمان بن حکیم عکرمہ و ہذا سند صحیح۔

اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ بيشك تمہاری دُعا ان کیلئے رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس نے سکُن کا ترجمہ درست کیا ہے ابو عبیدہ نے سکون خاطر اور طمانیت قلب ترجمہ کیا ہے یعنی تمہاری دعا ان کے سکون خاطر اور دل کے ٹھیراؤ کا ذریعہ ہے ان کو اطمینان ہو جائے گا کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ میں کہتا ہوں پاک باطن اور صاف قلب رکھنے والوں سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو گناہ کی ظلمت ان کے دل پر چھا جاتی ہے اور اندر کچھ تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ لیکن جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے تو دل کی تاریکی اور گھٹن دور ہو جاتی ہے یا دل کے اندر گناہ کی تاریکی اور گھٹن ایسی ہوتی ہے جیسے معدہ سے بخارات چڑھنے اور اطراف قلب میں جمع ہو کر دل پر دباؤ ڈالنے سے خفقان پیدا ہو جاتا ہے اور جب بخارات کا دباؤ معدہ کی اصلاح سے ختم ہو جاتا ہے تو خفقان جا تا رہتا ہے یہی حالت گناہ سے پیدا ہونے والی تاریکی

میں اتری تھی۔ سحر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے سنا عرض کیا یا رسول اللہ! ہنسی کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کیا میں ان کو اس کی اطلاع دے دوں فرمایا تمہاری مرضی میں نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے آواز سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ابولبابہ نے کہا (ابھی نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں وہ ہی مجھے کھولیں گے۔ صبح کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے برآمد ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر کھولا اور آیت وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِالْخِ نَازِلِ ہوئی۔

حضرت ام سلمہ کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جس قصور کی معافی نازل ہوئی تھی وہ وہی قصور تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت ابولبابہ سے صادر ہو گیا تھا کیونکہ تبوک کا جہاد تو پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد ہوا تھا۔ لہذا اولیٰ یہ ہے کہ ستون سے بندش کا واقعہ دونوں قصوں کے نتیجے میں قرار دیا جائے کیوں کہ روایتیں دونوں صحیح ہیں۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ صدقہ کا مال لیتے وقت کیا امام پر واجب ہے کہ دینے والے کے لئے دعا کرے۔ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے، بعض کے نزدیک مستحب۔ بعض کے نزدیک واجب زکوٰۃ وصول کرتے وقت تو دعا دینی واجب ہے اور نفل صدقہ کے وصول کرتے وقت مستحب۔ بعض کا قول ہے کہ امام پر واجب ہے۔ مگر فقیر اگر مالدار سے لے تو دینے والے کو دعا دینی مستحب ہے۔

بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا (حضرت ابو اوفی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر (تجدید) بیعت کی تھی۔) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب لوگ صدقہ کا مال پیش کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم (دعا دیتے اور) فرماتے اے اللہ ان پر رحمت نازل فرما۔ چنانچہ میرے باپ نے بھی جب اپنے صدقہ کا مال پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما۔

حضرت جابر کی روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کے دن بڑے پہاڑ کے برابر ہو کر سامنے آئے گا۔ یہ فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَاخُذُ الصَّدَقَاتِ تلاوت فرمائی۔ رواہ الشافعی۔

صحیحین کی روایت بھی اسی روایت کی ہم معنی ہے اس میں اتنا اور ہے کہ جو شخص پاک کمائی سے ایک چھوڑے برابر خیرات کرتا ہے اور اللہ پاک کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو قبول فرمالتا ہے الخ۔ (تفسیر مظہری)

توبہ کا عجیب واقعہ

ابن عساکر نے اپنی تاریخ بہ ضمن تاریخ عبداللہ بن الشاعر السکسی (دمشقی تھے لیکن اصل وطن حمص تھا اور فقہاء میں سے تھے) بیان کیا ہے کہ معاویہؓ کے زمانہ میں لوگوں نے جہاد کیا جن کے سردار عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ تھے۔ تو ایک مسلمان نے مال غنیمت میں سے سو دینار رومی غنیمت کر لئے اور جب لشکر واپس ہو گیا اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو اس کو ندامت نے آگھیرا۔ اس نے یہ دینار اب امیر لشکر کے پاس پہنچائے، اس نے ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ وہ سب لوگ تو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جن میں یہ تقسیم کیا جاسکتا تھا۔ اب میں تو اس کو لے نہیں سکتا اب تم قیامت کے روز اس کو خدائے سامنے پیش کر دینا۔ اب یہ آدمی صحابہؓ میں سے ہر ایک سے پوچھتا رہا لیکن سب یہی کہتے رہے۔ پھر وہ دمشق آیا اور معاویہؓ کو قبول کرنے کیلئے کہا لیکن وہ بھی انکار کر گئے۔ وہ وہاں سے اپنی حالت پر روتا ہوا نکلا اور عبداللہ بن الشاعر السکسی کے پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا، کیوں روتا ہے؟ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا کہ کوئی امیر بھی ان کو نہیں لیتا، تو عبداللہ نے کہا کیا تم میری بات سنو گے اس نے کہا ضرور۔ تو کہا تم معاویہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے لے لو۔ چنانچہ بیس دینار ان کے حوالے کر دو اور باقی اسی دینار ان لشکریوں کی طرف سے خیرات کر دو جو ان کے حقدار ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ناموں اور مقامات وغیرہ سے بھی واقف ہے وہ انہیں اس کا ثواب پہنچا دے گا۔ تو اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ تو معاویہؓ نے کہا کہ اگر میں نے اس کو ایسا فتویٰ دیا ہوتا تو مجھے یہ بات اپنی تمام مملکت سے زیادہ محبوب تھی۔ اس نے بہت اچھی تدبیر بتائی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کی وجہ سے دل کی بے چینی کی ہوتی ہے اور مغفرت کی وجہ سے اس کا زوال ہو کر سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ سچ فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

امام احمد کہتے ہیں کہ وکیع نے بالا سناد روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کیلئے دعا فرماتے تھے تو وہ اس کے اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کے حق میں قبول ہو جاتی تھی۔

الْمُرِيعَلْمُوَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ

عَنْ عِبَادِهِ وَيَاخُذُ الصَّدَقَاتِ

اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں

وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ

اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ☆

قبولیت فقط اللہ کے اختیار میں ہے

یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کیلئے ان کی زکوٰۃ یعنی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور ان کے حق میں دعاء و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں (حیا ویتا) دعا کریں۔ (تفسیر عثمانی)

پاک کمائی کا صدقہ

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو بندہ پاک کمائی سے خیرات کرتا ہے اور اللہ صرف پاک (کمائی کی خیرات) کو ہی قبول فرماتا ہے اور آسمان کی طرف پاک (کلام۔ عمل خیرات) کو ہی عروج نصیب ہوتا ہے تو وہ گویا اس خیرات کو اللہ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اپنے ہاتھ میں اس کو (اس طرح) بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کو (اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر) پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ ایک لقمہ قیامت

اگر وہ اچھے عمل ہوں تو وہ مردے خوش ہو جاتے ہیں، اور اچھے نہ ہوں تو کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو انہیں موت نہ دے جب تک تو انہیں بھی ایسی ہدایت نہ دے جیسی تو نے ہمیں دی تھی۔
خاتمہ قابل اعتبار ہے

بخاری سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کا عمل نیک تمہیں پسند خاطر ہو تو کہو کہے جاؤ، اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کا رسول اور مومنین بھی اس سے واقف ہو رہے ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ امام احمد نے کہا کہ بالاسناد انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے اچھے عمل کو دیکھ کر خوش نہ ہو جاؤ، انتظار کرو کہ اس کا خاتمہ بھی اس عمل نیک پر ہوتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ عامل ایک زمانہ طویل تک نیک عمل کرتا رہتا ہے اور وہ اس نیک عمل پر مر جائے تو جنت میں داخل ہو جائے لیکن ناگہاں اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور وہ برے اعمال کرنے لگتا ہے۔ اور ایک بندہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک زمانے تک برے اعمال کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی پر مر جائے تو دوزخ میں چلا جائے لیکن یکا یک کا یا پلٹ ہو جاتی ہے اور وہ نیک عمل کرنے لگتا ہے۔ اللہ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو موت سے پہلے اس کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ نیکی پر مرتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ قبض روح کے وقت وہ عمل صالح کے ساتھ ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ
اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ
إِمَّا يَعِذُّ بِهِمْ وَإِنَّا لَتُوبٌ عَلَيْهِمْ
کہ یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کو معاف کرے
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین قسم کے لوگ اہل مدینہ میں سے یہاں ایک اور چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے اصل یہ ہے کہ متخلفین عن تبوک (یعنی تبوک میں نہ شریک

وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ

اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ

عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَ

تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان اور

سَتَرْدُونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَ

تم جلد لوٹائے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام چھپی اور

الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

کھلی چیزوں سے واقف ہے پھر وہ بتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے ☆

توبہ کے بعد بھی عمل درست رکھو:

یعنی توبہ وغیرہ سے گذشتہ تقصیرات معاف ہو گئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہونگے۔ پیغمبر علیہ السلام کے یا خلفاء کے روبرو ان میں امتحان ہوگا کہ کیسا عمل کرتے ہو۔ پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل کا پورا بدلہ مل جائیگا کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی واقعی حالت کے موافق معاملہ کریگا (آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحب کے مذاق پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسیاق ہے واللہ اعلم)۔ (تفسیر عثمانی)

مردوں پر اعمال کا پیش ہونا

اور حدیث میں وارد ہے کہ زندوں کے اعمال ان اموات پر پیش کئے جاتے ہیں جو ان کے عزیز و اقارب ہیں یا ان کے قبائل ہیں اور جو اس وقت عالم برزخ میں ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد الطیالسی نے کہا ہے۔ صلت بن دینار نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقرباء اور عشائر پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اعمال خیر ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر بد ہوں تو دعا کرتے ہیں کہ اے خدا تو اپنی طاعت کی انہیں توفیق عطا فرما۔

امام احمد کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ہمیں خبر دی کہ سفیان نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقارب و عشائر پر پیش کئے جاتے ہیں

ہوئی (تین قسم کے تھے۔ ایک منافقین جو ازراہ شک و نفاق علیحدہ رہے۔ دوسرے بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا ان کا ذکر پچھلی آیات میں گذر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے نہ اپنے کو ستونوں سے باندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور تھا صاف صاف بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کر دیا۔ ان کے بارہ میں یہ آیت وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ الخ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے۔ چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم و حکمت کا اقتضاء ہوگا کیا جائیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا نزول حکم الہی ادب دینے کیلئے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیے۔ پچاس دن تک یہ ہی معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی۔ ان واقعات کی اور تینوں کے ناموں کی تفصیل اگلے رکوع کے خاتمہ پر بیان ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شیخین نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں یہ ان دس آدمیوں میں سے تھے جو تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے اور مسجد کے ستونوں سے بھی انہوں نے اپنے آپ کو باندھوایا نہ تھا (مگر اپنے جرم کا کھل کر اقرار کر لیا تھا کوئی بہانہ نہیں کیا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے سلام کلام ترک کر دیں ان حضرات نے جب یہ سلوک دیکھا تو خلوص نیت کے ساتھ تائب ہو گئے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا آخر اللہ نے ان پر رحم کیا (اور ان کا قصور بھی معاف کر دیا گیا) ہم ان کا قصہ آگے لکھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ دس حضرات مومنین جو بلا عذر کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے سات نے تو اپنی ندامت و انسوس کا پورا اظہار اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ کر کر دیا تھا ان کا حکم پہلی آیت میں آچکا، وَآخِرُونَ اعترفوا، اس آیت سے باقی وہ تین حضرات مراد ہیں جنہوں نے یہ عمل مسجد میں قید ہونے کا نہیں کیا تھا، اور اس

طرح کھلے طور پر اعتراف نہیں کیا، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ مسلمان ان کا مقاطعہ کریں، ان سے سلام کلام بند کر دیں یہ معاملہ ہونے کے بعد ان کی حالت درست ہو گئی، اور اخلاص کے ساتھ اعتراف جرم کر کے تائب ہو گئے تو ان کیلئے بھی معافی کے احکام دیدیئے گئے۔ (صحیح بخاری و مسلم) (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَ

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور

كُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ

کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں

وَأَصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور گھات لگانے کو اس شخص کو جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول

مِنْ قَبْلُ وَيُخَلِّفُونَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا

سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو

الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۰﴾

بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ☆

مسجد ضرار

پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا۔ (تحلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بد اعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر آئے تو اول مدینہ سے باہر ”بنی عمرو بن عوف“ کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر ”مدینہ“ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی، اس محلہ میں جہاں آپ پیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔

منصوبہ بنانے والا

فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزر جی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مہینت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیٹھ ملت ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔ کہنے لگا کہ میں پہلے سے اسی پر قائم ہوں لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں اس کی خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور یکہ و تنہا غربت و بیکسی کی موت مارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”امین“ خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تاکفار مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا! تیری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابلہ میں ہم تیرا ساتھ دینگے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کیلئے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوادیئے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان

مبارک شہید ہونیکا واقعہ پیش آیا۔ حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا۔ اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیگا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑیگا۔ (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنا لو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو یہ خبیث مقاصد تھے جن کیلئے مسجد ضرار تعمیر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں، ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے تا نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجب برکت و سعادت ہو۔ یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسن ظن کی بناء پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اس وقت تبوک جانے کیلئے پایہ رکاب تھے۔ فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔

مسجد ضرار کا پول کھل گیا

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبریل یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن خشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خداع و فریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا فقطعہ دایر القوم الذین

مسجد ضرار کی تعمیر کرنے والے

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بارہ آدمیوں نے اس مسجد کی تعمیر کی تھی۔ (۱) قبیلہ بنی عبید بن زید کا حذام بن خالد یہ بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا (۲) قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ثعلبہ بن حاطب (۳) بنی صبیحہ بن زید کا معتب بن قشیر اور (۴) حبیبہ بن ازعر اور (۵) نجل بن حارث اور نجاد بن عثمان اور قبیلہ بن عمرو بن عوف کا عباد بن حنیف جو ہل بن حنیف کا بھائی تھا اور حارثہ بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع بن حارثہ اور زید بن حارثہ اور ودیعہ بن ثابت اور ایک اور شخص جس کو بخرج کہا جاتا تھا۔ ان سب نے اس مسجد کی تعمیر مسجد قبا کو ضرر پہنچانے کیلئے کی تھی۔ ابو عامر کی رہبانیت ناکام ہو گئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ من حارب اللہ سے مراد ابو عامر راہب ہے جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا باپ تھا اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا اسلام آنے سے پہلے یہ شخص کعبل پوش عیسائی راہب ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ابو عامر نے پوچھا آپ یہ کیا مذہب لے کر آئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خالص دین توحید ہے جو ابراہیم کا دین تھا۔ ابو عامر نے کہا دین حنیفیت پر تو میں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دین حنیفیت (دین ابراہیمی) پر نہیں ہو۔ ابو عامر نے کہا کیوں نہیں (میں یقیناً دین ابراہیمی پر ہوں) آپ نے حنیفیت کے اندر دوسری چیزوں کو شامل کر لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا میں تو خالص نکھری ہوئی روشن شریعت لے کر آیا ہوں ابو عامر نے کہا تو ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا کرے وہ یکہ تنہا خانہ بدر مسافرت کی حالت میں مرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ایسا ہی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بجائے راہب کے) اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا۔ احد کی لڑائی کے دن ابو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا جو قوم بھی آپ سے لڑے گی میں اس کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا چنانچہ جنگ حنین تک وہ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دوسری قوموں سے مل کر لڑتا رہا ہوازن کی شکست کے بعد شام بھاگ گیا اور منافقوں کو یہ پیام بھیج گیا کہ تم لوگ تیار رہنا ایک مسجد بنا کر جس قدر اسلحہ ہو سکے اس میں جمع کر رکھنا میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ " آیت میں " لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ " سے یہ ہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز ابن المنذر نے سعید بن جبیر کی روایت سے اور محمد بن عمر نے یزید بن رومان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عمرو بن عوف کے قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی کو بھیجا کہ حضور تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ غنم بن عوف کے قبیلہ نے جب یہ بات دیکھی تو ان کو حسد ہوا اور انہوں نے کہا ہم بھی ایک مسجد بنائیں گے جیسی انہوں نے بنائی ہے (بات یہ ہوئی تھی کہ) شام کو روانہ ہونے سے پہلے ابو عامر فاسق نے ان سے کہا تم لوگ ایک مسجد تعمیر کرو اور جتنے اسلحہ ممکن ہوں اس میں (پوشیدہ طور پر) جمع کر لوں میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال باہر کر دوں گا۔ ابو عامر فاسق اللہ اور رسول کے خلاف بغاوت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے ارادہ سے مدینہ سے گیا تھا چنانچہ یہ لوگ ابو عامر کے آنے (اور رومیوں کا لشکر ساتھ لانے) کے انتظار میں تھے۔ مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے چاہا کہ رسول اللہ اس میں نماز پڑھیں تاکہ ان کا جو مقصد تھا یعنی فساد کفر اور اسلام سے عناد اس کو کامیاب ہونے کا موقع مل جائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ ان کی طرف سے کچھ لوگوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے ایک مسجد بنائی ہے مقصد تعمیر یہ ہے کہ جو بیمار یا حاجت مند مسجد گرامی میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ یا سخت سردی کی رات ہو یا بارش کی رات ہو اور لوگ وہاں سے یہاں حاضر نہ ہو سکیں تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھ لیں ہماری خواہش ہے کہ حضور تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تو میں برسر سفر ہوں اور کام میں مشغول ہوں جب ہم ان شاء اللہ واپس آئیں گے تو تمہاری مسجد میں نماز پڑھیں گے چنانچہ آپ جب تبوک سے واپس ہو کر مقام ذی اوان میں اترے تو مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی یہ مقام مدینہ سے ایک گھنٹہ کی راہ کے فاصلہ پر تھا۔

وعناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں، اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِمَسِجِدٍ أُسِّسَ

تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد

عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ

دھری گئی پر ہیزگاری پر اول دن سے وہ لائق ہے

أَنْ تَقُومَ فِيهِ فَبِعِزَّتِكَ لَئِنْ

کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے

أَنْ يُطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿۱۵﴾

ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو ﴿۱۵﴾

مسجد قباء کی فضیلت

یعنی اس مسجد میں جس کی بنیاد محض ضد، کفر و نفاق عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور رسول پر رکھی گئی۔ آپ کبھی نماز کیلئے کھڑے نہ ہوں۔ آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی یا مسجد قبا) اس کے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک و صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لئے خدائے پاک ان کو محبوب رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت و پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو، جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس چیز کا معتاد سے زائد اہتمام رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں مسجد قبا کا ذکر ہے۔ لیکن بعض روایات صریح ہیں کہ لمسجد اسس علی التقویٰ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔ علماء نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کے متعلق اپنا ناقص خیال ظاہر کر کے روایات میں تطبیق دی ہے یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسجد ضرار کی بربادی

ابن اسحاق نے بسلسلہ زہری حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم بن عوف کے مالک بن

اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کر دوں گا۔ ابو عامر کے مشورہ کے موافق ان لوگوں نے مسجد قبا کے برابر ایک مسجد بنالی۔ من قبل سے مراد یا تو یہ معنی ہیں کہ مسجد بنانے سے پہلے اس شخص نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت اور جنگ کی تھی یا یہ مطلب ہے کہ جو کہ جہاد سے غیر حاضر ہونے سے پہلے ہی انہوں نے مسجد بنالی تھی۔ اول مطلب پر من قبل کا تعلق حارب سے اور دوسری صورت میں انخلو اسے ہوگا۔ (تفسیر مظہری) مسجد کے مقاصد

اس مجموعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی، درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ آجکل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں، اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں، تو اگر چہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہ گار ہوگا لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور تمام آداب اور احکام مساجد کے اس پر جاری ہوں گے، اس کا ڈھانا آگ لگانا جائز نہیں ہوگا، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی اگرچہ ایسا کر نافی نفسہ گناہ رہے گا۔

ریاء کاری والی مسجد

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح ریاء و نمود کے لئے یا ضد و عناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنالے اگرچہ بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا، بلکہ گناہ ہوگا، مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہہ دیتے ہیں یہ درست نہیں، البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں، اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت فاروقؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو (تفسیر کشاف)

مسئلہ: اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریاء و نمود کے لئے یا ضد

دشتم کو اور قبیلہ عاصم بن عدی کے معن بن عدی کو طلب فرمایا، بغوی نے مالک بن دشتم کے ساتھ عامر بن اسکن اور حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا بھی ذکر کیا ہے عاصم کا ذکر نہیں کیا اور ذہبی نے التجرید میں سوید بن عباس انصاری کا نام بھی بیان کیا ہے اور فرمایا حق ناشناس لوگوں کی بنائی ہوئی اس مسجد کو جا کر ڈھا دو اور جلا دو حسب الحکم یہ حضرات تیزی کے ساتھ چلے گئے اور سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچ کر مالک نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا آپ لوگ میرا انتظار کریں میں آتا ہوں یہ کہہ کر اپنے گھر جا کر کھجور کی کچھ خشک ٹہنیاں لے کر ان میں آگ لگائی پھر سب حضرات دوڑ کر مغرب و عشاء کے درمیان مسجد میں پہنچے، اس وقت مسجد والے مسجد میں موجود تھے، ان حضرات نے مسجد کو آگ لگا دی اور ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اہل مسجد ادھر ادھر منتشر ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس جگہ کوڑا گھر بنا دیا جائے جہاں مردار جانور اور غلاظتیں ڈالی جائیں۔ ابو عامر فاسق ملک شام میں یکہ تنہا خانہ برباد مسافرت کی حالت میں مر گیا۔

مسجد نبوی

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا میں امہات المؤمنین میں سے کسی کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسی مسجد ہے (جس کے متعلق فرمایا گیا ہے) کہ اس کی تاسیس تقویٰ پر کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر زمین پر ماریں اور فرمایا یہ ہی تمہاری مسجد مدینہ کی مسجد۔ طبرانی اور ضیاء مقدسی نے المختار میں حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بناء تقویٰ پر رکھی گئی تھی فرمایا وہ میری یہ ہی مسجد ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا جس مسجد کی تاسیس تقویٰ پر ہوئی وہ کونسی مسجد ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد۔

مسجد نبوی کی فضیلت میں وہ حدیث آئی ہے جس کو شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے (یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں

میں سے ایک باغ ہوگا اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا واللہ اعلم۔
بغوی کی روایت میں بجائے گھر کے قبر کا لفظ آیا ہے۔

ریاض الجنۃ

شیخین اور احمد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن زید مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔ ترمذی نے بھی حضرت علی کی روایت سے یہی بیان کیا ہے۔

ہزار نماز کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں سوائے مسجد حرام (کعبہ) کے ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد قبا میں تشریف لے جانا بخاری نے عبداللہ بن دینار کی وساطت سے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کو پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا کو تشریف لے جاتے تھے حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول اتنا زائد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ داؤدی سہیلی اور حافظ ابن حجر نے کہا یہ (تفسیری) اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر مسجد کی تاسیس تقویٰ پر ہوئی تھی۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ مومن ہو انصار خاموش رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا کیا تم قضاء (خداوندی) پر راضی ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا تم ہے مالک کعبہ کی تم مومن ہو، پھر آپ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ انصار اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھروں کا استعمال کرتے ہیں اور پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کرتے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت

فِيهِ رِجَالٌ يُجْبُونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا تَلَاوتِ فرمائی۔

ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت عومیر بن ساعدہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل قبا کے پاس مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور فرمایا تمہاری مسجد کے قصہ میں تمہاری پاکی کی اللہ نے بہت اچھی تعریف کی ہے تم لوگ طہارت کیسے کرتے ہو (جس کی اللہ نے تعریف کی ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم اور کچھ تو ہمیں معلوم نہیں صرف اتنی بات تھی کہ ہمارے پڑوس میں جو یہودی رہتے تھے وہ رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے سو ہم نے بھی پانی سے استنجا کرنا شروع کر دیا دوسری روایت میں آیا کہ ہم پتھروں کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں فرمایا وہ یہی ہے تم ایسا ضرور کیا کرو۔ عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ میں ولید بن ابی منذر کی وساطت سے یحییٰ بن سہل انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت سہل انصاری نے فرمایا یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی جو رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے۔

مسجد قباء والوں کی طہارت

ابن جریر نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ اہل قبا میں سے کچھ لوگوں نے پانی سے طہارت کرنے کی ایجاد کی، ان ہی کے متعلق آیت

فِيهِ رِجَالٌ يُجْبُونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

امام احمد بن حنبل (بالاسناد) روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں آئے اور کہا کہ اللہ نے تمہاری طہارت کی بہت اچھی تعریف کی ہے وہ کیا ہے؟ تو کہا یا رسول اللہ! ہم نے تو آیت میں پانی سے طہارت کے احکام پائے ہیں (اس میں ایک راوی عبد اللہ بن سلام تھے جو اہل توریت تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى

بملا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر

مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ

اور اس کی رضامندی پر وہ بہتر ہے یا جس نے

أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرْفٍ

بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے

هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ط

جو گرنے کو بے پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں ☆

تقویٰ والا کام مستحکم ہے

یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو، وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جس کام کی بناء شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو، وہ اپنی ناپائنداری، بودے پن اور انجام بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ ذرا زمین سر کی یا پانی کی تھپڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آرہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ☆

یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم و نا انصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

مسجد ضرار کی جگہ سے دھواں

ابن المنذر نے سعید بن جبیر اور قتادہ اور جرح کا قول نقل کیا ہے نیز ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہ کی روایت بیان کی ہے ان تینوں حضرات کا بیان ہے ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ مسجد ضرار میں جب ایک جگہ کھودی گئی تو لوگوں نے وہاں سے دھواں نکلتا دیکھا۔ بغوی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً

بیشہ رہے گا اس عمارت سے جو انہوں نے بنائی تھی شبہ

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ

ان کے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں

قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱﴾

ان کے دل کے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ☆

مسجد ضرار والوں کی سزا

”ریبہ“ ترجمہ کیا ہے ”شبہ“ جس سے مراد نفاق ہے یعنی اس عمل بد کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں (جب تک موت انہیں پارہ پارہ نہ کر ڈالے) نفاق قائم رہیگا۔ جیسے اسی سورۃ میں پہلے گذر چکا۔

فَاعْتَبَهُمْ زَفَاتًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى

يَوْمٍ يَلْقَوْنَ فِيهَا آخِذُوا اللَّهُ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

بعض مترجمین نے ”زیبہ“ کے معنی کے ہیں ”کھلنا“۔ یعنی جو عمارت انہوں نے ناپاک مقصد کیلئے بنائی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر کے ان کے تمام پلید مقاصد کا خاتمہ کر دیا، اس کا خیال ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھلتا رہیگا۔ والرائج عند السلف ہوالاول کما حکى ابن کثیر۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اللہ نے خریدی مسلمانوں سے

أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمْ

ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے

الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًّا عَلَيْهِ

پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر

حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْ

سچا توریت اور انجیل اور

الْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنْ

قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا

اللَّهُ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے

بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑩

کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی ☆

سب سے زیادہ نفع والی تجارت

اس سے زیادہ سود مند اور تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال جو فی الحقیقت اسی کی مملوک و مخلوق ہے محض ادنی ملاہست سے ہماری طرف نسبت کر کے ”بیع“ قرار دیا جو ”عقد بیع“ میں مقصود بالذات

ہوتی ہے۔ اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا ”شمن“ بتلایا جو بیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جنت“ میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خطور ہوا اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں، انہیں جنت کا شمن نہیں بنایا نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ ”بالع“ اور ہم مشتری ہوتے، تلف و نوازش کی حد ہوگئی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا، جیسا کہ ”بالجنة“ کی جگہ ”بان لهم الجنة“ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچه در ہمت نیاید آں دہد پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کیلئے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیس یا نہ لیس۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں۔ اسی لئے فرمایا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے بعدہ ماریں یا مارے جائیں۔ دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر شمن کے مستحق ٹھہر گئے ممکن ہے کسی کو سو سو گزرتا کہ معاملہ تو بیشک بہت سود مند اور فائدہ بخش ہے لیکن شمن نقد نہیں ملتا۔ اس کا جواب دیا۔

وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، یعنی زر شمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید و اہتمام سے پختہ دستاویز لکھ دی ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول راست باز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہذا اس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ پختہ اور بہتر ہوگا پھر مومنین کے لئے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہوگا کہ خود رب العزت ان کا خریدار بنے، اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبد اللہ بن رواحہ نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے بعد اقاالت کی کوئی صورت ہم باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مومنین کے زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ

صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ہی ہجرت کریں۔ اس کے بعد چوپال میں قریش کا اجتماع ہوا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کی انہوں نے خفیہ سازش کی) سورہ انفال میں قریش کی سازش کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کا بیان آچکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

جہاد کی فضیلت

اسی لئے صحیحین میں آیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں نکلا اور اس نکلنے سے اس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو کہ میری راہ میں جہاد کرے یا میرے رسولوں کی تصدیق کرے حتیٰ کہ اسے موت آجائے تو خدا اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے اور اگر نہ مرے تو خدا کے ذمہ ہے کہ جہاں سے وہ چلا ہے اسے وہاں پہنچائے اور اجر مال غنیمت کے ساتھ بامراد پہنچائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

گھاٹی میں مدینہ والوں کی تین بیعتیں

عقبہ پہاڑ کے حصہ کو کہا جاتا ہے اس جگہ وہ عقبہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرہ عقبہ کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے۔ (آجکل حجاج کی کثرت کے سبب پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنا دیا گیا ہے صرف جمرہ رہ گیا ہے) اس عقبہ پر مدینہ طیبہ کے حضرات سے تین مرتبہ بیعت لی گئی ہے پہلی بیعت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہویں سال میں ہوئی، جس میں چھ حضرات مسلمان ہو کر بیعت کر کے مدینہ واپس ہوئے، تو مدینہ کے گھر گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا چرچا ہونے لگا، اگلے سال موسم حج میں بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے، جن میں پانچ پہلے اور سات نئے تھے، سب نے بیعت کی، اب مدینہ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو گئی، جو چالیس نفر سے زائد تھی، انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں قرآن پڑھانے کیلئے کسی کو بھیج دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیج دیا، انہوں نے موجودہ مسلمانوں کو قرآن بھی پڑھایا، اور اسلام کی تبلیغ بھی کی، جس کے نتیجے میں مدینہ کی بڑی جماعتیں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئیں۔

اس کے بعد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہویں سال میں ستر مرد و عورتیں اسی جگہ جمع ہوئے یہ تیسری بیعت عقبہ ہے جو آخری ہے اور عموماً بیعت عقبہ سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے۔ یہ بیعت اسلام کے اصولی عقائد و اعمال کے ساتھ خصوصی طور پر کفار سے جہاد اور جب

عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جو چاہیں اپنے رب کے اور اپنے لئے ہم سے شرطیں لے لیجئے (ہم سب کچھ ماننے کو تیار ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے رب کے متعلق تو یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرنا کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دینا (یعنی کسی چیز کی پوجا نہ کرنا) اور اپنے لئے یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ جس چیز سے تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرو اس سے میری بھی حفاظت کرنا (یعنی اپنی جان و مال کی طرح میری حفاظت کرنا) انصار نے کہا اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ہم کو کیا ملے گا فرمایا، جنت انصار نے کہا یہ نفع کا سودا ہے اب ہم اس سودے کو نہ پھیریں گے نہ پھیرنے دیں گے (یا نہ پھیرنے کی خواہش کریں گے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

سب سے پہلے بیعت کرنے والے

اہل سیر نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ مارا وہ براء بن معرور یا ابوالہشیم یا اسعد تھے اور یہ شرط کی کہ جس (مصیبت) سے وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کریں گے اور ہر گورے کالے (یعنی تمام انسانوں) کے مقابل آپ کی حمایت کریں گے۔ سب سے پہلے قتال و جہاد کے بارے میں یہی آیت نازل ہوئی اس کے بعد اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ الْخ-

سب سے پہلا مہاجر مدنی

تیسری گھاٹی کی بیعت سے ایک سال پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد جو حبشہ سے آئے تھے اور مکہ والوں نے ان کو بڑی تکلیفیں دی تھیں جب ان کو انصار کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ملی تو مدینہ کو ہجرت کر گئے آپ کا نمبر مدنی مہاجرین میں سے پہلا تھا پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے ہجرت کی پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے دوسرے مسلمانوں نے پھر عمر بن خطاب اور آپ کے بھائی زید نے اور بیس سواروں کے ساتھ عباس بن ربیعہ نے ان سب نے (مدینہ پہنچ کر) حوالی مدینہ میں پڑاؤ کیا۔ پھر عثمان بن عفان نے ہجرت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی درخواست کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ کسی کو تمہارا ساتھی کر دے خیال یہ تھا کہ شاید رسول اللہ

پرایام تشریق میں مدینہ والے حاضر ہوئے اور ستر یا تہتر مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی حاکم نے پچھتر آدمی ہونے کی صراحت کی ہے۔ (تفسیر مظہری) عجیب خریدار

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عجیب بیع ہے کہ مال اور قیمت دونوں تمہیں ہی دیدیئے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سنو! یہ کیسی نفع کی تجارت ہے جو اللہ نے ہر مومن کیلئے کھول دی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں مال بخشا ہے تم اس میں تھوڑا خرچ کر کے جنت خرید لو (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

التَّائِبُونَ الْعَمَدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ

وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے ☆

روزہ دار و مہاجر، مجاہد اور طالب علم

بعض نے ”سائحون“ سے مراد روزہ دار لئے ہیں، کیونکہ روزہ دار

کھانے پینے وغیرہ لذائذ مرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج

اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق

مہاجرین ہیں جو گھربار سے بے تعلق ہو کر ”دارالاسلام“ میں سکونت

پذیر ہوتے ہیں بعض نے ”مجاہدین“ کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک

سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ میں قربان ہونے کیلئے نکلتا ہے۔ بعض

کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کیلئے ہے جو وطن کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ

سب کو خیر باد کہہ کر طلب علم کیلئے نکل کھڑے ہوتے ہیں بہر حال مترجم

محقق نے جو ترجمہ کیا، اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف

کے نزدیک پہلی تفسیر مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا

کہ شاید بے تعلق رہنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں دل نہ لگائے۔ (تفسیر عثمانی)

روزہ کا اجر:- حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنے سے سات سو

گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ سوائے روزہ کے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا

ہے کہ روزہ میرے لئے ہے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ بندہ میرے

لئے اپنی خواہش نفسانی اور کھانا ترک کرتا ہے۔ (الحديث متفق علیہ)

طالب علم کے فضائل

عکرمہ نے کہا ہے سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں،

جو علم کی طلب میں ملکوں میں پھرتے ہیں حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے

میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو طلب علم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت پر لی گئی اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو شرائط اپنے رب کے متعلق یا اپنے متعلق کرنا چاہیں وہ واضح کر دی جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ سب اس کی عبادت کریں گے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور اپنے لئے یہ شرط ہے کہ میری حفاظت اس طرح کریں گے جیسے اپنی جانوں اور اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کرتے ہو، ان لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت ملے گی، ان سب حضرات نے خوش ہو کر کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں، اور ایسے راضی ہیں کہ اب اس کو نہ خود فتح کرنے کی درخواست کریں گے، نہ اس کے فتح کرنے کو پسند کریں گے۔

اس جگہ چونکہ اس بیعت میں ظاہر صورت ایک لین دین کے

معاملے کی بن گئی تو اس پر یہ آیت بہ لفظ بیع و شراء نازل ہوئی،

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۗ يَهِيَ آیت سن کر سب سے پہلے حضرت براء بن معرور

اور ابوالہیثم اور اسعد رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیا کہ ہم اس معاملہ پر تیار ہیں، آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنی عورتوں بچوں کی طرح کریں گے اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر اگر دنیا کے کالے اور گورے سب جمع

ہو جائیں تو ہم سب کا مقابلہ کریں گے۔

جب سب مسلمان ہو گئے تو مدینہ کو لوٹ گئے مدینہ پہنچ کر اسعد بن

زرارہ ان تمام لوگوں کو مدینہ میں جمع کرنے لگے جو مسلمان ہوتے گئے،

قبائل اوس و خزرج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرضداشت بھیجی کہ اب

کوئی ایسا آدمی ہمارے پاس بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن پڑھا دے، حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو بھیج دیا، اس وقت تک مدینہ میں چالیس

مسلمان تھے حضرت مصعبؓ کی کوشش سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی مسلمان ہو گئے اور ان دونوں بزرگوں کے

مسلمان ہونے سے بنی عبدالاشہل کے تمام آدمی کیا مرد کیا عورتیں سب

کے سب مسلمان ہو گئے پھر بعثت کے تیرہویں سال تیسری گھاٹی کے موقع

وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ

اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھی اللہ نے

وَكَبِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو ☆

حد سے نہ بڑھو

یعنی نیکی بدی کی جو حدود حق تعالیٰ نے معین فرمادی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ بے حکم شرع کوئی قدم نہ اٹھائے۔ یہ سب صفات ان مؤمنین کی ہوئیں جو جان و مال سے خدا کے ہاتھ پر بک چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی) صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ کسی کا بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی، جن کو وہ پہاڑیوں میں اور بارش گا ہوں میں ہانکے لئے پھرتا ہوگا اور فتنوں سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لئے بھاگتا ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

لا لاق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو

أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ

کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ

كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ

وہ ہوں قرابت والے جب کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾

کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے ☆

مشرکین کیلئے دُعاء و استغفار منع ہے

مؤمنین جب جان و مال سے خدا کے ہاتھ بچ ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اعداء اللہ سے جن کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو۔ محبت و مہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ یہ دشمنان خدا ان کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ ان کا دوست کیسے ہو سکتا ہے پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ بالیقین دوزخی ہے خواہ وہ وحی الہی کے ذریعہ سے

کی راہ میں چلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے جائے گا اور فرشتے طالب علم کیلئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ (ملائکہ) جو آسمانوں میں ہیں اور وہ (ملائکہ اور انس و جن) جو زمین میں ہیں اور پانی کے اندر مچھلیاں۔ عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر علماء انبیاء کے (علم کے) وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی اب جو اس ترکہ کا وارث ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رواہ احمد و الترمذی وابن ماجہ و ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

الزَّكَاةُ وَالسَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ

زکوٰۃ کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے

بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے ☆

یعنی خود درست ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔ گویا ان کا کام ہے عبادت حق اور خیر خواہی خلق۔ (تفسیر عثمانی)

افضل عمل

حضرت ابن مسعود کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے فرمایا وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا۔ فرمایا ماں باپ کی فرماں برداری کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ ابو نعیم نے فضل بن دکین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز دین کا ستون ہے۔

نماز کے فضائل

ابن عساکر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کا نور ہے۔ قضاعی نے حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تقویٰ والے کیلئے نماز (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہے۔ مسلم ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے پس تم دعا زیادہ کیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

زندہ مشرکین کیلئے دُعاء

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زندہ مشرکوں کیلئے دعائے مغفرت جائز ہے کیونکہ ایسی دعاء کا معنی ہے مشرکوں کو توفیق ایمان ملنے کی درخواست (اور اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے)

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا تھا لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں قیامت کے دن آپ کے لئے اس کی شہادت دوں گا چچا نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ ابوطالب نے ڈر کر ایسا اقرار کر لیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا اس پر اللہ نے آیت اِنَّكَ لَاتَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ نازل فرمائی۔

ابوطالب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

بخاری نے حضرت ابوسعید خدری کا قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا تذکرہ آنے کے وقت فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت (کچھ) فائدہ پہنچائے اور ان کو ٹخنوں ٹخنوں تک آگ میں کر دیا جائے جس سے ان کا دماغ ابلنے لگے۔ ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت مندرجہ بالا مکہ میں ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

ترمذی اور حاکم نے بیان کیا اور ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا، میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے سنا تو میں نے کہا کیا تو اپنے ماں باپ کیلئے دعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ مشرک تھے اس نے جواب دیا حضرت ابراہیمؑ نے بھی تو اپنے مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی میں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا، اس پر آیت ماکان للنبی الخ نازل ہوئی۔

ممکن ہے یہ قصہ بھی ابوطالب کی موت کے واقعہ ہی کے زمانہ میں ہوا ہو (اور دونوں واقعات آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو مومن ثابت کرنے کیلئے سیوطی نے چند رسائل لکھے ہیں بلکہ آدمؑ تک آپ کے تمام آباء واجداد وامہات کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ میں نے ان سب کا خلاصہ کر کے اس

یا اس طرح کہ علانیہ کفر و شرک پر اس کو موت آچکی ہو، اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ آپ کے چچا ابوطالب کے حق میں اتری۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے چاہا کہ اپنے آباء مشرکین کیلئے جو مرچکے تھے استغفار کریں۔ اس آیت میں ان کو منع کیا گیا۔ بہر حال شان نزول کچھ ہو حکم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر معلوم ہو جائے، استغفار جائز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین محترمین

تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارہ میں علمائے اسلام کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو مومن و ناجی ثابت کرنے کیلئے مستقل رسائل لکھے ہیں۔ اور شرح حدیث نے محدثانہ و متکلمانہ بحثیں کی ہیں۔ احتیاط و سلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔ اور ایسے نازک مباحث میں خوض کرنے سے احتراز کیا جائے۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانتا ہے اور وہ ہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوطالب

شیخین نے صحیحین میں سعید بن مسیب کے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابوطالب کے مرنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں موجود پایا۔ آپ نے ابوطالب سے فرمایا چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے میں آپ کی طرف سے اس کو دلیل کے طور پر پیش کر سکوں ابو جہل اور عبد اللہ بولے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بار بار) کلمہ توحید پیش کرتے رہے اور ابو جہل و عبد اللہ اپنی بات برابر کہتے رہے آخر ابوطالب نے کہا عبدالمطلب کے مذہب پر۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ جب تک مجھے ممانعت نہیں کر دی جائیگی میں آپ کی مغفرت کیلئے دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ

کو چھوڑ دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ پھر اپنا کلام دہرایا، مگر ہر مرتبہ ابو جہل یہی بات کہہ دیتا، یہاں تک کہ آخری کلام میں ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اسی حالت میں وفات ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں آپ کے لئے برابر استغفار کرتا رہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ اس پر یہ آیت ممانعت کی نازل ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کرنے سے منع فرمادیا، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

قوم کیلئے دعاء مغفرت

غزوہ احد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو کفار نے زخمی کر دیا تو آپ چہرہ سے خون صاف کرتے ہوئے یہ دعاء فرما رہے تھے، اللھم اغفر لقومی انھم لایعلمون ”یعنی یا اللہ میری قوم کی مغفرت فرمادے وہ نادان ہیں“، کفار کے لئے اس دعاء مغفرت کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان کو ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرمادے کہ یہ مغفرت کے قابل ہو جائیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَآبٖہٖ

اور بخشش ماٹنا ابراہیم کا اپنے باپ کے

اِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَّعَدٰہَا اِيَّاہٗ

واسطے سونہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنۡہٗ عَدُوٌّ لِلّٰہِ تَبَرَّآ

پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے

مِنۡہٗ اِنۡ اِبْرٰهٖمَ لَآوَاہٗ حَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنے والا ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کیلئے دعاء

سورہ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا اور ضد و عناد سے حضرت ابراہیم کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا، تو آپ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا، ”سَلِّمْ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّہٗ كَانَ بِنِیِّ حَفِیۡطًا“ یعنی میں خدا سے تیرے لئے استغفار کروں گا۔ اس وعدہ کے موافق آپ برابر

موضوع پر ایک رسالہ تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم تالیف کر دیا ہے اس جگہ اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنیکی گنجائش نہیں۔ (تفسیر مظہری) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ محترمہ کیلئے دعاء کی اجازت مانگنا مسند امام احمد میں ہے کہ بریدہ نے روایت کی کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سفر میں تھے کہ ایک جگہ اترے اور ہم تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ آپ نے یہاں دو رکعتیں پڑھیں، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ عمر بن خطاب آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں رورہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے درخواست کی تھی کہ میری ماں کیلئے استغفار کی مجھے اجازت دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، تو آگ کے خوف سے ماں پر میرا دل بڑا دکھا اور میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں میں نے قبل ازیں تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا، زیارت قبور، سے لیکن اب قبور کی زیارت کر سکتے ہو صرف اس غرض سے کہ گورستان جانے سے تمہیں اپنی موت یاد آجائے اور تم نیکیوں کی طرف مائل ہونے لگو۔ میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ اٹھا رکھنے پر منع کیا تھا، اب چاہے جتنا ذخیرہ کر رکھو۔ اور برتنوں سے پینے کے بارے میں میری ممانعت تھی، اب چاہے جس برتن سے پیو لیکن کوئی نشہ والی چیز نہ پینا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابوطالب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششیں

واقعہ نزول اس آیت کا صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کرتے رہے، اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی طرح یہ کلمہ اسلام پڑھ لیں، اور ایمان لے آئیں تو شفاعت کا موقع مل جائے گا اور یہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے مرض وفات میں جب ان کا آخری وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی کلمہ شریف پڑھ لیں تو کام ہو جائے، چنانچہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے، مگر ابو جہل، عبد اللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں، تو میں آپ کی بخشش کیلئے کوشش کروں گا، مگر ابو جہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبدالمطلب کے دین

استغفار کرتے رہے چنانچہ دوسری جگہ ”واغفرلابی“ فرمانے کی تصریح ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ ”ان الاسلام یهدم ما کان قبلہ“ ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیم نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکل بیزار ہو گئے۔ اور دعاء و استغفار وغیرہ ترک کر دیا پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے۔ جب توبہ و رجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ خداوند! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کریگا۔ مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضح (کفتار) کی سی ہو جائیگی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ شاید یہ اس لئے ہے کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دار و مدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی۔ پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تحمل کرنے والا

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ذوالنجاوین نامی ایک شخص کے بارے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اواہ ہے۔ جہاں کہیں قرآن میں اللہ کا نام آجاتا تو یہ شخص دعا کا ایک نعرہ بلند کرتا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کے وقت تسبیح کی جو پابندی کرتا ہے اس کو اواہ کہتے ہیں۔ ابویوب کہتے ہیں کہ اواہ وہ ہے جو اپنے خطایا کو یاد کر کے استغفار کرتا رہے۔ مسلم بن بیان کہتے ہیں کہ ایک آدمی کثرت سے ذکر و تسبیح

کرتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ”اواہ“ کہا۔ (تفسیر ابن کثیر) کعب احبار نے کہا اواہ وہ شخص ہے جو اللہ کے خوف کی وجہ سے بہت زیادہ آہیں کھینچے (آہ آہ کرے) حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں دوزخ کے خوف سے بکثرت آہیں بھرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ گناہوں کی وجہ سے آہیں بھرنے والے کو آہ آہ کہا جاتا ہے۔ مال اور حاصل دونوں قولوں کا ایک ہی ہے (کہ بکثرت آہیں کھینچنے والے کو اواہ کہا جاتا ہے خواہ اللہ کے خوف اور دوزخ کے ڈر سے ہو یا اپنے گناہوں کے اندیشہ سے)

زجاج نے کہا ابو عبیدہ کا قول ان تمام معانی کو جامع ہے جو اواہ کے بیان کیے جاتے ہیں۔ حلیم کا معنی ہے دوسروں کی ضرر رساں حرکتوں سے درگزر کرنے والا (بردبار) حضرت ابراہیمؑ حلیم تھے باوجودیکہ باپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر توبہ باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا آپ کو (دوزخ سے) سلامتی نصیب ہو میں اپنے رب سے آپ کیلئے دعائے مغفرت کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبدالمطلب کا دین

ابن سعد نے طبقات میں اپنی خصوصی سندوں سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی ام ایمن سے کہا اے برکت میرے بیٹے کی طرف سے غفلت نہ کر میں نے پیری کے درخت کے پاس اس کو دیکھا تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا پیغمبر ہے۔ بات یہ ہے کہ عبدالمطلب دور جاہلیت میں تھے، آسمانی شریعتوں سے ناواقف تھے وہ زمانہ فترت کا تھا اور فترت کے زمانہ میں صرف توحید کا اقرار کافی ہے (فترت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں گزشتہ پیغمبر کی شریعت مٹ چکی ہو کالعدم ہو۔ اصل شریعت گم ہو چکی ہو اور نیا پیغمبر ابھی آیا نہ ہو) تمام شرائع سے عبدالمطلب کی ناواقفیت ابو جہل کو معلوم تھی اس کا وجہ سے اس کو اور ابوطالب کو یہ خیال قائم کرنے کا موقع ملا کہ عبدالمطلب کے مذہب کے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا مذہب پیش کر رہے ہیں اور ان کا جدید دین عبدالمطلب کے دین سے ٹکراتا ہے اس لئے ابوطالب نے کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اولاد آدم کے جتنے قرون (صدیاں) گزرے ان سب میں سے بہترین دور میں میں مبعوث ہوا (یعنی میرے آباؤ اجداد بہترین قرون میں قرن در قرن گزرتے گئے آخری قرن جو سب سے بہتر قرن ہے میری بعثت کا قرن

فرمایا کہ میں آسمان کا چرچرانا سن رہا ہوں اور وہ بوجھوں کیوں نہ دے اور کیوں نہ چرچرائے آسمان میں بالشت بھر جگہ بھی تو ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں موجود نہ ہو۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ سوئی کی نوک برابر بھی کوئی جگہ زمین میں ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ تسبیح خدا میں مصروف نہ ہو اور آسمان کے فرشتے ذرات زمین سے زیادہ تعداد میں ہیں اور عرش کے حامل فرشتوں کے ٹخنے سے ساق تک کی مسافت ایک سو برس کی مسافت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ
اللہ مہربان ہوا نبی پر اور
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ
مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے
اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ
نبی کے مشکل کی گھڑی میں ☆

غزوہ تبوک کی مشکلات

مشکل کی گھڑی سے مراد "غزوہ تبوک" کا زمانہ ہے۔ جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی، طویل مسافت، کھجور کا موسم، اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی، پھر ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ یہ ہی وہ جذبہ ایثار و فداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فلله الحمد والمنه۔ (تفسیر عثمانی)

ساعت سے مراد ہے وقت۔ عسرت، سختی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لئے سواری زاد راہ اور پانی کی بہت تنگی اور دشواری تھی۔ اس لئے غزوہ تبوک کو غزوہ العسر یا غزوہ جیش العسرت کہا جاتا ہے۔ غزوہ الجیش بھی اسی کو کہتے ہیں۔ کذا قال البغوی۔

سوار یوں اور غداء کی قلت

حسن نے کہا دس دس آدمیوں کے لئے صرف ایک ایک اونٹ تھا،

اس حدیث کے صحیح ہوتے ہوئے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ آباؤ اجداد میں کوئی کافر گذرا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ

اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جبکہ ان کو

هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ

راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے ان کو بچنا چاہئے

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے ☆

یعنی اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ گمراہی یہ ہے کہ جب خدا اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا پھر امتثال نہ کیا جائے۔ گویا اشارہ کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کیلئے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں۔ لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ

جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں

اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار ☆

حکم خدا ہی کا چلے گا

جب اس کی سلطنت ہے تو اسی کا حکم چلنا چاہیے وہ علم محیط اور قدرت کاملہ سے جو احکام نافذ کرے بندوں کا کام ہے کہ بے خوف و خطر تعمیل کریں۔ کسی کی رورعایت کو دخل نہ دیں، کیونکہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کا عبادت کرنا

حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کیا تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو کچھ نہیں سن رہے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

نہ ہونے کی شکایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اللہ نے فوراً ایک بادل بھیج دیا جس سے اتنی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔ ایک انصاری نے اپنے ساتھی سے جس کو لوگ منافق سمجھتے تھے کہا ارے دیکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کرنے سے اللہ نے ہم پر بارش کر دی وہ کہنے لگا۔ بارش تو فلاں فلاں ستاروں (کے طلوع اور گردش) کی وجہ سے ہوئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شرکت اور بشارت

محمد بن عمر کا بیان ہے ابوذر فرماتے تھے میں غزوہ تبوک میں اپنے اونٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا (ساتھ نہ جاسکا تھا) اونٹ بہت کمزور اور دبلا تھا میں نے خیال کیا کہ اس کو چند روز چارہ گوت (یعنی خوراک) دیدوں پھر پیچھے سے (تیزی کے ساتھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا چنانچہ میں چند روز تک اس کو چارہ دیتا رہا پھر روانہ ہو کر ذی المودہ میں پہنچا تھا کہ اونٹ اڑ گیا میں نے دن بھر اس پر محنت کی مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا آخر میں نے اپنا سامان اپنے اوپر لا دا اور (چل دیا)۔ دوپہر کو ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے رسول اللہ پر نظر پڑ رہی تھی (جانے والے) مسلمانوں میں سے کسی مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ شخص تنہا پیدل چل رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر ہو! تو اچھا ہے) لوگوں نے میری طرف غور سے دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ ابوذر ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو تنہا جا رہا ہے اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا ہوا بھی ایسا ہی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنی سرگزشت بتائی تو فرمایا ابوذر میرے پاس پہنچنے تک تو نے جو قدم اٹھایا، اللہ نے اس کے عوض تیرا ایک گناہ معاف کیا۔ (تفسیر مظہری)

تین پیچھے رہ جانے والے حضرات کی توبہ کی قبولیت

مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گزرنے کے وقت نازل ہوئی، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ جو اس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالکؓ کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائیگا۔ رات کی نیند مشکل ہو جائیگی۔ کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

باری باری سے دس آدمی ایک ہی اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے۔ ایک اترتا تھا تو دوسرا چڑھتا تھا، زادراہ کے لئے گھنے ہوئے چھوڑے اور خراب قسم کے جو تھے جو کچھ ساتھ تھا لوگ اس کو باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگ انتہائی بھوک کی وجہ سے ایک چھوڑے لے کر منہ میں گھماتے اور جب مزوہ لے لیتے تو اپنے ساتھی کو دیدیتے اور وہ اس کو چوستا پھر ایک گھونٹ اوپر سے پانی پی لیتا، اس طرح ایک ہی چھوڑے سب لوگ باری باری سے چوستے اور چوسنے میں ہی چھوڑے ختم ہو جاتا صرف کٹھلی رہ جاتی لیکن ایمان و یقین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جاتے تھے۔

امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے بیان کیا حضرت عمر نے فرمایا ہم سخت گرمی کے دنوں میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب) تبوک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ایک پڑاؤ پر اترے اور اتنی پیاس لگی کہ ہم نے خیال کیا اب ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی بعض لوگ پانی کی تلاش میں جاتے اور خیال ہوتا کہ یہ زندہ لوٹ کر نہ آئے گا۔ بعض لوگ اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کے اوجھ سے پانی نکال کر نچوڑ کر پی لیتے اور جو کچھ باقی رہتا اس کو اپنے کلیجے پر رکھ لیتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے دعائے خیر کا آپ کو عادی بنا دیا ہے (یعنی آپ دعائے خیر کرتے ہی ہیں اور اللہ آپ کی دعا قبول فرماتا ہے) اللہ سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم اس کو پسند کرتے ہو، حضرت ابو بکر نے عرض کیا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور لوٹا کر نیچے نہ لانے پائے تھے کہ بادل اٹھ کر (شکر پر) چھا گیا پھر اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کے پاس جو برتن تھے وہ سب نے بھر لئے۔ اس کے بعد جو ہم دیکھنے چلے (کہ کہاں کہاں بارش ہوئی) تو معلوم ہوا لشکر سے آگے کہیں بارش نہیں ہوئی۔

دُعاء سے بارش برسنا

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو حرزہ انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ (تبوک کے راستہ میں) حجر میں اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا یہاں کا پانی کوئی نہ لے پھر (وہاں سے) کوچ کرنے کے بعد دوسرے پڑاؤ پر اترے پانی کسی کے پاس نہ تھا لوگوں نے پانی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر اللہ کی مہربانیاں
خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السلام پر بے شمار ہیں اور آپ کی برکت
سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے
کہ ان کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا، اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ
اور عزائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل
وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا جھوم
دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے قریب تھا کہ رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے
پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان
کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین
کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا ط

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا ☆

غزوہ تبوک میں تین پیچھے رہ جانے والے

یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ہیں۔
جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بناء
پر بدون عذر شرعی کے تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور صلی
اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح
جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے کو ستونوں سے
باندھا جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا، اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا علانیہ
اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان
کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ ”اصحاب سواری“ کی (یعنی جو مسجد کے
ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ اور ان تینوں
کا فیصلہ تادیباً کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا۔ پچاس دن گزرنے
کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی پیچھے رکھے جانے کا یہ ہی مطلب ہے جیسا کہ
بخاری میں خود کعب بن مالک سے نقل کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

واقعہ کی تفصیل

حضرت کعب کی فضیلت

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد و ابن ابی شیبہ ابن اسحاق
اور عبد الرزاق نے حضرت کعب بن مالک کا بیان نقل کیا ہے حضرت
کعب نے فرمایا جس غزوہ پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

میں حاضری کیلئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کیلئے آ رہے
تھے، کعب فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل
ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں آپ کے گرد صحابہ
کرام کا مجمع ہے مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو کر
میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کر کے قبول توبہ پر مبارکباد دی، طلحہ
کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک
رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب! بشارت ہو تمہیں ایسے
مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لے کر آج تک سب سے
زیادہ بہتر دن ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم آپ کی طرف سے یا
اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے، تم
نے سچ بولا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرمادیا۔ (معارف مفتی اعظم)

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد

صراحی چون شود خالی جدا پیانہ می گردد

ایسے مشکل وقت میں جہاں ہر طرف سے مشقتوں اور صعوبتوں
کا جھوم ہو ضعف بشری کی بناء پر دل میں وساوس کا آجانا اگرچہ گناہ نہیں مگر
حمین صادقین کے شایان شان نہیں قانون محبت کے لحاظ سے ان
پر گرفت ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات اور خطرات سے
درگزر فرمایا بلکہ اس تنگدستی اور سختی کے وقت میں ساتھ دینے کی وجہ سے ان
کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا جیسا کہ اہل بدر کے بارہ میں
فرمایا تھا اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم۔ بدر پہلا غزوہ تھا اور تبوک
آخری غزوہ تھا جو عسرت اور شدت میں غزوہ بدر سے کہیں زیادہ تھا اس
لئے اس آخری غزوہ میں شریک ہونے والے حق تعالیٰ کی خاص الخاص
عنایات اور توجہات کے مورد بنے۔ (معارف القرآن کا نہ ہلوی رحمہ اللہ)

مَنْ بَعْدَ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ

بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں

فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط

بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر

لَئِنَّ بِهِمْ ذُنُوبًا رَّحِيمًا ط

بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ☆

گئے میں کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے غزوہ تبوک کے پیچھے نہیں رہا، ہاں غزوہ بدر میں ساتھ نہیں گیا تھا (اور بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ بھی نہ تھا کیونکہ) جو لوگ بدر کو نہ جاسکے ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے (لڑائی کا ارادہ ہی نہ تھا) لیکن بغیر کسی مقررہ وعدہ کے دشمن سے بحکم خدا مذبحھڑ ہو گئی۔ میں عقبہ والی رات میں بھی حاضر تھا (یعنی تیسرے عقبہ کے موقع پر جب انصار نے بیعت کی تھی میں بھی موجود تھا) وہاں ہم سب نے اسلام پر مضبوط عہد و پیمانہ کیا تھا، اگرچہ لوگوں میں بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے مقابلہ میں بدر کی شرکت میرے خیال میں افضل نہیں ہے۔

حضرت کعب کے رہ جانے کی وجہ

میرا واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں میں بڑا طاقت ور اور فراخ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں اتنا مرفہ الحال اور طاقت ور نہیں ہوا اس زمانہ میں پہلی ہی مرتبہ میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں ہوئیں اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو سواریاں نہیں ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تھے تو بطور توریہ کسی دوسرے جہاد کا نام لے دیتے تھے اور فرماتے تھے لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔ جب تبوک کے جہاد کا موقع آیا تو گرمی سخت تھی سفر طویل تھا راستہ میں بیابان تھے دشمنوں کی تعداد بہت تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت تھی بقول مسلم دس ہزار مسلمان ساتھ تھے۔ حاکم نے اکتیل میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کو جانے کے وقت ہماری تعداد بیس ہزار سے بھی زائد تھی۔ ابوزرعہ نے کہا کسی کتاب میں ان کے نام محفوظ نہ تھے۔ زہری نے کہا کتاب سے مراد رجسٹر ہے جو آدمی بھی غیر حاضر ہونا چاہتا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے میرا معاملہ پوشیدہ رہے گا (کسی کو پتہ نہ چلے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا ارادہ ایسے وقت کیا جب پھل اور (درختوں کے) سائے خوشگوار ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تیاریاں کر لیں اور جمعرات کے دن روانہ ہو گئے آپ سفر میں خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور غرض سے جمعرات کو روانہ ہونا ہی پسند فرماتے تھے میں

بھی (روزانہ) صبح کو تیاری کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا تھا مگر بغیر کچھ کئے واپس آجاتا تھا اور دل میں کہتا تھا مجھ میں استطاعت ہے جب چاہوں گا فوراً کر لوں گا یونہی وقت ملتا رہا یہاں تک کہ گرمی سخت ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اور میں اپنی کچھ بھی تیاری نہ کر سکا اور دل میں خیال کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دو روز میں تیاری مکمل کر کے پیچھے سے جا پہنچوں گا۔ مسلمانوں کی روانگی کے بعد میں تیاری کرنے کیلئے صبح کو نکلا مگر بغیر کچھ کئے لوٹ آیا پھر دوسرے روز صبح کو نکلا تب بھی کچھ نہیں کیا۔ اسی طرح مدت بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگ اور دور چلے گئے اور تیزی کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھ گئے اور میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ (جلد) کوچ کر کے ان کو پیچھے سے جالوں گا۔ کاش میں نے ایسا کر لیا ہوتا مگر میرے مقدر میں ہی نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا تھا تو گھومنے کے بعد مجھے یا تو صرف وہ لوگ نظر آتے تھے جو منافق کہے جاتے تھے یا وہ کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جن کو اللہ نے معذور بنا دیا تھا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ تبوک پہنچنے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا تذکرہ نہیں کیا تبوک پہنچ کر ایک روز آپ صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دریافت فرما کعب بن مالک کو کیا ہو گیا بنی سلمہ کے یا میری قوم کے ایک آدمی نے (جس کا نام حسب روایت محمد بن عمر عبد اللہ بن انیس سلمی تھا) کہا یا رسول اللہ اس کو اس کی دو چادروں نے اور (غور و فخر کے ساتھ) اپنے دونوں پہلوؤں پر دیکھنے نے نہیں آنے دیا (یعنی آجکل وہ مرفہ الحال ہے ایک چادر باندھتا ہے ایک اوڑھتا ہے اور دونوں طرف گردن موڑ موڑ کر اپنے مونڈھوں کو دیکھتا ہے اسی وجہ سے وہ نہ آسکا) معاذ بن جبل یا ابو قتادہ نے کہا تم نے بری بات کہی (ایسا نہیں ہے) یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے اس کے اندر سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی اطلاع

کعب بن مالک کا بیان ہے جب مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آنے کیلئے چل پڑے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کیلئے عذر بنانے لگا اور ایسی بات کی تیاری کرنے لگا کہ کل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

موجود ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بنا بھی دوں گا اور آپ راضی بھی ہو جائینگے تب بھی عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر سچ سچ کہدوں گا تو گو آپ ناراض ہو جائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ مجھے معاف فرمادے گا۔ بخدا مجھے کوئی عذر نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں اتنا طاقت ور اور فراخ حال (کبھی ہوا) تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچی بات کہدی اب تم اٹھ جاؤ اور اللہ جو کچھ چاہے گا تمہارے متعلق فیصلہ کر دے گا۔

بنی سلمہ کی ترغیب

میرے سچ بولنے کی وجہ سے بنی سلمہ کے کچھ لوگ برا بیچتے ہو گئے اور کہنے لگے، تو نے اس سے پہلے تو کوئی جرم کیا نہ تھا نہ اتنا کمزور تھا کہ جس طرح دوسرے شرکت نہ کرنے والوں نے اپنی عدم شرکت کے عذر کئے (اور عتاب سے بچ گئے) تو کوئی عذر نہ پیش کر سکتا (آئندہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت تیرے (اس) گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی تھی۔ غرض وہ برابر مجھے ڈانٹتے اور سرزنش کرتے رہے اور اتنی سرزنش کی کہ میرا ارادہ ہو گیا کہ دوبارہ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں لیکن میں نے کہہ دیا مجھ سے دو جرم یکجا نہیں ہو سکتے۔ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہیں گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بھی بولوں۔

دو دوسرے حضرات

پھر میں نے لوگوں سے دریافت کیا کیا میرے ساتھ ایسا کوئی اور بھی ہے جو تبوک کو نہیں گیا ہو (اور اس نے کوئی عذر تراشی بھی نہ کی ہو) لوگوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اسی طرح کی بات کہی تھی جیسی تو نے کی تھی اور ان کو بھی وہی ہدایت کی گئی جو تجھے کی گئی میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں لوگوں نے کہا مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔

ابن ابی حاتم نے حسن تابعی کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر کے نہ جانے کی وجہ تو یہ ہوئی کہ ان کا ایک باغ تھا جو کھل چکا تھا (یعنی اس میں خوشے لٹک رہے تھے) انہوں نے اپنے دل میں کہا اس سے پہلے میں (بہت) جہاد کر چکا ہوں۔ اگر اس سال اپنے گھر ٹھہرا ہوں تو کیا حرج ہے۔ لیکن جب ان کو اپنے جرم کا احساس

ناراضگی سے میں کس طرح بچ سکوں گا۔ مختلف اہل الرائے اور گھروالوں سے میں نے اس معاملہ میں مدد بھی لی پھر جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آپہنچے ہیں تو میرے دل سے تمام غلط خیالات جاتے رہے اور میں سمجھ گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہوگی اس کے ذریعہ سے میں ناراضگی سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یقین کر لیا کہ سچائی ہی مجھے نجات دے سکتی ہے۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

ابن سعد نے کہا رمضان میں (واپس پہنچے) کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر سے واپس) آتے تھے تو دن چڑھے مدینہ میں پہنچتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر وہیں بیٹھ جاتے تھے پھر وہاں سے حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد امہات المؤمنین کے ہاں جاتے تھے۔ حسب دستور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر وہیں لوگوں کے (معاملات سننے کے) لئے بیٹھ گئے اب تبوک کی شرکت سے رہنے والے لوگ آنے لگے اور (اپنے اپنے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے یہ سب لوگ کچھ اور اسی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر لیا۔ ان سے بیعت لے لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

خدمت اقدس میں حاضری

جب میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ مسکرا دیئے مگر مسکراہٹ غصہ آلود تھی اور فرمایا آؤ۔ میں چلتا چلتا سامنے پہنچ کر بیٹھ گیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے کیوں منہ پھیر لیا واللہ میں منافق نہیں ہوں، نہ مجھے (اسلام کی صداقت میں) کوئی شک ہے نہ میں (عقیدہ اسلام سے) بدل گیا ہوں فرمایا پھر تم (ساتھ جانے سے) کیوں رہ گئے کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا بیشک (میں نے سواری بھی خرید لی تھی) یا رسول اللہ! اگر میں کسی اور دنیا دار کے پاس اس وقت بیٹھا ہوتا تو خدا کی قسم کوئی عذر معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھ میں قوت کلامیہ (اور دلیل کی طاقت)

توجہ میری طرف ہوئی یا نہیں) جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور میری طرف منہ کر لیتے لیکن جب میں التفات نظر کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے جب مدت تک لوگ مجھ سے یونہی دور دور رہے تو ایک روز دیوار پھلانگ کر میں ابوققادہ کے پاس ان کے باغ میں پہنچ گیا ابوققادہ میرے چچا زاد تھے۔ یعنی قبیلہ بنی سلمہ سے تھے میرے باپ کے بھائی کے بیٹے نہ تھے مجھے ان سے بڑی شفقت تھی میں نے ان کو سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابوققادہ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں ابوققادہ خاموش رہے میں نے پھر اپنی بات دہرائی وہ خاموش رہے کوئی بات نہیں کی تیسری یا چوتھی بار کہنے کے بعد کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور لوٹ کر دیوار پھلانگ کر میں آ گیا۔

شاہ غسان کا خط

ایک روز بازار میں جا رہا تھا کہ علاقہ شام کا رہنے والا ایک دیہاتی نظر پڑا یہ شخص غلہ لے کر مدینہ میں بیچنے آیا تھا کسی سے اس نے پوچھا مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا دے لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا وہ میرے پاس آیا اور ایک خط مجھے دیا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا (یعنی بادشاہ شام کی طرف سے) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی شام میں تھا اس نے بھیجا تھا خط ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم کو دور کر دیا ہے اور پرے پھینک دیا ہے اور اللہ نے تم کو ایسا نہیں بنایا کہ ذلت کے مقام میں رہو اور تمہارا حق ضائع کیا جاتا رہے اس لئے اگر تم سکونت منتقل کرنا چاہتے ہو تو ہم سے آلو ہم تمہاری ہمدردی کریں گے خط پڑھ کر میں نے کہا یہ بھی (اللہ کی طرف سے) آزمائش ہے کہ کافر بھی میرا لالچ کرنے لگے (میری ذات کافروں کے لالچ کی جولان گاہ بن گئی) پھر میں نے تحریر کو تنور میں جھونک دیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت کا شکوہ کیا اور عرض کیا، آپ کی مجھ سے روگردانی اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مشرک میرا لالچ کرنے لگے۔

بیویوں سے الگ ہونے کا حکم

جب پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو اچانک

ہوا تو کہنے لگے اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اس کو تیری راہ میں خیرات کرتا ہوں (اسی نے مجھے جانے سے روکا ہے) اور دوسرے صاحب کا واقعہ یہ ہوا کہ ان کے گھر والے کہیں (سفر میں) منتشر تھے لوٹ کر آئے تو کہنے لگے اس سال (جہاد کو) نہ جاؤ ہمارے پاس رہو (تو کوئی حرج نہیں) ان کو بھی اپنے جرم کا احساس ہوا تو انہوں نے (اللہ سے عہد کیا اور) کہا اے اللہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے اور مال کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا (تا وقتیکہ تیرا جدید حکم نہ ہو)

کعب کا بیان ہے لوگوں نے میرے سامنے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہو چکے تھے اور جن کی پیروی کی جاسکتی تھی ان کا نام سن کر میں اپنی سابق بات پر قائم رہا۔

ان سے بولنے کی ممانعت

جو لوگ تبوک کو نہیں گئے تھے ان میں سے صرف ہم تینوں سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کلام کرنے کی ممانعت فرمادی لوگ اس فرمان کے بعد ہمارے لئے بالکل بدل گئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے ہم صبح کو لوگوں میں نکلتے تھے مگر کوئی ہم سے سلام کلام نہیں کرتا تھا۔ نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا۔ عبدالرزاق کی روایت ہے۔ لوگ ایسے بدل گئے کہ گویا وہ ہم کو جانتے ہی نہیں ہیں درود دیوار اجنبی ہو گئے وہ درود دیوار ہی نہ رہے جن کو ہم پہچانتے تھے۔ میرے لئے سب سے زیادہ رنج آفرین یہ خیال تھا کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میری یہی حالت قائم رہے گی نہ کوئی مجھ سے کلام کرے گا نہ میرے جنازہ کی نماز پڑھے گا یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سرزمین ہی میرے لئے اجنبی ہو گئی وہ بستی وہ نہ رہی جو میری شناختی یہ حالت پچاس رات قائم رہی میرے دونوں ساتھی تو کمزور تھے وہ گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں طاقت ور اور جوان تھا گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے کلام سلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جلسہ میں بیٹھے ہوتے تو میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور دل میں کہتا کیا حضور نے سلام کا جواب دینے کیلئے لب مبارک ہلائے یا نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر (دانستہ) نماز پڑھتا اور کن آنکھوں سے دیکھتا رہتا (کہ حضور کی

ہونے کے میرے لئے تنگ ہو گئی تھی یکدم ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی جو کوہ سلج پر چڑھ کر انتہائی اونچی آواز سے چیخا تھا اے کعب بن مالک تجھے خوش خبری ہو۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ کوہ سلج پر چڑھنے والے حضرت ابو بکر تھے آپ نے ہی پکار کر کہا اللہ نے کعب پر رحم فرمادیا۔ اے کعب خوش ہو جا۔ عقبہ کی روایت ہے کہ دو آدمی دوڑے ہوئے کعب کو بشارت دینے کیلئے گئے ایک آگے بڑھ گیا جو پیچھے رہ گیا وہ کوہ سلج پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس نے ندا کی اے کعب توبہ قبول ہونے کی تجھے بشارت ہو۔ اللہ نے تم لوگوں کے بارے میں قرآن نازل فرمادیا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کیلئے دوڑنے والے یہ دونوں حضرات حضرت ابو بکر و حضرت عمر تھے۔

کعب کا بیان ہے آواز سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ کشائش کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا لوگ ہم کو بشارت دینے کیلئے آگئے کچھ اور لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کیلئے پہنچے ایک شخص گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا محمد بن عمر نے کہا یہ زبیر بن عوام تھے قبیلہ اسلم کا ایک اور شخص بھی دوڑ پڑا مگر گھوڑے کے پہنچنے سے پہلے مجھے آواز پہنچ گئی تھی اس لئے جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی یعنی حمزہ اسلمی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے خدا کی قسم میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کپڑے ہی نہ تھے ابو قتادہ (بروایت محمد بن عمر) سے دو کپڑے عاریتہ لے کر میں نے پہنے۔ ہلال بن امیہ کو قبول توبہ کی خوش خبری دینے سعد بن زید گئے تھے ہلال نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا مسلسل روزے رکھ رہے تھے اور برابر رونے میں مشغول تھے میرا خیال تھا کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے ان کی جان نکل جائے گی حرارہ بن ربیع کو بشارت سلکان بن سلامہ نے دی یہ سلامہ بن ویش کے باپ تھے۔

خدمت نبوی میں حاضری

کعب بن مالک کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں کے گروہ درگروہ مبارک باد دینے کیلئے مجھ سے ملتے رہے۔ آخر میں مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد لوگ بھی موجود تھے مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے اور لپک کر میری طرف بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی مہاجرین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس پہنچا محمد بن عمر نے اس قاصد کا نام خزیمہ بن ثابت بتایا ہے یہی قاصد مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گیا۔ قاصد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں نے کہا کیا طلاق دے دوں یا کچھ اور۔ اس نے کہا طلاق کا حکم نہیں ہے اس سے الگ رہو قربت نہ کرو میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی حکم پہنچا حسب الحکم میں نے اپنی بیوی سے کہا اپنے گھر چلی جا اور فیصلہ قطعی ہونے تک وہیں رہ۔ ہلال بن امیہ کی بیوی یعنی خولہ بنت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہلال بن امیہ بوڑھا آدمی ہے اپنا کام خود نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ کیا اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کا باعث ہوگا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، وہ بوڑھا ہے نظر بہت کمزور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (کام کر دینے کی ممانعت نہیں ہے) مگر وہ تجھ سے قربت نہ کرے۔ عورت نے کہا خدا کی قسم اس کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں ہے جب سے اس کا یہ واقعہ ہوا ہے برابر آج تک رونے میں مشغول ہے۔ کعب کا بیان ہے مجھ سے بھی میرے کسی گھر والے نے کہا اگر ہلال بن امیہ کی بیوی کی طرح تم بھی اپنی بیوی کے لئے رسول اللہ سے اجازت لے لو کہ وہ تمہاری خدمت کر دیا کرے تو مناسب ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ کیا معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں اور میں تو جوان آدمی ہوں (مجھے دوسرے سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے) اسی حالت میں دس راتیں اور گزر گئیں اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

توبہ کی قبولیت

عبدالرزاق کی روایت میں کعب کا قول آیا ہے ایک تہائی رات کے وقت ہماری توبہ قبول ہونے کی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا نبی اللہ کیا کعب بن مالک کو ہم بشارت دیدیں۔ فرمایا (اس وقت قبول توبہ کی اطلاع دوگی) تو لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور باقی رات میں سونے نہ دیں گے۔ (فجر کو اطلاع دیدینا)

کعب کا بیان ہے پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر کی چھت پر (بیٹھا) تھا اور میری حالت وہ تھی جو اللہ نے بیان فرمائی ہے (ضاق علیہم الارض بما رحبت) زمین باوجود فراخ

حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ

یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود

بِأَرْحَبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ

کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر

أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنْ

ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں

اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمُ

اللہ سے مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر

لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

تا کہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا ☆

واقعہ کے بعض اہم اجزاء

ان تین میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب موثر طرز میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اس کے بعض اجزاء نقل کئے جاتے ہیں۔

سفر تبوک کی تیاری کا اعلان

کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گذار تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عام حکم تیاری کا دیا۔ لوگ مقدور استطاعت کے موافق سامان سفر درست کرنے میں مشغول تھے مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا۔ کیونکہ بفضل ایزدی اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دیدیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو کیا ہے، اگلی منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ آج چلوں کل چلوں اسی (روز و فردا میں وقت نکل گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت کعب کے متعلق پوچھنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر فرمایا ”ما فعل کعب بن مالک“ (کعب بن مالک کو کیا ہوا) نبی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! اس کی

میں سے سوائے طلحہ کے اور کوئی نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ بات نہیں بھولوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دن سے بہتر دن کی تجھے بشارت ہو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے فرمایا نہیں، اللہ کی طرف سے ہے۔ تم لوگوں نے اللہ سے سچا معاملہ کیا اللہ نے بھی تم کو سچا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ خوشی کے وقت آپ کا چہرہ چمکنے لگتا تھا معلوم ہوتا تھا چاند کا ٹکڑا ہے ہم دیکھ کر پہچان لیتے تھے (کہ حضور اس وقت خوش ہیں) توبہ کی تکمیل

جب میں سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ کا تمہ یہ ہے کہ اپنے کل مال سے دست بردار ہو جاؤں اور بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں پیش کر دوں، فرمایا کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے میں نے عرض کیا اچھا نصف مال (سے دست بردار ہوتا ہوں) فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو ایک تہائی (قبول فرمایا لیجئے) فرمایا اچھا، میں نے عرض کیا تو خیر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو روک رکھتا ہوں پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات دی ہے لہذا میری توبہ کا تمہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے جو کرم اللہ نے مجھ پر کیا ہے کسی اور پر اس سے بہتر احسان کیا ہوگا چنانچہ اس عہد کے بعد آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور امید ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اللہ جھوٹ بولنے سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

اللہ نے توبہ قبول فرمانے کے سلسلہ میں

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ..... سے

..... و کو نو مع الصادقین، تک آیات نازل فرمائیں۔ خدا کی قسم جب سے اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اس کے بعد سے کوئی اس نعمت سے بھی نہیں عنایت کی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہنے سے مجھے ملی اگر میں جھوٹ بول دیتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اور اللہ نے بدترین الفاظ میں ان کا ذکر کیا فرمایا سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ..... فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ. (تفسیر مظہری)

پہلا حکم: ہم تینوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے، سب علیحدہ رہیں چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے، شب دروز گھر میں وقف گریہ و بکا رہتے تھے، میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کیلئے حاضر ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا۔ آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے مخصوص اقبال اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے برگانہ ہو گئے تھے۔

میرا امتحان: اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ "غسان" کا خط مجھے دیا۔ جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آ جاؤں وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔

دوسرا حکم: چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں، چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے۔ اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اور فرض کیجئے ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو مسلمان ہمیشہ یہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا۔

مشکل کے پچاس دن

غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا، زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔

خوشخبری: یکا یک جبل سلح سے آواز آئی "یا کعب بن مالک! اشر" (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہے۔ آپ نے بعد نماز فجر صحابہ کو مطلع فرمایا، ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے۔ مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے لکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی۔ اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور مجھے مبارکباد دیتے تھے مہاجرین

عیش پسندی اور اعجاب وغرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔

روانگی کے بعد کی حالت

کعب کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے ہوئی تھی کہ سارے مدینہ میں بکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہر حال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کئے کہ آپ واپسی پر فلاں فلاں عذ کر کے جان بچا لوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے، دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دلائیواالی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچی بات عرض کر دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز تھے، اصحاب کا مجمع تھا، منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دیگا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گوتھوڑی دیر کیلئے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن امید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا۔ اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یا رسول اللہ واقعہ یہ ہے۔ کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہوا، اس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی، میں مجرم ہوں، آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع) یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔

تیرا رب ہوں۔ اس مسافر کو اونٹنی کے دست یاب ہونے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ کو بندہ کے توبہ کرنے سے ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ (رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

مسئلہ:- اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کسی گناہ کی سزا میں مسلمانوں کے امیر کو یہ بھی حق ہے کہ کسی شخص سے سلام و کلام قطع کر دینے کا حکم دیدے جیسے اس واقعہ میں ان تین بزرگوں کے متعلق پیش آیا۔

صحابہ کی محبت:- اس واقعہ سے صحابہ کرام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت معلوم ہوئی کہ اس ناراضی اور مقاطعہ سلام و کلام کے زمانہ میں بھی غایت محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری بھی نہیں چھوڑی اور کن انھیوں سے دیکھ کر آپ کی توجہ اور تعلق کا حال معلوم کرنے کی فکر رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا اثر

کعب بن مالک کے گہرے دوست قنادہ کا معاملہ کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور کوئی کلام نہ کیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ کسی دشمنی یا مخالفت یا بغض سے نہیں بلکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وجہ سے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا قانون صرف لوگوں کے ظاہر پر نافذ نہ ہوتا تھا بلکہ دلوں پر بھی اس کی حکومت ہوتی تھی اور حاضر و غائب کسی حال میں اس کے خلاف نہ کرتے تھے اگرچہ اس میں کسی بڑے سے بڑے دوست عزیز کے خلاف ہی ہو۔

صحابہ کے ایمان کی پختگی

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بادشاہ غسان کا خط آنے اور اس کو تور میں ڈالنے کے واقعہ سے صحابہ کرام کے ایمان کی انتہائی پختگی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے مقاطعہ سے سخت پریشان ہونے کے عالم میں بھی ایک بڑے بادشاہ کے لالچ دلانے سے ان کے دل میں کوئی میلان پیدا نہیں ہوا۔

قبول توبہ نازل ہونے کے بعد صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عام صحابہ کرام کا کعب بن مالک کو بشارت دینے کیلئے دوڑنا اور اس سے پہلے سب کا سلام و کلام تک سے سخت پرہیز کرنا یہ ظاہر کرنا ہے کہ مقاطعہ کے زمانے میں ان سب کے دلوں میں حضرت کعب سے محبت اور تعلق تھا، مگر حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب کچھ چھوڑا ہوا تھا، جب آیت توبہ نازل ہوئی تو ان کے گہرے تعلق کا انداز ہوا۔

میں سے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تمہ ہے کہ اپنا کل مال و جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سب نہیں کچھ اپنے لئے روکنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی، اس لئے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا، اس عہد کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے۔ مگر الحمد للہ میں سچ کہنے سے کبھی نہیں ہٹا۔ اور نہ ان شاء اللہ تازیست ہٹونگا۔ یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا ان تینوں پر خدا کی پہلی مہربانی توبہ ہی تھی کہ ایمان و اخلاص، بخشش، نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبہ نصوح کی توفیق دیکر پھر اپنی طرف کھینچ لیا اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔

سچی توبہ:- ابو بکر وراق نے کہا خالص سچی توبہ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر یہ لمبی چوڑی زمین تنگ ہو جائے اور دل میں سخت بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے جیسے ان تینوں حضرات کی توبہ تھی۔

توبہ کے مواقع

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رات میں (توبہ قبول فرمانے کیلئے) اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو گناہ کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا (دن میں) توبہ کر لے یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب سورج مغرب سے برآمد ہوگا (یعنی قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا جب سورج مغرب سے نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا) (رواہ مسلم۔)

توبہ سے اللہ خوش ہوتا ہے

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی بیابان صحراء میں (سفر کی حالت میں) تم میں سے کسی کی سواری کی اونٹنی گم ہو جائے اور اونٹنی پر ہی اس مسافر کے کھانے پینے کا سب سامان ہو اور ڈھونڈ کرنا امید ہو کر یہ شخص کسی درخت کے سایہ میں لیٹ کر سو جائے پھر اچانک اس کی آنکھ کھل جائے تو اونٹنی کو اپنے پاس کھڑا پائے اور فوراً اونٹنی کی نیکیل پکڑ لے اور انتہائی خوشی کی وجہ سے (زبان بے قابو ہو جائے اور) بول اٹھے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں

بدقسم کہ مشکلی یا عیبری کہ از بونے دلاویز تو مستم
بگنٹامن گلے ناچیز بودم لیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشین درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاتم کہ ہستم

(معارف القرآن کا نہ معلوم)

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

سابقہ آیات میں جو واقعہ تحلف عن الجہاد کا بعض مخلصین سے پیش آیا پھر ان کی توبہ قبول ہوئی یہ سب نتیجہ ان کے تقویٰ اور خوف خدا کا تھا، اس لئے اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کیلئے ہدایت فرمائی گئی، اور وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ صفت تقویٰ حاصل ہونیکا طریقہ صالحین وصادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے، اس میں شاید یہ اشارہ بھی ہو کہ جن حضرات سے یہ لغزش ہوئی، اس میں منافقین کی صحبت و مجالست اور ان کے مشورہ کو بھی دخل تھا۔ اللہ کے نافرمانوں کی صحبت سے بچنا چاہیے اور صادقین کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔

عالم و صالح کی پہچان

اس جگہ قرآن حکیم نے علماء صلحاء کے بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بھی بتلا دی ہے کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ نیت و ارادے کا بھی سچا ہو قول کا بھی سچا ہو، عمل کا بھی سچا ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ

نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان

حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا

کے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا

رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ

بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ

اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے ☆

حضرت خیشمہ کی حضور سے محبت

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تکلیفیں اٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں ایسا نہیں چاہیے حدیث میں ہے کہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک

مبارک باد دینا: صحابہ کرام کا حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے اور مبارکباد کیلئے جانے سے معلوم ہوا کہ کسی خوشی کے موقع پر اپنے دوست احباب کو مبارک باد دینا سنت سے ثابت ہے۔

توبہ اور مال کا صدقہ

کسی گناہ سے توبہ کے وقت مال کا صدقہ کرنا گناہ کے اثر کو زائل کرنے کیلئے بہتر ہے مگر تمام مال خیرات کر دینا اچھا نہیں، ایک تہائی مال سے زائد صدقہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے

وَكَوْنُوا مَعَ الصَّادِقِينَ^(۱۹)

اور رہو ساتھ سچوں کے ☆

سچوں کی صحبت

یعنی سچوں کی صحبت رکھو اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو ”درک اسفل“ کے مستحق بنے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد تقویٰ ضروری ہے اور پھر صادقین اور صالحین کی معیت یعنی صحبت بھی ضروری ہے کیونکہ اتقوا اللہ کے بعد وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ کا حکم دیا جو جوہر اور لزوم کیلئے ہے کوئی کمال بدون کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ محض مطالعہ کتب کافی نہیں جب تک کسی عالم کی صحبت میں اور خدمت میں رہ کر علم حاصل نہ کیا جائے صحابیت کی حقیقت ہی شرف صحبت ہے اور روافض اسکے منکر ہوئے سزاوار ہو گئے۔

مجلس کا اثر: صحبت اور مرافقت کا اثر تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے طبیعت میں سرقہ (چوری) کا مادہ موجود ہے ایک ساتھی کی طبیعت دوسرے ساتھی کے اخلاق اور عادات کو چراتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظالموں اور فاسقوں سے دوستی اور ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ تاکہ ہمنشین کے ظلم اور فسق کے جراثیم اس تک متعدی نہ ہوں۔ مجزوم خواہ جسمانی ہو یا روحانی شرعاً و طبعاً اس سے اجتناب ضروری ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

گل خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

میں پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوشگوار سایہ تھا، حسین و جمیل بیوی سامنے تھی اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا، چٹائی کافر ش کیا، تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے۔ اور سرد شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعۃً ابوخیثمہ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوشگوار سائے، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں، اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تشنگی کے عالم میں کوہ و بیابان طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی تلوار جمائل کی نیزہ سنبھالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آ رہا ہے، فرمایا ”کن ابایثمہ“ (ہو جا ابوخیثمہ) تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابوخیثمہ ہی تھے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابة ورضوا عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ ان کی فرد حسنات میں درج کر دیے جائینگے جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی) جہاد کی برکتیں

جہاد ایک بھلائی ہے (سب انسانوں کے حق میں) کافروں کے حق میں جہاد کا بھلائی ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ کافروں کو دوزخ سے رہا کرانے اور ان کی انسانیت کو مکمل کرنے کی یہ انتہائی کوشش ہے جیسے پاگل کو مارنا (کبھی اس کیلئے علاج ہوتا ہے) اور بچہ کو ادب سکھانے کے لئے مارنا (اس کے حق میں بھلائی ہوتا ہے) مومنوں کے حق میں جہاد کی بھلائی یہ ہے کہ جہاد ہی کے ذریعے سے اہل ایمان کافروں کی چیرہ دستی اقتدار اور تسلط سے محفوظ رہتے ہیں حضرت ابو عبس کی روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں جس کے قدم گروا لو وہ ہوں گے اللہ نے اس کیلئے دوزخ حرام کر دی ہے۔ (رواہ البخاری فی الصحیح و احمد فی المسند والترمذی والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا جب تک جہاد سے واپس نہیں آتا اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے (ہر روز) روزہ رکھنے والا (رات کو) نماز پڑھنے والا اللہ کی آیات کی تلاوت کرنے والا جو روزہ نماز سے سست نہیں پڑتا ہو (چستی کے ساتھ برابر مشغول رہتا ہو) یعنی ان کے اچھے اعمال کی جزا اچھے عمل سے مراد ہے جہاد۔ یا ان کے اعمال کی اچھی جزا۔ حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت ہے کہ ایک آدمی ٹیکل پڑی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو ٹیکل پڑی اونٹنیاں ملیں گے۔ (رواہ مسلم) حضرت زید بن خالد راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کیلئے سامان تیار کر کے دیا، اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے بیوی بچوں کی اس کے بعد خبر گیری کی اس نے بھی جہاد کیا۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ
یہ اس واسطے کہ جہاد کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس
وَلَا انْصَابٌ وَلَا غُبُصَةٌ فِيْ
اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطْوُونَ مَوْطِئًا
راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے
يَغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ
کہ خفاہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن
عَدُوِّ نَبِيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ
سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے
عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ
اس کے بدلے نیک عمل بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا
اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾
حق نیکی کرنے والوں کا ☆

یعنی باوجودیکہ ان میں سی اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا، یا تکلیف پہنچنا، اختیاری کام نہیں، تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان

وَلَا يَنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً

اور نہیں خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا

وَلَا كَبِيْرَةً وَلَا يَقْطَعُوْنَ

اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں

وَادِيًّا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

کوئی میدان مگر لکھ لیا جاتا ہے ان کے واسطے ☆

دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد کیلئے تشریف لے جا رہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث و واقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آ کر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔ کمافی ”روح المعانی“ وغیرہ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ہر قوم میں سے چاہے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں۔ طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام ہو جائے تو ”فرض عین“ ہو جاتا ہے۔ تبوک میں یہ ہی صورت تھی اس لئے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابو حیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں، طلب علم کے بارہ میں ہے۔ جہاد اور طلب علم کی آیات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء و اعلاء دین ہے۔ ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد فرض کفایہ ہے

تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر بقدر ضرورت مسلمانوں کی جماعت جہاد کرے گی تو باقی مسلمانوں کے سروں سے فرض اتر جائے گا۔

سعید بن مسیب کے نزدیک جہاد فرض عین ہے کیونکہ جہاد کے احکام عمومی ہیں اور جو لوگ تبوک کے جہاد کو نہیں گئے تھے ان کے معاملہ میں سخت احکام نازل کیے گئے ہم کہتے ہیں جب جہاد کا اعلان عام ہو تو باقی علماء ہر شخص پر جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے جیسے غزوہ تبوک کے موقع پر ہوا ورنہ فرض کفایہ ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے۔
لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَلْخِ اس آیت کے آخر میں

خروج کرنا یا میدان طے کرنا، خود عمل صالح اور اختیاری افعال ہیں۔ اسی لئے یہاں ”إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ“ فرمایا۔ گذشتہ آیت کی طرح ”إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ“ نہیں ارشاد ہوا۔ نبی علیہ ابن کثیر

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا

تا کہ بدلا دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۱﴾

جو کرتے تھے ☆

یعنی بہترین عمل کی بہترین جزاء دیگا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں

كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں

مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي

سے ان کا ایک حصہ تا کہ سمجھ پیدا کریں

الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ

دین میں اور تا کہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو

إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ

يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

بچتے رہیں ☆

ہر جہاد میں سب کا نکلنا فرض عین نہیں ہے

گذشتہ رکوعات میں ”جہاد“ میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے۔ اس آیت میں فرما دیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ

ہے و کلا وعد اللہ الحسنی ہر فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے۔ (لیکن بھلائی کے مراتب میں تفاوت ہے) فقہ کا علم

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا نفس کے ضرر رساں اور فائدہ بخش امور کو جاننا فقہ ہے (خواہ فکر و عقیدہ کے لحاظ سے ہو یا قول و عمل کے اعتبار سے۔ اصول کا علم ہو یا فروع کا) فروع دین کے علم کو خصوصیت کے ساتھ فقہ کہنا اصطلاح جدید ہے۔ (قرن اول میں یہ خصوصیت نہیں تھی)

ظاہر یہ ہے کہ لفظ فقہ کے اندر مقلد کا علم بھی داخل ہے مجتہد سے یا مجتہد کی کتاب سے علم حاصل کرنے سے اس فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی (بس) دو ہیں عالم اور متعلم ان کے سوا باقی (آدمیوں) میں کوئی خیر نہیں۔

خبر احاد:- آیت دلالت کر رہی ہے کہ خبر آحاد (شرعی) حجت ہے (یعنی کسی مسئلہ کو جاننے کے لئے خبر آحاد کو بشرطیکہ وہ قابل وثوق روایت سے پہنچی ہو ماننا ضروری ہے) کیونکہ آیت میں ”کل فرقہ“ کا لفظ عام ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی بستی میں تین ہی آدمی ہوں تو ان میں سے بھی کسی ایک کو علم حاصل کرنے کے لئے جانا اور سیکھ کر واپس آ کر دوسروں کو بتانا ضروری ہے اگر تو اتر کے بغیر کوئی خبر قابل تسلیم نہ ہو تو کل فرقہ کے لفظ کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

علم حاصل کرنے کی حیثیت

فقہ کا کچھ حصہ تو فرض عین ہے کچھ فرض کفایہ۔ صحیح عقائد اور ضروری اعمال جیسے طہارت نماز روزہ زکوٰۃ حج اور تمام فرائض کا علم فرض عین ہے عبادات کے علاوہ وہ معاملات جو سامنے آتے رہتے ہیں اور جن سے واسطہ پڑتا رہتا ہے ان کو جاننا بھی فرض عین ہے مثلاً تاجروں کے لئے بیع صحیح بیع فاسد۔ سود وغیرہ کے احکام جاننا لازم ہے جو ٹھیکہ یا مزدوری یا نوکری وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کیلئے ان کے احکام کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کی طلب ہر مسلمان مرد پر فرض ہے یہ حدیث حضرت انس کی روایت سے ابن عدی اور بیہقی نے اور حضرت امام حسن بن علی کی روایت سے خطیب نے اور طبرانی نے صغیر میں نیز طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس کی روایت سے اور الکبیر میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے

اور خطیب نے حضرت علی کی روایت سے اور طبرانی نے الاوسط میں نیز بیہقی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت انس کی روایت میں حسب نقل ابن عبد البر اتنا زائد بھی آیا ہے کہ طالب علم کیلئے ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں بھی (دعا مغفرت کرتی ہیں) ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں اور اللہ مصیبت زدوں کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔

فرض کفایہ یہ ہے کہ ہر موضوع کے مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے یہاں تک کہ فتویٰ دینے کے مقام پر پہنچ جائے۔ اگر کسی شہر کا کوئی آدمی ایسا عالم نہ ہوگا اور ایک شخص بھی اس درجہ پر فائز نہ ہوگا اور سب بیٹھ رہیں گے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر ایک بھی تکمیل علمی کیلئے تیار ہو جائے گا تو سب کے سر سے فرض ساقط ہو جائے گا اور سب پر اس کی تقلید لازم ہوگی جو واقعات پیش آئیں ان کے فیصلے کیلئے اس عالم کی طرف سب بستی والے رجوع کریں۔

تخصیص علم ہر نفل عبادت سے افضل ہے حضرت ابن عباس کی روایت سے مؤلف سنہ الفردوس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کی طلب اللہ کے نزدیک نماز روزہ حج اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے افضل ہے یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ ایک گھڑی علم کی تحصیل ایک رات کے قیام (نماز) سے اور ایک دن علم کی طلب تین دن کے روزے رکھنے سے افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ بلاشبہ اللہ (رحمت کرتا ہے) اور اللہ کے فرشتے اور آسمانوں والے اور زمینوں والے یہاں تک کہ سوراخوں کے اندر چیونٹیاں اور پانی کے اندر مچھلیاں اس شخص کے لئے دعائے رحمت کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے رواہ الترمذی بسند صحیح عن ابی امامۃ۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہزار عابدوں سے ایک عالم شیطان پر زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال (کا فائدہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ۔ یادہ علم جس سے لوگ نفع حاصل کریں۔ یا نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرے۔

علم لدنی:- علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہوتے ہیں فرض

عین ہے کیونکہ اس باطنی علم کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ کے سوا ہر چیز کی رغبت کو دل سے نکال دینا ہر دم اللہ کے سامنے اپنے کو حاضر سمجھنا خود پسندی، غرور حسد دنیا کی محبت، عبادات میں سستی، خواہشات، نفس ریا کاری شہرت طلبی اور دوسرے اخلاقی باطنی عیوب سے نفس کو پاک رکھنا۔

(۲) گناہوں سے توبہ، رضا بالقضا مصائب پر صبر نعمتوں کا شکر اور دوسرے اچھے خصائل و مکارم اخلاق سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے ان ممنوعات سے پرہیز اور فرائض کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے جن کا تعلق اعضاء جسمانی سے اگر اخلاص اور نیت کی صحت نہ ہو تو نماز روزہ اور دوسری عبادتیں ناقابل اعتبار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص ہو اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے کیا گیا ہو۔ رواہ النسائی عن ابی امامۃ۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں کرتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز پر فرض عین کا مدار ہو وہ خود فرض عین ہوگی لہذا علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہیں فرض عین ہے۔

سبب نزول

آیت کے نزول کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے بغوی نے بروایت کلبی اور ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ و عبد اللہ بن عمیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب غزوہ تبوک کے سلسلہ میں منافقوں کے عیوب اللہ نے بیان فرمائے اور آیت إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا نازل ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہادی دستے (مختلف اطراف میں) بھیجنے لگے تو سب مسلمان جہاد کو نکلنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر جانے لگے۔ عکرمہ کی روایت میں آیا ہے کہ کچھ دیہاتی صحرا نشین جہاد کو نہیں گئے منافق کہنے لگے یہ بدوی تباہ ہو گئے (انہوں نے حکم جہاد کی پابندی نہیں کی) اس پر آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا (یعنی الی الغزو) كَأَفَّةً فَلَولا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ (یعنی عظیمہ) طَائِفَةً (یعنی الی الغزو و قتی طاقت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم) لَيَتَفَقَّهُوا (ای القاعدون) فِي الدِّينِ (ای القرآن والسنن والقرآن والقرآن والاحکام) نازل ہوئی مطلب یہ کہ تمام مسلمانوں کو جہاد پر نہ

چلا جانا چاہیے بلکہ بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹی جماعت کو جہاد پر جانا لازم ہے اور ایک جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن، سنت، فرائض اور احکام سیکھنے کیلئے رہنا چاہیے تاکہ فوجی دستے جب واپس آئیں تو ان کو یہ لوگ بتا سکیں کہ ان کے جانے کے بعد کیا احکام نازل ہوئے۔ چنانچہ (اس آیت کے نزول کے بعد) ایسا ہی ہونے لگا۔ کچھ جماعتیں رسول اللہ کے پاس رکی رہیں اور کچھ دستے چلے جاتے اس طرح دینی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پاتا۔

بعثت کی غرض

دینی تفسیر جہاد اکبر ہے بعثت کی اصل غرض ہی یہ ہے کہ دلائل کے ساتھ اسلامی احکام کو پیش کیا جائے (تکوار سے جہاد کا درجہ تو دفاعی ہے تبلیغی جہاد کا درجہ اعلیٰ ہے) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے جانشین ہیں اس شان نزول اور اس مطلب کی صورت میں لیتفقہوا اور لیندروا کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہوں گی جو جہادی دستوں کی روانگی کے بعد تحصیل علم کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور رجوعوا کی ضمیر جہاد پر جانے والے دستوں کی طرف راجع ہوگی۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کا حکم اس صورت کے لئے مخصوص ہوگا جب (بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) جہاد پر مسلمانوں کے دستے گئے ہوں اور ترک جہاد کی ممانعت کا حکم اس صورت میں ہوگا جب رسول اللہ خود تشریف لے جائیں۔

حسن کا قول ہے کہ لیتفقہوا اور لیندروا کی ضمیریں ان مسلمانوں کے دستوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد پر گئے ہوں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ایک فرقہ (ہر گروہ میں سے) جہاد پر چلا جائے اور دین کی نصرت اور مشرکوں پر غالب ہونے کا خود مشاہدہ کرے اور سمجھے اور پھر جہاد سے واپس آنے کے بعد اپنی قوم کے کافروں کو بتائے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو فتح عنایت فرمائی اور اس اطلاع دینے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی قوم کے کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے سے باز رہیں اور ڈرتے رہیں کہ جو دوسرے کافروں کا حال ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کر کے ہمارا بھی وہی حال ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو ادا کر دے گی تو سب کے سروں سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے

احکام ظاہرہ نماز، روزے کو تو سبھی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں، اور ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ اعمال باطنہ اور محرمات باطنہ کا علم جس کو عرف میں علم تصوف کہا جاتا ہے چونکہ یہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرض عین ہیں تو ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔
فرض کفایہ

پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن و سنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آجکل جو عموماً وعظ و تبلیغ بہت کم موثر ہوتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں انذار کے آداب نہیں ہوتے جس کے طرز بیان اور لب و لہجے سے شفقت و رحمت اور خیر خواہی مترشح ہو، مخاطب کو یقین ہو کہ اس کے کلام کا مقصد نہ مجھے رسوا کرنا ہے نہ بدنام کرنا نہ اپنے دل کا غبار نکالنا، بلکہ یہ جس چیز کو میرے لئے مفید اور ضروری سمجھتا ہے وہ محبت کی وجہ سے بتلا رہا ہے اگر آج ہماری تبلیغ اور خلاف شرع امور کے مرتکب لوگوں کو اصلاح کی دعوت کا یہ طرز ہو جائے تو اس کا ایک نتیجہ تو قطعاً لازم ہی ہے کہ مخاطب کو ہماری گفتگو سے ضد پیدا نہیں ہوگی وہ جواب دہی کی فکر میں پڑنے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور انجام سوچنے کی طرف متوجہ ہو جائیگا اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کبھی نہ کبھی اس کو قبول بھی کریگا اور دوسرا نتیجہ یہ لازمی ہے کہ کم از کم اس سے باہمی منافرت اور لڑائی جھگڑا پیدا نہیں ہوگا جس میں آجکل ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔

آخر میں لَعَلَّكُمْ يَحْذَرُونَ فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عالم کا کام اتنا ہی نہیں کہ عذاب سے ڈر دیا بلکہ اس پر نظر رکھنا بھی ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کا اثر کتنا اور کیا ہوا، ایک دفعہ موثر نہیں ہوئی تو بار بار کرتا ہے تاکہ اس کا نتیجہ سبکدرون برآمد ہو سکے یعنی قوم کا گناہوں سے بچنا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ہاں اگر جہاد کو عام نداء کر دی جائے اور سب کو جہاد کیلئے آجانے کا حکم دیدیا گیا ہو تو پھر ہر شخص پر جہاد یعنی فرض ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)
اگر جہاد میں شریک ہو نیوالی جماعت کافی نہ ہو وہ مغلوب ہونے لگے تو اس پاس کے مسلمانوں پر ان کی تقویت کیلئے نکلنا اور جہاد میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے، وہ بھی کافی نہ ہو تو ان کے قریب کے لوگوں پر اور وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے متصل جو مسلمان ہیں ان پر یہاں تک کہ سارے عالم کے مسلمانوں پر ایسی حالت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جس سے تخلف حرام ہے۔ اسی طرح فرض ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر ضرورت سمجھ کر نفیر عام کرے اور سب مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دے، تو اس وقت بھی جہاد کی شرکت فرض اور تخلف حرام ہو جاتا ہے جیسا واقعہ غزوہ تبوک میں نفیر عام کی وجہ سے پیش آیا۔ مذکورہ صدر آیت میں اسی حکم کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ غزوہ تبوک میں نفیر عام کی وجہ سے خصوصی حکم تھا، عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں کہ سب مسلمانوں پر جہاد میں جانا فرض ہو۔

علم دین کے فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ابن عدی اور بیہقی نے بسند صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم (از مظہری) ”یعنی علم حاصل کرنا فرض ہے ہر ایک مسلمان پر“ یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث اور مذکورہ سابقہ احادیث میں علم سے مراد علم دین ہی ہے۔

فرض عین :- ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا علم حاصل کرے اور طہارت، نجاست کے احکام سیکھے، نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض و واجب قرار دی ہیں ان کا علم حاصل کرے جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل و احکام معلوم کرے جس کو حج پر قدرت ہے اس کیلئے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے جس کو بیع و شراء کرنا پڑے یا تجارت و صنعت یا مزدوری و اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض عین ہے کہ بیع و اجارہ وغیرہ کے مسائل و احکام سیکھے، جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض و واجب کئے ہیں ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی) قریبی دشمن

حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مومن کا قریبی دشمن اس کا نفس امارہ ہے جو کفرانِ نعمت میں سب سے آگے ہے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ یہی قریب ہے اس لئے نفس امارہ سے جہاد و قتال جہاد اکبر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے المہاجر من ہجر ما اللہ عنہ والمجاہد من جاہد نفسه یعنی اصل مہاجر وہ ہے کہ جو معصیت سے ہجرت کر کے طاعت کی طرف آجائے اور اصل مجاہد وہ ہے کہ جو اپنے قریبی دشمن نفس سے جہاد کرے۔

ازدخوہ یاری کہ یاری دہ اوست بدو التجا کن کہ لہنہا ازوست
کے را کہ او آورد در پناہ چہ غم دارد از فتنہ کینہ خواہ
(الحمد للہ معارف مفتی اعظم)

اس آیت کے مقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے علماء فقہ نے صراحت کی ہے کہ کفار کی سرحد کے قریب جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں اور زیادہ طاقت کی ضرورت ہو یا وہ سستی کریں اور حکم جہاد کی پرواہ نہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے متصل جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ان میں بھی اگر بقدر ضرورت طاقت نہ ہو یا سستی کی وجہ سے وہ جہاد ترک کر بیٹھیں تو ان سے پیچھے والے مسلمانوں کا وہی فریضہ ہو جاتا ہے جو سستی کرنے والوں کا تھا اسی ترتیب کے ساتھ مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ہو جاتی ہے۔ میت کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا اور میت کی نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے۔

زید بن یعیب کا واقعہ

محمد بن عمر اور محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی لوگ اس کی تلاش میں نکلے زید بن یعیب قبیلہ بنی قینقاع کا ایک یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا مگر تھا دل میں منافق اور حضرت عمارہ بن حزم کے پڑاؤ پر رہتا تھا یہ کہنے لگا محمد نبی ہونے کا اور آسمانی خبریں دینے کا تو دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود اتنا بھی نہیں جانتے کہ اونٹنی کہاں گئی، حضرت عمار اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کما قال تعالیٰ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَضِرَ بِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ

فقہاء اور محدثین

شریعت کی حفاظت امت پر فرض ہے حضرات محدثین نے الفاظ شریعت کی حفاظت کی اور حضرات فقہاء نے معانی شریعت کی حفاظت کی دونوں ہی اللہ کے مقبول گروہ ہیں، جس طرح انبیاء کرام میں درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء میں بھی درجات اور مراتب کا فرق ہے۔

حضرات محدثین اور حضرات فقہاء میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ لفظ اور معنی میں ہیں درجہ اور مراتب کا فرق ہے۔ حافظ قرآن الفاظ قرآنی کا حافظ ہے اور ایک مفسر قرآن، معانی قرآن کا عالم اور فہم ہے۔ علم کی تقلید فرض ہے

بہر حال اس آیت سے طلب علم دین اور تفقہ فی الدین کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالموں پر بے علموں کو عذاب الہی سے ڈرانا فرض ہے اور بے علموں پر عالموں کی تقلید فرض ہے ناقص پر کامل کی تقلید عقلاً فرض ہے جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی مجتہد کامل کی تقلید فرض ہے۔ (معارف کا ندھلوی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا

اے ایمان والو لڑتے جاؤ

الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ

اپنے نزدیک کے کافروں سے ☆

جہاد کی ترتیب

جہاد فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہیے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہ ان کے قریب رہنے والوں سے اسی طرح بدرجہ حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے اگر وہ

جنوں کا قرآن سننا

محمد بن عمر نے اور دلائل میں ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ایک بڑا سانپ (ایک بار) لوگوں کے راستہ میں آ پڑا۔ راوی نے سانپ کی بڑائی اور موٹائی کا ذکر کیا ہے (یعنی بڑا موٹا سانپ تھا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ سانپ بڑھا اور آ کر کھڑا ہو گیا آپ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے لوگ حضور کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اونٹنی کھڑی ہو گئی فرمایا یہ سانپ آٹھ جنات کی اس جماعت میں سے ایک ہے جو قرآن سننے میرے پاس آئے ہیں یہ تم کو سلام کہہ رہا ہے سب حاضرین نے جواب دیا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تبوک کا چشمہ

امام احمد نے صحیح سند سے حضرت حذیفہ کے حوالہ سے حضرت معاذ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور دن چڑھے پہنچو گے جو شخص (پہلے) پہنچ جائے وہ میرے پہنچنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائے چنانچہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق) ہم وہاں پہنچ گئے مگر ہم سے پہلے دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے چشمہ سے پانی (پتلی دھار سے) چڑے کے تسمے کی طرح بہ رہا تھا حضور نے ان دونوں آدمیوں سے دریافت فرمایا کیا تم نے پانی کو چھوا ہے انہوں نے جواب دیا جی ہاں آپ نے ان کو سخت سست کہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا ان کو فرمایا پھر لوگوں نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر ایک مشکیزہ میں بھرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنے ہاتھ بھی دھوئے اور منہ بھی اور کلی بھی (اس میں) کی اس کے بعد لوٹا کر پانی کو چشمہ میں ڈال دیا۔ ڈالتے ہی پانی بکثرت بہنے لگا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ پانی (زمین پھٹ کر نکلا اور اس) سے ایسا تڑا کا ہوا کہ سننے والے کہنے لگے یہ آواز تو بجلی کٹر کرنے کی طرح ہے تبوک میں اسی پانی کا فوارہ موجود ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی کچھ طویل ہوئی تو دیکھ لو گے کہ یہاں آس پاس باغ ہو جائیں گے۔ یہی اور ابو نعیم نے عروہ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ تبوک کا چشمہ فوراً اچھلنے لگا یہاں تک کہ بھر گیا اور اب تک اسی طرح ہے۔

اچھا اور برا آدمی

امام احمد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا

پاس موجود تھے (منافق نے یہ بات ان کی غیر موجودگی میں کہی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا منافق نے ایسی بات کہی ہے۔ خدا کی قسم میں تو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا اللہ نے مجھے بتا دیا ہے۔ اب مجھے اللہ نے اطلاع دی ہے کہ اونٹنی وادی کے اندر فلاں گھاٹی میں ہے، حسب فرمان لوگ وہاں گئے اونٹنی مل گئی اس کو لے آئے اب عمار زید کے پاس پہنچے اور اس کا گلا دباتے ہوئے کہا اللہ کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا، میرے ساتھ نہ رہ۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زید نے (اس کے بعد سچے دل سے) توبہ کر لی تھی کچھ کہتے ہیں وہ منافق ہی رہا اور اسی حالت میں مرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبدالرحمن کے پیچھے نماز پڑھنا اسی غزوہ میں وہ واقعہ بھی ہوا تھا جو مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے رفع حاجت کیلئے گئے (لوگ نماز کا انتظار کرتے رہے) جب اجالا زیادہ ہو گیا اور سورج نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو آگے بڑھا دیا اور آپ نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے رفع حاجت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وضو کرنا چاہا مگر کرتہ کی آستینیں تنگ تھیں (اوپر نہ چڑھ سکیں) آپ نے اندر سے آستینوں سے ہاتھ نکال کر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا پھر ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی اور ایک رکعت (فوت شدہ) ادا کی پھر سلام پھیرا اور فرمایا تم نے اچھا کیا، نماز کو وقت پر پڑھا کرو۔ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنی امت کے کسی نیک آدمی کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھ لی ہو (یعنی میں نے عبدالرحمن کے پیچھے جو نماز پڑھی یہ کوئی نئی بات نہیں نہ اس سے میری توہین ہوئی ہر نبی کی یہی سنت ہے ہر نبی نے اپنی وفات سے پہلے اپنی امت کے کسی مرد صالح کے پیچھے نماز ضرور پڑھی ہے)

احمد اور طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت سہیل بن بیضاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور بلند آواز سے فرمایا سہیل، سہیل نے عرض کیا میں حاضر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار سہیل نے جواب میں لبیک کہا اس سے لوگ سمجھے کہ حضور کا مقصد ہم کو خطاب کرنا ہے چنانچہ سب جمع ہو گئے جب سب آگئے تو ارشاد ہوا جس نے شہادت دی کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ نے اس کیلئے دوزخ کو حرام کر دیا۔

چھواروں میں برکت

ایک اور قصہ میں محمد بن عمر ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت عرباض کا کہنا ہے کہ ہم تین آدمی تھے، میں اور جمال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل مزی نے ہم سب بھوکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پڑے زندگی کے دن گزارتے تھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں داخل ہوئے ساتھ میں آپ کی بی بی حضرت ام سلمہ بھی تھیں اندر جا کر کچھ کھانے کو ڈھونڈھا مگر کچھ نہیں ملا باہر نکل کر حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا ان لوگوں کے طعام شب کیلئے کچھ ہے۔ حضرت بلال نے تھیلیاں لے کر ایک ایک تھیلی جھاڑنی شروع کی اور تھیلیوں میں سے ایک ایک دو دو چھوارے کرنے لگے۔ کل سات چھوارے گرے ان کو ایک پلیٹ میں رکھ دیا گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بسم اللہ کی اور فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ، ہم نے کھایا، میں نے گن کر ۵۴ چھوارے کھائے، میں گنتا جا رہا تھا اور ان کی گھٹلیاں دوسرے ہاتھ میں رکھ رہا تھا۔ میرے دونوں ساتھی بھی وہی کر رہے تھے جو میں کر رہا تھا (اوسطاً) ہم میں سے ہر ایک نے پچاس چھوارے کھائے آخر ہاتھ کھینچ لئے لیکن وہ سات چھوارے ویسے کے ویسے ہی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال ان کو اٹھا لو سب کا پیٹ بھر گیا اب کوئی نہیں کھاتا جب صبح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھ لی تو خیمہ کی طرف جا کر خیمہ کی آگے صحن میں بیٹھ گئے ہم بھی گردا گرد بیٹھ گئے ہم دس آدمی تھے فرمایا کیا تم لوگوں کیلئے صبح کا کھانا ہے (انکار کرنے کے بعد) آپ نے چھواروں سمیت بلال کو طلب فرمایا اور دست مبارک چھواروں کی پلیٹ پر رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ حسب الحکم ہم نے کھایا قسم ہے اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا ہم دس تھے سب کے پیٹ بھر گئے سیر ہونے کے بعد سب نے ہاتھ اٹھائے مگر چھوارے ویسے ہی رہے جیسے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب مجھے اللہ سے (مزید دعا کرتے) شرم آتی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو مدینہ پہنچنے تک ہم انہی چھواروں کو کھاتے رہتے۔ اتفاقاً شہر کا ایک چھوٹا لڑکا سامنے سے آگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوارے دست مبارک میں لے کر اس کو دے دیئے وہ چھوارے چباتا پشت پھیر کر چلا گیا۔

ہے کہ تبوک کے سال ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس وقت کھجور کے ایک درخت سے آپ پشت کا سہارا لگائے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے اور سب سے برا کون ہے سب سے اچھے آدمیوں میں سے تو وہ شخص ہے جو گھوڑے یا اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر پیدل سامان اٹھائے ہوئے مرتے دم تک راہ خدا میں جہاد میں مشغول رہتا ہے اور بدترین آدمیوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب (تو) پڑھتا ہے (مگر) اس کے احکام کی طرف متوجہ ہو کر (اپنی کسی خواہش سے) باز نہیں آتا۔

مؤمن اور کافر کا کھانا

محمد بن عمر نے بنی سعد کے ایک آدمی کی روایت سے بیان کیا کہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال ہم کو کھانا کھلاؤ بلال نے کئی بار اپنے ہاتھ سے گھی اور پنیر میں گوندھی ہوئی کھجوریں نکالیں ہم سب نے وہ کھائیں اور سب شکم سیر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلے تو میں اکیلا اتنا کھالیا کرتا تھا فرمایا کافرسات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے پھر دوسرے روز جب میں خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ کے آس پاس دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے بلال سے فرمایا ہم کو کھانے کو دو۔ بلال تھیلی سے مٹھی بھر کر چھوارے نکالنے لگے فرمایا نکالو اور مالک عرش کے نادار ہونے کا اندیشہ نہ کرو (یعنی اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں وہ کل کو پھر دے گا) حضرت بلال نے پوری تھیلی لا کر بکھیر دی میرے اندازہ میں کل چھوارے دو سیر ہوں گے رسول اللہ نے دست مبارک چھواروں پر رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ سب نے کھایا میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا کھا چکنے کے بعد چمڑے کے دسترخوان پر اتنے ہی چھوارے معلوم ہوتے تھے جتنے بلال لائے تھے معلوم ہوتا تھا ہم نے ایک چھوارہ بھی نہیں کھایا (تیسرے روز) صبح کو میں پھر گیا اور گزشتہ دن والی جماعت بھی دوبارہ آگئی۔ وہ دس تھے یا ایک دو زیادہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے فرمایا بلال کھانا کھلاؤ بلال وہی تھیلی لے آئے میں اس کو پہچانتا تھا لا کر انہوں نے تھیلی بکھیر دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ ہم نے کھایا سب سیر ہو گئے پھر چھوارے اتنے ہی ہو گئے جتنے بکھیرے تھے ایسا تین روز ہوا۔

منافق کی موت

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ تبوک میں ایک تیز ہوا چلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بڑے منافق کی موت کیلئے (یہ ہوا چلی ہے) چنانچہ لوگ مدینہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا منافق مر گیا۔

پانی کا کنواں اہل پڑا

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ بنی سعد کے کچھ شکستہ حال لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں اور بال بچوں کو ایک ایسے کنویں پر چھوڑ آئے ہیں جس میں پانی کم ہے اور یہ سخت گرمی ہے اگر ہم وہاں کی سکونت ترک کر دیں تو اندیشہ ہے کہ ہم کو کاٹ دیا جائیگا کیونکہ ہمارے اطراف میں ابھی اسلام نہیں پہنچا ہے آپ ہمارے پانی کیلئے اللہ سے دعا فرمائیں اگر ہم (بقدر ضرورت) سیراب ہو گئے تو ہم سے زیادہ باعزت (وہاں) کوئی قوم نہ ہوگی ہمارے دین کا کوئی مخالف ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے گا۔ فرمایا چند پتھریاں لا کر مجھے دید و ایک شخص نے تین پتھریاں لا کر دیدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا ان کو لے جا کر ایک ایک کر کے بسم اللہ کر کے کنویں میں ڈال دو۔ لوگ واپس چلے گئے اور حسب ہدایت عمل کیا فوراً کنواں اہل پڑا پھر ان لوگوں نے اپنے مخالف مشرکوں کو وہاں سے نکال دیا اور روند ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوٹ کر مدینہ پہنچے تو بنی سعد والے آس پاس کے سب لوگوں کو اسلام پر متفق کر چکے تھے اور سب مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو چکے تھے۔

حضرت معاویہ بن معاویہ کا انتقال

طبرانی نے حضرت ابن عمر و معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے اور بیہقی و ابن سعد نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا، راوی کا بیان ہے (ایک روز) طلوع کے وقت سورج میں ایسی چمک نور اور شعاعیں دکھائی دیں کہ گذشتہ ایام میں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں حضرت جبرئیل آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا حضرت جبرئیل نے کہا آج مدینہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کا انتقال ہو گیا اس (شعاعی تغیر) کی یہی وجہ ہے اللہ نے ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے بھیجے ہیں کیا آپ بھی ان کی نماز پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، چنانچہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنالیں نماز سے فارغ ہو کر حضرت جبرئیل سے فرمایا معاویہ اس مرتبہ کا مستحق کس سبب سے قرار پایا، حضرت جبرئیل نے جواب دیا وہ قل ہوا للہ احد سے محبت رکھتا تھا اٹھتے بیٹھتے سوار پیدل ہر حالت میں قل ہوا للہ پڑھا کرتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، یہ حدیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہے اور ایک سند دوسری سند کی تائید کرتی ہے۔

گھی میں برکت

طبرانی اور ابو نعیم نے عمر و اسلمی کے دادا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کیلئے نکلے تو اس سفر میں حضور کی خدمت پر تھا میں نے دیکھا کہ کچی میں گھی کم رہ گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مجھے کھانا تیار کرنا تھا اس لئے کچی کو دھوپ میں رکھ دیا (تا کہ گھی پکھل کر یکجا ہو جائے تو نکالا جاسکے) کچی کو دھوپ میں رکھ کر میں سو گیا، کچی میں اہل آیا اور گھی کے جوش مارنے کی آواز سے میں بیدار ہو گیا، میں نے فوراً اپنے ہاتھ سے کچی کا منہ بند کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو اس کو چھوڑ دیتا تو وادی گھی سے بہ نکلتی (یعنی پانی کی طرح وادی میں گھی کا سیلاب آجاتا)

قیصر کی طرف خط

حارث بن اسامہ نے حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ خط قیصر کے پاس لے جائے گا اس کے لئے جنت ہے ایک شخص نے عرض کیا خواہ قیصر خط کو قبول نہ کرے (فرمایا ہاں) وہ شخص خط لے کر قیصر کے پاس پہنچا قیصر نے خط پڑھ کر کہا تم اپنے نبی سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا تابع دار ہوں مگر میں اپنی حکومت نہیں چھوڑنا چاہتا قیصر نے اس شخص کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ اشرفیاں بھی بھیجیں قاصد نے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیصر کا پیام عرض کر دیا، حضور نے فرمایا، اس نے جھوٹ کہا پھر اشرفیاں آپ نے تقسیم کر دیں۔

ہرقل کی طرف خط

امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حسن سند کے ساتھ سعید بن ابی راشد کی روایت سے ہرقل کے قاصد تنوخی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر دحبہ کلبی کو ہرقل کے پاس (خط دیکر) بھیجا ہرقل کے پاس نامہ مبارک پہنچ گیا تو اس نے روم کے عیسائی علماء

کو وہ خط دیدیا انہوں نے خط کو گودی میں رکھ لیا اور فرمایا تم کس قبیلہ سے ہو۔ میں نے کہا تنوخ سے فرمایا کیا تم کو اسلام کی رغبت ہے جو خالص توحید کا مسلک اور تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے میں نے کہا میں ایک قوم کا قاصد ہوں اور ایک قوم کے مذہب پر ہوں اور واپس پہنچنے تک اسی مذہب پر رہوں گا آپ ہنس دیئے اور فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اے تنوخی میں نے ایک خط کسریٰ کو بھیجا تھا اس نے خط کو پارہ پارہ کر دیا اللہ اس کو اور اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دیگا۔ اور میں نے تیرے آقا کو بھی خط لکھا تھا اس نے میرے خط کو (تھام لیا) روک لیا (نہیں پھاڑا) اس لئے جب تک اس کی زندگی میں بہتری ہوگی لوگ اس کا رعب محسوس کرتے رہیں گے (یعنی اس کی حکومت باقی رہیگی) میں نے کہا میرے آقا نے جن تین باتوں کو یاد رکھنے کی ہدایت کی تھی ان میں سے ایک تو یہ ہے چنانچہ تیر دان سے میں نے ایک تیر نکال کر (اس کی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا دیا ہوا خط اپنے بائیں ہاتھ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دے دیا میں نے کہا یہ خط پڑھنے والا کون ہے لوگوں نے کہا معاویہ۔

بات کا جواب

میرے آقا کے خط میں لکھا ہوا تھا۔ آپ مجھے جنت کی طرف بلا رہے ہیں جس کی پہنائی آسمان وزمین (کے برابر) ہے اور وہ مومنوں کے لئے تیار کی گئی ہے تو بتائیے دوزخ کہاں ہے (کیا اس سارے جہان سے باہر ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ رات (سارے جہان میں یا کسی ملک میں) آجاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے، میں نے فوراً ترکش سے تیر نکال کر (اس کی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی۔

قاصد کا انعام اور مہمان نوازی

خط پڑھنے سے فارغ ہو کر فرمایا تمہارا حق ہے تم قاصد ہو اگر ہمارے پاس کچھ انعام دینے کو ہوتا تو ہم تم کو دیتے مگر ہم نادار مسافر ہیں، فوراً جماعت میں سے ایک آدمی نے پکار کر کہا میں اس کو انعام دوں گا چنانچہ اس نے اپنا سامان کھولا اور ایک زرد رنگ کا جوڑا کپڑوں کا نکال کر میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے پوچھا یہ انعام دینے والا کون ہے لوگوں نے کہا عثمان، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو مہمان کون رکھے گا ایک انصاری جوان بولا میں چنانچہ انصاری اٹھ کھڑا ہوا میں بھی

اور پادریوں کو بلوایا جب سب آگئے تو کمرہ کا بیرونی دروازہ بند کرادیا، پھر حاضرین سے کہا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تبوک میں فرود کش ہے اور اس نے تین باتوں کی مجھے اجازت دی ہے کہ ان تین میں سے ایک بات کو اختیار کر لوں۔ (۱) یا تو مذہب میں اس کا اتباع کر لوں (یعنی عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں)۔

(۲) یا ہم اپنے ملک پر قابض رہیں اور ملک کی پیداوار کا کچھ حصہ (بطور جزیہ) میں اس کو دیدوں۔ (۳) یا ہم اس سے جنگ کریں تم کتابوں میں جو کچھ پڑھتے ہو اس سے واقف ہو اس لئے آؤ ہم اس کے دین کا اتباع کر لیں یا اپنی زمین پر قابض رہتے ہوئے اپنا مال (بطور جزیہ) اس کو ادا کر دیں (لڑنے میں تو کامیابی ممکن نہیں) یہ سن کر سب غضبناک ہو کر ایک آواز ہو گئے اور غصہ کا جواب دیا پھر اٹھ کر نکل چلے اور بولے تم ہم کو نصرانیت چھوڑ دینے یا حجاز کے ایک اعرابی کے غلام بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ہرقل نے خیال کیا کہ اگر یہاں سے یہ یونہی چلے گئے تو رومیوں کو میرے خلاف بگاڑیں گے اس لئے فوراً اوپر چڑھ کر اس نے کہا میں نے تو یہ بات صرف تمہاری دینی حمیت و پختگی کو جانچنے کیلئے کہی تھی (سب لوگ واپس آگئے)

خط کا جواب:- ایک شخص تجیب تھا جو عرب تھا اور عرب کے عیسائیوں کا سرگروہ اس کو مقرر کیا گیا تھا، ہرقل نے اس کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو لاؤ جو بات یاد رکھ سکے اور جس کی زبان عربی ہو، میں اس کو اس (مدعی نبوت) کے خط کا جواب دیکر بھیجنا چاہتا ہوں چنانچہ (تجیب کی معرفت) مجھے بلوایا گیا اور ہرقل نے مجھے ایک خط دیکر کہا میرا یہ خط اس شخص کے پاس لے جاؤ اور جو بات تم اس سے سنو اس کو یاد رکھنا تین چیزیں یاد رکھنے کے قابل ہیں (۱) اس نے جو خط بھیجا ہے اس کا کچھ تذکرہ کرتا ہے یا نہیں۔ (۲) یہ بھی غور کرنا کہ میرے اس خط کو پڑھ کر وہ رات کا (لفظ اپنے کلام) ذکر کرتا ہے یا نہیں۔ (۳) اس کی پشت کو دیکھنا کہ پشت پر کوئی چیز تمہارے لئے شک آفریں ہے یا نہیں۔

قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

میں ہرقل کا خط لے کر تبوک پہنچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابیوں کے ساتھ پانی (یعنی چشمہ) پر گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے تھے میں نے حاضرین سے پوچھا تمہارا سردار کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا یہ موجود ہیں چل کر ان کی طرف گیا اور سامنے جا کر بیٹھ گیا اور ان

اسکے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ جب مجلس سے میں نکل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا تنوخی ادھر آؤ میں تیزی کے ساتھ لپکتا پہنچا اور اسی جگہ پر بیٹھ گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت سے گوٹ کھول دی اور فرمایا ادھر جاؤ (یعنی پشت کی طرف بیٹھو) میں پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا تو مجھے ایک موٹی سینگی کی طرح مہربوت دکھائی دی جو شانہ کے موڑ کی جگہ پر تھی۔

قاصد کی واپسی

محمد بن عمر کا بیان ہے پھر یہ شخص واپس چلا گیا اور جا کر ہرقل سے ساری روئیدار کہہ دی ہرقل نے اپنی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا یہاں تک کہ اس کو اپنی حکومت کے زوال کا اندیشہ ہو گیا اس وقت وہ حمص میں تھا اس نے کوئی حرکت نہیں کی نہ اپنی جگہ سے سرکا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ ہرقل اپنے ساتھیوں کو تیار کر کے سب کو لے کر وادی شام کے قریب آ گیا ہے اس کی یہ اطلاع غلط تھی ہرقل نے تو اس کا ارادہ بھی نہیں کیا نہ اس کا یہ مقصد تھا۔

ہرقل کا ایمان جھوٹا

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ ہرقل نے کچھ تحفے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کو بانٹ دیا۔ ہرقل نے ایک منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں یہ ندا کر دے کہ ہرقل محمد پر ایمان لے آیا اور ان کا تابعدار ہو گیا۔ یہ اعلان سن کر مسیح فوجیں گھس آئیں اور ہرقل کو قتل کرنے کے ارادے سے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ ہرقل نے ان کے پاس پیام بھیجا کہ میں تو تمہاری دینی پختگی کی جانچ کرنی چاہتا تھا۔ تمہارا یہ جوش دیکھ کر میں خوش ہو گیا (اب جاؤ) فوجی یہ بات سن کر ہرقل سے راضی ہو گئے۔ (اور واپس چلے گئے) اس کے بعد ہرقل نے ایک خط لکھ کر دجیہ کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا خط میں لکھا تھا میں بلاشبہ مسلم ہوں مگر بے بس ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھ کر فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا اللہ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے عیسائیت پر قائم ہے۔

دومتہ الجندل پر چڑھائی اکیدر کی گرفتاری

بیہتی نے بحوالہ ابن اسحاق یزید بن رومان اور عبد اللہ بن بکر کا بیان نقل کیا ہے۔ نیز بیہتی نے خود عروہ بن زبیر کا قول بیان کیا ہے کہ جب

تبوک سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا رخ کیا تو جب ۹ھ میں خالد بن ولید کو ۴۲۰ سواروں کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف اکیدر بن عبد الملک (حاکم دومتہ الجندل) کو گرفتار کرنے کیلئے بھیج دیا، اکیدر ایک کنڈی عیسائی تھا۔ حضرت خالد نے عرض کیا میرے ساتھ تھوڑے آدمی ہیں بنی کلاب کی بستیوں کے اندر پہنچ کر اکیدر کو گرفتار کرنا کیسے ممکن ہوگا، فرمایا تم اس کو شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے گرفتار کر لینا، پھر اللہ دومتہ الجندل کی فتح عنایت فرمادے گا۔ جب تم اس کو پکڑ لو تو قتل نہ کرنا میرے پاس لے آنا۔ حسب الحکم خالد چلے گئے اور اس کے قلعہ سے اتنی دور رہ گئے جتنی دور صاف چاندنی رات میں نگاہ پہنچ سکتی ہے (یعنی بقدر حد نظر) اکیدر اس وقت مکان کی چھت پر اپنی بی بی رباب بنت انیف بن عامر کنڈی کے ساتھ موجود تھا (سخت گرمی تھی) گرمی کی وجہ سے ایک مغنیہ باندی کو لیکر وہ قلعہ کے اوپر چڑھ گیا پھر اس نے شراب (یا شربت) منگوا کر پیا اتفاقاً کسی نیل گائے نے قلعہ کے پاس آ کر قلعہ کے دروازہ سے سینگ رگڑنا شروع کر دیئے۔ نیل گائے کو دیکھ کر اکیدر نیچے اتر کر (شکار کے ارادہ سے) گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھ اس کے چند گھروالے بھی سوار ہو گئے ایک تو اس کا بھائی حسان تھا اور دو غلام تھے یہ سب چھوٹے بھالے لے کر قلعہ سے نکل پڑے۔ جب قلعہ سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تو خالد کے آدمیوں نے اکیدر کو پکڑ لیا اکیدر قیدی ہو گیا حسان نے قیدی ہونا قبول نہیں کیا اور لڑ کر مارا گیا۔ دونوں غلام اور دوسرے ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ حسان کے بدن پر اس وقت زربفت کی قبائلی اس کی قبائلی اتاری گئی۔ پھر خالد نے اکیدر سے کہا، میں تم کو قتل سے امن دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا سکتا ہوں بشرطیکہ تم دومتہ کو فتح کر دو۔ اکیدر نے کہا اچھا! خالد اکیدر کو لے کر قلعہ کے پاس پہنچے اکیدر نے قلعہ والوں کو آواز دی کہ دروازہ کھول دو۔ اہل قلعہ نے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اکیدر کے بھائی مصاد نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا، اکیدر نے خالد سے کہا تم کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ قلعہ والوں نے جب مجھے تمہاری قید میں دیکھ لیا ہے تو اب میرے کہنے سے بھی وہ دروازہ نہیں کھولیں گے اس لئے مجھے آزاد کر دو، میں خدا کو اور اپنے وعدہ کی پختگی کو ضامن دیتا ہوں، کہ اگر میرے اہل و عیال کی امان کی شرط پر تم مجھ سے صلح کر لو گے تو میں قلعہ کھول دوں گا، خالد نے

اور ریشمین دریائی کے کپڑے پہنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی اس نے سجدہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہاتھ کے اشارہ سے نہیں نہیں کہا۔ اکیدر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھی پیش کیا۔ جس میں کپڑے تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے ایک خچر بھی تھا۔ اکیدر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی اکیدر اور اس کے بھائی کی جان محفوظ کر دی۔ (یعنی جان کی معافی دیدی) کل جزیہ مبلغ تین سو دینار قرار پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کی قوم کے لئے ایک امان نامہ بھی لکھ دیا۔

امیر ایلہ کی حاضری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خالد بن ولید کو اکیدر کی طرف دومۃ الجندل بھیجا تھا۔ اور یہ خبر سکنہ بن روبہ امیر ایلہ کو پہنچی تھی۔ تو اسی وقت سے اس کو بھی اندیشہ ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف بھی کوئی لشکر بھیجیں گے اس خوف کی وجہ سے ہی امیر ایلہ خدمت گرامی میں خود حاضر ہو گیا اس کے ساتھ جربا اور اذرح کے باشندے بھی حاضر ہوئے۔ ابو حمید ساعدی کا بیان ہے کہ حاضری کے وقت شاہ ایلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر بطور ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو ایک چادر عطا فرمائی اور ایک تحریر لکھ دی۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ اور بخاری کی ہے۔ محمد بن عمر نے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا جس وقت سکنہ بن روبہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت وہ سونے کی صلیب پہنے ہوئے تھا اور پیشانی کے بال اس نے باندھ رکھے تھے، آتے ہی اس نے سر جھکا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر دیا کہ سرا پر اٹھاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ایلہ سے اس وقت مصالحت کر لی اور ایک یمنی چادر اس کو مرحمت فرمادی۔ یہ چادر ابو العباس عبد اللہ بن محمد نے تین سو دینار میں خرید لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ایلہ کو بلال کے پاس ٹھہرانے کا حکم بھی دیا تھا۔

اہل جربا وغیرہ سے معاہدہ

اہل سیر نے لکھا ہے کہ اہل جربا پر جن کی تعداد تین سو تھی تین سو دینار سالانہ بطور جزیہ مقرر فرمادیئے اور ان کی اس کی تحریر بھی دے دی گئی۔ اور اہل اذرح کو بھی ایک تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادی۔

کہا میں (ان شرطوں پر) تم سے صلح کرتا ہوں، اکیدر نے کہا اگر تم چاہو تو (مقدار مال کی تعیین کا) فیصلہ خود کرو اور اگر چاہو تو مجھے (مقدار مال کی تعیین کے) فیصلہ کا اختیار دو۔ خالد نے کہا تم جو چاہو دے دینا، ہم لے لیں گے، چنانچہ دو ہزار اونٹ چار سو خود، چار سو زرہ ہیں اور چار سو نیزے بدل صلح قرار پائے اور یہ شرط بھی ضروری قرار پائی کہ حضرت خالد اکیدر اور اس کے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ ان کا چاہیں گے کر دیں گے۔ اس کے بعد خالد نے اکیدر کو رہا کر دیا اکیدر نے جا کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ خالد نے اندر داخل ہو کر اکیدر کے بھائی مصاد کو گرفتار کر لیا اور بدل صلح وصول کرنے کے بعد عمرو بن امیہ ضمری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بشارت دینے کے لئے بھیج دیا اور ضمری کے ساتھ حسان کی قبائ بھی روانہ کر دی۔

اکیدر کے بھائی کی قبائ

حضرت انس اور حضرت جابر کا بیان ہے کہ اکیدر کے بھائی حسان کی قبائ جب خدمت گرامی میں پیش ہوئی تو مسلمان ہاتھوں سے چھو کر (اس کی نرمی اور بناؤٹ کو) دیکھنے اور تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو اس (کی صنعت اور خوبصورتی) سے تعجب ہو رہا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنت کے اندر سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔

خالد نے مال صلح پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ انتخابی مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکال لیا پھر مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا اور باقی اموال غنیمت (یعنی پانچ حصوں میں سے چار حصے) ساتھیوں کو بانٹ دیئے۔ حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے حصہ میں ایک زرہ آئی۔ ایک خود اور دس اونٹ حضرت وائلہ کا قول ہے مجھے دس سہام ملے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عوف کا بیان ہے قبیلہ مزینہ کے ہم سب چالیس آدمی تھے ہم میں سے ہر شخص کو مع اسلحہ زرہ اور نیزوں کے پانچ سہام ملے۔

پانچ سہام اور چھ سہام کے (روایتی) اختلاف کی وجہ قیمت کا تفاوت تھا (زیادہ قیمت کے لحاظ سے پانچ اور کم قیمت کے لحاظ سے چھ سہام) اس کے بعد حضرت خالد اکیدر اور مصاد کو لیکر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ محمد بن عمر نے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے میں نے دیکھا کہ جب خالد اکیدر کو لے کر آئے۔ اس وقت وہ سونے کی صلیب

کیا ہے کہ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام پہنچئے۔ شام انبیاء کی سرزمین اور ارض محشر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی اور تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے۔ جب تبوک میں پہنچ گئے تو اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں کہ وہ آپ کو اس جگہ سے نکالنے کیلئے ابھارا دے رہے تھے۔ یہاں پر پہنچنے کے بعد (یہودیوں کی سازش کو ناکام بنانے کیلئے) آپ کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا گیا۔

غذا کی کمی کا مسئلہ اور اس کا حل

اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے، ابو یعلیٰ ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عمر کے حوالے سے اور محمد بن عمر نے اپنے بزرگوں کی سند سے بیان کیا کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے (خوراک کا مسئلہ حل کر لیں اور) کھالیں اتنے میں حضرت عمر آگئے اور لوگوں کو اونٹوں کے ذبح کرنے سے روک دیا اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سواری کے اونٹ ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دیدی ہے، فرمایا انہوں نے (غذا نہ ملنے اور) بھوکے ہونے کی مجھ سے شکایت کی تھی، میں نے ان کو ایک دو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی (کہ کچھ اب کھالیں اور) جو کچھ باقی رہے اس کو باری باری سے کھالیا کریں اور اس طرح گھر واپس پہنچ جائیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کرنے سے تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ ایسا کیجئے کہ جو کچھ کھانے کی چیز ان کے پاس باقی ہو وہ منگوا لیجئے پھر اللہ سے اس میں برکت ہونے کی دعا فرمادیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا (ایسا ہی کر لو) چنانچہ چمڑے کا ایک دسترخوان منگوا کر بچھایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی نے ندا لگائی جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہو وہ لے کر حاضر ہو۔ لوگ لانے لگے۔ کوئی ایک مٹھی جو اڑ لایا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا۔ کوئی سیر بھر آٹا یا ستویا چھوڑے لے آیا۔ غرض مجموعی مقدار ۲۷ صاع ہو گئی (یعنی ۱۰۸ سیر) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد برکت کے لئے دعا کی۔ حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے اتنی برکت ہوئی کہ سب نے سیر ہو کر کھالیا اور لشکر میں جو برتن موجود تھے، سب

اور اہل مقنا سے چوتھائی پھلوں کی ادائیگی کی شرط پر صلح کر لی۔

ابن ابی شیبہ، احمد اور مسلم نے حضرت ابو جمید ساعدی کی روایت سے لکھا ہے کہ حاکم ایلہ کی طرف سے ابن العلماء ایک خط لیکر حاضر خدمت ہوا اور ایک سفید خچر ہدیہ میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے ایک تحریر لکھ دی اور ایک چادر ہدیہ کے طور پر اس کو بھیج دی۔ تبوک میں قیام

امام احمد نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے اور ابن سعد نے یحییٰ بن کثیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس روز رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔ محمد بن عمر ابن سعد اور ابن حزم کی روایات بھی اسی کی موید ہیں لیکن ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کچھ اور دس روز قیام فرمایا۔

شام کی طرف جانے کے بارے میں مشورہ

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ آگے بڑھنے یعنی تبوک سے شام کی طرف جانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کو (اللہ کی طرف سے اس کا) حکم دیا گیا ہے تو چلئے ورنہ سمجھ لیجئے کہ وہاں رومیوں کی بکثرت تعداد موجود ہے اور مسلمان وہاں کوئی ہے نہیں۔ ہم ان کے قریب تو پہنچ ہی گئے ہیں آپ کے اتنے قریب جانے نے ان کو خوف زدہ بھی کر دیا ہے لہذا اگر ہم اس سال لوٹ جائیں اور مستقبل کے احوال کو دیکھیں یا انتظار کریں کہ اللہ کیا امر ظاہر فرماتا ہے تو مناسب ہے۔

طاعون والی سرزمین

احمد، طبرانی اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی زمین پر طاعون ہو اور تم وہاں ہو تم وہاں سے (ڈر کر) نہ نکلو، اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو وہاں سے آ کر طاعون والی زمین میں نہ گھسو۔

حافظ نے بدل الماعون میں لکھا ہے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی ہوگی کہ جس جگہ آپ کے جانے کا ارادہ تھا وہاں طاعون ہے اسی اطلاع کی وجہ سے آپ بغیر لڑے واپس ہو گئے۔

یہودیوں کی رائے

ابن ابی حاتم نے اور دلائل میں بیہتی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان

گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی خوب پلا دیا۔ لشکر میں تیس ہزار آدمی، بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔

مشکیزے میں برکت

محمد بن عمر اور ابو نعیم نے اہل مغازی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیلے سے اتر کر نشیب کی طرف جا رہے تھے اور سخت گرمی کا زمانہ تھا، لشکر سخت پیاسا ہو گیا اور وادی میں پانی بالکل نہ تھا، نہ کم نہ زیادہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس دکھ کا اظہار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیر کو بھیجا کہ جا کر (کہیں) پانی تلاش کرو۔ امید ہے کہ کچھ پانی تم کو مل جائے گا حضرت اسید کو کسی عورت کے مشکیزہ میں کچھ پانی مل گیا۔ آپ وہ پانی خدمت گرامی میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی میں برکت ہو جانے کی دعا کی اور فرمایا (لوگو) آؤ میں تم کو پانی پلاؤں پھر تو یہ حالت ہوئی کہ جس کے پاس پانی کو جو برتن تھا اس نے بھر لیا پھر اونٹوں کو طلب فرمایا اور اونٹوں کو پانی پلانے کی اجازت دیدی۔ حسب الحکم سب اونٹوں کو بھی پلا دیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسید جو پانی لیکر آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی ایک بڑے پیالے میں ڈلوایا اور دست مبارک اس پیالہ میں ڈال کر ہاتھ بھی اس کے اندر دھوئے اور منہ بھی اور دونوں پاؤں بھی پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر (دعا کیلئے) دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلائے۔ دعا ختم ہوتے ہی پیالے سے پانی اچھلنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، خوب سیر ہو کر پیو، پانی پھیل گیا اور اتنا پھیلا کہ سو سو دو سو آدمی آ کر قطار لگا کر اس پر آتے، پیتے اور چلے جاتے غرض سب سیراب ہو گئے اور پیالے کا پانی اچھلتا ہی رہا۔

اونٹوں کی کمزوری

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ بوساطت فضالہ، حضرت عبید کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے تو (طول مسافت، شدت گرما، خوراک کی کمی اور پانی کی نایابی کی وجہ سے) اونٹوں کو سخت تکلیف ہوئی اور وہ کمزور ہو گئے۔ لوگوں نے اس دکھ کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اونٹوں کو (مار مار کر) ہنکار رہے ہیں (اور اونٹ چلنے کو نہیں پاتے) یہ دیکھ کر آپ ایک تنگ مقام پر کھڑے ہو گئے۔ لوگ اسی تنگ مقام سے گزرنے لگے جو لوگ گزرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر

بھرنے کوئی برتن بغیر بھرے نہیں رہا اور اس کے بعد بھی کچھ بچ رہا۔ حضرت عمر نے فرمایا انتہایہ ہوئی کہ جب لوگ (کھا کر اور برتن بھر کر) واپس گئے تو سابق اندازے کے مطابق کھانے کی چیزیں بدستور باقی تھیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ اس شہادت کو بغیر شک کے ادا کرے اور پھر اس کو جنت سے روک دیا جائے۔

صبح کی نماز کا قضاء ہونا

ابو نعیم اور محمد بن عمر کے بیان کے بموجب حضرت ابو قتادہ کی روایت میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات آخر شب میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وہاں ہم (سب) سو گئے اور اس وقت بیدار ہوئے جب سورج کی گرمی محسوس ہوئی ہم نے کہا (انا لله وانا اليه راجعون) ہماری صبح کی نماز جاتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح شیطان نے ہم کو رنج پہنچایا ہم بھی اب اس کو اسی طرح رنجیدہ کریں گے، میرے پاس پانی کا لوٹا تھا۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ کچھ پانی لوٹے میں بچ رہا فرمایا ابو قتادہ لوٹے کے اندر جو پانی ہے اس کو محفوظ رکھنا غرض سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھی اور نماز میں سورہ مائدہ کی قرأت کی۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا سنو اگر لوگ ابو بکر اور عمر کا مشورہ مان لیتے تو ہدایت پا لیتے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر نے مشورہ دیا کہ (اس جگہ پانی نہیں ہے، یہاں لشکر کو اترنا نہ چاہیے) پانی پر پہنچ کر قیام کرنا چاہیے مگر مسلمانوں نے نہیں مانا اور بیابان میں جہاں پانی بھی نہ تھا اتر پڑے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور لشکر سے زوال کے وقت آملے ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے سب کو پیاس کی اتنی شدت تھی کہ گھوڑوں اور اونٹوں اور آدمیوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے اکڑی جا رہی تھیں۔

مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے کا پیالہ منگوایا اور لوٹے سے اس میں پانی لوٹا پھر اپنی انگلیاں اس پر رکھ دیں، انگلیاں رکھتے ہی انگلیوں میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ سب لوگ آئے اور پی کر سیراب ہونے لگے۔ پانی برابر بہتا رہا اور یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے اور

خدا سے ڈرتے رہو
یعنی خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک اور جس قدر مسلمان خدا سے ڈرتے رہے اسی وقت تک اور اسی قدر ان کو کفار پر غلبہ حاصل ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کر دے۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں

أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ آيَانًا فَأَمْآلَ الَّذِينَ

کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان سو جو لوگ

أَمِنُوا فزَادَتْهُمْ آيَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۰﴾

ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں

وَأَمْآلَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

اور جن کے دل میں مرض ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَ

سو ان کے لئے بڑھادی گندگی پر گندگی اور

مَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۱﴾

دہرنے تک کافر ہی رہے ☆

منافقوں کی بیماری

جب کوئی سورۃ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے ازراہ استہزاء تمسخر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی ترقی کا موجب ہوں حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بیشک کلام الہی سن کر مومنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے اور قلوب مسرور و منشرح ہوتے ہیں۔ ہاں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری اور گندگی ہے ان کی بیماری و گندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بیماری ان کی جان ہی لیکر چھوڑتی ہے
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

(اور ان کے اونٹوں پر) کچھ دم کرتے اور فرماتے اے اللہ! ان پر ان کو سوار کر دے۔ تو قوی و کمزور کو تر خشک اور بروج میں سوار کرتا (سلگتا) ہے۔

مدینہ منورہ

راوی کا بیان ہے کہ قافلہ برابر جاتا رہا اور مدینہ پہنچنے سے پہلے اونٹوں کا یہ حال ہو گیا کہ وہ مہاروں میں کھینچا تائی کرنے لگے (یعنی روکے سے نہ رکتے تھے) جب مدینہ سامنے دکھائی دیا تو فرمایا یہ طاہر ہے۔ رواہ الشیخان فی الخمسین عن جابر و ابی حمید الساعدی وغیرہم۔

أحد پہاڑ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کوہ احد پر پڑی تو فرمایا یہ احد ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں اور بچے (گاگا کر) کہنے لگے:

”وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا

ہم پر شکر واجب ہے جب تک دعا کر نیوالا اللہ سے دعا کرے،

ابن سعد کا بیان ہے کہ (تبوک کے بعد) لوگ اپنے اسلحہ فروخت کرنے لگے، اور کہنے لگے اب جہاد ختم ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو اسلحہ فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً

اور چاہئے کہ ان پر معلوم ہو تمہارا رے اندر سختی ☆

مؤمن کی شان

مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا و رسول کے معاملہ میں سخت و شدید ہو۔ تاکہ اس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ ہو جائے اذَلَّةً عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِعْرَاقًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ۔ رکوع ۸) وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشَدُّ اَعْلٰى الْكٰفِرِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح رکوع ۴) جَاهِدِ الْكٰفِرِ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ رکوع ۱۰) وفي الحديث انه صلى الله عليه وسلم قال انا الضحوك القتال۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۷﴾

اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈروالوں کے ☆

آیت سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ کی تلاوت ان میں غور و فکر اور مقتضی پر عمل کرنے سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا ہوتی ہے یہ زیادتی نور ایمان اور حلاوت ایمان کی ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان نظر آنے لگتی ہے عبادت میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے گناہوں سے طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے کلفت محسوس ہونے لگتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایمان جب قلب میں آتا ہے تو ایک سفید نورانی نقطہ جیسا ہوتا ہے، پھر جوں جوں ایمان میں ترقی ہوتی ہے تو یہ سفیدی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب نورانی ہو جاتا ہے اسی طرح کفر و نفاق شروع میں ایک سیاہ داغ کی طرح قلب پر لگتا ہے پھر جوں جوں معاصی کا ارتکاب اور کفر کی شدت بڑھتی جاتی ہے یہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ (مظہری)

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو کہا کرتے تھے کہ کچھ دیر مل کر بیٹھو، دین اور آخرت کی باتوں کا مذاکرہ کرو تا کہ ہمارا ایمان بڑھے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر

كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا

برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی

يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۷۶﴾

توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں ☆

منافقوں کی رسوائی

یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے مثلاً قحط بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی و سماوی میں مبتلا ہوتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی ان کا نفاق علانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ و جہاد کے وقت ان کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسے بے حیا اور بد باطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانی کھا کر بھی لٹس سے مس نہیں ہوتے نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں۔

درباغ لالہ روید و درشورہ رہ بوم خس

حضرت شاہ صاحب نے دوسری طرح آیت کی تقریر کی ہے۔ یعنی کلام الہی جس مسلمان کے دل کے خطرہ سے موافق پڑتا وہ خوش ہو کر بول اٹھتا کہ سبحان اللہ۔ اس آیت نے میرا ایمان یقین اور زیادہ کر دیا۔ اسی طرح جب کسی سورت میں منافقین کے پوشیدہ عیوب ظاہر کئے جاتے تو وہ بھی شرمندگی سے کھیانے ہو کر کہتے کہ بیشک اس کلام نے ہمارے یقین و ایمان کو بڑھا دیا۔ لیکن یہ کہنا چونکہ خوشی اور انشراح سے نہ تھا۔ محض رفع خجالت کے لئے کہہ دیتے تھے اس لئے یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ آئندہ توبہ کر کے سچے دل سے حق کی پیروی کریں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے عیب چھپانے کی فکر و تدبیر کرتے تھے۔ یہ ہی ہے گندگی پر گندگی۔ عیب دار کہ نصیحت سن کر اپنی اصلاح کرے نہ یہ کہ الٹا صحیح سے چھپانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

مرض سے مراد ہے شک و نفاق جس گندگی سے مراد کفر۔ یعنی پہلے وہ سابق میں نازل شدہ آیات و سورتوں کے منکر تھے۔ اب اس جدید سورت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کفر بالائے کفر ہو جاتا ہے۔

ایمان بڑھتا

کفر کی حالت پر مرنے کی صراحت اس لئے فرمائی کہ ایمان ایک خداداد چیز ہے آیات کا کام ایمان بخشی نہیں۔ اللہ ایمان نہ دے تو آیات غیر مفید ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے (یعنی ایمان مرکب ہے اس کے اجزاء میں کمی بیشی ہوتی ہے) حضرت عمر اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے آؤ ہم اپنا ایمان بڑھائیں (یعنی اگر کوئی جدید آیت یا سورت نازل ہوئی ہو تو اس کو چل کر سنیں تا کہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہو) حضرت علی نے فرمایا دل کے اندر ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جتنا ایمان بڑھتا ہے اتنی ہی سفیدی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق دل میں سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جتنا نفاق بڑھتا ہے سیاہی بھی بڑھتی ہے یہاں تک کہ پورا دل کالا ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم مومن کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سیاہ پاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے ان میں

إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرِيكُمْ مِنْ

ایک دوسرے کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی

أَحَدٍ شَمَّ أَنْصَرَفُوا

مسلمان پھر چل دیتے ہیں ☆

جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الہی کا سننا ان پر بہت شاق گذرتا تھا خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھوں سے اشارے کرنے اور ادھر ادھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پرکھانا ہو۔ پھر نظر بچا کر شتاب مجلس سے کھسک جاتے تھے۔

صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بَانَئِهِمْ قَوْمٌ

پھیر دیے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں

لَا يَفْقَهُونَ ﴿۷۷﴾

کہ سمجھ نہیں رکھتے ☆

یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے خدا نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل و حماقت سے ایمان و عرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا ☆

جس کے حسب و نسب اخلاق و اطوار اور دیانت و امانت سے تم خوب واقف ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اونٹنی مامور من اللہ ہے

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن سلام کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا تبوک کو جاتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر خلیج کی طرف سے ہوا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (اونٹوں کے) پڑاؤ کیلئے یہی جگہ (مناسب معلوم ہوتی ہے) یہاں

سایہ بھی ہے اور پانی بھی یعنی یہاں گوگل کے بڑے بڑے درختوں کا سایہ بھی ہے اور پانی (کے چشمے) بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھیتی کی زمین ہے اونٹنی کو جانے دو (یہ خود جہاں ٹھہرنا ہوگا ٹھہر جائیگی) یہ مامور (من اللہ) ہے، چنانچہ اونٹنی آگے بڑھی اور دومہ کے پاس جا کر بیٹھ گئی ذی المروہ کی مسجد میں۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں فروکش ہوئے تو بنی عریض کے یہودیوں نے ہر لیس (حلیم یا حلیم نما کوئی کھانا) پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا اور چالیس یہودیوں کو بھی کھلایا پلایا (یعنی ان کی دعوت کی) چنانچہ یہ سلسلہ قیامت کے دن تک ان کے لئے جاری رہے گا (یعنی بنی عریض کے لئے یہ دوائی پٹہ اور وثیقہ ہو گیا)

قوم ثمود کے کھنڈرات

امام مالک امام احمد اور بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت جابر حضرت ابوبکثہ انماری اور حضرت ابو حمید ساعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر (قوم ثمود کے مسکن قدیم) کی طرف سے گذرے تو آپ نے چادر مبارک بطور نقاب کے اپنے چہرہ پر ڈال لی آپ اس وقت کجاوہ پر سوار تھے اور اونٹنی کو تیز دوڑایا کہ قوم ثمود کے گھر پیچھے رہ گئے (آپ ان سے آگے بڑھ گئے) اور (آگے بڑھ کر) اترے ساتھ والے حجر کے باشندوں کی طرف لپکے اور انہوں نے ان کنوؤں سے پانی کھینچا جن سے قوم ثمود پانی پیتی تھی اسی پانی سے لوگوں نے آٹا گوندھا اور گوشت کی ہانڈیاں چڑھائیں جب یہ اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے نماز کیلئے ندا کرائی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ان لوگوں کے مکانوں میں تم لوگ نہ داخل ہو جنہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا ہاں روتے ہوئے (وہاں جاسکتے ہو) ان کے کنوؤں کا پانی بھی نہ پیو اور نماز کے لئے اس پانی سے وضو بھی نہ کرو ہانڈیوں کو الٹ دو اور گوندھا ہو آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔

معجزات طلب نہ کرو

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے روانہ ہو کر اس کنویں پر پہنچے جس کا پانی (حضرت صالح کی) اونٹنی پیا کرتی تھی

امت کی فکر

جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہ ہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیوی و اخروی عذاب سے محفوظ رہے۔ اس لئے جو دین آپ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے۔ اور عمال کو آپ یہ ہی نصیحت فرماتے تھے ”یسروا ولا تعسروا“ (آسانی کرو سختی مت کرو)

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

حریص ہے تمہاری بھلائی پر ☆

یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد و مسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت و اعتدال پر رکھنا ہے۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳۷﴾

ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے ☆

جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حال پر ظاہر ہے کس قدر شفیق و مہربان ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

خیر الامم کی مثال

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے ایک پائینتی بیٹھ گیا اور ایک سرہانے۔ پائینتی والے فرشتے نے سرہانے والے سے کہا کہ ان کی اور ان کی امت کی کوئی مطابق حال مثال بیان کرو۔ تو وہ کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال امت کے ساتھ ایسی ہے جیسے لوگ سفر کرتے ہوئے ایک لقمہ وودق جنگل میں پہنچ گئے ہوں، زادراہ توشہ وغیرہ کچھ باقی نہ رہا ہو، نہ آگے سفر جاری رکھ سکتے

اور فرمایا معجزات طلب نہ کرو قوم صالح نے معجزات طلب کئے تھے انہوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ معجزہ پیش کریں، چنانچہ اللہ نے (پہاڑ کے اندر سے) اونٹنی بطور معجزہ برآمد کر دی تھی اونٹنی اس گھاٹی سے (پانی پر) اتر آتی تھی اور اس گھاٹی سے نکل کر جاتی تھی اونٹنی ایک دن ان کا سارا پانی پی جاتی تھی (اور قوم کے جانوروں کو اور آدمیوں کو اس روز پانی نہیں ملتا تھا) ایک دن لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی کر گزارا کرتے تھے آخر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں (اور اس کو قتل کر دیا) نتیجہ یہ ہوا کہ ایک چیخ سب پر ایسی پڑی جس کی وجہ سے اس آسمان تلے ان میں کا کوئی شخص سوائے ایک آدمی کے زندہ نہ بچا۔ سب کو اللہ نے ٹھنڈا کر دیا۔

من انفسکم کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہی جنس سے ہیں اسمعیلی نسل سے ہیں تم ان کے حسب نسب کو جانتے ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا عرب کے ہر قبیلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق تھا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا حضرت آدم سے لے کر آخری دور تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سارے آباء اجداد) جاہلیت کے نکاح کے طریقوں سے پاک رہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جاہلیت کے طریق زنا سے نہیں پیدا ہوا بلکہ اسی نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوا جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔

جاہلیت کے نکاح

جاہلیت کے نکاح کے مختلف طریقے ہوتے تھے طلعت حرب نے دول العرب والاسلام میں دور جاہلیت کے نکاح کے بیان میں ان کو مفصل لکھا ہے ایک طریقہ تو یہی تھا جو اسلام میں رائج تھا دوسرا طریقہ نکاح سفاح کا تھا تیسرا طریقہ نکاح بغایا کا تھا۔ یہ بھی دستور تھا کہ سوتیلا بڑا بیٹا اپنی سوتیلی بیوہ ماں پر چادر ڈال دیتا تھا یا اپنے کسی چھوٹے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جاتا تھا اس کو بھی ازدواج کا ایک طریقہ مانا جاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

عَزِيزٌ عَلَيْكُمْ مَا عَنِتُّمْ

بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے ☆

طرف سے برگشتہ بنے ہوئے ہیں اب تم ان کے سامنے جاؤ تو اس وقت تم نے جو مجھ سے کہا تھا ان کے سامنے بھی تصدیق کر دینا کہ ان کے دل کی گرفت نکل جائے۔ کہا اچھا۔ پس جب اعرابی آیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے آکر سوال کیا تھا، میں نے دیا لیکن اس نے جو کہا تھا تم جانتے ہو، میں نے اسے بلا کر اور دیا ہے اب وہ راضی ہے، کیوں اے بدوی! یہ بات ٹھیک ہے؟ بدوی نے کہا ہاں خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزا دے۔ (تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ

پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

وہی مالک ہے عرش عظیم کا ☆

اللہ کافی ہے

اگر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجئے ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خدا آپ کو کافی ہے جس کے سوانہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور ”عرش عظیم“ تخت شہنشاہی (کا مالک وہی ہے۔ سب نفع و ضرر، ہدایت و ضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

غموں کا علاج

ابوداؤد میں ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ جو شخص صبح و شام

سات سات مرتبہ **حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ**

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ پڑھا کرے خدا اس کے تمام ہوم و غم کو کافی ہو جائیگا۔ باقی عرش کی عظمت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہو تو ”روح المعانی“ میں زیر آیت حاضرہ ملاحظہ کیجئے۔ تم

سورۃ التوبہ بفضل اللہ و حسن توفیقہ۔ اللهم تب علی واجعل لی

براءة من النار انک انت التواب الرحیم۔ (تفسیر عثمانی)

ہیں نہ ہی واپس ہونے کی کوئی صورت ہے۔ ایسے ہی ایک مرد خوش پوش ان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا میں تمہیں یہاں سے نکل کر ایسے باغوں میں لے چلوں جو سرسبز و شاداب ہوں، نہریں اور حوض ہوں، کیا میرے ساتھ چلو گے؟ وہ بڑی خوشی سے راضی ہو جاتے ہیں، وہ انہیں لے چلتا ہے وہ انہیں سرسبز و شاداب باغ میں لے آتا ہے وہ خوب میوے کھاتے ہیں، پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور خوب پھلتے پھولتے ہیں پھر ان سے کہتا ہے کیا میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا نہیں کیا اور کیا تمہیں ایسے سرسبز و شاداب جگہ پر نہیں پہنچایا؟ اب سنو آگے اور باغات ایسے ہیں جو اس سے بھی زیادہ پر بہار ہیں، اس سے بھی کہیں زیادہ شاداب حوض ہیں۔ آؤ تمہیں اب وہاں لے چلوں۔ تو بعض نے کہا تم نے پہلے بھی سچ کہا تھا اور اب بھی سچ کہہ رہے ہو ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں اور بعض نے کہا ہم تو یہیں اچھے ہیں، ہمیں یہی بس ہے آگے کے تمتعات کی ضرورت نہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے پیچھے ہی دیوانے ہو گئے ہیں عاقبت کی خبر نہیں لیتے۔ حالانکہ یہاں سے کہیں زیادہ وہاں خوش عیشیاں ہیں۔

بے مثال سخاوت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالی مدد مانگی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ خون بہا ادا کرنے کیلئے مدد چاہی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ دیا اور فرمایا، لو میں نے تمہارا کام نکال دیا، اور تمہارے ساتھ سلوک کیا۔ اس نے کہا نہیں کوئی احسان نہیں کیا، یہ سن کر بعض صحابہ غضبناک ہو گئے اور اس پر دست درازی کا ارادہ کیا۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے انہیں منع کر دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اپنے ٹھکانے پر گئے اور اعرابی کو بلا بھیجا، اور کہا تم نے مانگا اور میں نے دیا اور خیر تم نے جو کہا سو کہا۔ اچھا یہ اور بھی لو۔ اور پھر پوچھا اب بھی میرا سلوک تمہارے ساتھ اچھا رہا یا نہیں۔ اعرابی نے کہا ہاں اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزائے خیر دے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب تمہاری

آخری دو آیتیں

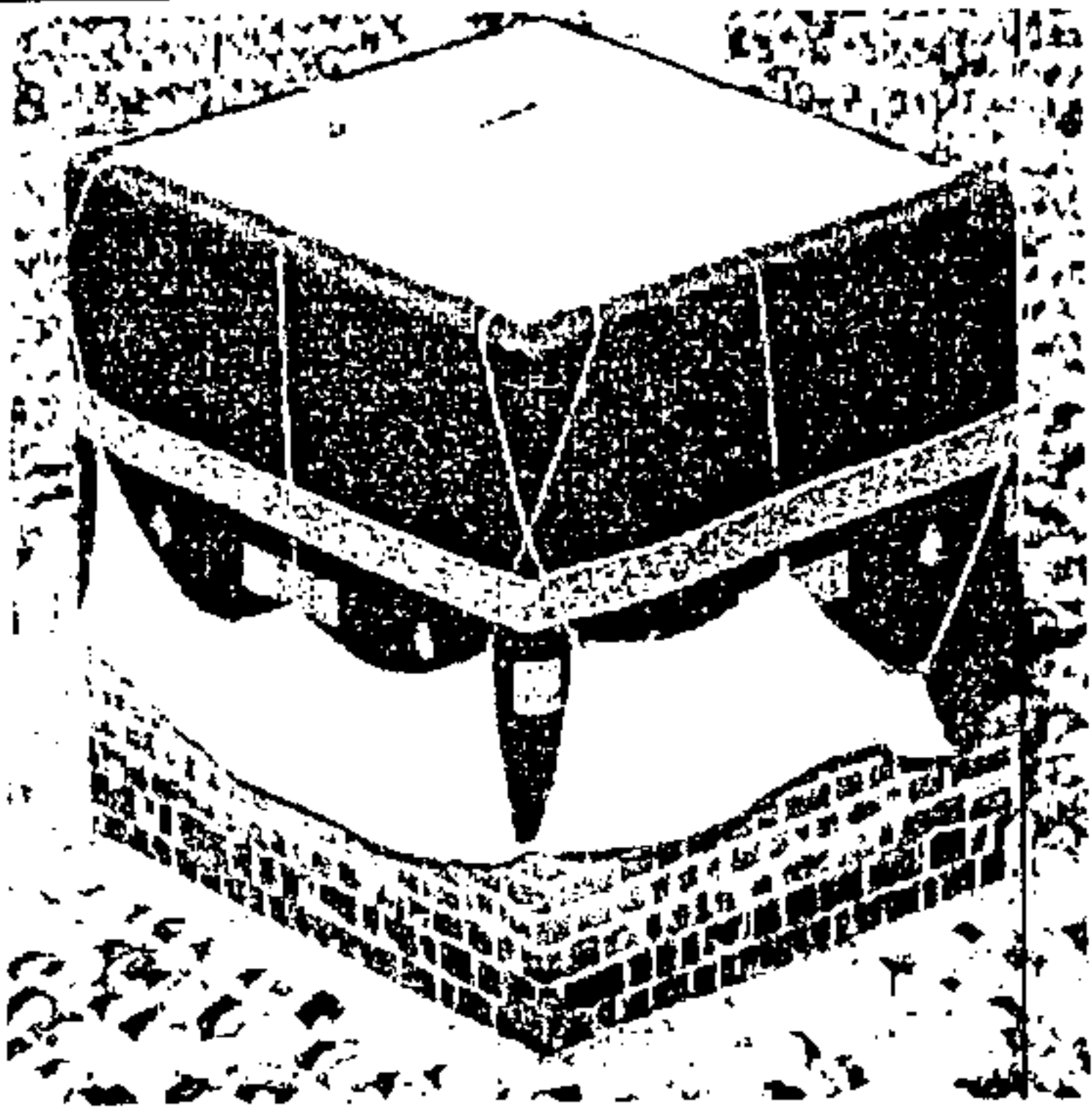
آخری دو آیتیں حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق قرآن کی آخری آیتیں ہیں ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے (قرطبی)

ان دو آیتوں کے بڑے فضائل حدیث میں مذکور ہیں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام یہ آیتیں سات مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام آسان فرمادیتے ہیں (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے قرآن کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا اور لوگوں سے فرمایا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کا کوئی حصہ سیکھا ہو وہ ہمارے پاس لے کر آجائے لوگوں نے قرآن مجید کی آیات کا غدوں پر تختیوں پر اور درختوں کے پوست پر لکھ رکھی تھیں، حسب الحکم لوگ لانے لگے لیکن آپ کسی کی لائی ہوئی کوئی آیت قبول نہیں کرتے تھے۔ جب تک دو شاہد شہادت نہیں دیتے تھے (کہ یہ قرآن کی آیات ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم دی تھی) آپ جمع ہی کر رہے تھے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان آپ کی جگہ ہو گئے اور حضرت عثمان نے فرمایا جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ میرے پاس لے آئے آپ بھی کوئی آیت بغیر دو شاہدوں کے شہادت دیئے بغیر نہیں قبول کرتے تھے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت نے فرمایا، میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے دو آیتیں نہیں لکھیں حضرت عثمان نے فرمایا وہ کون سی ہیں حضرت خزیمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آیتیں سیکھی تھیں۔ لقد جاءكم رسول من انفسكم آخر تک۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیات اللہ کی طرف سے (آئی) ہیں اب بتائیے آپ کی رائے میں ان کو کہاں رکھنا چاہیے؟

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، قرآن کا جو حصہ آخر میں نازل ہوا تھا اس کے خاتمہ پر ان کو رکھیے چنانچہ سورہ برأت کے خاتمہ پر ان آیات کو لکھ دیا گیا۔



اللَّهُمَّ
سُبْحَانَكَ
وَتَعَالَى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ يُونُسُ

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے پوری یا کچھ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے مال پر کچھ آفت آئے گی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا خوشخبری دینے اور بھلائی کرنے میں مستعد رہے گا۔ (ابن سیرین)

سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
الرَّتِّكَ اَيْتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ①
یہ آیتیں ہیں کئی کتاب کی ☆

قرآن ہر لحاظ سے محکم ہے یہ آیتیں ایسی مضبوط و محکم کتاب کی ہیں جس کی ہر بات سچی ہے۔ الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہیں گے علوم اس لئے کہ تمام تر عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک واقع کے مطابق ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ خدائے عظیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اتارا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کے مضامین

سورۃ یونس مکی سورتوں میں سے ہے، بعض حضرات نے اس کی صرف تین آیتوں کو مدنی کہا ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت میں بھی قرآن اور اسلام کے بنیادی مقاصد توحید، رسالت، آخرت وغیرہ کو کائنات عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات و مشاہدات سے استدلال کر کے ذہن نشین کیا گیا ہے، اس کے ساتھ

کچھ عبرت خیز تاریخی واقعات و قصص کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے اور اس کے ضمن میں شرک کا ابطال اور اس سے متعلق بعض شبہات کا جواب ارشاد ہوا ہے یہ خلاصہ ہے مضامین سورت کا۔

پچھلی سورۃ کے ساتھ ربط

سورت کے ان مضامین پر غور کرنے سے یہ بھی آسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ پچھلی سورت یعنی توبہ اور اس سورت میں باہمی کیا ربط ہے سورہ توبہ میں انہی مقاصد کے لئے منکرین و کفار کے ساتھ جہاد اور کفر و شرک کی طاقت کو مادی اسباب کے ذریعہ توڑنے کا بیان تھا، اور یہ سورت چونکہ احکام جہاد کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی اس میں مذکورہ مقاصد کو مکی دور کے قانون کے مطابق صرف دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا
کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی
اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ
ہم نے ایک مرد پر ان میں سے یہ کہ ڈر سنا دے لوگوں کو
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَهُمْ قَدَمٌ
اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو کہ ان کے
صَدَقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ
لئے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں ☆

پیغمبر کا آنا قابل تعجب نہیں ہے

یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے حق تعالیٰ ایک انسان ہی کو مامور فرمادے اور اس کی طرف وہ پیغام بھیجے جس کی دوسروں کو بلا واسطہ خبر نہ ہو۔ وہ تمام لوگوں کو خدا کی نافرمانی کے مہلک نتائج و عواقب سے آگاہ کرے۔ اور خدا کی بات ماننے والوں کو بشارت پہنچائے کہ رب العزت کے یہاں اعمال صالحہ کی بدولت ان کا کتنا اونچا مرتبہ اور کیسا بلند پایہ ہے۔ اور کیسی سعادت و فلاح ازل سے ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قدم صدق کا معنی

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قدم صدق سے مراد یہ ہے کہ پہلے ہی بیان پر تصدیق کرنا اور سعادت حاصل کر لینا ہے اور اپنے اعمال کا اجر حسن پانا ہے۔ حسان کا شعر ہے

لنا القدم العليا اليك وخلفنا لا و لنا في طاعة الله تابع
 ”ہمارے اعمال اور ہمارے طور طریق تمہارے ساتھ سچے ہیں اور طاعت خداوندی کے بارے میں ہمارے خلاف اپنے اسلاف کے تابع ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر)

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا السَّحْرُ قُبٰىنٌ ۝۱۰

کہنے لگے سحر بیگ یہ تو جادوگر ہے صریح ☆

یعنی وحی قرآنی کو فوق العادت موثر و بلیغ ہونے کی وجہ سے جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی کامل صفات موجود ہیں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ہدایت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ یتیم اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابل تعجب ہے اس لئے کہ نبوت کے لئے مال دار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں علی وجہ الکمال موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مکارم اخلاق اور محاسن کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقین کی طرح آپ بھی خدا کی طرف سے بشیر و نذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین جنس بشر سے تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ رَبَّكُمْ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائی آسمان

وَالْاَرْضِ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اور زمین چھ دن میں ☆

عمل ضروری ہے

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ لفظ صدق لانے میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جنت کے یہ درجات عالیہ صرف صدق و سچائی اور اخلاص ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں نرا زبانی جمع خرچ اور صرف زبان سے کلمہ ایمان پڑھ لینا کافی نہیں جب تک دل اور زبان دونوں سے سچائی کے ساتھ ایمان اختیار نہ کر لیا جائے جس کا لازمی نتیجہ اعمال صالحہ کی پابندی اور برے اعمال سے پرہیز ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لوگوں کے تعجب کو آیت میں جو تعجب آفریں قرار دیا گیا ہے اور ان کے تعجب کو واجب الانکار بتایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا پیغمبر بنایا جانا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے تخلیق آدمؑ کے وقت سے ہی اللہ کا معمول رہا ہے کہ ہمیشہ انسانوں کو ہی پیغمبر بنایا گیا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا هُمْ نَآپ سے پہلے بھی ہمیشہ مردوں کو پیغمبر بنایا۔

انسان کو پیغمبر بنانے کی حکمت

بادشاہوں کا یہی قاعدہ ہے کہ تحریر و تقریر کی زبان وہی اختیار کرتے ہیں جس کو مخاطب جانتا ہو اور قاصد بھی اسی کو بنا کر بھیجا جاتا ہے جو ان لوگوں کی جنس سے ہو جن کے پاس بھیجا گیا ہو فائدہ اندوزی اور فائدہ رسائی بغیر مناسبت کے ممکن نہیں اللہ تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا ہے

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَرٰنَا عَلَيْهِمْ مِنْ السَّمٰوٰتِ
 مَلٰٓئِكًا رُّسُوْلًا اَگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے اور رہتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے بخاری نے لکھا ہے کہ زید بن اسلم نے کہا ان کیلئے قلم صدق ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی شفاعت) (تفسیر مظہری)

(ربط) سورہ توبہ میں مشرکین سے برأت اور منافقین کی فضیحت کا بیان ہوا یہ دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور نزول وحی کے منکر تھے اور توحید کے بھی قائل نہ تھے اس لئے اس سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت اور قیامت کا اثبات فرمایا اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے متعلق اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے متعلق جو منکرین کے شبہات ہیں ان کا ازالہ فرمایا کیونکہ منافقین اور مشرکین کتب الہیہ کی تکذیب میں اور انکار وحی میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور شکوک و شبہات میں ایک دوسرے کے ہم خیال تھے اس لئے سب کا رد فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

زمین و آسمان کی پیدائش کا وقت

یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا۔ اور ایک دن ابن عباس کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائے گا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین و آسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تائی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق میں بہ نسبت دفعہ پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بلا اضطراب نہیں۔ بلکہ ہر چیز کا وجود بالکل اس کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے جب چاہے، جس طرح چاہے پیدا کرے۔ (تفسیر عثمانی) قدرت کا کرشمہ

چھ دن کے تھوڑے سے وقت میں اتنے بڑے جہان کو جو آسمانوں اور زمین اور سیارات اور تمام کائنات عالم پر مشتمل ہے، بنا کر تیار کر دینا اسی ذات قدوس کا مقام ہے جو قادر مطلق ہے اس کی تخلیق کے لئے نہ پہلے سے خام اجناس کا موجود ہونا ضروری ہے اور نہ بنانے کے لئے کسی عملہ اور خدام کی ضرورت ہے بلکہ اس کی قدرت کاملہ کا یہ مقام ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہیں تو بغیر کسی سامان اور کسی کی امداد کے ایک آن میں پیدا فرمادیں، یہ چھ دن کی مہلت بھی خاص حکمت و مصلحت کی بناء پر اختیار کی گئی ہے ورنہ ان کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ تمام آسمان و زمین اور اس کی کائنات کو ایک آن میں پیدا فرمادیتے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ

پھر قائم ہوا عرش پر ☆

سورہ "اعراف" کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گزر چکی اس کا فائدہ ملاحظہ کیا جاوے۔ (تفسیر عثمانی)

ایسے معاملات جن میں اجمالی ایمان کافی ہے

تمام معاملات میں جن میں حق تعالیٰ کی نسبت کسی مکان یا جہت کی طرف کی گئی ہے یا جن میں حق تعالیٰ کے لئے اعضاء، بد، وجہ، ساق وغیرہ کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے، عقیدہ جمہور علمائے امت کا یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ پر حق ہیں اور

ان سے جو راہ حق تعالیٰ کی ہے وہ صحیح ہے اور اس کی کیفیت و حقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے نہ ہر جائے مرکب تو ان تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں کہ شاید یہ معنی ہوں، اس معنی کو یقینی وہ نہیں فرماتے اور نرے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کر سکتے۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش (تخت شاہی) پر وہ قائم ہوا سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا باتفاق عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض سے پاک ہے۔

ایک علمی شبہ اور اس کا جواب

لیکن آیت مذکورہ الصدر اور اسی جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ کا (اتصاف ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک و عقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہری الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں جو شان خداوندی کے مناسب ہیں کیونکہ آیت وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ میں الرَّاسِخُونَ کا عطف اللہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانیین بھی واقف ہیں)

صفات الہی پر ایمان

امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا کہ پورب سے پچھتم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں ان کو (یونہی) بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں۔ امام مالک بن انس نے فرمایا استواء (کا حقیقی ترجمہ) مجہول نہیں (استواء کی) کیفیت معلوم نہیں۔ اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔

عرش پر تشریف فرما ہونا

سلف صالحین، تنزیہ باری تعالیٰ کے قائل تھے، اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو (بغیر تاویل کے) مانتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اللہ آسمان میں یقیناً ہے، زمین میں نہیں۔ رواہ البیہقی۔ اس قول کی نسبت بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرف کی گئی ہے، کہ جس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ السُّتُوٰی اور عرش آسمانوں کے ادھر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔ امام شافعی نے فرمایا اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے۔ وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے (یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونے اور نیچے اترنا تینوں قول صحیح ہیں لیکن عرش پر موجود ہونے مخلوق کے قریب ہونے اور نیچے اترنے کی کیفیت معلوم نہیں) ایسا ہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی مروی ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی، ذہبی، بخاری، ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ ابن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، بیہقی اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی قول ہے۔ ابوزرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت کا اجماع ہے حافظ عثمان بن سعید داری نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے۔ سہل بن عبد اللہ تسری نے فرمایا یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا وہ کیسے مستوی ہو سکتا ہے۔ ہمارے لئے (استواء کو) ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے، مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے۔ جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران مآب ہوگا۔ محمد بن خزیمہ نے کہا، جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمانوں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے توبہ کر لے تو خیر، ورنہ اس کی گردن مار دی جائے۔

مختلف علماء و صوفیاء کے اقوال

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش و کرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی

چیزوں سے بھی۔ وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اوپر ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری بصری نے کتاب "اختلاف المسلمین و مقالات الاسلامیین" میں اہل سنت اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں کا ماننا اور جو کلام اللہ کی طرف سے آیا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے سب کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خود آیت الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ السُّتُوٰی میں فرمایا ہے اور اللہ کے دو ہاتھ بھی ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے: خَلَقْتُ يَدَيَّ۔ ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے، ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے، جو کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کے پیرو تھے اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات میں کامل ہے..... آخر میں ابو نعیم نے کہا، جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی (مخلوقی) کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ اللہ آسمان میں عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔

امام الحرمین نے کہا، عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی (کی وضاحت و تفصیل) کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے، اہلسنت قائل ہیں کہ استوی علی العرش اللہ کی صفت ہے بلا کیف۔ اس پر ایمان واجب ہے۔ بیضاوی نے لکھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ استواء علی العرش اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے۔ استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔

ابوبکر علی بن عیسیٰ شبلی جو اپنے زمانے کے صوفیاء میں سب سے بڑے عالم تھے، کہتے ہیں: رب آسمان میں ہے حکم دیتا ہے اور فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری نے اخبار شتی میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے "غنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے (جس کا خلاصہ وہی ہے جو علمائے سلف سے

ہیں جس کی شعاعیں ابھی تک زمین پر نہیں پہنچیں، حالانکہ شعاع نوری کی حرکت ایک منٹ میں لاکھوں میل بتائی جاتی ہے، جب سیاروں اور ستاروں تک انسان کی رسائی کا یہ حال ہے تو آسمان جو ان سب ستاروں اور سیاروں سے اوپر ہے اس کا یہ مسکین انسان کیا حال معلوم کر سکتا ہے، اور پھر جو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اور سب پر حاوی اور محیط عرشِ رُحْمٰن ہے اس کی حقیقت تک انسان کی رسائی معلوم، آیت مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان وزمین اور تمام کائنات بنائی اور اس کے بعد عرش پر قیام فرمایا۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ

تدبیر کرتا ہے کام کی ☆

یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ

کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد ☆

کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر لب بھی نہیں ہلا سکتا یعنی شریک اور حصہ دار تو اس کی خدائی میں کیا ہوتا، سفارش کے لئے بھی اس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی) اس آیت کا نزول نصر بن حارث کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ اگر قیامت کا دن ہوا تو لات وعزلی میری سفارش کر دیں گے لات اور عزلی عورت کی شکل کے دو بت تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی) آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ضرور ہوگی مگر اللہ کی اجازت کے بعد ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ

وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو

إفْلَا تَنْكَرُونَ

کیا تم دھیان نہیں کرتے

بس اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اوپر بیان ہوئیں دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جا سکے۔ پھر تم کو کیسے

منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک۔ یہ تمام اقوال ذہبی نے کتاب العلوٰء میں نقل کیے ہیں۔ صحابہ تابعین، محدثین، فقہاء اور صوفیہ کی کثیر جماعت (تقریباً کل) کا یہی مسلک ہے۔ میں نے مختصراً سورہ اعراف کی آیت

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشَى الْبَيْتَ النَّهَارَ اُور سورہ بقرہ کی آیت يَاتِيهِمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور خاص پر تو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نور چمیں ہوتی ہے۔ (یعنی بعض مخلوق تجلی الہی کی خصوصی جولانگاہ ہے خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ خداوندی سے نور چمیں ہوتی ہے اس پر خاص چمکارا اور پر تو پڑتا ہے اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان و زمان اور حال کیف و کم ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے، بے مکان ہے، بے زمان ہے، اور ہر حادث مقدار و عوارض سے پاک ہے) (تفسیر مظہری) خلاصہ کلام

غرض یہ کہ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنا یہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لئے حکمرانی سے کنا یہ کے لئے استواء کے ساتھ علی العرش کا لفظ ذکر کیا امام ابو الحسن فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابو بکر بن نورک کہتے ہیں کہ استواء سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاری نے بھی اس معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

انسان کی بے بسی

اتنی بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ عرشِ رُحْمٰن کوئی ایسی مخلوق ہے جو تمام آسمانوں اور زمین اور تمام کائنات عالم پر محیط ہے سارا جہاں اس کے اندر سایا ہوا ہے، اس سے زائد اس کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، جو انسان اپنی سائنس کی انتہائی ترقی کے زمانہ میں بھی صرف نیچے کے سیاروں تک پہنچنے کی تیاری میں ہے اور وہ بھی ابھی نصیب نہیں اور اس کا یہ اقرار ہے کہ اوپر کے سیارے ہم سے اتنے دور ہیں کہ آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ بھی ان کی معلومات تخمینہ اور اندازہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور بہت سے ستارے ایسے بھی

روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ”نور“ مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ ”ضیاء“ اور ”ضوء“ اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے۔ اس لئے ”ضیاء“ سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ

اور مقرر کیے اس کے لئے منزلیں ☆

چاند کی منزلیں

یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ ” وَالْقَمَرَ قَدَرَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْوَةِ الْقَدِيمَةِ “ (یس۔ رکوع ۳) علمائے ہیئت نے اس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں، مطلق سیر و مسافت کے مدراج مراد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

روشنی کے رنگ

زجاج نے لفظ ضیاء کو جمع قرار دیا ہے، اس رو سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ روشنی کے سات مشہور رنگ اور قسمیں جو دنیا میں پائی جاتی ہیں آفتاب ان تمام اقسام کا جامع ہے جو بارش کے بعد قوس قزح میں ظاہر ہوتے ہیں (منار)

چونکہ ہر مہینہ میں چاند کم از کم ایک دن غائب رہتا ہے اس لیے عموماً چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، قدیم جاہلیت عرب میں بھی اور اہل ہیئت و ریاضی کے نزدیک بھی ان منزلوں کے خاص خاص نام ان ستاروں کی مناسبت سے رکھ دیئے گئے ہیں جو ان منازل کی محاذات میں پائے جاتے ہیں، قرآن کریم ان اصطلاحی ناموں سے بالاتر ہے، اس کی مراد صرف وہ فاصلے ہیں جن کو شمس و قمر خاص خاص دنوں میں طے کرتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ط

تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب ☆

اوقات کا حساب

یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب

جرات ہوتی ہے کہ اس خالق و مالک شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغامبروں کو محض اوہام و ظنون کی بناء پر جھٹلانے لگو۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ط

اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو ☆

یعنی اسی سے تم سب کا آغاز ہوا، اور اسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اس کے احکام و سفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ

وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اول بار

ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا

پھر دوبارہ کرے گا اس کو تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے تھے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ط

اور کیے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ ☆

یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

اور جو کافر ہوئے ان کو پینا ہے

حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

کھولتا پانی اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ

يَكْفُرُونَ ① هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ

کفر کرتے تھے وہی ہے جس نے بنایا سورج کو

ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا ط

چمک اور چاند کو چاندنا ☆

نور اور روشنی

بعض کے نزدیک ”نور“ عام ہے ”ضیاء“ خاص اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو، وہ ”نور“ ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ چاند کی

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا

البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأَطْبَأْتُوا بِهَا وَالَّذِينَ

ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ

هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَفِلُونَ ﴿۷﴾

ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ☆

غافل لوگ

یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر دی، اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

أُولَئِكَ مَاؤُهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸﴾

ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلہ اس کا جو کماتے تھے ☆

ان کی کمائی دوزخ ہے

یعنی دل و دماغ سے زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ انہوں نے کمائی کی اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ﴿۹﴾

ہدایت کرے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے ☆

ایمان و عمل کا پھل

یعنی ایمان کی بدولت اور اس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنت) تک پہنچائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے جانی چیز پر عمل کیا اللہ اس کو انجانی چیز کا علم عطا فرمادے گا۔ رواہ ابو نعیم۔ الحلیہ۔ (تفسیر مظہری)

سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیے ہیں اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات قمری اور شمسی مہینے اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعین اوقات کی ضرورت ہے۔

مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ

یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے ☆

یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیف ما اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام و تدبیر کے ماتحت اور ہزار ہا فوائد و حکم پر مشتمل ہے۔

يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

ظاہر کرتا ہے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے ☆

عقلمندوں کا کام

یعنی سمجھ دار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کئے ہوں گے۔

انہی سمجھ دار لوگوں کو انبیاء و مرسلین کہہ لیجئے۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا

البتہ بدلنے میں رات اور دن کے اور جو

خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کچھ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین میں

لَايَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾

نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں ☆

ہر چیز خالق پر دلیل ہے

بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں

وفي كل شيء له آية تدل على انه واحد
سورہ بقرہ میں پارہ سبقتول کے ربیع کے قریب ایک آیت گزر چکی جس میں زیادہ وسط و تفصیل سے ان نشان ہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

پاش ہے، اللہ فرمائے گا ” السلام علیکم یا اهل الجنة “ یہی ہے معنی سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ کا۔

مہاجرین کو سلام

امام احمد بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر سب سے پہلے فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن سے (اسلام کی) سرحدوں کا انتظام ہوتا ہے اور انہی کے ذریعے سے ناگوار امور سے حفاظت کی جاتی ہے لیکن (اتنی اہم شخصیت کے حامل ہونے کے باوجود) ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو دل کی خواہش دل ہی میں لیکر جاتا ہے۔ پورا کرنے کی توفیق ہی اس کو نہیں ملتی۔ اللہ اپنے ملائکہ میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ مہاجرین کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ۔ فرشتے عرض کریں گے، اے ہم ہمارے مالک ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں۔

مخلوق میں تیرے برگزیدہ بندے ہیں۔ کیا تو ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں۔ اللہ فرمائے گا، یہ میرے ایسے بندے تھے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ کسی کو میرا شریک نہیں قرار دیتے تھے انہی کو سرحدوں پر بھیجا جاتا تھا اور انہی کے ذریعے سے ناگوار امور سے حفاظت ہوتی تھی اور جب ان میں سے کوئی مرتا تھا تو اپنا ارمان اپنے دل میں ہی لے کر مرتا تھا۔ پورا کرنے کی اس کو توفیق ہی نہ ہوتی تھی۔ حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے اور کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ۔

فَتَنَعَمَ عُقُوبَى الدَّارِ۔ (تفسیر مظہری)

فرشتوں کا سلام

اہل جنت کا یہ حال ہوگا کہ ان کا خطاب سبحانک اللہم ہوگا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس سے کوئی پرندہ اڑتا گزرے گا جس کی خواہش انہیں پیدا ہوگی تو مذکورہ بالا کلمہ زبان پر لائیں گے یہی ان کا بلاوا ہوگا تو ایک فرشتہ ان کے مرغوبات لے کر حاضر ہو جائے گا سلام کرے گا۔ وہ جواب سلام دیں گے۔ چنانچہ فرمایا تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ۔ وہ جب کھا چکیں گے تو اللہ کا شکر اور حمد کیا کریں گے۔ اسی لئے کہا کہ اِخْرَجُوا عَنْهُمْ اِنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (ابن کثیر)

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

جَنَّتِ التَّعْيِيمِ ① دَعُوهُمْ فِيهَا

باغوں میں آرام کے ان کی دعا اس جگہ یہ کہ

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ

پاک ذات ہے تیری یا اللہ ☆

جنتیوں کی ٹھاٹھ

جنتی جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر ”سبحان اللہ“ پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہوگی، مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور ادھر رغبت ہوئی تو سبحانک اللہم کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کر دیں گے۔ گویا یہ ہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہوگا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لئے مہیا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ

اور ملاقات ان کی سلام ☆

جنتیوں کا سلام

جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے، نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں مخصوص ہے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ (یس۔ رکوع ۴)

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(الرعد۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کا سلام

ابن ماجہ ابن ابی الدنیا و دارقطنی اور اجری نے جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اہل جنت اپنی راحتوں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان پر اوپر سے ایک نور چمکے گا۔ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو (نظر آئے گا کہ) اللہ اوپر سے ان پر جلوہ

کے ساتھ بہتر یہ ہے کہ سورہ صفت کی آخری آیتیں بھی پڑھے یعنی
 سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِيْنَ
 وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ يُعِجِلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اور اگر جلدی پہنچادے اللہ لوگوں کو برائی جیسے

اسْتَعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقَضَىٰ إِلَيْهِمْ

کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کر دی جائے

أَجَلَهُمْ فَذَرِ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

ان کی عمر سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں ان کو جن کو امید نہیں

لِقَاءِنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱

ہماری ملاقات کی ان کی شرارت میں سرگرداں ☆

اللہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے

دو آیت پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ہمارے
 ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ
 خدا ایسے مجرموں کو دنیا میں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ حالانکہ
 لوگوں کا حال یہ ہے کبھی بیباک و بے حیا بن کر خود اپنے اوپر جلد عذاب
 آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا
 مِنَ السَّمَاءِ (انفال۔ رکوع ۴) کبھی دنیوی حادثہ سے تنگ آ کر اپنے یا
 اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بددعا میں لگتے ہیں جیسا کہ تجربہ سے
 ظاہر ہے اب اگر خدا تعالیٰ ان کی درخواست دعاء کے موافق فوراً ہاتھوں ہاتھ
 کوئی عذاب یا برائی اس قدر جلد ان کو پہنچادے جتنی جلد وہ بھلائی کے پہنچنے
 کی خواہش رکھتے ہیں تو بدی کے وبال سے ایک منٹ بھی فرصت نہ پائیں
 اور رشتہ حیات اسی وقت منقطع ہو جائے مگر خدا کے یہاں نیکی و بدی دونوں
 میں حسب مصلحت تاخیر و تحمل ہوتا ہے، تانیک لوگ تربیت پائیں اور بدکار
 غفلت میں پڑے رہ کر بیان شرارت لبریز کریں۔ (تفسیر عثمانی)

عزیزوں کے حق میں بددعا

امام ابن جریر طبری نے بروایت قتادہ اور بخاری و مسلم نے بروایت

وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

جو پروردگار ساری جہان کا ☆

جنتیوں کا آخر کلام

جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کمالات کا خاتمہ ہو جائے
 گا اور محض سبحانک اللہم کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہے گی
 تو ان کی ہر دعا کا خاتمہ ” الحمد لله رب العالمین “ پر ہوگا اور
 طبعاً ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

آخری بات ہوگی الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ شاید اس سے مراد یہ ہے
 کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر اللہ کی عظمت کا معائنہ کریں
 گے تو اس کی بزرگی بیان کریں گے اور صفات جلالیہ کا اظہار کریں گے۔
 پھر اللہ کی طرف سے فرشتے حاضر ہو کر ان کو تمام آفتوں سے سالم رہنے
 اور عزت و کرامت پر فائز ہونے کی دعاء دیں گے۔ اس وقت وہ اللہ کی
 حمد و ثناء کریں گے اور اللہ کی صفت اکرام کو بیان کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

قطعہ

ذوق نامش عاشق مشتاق را از بہشت جاودانی خوش تر است
 گر چہ در فردوس نعمتہائے است وصل او از ہر چہ دانی خوش تر است
 ز جاج کہتے ہیں کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح و تعظیم سے ہوگا
 اور اس کا اختتام خدا کے شکر اور ثناء پر ہوگا۔

کھانے پینے کے آداب

قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ کھانے پینے اور تمام کاموں
 میں سنت اہل جنت کے اس عمل کے مطابق یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع
 کرے اور الحمد للہ پر ختم کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے پئے تو بسم اللہ
 سے شروع کرے اور فارغ ہو کر الحمد للہ کہے۔

دُعاء کا ادب

مستحب ہے کہ دعا کرنے والا آخر میں یہ کہا کرے
 وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور قرطبی نے فرمایا کہ اس

ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے، بیٹھے لیٹے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا۔ پھر جہاں تکلیف ہٹالی گئی، سب کہا سنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ ہی غرور و غفلت کا نشہ، وہ ہی اکڑفوں رہ گئی۔ جس میں پہلے مبتلا تھا۔

عیش و آرام میں خدا کو یاد رکھو

حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے عیش و آرام میں یاد رکھ، خدا تجھ کو تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔ مؤمن کی شان یہ ہے کہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ سختی پر صبر اور فراخی پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مؤمن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكَ

اور البتہ ہم بلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے

لِمَا ظَلَمُوا وَأَجَاءَتْهُمْ رَسُولُهُمْ

جب ظالم ہو گئے حالانکہ لائے تھے ان کے پاس رسول

بِالْبَيْتِ وَمَا كَانُوا لِيَوْمِئِذٍ

ان کے کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانے والے

كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾

یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو ☆

ظلم و کفر کی سزا آخزل کر رہتی ہے

یعنی اگر ان کی درخواست کے موافق جلدی عذاب نہ آئے یا تکلیف و مصیبت آ کر ٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ سنت اللہ قدیم سے یہ ہی ہے کہ جب لوگ انبیاء و مرسلین کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم و تکذیب پر کمر بستہ رہے اور کسی طرح ایمان و تسلیم کی طرف نہ جھکے تو آسمانی عذاب نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ ہمیشہ مجرموں کو کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہی۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں

مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو

مجاہد نقل کیا ہے کہ اس جگہ بددعاء سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بددعاء کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ایسی دعاء قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے، امام قرطبی نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعاء کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیر کی بددعاء اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرمادیں، اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج و غصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے وہ فوراً قبول ہو جاتی ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لئے کبھی بددعاء نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعاء کا ہو، اور یہ بددعاء فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے غزوہ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف

دَعَا إِلَىٰ غَيْبٍ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا

پکارے ہم کو پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّكَانٌ

پھر جب ہم کھول دیں اس سے وہ تکلیف چلا جائے

لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ كَذَلِكَ

گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح

زَيْنَ الْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

پسند آیا ہے بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں ☆

انسان کی بیباکی اور کمزوری

یعنی انسان اول بیباکی سے خود عذاب طلب کرتا اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے۔ مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر

انسانوں کا امتحان

یعنی پہلوں کی جگہ اب تم کو زمین پر بسایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کہاں تک خالق و مخلوق کے حقوق پہچانتے ہو۔ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔ نیک و بد جیسے عمل کرو گے اسی کے مناسب تم سے برتاؤ کیا جائے گا۔ آگے اس معاملہ کا ذکر ہے جو قرآن کریم یا پیغمبر علیہ السلام یا خداوند قدوس کے ساتھ انہوں نے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ: تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اچھے یا برے اور گزشتہ اقوام کے احوال سے عبرت اندوز ہو کر پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہو یا نہیں کرتے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اعمال و افعال بذات خود نہ اچھے ہوتے ہیں نہ برے افعال کی اچھائی برائی کیفیت جہت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ایک ہی عمل مختلف وجوہ کے تحت اچھا بھی ہو جاتا ہے اور برا بھی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میٹھی اور سبز ہے۔ اللہ تم کو یہاں (گزشتہ اقوام کا) جانشین بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے بارے میں خواب

ایک دفعہ عوف بن مالکؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ایک رسی آسمان سے لٹکی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھینچ لیا۔ پھر وہ آسمان سے معلق ہو گئی تو اب ابوبکرؓ نے کھینچ لیا۔ پھر لوگ منبر کے اطراف اس کو ناپنے لگے اور عمرؓ کے ناپ میں وہ منبر سے تین ہاتھ لمبی نکل آئی۔ وہاں عمرؓ بھی تھے۔ عمرؓ نے سن کر کہا ”ارے تمہارا خواب چھوڑو بھی کہاں کا خواب اور ہمیں اس سے کیا واسطہ۔“ لیکن جب عمرؓ خلیفہ ہوئے تو عوفؓ سے کہنے لگے ”عوف! تم اپنا خواب تو سناؤ، عوفؓ نے کہا اب خواب کی کیا پڑی ہے تم نے تو مجھ اس کے سنانے پر جھڑک دیا تھا۔ عمرؓ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم نفس صدیق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر مرگ سناؤ۔ پھر عوفؓ نے خواب بیان کیا حتیٰ کہ جب یہاں تک پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اسے ناپنے لگے۔ تو عمرؓ نے کہا کہ ایک تو ان تین میں سے خلیفہ تھا یعنی ابوبکرؓ اور دوسرا وہ جو خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت و ناراضی کی پرواہ نہیں کرتا اور تیسرے ہاتھ پر اختتام کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہید ہوگا۔

لومة لائم سے نہ ڈرنے کا ذکر جو عمرؓ نے کیا وہ احکام خداوندی کے بارے میں تھا۔ اور لفظ شہید سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے شہادت مقدر ہے اور اس وقت ہے کہ سارے لوگ میرے فرمانبردار ہونگے۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۗ

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح

قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتِ

کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ

بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۗ

کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال ☆

مشرکوں کی بے ہودہ فرمائش

قرآن کی عام پسند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے لیکن بت پرستی یا ان کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ اپنے خدا سے کہہ کر یا تو دوسرا قرآن لے آئیے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اگر یہ ہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجئے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔ جن لوگوں نے پتھر کی مورتیوں پر خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، ان کی ذہنیت سے کچھ مستبعد نہیں کہ ایک پیغمبر کو اس طرح کے تصرفات و اختیارات کا مالک فرض کر لیں۔ یا یہ کہنا بھی محض الزام و استہزاء کے طور پر ہوگا۔ بہر حال اس کا تحقیقی جواب آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ مَا يَكُونُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ

تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں

تِلْقَائِيْ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو

يُوحِيْ اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ

حکم آئے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر

عَصَبْتُ رَبِّيْ عَذَابٍ يُّومٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰

نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے ☆

فرمائش کی تردید

یعنی کسی فرشتہ یا پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے کلام الہی میں ترمیم کر کے ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ پیغمبر کا فرض یہ ہے کہ جو وحی خدا

میں پہنچائے جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو، کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھنے اور افتراء کرنے لگے؟ ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الہی تم کو سنا تا ہوں اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سنا تا ہے۔ ایک نقطہ یا ریز بر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کھرے کھوٹے کی پہچان کا اصول

قرآن کریم کی اس دلیل نے صرف قرآن کے کلام حق ہونے پر ہی مکمل ثبوت پیش نہیں کیا بلکہ عام معاملات میں کھرے کھوٹے اور حق و باطل کی پہچان کا ایک اصول بھی بتا دیا کہ کسی شخص کو کوئی عہدہ یا منصب سپرد کرنا ہو تو اس کی قابلیت اور صلاحیت کو جانچنے کا بہترین اصول یہ ہے کہ اس کی پچھلی زندگی کا جائزہ لیا جائے، اگر اس میں صدق و امانت داری موجود ہے تو آئندہ بھی اس کی توقع کی جاسکتی ہے، اور اگر پچھلی زندگی میں اس کی دیانت و امانت اور صدق و سچائی کی شہادت موجود نہیں تو آئندہ کے لئے محض اس کے کہنے اور دعویٰ کی وجہ سے اس پر اعتماد کرنا کوئی دانشمندی نہیں، آج عہدوں کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی سپردگی میں جس قدر غلطیاں اور ان کی وجہ سے عظیم مفاسد پیدا ہو رہے ہیں۔ ان سب کی اصلی وجہ اسی اصولی فطرت کو چھوڑ کر کسی چیزوں کے پیچھے پڑ جانا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک

بخاری نے لکھا ہے کہ اول روایت (یعنی ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہونا اور نبوت کے بعد مکہ میں ۱۳ سال قیام پذیر رہنا، زیادہ مشہور بھی ہے اور واضح بھی۔ مسلم نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کی بھی یہی عمر ہوئی۔

ابوداؤد طیالسی اور مسلم نے معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

کی طرف سے آئے بلا کم و کاست اس کے حکم کے موافق چلتا رہے۔ وہ خدا کی وحی کا تابع ہوتا ہے۔ خدا اس کا تابع نہیں ہوتا کہ جیسا کلام تم چاہو، خدا کے یہاں سے لا کر پیش کر دے۔ وحی الہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف اور قطع و برید کرنا بڑی بھاری معصیت ہے، پھر جو معصوم بندے سب سے زیادہ خدا کا ڈر رکھتے ہیں (انبیاء علیہم السلام) وہ ایسی معصیت و نافرمانی کے قریب کہاں جاسکتے ہیں۔

إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ " میں گویا ان بیہودہ فرمائش کرنے والوں پر تعریض ہو گئی کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ

کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے

وَلَا أَدْرِكُ بِهِ عَيْنٌ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ

اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں

عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾

ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی سچائی کی دلیل ہے یعنی جو خدا چاہتا ہے وہ ہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزرے، اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا۔ میرا صدق و عفاف، امانت و دیانت وغیرہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا اُمی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہ کرنا ایک معروف و مسلم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو، نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنا لائے جو اپنی فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن و انس کو عاجز کر دے، اس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں۔ ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسان کے ہاتھوں

نہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک بڑا خدا تو ایک ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے، مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے کام درست کرادیئے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے۔ باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود و اختیار میں ہیں ان کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے۔ بناء علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اتَّبِعُونِ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سُبْحٰنَهُ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے

وَتَعَلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۱۸

اور برتر ہے اس سے جسکو شریک کرتے ہیں ☆

بُت نہ سفارش کر سکتے ہیں اور نہ معبود ہیں یعنی بتوں کا شفیق ہونا اور شفیق کا مستحق عبادت ہونا دونوں دعوے غلط اور بے اصل ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہ ہی چیز ہوگی جو واقعی ہو۔ لہذا تعلیم الہی کے خلاف ان غیر واقعی اور خود تراشیدہ اصول کو حق بجانب ثابت کرنا۔ گویا خدا تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے واقعی ہونے کی خبر دینا ہے جن کا وقوع آسمان و زمین میں کہیں بھی اسے معلوم نہیں۔ یعنی کہیں ان کا وجود نہیں۔ ہوتا تو اس کے علم میں ضرور ہوتا۔ پھر اس سے منع کیوں کرتا۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت

فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْ اَلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

پیچھے جدا جدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکتی

رَبِّكَ لَقَضٰی بَيْنَهُمْ فِيمَا

تیرے رب کی توفیق سے ہو جاتا ان میں جس بات

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۱۹

میں کہ اختلاف کر رہے ہیں ☆

نودی نے اسی کو صحیح مشہور اور علماء کا متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔

احمد اور مسلم نے لکھا ہے کہ عمار بن ابی عمار نے بیان کیا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عمر تھی۔ فرمایا کیا تم گنتی لگا لو گے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا چالیس۔ جس میں بعثت ہوئی پندرہ تک مکہ میں امن و خوف کی حالت میں قیام رکھا اور دس ہجرت کے بعد مدینہ میں گزارے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلٰی

پھر اس سے بڑا ظالم کون جو باندھے اللہ

اللہ كَذِبًا وَّكَذَّبَ بِآيٰتِهِ اِنَّ

پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک

لَا يُفْلِحُ الْجُرْمُوْنَ ۱۷

بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا ☆

ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا

یعنی گنہگاروں اور مجرموں کو حقیقی کامیابی اور بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ظالم و مجرم کون ہے اگر (بفرض محال) میں جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن گزشتہ آیت میں جو دلیل بیان کی گئی، اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ احتمال بالکل باطل ہے۔ پس جب میرا سچا ہونا ثابت ہے اور تم جہل یا عناد سے خدا کے کلام کو جھٹلا رہے ہو تو اب زمین کے پردہ پر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُوْنَ

نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ

تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس ☆

خدا کے ساتھ مشرکوں کا معاملہ

وہ معاملہ تو خدا اور پیغمبر کے ساتھ تھا۔ اب ان کی خدا پرستی کا حال سنئے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضہ قدرت میں نفع و ضرر کوئی

تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ ”موضح القرآن“ میں ہے ”یعنی اگر کہیں کہ ہم کا ہے سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے، فرمایا کہ آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کریگا اور مخالف ذلیل ہونگے برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں۔“

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ
اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا
بَعْدَ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُمْ إِذِ اللَّهُمَّ
بعد ایک تکلیف کے جو ان کو پہنچی تھی اسی وقت بنانے
مَكْرُوفٍ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ
لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد
مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ
بناسکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں
مَا تَمْكُرُونَ ﴿۱۰﴾
حیلہ بازی تمہاری ☆

مشرکین کی حیلہ بازی

اہل مکہ پر حق تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ کی دعاء سے خدا نے سماں کر دیا، قحط کی بلاء دور ہوئی۔ تو پھر وہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اس کی قدرت و رحمت پر نظر نہ رکھتے۔ بلکہ انعامات الہیہ کو ظاہری اسباب و حیل اور محض بے اصل خیالات و اوہام کی طرف نسبت کرنے لگتے۔ اس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ بازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے مخفی نہیں، خدا کے علم محیط سے کہاں باہر رہ سکتی ہے۔ تم اپنے مکر و حیلہ سازی پر مغرور ہو، حالانکہ خدا کا جوابی مکر (تدبیر خفی) تمہارے مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے۔ وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ

کسی دین میں شرک جائز نہیں ہے

ممکن تھا مشرکین کہتے کہ خدا نے تمہارے دین میں منع کیا ہوگا ہمارے دین میں منع نہیں کیا۔ اس کا جواب دیدیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہے۔ اعتقادات حقہ میں کوئی فرق نہیں۔ درمیان میں جب لوگ بہک کر جدا جدا ہو گئے۔ خدا نے ان کے سمجھانے اور دین حق پر لانے کو انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ اور کسی ملت میں خدا نے شرک کو جائز نہیں رکھا۔ باقی لوگوں کے باہمی اختلافات کو زبردستی اس لئے نہیں مٹایا گیا کہ پہلے سے خدا کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ دنیا دائر عمل (موقع واردات) ہے۔ قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں۔ یہاں انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہ عمل چاہیں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پیشتر طے نہ ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

فیصلے کا دن قیامت ہے

حسن نے کہا اللہ کا ازلی فیصلہ ہو چکا تھا کہ قیامت سے پہلے دنیا میں عذاب و ثواب کی شکل میں ان کے اختلاف کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ دنیا میں ہی جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے بلکہ اللہ کی طرف سے جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت روز قیامت کو مقرر کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ

اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی

مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ

اس کے رب سے سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے

فَأَنْتُمْ تَنْتَظِرُونَ ﴿۱۱﴾

سو منتظر ہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ☆

پیغمبر کیلئے فرمائی نشان دکھانا ضروری نہیں

یعنی جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے، ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ صداقت کے نشان پہلے بہتر سے دیکھ چکے ہو، فرمائی نشان دکھلانا ضروری نہیں نہ چنداں مفید ہے۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائے گا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے کہ مستقبل میں کس شان اور نوعیت کے نشان ظاہر کرے گا۔ سو

کو ہلاک کر دینے کی تدبیر کر دیتا ہے۔ اللہ کا عذاب ان پر بہت جلد آجاتا ہے۔ اللہ چونکہ قدرت رکھتا ہے اس لئے وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ ضرور آکر رہتا ہے اور کافر دفع حق کی قدرت نہیں رکھتے۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِي يُسَبِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں

حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرِينِ ط

یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے کر

بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا ط

چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا سے اور خوش ہوئے اس سے آئی کشتیوں

رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ ط

پر ہوا تند اور آئی ان پر موج

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ ط

ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے

أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ ط

کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو خالص ہو کر

لَهُ الدِّينَ ؕ لَئِنِ اجْتَبَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ ط

اس کی بندگی میں اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو

لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۰﴾ قَلْبًا ط

بیشک ہم رہیں گے شکر گزار پھر جب بچا دیا

أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ ط

انکو اللہ نے لگے شرارت کرنے اسی وقت زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ ط

ناحق کی ☆

مشرکین کی موقع پرستی

یعنی ابتداء میں ہوا خوشگوار اور موافق تھی۔ مسافر بہتے کھیتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکا یک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے پہاڑ اٹھ کر کشتی (یا جہاز) سے ٹکرانے لگے۔ جب سمجھ لیا کہ ہر طرف

مجرم کو نوحہ غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور بھی نہیں آتا۔ جب پیمانہ شقاوت لبریز ہو جاتا ہے تو دفعہ پکڑ کر ٹینٹا دبا دیتا ہے۔ لہذا عاقل کو چاہئے کہ خدا کی نرمی، بردباری اور خوش کن حالات کو دیکھ کر مغرور نہ ہو، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔ جیسے آگے بحری سفر کی مثال میں بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے“ جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ رہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا ایک سبب کھڑا کر دے۔ اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال میں اس کی ایک صورت بیان فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

وہ اعمال جن کا بدلہ جلدی مل جاتا ہے

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی اور لوگوں پر احسان کرنے کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے (کہ آخرت سے پہلے دنیا میں اس کی برکات نظر آنے لگتی ہیں) اور ظلم اور قطع رحمی کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے (کہ دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے) (رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند حسن) اور ایک حدیث میں بروایت حضرت عائشہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کا وبال اپنے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے ظلم، بد عہدی، اور دھوکہ فریب (رواہ ابوالشیخ وابن مردودینی فی التفسیر) (معارف القرآن از مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء

بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ کافروں کی بے رحمی اور روگردانی دیکھ کر رسول اللہ نے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ! یوسف کے سات سالوں کی طرح ان کو ہفت سالہ قحط میں مبتلا کر کے میری مدد فرما، بددعا کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط مسلط ہو گیا کہ ہر چیز (یعنی کھیتی سبزی پھل وغیرہ) تباہ ہو گئی کھالیں اور مردار جانور تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم والے ہلاک ہو گئے۔ تم اللہ کی اطاعت اور صلۃ الرحم (قربنداروں سے حسن سلوک) کا ہم کو حکم دیتے ہو اللہ سے ان کے لئے دعا کرو کہ خدا ان کی مصیبت کو دور کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی کامیاب ہے

بعض لوگوں نے سرعت مکر کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ حق کو دفع کرنے کی جوتدبیریں کافر کرتے ہیں ان سے زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ ان

تمہیں اپنی شرارتیں لے ڈوبیں گی
یعنی تمہاری شرارت کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اگر چند روز شرارتیں کر
کے فرض کرو کچھ دنیا کا نفع حاصل کر ہی لیا تو انجام کار پھر خدا کی طرف لوٹنا
ہے۔ وہاں تمہارا سب کیا دھرا آگے آئے گا۔ خداوند رب العزت سزا دے
کر بتلا دے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

لوٹ پڑنے والی چیزیں

ابوالشیخ خطیب اور ابن مردویہ نے تفسیر میں حضرت انسؓ کی روایت
سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تین چیزیں
اپنے کرنے والے پر ہی لوٹ پڑتی ہیں، ظلم، فریب، دغا۔

ابن لالی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر پہاڑ پہاڑ پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والا
(پہاڑ) پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل

امام جعفر صادقؑ سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لئے اثبات صانع کی
کوئی دلیل ذکر کیجئے۔ تو فرمایا کہ بتلا تو کیا پیش کرتا ہے۔ اس نے کہا میں بحری
تجارت کرتا ہوں۔ کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی
ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا
ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آرہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا
بھی پیش آیا ہے تو امام جعفرؑ نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا گریہ و
زاری کی اور دعا مانگی۔ امام جعفرؑ نے فرمایا، پس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس
وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۷۷ ج ۴) (معارف کاندھلوی)

مؤمن اور کافر بندے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی وہ برسات کی
رات تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کیا تم جانتے ہو کہ آج کی
رات خدا تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، خدا اور خدا کا رسول
بہتر جانتے ہیں۔ تو فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آج میرے مؤمن
بندے بھی صبح اٹھے اور کافر بندے بھی، لیکن جس نے یہ کہا کہ یہ بارش
خدا کے فضل اور رحمت کے سبب ہے تو وہ مجھ پر ایمان لایا ہوا ہے اور
ستاروں کے اثرات کا منکر ہے اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ بارش
پختروں کے سبب ہوتی ہے تو وہ مجھ سے تو کفر کر رہا ہے اور پختروں پر

سے موت کے منہ میں گھرے ہوئے ہیں، بھاگنے اور نکلنے کی سبیل نہیں، تو
سارے فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگے جو اصل فطرت
انسانی کا تقاضا تھا، ہر چیز سے مایوس ہو کر خالص خدا کی بندگی اختیار کی اور
بڑے پکے عہد و پیمان باندھے کہ اگر اس مصیبت سے خدا نے نجات دی تو
ہمیشہ اس کے شکر گزار رہیں گے۔ کوئی بات کفرانِ نعمت کی نہ کریں گے لیکن
جہاں ذرا امن نصیب ہو اساعل پر قدم رکھتے ہی شرارتیں اور ملک میں اودھم
مچانا شروع کر دیا، تھوڑی دیر بھی عہد پر قائم نہ رہے۔ (تنبیہ) اس آیت میں
ان مدعیانِ اسلام کے لئے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے
کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

حضرت عکرمہ کا مسلمان ہونا

فتح مکہ کے بعد ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا۔ مکہ سے
بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا، تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے
گھیر لیا، ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو۔ یہاں
تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے۔ عکرمہ نے کہا کہ یہ ہی تو وہ خدا ہے جس
کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو بلا تے ہیں۔ اگر دریا میں رب
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی
دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے
اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے
ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری
تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْتُمْ عَلَيَّ

سنو لوگو تمہاری شرارت ہے تمہی

أَنْفُسِكُمْ مَتَاءَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

پر نفع اٹھالو دنیا کی زندگانی کا

ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ

پھر ہمارے پاس ہی تم کو لوٹ کر آنا پھر ہم بتلا دیں گے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۶﴾

جو کچھ کرتے تھے ☆

کھیتی تیار ہوگئی

یعنی مختلف الوان و اشکال کی نباتات میں زمین کو پر رونق اور مزین کر دیا اور کھیتی وغیرہ ایسی تیار ہوگئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہو گیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اتَّهَأْمُرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا

ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا

حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبْ بِالْأَمْسِ ط

اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی آبادی

كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں ☆

پھر اچانک آفت نے انہیں کو ختم کر دیا

یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت پہنچتی (مثلاً بگولا آگیا، یا اولے پڑ گئے یا ٹنڈی دل پہنچ گیا۔ علی ہذا القیاس) اس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا، گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیات دنیا کی مثال سمجھ لو کہ خواہ کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے، حتیٰ کہ بیوقوف لوگ اس کی رونق و دلربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فناء کے ہاتھوں نسبتاً منسیا ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی، کالبد خاکی میں مل کر قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کئے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا، ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا (فائدہ) لیلًا او نہاراً (رات کو یا دن کو) شاید اس لئے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آ پہنچے، پھر سوتا ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حالت میں اس کو روک نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان لا رہا ہے۔ کہہ دو! اے پیغمبر! میری حکمت عملی بڑی کارگر ہوتی ہے ایسے مجرم گمان کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی عذاب کفر کی بنا پر نہیں دیا لیکن در حقیقت ان کے ساتھ ڈھیل روارکھی گئی ہے۔ اور جب وہ اپنی انتہائی غفلت میں ہو جائیں گے تو ایک دم سے دھر لئے جائیں گے۔ ہمارے فرشتے ان کے اعمال لکھ رہے ہیں پھر وہ عالم الغیب کے پاس پیش کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ کی سزا پاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ

دنیا کی زندگی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا

مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهَا نَبَاتُ الْأَرْضِ

آسمان سے پھر ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا

مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ

جو کہ کھائیں آدمی اور جانور ☆

دنیاوی زندگی کی مثال

بعض نے فَاخْتَلَطَ بِهَا نَبَاتُ الْأَرْضِ کے معنی کثرت پیداوار کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب زمین کی پیداوار زیادہ قوی ہوتی ہے تو گنجان ہو کر ایک جزو دوسرے سے مل جاتا اور لپٹ جاتا ہے۔ بعض نے ”بہ“ کی ”باء“ کو مصاحبت کے لئے لے کر یہ معنی کئے ہیں کہ زمین کا سبزہ پانی کے ساتھ رل مل جاتا ہے کیونکہ نباتات اجزائے مائیکہ کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جس طرح کھانا انسان کا جزو بدن بنتا ہے۔ ایسے ہی پانی، گویا نباتات کی غذا بنتی ہے۔ مترجم رحمہ اللہ کے صنیع سے مترشح ہوتا ہے کہ اختلاط سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ زمین اور پانی کے ملنے سے سوسبزہ نکلتا ہے اس میں آدمی کی اور جانوروں کی خوراک مخلوط (رلی ملی) ہوتی ہے۔ مثلاً گیہوں کے درخت میں دانہ ہے جو انسان کی غذا بنتی ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک ہے۔ اسی طرح درختوں میں پھل اور پتے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کھانے والے علیحدہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازْبَيَّنَتْ

یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے رونق اور مزین ہوگئی

وَوَضَّعَتْ أَهْلُهَا أَنفُسَهُمْ قَدْ رَوْنَ عَلَيْهَا

اور خیال کیا زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی ☆

سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔ (تفسیر قرطبی)
اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام دار السلام رکھنا
مناسب نہیں، جیسے جنت یا فردوس وغیرہ نام رکھنا بھی درست نہیں۔
توفیق اللہ دیتا ہے

اس کے بعد آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا، وَيَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ یعنی پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے
سیدھے راستے پر۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دار السلام کی دعوت تو
سارے انسانوں کے لئے عام ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے سب
کے لئے ہدایت عام ہے لیکن ہدایت کی خاص قسم کہ سیدھے راستے پر
کھڑا کر دیا جائے اور چلنے کی توفیق دی جائے یہ خاص خاص ہی لوگوں
کو نصیب ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ
تھے کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے، تمہارے اس ساتھی کی ایک
خاص حالت ہے۔ مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو۔ کسی فرشتے نے
کہا، یہ سورہا ہے۔ دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سورہی ہے دل بیدار ہے۔
پھر فرشتوں نے کہا اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان
بنایا، اور (مہمانوں کو کھلانے کے لئے) دسترخوان بچھایا اور لوگوں کو بلانے
کے لئے ایک آدمی کو بھیجا جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی وہ اس کے گھر
میں آگئے اور دسترخوان پر کچھ کھالیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر
کے اندر نہیں آیا اور نہ دسترخوان سے کچھ کھایا (دوسرے فرشتوں نے کہا،
اس مثال کی تشریح کرو تا کہ یہ شخص سمجھ جائے ایک فرشتے نے کہا، یہ سورہا
ہے، دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سورہی ہے، دل بیدار ہے۔ فرشتوں نے
کہا اس کی تشریح یہ ہے کہ) مکان جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد صلی
اللہ علیہ وسلم ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا مانا، اس نے اللہ کی
اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نا
فرمانی کی۔ لوگوں کے مختلف فرقے ہیں۔ (رواہ البخاری)

داری نے حضرت ربیعہ جرشی کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی
ہے لیکن اس روایت کے یہ الفاظ ہیں، مجھ سے کہا گیا (قوم کے) سردار
نے ایک مکان بنایا اور دسترخوان تیار کیا اور ایک آدمی کو (عام لوگوں کے

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي

اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھلاتا ہے

مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

جس کو چاہے راستہ سیدھا ☆

جنت کی طرف آؤ

یعنی دنیا کی زائل و فانی زندگی پر مت رہتے رہو۔ دار السلام (جنت) کی طرف
آؤ۔ خداتم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی
دکھلاتا رہا ہے وہ ہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج و غم، پریشانی،
تکلیف، نقصان، آفت اور فنا و زوال وغیرہ سے صحیح و سالم رہیں گے۔ فرشتے ان
کو سلام کریں گے۔ خود رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)
جنت کو دار السلام کہنے کی وجہ

دار السلام سے مراد جنت ہے، اس کو دار السلام کہنے کی ایک
وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن و سکون ہر شخص کو حاصل
ہوگا، دوسری وجہ بعض روایات میں ہے کہ جنت کا نام دار السلام اس
لئے بھی رکھا گیا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا، بلکہ لفظ سلام اہل جنت
کی اصطلاح ہوگی، جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے اور
فرشتے ان کو مہیا کریں گے، جیسا کہ اس سے پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا خطاب

حضرت یحییٰ بن معاذ نے اس آیت کی تفسیر میں بطور نصیحت عوام کو
خطاب کر کے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دار السلام
کی طرف بلایا، تو اس دعوت الہیہ کی طرف کب اور کہاں سے قدم اٹھائے
گا، خوب سمجھ لے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے اگر تو نے دنیا ہی
سے کوشش شروع کر دی تو وہ کامیاب ہوگی اور تو دار السلام میں پہنچ
جائے گا اور اگر تو نے اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد یہ چاہا کہ قبر
میں پہنچ کر اس دعوت کی طرف چلوں گا تو تیرا راستہ روک دیا جائے، تو
وہاں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا، کیونکہ وہ دار العمل نہیں۔

کسی گھر کا نام دار السلام رکھنا

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ دار السلام جنت کے

ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی نقل کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ ایک منادی مقرر فرمائے گا، جو اتنی آواز سے ندا کرے گا کہ اگلے پچھلے سب سن لیں گے۔ اے اہل جنت! اللہ نے تم سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا تھا اور زیارت کا بھی۔ اچھا ثواب جنت ہے اور مزید (انعام) رحمن کا دیدار حاصل ہونا۔

سب سے بڑی نعمت

صحیح مسلم میں حضرت صہیبؓ کی روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو چکیں گے تو حق تعالیٰ ان سے خطاب فرمائیں گے کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ ہم اس کو پورا کریں گے، اہل جنت جواب دیں گے کہ آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے، ہمیں جنت میں داخل فرمایا، جہنم سے نجات دی، اس سے زیادہ اور کیا چیز طلب کریں، اس وقت درمیان سے حجاب اٹھا دیا جائے گا اور سب اہل جنت حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہ گیا تھا، جو رب العالمین نے محض اپنے کرم سے بے مانگے عطا فرمائی، بقول مولانا رومیؒ۔

ما نبودیم و تقاضہ ما نبود لطف تو ناگفتہ مامی شنود

(معارف مفتی اعظم)

وَلَا يَرَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذَلَّةٌ ط

اور نہ چڑھے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ط

وہ ہیں جنت والے وہ اسی میں رہا کریں گے ☆

جنتیوں کے چہرے

یعنی عرصاتِ محشر میں جس طرح کفارِ فجار کے چہروں پر سخت ذلت و ظلمت چھائی ہوگی، جنتیوں کے چہرے اس کے خلاف ہونگے۔ سیاہی اور رسوائی کیسی وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَاتِهِمْ بِمِثْلِهَا ط

اور جنہوں نے کمائیں برائیاں بدلے برائی کا اس کے برابر ☆

کھانے کے لئے) بلانے کے لئے بھیجا۔ پس جس شخص نے دعوت قبول کر لی وہ گھر کے اندر آ گیا اور دسترخوان پر اس نے (کھانا) کھا لیا اور (میزبان) سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا۔ اس نے دسترخوان سے کچھ نہیں کھایا اور سردار اس سے ناخوش ہو گیا۔ فرمایا پس اللہ سردار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلانے والا ہے اور مکانِ اسلام ہے اور دسترخوانِ جنت ہے۔

صراطِ مستقیم

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اور راستہ مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۹ جلد ۸) خلاف پیمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزلِ نخواہد رسید

(معارف القرآن)

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ط

جنہوں نے کی بھلائی ان کے لئے ہے بھلائی اور زیادتی ☆

بھلائی اور زیادتی

بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ ملے گی (یعنی جنت) اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملے گا۔ یعنی حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار۔ ”زیادہ“ کی تفسیر ”دیدار مبارک“ سے کئی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا، ”اے اہل جنت! تمہارے لئے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جو اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنت کا پلہ بھاری نہیں کر دیا۔ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا، آگے کوئی چیز باقی رہی، اس پر حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کر لیں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو ان کو عطا ہوئی ہے دولتِ دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہوگی نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ بمنہ و فضلہ۔ (تفسیر عثمانی)

فرضی معبودوں کی بے بسی

یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے، مثلاً مسیح علیہ السلام جو نصاریٰ کے نزدیک ”ابن اللہ“ بلکہ ”عین اللہ“ تھے یا ”ملائکہ اللہ“ یا ”احبار و رہبان“ کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا تھا یا اصنام و لوثان جن پر مشرکین مکہ نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہوگا۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ

پھر ترا دیئے ہم آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۷﴾ فَكُفِيَ

تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے سو اللہ

بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ

کافی ہے شاہد ہمارے اور تمہارے بیچ میں

كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِلِينَ ﴿۱۸﴾

ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی ☆

یعنی اس وقت عجیب افراتفری اور نفسی نفسی ہوگی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام و خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے، سب توڑ دیے جائیں گے اس ہولناک وقت میں جب کہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں، وہ صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق۔ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ (تم اپنے عقیدہ کے موافق جس چیز کو پوجتے تھے اس کے لئے وہ خدائی صفات تجویز کرتے تھے، جو فی الواقع اس میں موجود نہیں تھیں۔ تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی ”مسیح“ یا ”ملائکہ“ کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بے جان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کے نامزد کر دیتے تھے) خدا گواہ ہے کہ ہماری رضاء یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت و سفاہت سے خدا کے مقابلہ میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔ (تنبیہ) یہ گفتگو اگر حضرت ”مسیح“ وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں۔ اور ”اصنام“ (بتوں) کی جانب سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرت ناک در ماندگی کے اظہار

یعنی بدی سے زائد نہ ہوگا۔ کم سزا دیں یا بعض برائیوں کو بالکل معاف کر دیں ان کو اختیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ سب عادل تھے

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ سے وہ بدکار مراد ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ کیونکہ مؤمن جو رسول اللہ کے زمانہ میں تھے وہ سب صحابی تھے اور صحابہ کا عدول (غیر فاسق) ہونا بالاجماع ثابت ہے۔ اگر کسی صحابی سے کسی گناہ کا صدور ہو بھی جاتا تھا تو وہ فوراً توبہ کر لیتا تھا جس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتا تھا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدکار گناہ گار اس زمانہ میں صرف کافر تھے اور الذین کسبوا سے وہی لوگ مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ

اور ڈھانک لے گی ان کو رسوائی کوئی نہیں ان کو اللہ

مِنْ عَاصِمٍ كَانِمًا اُغْشِيَتْ

سے بچانے والا گویا کہ ڈھانک دیئے

وَجُوهُهُمْ قُطَعًا مِّنَ النَّيْلِ مُظْلِمًا

گئے ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ☆

جہنمیوں کے چہرے

یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری رات کی تھیں ان پر جمادی گئی ہیں (اعاذنا اللہ منها)

اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا

وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں

خٰلِدُونَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

رہا کریں گے اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ اٰشْرَكُوا

پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو

مَا كَانَكُمْ اَنْتُمْ وَاَشْرَآؤُكُمْ

کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک ☆

روحانی اور معنوی طور پر جو شخص یا قوم مردہ ہو چکی اس میں سے زندہ دل افراد پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں کے خلاف پران کی بدبختی سے موت طاری کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يُدْبِرِ الْأَمْرَ

اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی ☆

یعنی دنیا کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے۔

فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا

سو بول انھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ پھر ڈرتے

تَتَّقُونَ ۚ فَذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ

نہیں ہو سو یہ اللہ ہے رب تمہارا

الْحَقُّ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا

سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر

الضَّلَالُ فَإِنِّي تُصَرِّفُونَ ۚ

بھٹکنا سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو ☆

مالک کا اقرار کرتے ہو اس کی عبادت کرو

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اس کا اقرار کر کے کہاں لٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے ادھام میں بھٹکنا عقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان

الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ

نافرمانوں پر کہ یہ ایمان نہ لائیں گے ☆

یعنی اللہ نے ازل سے ان متمرّد سرکشوں کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا۔ جس کا سبب علم الہی میں ان کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس طرح خدا کی لکھی ہوئی بات ان پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے راست آئی۔

کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے پتھر کی صورتوں کو گویا کر دے۔

قَالَ اَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ (م اسجدہ رکوع ۳)

هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ

وہاں جانچ لے گا ہم پر کوئی جو اس نے پہلے کیا تھا اور رجوع

وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَضَلُّ

کریں گے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے ان کا اور جاتا رہے گا ان کے

عَنَهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۚ

پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے ☆

سب تو ہمت ختم ہو جائیں گے

یعنی جھوٹے اور بے اصل توہمات سب رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص بہ رائی العین مشاہدہ کر لے گا کہ اس سچے مالک کے سوا رجوع کرنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے تمام برے بھلے اعمال کا اندازہ ہو جائے گا کہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ☆

سب کچھ اللہ نے دیا ہے

آسمان کی طرف سے بارش اور حرارت شمس وغیرہ پہنچتی ہے اور زمینی مواد اس کے ساتھ ملتے ہیں تب انسان کی روزی مہیا ہوتی ہے۔

اَمْ مَنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا ☆

یعنی ایسے عجیب و غریب محیر العقول طریقہ سے کس نے کان اور آنکھ پیدا کی۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ کون ہے جو ان تمام قوائے انسانی کا حقیقی مالک ہے کہ جب چاہے عطا فرمادے اور جب چاہے چھین لے۔

وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ☆

مثلاً ”نطفہ“ یا ”بیضہ“ سے جاندار کو پھر جاندار سے نطفہ اور بیضہ کو نکالتا ہے۔ یا

راہنما بھی اللہ ہی ہے

”مبدأ“ و ”معاذ“ کے بعد درمیانی وسائط ذکر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اول پیدا کرنے والا اور دوبارہ جلانے والا وہی خدا ہے ایسے ہی ”معاذ“ کی صحیح راہ بتلانے والا بھی کوئی دوسرا نہیں۔ خدا ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہئے۔ بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ علیہم السلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ خدا کی ہدایت و دستگیری کے بدون ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ خدا بلا واسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ پھر یہ کس قدر انصافی ہے کہ انسان اس ہادی مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے یا مثلاً اجبار و رہبان، برہمنوں اور مہنتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمُ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ

اور وہ اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر سو

الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی ☆

مشرکوں کے پاس تو وہم کے سوا کچھ نہیں

جب معلوم ہو چکا کہ ”مبدی“ ”معدی“ اور ”ہادی“ وہی اللہ ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کوئی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر ”توحید“ کے مسلک تویم و قدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوائے ظنون و ادہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں۔ بھلا اٹکل کے تیر، حق و صداقت کی بحث میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۰﴾

اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ

اور وہ نہیں یہ قرآن کہ

يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ

کوئی بنالے اللہ کے سوا ☆

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ

پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو

يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلْ

پیدا کرے خلق کو پھر دوبارہ زندہ کرے تو کہہ

اللَّهُ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

اللہ پہلے پیدا کرتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

فَأَنْتُمْ تَوَفُّكُونَ ﴿۱۱﴾

سو کہاں سے پلٹے جاتے ہو ☆

اب آخرت کو بھی تسلیم کر لو

یہاں تک ”مبدأ“ کا ثبوت تھا۔ اب ”معاذ“ کا ذکر ہے۔ یعنی جب اعتراف کر چکے کہ زمین، آسمان، سمع و بصر، موت و حیات، سب کا پیدا کرنے والا اور تھانے والا وہی ہے تو ظاہر ہے کہ مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور دہرا دینا بھی اسی کا فعل ہو سکتا ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی زبانی جب وہ خود اس دہرانے کی خبر دیتا ہے تو اس کی تسلیم میں کیا عذر ہے۔ ”مبدأ“ اقرار کر کے ”معاذ“ کی طرف سے کہاں پلٹے جاتے ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ

پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو

يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلْ اللَّهُ يَهْدِي

راہ بتلائے صحیح تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے

لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ

صحیح تو اب جو کوئی راہ بتائے صحیح اس

أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي

کی بات مانتی چاہئے یا اس کی جو آپ نہ پائے راہ

إِلَّا أَنْ يَهْدِيَ فَمَا لَكُمْ قُلْ

مگر جب کوئی اور اس کو راہ بتلائے سو کیا ہو گیا تم کو

كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۲﴾

کیسا انصاف کرتے ہو ☆

منکروں کو چیلنج

یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن وانس کو جمع کر لو، تمام جہاں کے فصیح و بلیغ پڑھے لکھے اور ان پڑھا کٹھے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائے گا کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر مجال ہے کہ ابد الابد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔

قرآن ہر لحاظ سے کامل ہے

قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست، معرفت و روحانیت، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیہ خلاق کے وہ تمام قوانین و طرق موجود ہیں، جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔ اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و ہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا تموج، سہل ممتنع سلاست و روانی، اسالیب کلام کا تفسیر اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے زور شور اور بلند آہنگی سے سارے جہاں کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔

قرآن کا دعویٰ

جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولادِ آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اس کا برابر یہ ہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج، اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ شازشیں کریں گے، مگر گٹھلیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے۔ اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے۔ کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھانہ رکھیں گے، اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے مصائب و دواہی کا تحمل ان کے لئے ممکن ہو گا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہوگا۔ ”قُلْ لَیْسَ اجْتَمَعَتِ الْاِیْمَانُ وَالْکُفْرُ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا

صحیح راستہ بتانے والا صرف قرآن ہے

پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مشرکین محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ پیروی کے قابل اس کی بات ہے جو صحیح راستہ بتلائے۔ اسی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کا ذکر شروع کیا کہ آج دنیا میں وہ ہی ایک کتاب صحیح راستہ بتلانے والی اور ظنون و ادہام کے مقابلہ میں سچے حقائق پیش کرنے والی ہے۔ اس کے علوم و معارف، احکام و قوانین اور معجزانہ فصاحت و جزالت پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جو خداوند قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص بنا کر پیش کر سکے۔ پورا قرآن تو بجائے خود رہا اس کی ایک سورہ کا مثل لانے سے بھی تمام جن وانس عاجز ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وَلٰكِنْ تَصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ يَدَیْهِ

اور لیکن تصدیق کرتا ہے اگلے کام کی ☆

سچائی کی دلیل

قرآن کا کلام الہی ہونا اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ سابقہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا، ان کے اصل مضامین کی حفاظت اور ان کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِیْهِ

اور بیان کرتا ہے ان چیزوں کو جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾

نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ☆

یعنی احکام الہیہ اور ان حقائق و معارف کو جو پچھلی کتابوں میں نہایت اجمالی طور پر مذکور تھیں کافی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لئے شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع، بلیغ پر حکمت اور نور صداقت سے بھرا ہوا کلام رب العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰہُ قُلٌّ فَاتُوْا بِسُوْرَةٍ

کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی

مِثْلَہٗ وَاَدْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

سورت ایسی اور بلا لو جس کو بلا سکو

دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۷۸﴾

اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ☆

وجہ تکذیب کی کیسے ہو سکتی ہے؟ زائد از زائد توقف کی وجہ ہو تو ہو۔ (تفسیر عثمانی)
اسی طرح قرآن کی دی ہوئی خبریں بار بار سامنے آگئیں اور سچی ثابت ہو گئیں جیسے غلبت الروم الخ میں ہے کہ رومی مغلوب ہو گئے لیکن عنقریب غالب ہو جائیں گے۔ چنانچہ آئندہ رومی، ایرانیوں پر غالب ہو گئے۔ یا جیسے تَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَتَبَّتْ فِي ابْنِ لَهَبٍ كِي هَلَاكَتِ كِي پیشین گوئی کی گئی اور وہ پوری ہو کر رہی۔ اس تجربہ کے بعد کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ جذبہ عناد کے زیر اثر کافر رہے۔ (تفسیر مظہری)

كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح جھٹلاتے رہے ان ت اگلے

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

وَمِنْهُمْ مَنْ يُوْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ

اور بعضے ان میں یقین کریں گے قرآن کا اور بعضے

مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ

یقین نہ کریں گے اور تیرا رب خوب جانتا ہے

بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۲۰﴾

شرارت والوں کو ☆

منکرین کو ضرور سزا ملے گی

یعنی آگے چل کر ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں۔
انہیں چھوڑ کر جو باقی لوگ شرارت پر قائم رہیں گے، خدا سب کو خوب جانتا ہے۔ موقع پر مناسب سزا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِي

اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لئے میرا کام

وَلَكُمْ عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا

اور تمہارے لئے تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے

أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱﴾

کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو ☆

يُنشِئُ هَذَا الْقُرْآنَ لِيَاثُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا“ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۰) اس مسئلہ پر ہم نے ”اعجاز القرآن“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے شوق ہو ملاحظہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعَلَمِهِ

بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا ☆

انکار کی بنیاد تعصب ہے

یعنی قرآن کو ”مفتری“ کہنا سمجھ کر نہیں، محض جہل و سفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب و عناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن کے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بد فہمی یا قوائے فکریہ کے ٹھیک استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب قرآن پاک کے دلائل و عجائب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، تو جھٹلانا شروع کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)
یعنی ان کا کلام اور قرآن کی حقانیت سے انکار کسی غور و تحقیق پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن کی حقیقت کو جانے بغیر اور بلا غور و فکر کے فقط سنتے ہی انہوں نے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ابھی سوچا ہی نہیں کہ یہ کلام انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قرآن نے جو غیب کی خبریں بتائی ہیں مبداء اور معاد سے آگاہی اور ثواب و عذاب کی اطلاع دی ہے ابھی تک اس کے ظہور کا موقع ہی نہیں آیا ہے ان پر لازم تھا کہ کتب سابقہ کے عالموں سے پوچھتے کہ یہ باتیں جو قرآن بیان کر رہا ہے ان کی کتابوں میں بھی ہیں یا نہیں۔ اس تحقیق سے یقیناً قرآن کی سچائی ان پر واضح ہو جاتی۔ قرآن کی عبارت اور تعلیم و معانی کا معجز ہونا ان لوگوں پر ظاہر ہو سکتا ہے جو غور کریں، سوچیں اور قرآنی علوم کی تحقیق کریں۔ انہوں نے تو نہ الفاظ قرآن پر غور کیا نہ معنی کی تفتیش کی اور لگے فوراً انکار کرنے۔

وَلَسَّآيَاتِهِمْ تَأْوِيلَهُ

اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت ☆

انکار کی ایک وجہ جہالت بھی ہے

بعض مفسرین نے ”تاویل“ کے معنی ”تفسیر“ کے لئے ہیں۔ یعنی مطالب قرآن ان کے دماغ میں نہیں اترے اور بعض نے قرآنی پیشینگوئیاں مراد لی ہیں۔ یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لہذا وہ منتظر ہیں کہ ان کا ظہور کب ہوتا ہے۔ مگر سوچنا چاہئے کہ یہ

ہر ایک کو اپنے عمل کا پھل ملے گا

یعنی اگر ایسے دلائل و براہین سننے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے، تم سمجھانے پر نہیں مانتے تو اب میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) ”اگر اللہ کا حکم غلط پہنچاؤں تو میں گنہگار ہوں، اور میں سچ لاؤں تم نہ مانو تو گناہ تم پر ہے۔ بہر حال ماننے میں کسی طرح تمہارا نقصان نہیں۔“ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو چیز مجھے دے کر اللہ نے بھیجا ہے اس کی اور میری حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے قوم والوں سے کہا ہو کہ (اس پہاڑ کے اس طرف) میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کی) فوج دیکھی ہے (جو تم پر آخرت میں حملہ کر دے گی اور تم کو قتل و غارت کر دیگی) میں تم کو اس خطرہ سے آگاہ کئے دیتا ہوں بہت جلد (یہاں سے) نکل جاؤ اور بھاگ کر چلے جاؤ۔ اس شخص کے قول کو کچھ لوگوں نے مان لیا اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر رات ہی کو چلے گئے۔ اس طرح دشمن کے حملہ سے بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس شخص کو جھوٹا سمجھا اور صبح تک اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ صبح کو دشمن کی فوج نے ان پر حملہ کر دیا، سب کو تباہ کر دیا اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری لائی ہوئی تعلیم کو مانا اور میری تصدیق کی یا تکذیب کی اور میری لائی ہوئی صداقت کو نہ مانا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم من حدیث ابی موسیٰ۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ

اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾

سنائے گا بہروں کو اگرچہ ان کو سمجھ نہ ہو

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ

اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو

تَهْدِي الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۷﴾

راہ دکھائے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں ☆

عقل کے اندھوں کو آپ نہیں منوا سکتے

بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ کا کلام مبارک سنتے ہیں اور آپ کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ آپ دل کے بہروں کو اپنی بات سنا دیں۔ بحالیکہ وہ سخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوجھتا ہو۔ ”موضح القرآن“ میں ہے ”یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے۔“ بعض مفسرین نے لا یعقلون سے مطلق عقل کی اور لا یبصرون سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے، بہرے جو علاوہ نہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ ان کو آپ کس طرح سنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَ

اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی

لَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۸﴾

لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں ☆

انہوں نے خود ظلم کیا

یعنی جن کے دل میں اثر نہیں ہوتا، یہ ان ہی کی تفسیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے انہوں نے قوائے ادراکیہ کو تباہ کر لیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت سے ہر آدمی کو خدا نے سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دین اور لوگوں کی مثال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہدایات (اور دینی تعلیم) اللہ نے مجھے دے کر بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زمین پر خوب بارش ہو تو زمین کا جو ٹکڑا اچھا ہوتا ہے وہ پانی کو لے لیتا ہے پھر اس میں سبزہ گھاس چارہ بکثرت ہو جاتا ہے اور زمین کا کچھ ٹکڑا پتھر یا سخت ہوتا ہے وہ پانی کو اپنے اندر روک لیتا ہے (اس پانی سے اس زمین کے ٹکڑے میں تو روئیدگی نہیں ہوتی مگر) اللہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو

وَأَيْنِهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَيْنِيهِ (سورہ عبس - رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)
 يتعارفون بينهم. باہم ایک دوسرے کو پہچان لینگے جیسے دنیا میں ان کا
 باہمی تعارف تھا۔ گویا تھوڑی دیر کو جدا ہوئے تھے پھر جمع ہو گئے (اور کوئی
 کسی کو نہیں بھولا۔ بغوی نے لکھا ہے، یہ باہمی شناخت قبروں سے اٹھنے
 کے وقت تو ہوگی پھر قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے باہم تعارف جاتا رہے
 گا۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ آدمی اپنے برابر والے کو پہچان تو لے گا مگر
 ہیبت اور خوف کی وجہ سے اس سے بات نہیں کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ
اللَّهِ وَمَا كَانُوا مَهْتَدِينَ ﴿۱۵﴾
 بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا
 اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راد پر ☆

باقی جنہوں نے لقاء اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ
 سراسر فائدہ میں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَمَّا نُرِّيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ
أَوْ تَوْفِيقًا فَالْيَوْمَ نَرُجِعُهُمْ ثُمَّ
اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۶﴾
 اور اگر ہم دکھائیے تجھ کو کوئی چیز ان وعدوں میں سے جو کئے ہیں ہم نے ان سے
 یا وفات دیں تجھ کو، سو ہماری ہی طرف ہے انکو لوٹنا پھر
 اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں ☆

غلبہ اسلام کے وعدے پورے ہو کر رہے
 یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب و منصور کرنے
 کے جو وعدے کئے ہیں، خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ
 کی موجودگی میں پورے کر کے دکھلا دئے جائیں، جیسے ”بدر“ وغیرہ میں
 دکھلا دیا۔ یا آپ کی وفات ہو جائے۔ اس لئے آپ کے سامنے ان میں
 سے بعض کا ظہور نہ ہو۔ بہر صورت یہ یقینی ہے کہ وہ سب پورے ہو کر
 رہیں گے۔ اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کفار کو سزا نہ دی گئی تو آخرت
 میں ملے گی۔ ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ سب کو ہماری طرف
 لوٹ کر آنا ہے اور ان کے تمام اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت شاہ
 صاحب لکھتے ہیں کہ ”غلبہ اسلام کچھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو

فائدہ پہنچاتا ہے۔ لوگ پیتے پلاتے ہیں اور کھیتیاں سینچتے ہیں لیکن زمین
 کا ایک ٹکڑا وہ بھی ہوتا ہے جو چھیل میدان ہوتا ہے (پانی اس پر برستا ہے
 اور برس کر بہ جاتا ہے) وہ نہ پانی کو اپنے اندر روکتا ہے نہ سبزہ پیدا کرتا
 ہے۔ یہی حالت اس دین کی ہے کچھ لوگ دین کو سمجھتے ہیں۔ اللہ نے جو
 تعلیم مجھے دے کر بھیجا ہے ان کو اس تعلیم سے فائدہ ہوتا ہے وہ خود بھی
 سیکھتے ہیں، دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں اور کچھ لوگ دین کی طرف قطعاً
 توجہ نہیں کرتے۔ سراٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور جو ہدایت مجھے دے کر بھیجا
 گیا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ (متفق علیہ من حدیث ابی موسیٰ) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا
سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
 اور جس دن انکو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر
 ایک گھڑی دن ☆

قیامت آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی
 یعنی محشر کے ہولناک احوال و حوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام
 اس قدر حقیر و قلیل نظر آئے گا گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے
 ہی نہ تھے۔ اور افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بیکار گزری،
 جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بیکار گزار دیتا ہے۔ نیز
 وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ
 مدت قیام ہی نہ ہو جو یہ وقت آلیا۔ گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آ
 پھنسے۔ کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ
 دیکھنا پڑھتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی
 مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ
 ایک دوسرے کو پہچانیں گے ☆

کوئی کچھ مدد نہ کر سکے گا
 مگر کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔ نفسی نفسی پڑی ہو گیا۔ بھائی بھائی کے
 اور بیٹا باپ کے کام نہ آئے گا۔ فَلَا أُنْسَ لِمَنِ هُنَّ يَوْمَئِذٍ
 وَلَا يُتَسَاءَلُونَ (المؤمنون - رکوع ۶۷) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ

یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں دیتے ہو، محض جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي خَرًّا وَلَا

تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا نہ

نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ

بھلے کا مگر جو چاہے اللہ ہر فرقہ کا ایک

أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا

وعدہ ہے جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا

نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ

يَسْتَقْدِمُونَ ۝۴۹

آگے سرک سکیں گے ☆

مقررہ وقت پر عذاب آئے گا

یعنی عذاب وغیرہ بھیجنا خدا کا کام ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں۔ میں خود اپنے نفع نقصان کا صرف اسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے۔ پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا۔ ہر قوم کی ایک مدت اور میعاد خدا کے علم میں مقرر ہے۔ جب میعاد پوری ہو کر اس کا وقت پہنچ جائے گا، ایک سینکڑا تکلف نہ ہو سکے گا۔ غرض عذاب کے لئے جلدی چانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو وقت طے شدہ ہے اس سے ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرک سکتے۔ رخصتری کے نزدیک لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ اس سے کنایہ ہے کہ عذاب کا اپنے وقت معین پر آنا اٹل ہے۔ کنایہ میں حقیقت تقدم و تاخر کا نفی یا اثباتا اعتبار نہیں۔ قتبہ لہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر

عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا

عذاب اس کا راتوں رات یا دن کو تو کیا کر

يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْجُرْمُونَ ۝۵۰

لیں گے اس سے پہلے گنہگار ☆

ہوا، اور باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے۔ گویا تنوینک میں اس طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہد نے کہا عذاب کا جو حصہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دکھا دیا اس سے بدر کے دن کا عذاب (سرداران کفر کا قتل اور کافروں کی دوا می شکست) مراد ہے، باقی انواع عذاب کا مرنے کے بعد وقوع ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا

اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے پھر جب

جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

پہنچا ان کے پاس رسول ان کا فیصلہ ہوا ان میں

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۵۱

انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا ☆

امتوں کے متعلق اصول

پہلے اس امت اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام و امم کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت اور فرقہ کے پاس خدا کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو ”رسول“ کہیے، تاکہ خدا کی حجت تمام ہو، اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں، مگر دنیا میں ان کی سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔ خدا کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون پیشتر سے آگاہ کرنے اور لزوم نہ ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سنا دیا جائے۔ قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فرد جرم لگائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے۔ ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا۔ ”وَ أَتْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتَابُ وَ جَاءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءُ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (الزمر۔ رکوع ۷) مجاہد وغیرہ نے آیت کو قیامت کے احوال پر حمل کیا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۵۲

اگر تم سچے ہو ☆

وقت خدا کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ اچھا اب قائل ہوتے ہو، اور پہلے سے جھٹلاتے رہے۔ کیونکہ تقاضا کرنا بھی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے تھا۔ اس وقت اقرار کرنے سے کچھ نفع نہیں۔ فَلْيَاذُوا بِآسِنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِينَ
فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاوْا بِآسِنَاهُ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَقَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هٰذَا لِكُفْرُوْنَ (المومن۔ رکو ۹۷)

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوقُوْا

پھر کہیں گے گنہگاروں کو جکھتے رہو

عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا

عذاب بیگنی کا وہی بدلہ ملتا ہے

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

جو کچھ کما تے تھے ☆

کفر و شرک کا مزا

جو کفر و شرک اور تکذیب کرتے رہے تھے، اب ہمیشہ اس کا مزا جکھتے رہو۔ یہ قیامت میں کہا جائے گا۔

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقُّ هُوَ قُلُّ اِمِيْ وَرَبِّيْ

اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب

اِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۷﴾

کی یہ سچ ہے اور تم تھکانہ سکو گے ☆

موت کے بعد زندگی حق ہے

یعنی غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سر نو ہم کو موجود کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ تعجب کی کیا بات ہے یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور شرارتوں کا مزہ چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اسے عاجز کر سکو۔ (تنبیہ) اس آیت کے

کیا تم عذاب سے بچاؤ کر سکتے ہو

یعنی رات کو سوتے ہوئے یا دن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آدبائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مترجم رحمہ اللہ نے مَا ذَا اِسْتَعْجَلُ مِنْهُ الْعَبْرَمُوْنَ کا یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحب کے مذاق کے موافق کیا ہے۔ عموماً مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذاب الہی کے آنے میں کوئی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں۔ یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوفناک چیز کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اٹھتا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (البحر المحیط)۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کی جلدی کیوں مچاتے ہیں؟

بغوی نے لکھا ہے، کفار عذاب جلد آجانے کے طلب گار تھے۔ ایک شخص نے کہا تھا، اے اللہ اگر یہ حق ہے، تیری طرف سے ہے کہ تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اللہ اس کے جواب میں فرما رہا ہے، یہ کون سے عذاب کے آنے کی جلدی مچا رہے ہیں۔ عذاب تو ہر ایک کے لئے ناگواری کی چیز ہے۔ میں کہتا ہوں، ما ذَا يَسْتَعْجَلُ الْخِ شَرْطُ كِي جَزَاءُ هُوَ سَكْتِي هِي۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ گیا تو اس وقت کس چیز کی طلب میں عجلت کرو گے کیا اسی قسم کا دوسرا عذاب مانگو گے اور عذاب میں رہنا پسند کرو گے یا رہائی کے طلب گار ہو گے۔ ظاہر ہے کہ عذاب کے خواستگار نہ ہو گے۔ (تفسیر مظہری)

اَنْتُمْ اِذَا مَا وَقَعَ اَمْنَتُمْ بِهٖ النَّارِ

کیا پھر جب عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کر دو گے اب قائل

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے تھے ☆

در اصل تمہیں یقین نہیں ہے

یعنی عذاب کے لئے جلدی کرنا اس بناء پر ہے کہ نہیں اس کے آنے کا یقین نہیں۔ اس وقت یقین ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتے۔ عذاب آچکنے کے بعد یقین آیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ اس

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾

پر بہت لوگ نہیں جانتے ☆

یعنی سوء استعداد بد فہمی اور غفلت سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں سمجھتے۔
اسی لئے جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں اور جو جی میں آئے کرتے ہیں۔

هُوَ يُّحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۶۰﴾

وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے ☆

جلانا اور مارتا جب اسی کا فعل ہے تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ

اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے

مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ

نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء

لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى

دلوں کے روگ کی اور ہدایت

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۱﴾

اور رحمت مسلمانوں کے واسطے ☆

نسخہ شفاء

یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخہ شفاء ہے۔ وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے، اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت الہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

نفس انسانی کے مراتب

بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے تمسک کرے ان تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ (۱) اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا۔ لفظ ”موعظہ“ میں اس کی طرف اشارہ ہے (۲) باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکات ردیہ سے خالی کرنا جو ”وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ“ سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۳) نفس کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا، جس کے لئے لفظ ”ہدیٰ“ زیادہ مناسب ہے، (۴) ظاہر و باطن

مشابہ دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں۔ ایک سورہ ”سبا“ میں ”وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمُ“ دوسری ”تغابن“ میں ”زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَىٰ انْتِزَاعٍ“ یہ دونوں قیامت اور معاد کے متعلق ہیں ان ہی کی مناسبت سے حافظ ابن کثیر نے آیت حاضرہ کو معاد کے متعلق رکھا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ لِلْكَافِرِينَ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا

اور اگر ہو ہر شخص گنہگار کے پاس جتنا

فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ط

کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں ☆

یعنی اگر روئے زمین کے خزانے فرض کرو اس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر خدا کے عذاب سے اپنے کو بچالے۔

وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لِلَّهِ أُولَٰئِكَ

اور چھپے چھپتے ہیں گے جب دیکھیں گے عذاب

وَقَضَىٰ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَأَهُمْ لَیْظِلُونَ ﴿۶۲﴾

اور ان میں فیصلہ ہو گا انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہو گا

پھر بے فائدہ ندامت ہوگی

دل میں اپنی حرکتوں پر شیمان ہوں گے اور چاہیں گے کہ لوگوں پر پشیمانی کا اظہار نہ ہو مگر تاکہ کچھ دیراً ندامت ظاہر نہ ہونے دیں گے آخر باختیار ظاہر ہو کر رہیں گے اس وقت کہیں گے۔ یَحْسُرُنَّ عَلَىٰ مَا فَرَّطَتْ فِي جَنَابِ اللَّهِ اور یُوَلِّئْنَا قَدْرًا فِی غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا

الْآنَ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

الْآنَ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا

سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے ☆

اللہ انصاف کر کے رہے گا

یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انصاف ہو کر رہے گا۔ کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکتا ہے، نہ رشوت دے کر چھوٹ سکتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی تالیف

علماء امت نے کچھ روایات و آثار سے اور کچھ اپنے تجربوں سے آیات قرآنی کے خواص و فوائد مستقل کتابوں میں جمع کر دیئے ہیں، امام غزالی کی کتاب خواص قرآنی اس کے بیان میں مشہور و معروف ہے جس کی تلخیص حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اعمال قرآنی کے نام سے فرمائی ہے، اور مشاہدات و تجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم کی مختلف آیتیں مختلف امراض جسمانی کے لئے بھی شفاء کلی ثابت ہوتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصلی مقصد قلب و روح کی بیماری کو ہی دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

لوگوں کی نادانی

اس سے ان لوگوں کی بے وقوفی اور کج روی بھی ظاہر ہو گئی جو قرآن کریم کو صرف جسمانی بیماریوں کے علاج یا دنیوی حاجات ہی کے لئے پڑھتے پڑھاتے ہیں، نہ روحانی امراض کی اصلاح کی طرف دھیان دیتے ہیں نہ قرآن کی ہدایات پر عمل کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے۔

ترا حاصل زلیس اش جزین نیست کہ از ہم خواندش آسان بمیری
یعنی تم نے قرآن کی سورہ یٰسین سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل کیا کہ اس کے پڑھنے سے موت آسان ہو جائے، حالانکہ اس سورت کے معانی اور حقائق و معارف میں غور کرتے تو اس سے کہیں زیادہ فوائد و برکات حاصل کر سکتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

بیداری کا پیغام

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم الشان نصیحت آ گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن مجید تم کو پہنچ گیا۔ قرآن پیام بیداری ہے اور ایک نصیحت ہے جو اچھی باتوں کی دعوت دے رہا ہے اور بری باتوں سے بازداشت کر رہا ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اللہ حکیم ہے جس کام کو کرنے کا حکم دے رہا ہے وہ یقیناً اچھا ہے اور اس کا نتیجہ اچھا ہوگا اور جس کام سے روک رہا ہے وہ یقیناً برا ہے اور اس کا نتیجہ برا ہوگا اچھا کام قابل رغبت اور برا کام قابل نفرت ہوتا ہے۔

غلط عقائد کا علاج

وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ اور دلوں کی بیماری کے لئے شفا بخش دوا

کی درستی کے بعد انوار رحمت الہیہ کا نفس پر فائز ہونا، جو لفظ ”رحمت“ کا مدلول ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت اور نبوت و خلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دلوں کی شفاء

قرآن کریم کی دوسری صفت وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ارشاد فرمائی، شفاء کے معنی بیماری دور ہونے کے ہیں، اور صدور، صدر کی جمع ہے جس کے معنی سینہ کے ہیں، مراد اس سے قلب ہے۔

معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم دلوں کی بیماریوں کا کامیاب علاج اور صحت و شفاء کا نسخہ اکسیر ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوا کہ وہ خاص دلوں کی بیماری کے لئے شفاء ہے، جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں۔ (روح المعانی)

مگر دوسرے حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی، مگر روحانی بیماریوں کی تباہی انسان کے لئے جسمانی بیماریوں سے زیادہ شدید ہے اور اس کا علاج بھی ہر شخص کے بس کا نہیں، اس لئے اس جگہ ذکر صرف قلبی اور روحانی بیماریوں کا کیا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفاء نہیں ہے۔

جسمانی بیماریوں کا علاج

روایات حدیث اور علمائے امت کے بے شمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے قلبی امراض کے لئے اکسیر اعظم ہے اسی طرح وہ جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؒ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے سینے میں تکلیف ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں۔ (روح المعانی از ابن مردویہ)

اسی طرح حضرت واثلہ بن اسقعؒ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا کہ میرے حلق میں تکلیف ہے، آپ نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔

ہے۔ امراض قلبی سے مراد ہیں غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے دلوں کا لگاؤ اور وابستگی۔ وہدی اور راہنما ہے۔ صحیح عقائد و اذکار کا، جنت کا اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ بتاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، (قیامت کے دن) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور جس طرح دنیا میں ترتیل کرتا تھا اسی طرح ترتیل کر کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔ رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی عن عبد اللہ بن عمرو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ نے ہم کو اہل قرآن بنایا۔ ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کو خوش ہونا چاہئے اللہ کے فضل سے یعنی قرآن سے اور اللہ کی رحمت سے یعنی اس بات سے کہ اللہ نے ان کو اہل قرآن میں سے بنایا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے اسلام کو ہمارے دلوں میں محبوب بنا دیا۔ حضرت خالد بن معدان نے فرمایا اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۹﴾

یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو جمع کرتے ہیں ☆

اصل چیز فضل و رحمت ہے

یعنی اصلی چیز خدا کا فضل و رحمت ہے، انسان کو اسی کی تلاش کرنی چاہیے۔ مال و دولت جاہ و حشم، سب اس کے مقابلہ میں بچھ ہیں۔ (تفسیر عثمانی) عراق کا خراج

جب عراق کا خراج حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ سے دیکھنے کے لئے نکل آئے ان کا خادم بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ خراج میں آئے ہوئے اونٹوں کو گنتے لگے لیکن کہاں تک گنتے گنتے گنتے تھک گئے تو کہنے لگے خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ ان کا خادم کہنے لگا کہ خدا تعالیٰ کی قسم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ نے بفضل اللہ و برحمتہ کہہ کر قرآن اور اس سے استفادہ مراد لیا ہے اس لئے اس کو فضل و رحمت نہیں بلکہ ممایا جمعون سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ ہمارا جمع کردہ ہے۔ فضل و رحمت کی تو بہت بڑی شان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے

رُزُقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا

روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال

قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ عَلَى اللَّهِ تَقْتَرُونَ ﴿۶۰﴾

کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر افتراء کرتے ہو ☆

حلال و حرام قرآن بتلاتا ہے

یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء، اور ہدایت و رحمت بن کر آیا ہے وہ ہی

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت زہے پیام تو عین عنایت و رحمت کشد کند کلام تو اہل عرفان را ز شور رخساست بہ گلشن ہمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طیب روحانی ہونے کی دلیل قانون شیخ بوعلی سینا کے طیب ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طیب روحانی ہونے کی دلیل ہے غرض یہ کہ قرآن کریم کی صفت اور فضیلت بیان کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور لوگوں کو اس طب روحانی کے طرف رجوع کرنے کی دعوت اور ترغیب دیتا ہے۔ (معارف کا نہ ہلوی)

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ

کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی مہربانی سے

فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

سو اسی پر انکو خوش ہونا چاہئے ☆

خوش ہونا

”فرح“ (خوش ہونا) محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل و رحمت سے ملی ہے، محمود ہے۔ جیسے یہاں فرمایا۔ ”فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا“ اور حکام دنیا پر خوش ہونا اور اکڑنا خصوصاً یہ خیال کر کے کہ ہم کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنے مال و دولت کی نسبت کہتا تھا ”إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي“ اس کو فرمایا ”لَا تَقْرَحُ رَانَ اللَّهِ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ“ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا الْخ. (تفسیر عثمانی)

اللہ کا فضل اور رحمت

مجاہد اور قتادہ کا قول ہے، اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت قرآن۔

بہت کم لوگ قدر دان ہوتے ہیں

یعنی خدا اپنے فضل سے دنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تفصیلات سے درگزر کرتا ہے لیکن بہت لوگ نرمی اور اغماض کو دیکھ کر بجائے شکر گزار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ آخر سزا دینی پڑتی ہے

حلمِ حق با تو مواسا ہا کند چون تو از حد بگوری رسوا کند
(تفسیر عثمانی)

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے

مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ

اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ

عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا

کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس

إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ

جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا

عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي

تیرے رب سے ایک ذرہ بھر

الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا

زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ

أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ

چھوٹا اس سے اور نہ بڑا

إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

جو نہیں سے کھلی ہوئی کتاب میں ☆

ہر عمل اللہ کے سامنے ہے

پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفا کے قلوب، نعمتِ عظمیٰ کبریٰ ہے۔ پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام و خیالات کے اندھیرے میں

استناد اور تمسک رکھنے کے لائق ہے۔ احکام الہیہ کی معرفت اور حلال و حرام کی تمیز اسی سے ہو سکتی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انشاع کے لئے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء و ہوا سے اس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرایا۔ بھلا تحلیل و تحریم کا تم کو کیا حق ہے؟ کیا تم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ (تنبیہ) جن چیزوں کو حلال و حرام کیا تھا، ان کا مفصل تذکرہ سورہ "مائدہ" اور "انعام" میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے

انزل اتارا، یعنی پیدا کیا۔ تخلیق کو اتارنا فرمایا کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق بالائی ذریعہ یعنی بارش سے ہوتی ہے اور بارش اوپر ہی سے اترتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ نے پیدا کی جانے والی چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اب تحریر لوح کے مطابق تخلیق رزق ہوتی ہے گویا رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے۔ رزق سے مراد ہے کھیتی یا مویشی دودھ والے۔ لکم کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لئے حلال بنائی تھیں مگر تم نے (از خود) ان میں سے کسی کو حلال بنا لیا اور کسی کو حرام۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى

اور کیا خیال ہے جھوٹ باندھنے والوں

اللَّهِ الْكُذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

کا اللہ پر قیامت کے دن ☆

سزا مل نہیں سکتی

یعنی یہ لوگ روز قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہوگا۔ سخت پکڑے جائیں گے، یا سستے چھوٹ جائیں گے۔ عذاب بھگتنا پڑے گا یا نہیں۔ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ مل نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

اللہ تو فضل کرتا ہے لوگوں پر

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٢﴾

اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ☆

وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوفِ حق یا غم سے غمِ آخرت کی نفی مراد نہیں، بلکہ دنیا میں دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفتِ اعداء وغیرہ سے ہو سکتا ہے، وہ مؤمنین کا ملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعات تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و اعتقاد کے استحضار سے انہیں خوف و غم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ“ کا مطلب یہ لیا جائے کہ ”اولیاء اللہ“ پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتد بہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے دنیا میں صورتاً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجہ وہ ان کے حق میں نفعِ عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کو معتد بہ نقصان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا، وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہوگا کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑے گی، یہ نہیں کہا کہ انہیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہوگا۔ شاید لا یحزنون کے مناسب لا یخافون نہ فرمانے اور لا خوف علیہم کی تعبیر اختیار کرنے میں یہ ہی نکتہ ہو۔ باقی لا یحزنون کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے۔ یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہونگے جیسا فرمایا،

تَنْزِيلٌ عَلَيْهِمُ الْمَلِكَةُ الْاَلَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (حم السجدہ۔ رکوع ۴) اور فرمایا لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلِكَةُ (الانبیاء۔ رکوع ۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اولیاء اللہ کون ہیں

عبداللہ ابن مسعود اور ابن عباس کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ذکر و فکر خداوندی میں دیکھے جاتے ہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو یا خدا میں مصروف۔ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بھی بندے ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ فرمایا انبیاء کے لئے بھی قابل رشک لوگ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق نہ نسب کا لگاؤ مگر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں وہ نور کے منبروں پر ہیں۔ لوگ جہاں خوف سے تھرا جائیں، وہاں

بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل و انعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کی کیا شان ہے۔ آپ شب و روز مالکِ حقیقی کی وفاداری، اور ہمدردیِ خلاق کی جن شونِ عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں، خصوصاً آپ کی جو امتیازی شان قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہے جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول و منہمک ہو جاتی ہے، خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے، لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فان لم تکن تراہ فانہ یراک زمین و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الہی سے نیچے اتر کر تمام ”ما کان و ما یکون“ کا حال ”کتاب مبین“ (لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔ جسے ”عالم تدبیر“ میں ”صحیفہ علم الہی“ کہنا چاہئے جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین و معاندین کے معاملات و احوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، پھر روز جزاء کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکتے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی۔ اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دوستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے، اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰﴾

اور نہ وہ غمگین ہونگے ☆

اولیاء بے خوف ہوں گے

ابن کثیر نے روایات حدیثیہ کی بناء پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اولیاء اللہ“ (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں احوالِ محشر کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہونگے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں۔ اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر

ولایت حاصل کرنے کا طریقہ

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ امت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیض صحبت صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجہ ولایت تمام امت کے اولیاء و اقطاب سے بالاتر تھا، بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائل برہتے جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق پڑتا ہے، یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے آپ کی سنت کے پیرو ہیں ایسے لوگوں کی کثرت سے مجالست اور صحبت جب کہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو، یہی نسخہ ہے درجہ ولایت حاصل کرنے کا، جو تین جزء سے مرکب ہے، کسی ولی اللہ کی صحبت، اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت، بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہو، کیونکہ کثرت ذکر سے آئینہ قلب کو جلا ہوتی ہے تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہتی نے بروایت ابن عمر نقل فرمایا ہے۔ (مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے صحبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا المرء مع من احب یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت و صحبت انسان کے لئے حصول ولایت کا ذریعہ ہے، اور بیہتی نے شعب الایمان میں حضرت رزین کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم

ان پر ذرا بھی آثار خوف نہیں۔ لوگوں پر رنج و غم طاری ہے اور ان کو رنج سے کوئی واسطہ نہیں۔ ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مختلف قبائل سے اور چاروں طرف سے جمع ہوں گے اور ان میں کوئی رشتہ داری نہ ہوگی لیکن وہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہوں گے اور خلوص و محبت ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لئے نور کے منبر قائم کرے گا جس پر وہ بیٹھے ہوں گے۔ لوگ قیامت میں پریشان پھر رہے ہوں گے، لیکن وہ مطمئن۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء یہی لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ولایت کے درجات

ولایت خاصہ کے درجات بی شمار اور غیر متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، اس کے حب و بغض اور محبت و عداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام طاعت، یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم و بیش ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں بروایت حضرت ابو ہریرہ مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی، (مظہری از ابن مردویہ) اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انہیں لوگوں کی ہو سکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

اس لئے روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ فرمایا کہ حضرات اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف و غم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف و غم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت و عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا ذرا تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا و بلند ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے جس کی مدافعت میں پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ

۔ نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے

بہ پیش ہمت ما ہرچہ آمد بود مہمانے

اللہ جل شانہ کی عظمت و محبت اور خوف و خشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج و راحت، سود و زیاں پر گاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، بقول بعض

۔ یہ تنگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے

یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

قرب محبت

مگر لفظ اولیاء اللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت و محبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نقلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب خاص حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں۔ وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے، میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت و سکون اور کوئی کام میری رضاء کے خلاف نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

پکڑو اور جب تہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لئے کرو، جس سے نفرت کرو تو اللہ کے لئے کرو۔ (مظہری)

مگر یہ صحبت و مجالست انہیں لوگوں کی مفید ہے جو خود ولی اللہ متبع سنت ہوں اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجہ ولایت سے محروم ہیں، چاہے کشف و کرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں۔ اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو اگرچہ اس سے کبھی کوئی کشف و کرامت ظاہر نہ ہوئی ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔ (مظہری)

اولیاء کی پہچان

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں، اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت اسماء بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی، الذین اذا ذکروا ذکر اللہ یعنی جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے۔

کشف و کرامت ضروری نہیں

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف و کرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

خوف اور غم نہ ہونے کا مطلب

بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہ ہونا دنیا و آخرت دونوں کے لئے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف و غم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف و غم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں، اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ و زاری اور خوف آخرت کے واقعات بیشمار ہیں۔

ہے تو صرف اللہ کے لئے اور نہیں دیتا ہے تب بھی اللہ کی مرضی کے لئے۔ اس گروہ کی آپس میں محبت لوجہ اللہ ہوتی ہے۔

فناء قلب کا درجہ

صوفیہ کی اصطلاح میں اس صفت کو فناء قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے۔ جو اعمال و اخلاق اللہ کو ناپسند ہیں ان سے وہ پرہیز رکھتا ہے۔ شرک خفی و جلی سے پاک رہتا ہے۔ بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ غرور، کینہ حسد حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے اور انہی کے ساتھ عمدہ اخلاق و اعمال سے متصف ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کو صوفیہ فناء نفس کا مرتبہ کہتے ہیں۔ صوفیہ کا قول ہے کہ اس درجہ پر جب ولی پہنچ جاتا ہے تو اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔

ہر کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خادماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ، تو ہر دو جہاں را چہ کند

جس نے تجھے پہچان لیا اس کا جان۔ اہل و عیال اور خاندان سے کیا تعلق وہ ان کو لے کر کیا کرے گا۔ اپنی محبت کا دیوانہ کرنے کے بعد اگر دونوں جہان دیوانہ محبت کو دیدے تو اسکے کس کام کے۔ (تفسیر مظہری) حضرت ابن عمر نے فرمایا تقویٰ یہ ہے کہ تم اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا جو شخص اپنی جان کو فرنگی کافر سے بھی بہتر خیال کرتا ہو اس کیلئے اللہ کی مغفرت حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۶﴾

جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ☆

اولیاء اللہ کی تعریف

یہ ”اولیاء اللہ“ کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا ہے پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان و تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔ پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہوگا۔ اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرف عام میں دس بیس روپے کے مالک کو مالدار نہیں کہا جاتا۔ جب تک معتد بہ مقدار مال و دولت موجود نہ ہو اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان و تقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے

قرب محبت اور قرب خلقی

یوں تو ہر شخص بلکہ ہر چیز کا اللہ سے قرب ہے جس کی کیفیت نہیں جانی جاسکتی۔ اللہ نے فرمایا ہے: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ رگِ جان سے بھی زیادہ ہم بندہ کے قریب ہیں۔ اسی قرب کی وجہ سے یہ کائنات جلمہ ہستی پہنتی اور دائرہ وجود میں آتی ہے۔ اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کوئی وجود کی بوجہ نہیں سونگھ سکتا۔ اصل ذات کے اعتبار سے ہر چیز نیست ہے۔ سب کی اصل عدم ہے لیکن خاص بندوں کو ایک بے کیف قرب اور بھی حاصل ہے۔ یہ قرب محبت ہے عالم مثال میں اہل کشف کو یہ بے کیف محبت قرب جسمانی کی شکل میں نظر آتی ہے۔ لفظ قرب کا قرب خلقی اور قرب محبت دونوں پر اطلاق بطور اشتراک لفظی کے ہوتا ہے۔ حقیقت قرب دونوں جگہ جدا جدا ہے۔ مؤخر الذکر قرب کے ان گنت غیر محدود درجات ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے (اللہ نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ الیٰ آخر الحدیث (یعنی اس وقت وہ جو کام کرتا ہے وہ گویا میرا عمل ہوتا ہے) (رواہ البخاری عن ابی ہریرہ)

قرب کا ابتدائی درجہ

اس قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا۔ اور آخری انتہائی درجہ انبیاء کا خصوصی حصہ ہے جن کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات ترقی پذیر ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں۔

کم سے کم درجہ

صوفیہ کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ جس پر لفظ ولی کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس شخص کا ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے۔ وہ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے۔ کسی اور کی محبت کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا بیوی یا دوسرے کنبہ والے کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ اگر کسی سے محبت ہوتی ہے تو محض اللہ کے لئے اور نفرت ہوتی ہے تب بھی خوشنودی مولیٰ کے حصول کے لئے وہ کسی کو کچھ دیتا

امام مالک، امام احمد اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت معاذ نے فرمایا میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے فرمایا، جو دو آدمی میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں میرے لئے مل کر بیٹھتے ہیں میرے لئے خرچ کرتے ہیں ان سے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔

محبت کا فائدہ

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے مگر اس قوم کے عمل تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔ فرمایا آدمی کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔ رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے عمل اس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہو سکے ہوں۔ صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

اللہ والوں کی صحبت

بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابو زین نے بیان کیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے بتاؤں کہ اس کام کا مدار کس چیز پر ہے جس سے تجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے (مدار خیر یہ ہے کہ) اہل ذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کر اور تنہائی ہو تو جہاں تک ہو سکے اللہ کے ذکر سے زبان کو ہلاتا رہ اور اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے نفرت کر (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے محبت و عداوت رکھ، ذاتی غرض کوئی نہ ہو۔

امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پیار عمل یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت اور بغض کیا جائے۔

اللہ کا محبوب کون ہے

اولیاء میں ایک جماعت اللہ کی محبوبیت کے درجہ پر بھی فائز ہو جاتی ہے۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے، میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرئیل اس بندے سے پیار کرنے لگتا

سب مومنین فی الجملہ ”ولی“ کہلائے جاسکتے ہیں۔ لیکن عرف میں ”ولی“ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان و تقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات و آثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً ان کو دیکھنے سے خدایا دآنے لگے یا مخلوق خدا سے ان کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق ”ولی“ کی تعریفیں کی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قابل رشک مرتبہ والے لوگ

ابو داؤد نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبہ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا جو بندگان خدا سے محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ آپس میں نہ ان کی باہم رشتہ داریاں ہیں نہ مالی لین دین (کہ قربت یا مالی لالچ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے محبت ہو) خدا کی قسم ان کے چہرے (قیامت کے دن مجسم) نور ہوں گے بالائے نور۔ جب اور لوگوں کو (عذاب) کا خوف ہوگا ان کو خوف نہ ہوگا جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی

الْاِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

حصول ولایت کے ذرائع

مرتبہ ولایت کا حصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرتواندازی سے ہوتا ہے خواہ عکس رسالت براہ راست پڑے، یا کسی ایک واسطے سے یا چند واسطوں سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے نائبوں سے محبت اور ان کی ہم نشینی و اطاعت حصول ولایت کے لئے ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب، نفس اور جسم کا رنگ ولی کے قلب، قالب اور جسم پر ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے چڑھ جاتا ہے اور یہی صبغۃ اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً طریق مسنون کے مطابق ذکر اللہ کی کثرت عکس پذیری کے لئے مددگار ہوتی ہے اس سے دل کا میل دور ہو جاتا ہے اور آئینہ قلب کی صفائی ہو کر عکس پذیری کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی منجھائی ہوتی ہے اور دل کو مانجھنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ (رواہ بیہقی) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔

پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے اور جنسیت نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس ہم نوع اور مناسب، اخصخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے یہ ہی تاثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور، اللہ کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو۔ (منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضّٰلِقِيْنَ . اللہ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اللہ والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ (رواہ البخاری عن ابی ہریرہ)

ہر وقت حالت ایک جیسی نہیں رہتی

حضرت حنظلہؓ نے عرض کیا تھا، یا رسول اللہ! جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ (دوزخ اور جنت کی ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے نکل کر ہم باہر جاتے ہیں اور بیویوں، بچوں اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ (جنت و دوزخ کو) بھول جاتے ہیں، فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر ہر وقت تم اسی حالت پر رہو، جس حالت پر میرے پاس اور میرے نصیحت کرنے کے وقت ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہوتا ہے (ایک حضور کا وقت ایک غیوبت کا وقت) یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائے۔ (رواہ مسلم)

کشف و کرامت

عام لوگ کشف و کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ بہت سے اولیاء کشف و کرامت سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرق عادت اور انکشاف غیبی پایا جاتا ہے۔ (اس لئے کشف و کرامت معیار ولایت نہیں ہے اگر

ہیں پھر جبرئیل آسمان پر (اہل سموات) کو ندا دیتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ حسب الارشاد اہل سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

پھر زمین والوں میں اس کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ کسی بندہ سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیل کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے، میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں تو بھی اس سے نفرت کر۔ حسب الحکم جبرئیل اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں کو جبرئیل ندا کرتے اور کہتے ہیں: اللہ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں میں اس سے نفرت پیدا کر دی جاتی ہے اور زمین والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ (بخاری)

حضرت اسماء بنت یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا سنو، کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور فرمائیے، فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

اولیاء کی ہمنشینی اللہ کی ہمنشینی ہے

اس کا گریہ ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہمنشینی گویا اللہ کی ہمنشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلانے والا اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر روئی کو اس آئینے کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لئے دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے اللہ سے قرب اور بے کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء میں اثر

بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامت کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ کشف و کرامت معیار ولایت ہے۔ اللہ نے اپنے رسول مکرّم کو خطاب کر کے فرمایا: **قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ**، آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر مجھے یہ امتیاز ہے) میرے پاس وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ خطاب کر کے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثِرُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا

مَسَّنِيَ السُّوْءُ اگر میں غیب داں ہوتا تو کثیر بھلائی سمیٹ لیتا اور برائی مجھے چھو بھی نہ جاتی۔ ایک جگہ اور خطاب فرمایا ہے **قُلْ إِنَّمَا الْإِنسَانُ لِرَبِّهِ** عند اللہ آپ کہہ دیجئے کہ معجزات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

صوفیاء کرام کا قول ہے، کرامت تو مردوں کا حیض ہے، اس کو چھپانا ہی ضروری ہے۔ کرامت کی وجہ سے ایک ولی کو دوسرے ولی پر فضیلت نہیں ہوتی اسی لئے جن اولیاء کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوا ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

ان کے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگی میں

وَفِي الْآخِرَةِ

اور آخرت میں ☆

اولیاء کیلئے بشارتیں

اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی جو **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** وغیرہ کی بشارت دی ہے، یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں۔

أَبَشُرُوا بِالْحَيَاةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (حم سجدہ رکوع ۴) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انہیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بند گان خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوت کے چھپالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ یا ان کے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گزر کر عوام میں بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگ ان کی مدح و ثناء اور ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دنیوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں۔ مگر اکثر روایات میں **لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** کی تفسیر روایات صحیحہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی بشارت اخروی، وہ خود

قرآن میں منصوص ہے۔ **بُشْرًا لَّكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتُ بَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** اور حدیث میں بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اچھا خواب بشارت ہے

حدیث میں ہے کہ نبوت تو ختم ہوئی البتہ نبوت کا ایک جزء یعنی روایات صالحہ باقی رہ گیا ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی تو نہیں مگر خدا کے دوستوں کے لئے وحی کا ایک نمونہ یعنی سچا خواب باقی رہ گیا ہے کہ قیامت تک آنے والے مومنین صالحین کو سچے خوابوں سے بشارتیں ملتی رہیں گی۔

مرزا قادیانی کی جہالت

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا یہ سلسلہ باقی ہے اس لئے کہ روایات صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے جو ہنوز باقی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت الہی باقی ہے۔ مگر مرزائے قادیان کا یہ گمان استدلال نہیں بلکہ صریح جہالت اور ہڈمان ہے حدیث میں ہے کہ روایات صالحہ نبوت کا چالیسواں جزء ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوت چالیس اجزاء کا نام ہے۔ لہذا ایک جزء کے پائے جانے سے کیسے نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔

شریعت کی نظر میں دو سو درہم کا مالک ہونے سے غنی اور صاحب نصاب ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اگر دو سو درہم میں سے ایک درہم بھی کم ہو جائے تو وہ غنی نہیں رہتا۔ چہ جائے کہ کسی کے پاس دو سو درہم کا چھپالیسواں حصہ یعنی چار درہم پورے ہوں تو شریعت کی نظر میں وہ غنی نہیں بلکہ فقیر اور مفلس ہے۔ نیز مرزائے غلام احمد کے قول پر لازم آتا ہے کہ جس فاسق فاجر کو روایات صالحہ نظر آجائے وہ نبی ہو جائے کیونکہ مرزا لکھتا ہے کہ

جبرئیلی نور یعنی نبوت کا چھپالیسواں حصہ یعنی سچا خواب تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق و فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے۔ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہو جس کی تمام جوانی بدکاری میں گزری ہے کبھی سچا خواب دیکھ لیتی ہے۔ (توضیح المرام ۳۷، ۳۸)

پس مرزا کے اس قول کی بناء پر کہ سچا خواب نبوت کا چھپالیسواں حصہ ہے اور جس کو یہ چھپالیسواں حصہ حاصل ہو وہ نبی ہے تو اب تمام فاسق و فاجر اور پرلے درجہ کی بدکار رنڈیوں کا مرزا کے قول پر نبی ہونا جائز ہوگا۔ اور مرزائے غلام احمد اور اس کی امت پر اس کنجری کی نبوت پر ایمان لانا

فرض ہوگا جس کو کوئی سچا خواب نظر آ گیا۔ لا حول ولا قوة الا باللہ۔
نیز مرزائے قادیان کے بہت سے پیروؤں نے مرزا کے بعد رویائے
صالحہ اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر مرزا نے ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور
نبی کی نبوت کو نہ تسلیم کرنا یہ کفر ہے۔ پس مرزا صاحب خاتم الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے اور اپنے بعد کے مدعیان
نبوت کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے۔ (معارف کا نہ حلوی)

عالم مثال کا انکشاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دنیوی بشارت ہے
جو اللہ نے اپنے اولیاء کو خواب یا بیداری کی حالت میں عالم مثال کا
انکشاف کر کے دیتا ہے رویائے صالحہ (اچھے خواب) سے یہی عالم
مثال کا انکشاف مراد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سوائے مبشرات (بشارتوں)
کے نبوت کا کوئی جز باقی نہیں رہا (یعنی میرے بعد لوگوں کو سوائے
بشارتوں کے اللہ کے کسی قول کی اطلاع براہ راست یا ملائکہ کی معرفت
آئندہ نہ ہوگی۔ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا) صحابہ نے عرض کیا مبشرات
کیا ہیں۔ فرمایا سچے خواب۔ (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ)

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے آیت لَهْمُ الْبَشَرِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کی تشریح دریافت کی۔
فرمایا (بشری سے مراد) سچا خواب ہے جو آدمی کو دکھایا جاتا ہے۔ (بغوی)

حضرت ابو درداء سے لَهْمُ الْبَشَرِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کا معنی
دریافت کیا گیا، فرمایا، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اب تک سوائے تیرے کسی نے مجھ
سے اس کی تفسیر دریافت نہیں کی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
پوچھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب سے یہ آیت نازل
ہوئی کسی نے تیرے سوا اس کی مراد نہیں دریافت کی۔ (بشری سے
مراد) سچا خواب ہے جو مومن کو دکھایا جاتا ہے۔ دنیوی زندگی میں بھی
اس کے لئے بشارت ہے اور آخرت میں جنت بشارت ہوگی (امام احمد
وسعید بن منصور) یہ حدیث بہت سندوں سے آئی ہے۔

تین قسم کے خواب

سچے خواب سے مراد عوام کے خواب نہیں بلکہ اولیاء اور صالحین کے
خواب مراد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب تین ہوتے

ہیں (ایک) اللہ کی طرف سے بشارت (دوسرا) حدیث نفس (یعنی دماغی
تخیلات یا تحت الشعور تصورات) (تیسرا) شیطان کی طرف سے ڈراوا
(یعنی ہیبت ناک بے سرو پا خواب) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ
کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

سچا خواب نبوت کا چھیا لیسواں جزو ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نبوت کے ۱۴۶ اجزاء
میں سے ایک جزء سچا خواب ہے۔ یہ حدیث بخاری نے حضرت ابو سعید
کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی
روایت سے بیان کی ہے اسی کی مثل ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک
کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

امام احمد نے حضرت ابن عمر و حضرت ابن عباس کی روایت سے اور
ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ سچا خواب
نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک ہے۔

ابن النجار نے حضرت ابن عمر کا قول بیان کیا ہے کہ سچا خواب نبوت
کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ البشری سے وہ عمومی
بشارت مراد ہے جس کا تعلق جنت اور ثواب سے ہے یہ بشارت ضرور
تمام مومنوں کو دی گئی ہے مگر اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب ایمان پر
خاتمہ ہو اور ایمان پر خاتمہ کیا معلوم ہو یا نہ ہو۔

لوگوں کی تعریف بھی بشارت ہے

بعض علماء کے نزدیک البشری سے مراد لوگوں کی طرف سے ستائش ہے۔
بغوی نے عبد اللہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ذر نے
عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی! (اچھے) کام تو اپنے لئے کرتا ہے مگر لوگ اس سے
محبت کرنے لگتے ہیں فرمایا مومن کیلئے یہ بشارت (دنیوی) ہے مسلم کی روایت
میں دی جائے محبت کرنے کے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آیا ہے۔

فرشتوں کی بشارت

زہری اور قتادہ نے کہا مرنے کے وقت اللہ کی طرف سے
ملائکہ بشارت لے کر نازل ہوتے ہیں، البشری سے یہی مراد
ہے۔ اللہ نے فرمایا تَنْزِيلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَا
تَخٰۤفُوۡا وَاَلَا تَحْزَنُوۡا وَاَبَشِرُوۡا بِالْحَسَنٰتِ . عطاء کی روایت میں
حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔

موت کے وقت بشارت

وفى الآخرة. اور آخرت میں۔ یعنی جان نکلنے کے وقت مومن کی روح کو قرب الہی کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی خوشنودی کی بشارت دی جاتی ہے اور قیامت کے دن قبر سے نکلنے کے وقت بھی اس کو بشارت دی جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ یا کسی اور بی بی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم کو تو موت پسند نہیں۔ فرمایا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ مومن کے مرنے کا جب وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور رحمت کی بشارت دی جاتی ہے۔ پس وہ اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو جاتا ہے اور کافر کی موت سامنے آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اس کو اپنے سامنے آنے والے عذاب سے زیادہ ناگوار اور کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین)

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا اله الا الله والوں کو نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں میں نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ چیخ (صورت کی آواز) کے وقت وہ (اہل ایمان) سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ سزاوار ستائش ہے وہ اللہ جس نے ہم سے سختی کو دور کیا۔ رواہ الطبرانی۔ حتمی نے دیباچہ میں حضرت ابن عباس کا مرفوع قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے بشارتیں

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی میں انہی کے لئے بشارت ہے۔ یہ بشارت وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عموماً اور بعض مخصوص صحابہ کو خصوصاً دی تھی۔

ترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت سعید بن زید کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکرؓ جنت میں (یعنی جنتی) ہے، عمرؓ جنتی ہے، عثمانؓ جنتی ہے، علیؓ جنتی ہے، طلحہؓ جنتی ہے، زبیرؓ جنتی ہے، عبدالرحمن بن

عوفؓ جنتی ہے، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہے، سعید بن زیدؓ جنتی ہے، ابو عبیدہ بن جراحؓ جنتی ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں سب سے پہلے اے ابو بکر تم جنت میں جاؤ گے۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے زمین پھٹ کر میں برآمد ہوں گا پھر ابو بکرؓ پھر عمرؓ، ترمذی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور میرا رفیق جنت کے اندر عثمانؓ ہوگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا، تم مجھ سے اس جگہ پر ہو جس جگہ پر ہارونؑ موسیٰ سے تھے (یعنی جو قرب درجہ یا قرب نسب یا قرب محبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہارونؑ کو حاصل تھا وہی قرب تم کو مجھ سے حاصل ہے) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت زید بن ارقم کی روایت سے امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا مولیٰ، (آقا، سردار، دوست) میں ہوں، علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا، حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ یہ بھی فرمایا، جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فرمایا عورتوں پر عائشہؓ کی برتری ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت (باقی) کھانوں پر۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عبد اللہ یعنی ابن عمر صالح آدمی ہے (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن ابن عمر) حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے (متفق علیہ عن سعد بن ابی وقاص) اور فرمایا انصار سے محبت نہیں رکھتا مگر مومن اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر منافق (یعنی انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے) جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے نفرت کرے گا۔ اور فرمایا اسید بن حذیر کیسا اچھا آدمی ہے۔ معاذ بن جبل کیسا اچھا

وہ اپنے زور تائید سے حق کو غالب و منصور اور مخالفین کو ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گا وہ ان کی سب باتیں سنتا اور سب حالات جانتا ہے۔

الْاِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

سنتا ہے اللہ کا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی

فِي الْاَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

ہے زمین میں اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءُ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ

اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے سو یہ کچھ نہیں

اِلَّا الظَّنُّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۶﴾

مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹھتے دوڑاتے ہیں ☆

مشرکوں کے ہاتھ میں کوئی حقیقت نہیں

یعنی کل زمین و آسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے سب جن و انس اور فرشتے اسی کے مملوک و مخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا، محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت و برہان، خالی اوہام و ظنون کی اندھیرویوں میں پڑے ٹھوکرے کھا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الْاِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ خُوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو لوگ (ملائکہ، جن، انس) ہیں وہ اللہ کے (پیدا کئے ہوئے اور مملوک و مقبوض اور بندے) ہیں۔ اور جب وہ ہستیاں جو تمام مخلوق میں اعلیٰ ہیں اللہ کی محکوم و پرستار ہیں ان میں کوئی بھی رب ہونے کے قابل نہیں تو جو مخلوق نادان، بے جان، بے عقل ہے وہ اللہ کی شریک اور مثل کیسے ہو سکتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ چین حاصل کرو

فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اس میں اور دن دیا دکھلانے والا بیشک اس میں

اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

نشانیوں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں ☆

آدی ہے معاذ بن جموح کیسا اچھا آدمی ہے۔

اور فرمایا، جنت تین شخصوں کی مشاق ہے، علیؑ۔ عمارؑ۔ سلمانؑ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بکثرت صحابہ کو تفصیل کے ساتھ بشارتیں دی تھیں۔ اور اللہ نے سب صحابہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے، **وَكَلَّمَ عَدَّ اللّٰهُ الْحُسَيْنِيَّ** اور اللہ نے ہر ایک (مخلص صحابی) سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ دوسری آیت میں بھی عمومی بشارت دی ہے۔ فرمایا ہے، **فَمَنْ رَمَى اللّٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ النَّخ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے تو ان کے ایک سیر بلکہ آدھ سیر (راہ خدا میں صرف کرنے) کو نہیں پہنچے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم فی النجاشی عن ابی سعید الخدری) رزین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کی (روشنی کی) پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔ اور فرمایا، میری امت میں سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل آئیں گے۔ (متفق علیہ عن عمران بن حصین) (تفسیر مظہری)

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ

بدلتی نہیں اللہ کی باتیں ☆

یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے سب پختہ اور اٹل ہیں۔ جو بشارتیں دی ہیں ضرور پہنچ کر رہیں گی۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۸﴾ وَلَا

یہی ہے بڑی کامیابی اور رنج

يَعْزُزُّكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ

مت کر ان کی بات سے اصل میں سب زور

لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۹﴾

اللہ کے لئے ہے وہی ہے سننے والا جاننے والا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اوپر سے اعدائے مکذبین کا ذکر چلا آتا تھا ان کے بالمقابل دوسروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو داریں میں محفوظ رہنے کی بشارت سنائی۔ اسی سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احمقوں اور شریروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لئے ہے

نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند باتیں کہی جائیں۔ (تفسیر عثمانی) سُبْحٰنَ اللّٰہِ (اس تہمت سے) پاک ہے۔ یعنی کسی کا باپ بننے سے منزہ ہے۔ یہ فقرہ تنزیہ بھی ہے اور احمقوں کے کلام پر تعجب کا اظہار بھی ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کا وقوع بھی ناممکن اور تصور بھی (یعنی سبحان اللہ کیسی سخت بات کہہ رہے ہیں)

هو الغنی، وہ ہی بے نیاز ہے کسی چیز کا حاجت مند نہیں، کسی کی اس کو احتیاج نہیں، اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے، اپنے وجود، بقاء و وجود اور تمام حالات و صفات میں اسی کی محتاج ہے۔ بے نیاز اللہ اور محتاج ممکن میں کوئی مناسبت نہیں۔ پھر کس طرح اللہ والد اور کوئی مخلوق اس کی اولاد ہو سکتی ہے۔ اولاد کو تو اپنے والد کا ہم جنس ہونا چاہئے۔ یا یوں کہا جائے کہ اولاد کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں باپ کمزور ہو اور بیٹے کی وجہ سے طاقت حاصل کرنا چاہتا ہو یا مفلس ہو اور بیٹے سے مالی مدد کا خواستگار ہو یا اس کو عزت حاصل نہ ہو اور قابل بیٹا اس کے لئے باعث عزت ہو جائے یا باپ مر جانے والا ہو اور اپنی نسل قائم رکھنا چاہتا ہو (بہر حال باپ کو بیٹے کی ضرورت کسی غرض اور حاجت کے زیر اثر ہوتی ہے) اور مذکورہ بالا کسی قسم کی حاجت مندی سے اللہ بے نیاز ہے وہ غنی اور قدیم ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّ الدِّينَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰی

کہہ جو لوگ باندھتے ہیں

اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُقْدِحُوْنَ ۱۰

اللہ پر جھوٹ بھلائی نہیں پاتے

مَتَاعًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ

تھوڑا سا نفع اٹھالینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو لوٹنا

ثُمَّ نُنْزِلُہُمْ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ

پھر چکھائیں گے ہم ان کو سخت عذاب

بِمَا کَانُوْا یُکْفِرُوْنَ ۱۱

بدلہ ان کے کفر کا ☆

مجوسیوں کا رد:۔ دن رات اور اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے۔ اسی سے خیر و شر اور تمام متقابل اشیاء کی پیدائش کو سمجھ لو۔ اس میں ”مجوس“ کے شرک کا رد ہو گیا۔ شرک کے اندھیرے کا علاج

ادھر بھی لطیف اشارہ کر دیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد خدا روز روشن کو لاتا ہے اور دن کے اجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے اوہام و ظنون کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اس نے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو وصول الی اللہ کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ۱۰

کہتے ہیں ٹھہرایا اللہ نے بیٹا وہ پاک ہے وہ

الْغَنِیُّ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے

الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِہٰذَا

زمین میں نہیں تمہارے پاس کوئی سند اس کی کیوں

اَتَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۱۱

جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جس بات کی تم کو خبر نہیں ☆

عیسائیت کا رد

اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے سمجھنے کی بات یہ کہ اگر وہ واقعی طور پر مسیح“ کو خدا کا (معاذ اللہ) صلیبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی خداوند قدوس بالبدہتہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ اور اگر بیٹے سے مراد متبنی ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متبنی بنائے۔ کیا معاذ اللہ اسے اولاد کی حسرت اور بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ یا یہ فکر تھی کہ اس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اس کا نام روشن کرنے والا کون ہوگا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔ اسے بیٹے پوتے یا متبنی وغیرہ کی احتیاج کہاں ہو سکتی ہے؟ سب چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ

جب کہا اپنی قوم کو اے قوم اگر

كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكَّرِي

بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور نصیحت

بَيِّنَاتٍ اَللّٰهُ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ

کرنا اللہ کی آیتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا

فَاَجْبِعُوا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریکوں کو

ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً

پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ

ثُمَّ اَقْضُوا الَيَّ وَلَا تَنْظُرُوْنَ

پھر کر گزرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو ☆

پیغمبر کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا

یعنی تمہاری خوشی یا خوشی یا موافقت و مخالفت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف خدائے واحد پر ہے اگر تم میری نصیحت و فہمائش سے برا مانو تو مانا کرو۔ میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں تصور نہیں کر سکتا۔ تم برا مان کر مجھ سے دشمنی کرو اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں۔ جو کچھ تمہارے امکان میں ہے شوق سے کر گزرو، میرے خلاف مشورہ کر کے کوئی تجویز پختہ کر لو۔ اپنے رفقاء کے کار بلکہ فرضی معبودوں کو بھی جمع کر کے ایک غیر مشکوک اور غیر مشتبہ رائے پر قائم ہو جاؤ۔ پھر متفقہ طاقت سے اسے جاری کر ڈالو۔ ایک منٹ کی مہلت بھی مجھ کو نہ دو۔ پھر دیکھ لو کہ پیغمبرانہ استقامت و توفیق کا پہاڑ تمام دنیا کی طاقتوں اور تدبیروں کو کچل کر کس طرح پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ

پھر اگر منہ پھیرو گے تو میں نے نہیں چاہی تم سے مزدوری

اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاَمْرٌ

میری مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

کہ رہوں فرماں بردار ☆

جھوٹے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے

یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں اور اپنے ساز و سامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے دن دنیا کے مزے اڑالیں، انجام کار ان کا معاملہ خدا کی طرف رجوع ہوگا۔ جہاں سے اپنے جرائم کی پاداش میں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاطَّلُ عَلَيْهٖمْ نَبَأُنُوْحٍ

اور سنا ان کو حال نوح کا ☆

قوم نوح سے سبق حاصل کرو

یعنی اہل مکہ کو نوح اور اس کی قوم کا حال سنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین و مفترین کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چند روزہ ہے جو انجام کار ہلاکت ابدی پر منتہی ہوتی ہے۔ اہل مکہ کو قوم نوح کا قصہ سن کر عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ اگر وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و عداوت اور اپنی شریکات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی وہی ہو سکتا ہے جو نوح کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔ نیز اس واقعہ کے بیان کرنے میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دینا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی دشمنی اور شرارت سے زیادہ دلگیر نہ ہوں۔ ہر نبی کو اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ پھر آخر میں حق ہی غالب ہو کر رہا اور حق و صداقت کے دشمن تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

ان واقعات کا سبق

عام سامعین کو ان واقعات کے ایسے مفصل بیان سے سبق ملتا ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امی ہونے اور کسی مخلوق کے سامنے ایک منٹ کے لئے بھی زانوئے تلمذتہ نہ کرنے کے پچھلی قوموں کے اس قدر صحیح اور پختہ احوال بیان فرماتے ہیں جو بظاہر بدون تعلیم اور طویل استفادہ کے ممکن نہیں، ناچار ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم کوئی انسان نہیں، بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی ایک دلیل ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر کسی تکلیف سے نہیں ڈرتا

یعنی تمہارے مقابلہ میں نہ جانی و بدنی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے خدمت تبلیغ و دعوت کا کچھ معاوضہ تم سے طلب نہیں کیا جو یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہو جائے گی۔ یا کم از کم تم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ میری ساری جدوجہد مال کی حرص اور روپیہ کے لالچ سے تھی میں جس کا کام کر رہا اور حکم بجا لا رہا ہوں اسی کے ذمہ میری اجرت ہے، جب میں اس کا فرما نبردار ہوں اور خدمت مفوضہ بے خوف و خطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ نصیحت سے پیغمبر کا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہوتا

اصل مطلب (تشریحی) اس طرح ہے کہ اگر تم میرے وعظ و نصیحت سے اب بھی روگردانی کرو گے اور میری بات نہیں مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے یا اللہ تم کو عذاب دے گا کیونکہ تمہاری روگردانی کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ قبول حق سے کوئی امر مانع نہیں۔ اس وعظ و تذکیر میں میرا کوئی مقصد نہیں۔ میں اس دعوت کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا کہ تم معاوضہ ادا کرنے سے قاصر ہو اور اس لیے روگردانی کر رہے ہو یا مجھے (دنیا طلبی کی تہمت سے) متہم کر سکو۔ یا یہ مطلب ہے کہ روگردانی کرو گے تو خود اپنا نقصان کرو گے، میرا کچھ بگاڑ نہ ہوگا۔ میں تم سے معاوضہ کا طلبگار نہیں کہ تمہاری روگردانی سے مجھے معاوضہ نہ ملے تمہارا ہی بگاڑ ہوگا تم ہی ہدایت سے محروم ہو گے۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي

پھر اس کو جھٹلایا سو ہم نے بچالیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے

الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ وَ

کشتی میں اور ان کو قائم کر دیا جگہ پر

أَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور ڈبا دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام ان کا

الْمُنذِرِينَ ﴿٧٦﴾

جن کو ڈرایا تھا ☆

جھٹلانے والوں کا انجام

یعنی جس کے پاس عبرت ہو وہ دیکھ لے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان لوگوں کو سینکڑوں برس نوح علیہ السلام نے نصیحت کی، نفع و ضرر سے آگاہ کیا، جب کوئی بات موثر نہ ہوئی بلکہ الٹا عناد و فرار بڑھتا گیا۔ اس وقت خدا نے سخت طوفان پانی کا بھیجا۔ سب مکذبین غرقاب کر دیئے گئے۔ صرف نوح علیہ السلام اور چند نفوس جو ان کے ساتھ کشتی پر سوار تھے، محفوظ رہے۔ ان ہی سے آگے نسل انسانی چلی۔ اور ڈوبنے والوں کی جگہ یہ ہی آباد ہوئے۔ نوح علیہ السلام کا کچھ قصہ سورہ ”اعراف“ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ

پھر بھیجے ہم نے نوح کے بعد کتنے پیغمبر ان کی قوم کی طرف

فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا

پھر لائے ان کے پاس کھلی دلیلیں سو ان سے یہ نہ ہوا کہ ایمان لے آئیں اس

بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۗ

بات پر جس کو جھٹلا چکے تھے پہلے سے ☆

جھوٹی قومیں

یعنی نوح کے بعد ہوڈ، صالح، لوط، ابراہیم، شعیب وغیرہ انبیاء کو اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا، لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آ رہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد ان کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوح کر چکی تھی، ان سمجھوں نے بھی ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور جب پہلی مرتبہ منہ سے ”نہ“ نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی ”ہاں“ نکل سکے، اسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٧﴾

اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں دلوں پر حد سے نکل جانے والوں کے ☆

انکار کی نحوست

جو لوگ تکذیب و عداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں ان کے دلوں پر

فرعونیوں کا انکار

یعنی ”عصا“ اور ”بیضا“ وغیرہ کے معجزات دیکھ کر اور موسیٰ علیہ السلام کی نہایت پرتا شیر باتیں سن کر کہنے لگے کہ یہ سب کھلا ہوا جادو ہے۔ کیونکہ انکے خیال میں تمام فوق العادہ چیزوں کا آخری درجہ ”جادو“ ہی ہو سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ مُوسَىٰ اتَّقُوا اللَّهَ لِمَا جَاءَكُمْ
 کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے
 اسْحَرْ هَذَا وَلَا يَفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿۷۷﴾
 پاس کیا یہ جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے ☆

فرعونیوں کی کم عقلی

یعنی حق کو جادو کہتے ہو، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق و باطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکن ان کو تافہ فہوں کا کام ہے جو سونے اور پتیل میں تمیز نہ کر سکیں۔ پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور، تقویٰ، پر شوکت و عظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے انہیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔ پیغمبر کو ”ساحر“ کہنا کس درجہ بے حیالی یاد یوانگی ہے۔

قَالُوا اجْعَلْنَا لِقَاتِكَ عَمَّا
 بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس رستہ سے
 وَجَدْنَا عَلَيْكَ آبَاءَنَا وَنَحْنُ
 جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کا اور تم دونوں
 لَكُمْ الْكِبَرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا
 کو سرداری مل جائے اس ملک میں اور
 نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۷۸﴾
 ہم نہیں ہیں ہم تم کو ماننے والے ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام

یعنی معاذ اللہ تم دنیا کے حریص اور بدنیت ہو، ایک سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو۔ تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ۔ اور یہاں کے

مہر لگنے کی یہ ہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں، پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ کے منکر

یعنی جس طرح ہم نے قوم نوح اور نوح کے بعد آنے والے کی امتوں کے دلوں پر مہر لگا دی تھی (بے مدد چھوڑ دیا تھا) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو لوگ حکم خداوندی سے تجاوز کرنے والے ہیں ان کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خود گمراہی میں غرق ہیں اور خواہشات نفس کو نہیں چھوڑتے اس لئے ہم بھی ان کو بے مدد چھوڑ دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ
 پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ
 وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
 اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس
 بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا
 اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے
 قَوْمًا فَجُورِينَ ﴿۷۹﴾
 لوگ گنہگار ☆

فرعونیوں کا تکبر

یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے۔ نافرمانی کی خو قبول حق کی اجازت کہاں دیتی۔ تکبر مانع ہوا کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے سفراء کے سامنے گردن جھکائیں۔ ”وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلماً و علواً“ (انمل رکوع ۱) یہ ہی تکبر تھا جس نے فرعون سے یہ الفاظ کہلوائے۔
 الْمُرْتَبِكُ فِينَا وَلِيْدًا ۙ اَوْ لَيْسَتْ فِينَا مِنْ عُمَرَاكُ سِنِينَ (شعراء رکوع ۲۴)

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا
 پھر جب پہنچی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے کہنے
 اِنَّ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۸۰﴾
 لگے یہ تو جادو ہے کھلا ☆

جادو گروں کا کرتب

ساحرین نے اپنی لاشیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں اور تخیل و نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ”جادو“ یہ ہے وہ جادو نہ تھا جسے فرعون اور اس کے خوشامدیوں نے جادو کہا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا

اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں

يُضِلُّ عَمَلِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۹۱﴾

سنوارتا شریروں کے کام ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر

یعنی بس تم اپنی قوت صرف کر چکے، اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت و رحمت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑتا ہے جو میرے مقابلہ میں پھر کبھی نہیں سنور سکے گا۔ کیونکہ خدا کی عادت و حکمت کے خلاف ہے کہ مصلح و مفسد کے مقابلہ کے وقت جبکہ اس سے مقصود خالص اتمام حجت ہو مفسدوں اور شریروں کی بات سنو اور دے اور کلمہ حق کو پست و مغلوب کر دے۔

وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَ

اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اور

لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۹۲﴾ فَمَا مِنْ لِيُوسَىٰ

پڑے برائیاں گنہگار پھر کوئی ایمان نہ لایا موسیٰ پر

الْأَذْرِيَّةَ مِنْ قَوْمِهِ

مگر کچھ لڑکے اس کی قوم کے ☆

بنی اسرائیلی نوجوانوں کا ایمان لے آنا

”بنی اسرائیل“ فرعونوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا ”اسرائیلی“ پیغمبر مبعوث ہو۔ موسیٰ علیہ السلام ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے جس کا انہیں انتظار تھا۔ اس لئے تمام بنی اسرائیل قدرتی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے، وہ دل سے حضرت موسیٰ کو سچا

قدیم سرداروں (قبیلوں) کو برطرف کر دو۔ سویا در ہے کہ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں۔ ہم لوگ ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي

اور بولا فرعون لاؤ میرے پاس

بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ﴿۹۳﴾

جو جادوگر ہو پڑھا ہوا ☆

فرعون کی تدبیر

یہ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا جواب تھا۔ یعنی رہا سحر اور معجزہ کا جھگڑا، اس کا ہم عملاً تصفیہ کئے دیتے ہیں کہ اس ملک کے بڑے بڑے ماہر جادوگر اکٹھے کئے جائیں، پھر آپ ان کے خوارق کے مقابل اپنے معجزات دکھلائیں۔ دنیا مشاہدہ کر لے گی کہ تم پیغمبر ہو یا (معاذ اللہ) جادوگر ہو۔ اس کے لئے فرعون نے تمام ملک میں گشتی جاری کر دی اور آدمی بھیج دیئے کہ مشاق اور ماہر جادوگر جہاں کہیں ہوں فوراً حاضر کئے جائیں۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں گذر چکا، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

پھر جب آئے جادوگر کہا ان کو

مُوسَىٰ الْقَوْمَ مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۹۴﴾

موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو ☆

جادو گروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آنا سا منا

دوسری جگہ مذکور ہے کہ ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نیچا دکھا کر ملیا میٹ کر دینا زیادہ موثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

فَلَمَّا الْقَوْمَ قَالَ مُوسَىٰ مَا

پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ

جَعَلْتُمْ بِهِ السِّحْرَ

جو تم لائے ہو سو جادو ہے ☆

واقعہ فرعون ظالم و جابر تھا

یعنی ان کا خوف کھانا بھی کچھ بے جا نہ تھا، کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کی مادی طاقت بہت بڑھ چڑھ کر تھی اور اس کا ظلم و عدوان اور کفر و طغیان حد سے متجاوز ہو چکا تھا۔ کمزوروں کو ستانے کے لئے اس نے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمِ إِن كُنتُمْ

اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر تم

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا

ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو

اِنْ كُنتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

اگر ہو تم فرماں بردار ☆

مؤمنین کو تسلی

یعنی گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک فرمان بردار مومن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے جسے خدا کی لامحدود قدرت و رحمت پر یقین ہوگا، وہ یقیناً ہر معاملہ میں خدا پر اعتماد کرے گا اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ کے سپرد کر دے، اسی کے حکم پر چلے اور تمامی جدوجہد میں صرف اسی پر نظر رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

زندہ کنی عطاءے تو ور بکشی خدائے تو

جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ایمان و اسلام اور توکل صادق اگر جمع ہو گئے تو دیکھ لینا کہ تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور فرعون کی عزت مبدل بہ ذلت ہو جائے گی، ایمان کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں اور توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں اور اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے ہیں۔

سپر دم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

(معارف کاندھلوی)

فَقَالُوا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا

تب وہ بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے رب ہمارے

تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

نہ آزاہم پر زور اس ظالم قوم کا ☆

جانتے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعونی سرداروں سے خوفزدہ تھے، اسی لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق کا غلبہ ہوگا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ہمت کر کے باوجود فرعونوں سے خائف ہونے کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبیلے بھی جو فرعون کی قوم سے تھے۔ مشرف بایمان ہوئے۔ اخیر میں جب موسیٰ علیہ السلام کا اثر اور حق کا غلبہ بڑھتا گیا، تب پوری قوم بنی اسرائیل کی جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہو گئی۔ یہاں ابتداء کا قصہ بیان ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جادو کا علاج

ابن ابی سلیم سے روایت ہے کہ یہ آیتیں بحکم خدا تعالیٰ سحر سے شفا کا کام دیں گی، اس آیت کو پڑھ کر پانی پر پھونکو پھر مسح کے سر پر اٹھیل دو۔ یہ سورہ یونس کی آیت ہے۔ وہ یہ ہے فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى اَلِیْ اٰخِرٰہِ کَرِیْمًا لِّلْجٰہِمُوْنَ۔ دوسری آیت ہے فَوَقَّعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ الخ اور اِنَّمَا صَنَعُوْا کِیْدًا سَیِّئًا وَّلَا یُفْلِحُ السَّیِّئُ حَیْثُ اَتٰی (تفسیر ابن کثیر)

عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ

ڈرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے

مَلَاِیْمِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ

سرداروں سے کہ کہیں ان کو بچلا نہ دے ☆

سرداروں کا خوف

ان کے سرداروں سے مراد یا تو فرعون کے حکام و عمال ہیں، یا بنی اسرائیل کے وہ سردار مراد ہیں جو خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنے ہم قوموں کو فرعون کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے تھے اور بچلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون ایمان لانے کی خبر سن کر سخت ایذا میں پہنچائے جن سے گھبرا کر ممکن ہے بعض ضعیف القلب راہ حق سے بچل جائیں۔

وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ

اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں

وَ اِنَّہٗ لَیِّنَ السُّرِفِیْنَ ﴿۱۳﴾

اور اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے ☆

کر خدا کی عبادت نہ کر سکتا تھا۔ بحالتِ مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے۔ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** ہجرت سے پہلے مکہ میں ایسا ہی حال مسلمانوں کا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ پہلے بنی اسرائیل صرف گرجوں اور خانقاہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن حضرت موسیٰ کی بعثت کے بعد فرعون کے حکم سے تمام عبادت خانے ڈھا دیئے گئے اور بنی اسرائیل کو وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہو گئی تو اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کے اندر ہی مسجدیں بنا لو اور وہیں نماز پڑھا کرو۔ ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے اور عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھ خصوصیات میں سے ایک یہ بھی فرمائی ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے کہ نماز ہر جگہ ادا ہو جاتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ فرض نمازوں کا مسجدوں میں ہی ادا کرنا جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے۔ اور نقلی نمازوں کا گھروں میں ادا کرنا افضل ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسی پر تھا کہ مسجد میں صرف فرض نماز پڑھتے تھے، سنن اور نوافل گھر میں جا کر ادا فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے مذہب کے مطابق اس کے پابند تھے کہ نماز صرف اپنے عبادت خانوں میں ادا کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعبہ ہے اور کعبہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا قبلہ تھا، (قرطبی و روح) بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اصل میں کعبہ ہی تھا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

بحالتِ مجبوری مسجد کی حاضری معاف کر دی گئی

ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور انہی گھروں میں نماز قائم رکھو۔ خوف کی وجہ سے مسجد کی حاضری معاف کر دی گئی۔ لہذا اپنے گھروں ہی میں خفیہ نماز پڑھ لیا کرو۔ جیسے ابتداء اسلام میں مومنوں کو حکم ہوا۔ فرعون بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے اس لئے بحالتِ مجبوری ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ کے رخ بنا لو اور انہی میں نماز پڑھ لیا کرو تا کہ فرعونوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو اور جب بنی اسرائیل کو

ایمان لانے والوں کا اخلاص اور استقامت

موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے۔ اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور و طاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں۔ اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ میں ہے۔ اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملے گا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط و تفوق کیوں حاصل نہ ہوتا اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود ان کے لئے فتنہ بن جائے گا۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۵۰

اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر ان کافر لوگوں سے ☆

یعنی ان کی غلامی اور محکومی سے ہم کو نجات دے اور دولت آزادی سے مالا مال فرما۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ وَاٰخِيهِ اَنْ

اور ہم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو کہ

تَبَوُّوا الْقَوْمَ مِثْلًا بِمِصْرَ بِيُوْتًا

مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر ☆

بنی اسرائیل کیلئے خصوصی حکم

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں۔ اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے۔“ مفسرین نے **تَبَوُّوا الْقَوْمَ مِثْلًا بِمِصْرَ بِيُوْتًا** سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو اور ان میں سے بعض کو عبادت کے لئے مخصوص کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَاَقِمُوا الصَّلَاةَ

اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو اور قائم کرو نماز ☆

نماز ہر حال میں قائم رکھو

فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کر دی تھیں کوئی باہر نکل

از حکمت نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ ”خلق شر“ میں بھی مجموعہ عالم کے اعتبار سے کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ وہ ہی حکمت شریوں کو اس قدر سامان دیئے جانے میں سمجھ لیجئے۔ **كُلًّا نُمِذُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَذَابِ رَبِّكَ** (بنی اسرائیل رکوع ۲۷) **إِنَّمَا نُمِذُّ لَكُمْ لِيَتَذَكَّرُوا إِنَّمَا** (ال عمران رکوع ۱۸)

بعض مفسرین نے ”لیضلوا“ میں ”لام عاقبہ“ لیا ہے جیسے **فَالنَّقَطَةُ آتٍ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا** میں ”لام عاقبہ“ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ سامان دیا تو اس لئے تھا کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے شکر گزار بندے بنیں مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بدنختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کے بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا گویا وہ اسی کام کے لئے ان کو دی گئی تھیں، اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ أَمْوَالِيهِمْ
اے رب مٹا دے ان کے مال اور
الشدُّدُ عَلَيَّ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا
سخت کر دے ان کے دل کہ نہ ایمان لائیں
حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ
جب تک دیکھ لیں عذاب دردناک ☆

فرعونیوں کیلئے بددعاء

جب موسیٰ علیہ السلام مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کر چکے اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے مگر معاندین کا جو دو عناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الہی سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں، تب ان کی ہلاکت کی دعاء فرمائی، تا ان کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو اور دوسروں کے لئے ان کی بد انجامی درس عبرت بنے۔ آپ نے بددعاء کی کہ خداوند! ان کے اموال کو تباہ اور ملیا میٹ کر دے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے جن میں کبھی ایمان و یقین نفوذ نہ کرے۔ بس اسی وقت یقین حاصل ہو جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کر لیں۔ یہ دعاء ان کے حق میں ایسی سمجھو جیسے ابلیس کو ”لعنة الله“ یا کفار کو ”خذلهم الله“ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی ملعونیت و خذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جا چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آیت کی تقریر دوسری طرز سے کی ہے۔ فرماتے ہیں ”سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب

فرعونیوں کی طرف سے سخت بلائیں پہنچیں تو حکم ہوا کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری یہ بلا اور مصیبت دور کر دے گا **كَمَا قَالَ تَعَالَى وَقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا** **وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** پریشانیوں کا علاج

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو نماز پڑھتے (رواہ ابو داؤد) کثرت سے نمازیں پڑھنے سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔ (معارف کا ندھلوی)

وَكَبِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

اور خوشخبری دے ایمان والوں کو ☆

دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں نجات و رضائے الہی کی۔

وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے

فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِكَ زِينَةً وَأَمْوَالًا

فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

دنیا کی زندگی میں ☆

فرعون کا ساز و سامان اور اس کا مقصد

یعنی ہر قسم کا سامان رونق و آسائش کا دیا۔ مثلاً حسن صورت سواری، عمدہ پوشاک، اثاث البیت وغیرہ اور مال و دولت کے خزانے، سونے یا چاندی وغیرہ کی کانیں عطا فرمائیں۔

رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ

اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے ☆

اگر لیضلوا میں لام تعلیل لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سامان ان نابکاروں کو اس لئے دیا گیا کہ مغرور ہو کر خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں خرچ کریں۔ بڑی آزادی سے دل کھول کر زور لگائیں۔ آخر میں دیکھ لیں گے کہ وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب خالق خیر و شر کا اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فعل خالی

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ

اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا

پھر پیچھا کیا ان کافر عیون نے اور اس کے لشکر نے شرارت سے

وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا آدْرٰكُهُ الْغُرُقُ

اور تعدی سے یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا

قَالَ اٰمَنْتُ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِي

بولتا یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر

اٰمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَاَنَا مِنَ

کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں

الْمُسْلِمِينَ ۝ اَلَّذِي وَقَدْ عَصَيْتَ

فرما برداروں میں اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا

قَبْلُ وَاَنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝

اس سے پہلے اور ربا گراہوں میں ☆

فرعون کا غرق ہونا

موسیٰ علیہ السلام کئی لاکھ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے فرعون کو خیر ہوئی تو ایک لشکر جرار لے کر تعاقب کیا۔ تاکہ اس کے بچنے سے چھوٹے نہ پائیں۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کے کنارے پہنچے تو سخت پریشان ہوئے، آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دبا تا چلا آ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی اور حق تعالیٰ کے حکم سے لاشی دریا پر ماری، سمندر کا پانی اٹھ اٹھ کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا نے بارہ راستے خشک بنا دیئے۔ یہ پار ہوئے، ادھر فرعون لشکر سمیت سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ خشک راستے دیکھ کر سب نے اسی میں گھوڑے ڈال دیئے۔ جب ایک ایک کر کے تمام فوج دریا کے وسط میں پہنچی، پانی کو حکم ہوا کہ بجائے فوراً پانی کے طبقات مل گئے، سب لشکر اور سامان موجوں کی نذر ہو گیا۔

ڈوبتے وقت ایمان کا کلمہ

فرعون نے دیکھا کہ اب ڈوبتا ہوں، اس وقت گھبرا کر ایمان و اسلام کا لفظ زبان پر لایا کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا ”ایمان“ کا لفظ سن کر دریا

کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا۔ دعاء اس واسطے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو۔ (تفسیر عثمانی) بددعاء کا اثر

حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ اس دعا کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ قوم فرعون کے تمام زرو جوہر اور نقد سکے اور باغوں کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ایک تھیلہ پایا گیا جس میں فرعون کے زمانہ کی چیزیں تھیں۔ ان میں انڈے اور بادام بھی دیکھے گئے جو بالکل پتھر تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَبَّنَا اٰطِيسْ عَلٰى اَمْوَالِنَا. اے ہمارے رب ان کے مالوں کو (تباہ کر کے) مٹا دے۔ (مجاہد) بعض اہل علم نے کہا، طمس سے مراد ہے صورت مسخ کر دینا، ہیئت بگاڑ دینا۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان کا سارا مال کھیتیاں اور جوہر پتھر بنا دیئے گئے۔ نقوش اور شکل وہی تھی جو اصلی چیزوں کی تھی مگر سب چیزیں پتھر کی ہو گئی تھیں اور پھٹ کر کسی کے دو اور کسی کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایک تھیلہ منگوا یا اس میں فرعون والوں کی کچھ باقی ماندہ چیزیں تھیں۔ انڈا نکالا تو وہ بھی شگافتہ اور اخروٹ نکالا تو وہ بھی پھٹا ہوا اور سب چیزیں پتھر کی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ قَدْ اٰجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ

فرمایا قبول ہو چکی دعاء تمہاری ☆

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے ”دعوتکما“ فرمایا (تفسیر عثمانی)

فَاَسْتَقِيْمًا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ان کی جو ناواقف ہیں ☆

ثابت قدم رہو اور جلدی نہ مچاؤ

اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اگر قبول دعاء کی آثار دیر سے ظاہر ہوں تو نادان لوگوں کی طرح شتابی مت کرو، وقت مقدر پر یہ ہی ہو کر رہے گا۔ گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔

خدا فرعون ڈوبنے لگا (بولا اَمَنْتُ اَنْذَا لَكَ اِلَهًا اِلَّا الَّذِي اَمَنْتُ بِهِ بَنُو النَّبِيِّ اِيلَ . حضرت جبریل نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ش آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ منظر دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں سمندر کی کچھڑ ٹھونس رہا تھا کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو پہنچ جائے (اور مرنے سے پہلے اس کی توبہ قبول ہو جائے)

جلال الدین دوانی کا قول

جلال الدین دوانی کا قول ہے کہ فرعون نے چونکہ کلمہ توحید زندگی میں پڑھ لیا تھا اس لئے (اسکی توبہ قبول ہوگئی اور) وہ مسلمان مرادوانی نے اس قول میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی پیروی کی ہے۔ ابن عربی کا بھی یہی قول ہے کہ فرعون پاک مرا۔ حق یہ ہے کہ شیخ کا قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے آپ کے سکر کی حالت کے بکثرت الفاظ شرع کے مطابق نہیں ہیں شیخ کا فرعون کے متعلق یہ قول بھی اجماع علماء کے خلاف ہے۔ اور صحیح احادیث سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ فرعون کا فتویٰ

ایک مرتبہ جبریل امین فرعون کے پاس ایک استفتاء لے کر آئے جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر کا اس غلام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آقا کے مال و نعمت میں پلا پھر اس غلام نے اپنے آقا کی نعمت کا کفران کیا اور اس کا حق نہ مانا اور خود آقا ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے۔ فرعون نے اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھا کہ ایسے غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے اور اس فتویٰ پر جبریل امین نے فرعون سے دستخط بھی لے لئے فرعون نے اپنے قلم سے لکھ دیا کہ یہ وہ جواب ہے کہ جو ابوالعباس ولید بن مصعب یعنی فرعون نے لکھا ہے جب فرعون غرق ہونے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا تو جبریل امین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ اس کو دکھلایا اور کہا کہ فتوے کے بموجب تیرے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔ (معارف کا نہ حلوی)

قَالِ يَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ

سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے

لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا

تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بیشک بہت

مِنَ النَّاسِ عَنِ اٰيَاتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٤١﴾

لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے ☆

کی موجوں سے باہر نکال دے۔ اس پر خدا کی طرف سے ارشاد ہوا اَلنَّاسِ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ الْخَالِخِ لِعَنِي سَارِي عَمْرٍ مَخْلَفٌ هُوَ كَرَّ مَرَّ اِهِيَ پھیلاتا اور شرارتیں کرتا رہا، اب عذاب دیکھ کر یقین لایا۔ اس وقت کا یقین کیا معتبر ہے۔ فَكَمْ نِيكَ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لِنَارٍ اَوْ اَبَا سَنَاهُ سُدَّتْ اِلٰهَ التِّي قَدْ خَلَقْتَ فِيْ عِبَادِهِ وَ خَسِرْتُمْ هٰذِهِ الْكٰفِرُوْنَ (المومن۔ رکوع ۹)

فتوحات مکیہ کی عبارت

(تنبیہ) قبض روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا ایمان غرغرة یا ایمان باس یا ایمان یاس کہلاتا ہے۔ جو قبل سنت و الجماعت کے نزدیک نافع نہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ”کتاب البیواتیة والجوہر“ میں ”فتوحات مکیہ“ سے عبارت نقل کی ہے۔ جس میں ایمان فرعون کی بابت یہ ہی تصریح ہے اور بیابچہ میں لکھا ہے کہ ”فتوحات کے“ نسخوں میں ملحدین و زنادقہ نے بہت سی عبارتیں مدسوس کر دی ہیں میرے پاس جو نہایت مستند و معتبر نسخہ ”فتوحات“ کا ہے اس میں ان عبارتوں کا پتہ نہیں واللہ اعلم (فائدہ) اخیر وقت میں فرعون سے لفظ ”اَمَنْتُ“ کہلا کر حضرت موسیٰ کی دعاء فلا یؤمنوا حتی یرو العذاب الالیم کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کرادیا۔ (تفسیر عثمانی)

نزع کے وقت کا کلمہ کفر

اسی طرح اگر خدا نخواستہ ایسی ہی نزع روح کی حالت میں کسی شخص کی زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس کو کافر بھی نہ کہا جائے گا بلکہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا اور اس کے کلمہ کفر کی تاویل کی جائے گی جیسا کہ بعض اولیاء اللہ کے حالات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو کلمہ ان کی زبان سے نکل رہا تھا لوگ اس کو کلمہ کفر سمجھ کر پریشان تھے بعد میں کچھ ہوش آیا اور اپنا مطلب بتلایا تو سب کو اطمینان ہو گیا کہ وہ عین ایمان کا کلمہ تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت روح نکل رہی ہو اور نزع کا عالم ہو وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں، اس وقت کا کوئی عمل بھی شرعاً معتبر نہیں، اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے، مگر دیکھنے والوں کو اس میں بڑی احتیاط لازم ہے کیونکہ اس کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے کہ یہ وقت نزع روح کا اور غرغرة موت کا ہے یا اس سے پہلے کا۔ (معارف مفتی اعظم)

جبریل نے فرعون کے منہ میں کچھڑ ٹھونس دیا

بنغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ فرعون کو غرق کرنے لگا (یعنی بحکم

فرعون کی لعش آج تک عبرت کا نشان ہے

”موضح القرآن“ میں ہے کہ جیسا بے وقت ایمان لایا، بے فائدہ، ویسا ہی اللہ نے مرے پیچھے اس کا بدن دریا میں سے نکال کر ٹیلے پر ڈال دیا کہ ”بنی اسرائیل“ دیکھ کر شکر کریں اور پیچھے آئیوالے اسکے حال سے عبرت پکڑیں۔ ورنہ اس کو بدن کے بچنے سے کیا فائدہ۔ جیسا بے فائدہ ایمان تھا ویسی ہی بے فائدہ نجات مل گئی۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے لیکن الفاظ قرآنی کی صحت اسکے ثبوت پر موقوف نہیں (اتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ ”عاشورہ“ کے دن ہوا۔ اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطر لکھ رہا ہے ”یوم عاشورہ ۱۳۲۸ھ ہجری“ ہے۔ خدا ہم کو دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑا غرق کرے۔ آمین۔ (تفسیر عثمانی)۔

دریا کی ایک موج کے ذریعہ فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا جس کو سب نے دیکھا اور اس کے ہلاک ہونے کا یقین آیا، اور اس کی یہ لاش سب کے لئے نمونہ عبرت بن گئی، پھر معلوم نہیں کہ اس لاش کا کیا انجام ہوا، جس جگہ فرعون کی لاش پائی گئی تھی آج تک وہ جگہ جبل فرعون کے نام سے معروف ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی کہ فرعون کی لاش صحیح سالم برآمد ہوئی اور عام لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا، اور وہ آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، مگر یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی فرعون ہے جس کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا یا کوئی دوسرا فرعون ہے کیونکہ لفظ فرعون کسی ایک شخص کا نام نہیں، اس زمانے میں مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کا لقب دیا جاتا تھا۔ مگر کچھ عجیب نہیں کہ قدرت نے جس طرح غرق شدہ لاش کو عبرت کے لئے کنارہ پر ڈال دیا تھا اسی طرح آئندہ نسلوں کی عبرت کے لئے اس کو گلنے سڑنے سے بھی محفوظ رکھا ہو، اور اب تک موجود ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأً

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ

صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ

اور کھانے کو دین ستمری چیزیں ☆

بنی اسرائیل کو حکومت دی گئی

یعنی فرعونوں کو ہلاک کر کے اول ملک مصر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد علاقہ کو نکال

کر ملک شام دیا گیا۔ دونوں ملک سرسبز و شاداب ہیں جہاں ستمری اور لذیذ چیزوں کی فراط ہے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل حلال و طیب نعمتوں سے مالا مال کر دیے گئے۔

فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ

سو ان میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک کہ پہنچی ان کو خبر

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

بیشک تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

جس بات میں کہ ان میں پھوٹ پڑی ☆

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی

یعنی مادی انعام و اکرام کے ساتھ دینی و روحانی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ کہ تورات شریف کا علم دیا۔ جس میں دین کے اصول و فروع بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے پچھلوں کے متعلق خبریں تھیں ان واضح حقائق سے خبردار ہونے کے بعد لائق نہ تھا کہ ایسی صاف چیزوں میں اختلاف کر کے آپس میں پھوٹ ڈالیں اور فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوں۔ مگر باوجود علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے طرح طرح کے اختلافات پیدا کیے اور پھوٹ ڈال کر رہے۔ بعض احکام میں اپنے پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) سے بھی کٹ جتنی کی جیسا کہ ذبح بقر کے واقعہ میں گزرا۔ بعد میں آنے والے پیغمبروں خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نے تصدیق اور اکثروں نے تکذیب کی، حالانکہ ان کے متعلق بہت سی پیشینگوئیوں پر مطلع ہو چکے تھے۔ بلکہ بعثت محمدی سے پہلے نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ نہ صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا بلکہ خود اپنے مذہب میں تحریف کر کے اصول و فروع بدل ڈالے اور رفتہ رفتہ بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے۔

قسطنطین اعظم

مسیح علیہ السلام سے تین سو برس بعد قسطنطین اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا، ازراہ نفاق دین نصرانیت میں داخل ہوا تو پادریوں نے اس کی خاطر جدید قوانین وضع کئے اور نئی شریعت بنائی۔ اس نے ان کے لئے بڑے بڑے گرجا اور معابد و مشاہد تعمیر کرائے اور اس نئے دین مسیحی کی جو اصلی مسیحیت کو بگاڑ کر تیار کیا گیا تھا خوب شاعت ہوئی۔ بجز چند تارک الدنیا ہوں کے جو بیستیوں سے الگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا رہے تھے۔ کوئی شخص اصلی دین مسیحی پر قائم نہ رہا تھا۔ صلیب کی پرستش، مشرق کی طرف نماز پڑھنا کلیساؤں میں مسیح و مریم وغیرہ کی تصاویر پوجنا،

خنزیر وغیرہ کو حلال کرنا اور اسی طرح کی تحریفات نے حقیقی مسیحیت کو بالکل مسخ کر ڈالا اور یہی مسخ شدہ مسیحیت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ یہ زمانہ تھا جب، ملک شام، بیت المقدس، جزیرہ اور بلاد روم پر نصاریٰ کا تسلط تھا، تا آنکہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ممالک کو نصاریٰ کے قبضہ سے نکالا۔ **وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ**۔

عوام الناس سے خطاب کہ اپنا شک دُور کر لو
 بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جو امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق و واقعات سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور جہل و تعصب کی وجہ سے ان کی واقعت میں شک و تردد کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ خود اپنی لائی ہوئی چیزوں میں کیسے شک و شبہ کر سکتے تھے اور جس کی طرف تمام دنیا کو دعوت دیتے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین سننے والوں کے قلوب میں پیدا کر دیتے تھے، اس کو خود اپنی زبان سے کیسے جھٹلاتے۔ چند آیات کے بعد صاف فرما دیا گیا **قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ الْخَبْرَةَ** صاف بتلا رہی ہے کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے جن کے مقابلہ میں آپ اپنے غیر متزلزل اور اٹل عقیدہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ بہر حال ان آیات میں پیغمبر کی زبان سے قرآن کے ہر ایک مخاطب کو متنبہ کیا کہ کفر و تکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک و شبہ پیدا ہو تو اس کا فوراً علاج کرو۔ یعنی جو لوگ کتب سابقہ کا علم رکھتے ہیں، ان سے تحقیق کر لو۔ آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ نبی امی نے جو کچھ بیان فرمایا کہاں تک درست ہے۔ بلاشبہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ کے سوا کچھ نہیں، وہ پروردگار کا اتارا ہوا ہے جس میں شک و تردد کی قطعاً گنجائش نہیں اگر بے ہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور ”امتراء“ ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچائے گا۔ جس کا نتیجہ خسران و خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا میں جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ لائے۔ اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جب کہ اس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (فائدہ) کلمۃ ربک (رب کی بات) سے مراد غالباً وہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ ”**لَا مَلِكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ**“ یعنی دوزخ کو جن وانس سے بھروں گا جن لوگوں پر بدبختی، سوء استعداد اور شامت اعمال سے یہ بات علم الہی میں ثابت ہو چکی۔ یہاں ان کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا	سو اگر تو بے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے
اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرءُونَ	تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں
الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ	کتاب تجھ سے پہلے پیش آئی ہے تیرے پاس
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ	حق بات تیرے رب سے سوتو ہرگز مت
مِنَ الْمُبْتَرِيْنَ ۗ وَلَا تَكُوْنَنَّ	ہو شک کرنے والا اور مت ہوان میں
مِنَ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ	جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو
فَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۗ اِنَّ	پھر تو بھی ہو جائے خرابی میں پڑنے والا جن پر
الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمٰتُ	ثابت ہو چکی بات تیرے
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۗ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ	رب کی وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ پہنچیں ان کو
كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرُوْا الْعَذَابَ	ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب
الْاٰلِيْمَ ۗ	دروناک ☆

تکوینی فیصلہ

حقت واجب ہو گیا۔ کلمہ رب سے مراد ہے ازلی فیصلہ کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ مالک، ترمذی اور ابو داؤد نے مسلم بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے آیت **وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ** کا معنی دریافت کیا گیا آپ نے جواب دیا، میں نے خود سنا کہ جب اس آیت کا (مرادی اور تشریحی) معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر ان کی کچھ نسل باہر نکالی اور فرمایا، ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں ہی کے کام کریں گے پھر پشت پر ہاتھ پھیر کر کچھ نسل برآمد کی اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں ہی کے کام کریں گے۔ امام احمد نے بوساطت ابو نصرہ حضرت ابو عبد اللہ صحابی کا بیان نقل کیا ہے، ابو عبد اللہ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی ایک مٹھی لی اور دوسرے ہاتھ کی دوسری مٹھی (اول کے متعلق فرمایا) یہ اس کے لئے ہیں یعنی جنت کے لئے۔ اور یہ اس کے لیے ہیں یعنی دوزخ کے لئے اور مجھے (کسی کی) پرواہ نہیں۔

ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ناقابل شکست ہے (تفسیر مظہری) حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغره نہ لگنے لگے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم والبیہقی)

حضرت ابو ذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بلا شک اپنے بندہ کی مغفرت کر دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پردہ کیا۔ فرمایا شرک کی حالت میں مرنا۔ رواہ احمد والبیہقی، فی کتاب البعث والنشور۔ (تفسیر مظہری)

قادہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عذاب آچکنے کے بعد کوئی قوم ایمان لائے تو نہیں چھوڑا جاتا ہے لیکن جب یونس نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور لوگ سمجھ گئے کہ اب عذاب سے نجات نہیں تو ان کے دلوں میں توبہ کے جذبات پیدا ہوئے۔ انھوں نے خراب کپڑے پہن کر اپنے کو بد حال بنا لیا۔ مویشیوں کا گروہ اور ان کے بچوں کا گروہ الگ الگ کیا۔ اپنے ساتھ بچوں جانوروں تک کو لے گئے چالیس دن

تک فریاد و زاری کی۔ اللہ نے ان کے خلوص نیت اور توبہ کی صداقت کو دیکھ کر آکھڑا ہوا عذاب ان پر سے ہٹا دیا۔ قوم یونس ارض موصل میں نینوی کی رہنے والی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةً اٰمَنَتْ
سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی
فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُونُسَ
پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم
لَهَا اٰمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ
جب وہ ایمان لائی اٹھایا ہم نے ان پر سے ذلت کا
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
عذاب دنیا کی زندگانی میں اور
مَتَّعْنَاهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۱۰
فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک ☆

قوم یونس کی توبہ

یعنی جتنی بستیاں تکذیب انبیاء اور شرارتوں کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں، ان میں سے کسی کو ایسی طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الہی سے نجات دیتا۔ صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی ایک مثال ہے جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدا نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انہیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے منتفع کیا۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام لگاتار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے انہوں نے ایک نہ سنی یوماً فیوماً انکار و تکذیب بڑھتا رہا آخر حضرت یونس نے تنگ آ کر ان کو آگاہ کیا کہ (باز نہ آئے تو) تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی یونس علیہ السلام آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی آثار عذاب کے نظر آنے لگے

لئے۔ لیکن ان کا ایمان قبول ہو گیا۔ اور امان ملی۔“ حضرت یونس کے قصہ کا بقیہ سورہ ”صافات“ وغیرہ میں آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قوم یونس کی توبہ کا قبول ہونا ضابطہ کے خلاف نہیں ہے اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آجانے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ آخرت کا عذاب سامنے آجانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی، اور عذاب آخرت کا سامنے آنا یا قیامت کے دن ہوگا یا موت کے وقت، خواہ وہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر ہو جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہو جانا عام ضابطہ الہیہ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب آتا ہوا دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے کر لی، بخلاف فرعون نے اور دوسرے لوگوں کے جنہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اور غرغرہ موت کے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اس لئے ان کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

حضرت یونس علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا انکار

بغوی نے حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر اور وہب بن منبہ وغیرہ کی روایات سے حسب ذیل بیان کیا ہے۔

قوم یونس نینوا علاقہ موصل کی رہنے والی تھی۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت یونس کو مامور فرمایا۔ حضرت یونس نے ان کو ایمان کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ کی طرف سے حضرت یونس کو حکم دیا گیا، ان سے کہہ دو کہ تین روز تک صبح کے وقت ان پر عذاب آئے گا، حضرت یونس نے اطلاع دے دی، قوم والوں نے کہا، تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ شخص کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لئے انتظار کرو اور دیکھو اگر یہ آج رات تمہارے ساتھ رہے تو سمجھ لو صبح کو کچھ نہیں ہوگا اور اگر رات کو تمہارے ساتھ نہ رہے تو سمجھ لو کہ صبح..... کو عذاب ضرور آئے گا۔ وسط شب میں حضرت یونس قوم کے پاس سے باہر چلے گئے۔

عذاب کی علامات

صبح ہوئی تو لوگوں کے سروں سے ایک میل اوپر عذاب آ گیا۔

آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہو گئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونس کی تلاش ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لیکر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ چاروں طرف آہ و بکاء کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے کہ ”امنا بما جاء بہ یونس“ جو کچھ یونس علیہ السلام لائے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو تضرع و بکاء پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو ہویا ہو چکے تھے اٹھائے گئے۔

علماء کے اقوال

یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا۔ صرف علامات و آثار نظر آئے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ ”ایمان باس“ جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک قوم یونس کا ایمان بھی فرعون کی طرح ”ایمان“ تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خلاف قاعدہ بطور استثناء اس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا۔ فرعون کے ایمان کی طرح رو نہیں فرمایا۔ پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا ان کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا۔ یا آخرت میں بھی موجب نجات ہوگا۔ ”ابن کثیر“ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہوگا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت لطیف و دقیق طرز میں آیت کی تفسیر کی ہے۔ یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہیں آیا، مگر قوم یونس کو، اس واسطے کہ ان پر حکم عذاب کا نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونس کی شتابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تانا کی نظر میں حضرت یونس کی بات جھوٹی نہ ہو) وہ ایمان لائے پھر نجات گئے اور صورت عذاب ہٹالی گئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ کہ فتح مکہ میں فوج اسلام ان پر پہنچی قتل و غارت کے

وہب کا بیان ہے، عذاب ایک سیاہ گھٹا کی شکل میں سخت دھواں اڑتا آ گیا پھر نیچے اتر کر شہر پر چھا گیا جس سے گھروں کی چھتیں کالی ہو گئیں یہ دیکھ کر لوگوں کو ہلاک ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونسؑ کو تلاش کیا تو ان کا بھی کہیں پتہ نہ چلا،

توبہ کا خیال

آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کرنے کا خیال ڈال دیا اور بڑے، بچے، عورت، مرد اور چوپائے سب شہر کے باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ سمھوں نے کبل کا (فقیرانہ) لباس پہن لیا اور لگے توبہ کرنے اور صحیح نیت کے ساتھ ایمان کا اظہار کرنے ہر ماں کو بچے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ چوپایوں کے بچے بھی ماؤں سے جدا کر دیئے گئے تھے۔ اس علیحدگی کی وجہ سے آدمیوں اور جانوروں کے بچوں نے چیخا شروع کر دیا، مائیں بھی (جذبہٴ محبت کے زیر اثر) چیخنے لگیں (ایک کہرام مچ گیا) بیتابی سے سب چیخ پڑے اور اللہ کے سامنے گڑ گڑائے، آخر اللہ نے رحم فرمایا دعا قبول فرمائی چھایا ہوا عذاب دور کر دیا۔ یہ واقعہ محرم کا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا سفر

ابن ابی حاتم نے حضرت علیؑ بیان نقل کیا ہے کہ قوم یونسؑ کی توبہ عاشورہ کے دن قبول ہوئی تھی۔ حضرت یونسؑ قوم کی بستی سے باہر چلے گئے اور عذاب نازل ہونے اور قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ نے عذاب آتا نہ دیکھا (اس زمانہ کا قومی ضابطہ تھا کہ) اگر کوئی شخص بلا ثبوت جھوٹ بولتا تھا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا، حضرت یونسؑ نے کہا، میں نے قوم سے جھوٹی بات کہی (یعنی میرا جھوٹ ثابت ہو گیا) اب کیسے ان کے پاس لوٹ کر جا سکتا ہوں۔ یہ خیال کر کے قوم سے ناراض اور اپنے رب سے کشیدہ ہو کر چل دیئے۔ دریا پر پہنچے تو کچھ لوگ کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ لوگوں نے پہچان لیا اور بلا کر ایہ سوار کر لیا۔ کشتی جب آپ کو لے کر بیچ سمندر میں پہنچی تو رک گئی۔ نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی، کشتی والوں نے کہا، اس کشتی کے اڑ جانے کی کوئی خاص وجہ ہے، یونسؑ نے کہا مجھے اس کی وجہ معلوم ہے۔ اس میں کوئی بڑا گناہ گار سوار ہے۔ لوگوں نے کہا وہ کون ہے۔ یونسؑ نے کہا میں ہوں، مجھے دریا میں پھینک دو۔ لوگوں نے کہا جب تک ہمارے نزدیک کوئی

خاص وجہ نہ ہو ہم تو آپ کو پھینکنے والے نہیں۔ آخر قرعہ اندازی کی اور تین بار حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام قرعہ میں نکلا۔

حضرت یونس علیہ السلام پانی میں

حضرت نے فرمایا، یا تو تم مجھے پانی میں پھینک دو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ مجبوراً کشتی والوں نے آپ کو پھینک دیا پھینکتے ہی کشتی روانہ ہو گئی۔ کشتی کے نچلے حصہ کے پاس ایک مچھلی منہ کھولے اللہ کے حکم کی منتظر تھی، جو نہی یونسؑ پانی میں گرے مچھلی نے اپنے منہ میں لے لیا۔

یہ بھی روایت میں ہے کہ اللہ نے ایک بڑی مچھلی کو حکم دیا اس نے کشتی کی طرف رخ کیا۔ کشتی والوں نے جو اس کو منہ کھولے ہوئے کشتی کی طرف رخ کئے ہوئے دیکھا جو بڑے پہاڑ جیسی تھی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ کشتی کے اندر کسی کی جستجو کر رہی ہے۔ حضرت یونسؑ نے یہ دیکھتے ہی پانی میں چھلانگ لگا دی (اور مچھلی نے ان کو پکڑ لیا)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بحر روم پر پہنچے۔ وہاں ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ آپ اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی روانہ ہو کر وسط میں پہنچی تو رک کر کھڑی ہو گئی۔ قریب تھا کہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ ملاح بولے ہماری کشتی میں کوئی گناہ گار آدمی یا بھاگا ہوا غلام سوار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کشتی اڑ گئی ہے، ہمارا طریقہ ہے کہ ایسے موقع پر ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام پر قرعہ نکل آتا ہے اس کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں (کشتی چل نکلتی ہے)۔ ایک آدمی کو ڈبو دینا تو پوری کشتی کے مع سوار یوں کے ڈوب جانے سے بہتر ہوتا ہے، چنانچہ لوگوں نے تین بار قرعہ ڈالا، ہر بار یونسؑ کے نام پر نکلا یونسؑ فوراً کھڑے ہوئے اور بولے میں ہی گناہ گار آدمی اور بھاگا ہوا غلام ہوں، مچھلی کے پیٹ میں

اس کے بعد آپ نے خود اپنے کو پانی میں پھینک دیا فوراً ایک مچھلی نے نکل لیا پھر اس مچھلی سے بڑی مچھلی نے آ کر اس مچھلی کو نکل لیا اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو بال برابر تکلیف نہ ہونے پائے۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لئے قید خانہ بنایا ہے اس کو تیری غذا نہیں بنایا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ مچھلی کو ندادی گئی کہ ہم نے یونسؑ کو تیری روزی نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی حفاظت کا مقام

میری ملاقات ہوئی تھی۔ بادشاہ نے غلام کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ غلام نے کہا، میرے پاس (اس بات کی سچائی کے) گواہ ہیں۔ میرے ساتھ کسی کو بھی جو غرض غلام لوگوں کو ساتھ لے کر اس جگہ اور اس درخت کے پاس پہنچا اور کہا میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یونس نے تم دونوں کو گواہ بنایا تھا، دونوں نے کہا ہاں، یہ سنتے ہی لوگ خوف زدہ ہو کر لوٹ آئے اور بادشاہ سے آکر کہہ دیا کہ درخت اور زمین نے اس غلام کی گواہی دی۔ بادشاہ نے غلام کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا تو اس جگہ کا مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ غلام نے ان لوگوں کا انتظام چالیس سال تک کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي

اور اگر تیرا رب چاہتا بیشک ایمان لے آتے جتنے لوگ

الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْفِرُ

کہ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زبردستی

النَّاسِ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾

کرے گا لوگوں پر کہ ہو جائیں باایمان ☆

کسی کو زبردستی مؤمن نہیں بنایا جاسکتا

یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں۔ خدا چاہتا تو بیشک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں تقریر کی جا چکی ہے، ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف تھا، اس لئے نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا اور (اے

محمد) اگر آپ کے رب کو منظور ہوتا تو زمین پر رہنے والے سب کے سب ایمان لے آتے کوئی بغیر ایمان لاتے نہ بچتا اور کوئی ایمان سے اختلاف نہ کرتا۔ سب ایمان پر متفق ہو جاتے۔

فرقہ قدریہ کا مذہب

فرقہ قدریہ قائل ہے کہ اللہ تو سب لوگوں کا مومن ہو جانا چاہتا ہے لیکن لوگ خود اپنے اختیار سے ایمان لانا نہیں چاہتے (اس فرقہ کے نزدیک مشیت اور رضا میں فرق نہیں ہے چاہنے کا معنی ہے پسند کرنا۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ایمان تو سب کا پسند ہے مگر مشیت نہیں کہ

اور عبادت خانہ بنایا ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قرعہ ڈالنے سے پہلے ہی حضرت یونس کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں ہی گنہگار بھاگا ہوا غلام ہوں۔ کشتی والوں نے پوچھا تم کون ہو۔ فرمایا یونس بن متی لوگ پہچان گئے اور بولے، اے اللہ کے رسول ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے بلکہ قرعہ اندازی کریں گے۔ قرعہ اندازی کی گئی اور حضرت کے نام کا قرعہ نکل آیا اور آپ نے خود اپنے آپ کو پانی میں پھینک دیا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا، جس مچھلی نے آپ کو نگلا تھا وہ آپ کو ساتویں زمین کی گہرائی میں لے گئی اور چالیس رات تک آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

تسبیح اور پھر باہر آنا

وہاں آپ نے سنگریزوں کے تسبیح کرنے کی آواز سنی تو تاریکیوں میں ہی پکار اٹھے لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ. اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بحکم خداوندی مچھلی نے لا کر آپ کو سمندر کے کنارے پھینک دیا اس وقت آپ کی ہیئت ایسی تھی جیسے پرو بال نوجا ہوا چوزہ۔ اللہ نے فوراً کدو کا درخت پیدا کر دیا جس کے سایہ میں آپ نے آرام لیا اور ایک پہاڑی بکری یا پاڑی کو مامور کر دیا۔ آپ اس کا دودھ پیتے رہے جب درخت سوکھ گیا تو آپ نے درخت پر رو دیئے۔ اللہ نے وحی بھیجی، تو ایک درخت کے خشک ہو جانے پر تو رو دیا اور ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں پر نہیں رو دیا اور ان کو ہلاک کر دینا چاہا۔

غلام کو بادشاہ ہی مل گئی

یہاں سے حضرت یونس چل دیئے اور ایک غلام سے ملاقات ہوئی جو جانور چراہا تھا، اس سے پوچھا غلام تو کون ہے؟ اس نے کہا یونس کی قوم کا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جب تو اپنی قوم والوں سے جا کر ملے تو ان سے کہہ دینا کہ میری ملاقات یونس سے ہوئی تھی۔ غلام نے کہا آپ واقف ہیں کہ اگر میرے پاس گواہ نہ ہوں گے تو (مجھے جھوٹی اطلاع دینے پر) قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت یونس نے فرمایا یہ زمین کا ٹکڑا اور یہ درخت تیری گواہی دے گا۔ غلام نے کہا تو شہادت دینے کا ان کو حکم دے دیجئے۔ حضرت نے فرمایا، جب یہ غلام تمہارے پاس آئے تو تم دونوں اس کی گواہی دینا۔ زمین، اور درخت نے کہا بہت اچھا۔ اس غلام نے جا کر اپنے بادشاہ کو اطلاع دے دی کہ یونس سے

رجس سے مراد ہے، عذاب یا اللہ کی مدد سے محرومی کیونکہ یہ محرومی ہی عذاب کا سبب ہے۔ نہ سمجھنے سے مراد ہے حق و باطل میں تمیز نہ کرنا یعنی کافروں کے دلوں پر چونکہ مہر لگی ہوئی ہے اور اللہ نہیں چاہتا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں اس لئے ان کو حق کا باطل سے امتیاز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ انظُرُوا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ آسمانوں میں اور زمین میں

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ

اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے

قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

ان لوگوں کو جو نہیں مانتے ☆

غور و فکر کا سامان

یعنی سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے آسمان و زمین میں خدا کی قدرت و حکمت اور توحید و تفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو کسی بات کو ماننا اور تسلیم کرنا نہیں چاہتے ان کے لئے یہ سب نشانات و دلائل بیکار ہیں اور ڈرانے والے پیغمبروں کی تشبیہ و تخویف بھی غیر موثر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ انظُرُوا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو۔ غور کرو سوچو۔ آسمانوں اور زمین میں کیسی عجیب نشانیاں ہیں۔ چاند، سورج، ستارے، ان کی بناوٹ، مربوط رفتار، پہاڑ ان کی استقامت، سمندر، دریا، درخت اور کائنات نباتی و حیوانی، ان تمام چیزوں کے اندر ایک صالح و قادر و دانا و یگانہ کی قدرت و صنعت جھلک رہی ہے۔ اس کی ذات کی عظمت اور صفات کے کمال کا ان سے ظہور ہو رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مومن ہو جائیں رضائے الہی سے تخلف تو ہو سکتا ہے مگر مشیت سے تخلف نہیں ہو سکتا قدریہ کے نزدیک جو رضا ہے وہی مشیت رضا عام ہے مشیت بھی عام ہے، رضا کے خلاف ہونا ممکن ہے اور ہوتا ہے مشیت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اور ہوتا ہے (آیت بتا رہی ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو مومن بنانا چاہا ہی نہیں اگر اس کی مشیت ہوتی تو سب مومن ہو جاتے) (ہاں سب کا مومن ہو جانا اس کو پسند ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تسکین

بات یہ ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خواہشمند تھے کہ سب لوگ مومن ہو جائیں (حالانکہ آپ کا کام صرف ترغیب دینا تھا جبر کرنے کا تو اختیار ہی نہ تھا اور جو کام جبر سے بھی پورا نہ ہو سکے وہ محض ترغیب سے کیسے پورا ہو سکتا ہے) پس اللہ نے بتا دیا ہے کہ جس کے نصیب میں سعادت ہوگی وہی ایمان لائے گا اور جو اللہ کے علم میں شقی ہے وہ ایمان نہیں لاسکتا۔ آپ اس کی کچھ پرواہ نہ کیجئے گویا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسکین ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُوْمِنَ

اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ایمان لائے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَجْعَلُ الرّٰجِسَ

مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ڈالتا ہے گندگی

عَلٰى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۱

ان پر جو نہیں سوچتے ☆

غور و فکر سے توفیق ملتی ہے

خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ اور یہ حکم و توفیق ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کے نشانات میں غور کریں اور عقل و فہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں خدا تعالیٰ کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

(کاندھلوی)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي

کہہ دے اے لوگو اگر تم

شَكِّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ

شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی

تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ

تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں

أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَقَّعُكُمْ وَأُمِرْتُ

عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو صبح لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم

أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۰ وَأَنْ

ہے کہ ہوں ایمان والوں میں اور یہ کہ

أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا

سیدھا کر منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۱

اور مت ہو شرک والوں میں

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ

اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا

وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ

اور نہ برا پھرا اگر تو ایسا کرے تو تو بھی

إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝۱۲

اس وقت ہو ظالموں میں ☆

عقیدہ توحید کی وضاحت

یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے اس کی نسبت شکوک و شبہات میں پھنسے ہوئے ہو، تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ

سوا کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر انہی کے سے

أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

دن جو گذر چکے ہیں ان سے پہلے

قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ

تو کہہ اب راہ دیکھو میں بھی تمہارے

مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝۱۳

ساتھ راہ دیکھتا ہوں ☆

یہ ضدی بھی عذاب کا انتظار کریں

ایسی ضدی اور معاند قوم کے لئے جو کسی دلیل اور نشان کو نہ مانے، اور کچھ باقی نہیں بجز اس کے کہ گزشتہ مکذبین پر جو آفات و حوادث نازل ہوئے ہیں، ان کا یہ بھی انتظار کریں۔ سو بہتر ہے تم اور ہم دونوں مل کر اس وقت کا انتظار کرتے ہیں تاکہ صادق و کاذب کا آخری فیصلہ سامنے آجائے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا

پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائے

كَذَلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۴

اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچالیں گے ایمان والوں کو ☆

اب بھی سچے مومنوں کو نجات ملے گی

یعنی جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مکذبین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مومنین کو بچایا۔ اسی طرح موجودہ اور آئندہ مومنین کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ ان کو نجات دیں گے آخرت میں عذاب الیم سے اور دنیا میں کفار کے مظالم اور سختیوں سے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ مومنین مومنین ہوں۔ یعنی وہ صفات و خصال رکھتے ہوں جو قرآن و حدیث میں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔

اعمال پر بھروسہ نہ کرو

ابو نعیم نے حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو طاعت گزار لوگ ہوں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ قیامت کے دن حساب کے لئے جب میں بندوں کو کھڑا کروں گا تو جس کو عذاب دینا چاہوں گا (اس کی حساب فہمی خوردہ گیری کے ساتھ کروں گا اور) اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں سے کہہ دو کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (نا امید نہ ہو) اگر میں چاہوں گا تو بڑے بڑے گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر اللہ نے اپنے سوا دوسروں سے ڈرنے یا امید رکھنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔ اللہ غفور و رحیم ہے یعنی اس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر بھر خیر کے طالب رہو اور خدا کے نعمات کو درپیش رکھو۔ خدا کی رحمتوں کی ہوائیں جس خوش نصیب کو پہنچ گئیں تو پہنچ گئیں۔ وہ جس کو چاہے رحمت سے سرفراز فرمائے اور اللہ پاک سے درخواست کرو کہ تمہاری عیب پوشی کرتا رہے اور تمہیں آفات زمانہ اور آفات نفس سے امن میں رکھے، وہ غفور الرحیم ہے، کیسا ہی گناہ کیوں نہ ہو، توبہ کر لو حتیٰ کہ شرک کر کے بھی توبہ کر لو تو وہ قبول کر لے۔

قریشیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے قبیلوں کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر میں یکے بعد دیگرے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے قبیلہ قریش اگر میں تمہیں خبر دوں کہ صبح ہوتے ہوتے دشمن تم پر حملہ کرنے کے لئے آ پہنچنے والا ہے، تو میری بات تم سچ مانو گے کہ نہیں؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہمیں تو کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ تم نے کوئی بات جھوٹ موٹ کہہ دی ہو تو آپ نے فرمایا تو سنو! میں خدا کے عذاب شدید سے تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں کہ وہ تمہیں آ لینے والا ہی ہے، اب بھی خدا سے معافی مانگ لو، توبہ کر لو۔ وہ خدا تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا اور ہر

سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت و حیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہو سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ جو ارح سے اس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید و تفرید پر پورا یقین و ایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی و خفی کا تمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی کریں، استعانت کے لئے بھی اسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تمہا اسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہوگا۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

اور اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا

لَكَ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا

اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی

رَادٌّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ

پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچائے اپنے فضل جس پر چاہے

مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷﴾

اپنے بندوں میں اور وہی ہے بخشنے والا مہربان ☆

دکھ سکھ دینے والا اللہ ہے

جب ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اور جس پر فضل و رحمت فرمانا چاہے، کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے
یعنی حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ چکا، جس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر تمام ہو گئی۔ اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ جو اسے چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا خود پریشان اور ذلیل و خوار رہے گا۔ اپنے بھلے برے کو خوب سمجھ کر ہر شخص اپنے مستقبل کا انتظام کر لے اور جو راستہ پسند ہو اختیار کرے۔ پیغمبر کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے جو تمہارے افعال کے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں۔ ان کا کام صرف آگاہ کر دینے اور راستہ بتلا دینے کا ہے۔ اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ

اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیرے طرف اور صبر کر جب تک

يَحْكُمَ اللَّهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۱۹﴾

فیصلہ کرے اللہ اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو اپنے کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے رہئے اور تبلیغ وغیرہ کے کام میں لگے رہئے۔ اور جو شائد اس راستہ میں پہنچیں ان پر صبر کیجئے۔ مخالفین کی ایذا و رسائیوں کا تحمل کرتے رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ خدا آپ کے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے یعنی حسب وعدہ آپ کو منصور و غالب کرے یا جہاد کا حکم بھیج دے۔ تم سورۃ یونس علیہ السلام بمنہ تعالیٰ وفضلہ۔ فلله الحمد علی ذلک۔

اللَّهُمَّ سُبْحَانَكَ

صاحب فضل کو اپنے فضل سے بہرہ ور فرمائے گا وہ دنیا میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، اور دار آخرت میں بھی۔ جو بھی مرد و عورت بشرطیکہ ایمان لے آئے ہم اسے مرنے کے بعد حیات طیبہ کے ساتھ اٹھائیں گے۔

نیت صحیح ہو تو ہر عمل کا اجر ملے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم کسی پر کچھ خرچ کرو اور تمہاری نیت خالص لوجہ اللہ ہے تو یقیناً اس کا اجر پاؤ گے۔ حتیٰ کہ جو اپنی عورت کو کھلاتے ہو اس کا بھی اجر تمہیں ملے گا۔ جس نے برا عمل کیا اس پر ایک گناہ لکھ دیا گیا اور جس نے ایک نیکی کی اس پر دس اجر لکھ دیئے گئے۔

اگر دنیا میں ایک عمل بد کی اس کو سزا دی گئی ہو، تو اس کے دس حسنات اس کے حق میں اپنے سے ایک نیکی سوخت ہو جاتی ہے اور اس کے نو حسنات اس کے حق میں رہتے ہیں۔

نقصان والا آدمی

پھر فرمایا کہ وہ شخص بڑے خسارے میں رہا کہ اس کی اکائیاں اس کے ہر عشرہ پر غالب آ جاتی ہوں۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تم پر عذاب قیامت کا خوف ہے۔ یہ اس شخص کے لئے جو اوامر الہی سے منہ پھیرتا ہے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔ تو یقیناً قیامت کے روز عذاب سے دو چار ہوگا۔ تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہے وہ اپنے اولیاء پر احسان کرنے اور اعداء کو سزا دینے پر قادر ہے اور اعادہ بخلق پر قادر ہے۔ یہ زبردست تشبیہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے ترغیب دی گئی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ

کہہ دو اے لوگو پہنچ چکا حق تم کو

رَبِّكُمْ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَكْتُمُ

تمہارے رب سے اب جو کوئی راہ پر آئے سو وہ راہ پاتا ہے

لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ

اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا پھرے سو بہکا پھرے گا

عَلَيْهَا ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِمُكِيلٍ ﴿۲۰﴾

اپنے برے کو اور میں تم پر نہیں ہوں مختار ☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ ہود

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دشمن بہت ہوں گے اور مسافرت کو ترجیح دے گا۔ (حضرت ابن سیرین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فَصَّلَتْ

یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی

مِنْ لَّدُنْ حٰکِمٍ خَبِیْرٍ

ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے ☆

ہر لحاظ سے بے مثال کتاب

یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے، جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت چچی تلی باون تولہ پاؤرتی ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے مجال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبامعانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسی مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، ماندہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و

ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمرہ اور چیتان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور کبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حٰکِمٍ خَبِیْرٍ

الرحمن (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں دلائل سے محکم کی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف بیان بھی کی گئی ہیں، یہ ایک حکیم باخبر کی طرف سے ہے۔

احکمت یعنی اس کی آیات موتیوں کی طرح پروئی ہوئی ہیں ان کی ساخت پر داخت مضبوط ہے نہ اس کے الفاظ میں کوئی نقص ہے نہ معنی میں کوئی عیب۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کی آیات غیر منسوخ ہیں یہ مطلب اس وقت صحیح ہوگا جب آیات کتاب سے صرف اس سورت کی آیات مراد ہوں کیونکہ اس سورت کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ احکمت کا مطلب ہے پر حکمت بنائی ہوئی یعنی علمی اور عملی حکمتیں اس کے اندر بھری ہوئی ہیں حکم ضمہ کے ساتھ حکیم ہو گیا۔ فصلت یعنی جس طرح ہار کے درمیان جگہ جگہ در یکدانہ پروئے جاتے ہیں اسی طرح اس کی آیات الگ الگ کر دی گئیں ہیں۔ کہیں اعتقادات، کہیں عملی احکام، کہیں مواعظ کہیں واقعات کی اطلاع یا فصل کر دینے سے مراد ہے الگ الگ سورتیں مقرر کر دینا یا تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت دنیا میں) بھیجنا مراد ہے۔

بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ یعنی کچھ مسلمان خلوت میں بھی برہنہ ہونے اور کھلی جگہ میں عورتوں سے صنفی قربت کرنے سے شرماتے تھے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت اخس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی یہ شخص بڑا شیریں کلام اور خوش رو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا تو وہی بات کہتا تھا جو حضور صلی

کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بے شمار سامانوں اور اموال و خزانوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بعض اوقات یہاں کی چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ لذت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محبت وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے نکلتے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائے گا۔ تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کھڑی میں سرور و اطمینان کی کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی جسکے لئے ہر قسم کے سامان عیش و طرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتارا جانے والا ہے؟ اسی پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کر لو۔

اہمیت و فضیلت

سورۃ ہود ان سورتوں میں سے ہے جن میں پچھلی قوموں پر نازل ہونے والے قہر الہی اور مختلف قسم کے عذابوں کا اور پھر قیامت کے ہولناک واقعات اور اجزاء و سزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے بطور اظہار رنج کے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا، اور بعض روایات میں سورۃ ہود کے ساتھ سورۃ واقعہ اور مسلمات اور عم یتساء لون اور سورۃ تکویر کا بھی ذکر ہے۔ (رداء الحاکم والترمذی)

مطلب یہ تھا کہ ان واقعات کے خوف و دہشت کی وجہ سے بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ محکم اس جگہ منسوخ کے مقابلہ میں ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن کی آیات کو اللہ تعالیٰ نے مجموعی حیثیت سے محکم غیر منسوخ بنایا ہے یعنی جس طرح پچھلی کتابیں تورات و انجیل وغیرہ نزول قرآن کے بعد منسوخ ہو گئیں، اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد چونکہ سلسلہ نبوت و وحی ہی ختم ہو گیا اس لئے یہ کتاب

اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوتی تھی مگر دل میں اس کے خلاف پوشیدہ رکھتا تھا، اس وقت یسٹون صُذُورْهُم سے مراد یہ ہوگی کہ وہ سینوں کے غلاف کے اندر کفر، کینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی چھپائے رکھتے ہیں۔

الَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ

کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی ☆

یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور اسکے طریقے سکھائے جائیں۔ اسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے پہلے انبیاء تشریف لائے تھے۔ ”وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا نُوْحًاۙ اِلَيْهِ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِي“ (الانبیاء رکوع ۲۴)
”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اِنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا كُفْرًا“ (انحل رکوع ۵)

اِنِّیْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ

میں تم کو اسی کی طرف ڈرا اور خوشخبری سنانا ہوں ☆

یعنی جو کتاب کو مانے اور شرک چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے اسے فلاح دارین کی خوشخبری سنانے ہیں۔ جو نہ مانے اور کفر و شرک اختیار کرے اس کو عذاب الہی سے ڈراتے ہیں۔

وَ اِنْ اَسْتَغْفِرْ وَا رَبُّكُمْ تَمَّ

اور یہ کہ گناہ بخشاؤ اپنے رب سے پھر

تُؤْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا

رجوع کرو اُس کی طرف کہ فائدہ پہنچائے تم کو

حَسْبَآءِ اَجَلٍ مُّسَمًّى

اچھا فائدہ ایک وقت مقرر تک ☆

جو پچھلی تفصیلات معاف کرائے اور آئندہ کے لئے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گزرے کیونکہ مومن قانت خواہ کسی حال میں ہو مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے

اللہ کی قدرت کامل ہے

سزا دینے کے لئے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو، حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ اِلٰی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ "میں بتلادیا کہ مجرم وغیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے۔" وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور اَلَا اِنَّهُمْ يَشْتُوْنَ صُدُوْرَهُمْ " سے بَدَاَتِ الصُّدُوْرِ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے۔ پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے مخفی رکھ کر نجات پاسکتا ہے۔

شان نزول

(تنبیہ) اس آیات کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح ترین روایت ابن عباس کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیاء کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجایا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیاء سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دھرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیاء سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ "صوفیہ" کی اصطلاح میں "مغلوب الحال" کہلاتے ہیں چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعقّب آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لئے قرآن نے اَلَا حِيْنَ يَسْتَعْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ " الخ سے ان کی اصلاح فرمادی یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کھولنے میں خدا سے حیا آتی ہے اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت میں چھپ سکتا۔ پھر ضروریات بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کیلئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی) اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: یقیناً اللہ سینوں یا دلوں کے اندرونی رازوں کو خوب جانتا ہے۔ اور جب اللہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں تو اپنے رسول اور مومنین کو جن باتوں سے واقف کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے اور آئندہ جس بات سے آگاہ کرنا ہوگا کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

تاقیامت منسوخ نہ ہوگی۔ (قرطبی) اور قرآن کی بعض آیات کا خود قرآن ہی کے ذریعہ منسوخ ہو جانا اس کے منافی نہیں۔ (معارف القرآن)

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ط

اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی ☆

جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائے گا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اَخَافُ

اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ كَبِيْرٌ ۝

تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ☆

یعنی میری بات نہ مانو گے قیامت کا عذاب یقینی ہے، باقی یہ فرمانا کہ "میں ڈرتا ہوں" اس سے مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفقت و ہمدردی خلافت کا اظہار کرنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ

اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا اور وہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَا اِنَّهُمْ يَشْتُوْنَ

پر قادر ہے سنتا ہے وہ دہرے کرتے ہیں

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَعْشُوْا مِنْهُ ۝ اَلَا حِيْنَ

اپنے سینے تاکہ چھپائیں اس سے سنتا ہے جس وقت

يَسْتَعْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ لَا يَعْلَمُ مَا

اڑھتے ہیں اپنے کپڑے جانتا ہے

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو جانتے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

دلوں کی بات ☆

نے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر ایسے واقعات کیوں پیش آتے ہیں کہ بہت سے جانور اور انسان غذا نہ ملنے کے سبب بھوکے پیاسے مر جاتے ہیں، اس کے جواب علماء نے متعدد لکھے ہیں۔

جواب

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رزق کی ذمہ داری اسی وقت تک ہے جب تک اس کی اجل مقرر یعنی عمر پوری نہیں ہو جاتی، جب یہ عمر پوری ہو گئی تو اس کو بہر حال مرنا ہے اور اس جہان سے گزرنا ہے جس کا عام سبب امراض ہوتے ہیں کبھی جلنا یا غرق ہونا یا چوٹ اور زخم بھی سبب ہوتا ہے، اسی طرح ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا رزق بند کر دیا گیا، اس سے موت واقع ہوئی۔

رزق ملنے کا عجیب واقعہ

امام قرطبی نے اس آیت کے تحت ابو موسیٰ اور ابو مالک وغیرہ قبیلہ اشعریین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جو کچھ توشہ اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا، انہوں نے اپنا ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض کے لئے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرما دیں، یہ شخص جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے آواز آئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے

ہیں وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا اس شخص کو یہ آیت سن کر خیال آیا کہ جب اللہ نے سب جانداروں کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر ہم اشعری بھی اللہ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں وہ ضرور ہمیں بھی رزق دیں گے، یہ خیال کر کے وہیں سے واپس ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کچھ حال نہیں بتلایا، واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خوش ہو جاؤ، تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آرہی ہے، اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے حسب قرار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے اور آپ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ یہ سمجھ کر مطمئن بیٹھ گئے، وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دیکھا کہ دو آدمی ایک (قصعہ) گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا اٹھائے لارہے ہیں، قصعہ ایک بڑا برتن ہوتا ہے جیسے تشلہ یا سینی، لانے والوں نے یہ کھانا اشعریین کو دے دیا، انہوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی بچ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ

اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر

إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

مگر اللہ پر ہے اس کی روزی ☆

روزی کا مالک اللہ ہے

پہلے علم الہی کی وسعت بیان ہوئی تھی۔ یہ اسی مضمون کا تکملہ ہے یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب پر ہو، تو یہ توکل کے منافی نہیں البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے۔ بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضرور ہے کہ اس کا علم ان سب پر محیط ہو ورنہ ان کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رزق کا معنی

رزق لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرے اور جس کے ذریعہ اس کی روح کی بقاء اور جسم میں نمائندگی فرمے اور بروہ تری ہوتی ہے۔ رزق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کا رزق ہے وہ اس کا مالک بھی ہو، کیونکہ تمام جانوروں کو رزق دیا جاتا ہے مگر وہ اس کے مالک نہیں ہوتے ان میں مالکیت کی صلاحیت ہی نہیں، اسی طرح چھوٹے بچے اپنے رزق کے مالک نہیں ہوتے۔ مگر ان کو رزق ملتا ہے۔ رزق کے اس عام معنی کے اعتبار سے علماء نے فرمایا کہ رزق حلال بھی ہو سکتا ہے حرام بھی کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے کر کھالے تو یہ مال غذا تو اس شخص کی بن گیا مگر حرام طور پر بنا، اگر یہ اپنی حرص میں اندھا ہو کر ناجائز طریقے استعمال نہ کرتا تو جو رزق اس کے لئے مقدر تھا وہ جائز طور پر اس کو ملتا۔

سوال

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ

دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اس کی قبر ہے۔ پہلے پہلے ”وما من دابة“ الخ میں دنیوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے ”مستقر“ و ”مستودع“ کی تعین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں۔ پہلے سورہ ”انعام“ میں بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اس کے منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھرا کر جس ٹھکانے پر آئے اسے ”مستودع“ کہتے ہیں۔ ابن عباس کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ ”مستقر“ اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ ”مستودع“ ہے، مجاہد نے ”مستقر“ سے رحم مادر اور ”مستودع“ صلب پدر مراد لی ہے۔ عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا۔ بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اسے ”مستقر“ اور وجود فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں ”مستودع“ کہا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ ان تمام مختلف مواد اور اطوار و ادوار کا عالم ہے۔ جن میں سے کوئی حیوان گزر کر اپنی موجودہ ہیئت کذائی تک پہنچا ہے وہ ہی اپنے علم محیط سے ہر مرتبہ وجود میں اس کی استعداد کے مناسب وجود و کمالات وجود فائض کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے ابن مقسم کا قول نقل کیا ہے اور یہی قول ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی آیا ہے کہ مستقر سے مراد ہے وہ جگہ جہاں رات دن جاندار رہتا اور ادھر ادھر گھوم پھر کر اسی جگہ آ کر قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد ہے دفن ہونے کی جگہ۔ حضرت ابن مسعود کے نزدیک مستقر سے مراد ماں کا پیٹ اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے۔ سعید بن جبیر علی بن طلحہ اور عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مستقر سے مراد جنت یا دوزخ اور مستودع سے مراد قبر ہے کیونکہ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا جَنَّتْ کیلئے اور سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا دُوزَخِ کے لئے فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ①

سب کچھ موجود ہے کھلی کتاب میں ☆

لوح محفوظ میں رکھا ہوا ریکارڈ

یعنی ”لوح محفوظ“ میں جو صحیفہ ”علم الہی“ ہے پھر علم الہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

رہا تو ان لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ باقی کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں تاکہ اس کو آپ اپنی ضرورت میں صرف فرمادیں، اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد یہ سب حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت زیادہ اور بہت نفیس و لذیذ تھا، آپ نے فرمایا میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا۔ تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے اپنے فلاں آدمی کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے یہ جواب دیا، جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میں نے نہیں اُس ذات قدوس نے بھیجا ہے جس نے ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال کی اصلاح

بعض روایات میں ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے تجلیات الہی سامنے آگئی اور ان کو نبوت و رسالت عطا ہو کر فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے مصر جانے کا حکم ملا تو خیال آیا کہ میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں اس کا کون متکفل ہوگا، اس خیال کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی پتھر کی چٹان پر لکڑی ماریں، انہوں نے تعمیل حکم کی تو یہ چٹان پھٹ کر اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر برآمد ہوا، حکم ہوا اس پر بھی لکڑی ماریں، ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر برآمد ہوا، اس پر بھی لکڑی مارنے کا حکم ہوا تو یہ شق ہوا اور اندر سے ایک جانور برآمد ہوا جس کے منہ میں ہر اپتہ تھا۔

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یقین تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے بھی تھا مگر مشاہدہ کا اثر کچھ اور ہی ہوتا ہے، یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہیں سے سیدھے مصر کو روانہ ہو گئے۔ زوجہ محترمہ کو یہ بتلانے بھی نہ گئے کہ مجھے مصر جانے کا حکم ہوا ہے وہاں جا رہا ہوں۔

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ②

اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے ☆

ٹھہرنے اور سونپے جانے کا مطلب

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”مستقر“ جہاں ٹھہرتا ہے بہشت

زمین کی پیدائش سے بھی پہلے لکھا ہونا اس کے منافی نہیں) ابن عباسؓ نے یثون کو تثنونی پڑھا ہے تو ابن جعفر نے کہا کہ تثنونی صدورہم کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے کہا کہ وہ آدمی جو کہ صحبت کرتے وقت شرم اختیار کرتا ہے یا خلوت کرنے میں بھی اس کو شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے خلوت کرنے، اور صحبت کرنے سے شرم کرتے تھے اور اپنے رخ پھیر لیتے تھے، خصوصاً اس وقت جب کہ رات بستر اوڑھ کر لیٹ جاتے، اور اپنے سر ڈھانک لیتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم مکان میں رہ کر یا کپڑا اوڑھ کر کسی برے کام کا ارتکاب کریں تو خدا سے اپنے گناہ کو چھپا سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں سوتے وقت کپڑا اوڑھ لیتے ہیں لیکن کوئی چھپائے کہ ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ واقف رہتا ہے، حتیٰ کہ انسان کے دل کی نیت اور ضمیر کے ارادوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے "سبعہ معلمات" کا مشہور شاعر زہیر کہتا ہے

فلا تکمن اللہ ما فی قلوبکم لیخفی و مہما یکم اللہ یعلم

یؤخر فیوض فی کتاب فیدخر لیوم الحساب او یعجل فینقم

تم اپنے دلوں کی مخفی بات کو خدا سے چھپانے کی کوشش نہ کرو خدا ضرور جان لیتا ہے وہ عمل جمع رہے گا اور نامہ اعمال میں یوم قیامت کے لئے محفوظ رہے گا ورنہ جلدی سزا دی گئی تو دنیا ہی میں سزا دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ کا علم کامل ہے

گویا اس آیت میں اللہ کا عالم کل ہونا اور آئندہ آیت میں اللہ کا قادر مطلق ہونا توحید کو ثابت کرنے اور مندرجہ بالا وعدہ و وعید کو پختہ کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ (اس آیت سے اللہ کے علم کا ہمہ گیر ہونا اور اگلی آیت و هو الذی الخ سے اللہ کی قدرت کا محیط کل ہونا ظاہر کیا جا رہا ہے تاکہ گزشتہ آیت میں جس توحید کا اور وعدہ و وعید کا ذکر کیا گیا تھا اس کا اثبات اور تقریر ہو جائے) (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

چھ دن میں ☆

اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اللہ پر کوئی عمل واجب نہیں، لیکن اللہ اگر اپنی رحمت سے خود کسی بات کا وعدہ فرمائے تو تکمیل وعدہ واجب ہے جیسے نیکوں کا جنت میں داخلہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوقات کی قسمیں لکھ دی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (اس وقت) اللہ کا تخت پانی پر تھا۔ (رواہ مسلم) حضرت ابن مسعود کا بیان ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز بصورت نطفہ جمع رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں بصورت علقہ (بستہ خون یا جونک) ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں بوٹی (بے جان لوٹھڑا)۔ پھر اللہ ایک فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لئے مامور فرماتا ہے۔ وہ فرشتہ اس کا عمل اس کی مدت زندگی (یا وقت موت) اور اس کو رزق اور اس کا سعید یا شقی (نیک بخت مومن یا بد نصیب کافر) ہونا لکھ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہر بندے کی پانچ باتیں لکھنے سے فارغ ہو چکا ہے۔ مدت زندگی، اعمال، مقام موت، آثار، رزق۔ (رواہ احمد)

واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے، اس واضح کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں تمام کائنات کی روزی، عمر، عمل وغیرہ کی پوری تفصیلات لکھی ہوئی ہیں جو حسب موقع و ضرورت متعلقہ فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہیں۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیریں آسمان اور زمین کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش سے پہلے مختلف دور سے گزرتا ہے، جب اس کے اعضاء کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو حکم کرتے ہیں جو اس کے متعلق چار چیزیں لکھ لیتا ہے، اول اس کا عمل جو کچھ وہ کرے گا، دوسرے اس کی عمر کے سال، مہینہ دن اور منٹ اور سانس تک لکھ لئے جاتے ہیں، تیسرے اس کو کہاں مرنا اور کہاں دفن ہونا ہے، چوتھے اس کا رزق کتنا اور کس کس طریقے سے پہنچنا ہے، (اور لوح محفوظ میں آسمان

قدرت الہی کا کمال

یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورہ "اعراف" کے ساتویں رکوع میں گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَهُوَ اللَّهُ وَهِيَ تَوْبَةٌ جَسَ نِ آسْمَانُونَ كُو اور زَمِينَ كُو مع ان کی تمام موجودات کے چھ روز میں اندازہ کے مطابق پیدا کیا۔ آسمانوں سے مراد ہیں بالائی چیزیں اور زمین سے مراد نشی چیزیں، یعنی کائنات بالا و پست، آسمانوں کو بصیغہ جمع اور زمین کو بصیغہ واحد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کائنات علویہ میں سے ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات سے جدا ہے اور ہر ایک دوسرے سے اصل کے اعتبار سے مختلف ہے اور کائنات سفلیہ کی اصل و ذات ایک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ

اور تھا اس کا تخت پانی پر ☆

عرش الہی

یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہو جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء رکوع ۳) اس وقت عرش خداوندی اس کے اوپر تھا جیسے اب سموات کے اوپر ہے۔ گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکل رب العرش کے تسلط و تصرف اور قیومیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اور (آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے) اس کا تخت پانی پر تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ پانی ہوا کی پشت پر تھا، کعب احبار کا قول ہے کہ اللہ نے ایک یا قوت سبز پیدا کیا اور اس پر نظر جلال ڈالی تو وہ آب لرزاں بن گیا۔ پھر اللہ نے ہوا کو پیدا کیا اور اس کی پشت پر پانی کو قائم کیا، پھر عرش کو پانی پر قائم کیا۔ ضمیر نے کہا اللہ کا تخت پانی پر تھا، پھر اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر اس سے وہ تمام چیزیں لکھ دیں جو ہونے والی تھیں اور جن کو وہ آئندہ پیدا کرنے والا تھا اور ہر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہزار برس تک قلم نے اللہ کی تسبیح و تحمید کی تھی۔

حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بخاری نے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اس کا تخت پانی پر تھا۔ پھر اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور یادداشت (غالباً لوح محفوظ) میں ہر چیز لکھ دی (الحدیث)

عرش کے متعلق جو اخبار و احادیث آئی ہیں ان کا کچھ حصہ سورہ بقرہ کی آیت الکرسی کی تفسیر کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ☆

نظام کائنات کا مقصد

یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے کہ کہاں تم اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منتفع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گزاری کا فطری فرض بجالاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا غلام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا. تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔ یعنی باوجود عالم کل ہونے کے پھر بھی جانچ کرنے والے امتحان کی طرح تمہارے ساتھ معاملہ کرے تاکہ تمہارا استحقاق ثواب و عذاب ظاہر ہو جائے کیونکہ آسمان و زمین اور ان کی موجودات تمہاری ہستی اور معاش کے اسباب و ذرائع اور اصول ہیں ان سے تمہارے تمام احوال و اعمال وابستہ ہیں ان کا تقاضا ہے کہ تم اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ پھر یہ ساری کائنات وجود صانع کی دلیل اور (توحید صانع کی) خصوصی نشانی ہے اس سے تم معرفت الہیہ حاصل کر سکتے ہو۔

أَحْسَنُ عَمَلًا میں عمل کا لفظ عقیدہ اور افعال اعضاء جسمانی دونوں کو شامل ہے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردودہ نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ احسن عملاً (سے مراد ہے) سب سے اچھی سمجھ والا ممنوعات الہیہ سے سب سے زیادہ پرہیز رکھنے والا اور اوامر کی تعمیل میں تیزی کرنے والا۔ بلاشبہ سب سے اچھے اعمال دلوں کے اعمال (عقائد و میلانات) ہیں اور قلبی اعمال میں سے بھی سب سے اچھا عمل اللہ کی محبت اور اس کی یاد میں ڈوب جانا ہے۔

اب کچھ دلوائیے۔ آپ نے فرمایا اے اہل یمن تم قبول کرو۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں قبول ہے۔ مخلوق کی ابتداء تو ہمیں سنائیے کہ کس طرح ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تھا اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کا تذکرہ لکھا۔ راوی حدیث حضرت عمرانؑ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا ہی فرمایا تھا جو کسی نے آکر مجھے خبر دی کہ تیری اونٹنی زانو کھلوا کر بھاگ گئی، میں اسے ڈھونڈھنے چلا گیا۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی؟ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھا پھر آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ مسلم کی حدیث میں ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک قدسی حدیث لاتے ہیں کہ اے انسان تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دوں گا، اور فرمایا اللہ کا ہاتھ پُر ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا خیال تو کرو کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے اب تک کتنا خرچ کیا ہوگا لیکن تاہم اس کے داہنے ہاتھ میں جو تھا وہ کم نہیں ہوتا۔ اس کا عرش پانی پر تھا اس کے ہاتھ میں میزان ہے جھکاتا ہے اور اونچا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں تھا

مسند میں ہے ابو رزین لقیط بن عامر بن منفق عقیلی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مخلوق کی پیدائش کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عماء میں، نیچے بھی ہوا اوپر بھی ہوا پھر عرش کو اس کے بعد پیدا کیا یہ روایت ترمذی کتاب التفسیر میں بھی ہے سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرے اس سے پہلے عرش خداوندی پانی پر تھا۔ وہب ضمیر قتادہ ابن جریر وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ابتداء مخلوق کس طرح ہوئی۔ ربیع ابن انس کہتے ہیں اس کا عرش پانی پر تھا جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے کر دیئے۔ نصف عرش کے نیچے، یہی بحر مجبور ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بوجہ بلندی کے عرش کو عرش کہا جاتا ہے۔ سعد

خلاصہ یہ کہ آسمان وزمین کو پیدا کرنے کا مقصدی نقطہ اہل اللہ کا وجود ہے۔ لفظ احسن تعلیم دے رہا ہے اس بات کی کہ علم و عمل کے درجات پر زیادہ سے زیادہ چڑھنا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

مخلوقات کی پیدائش کی ترتیب

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس نے اپنی قدرت سے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا اور پھر عرش کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو پھر لوح محفوظ کو اور پھر پچاس ہزار سال بعد آسمان اور زمین پیدا کئے۔ اور عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے، کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ۔ یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تاکہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خدا کے آثار قدرت کو دیکھ کر اس کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔

دہریوں کا عقیدہ

فلاسف اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام مادہ قدیمہ کی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایجاد محض یا اعدام محض نہیں کر سکتے۔ (معارف کاندھلوی)

مخلوق کی ابتداء

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو تمیم تم خوش خبری قبول کرو۔ انہوں نے کہا خوش خبریاں تو آپ نے سنا دیں،

وَلٰئِن اٰخَرْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ

اور اگر ہم روکے رکھیں ان سے عذاب کو

اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لِّیَقُوْلُوْا مَا

ایک مدت معلوم تک تو کہنے لگیں کس چیز نے

یَجِبُهَاۗ اِلَّا یَوْمَ یَاْتِيْهِمْ لَیْسَ

روک دیا عذاب کو سنتا ہے جس دن آئے گا ان پر نہ

مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گی ان کو

مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

وہ چیز جس پر ٹھنھے کیا کرتے تھے ☆

عذاب اپنے وقت پر آئے گا

یعنی جب ان کی شرارتوں پر عذاب الہی سے ڈرایا جاتا ہے، مگر خدا کی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہے تو تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے؟ فرماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو، وقت معین پر جب عذاب آئے گا کسی کے ٹالتے نہ ٹلے گا۔ اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کر کے چھوڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلٰئِن اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِتْرًا رَّحْمَةً ثُمَّ

اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر

نَزَعْنَا مِنْهٗۤ اِنَّهٗ لَیُّوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۶﴾

وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید نا شکر ہوتا ہے ☆

انسان بالکل کمزور ہے

یعنی اب تو کہتے ہیں عذاب کہاں ہے، کیوں نہیں آتا، لیکن آدمی بودا اور تھردلا اتنا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی، یہ ہی اس کی زندگی کا حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طائی فرماتے ہیں کہ عرش سرخ یا قوت کا ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے نفس کریم کا وصف کیا اس لئے کہ کچھ نہ تھا پانی تھا اس پر عرش تھا۔

عرش پر ذوالجلال والا کرام ذوالعزت والسلطان ذوالملک والقدرة ذوالعلم والرحمة والنعمة تھا، جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا کہ پانی کس چیز پر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر۔ پھر فرماتا ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش تمہارے نفع کے لئے ہے اور تم اس لئے ہو کہ اسی ایک خالق کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ یاد رکھو تم بے کار پیدا نہیں کئے گئے۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں باطل پیدا نہیں کیں۔ یہ گمان تو کافروں کا ہے اور کافروں کے لئے آگ کی ویل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلٰئِن قُلْتِ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْتُوْنَ مِنْ

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے

بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلُنَّ الَّذِیْنَ

مرنے کے بعد تو البتہ کافر

كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾

کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کھلا ہوا ☆

کافروں کی بے یقینی

جب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات انعام و انتقام کا سلسلہ ہوتا شا کرین و کافرین کو اپنے اپنے کئے کا پھل ملے۔ اسی لئے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا۔ یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں یا حضور کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت موثر بیان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھئے ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مطلب یہ ہے کہ انسان فطرتاً عاجل پسند اور موجودہ حالت کو سب کچھ سمجھنے کا عادی ہوتا ہے اگلے پچھلے حالات و واقعات میں غور و فکر اور ان کو یاد رکھنے کا خوگر نہیں ہوتا اسی لئے نعمت کے بعد تکلیف آجائے تو رحمت سے ناامید ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے۔ یہ خیال نہیں کرتا کہ جس ذات حق نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتا ہے، اسی طرح اگر اس کو تکلیف و مصیبت کے بعد کوئی راحت و نعمت مل جائے تو بجائے اس کے کہ پچھلی حالت میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا اس کا شکر کرتا، اور زیادہ اکرٹنے اترانے لگتا ہے۔ اور پچھلی حالت کو بھول کر یوں سمجھنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو میرا حق ہے مجھے ملنا ہی چاہئے اور میں ہمیشہ اسی طرح رہوں گا۔ غافل یہ خیال نہیں کرتا کہ جس طرح پہلی حالت باقی نہیں رہی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نعمت و راحت کی حالت بھی باقی نہ رہے چنانچہ نماز و چینی نیز ہم نخواستہ ماند

انسان کی موجود پرستی اور ماضی و مستقبل کو بھول جانے کا یہ عالم ہے کہ ایک صاحب اقتدار کے خاک و خون پر دوسرا شخص اپنے اقتدار کی بنیاد استوار کرتا ہے اور کبھی نیچے کی طرف نظر نہیں کرتا کہ اس سے پہلا صاحب اقتدار بھی اسی طرح رہا کرتا تھا، اس کے انجام سے بے خبر ہو کر نشہ اقتدار کے مزے لیتا ہے۔

انسان کی بیماری کا علاج

اسی موجود پرستی اور حال مستی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور رسول آتے ہیں جو انسان کو ماضی کے عبرتناک واقعات یاد دلا کر مستقبل کی فکر سامنے کر دیتے ہیں اور یہ سبق سکھاتے ہیں کہ کائنات کے بدلتے ہوئے حالات و تغیرات میں غور کرو کہ کونسی طاقت ان کے پردے میں کام کر رہی ہے، بقول حضرت شیخ الہند

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو

ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم، فافہم

مومن کامل بلکہ انسان کامل وہی ہے جو ہر تغیر و انقلاب اور ہر رنج و راحت میں دست قدرت کی مستور طاقت کا مشاہدہ کرے۔ آئی فانی راحت و رنج اور اس کے صرف مادی اسباب پر دل نہ لگائے غفلت کا کام یہ ہے کہ اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی طرف نظر کرے، اسی سے اپنا رشتہ مضبوط باندھے۔ (معارف القرآن)

مومن کی عجیب حالت

حضرت صہیب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا بھی عجیب معاملہ ہے اس کی ہر بات اچھی ہے اور یہ خصوصیت صرف مومن

الانسان (میں الف لام جنسی ہے) یعنی عام انسان ”یومن“ بالکل نراس، ناامید، نعمت کے زوال کے بعد چونکہ اس کو صبر نہیں رہتا اور اللہ پر اس کا اعتماد نہیں ہوتا اور حکم خداوندی پر وہ رضامند نہیں ہوتا، اس لئے قطعاً حصول نعمت سے ناامید ہو جاتا ہے اور اللہ کی سابق اور موجود نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے، پچھلی نعمتوں کی بھی ناشکری کرنے لگتا ہے اور جو نعمتیں بالفعل اس کو حاصل ہوتی ہیں، ہستی بقاء، ہستی زندگی اور اس کے باقی رکھنے کے اسباب سب کو بھول جاتا ہے بالکل ناسپاس ہو جاتا ہے۔

مومن کا حال

حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی سختی کوئی مصیبت کوئی دکھ کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو یہاں تک کہ کائنات لگنے پر بھی صحیحین کی اور حدیث میں ہے مومن کے لئے خدائے تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہی بہتر ہوتا ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی سمیٹتا ہے اور تکلیف اٹھا کر صبر کرتا ہے۔ نیکی پاتا ہے۔ یہ حال مومن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلٰكِنْ اَذَقْتُهُ نَعْمًاۙ بَعْدَ ضَرَّآءٍ

اور اگر ہم چکھا دیں اس کو آرام بعد تکلیف کے

مَسْتُهُۥ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّآءُ

جو پہنچی تھی اس کو تو بول اٹھے دور ہوئیں برائیاں مجھ سے

عَنِّيۥ اِنَّكَ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٥﴾

وہ تو اترانے والا شیخ خور ہے ☆

انسان کی غفلت

یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام و آسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہمیشہ کے لئے مصائب و تکالیف کا خاتمہ ہو چکا پچھلی کیفیت کبھی لوٹ کر آنے والی نہیں۔ اس وقت غافل و مغرور ہو کر شیخیاں مارتا اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ چاہئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اس کے احسان کے سامنے جھک جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

بعد حصول مقصد کے دل میں جولذت پیدا ہوتی ہے اس کو فرح (یا فرحت) کہتے ہیں۔ فرح سے مراد ہے نعمت پر مغرور اترانے والا۔ فرخود بڑا شیخ باز جو اپنے کو نعمت کا حقدار قرار دیتے ہوئے لوگوں پر اپنی فوقیت جتاتا ہے اور یہی اکرٹ اور غرور اس کو ادائے شکر سے روکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مشرکوں کے فضول مطالبے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دلگیر ہونا۔
مشرکین مکہ شکر و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے۔
مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تحقیق و تجہیل کی جاتی اسی قدر ان کے
غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں
ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں
زری اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو
محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ
سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ
خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے تھے۔ یا آسمان
سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لئے ہر طرف جایا
کرتا۔ لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابًا وَأُجَاءَ مَعَهُ مَلَكَ (ہود رکوع ۲۷) گویا
جب آپ کی بات منوانے کے لئے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی
پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں
سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں
گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس
قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے زری
اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ مؤثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں یہ لوگ
کرتے ہیں، ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب
ہے مسلمان ہو جائیں بہر حال وہ ایسا نازک اور پرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا
باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے
حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ
چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نزعہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھلانا
کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو اور اس مبلغ اعظم
کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد و اتکال
ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

آپ جب محزون و دلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز
سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے
تھے اسی سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان
لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور
غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں

ہی کی ہے اگر اس کو سکھ ملتا ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے
اور دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم)
فخر نہ کرو

حضرت عیاض بن حمار اشجعی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تو اضع کرو کوئی کسی پر فخر نہ
کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ (رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا

مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں

الصَّالِحَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۗ

نیکیاں ان کے واسطے بخشش ہے

وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۗ

اور ثواب بڑا ☆

خاص بندے

یعنی جو حال اوپر عام انسانوں کا بیان ہوا، اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں
جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے ہیں اور امن و راحت کے
وقت شکر گزاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم
وفاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش و انعام کی مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کچھ چیز اس میں سے جو وحی آئی

إِلَيْكَ ۗ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ ۗ أَنْ

تیری طرف اور تنگ ہوگا اس سے تیرا جی اس بات پر

يَقُولُوا ۗ لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابٌ

کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر خزانہ

أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكَ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۗ

یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۗ

اور اللہ ہے ہر چیز کا ذمہ دار ☆

کے لئے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے ان معبودوں کو بھی بلا لاؤ جنہیں خدائی کا شریک سمجھتے ہو، اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے۔ بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورہ یونس میں گذر چکی۔ ابتداء میں پورے قرآن سے تحدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورہ سے جیسا کہ ”بقرة“ اور ”یونس“ میں گزرا۔ گویا ان کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کے بے مثال ہونے کے دلائل

اعجاز قرآن پر دلائل تو بے شمار ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند حرف ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) قرآن کریم۔ اصول دین یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل، اور زبور میں اس کا عشر عشر بھی نہیں۔

(۲) پھر یہ کہ قرآن کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ پر مشتمل ہے کہ جس کے جواب سے روئے زمین کے فلاسفہ عاجز اور در ماندہ ہیں اور بڑے بڑے دہری اور مادہ پرست ان دلائل کے سامنے لاجواب ہیں۔

(۳) حرام و حلال کی تفصیل کرتا ہے۔

(۴) قرآن کریم، انبیاء سابقین کی نصیحتوں اور ان کے کلمات حکمت و موعظت کا جامع ہے۔

(۵) عقل معاش اور عقل معاد دین اور دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) گذشتہ امتوں کے عبرت آمیز واقعات بیان کرتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ تم کو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے گا۔

(۷) اور قیامت تک آنے والے حوادث کلیہ کی تم کو خبر دیتا ہے کہ زمانہ کس رفتار سے جائے گا اور کس حال میں اس کی بساط پلٹی جائے گی اور کس طرح قیامت قائم ہوگی یہ تو قرآن کریم کے

کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الہی نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں اور جس بے خوف و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے بڑے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں، خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے، ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہئے۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا

کیا کہتے ہیں کہ بنا لایا ہے تو قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ

بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مَفْتَرِيْتٍ وَّ

ایک دس سورتیں ایسی بنا کر اور

ادْعُوا مَن اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ

بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا

اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝۱۳۰ فَاَلَمْ

اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنْتُمْ

پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ

اُنزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ

قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم

اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۱

نہیں اس کے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو ☆

مشرکوں کو منہ توڑ جواب

یعنی فرمائی معجزے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) ان کے سامنے ہے، اسے مانتے نہیں، کہتے ہیں یہ تو (معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑت ہے۔ اس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو اور اس کام میں مدد دینے

ان کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تندرستی، مال، اولاد، عزت و حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتہ بے باق کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اس کے کام آنے والی نہیں۔ جس کافر کے لئے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹلنے یا کم ہونے والی نہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

جَهَنَّمَ يَصْلُهُمَا مَذْمُومًا مَذْحُورًا (یٰسٰرئیل۔ رکوع ۴) ریاء کار اور دنیا پرست عالم، مہصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے، اس کا حاصل بھی یہ ہی ہے کہ ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ جس غرض کے لئے تو نے علم سکھلایا، یا صدقہ و جہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ (اعاذنا اللہ منها) (تفسیر عثمانی)

یعنی جو لوگ اپنے عمل اور نیکی کے عوض محض دنیوی زندگی کی درازی، صحت، مال و اولاد کی کثرت، حسین بیویاں اور نوکر چاکر خدمت گار حاصل کرنا چاہتے ہیں، ہم دنیا میں ان کو یہ چیزیں ان کے اچھے اعمال کے بدلہ میں پوری پوری دیدیتے ہیں کسی قسم کی حق تلفی اور ادائے عوض میں کمی نہیں کرتے مگر آخرت میں ان کے اچھے عمل کا کوئی اچھا بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ وہاں سوائے دوزخ کے ان کو اور کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اچھے کاموں کا اچھا بدلہ تو ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور برے کام رہ جاتے ہیں سوان کا برابر آخرت میں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کے اچھے اعمال کی حقیقت

مخالفین اسلام کو جب عذاب کی وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ اپنی خیرات و صدقات اور خدمت خلق و رفاہ عام کے کاموں کو سند میں پیش کرتے تھے کہ ہم ایسے نیک کام کرتے ہیں پھر ہم کو عذاب کیسا؟ اور آج تو بہت ناواقف مسلمان بھی اس شبہ میں گرفتار نظر آتے ہیں کہ جو کافر ظاہری اعمال و اخلاق درست رکھتے ہیں، خلق خدا کی خدمت اور خیرات و صدقات کرتے ہیں، سڑکیں، پل شفا خانے، پانی کی سبیلیں بناتے ہیں اور چلاتے ہیں ان کو مسلمانوں سے اچھا جانتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں جس چیز کی نیت کرتا ہے، اس کو وہی ملتی ہے، جو دنیا کی نیت کرتا ہے اس کو دنیا ملتی ہے، جو آخرت کی نیت کرتا ہے آخرت ملتی ہے، جو دونوں کی

معنوی اعجاز کے چند وجوہ ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت کی کوئی حد نہیں۔
قادیانی دہقان کی گستاخی

مگر قادیان کے ایک دہقان کی دیدہ دلیری کو دیکھو کہ وہ اپنے ہذیان اور تک بندیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ میری وحی بھی قرآن کی طرح معجزہ ہے آیات قرآنیہ کا سرقہ کرتا ہے۔ اور اس میں ایک دو لفظ کا رد و بدل کر کے بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اے مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ جب اہل لسان کے نزدیک مقامات حریری اور مقامات بدیہی معجزہ نہیں تو قادیان کے ایک دہقان کا ہذیان کہاں سے معجزہ ہو جائے گا۔ (معارف کا ندھلوی)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ

جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور

زِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ

اس کی زینت بھگتادیں گے ہم ان کو ان کے عمل

فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۱۵

دنیا میں اور ان کو اس میں کچھ نقصان نہیں ☆

دنیا پرستوں کو دنیا ہی ملتی ہے

یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان نہیں لاتا، یا اس کے بتلائے ہوئے راستے پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا کر عملی جدوجہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے، تو اس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاء کار مسلمان بتلا دیا کہ دنیا ہی میں ان کا بھگتانا کر دیا جائے گا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ حصول دنیا کے لئے کریں گے ان کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانے گا اور دینا چاہے گا یہیں عطا فرمادے گا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اس کی یہ فانی اور صوری حسنت جو روح ایمان سے یکسر خالی ہیں دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں۔

فرمایا، اے عمر! تم اب تک اسی خیال میں پڑے ہو، یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نیکیوں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے۔ (منظہری)

حرص و ہوس کا نتیجہ

جامع ترمذی اور مسند احمد میں بروایت انس منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی نیت اپنے اعمال میں طلبِ آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے دل کو غنی کر دیتے ہیں اور اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، اور جس شخص کی نیت طلبِ دنیا کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کے سامنے کر دیتے ہیں کہ اس کی حاجت کبھی پوری ہی نہیں ہوتی کیونکہ ہوس دنیا اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی ایک حاجت پوری ہونے سے پہلے دوسری حاجت سامنے آ جاتی ہے اور بے شمار فکریں اس کو لگ جاتی ہیں اور ملتا صرف وہی ہے جو اللہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔ (معارف القرآن)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں

الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ

آخرت میں آگ کے سوا ☆

یعنی ان اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں، کفارِ ابدی طور پر اور ریاء کار مسلمان محدود مدت کے لئے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مومنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے، وہ الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلْ تَاكَاثُرًا يَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب کیا جو کیا تھا ☆

یعنی دنیا میں جو کام دنیوی اغراض کے لئے کئے گئے تھے۔ آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ریاء کاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کمائی تھیں، سب یونہی خراب گئیں، یہاں کوئی کام نہ آئی۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کا مقصد

بخاری نے ایک طویل حدیث حضرت عمرؓ کی روایت کردہ بیان کی ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ بیان مذکور ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو

نیت کرتا ہے اس کو دونوں ملتی ہیں، تمام اعمال کا مدار نیت پر ہونا ایک ایسا اصول ہے جو ہر ملت و مذہب میں تسلیم کیا گیا ہے۔ (قرطبی)

ریاء کاری والا عمل

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ان لوگوں کو لایا جائے گا جو دنیا میں عبادت اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی عزت ہو، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے نماز پڑھی، صدقہ خیرات کیا، جہاد کیا، قرآن کی تلاوت کی مگر یہ سب اس نیت سے کیا کہ تم نمازی اور سخی اور غازی اور قاری کہلاؤ تو جو تم چاہتے تھے وہ تمہیں مل گیا، دنیا میں تمہیں یہ خطابات مل چکے اب یہاں تمہارے ان اعمال کا کوئی بدلہ نہیں اور سب سے پہلے جہنم میں ان لوگوں کو ڈالا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ حدیث نقل کر کے روپڑے اور فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا سے اس حدیث کی تصدیق ہوئی۔

کافر آخرت میں عمل سے خالی ہوگا

صحیح مسلم میں بروایت انس منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے، مومن جو نیک کام کرتا ہے اس کو دنیا میں بھی کچھ بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے۔ اور کافر چونکہ آخرت کی فکر ہی نہیں رکھتا اس لئے اس کا حساب دنیا میں ہی بھگتا دیا جاتا ہے، اس کے نیک اعمال کے بدلہ میں دنیا کی دولت، عزت، صحت، راحت اس کو دیدی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا جس کا معاوضہ وہاں پائے۔

تفسیر منظہری میں ہے کہ مومن اگرچہ دنیا کی فلاح کا بھی خواہش مند ہوتا ہے مگر آخرت کا ارادہ غالب رہتا ہے اس لئے اس کو دنیا میں بقدر ضرورت ہی ملتا ہے اور بڑا معاوضہ آخرت میں پاتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر حاضر ہوئے تو سارے گھر میں چند گنی چنی چیزوں کے سوا کچھ نہ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو بھی دنیا کی وسعت عطا فرماوے، کیونکہ ہم فارس و روم کو دیکھتے ہیں وہ دنیا میں بڑی وسعت اور فراخی میں ہیں حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ سے کمر لگائے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ سن کر سیدھے بیٹھ گئے۔ اور

مل جاتا ہے ذرا سی بھی کمی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص دنیا میں دکھاوے کیلئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد گزاری کرے اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَقْمِنُ كَانَ عَلَىٰ بَيْنَةٍ مِّن رَّبِّهِ

بھلا ایک شخص جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے

وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ

اور اس کے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور

قَبْلَهُ كِتَابٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

اس سے پہلے گواہی موسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی اور بخشنی (اور اس کی برابر ہے) ☆

مخلص مومن

یعنی یہ شخص اور وہ ریاء کا رد دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ”بینہ“ (صاف رستہ) سے مراد وہ رستہ ہے جس پر انسان اپنی اصلی اور صحیح فطرت کے موافق چلنا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ گرد و پیش کے حالات و خیالات سے متاثر نہ ہو، اور وہ توحید، اسلام

اور قرآن کا راستہ ہے۔ **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ**

الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

(روم۔ رکوع ۴) **وَفِي الْحَدِيثِ ”كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ**

فَابَوَاهُ يَهُودًا أَوْ نَصْرَانًا أَوْ يَمَجْسَانًا“ الخ اور ”شاهد منه

گواہ سے کیا مراد ہے

(گواہ اللہ کی طرف سے) قرآن عظیم ہے جو گواہی دیتا ہے کہ

”دین فطرت“ (توحید و اسلام) پر چلنے والا بیشک ٹھیک راستہ پر چل رہا

ہے اور وہ قرآن اپنی حقانیت کا بھی خود گواہ ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

چونکہ قرآن کے لائیا والے جبریل امین اور لینے والے محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں۔ اس اعتبار سے ان کو بھی شاہد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان تو یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات، معجزات، زبان مبارک،

چہرہ نورانی، ہر چیز سے شہادت ملتی ہے کہ جس دین کے آپ حامل ہیں وہ

بالکل سچا دین ہے۔ آگے **وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً** کا

مطلب یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جو وحی کسی نبی پر نازل کی گئی وہ بھی

خدا کی قسم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں سوائے تین کچے چمڑوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ آپ کی امت کو فراخی عنایت فرمادے۔ اہل فارس اور اہل روم کو تو اللہ نے وسعت مالی عطا فرمائی ہے اور باوجودیکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے مگر ان کو دنیا دیدی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک لگائے ہوئے تھے یہ سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو (یہ لوگ تو دنیا کے طالب ہیں پس) ان کو دنیوی زندگی میں ان کی لذتیں دے دی گئی ہیں اور مومن کا مقصد دنیا اور آخرت دونوں ہیں اور ارادہ آخرت غالب ہے اس لئے اس کو نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ مومن پر ظلم نہیں کرتا (اس کی) نیکی کا اجر دنیا میں بھی اس کو دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کو ثواب دیا جائے گا رہا کافر کہ اس کی نیکیوں کے عوض دنیا میں اس کو کھانے کو دیا جاتا ہے پھر جب آخرت میں پہننے گا تو اس کی کوئی نیکی ہی نہ ہوگی جس کی وجہ سے اس کو کوئی بھلائی دی جائے۔ (رواہ مسلم و احمد)

جس کیلئے عمل کیا اسی سے اجر مانگو

میں کہتا ہوں آیت **لَيْسَ لَكُمْ فِي الْأَخْرَاقِ إِلَّا النَّارُ** میں خود قرینہ ہے کہ اس کا نزول کافروں کے حق میں ہوا کیونکہ باجماع علماء اہل ایمان کا آخر کار جنت میں جانا ثابت ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ آیت کا نزول ریا کاروں (دکھانے کے لئے نیکی کر نیوالوں) کے حق میں ہوا حضرت ابوسعید بن فضالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کے دن (یعنی ایسے دن) جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی ندا دے گا جس نے کوئی عمل اللہ کے لئے کیا ہو مگر اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر لیا ہو تو وہ اپنے عمل کا اجر اسی شریک سے طلب کرے اللہ تو ہر شرک سے بے نیاز ہے۔ (رواہ احمد)

میں کہتا ہوں اگر آیت کا حکم ریا کاروں کے متعلق ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو اعمال انہوں نے دکھاوٹ کے لئے کئے ہوں گے ان کا بدلہ سوائے دوزخ کے اور کچھ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباس فرماتے ہیں ریا کاروں کی نیکیوں کا بدلہ سب کچھ اسی دنیا میں

کے پیچھے اور آپ کے تابع حضرت علی اور دوسرے اولیاء جو حضرت علی سے مشابہت رکھنے والے ہیں آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے شاہد ہیں، اولیاء کی کرامتیں حقیقت میں رسول اللہ کے معجزات ہیں اور اولیاء کے الہامی اور کشفی علوم بھی وہی علوم ہیں جو رسول اللہ کو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے، پس اولیاء کی کرامات اور الہامی علوم سے رسول اللہ کی رسالت کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب

ترمذی نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا انا دار الحکمة وعلی بابها۔ اور میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔ فمن اراد العلم فلیات الباب پس جو علم کا خواستگار ہو اس کو دروازہ پر آنا چاہئے۔ (تا کہ علم کے شہر میں داخل ہو سکے) اس حدیث کو ابن صدیق نے الکامل میں اور عقیلی نے المضعفاء میں اور طبرانی و حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے، نیز ابن عدی اور حاکم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں حکمت و علم سے علوم اولیاء کی طرف اشارہ نہیں ہے علوم فقہیہ کا مدار تو صرف علی پر نہیں ہے۔ علم فقہ کے متعلق تو رسول اللہ کا ارشاد ہے میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔ (تفسیر مظہری)

امام شاہ ولی اللہ کی تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی)

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ کی تفسیر میں غور و فکر کے بعد میرے نزدیک جو تحقیق ہے وہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد نے بعثت نبوی سے قلب سلیم کی شہادت اور ذکاوت سے کچھ اصول شریعت کو پہچان لیا تھا۔ کہ وہ بت پرستی اور شراب خوری اور زنا کاری کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خواب اور رویائے صادقہ اور مناجات صالح کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر تھے اس اجمالی علم کو جو ان کے قلوب میں مرکوز تھا اس کو حق تعالیٰ نے بینہ اور دلیل سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معبوث ہوئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ لی اور اپنے اس علم اجمالی کی شہادت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو ان کا علم اجمالی۔

”دین فطرت کی صداقت پر گواہ تھی۔ خصوصاً موسیٰ علیہ السلام پر جو عظیم الشان کتاب (تورات) اتاری گئی قرآن سے پیشتر اسے ایک بڑا بھاری شاہد ان لوگوں کی حقانیت کا کہنا چاہئے جو دین فطرت کے صاف راستہ پر چلتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقول ابوالشیخ ابوالعالیہ اور ابراہیم نخعی کے نزدیک مَنْ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت علیؑ کی طرف بھی اس تفسیر کی نسبت کی ہے ابوالنعیم نے المعرفة میں بھی اس قول کو نقل کیا ہے۔ بیحد سے مراد قرآن مجید ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابوالشیخ نے حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (یعنی محمد بن حنیفہ) کا بیان نقل کیا ہے۔ محمد نے فرمایا: میں نے اپنے والد (حضرت علی) سے عرض کیا، لوگوں کا خیال ہے کہ آیت وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں شاہد سے مراد آپ ہیں، فرمایا کاش وہ میں ہوتا مگر (ایسا نہیں ہے) وہ شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک تھی، ابوالشیخ نے ابویحییٰ کی سند سے مجاہد کا بھی یہی قول نقل کیا ہے (کہ شاہد سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، بعض علماء کا قول ہے۔ تلو (تلاوت سے مشتق نہیں ہے بلکہ) تلو سے مشتق ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا قریش کے ہر آدمی کے متعلق کوئی نہ کوئی آیت ضرور نازل ہوئی ہے کسی نے عرض کیا آپ کے متعلق کیا نازل ہوا؟ فرمایا (آیت) کویتلوہ شاہد منہ میرے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاہد ہونے کی وجہ

میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی وجہ آپ کو شاہد کہنے کی یہ ہے کہ آپ تمام کمالات ولایت کے مرکزی نکتہ تھے، قطب ولایت تھے، تمام اولیاء بلکہ تمام صحابہ بھی مقام ولایت میں آپ کے پیچھے اور تابع ہیں خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ)، ضرور آپ سے افضل تھے مگر ان کی فضیلت کی وجہ دوسری ہے جس کی تشریح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات کے آخر میں کی ہے۔

اس صورت میں آیت کا تشریحی مطلب اس طرح ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے ایک قطعی دلیل اور روشن حجت لے کر آئے ہیں جو آپ کی رسالت کو یقینی طور پر ثابت کر رہی ہے یہ روشن دلیل کیا ہے۔ آپ کے معجزات کثیرہ جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور وہ علوم ہیں جو وحی کے ذریعے سے آپ کو حاصل ہوئے پھر آپ

دل میں خیال کرے گا کہ میں تباہ ہو گیا (اس کے بعد) اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا آج میں تیرے وہ گناہ معاف کرتا ہوں پھر نیکیوں کی تحریر اس کو دے دی جائے گی۔ رہے کافر اور منافق ان کو سب مخلوق کے سامنے پکارا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ

سو تو مت رہ شبہ میں اس سے بیشک وہ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور پر بہت

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۷

سے لوگ یقین نہیں کرتے ☆

قرآن شک و شبہ سے پاک ہے

یہ خطاب ہر شخص کو ہے۔ جو قرآن سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ قرآن کی صداقت اور ”من اللہ“ ہونے میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق ہیں یا معاند۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت سے جو بھی مجھے سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو باندھے

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اللہ پر جھوٹ ☆

قرآن کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے

یعنی قرآن جھوٹ اور افتراء نہیں۔ خدا کا سچا پیغام ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر جھوٹ باندھے مثلاً اس کا کلام نہ ہو اور کہدے کہ اس کا کلام ہے یا واقعی اس کا ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اس کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

علم تفصیلی سے اور ظن اور گمان، یقین اور مشاہدہ سے تبدیل ہو گیا۔ اسی علم تفصیلی اور مشاہدہ کو حق تعالیٰ نے شَٰهِدٌ قَبْلَهُ اور نزول قرآن پہلے تو ریت۔ اہل دین و ملت کے پیشوا اور رہنما تھے اور اب ان کا امام اور پیشوا قرآن ہو گیا صحابہ کرام میں کی ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے موصوف تھے جن کے سر دفتر حضرت صدیق اکبر تھے اور باطنی مناسبت اور قلبی ذکاوت اور سلامت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اسلام میں کوئی تاہل نہیں ہو ابلا تاہل اور بدون طلب معجزہ ایمان لے آئے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ط وَمَنْ يَكْفُرْ

یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو کوئی منکر ہو

بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالْتَّارِ مَوْعِدُهُ ۚ

اس سے سب فرقوں میں سے سو دوزخ ہے ٹھکانا اس کا ☆

قرآن کو ماننا ضروری ہے

یعنی یہود، نصاریٰ، بت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ ایشیا کی فرقہ جماعت اور ملک و ملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانے گانجات نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی بعض احادیث میں آپ نے بہت تصریح و تعمیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الاحزاب (گروہ) سے مراد (مسلمانوں کے علاوہ) تمام مذاہب والے ہیں، حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اس امت (دعوت) میں سے جو کوئی کافر و مشرک اور یہودی اور عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جس (ہدایت) کو دیکھ کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہوگا تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا۔ (رواہ مسلم)

(قیامت کے دن) شہادت دیں گے۔

قتادہ کے نزدیک ساری مخلوق مراد ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) اللہ مؤمن کو (اپنے) قریب کر کے اپنا ہاتھ اس کے شانہ پر رکھ دے گا اور پوشیدہ طور پر فرمائے گا کیا تو اپنا (فلاں) گناہ جانتا ہے مؤمن عرض کرے گا۔ جی ہاں اے میرے رب، یہاں تک کہ مؤمن کے (سب) گناہوں کا اس سے اقرار کر لے گا اور مؤمن اپنے

لئے شہادت دے گا۔ ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچے گی (اسی کے مطابق) اس کی مغفرت کی جائے گی اور ہر تر و خشک اس کی شہادت دے گا۔

ابن المبارک نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جس مقام کے قریب سجدہ کرے گا، وہاں درخت ہو یا پتھر، قیامت کے دن وہ شہادت دے گا۔ عطاء خراسانی کی روایت سے بھی یہ اثر منقول ہے۔

ابونعیم نے حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دن ابن آدم پر آتا ہے اس میں آواز دی جاتی ہے (یعنی دن خود آواز دیتا ہے) اے آدم زاد میں نیا ہوں تو جو کچھ کرے گا کل میں تیرے لئے شہادت دوں گا، اس لئے میرے اندر تو نیکی کرنا تاکہ کل کو میں تیرے لئے (اچھی) شہادت دوں۔ میں اگر گزر گیا تو پھر مجھے کبھی نہیں دیکھے گا۔ رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ مسلم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ مال بڑا سزاور شیریں ہے اور مسلمان کا اچھا ساتھی ہے اور جو مال قیدی اور یتیم اور (ضرورت مند) مسافر کا دیا جائے گا، خود (وہ مال) اس کی گواہی دے گا۔ اور جو شخص بغیر حق کے مال لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہو اور سیر نہ ہوتا ہو۔ قیامت کے دن یہ مال اس شخص کی خلاف گواہی دے گا۔ ابونعیم نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مال اور صاحب مال دونوں کو لایا جائے گا، اور دونوں باہم جھگڑا کریں گے۔ (الحدیث) (تفسیر مظہری)

الْأَلْعَنَةُ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ۱۸

سن لو پھنکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

جو کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ

اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی ہیں

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفِرُونَ ۱۹

آخرت سے منکر ☆

ظالموں پر لعنت

ارشاد ہے یعنی جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے خدا کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو خدا کی راہ پر چلنے

أُولَئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ

وہ لوگ روبرو آئیں گے اپنے رب کے

وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ

اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں جنہوں نے

كذَّبُوا عَلَى رَبِّهِمْ

جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر ☆

ظالموں کے خلاف گواہی

یعنی محشر میں جب خدا کے سامنے علی رؤس الاشهاد پیش ہونگے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے اس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ) صالحین بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ یہ ہی وہ بد بخت ظالم ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

گواہ

میں کہتا ہوں اشہاد (شہادت دینے والے) صرف وہی نہیں ہونگے جن کا ذکر (مختلف علماء کے اقوال میں) کیا گیا ہے۔ بلکہ انسان کے جسمانی اعضاء بھی شہادت دیں گے، اللہ نے فرمایا

أَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ دُورَى

آیت میں آیا ہے قَالُوا لَبُؤْدُوهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا الْخ. ایک اور

آیت ہے يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ الْخ۔

مسلم نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرمایا

كفى بنفسك اليوم عليك حسيباً و بالكرام الكاتبين

شہیداً۔ یعنی منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اعضاء سے کہا جائے گا تم بولو۔

مجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت دے گا۔ ہم نے

سورہ اذلزت کی آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا کی تفصیل کے ذیل

میں لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین شہادت

دے گی کہ کس بندے اور کس بندی نے اس کی پشت پر کیا کیا، کیا۔

بخاری نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ

مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن و انس اس کو سنیں

گے، قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے۔ ابن خزیمہ کی روایت کے یہ

الفاظ ہیں کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلا، جن و انس نے گا، مؤذن کے

جان کا کھو بیٹھنا، یہ ہے کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

سے روکتے ہیں اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ

وہ لوگ نہیں تھکانے والے

فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ

زمین میں بھاگ کر اور نہیں ان کے واسطے

دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءٍ

اللہ کے سوا کوئی حمایتی ☆

یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچا دے۔ (تفسیر عثمانی)

يُضَعَّفُ لَهُمُ الْعَذَابُ

دونا ہے ان کے لئے عذاب ☆

کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

مَا كَانُوا يَسْتَبِيْعُونَ السَّمْعَ وَ

نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور

مَا كَانُوا يَبْصُرُونَ

نہ دیکھتے تھے ☆

یہ ظالم بہرے اور اندھے ہیں

یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ نہ حق بات سننے کی تاب تھی نہ خدا کے نشانوں کو دیکھ سکتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہ ہدایت پالیتے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ جھوٹ بولا بے اصل اور غلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے سن نہ آتے تھے غیب کو دیکھتے نہ تھے پھر ان کا ماخذ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَ

وہی ہیں جو کھو بیٹھے اپنی جان اور

ضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ

گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھا تھا ☆

لَا جْرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ

اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں

الْآخْسَرُونَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

سب سے زیادہ نقصان میں البتہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبَتُوا

اور کام کئے نیک اور عاجزی کی

إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اپنے رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۳﴾

وہ اسی میں رہا کریں گے ☆

مؤمن کا اچھا انجام

منکرین کی بد انجامی کے بالمقابل مؤمنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی اس لئے اپنی دائمی خوش نودی کا مقام عطا فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عز و جل مؤمن کو اپنے سے قریب کرے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپالے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی؟ اور فلاں بھی۔ یہ اقرار کرتا جائے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے! میں دنیا میں ان پر پردہ ڈالتا رہا، سن آج بھی انہیں بخشتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا عمل نامہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور کفار اور منافقین پر تو گواہ پیش ہوں گے جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتے تھے یاد رہے کہ ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے الخ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ ”دردناک دن“ سے وہ دن مراد ہے جس میں المناک اور درد انگیز حوادث کا وقوع ہو۔ مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرقاب کی گئی۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنِّ

پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی

قَوْمِهِ مَا نَرِيكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ

قوم کے ہم کو تو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا اور

مَا نَرِيكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ

دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہوتا مگر جو ہم میں

أَرَادُوا لَنَا بِدِي الرَّاْيِ وَمَا نَرِي

کچھ قوم ہیں بلاتامل اور ہم نہیں دیکھتے

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ

تم کو اوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو

نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿١٧﴾

خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو ☆

قوم کے سرداروں کا جواب

یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہو، آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جائیں پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولت مند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس، رذیل، پست اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خلق و خلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ ہو گیا۔ کم از کم آپ کا اتباع کرنے والے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان مویچوں اور حجاموں کا تابع ہو جانا آپ کے لئے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سطحی لوگوں کا جن کی پستی اور رذالت بالکل عیاں ہے۔ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَ

مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور

الْأَصْمَرَ وَالْبَصِيرَ وَالسَّمِيعَ هَلْ يَسْتَوِينَ

بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے

مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٨﴾

دونوں کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے ☆

مؤمن و منکر برابر نہیں

یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا۔ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَكَانُوا يُبْصِرُونَ“ پھر جسے نہ خود نظر آئے نہ دوسرے کی سن سکے، اس کا آغاز انجام کیسے ان روشن ضمیر ایمانداروں کی برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں گوش ہوش سنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف

إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٩﴾

کہ میں تم کو ڈر کی بات سناتا ہوں کھول کر ☆

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب

یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں بتلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ

کہ نہ پرستش کرو اللہ کے سوا ☆

یعنی بود، سواع، یغوث، یعوق، نسر کی جن کا ذکر سورہ نوح میں آئے گا

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْيَوْمِ ﴿٢٠﴾

میں ڈرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ☆

موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نورِ الہی کے دیکھنے سے قاصر ہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کر سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قنادہ نے کہا اگر انبیاء میں یہ قدرت ہوتی کہ بجز لوگوں کو مومن بنا سکتے تو وہ ایسا بھی کر لیتے مگر ان میں یہ قدرت ہی نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَقَوْمٍ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَاطِإِن

اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری

أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُم

ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے ☆

میں غریب مومنوں کو دھتکار نہیں سکتا یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خود غرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اسی کے یہاں سے مزدوری ملے گی بحمد اللہ نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں۔ اگر تم میرے اتباع کو محض ان کی افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دیکر نکال دوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اس کے دربار میں کرینگے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیا داروں کی خاطر ہم غریب و فاداروں کو نکال کیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض ظاہری اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی کیا حالت تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ

لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو ☆

غربت کوئی عیب نہیں ہے

یعنی جہل و حماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف ان کی

ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بیوقوفوں نے ہاں میں ہاں ملا دی، تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کر لیں۔ یہ ان ملعونوں کی تقریر کا ما حاصل تھا۔ نوح علیہ السلام نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابوبکرؓ کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا۔ واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوں

عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَأَتَّبِعُنِي

صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے بھیجی

رَحْمَةً مِّن عِنْدِي فَعُوبِدْت

مجھ پر رحمت اپنے پاس سے پھر اس کو تمہاری آنکھ

عَلَيْكُمْ أَنْ لَزِمْتُمْوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا

سے محفی رکھا تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس سے

كِرْهُونَ

بیزار ہو ☆

پیغمبر اخلاق و اعمال میں بلند ہوتا ہے نہ مال میں یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہئے لیکن وہ امتیاز مال و دولت، ملک و حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ خدا ترسی، حق پرستی، درد مندی، خلایق اور ان صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اکمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا ان کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے وہ وحی الہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں ان پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ تم دل کے اندھے ہو

نوح علیہ السلام نے فرمایا اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر

دولت کے خزانے نہیں مگر خیر سے خالی بھی نہیں

کفار نے نوح علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، جتھے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے، اس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اس کا ہم دعویٰ نہیں رکھتے، بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں۔ نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دے دیئے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ کبھی نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) ان کو خدا ہرگز کوئی خیر (بھلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً ان میں سے کسی کو نبوت و حکمت عطا فرمادے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ ان کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے موافق برتاؤ کرتا ہے۔ اس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں، خدا تعالیٰ نے بھی جو بواطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عزت و شرف نہیں بخشا تو نہایت بے اصول اور نا انصافی کی بات ہوگی۔ (تنبیہ) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورہ ”انعام“ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

غریب ہیں مگر ایمان کی دولت رکھتے ہیں

یعنی جن لوگوں کو ان کی مفلسی کی وجہ سے تم حقیر سمجھتے ہو اور ان کو رذیل کہتے ہو، چونکہ ظاہری ناداری اور مفلسی کو آنکھوں سے دیکھ کر وہ حقیر جانتے تھے۔ ان کے کمالات اور خصائلِ فاضلہ پر غور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے حقیر جاننے کی نسبت آنکھوں کی طرف کلام کو پر زور بنانے کے لئے کردی (ورنہ آنکھوں کا کام حقیر جاننا نہیں۔ تحقیر ہو یا اعزاز اس کو جاننا انسان کے دماغ کا کام ہے) بلکہ دنیا میں اللہ نے ان کو ایمان و ہدایت کی جو توفیق عطا فرمادی اور آخرت میں جو بلندی مرتبہ اور جنت عطا فرمائے گا وہ تمہارے اس دنیوی مال و جاہ سے بہتر ہے (پھر میں کیسے کہہ دوں کہ اللہ ان کو بھلائی نہیں عطا فرمائے گا)۔ (تفسیر مظہری)

ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسبِ حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی۔ عموماً دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبولِ حق سے محروم رکھتا ہے اسی لئے ہر قل کی حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کے متبعین ضعیف ہوتے ہیں بہر حال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا تمہارا غرور تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقَوْمٍ مِّنْ يَّنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن

اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر

طردتہم أفلا تذكرون ﴿۳۱﴾

ان کو بانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے ☆

مخلص لوگوں کو چھوڑا نہیں جاسکتا

یعنی میں تمہارے کبر و غرور اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں۔ اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دے دیئے تو اس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ

اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے

اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ

اللہ کے اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ

إِنِّي مَلِكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ

میں فرشتہ ہوں اور نہ کہوں گا کہ جو لوگ

تَزُدَّرِي أَعْيَبُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ

تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو

اللَّهُ خَيْرًا إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِمَا فِي

اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ

أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لِّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۲﴾

ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں ☆

پوری امت کے سب سے بڑے محسن ہیں جن کے ذریعہ دولتِ ایمان و شریعت ان کو پہنچی ہے۔ (معارف القرآن)

قَالُوا يَنْوَسُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ

بولے اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت

جدالنا فالتنا بما تعدنا ان كنت

جھگڑ چکا اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر

مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۶﴾

تو سچا ہے ☆

کافروں کے پاس کوئی دلیل نہ رہی

حضرت نوح قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس ان میں رہے۔ شب و روز سزا و عتاب انہیں نصیحت کرتے ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گزر گئیں کفار نے ان کی حقانی بحثوں اور شب و روز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو، وہ فوراً لے آؤ تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ

کہا کہ لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۷﴾

اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر ☆

عذاب اللہ کے قبضہ میں ہے

یعنی یہ چیز میرے قبضہ قدرت میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہے گا عذاب نازل کر دے گا۔ ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ باقی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے، جس کا لے آنا اور دفع کرنا دونوں پہلو تو اے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الہی ہوگی تو کہیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتہ کیسے نبی ہو سکتا ہے

اگر فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا تو انسانوں کو اس سے دین سیکھنا سخت مشکل ہو جاتا، کیونکہ فرشتہ کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس، نہ نیند آتی ہے نہ تکان ہوتا ہے، نہ اس کو انسانی ضروریات و حوائج پیش آتی ہیں وہ انسانوں کو اس کمزوری کا احساس کیسے کرتا، اور بغیر اس احساس کے انسان عمل میں اس کا اتباع کیسے کر سکتے۔

ہمیشہ غریب پیغمبروں کے پیروکار ہوئے ہیں

زمانہ قدیم سے عادت اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں پر اول ایمان لانیوالے غرباء و فقراء ہی ہوتے ہیں، اور پچھلی آسمانی کتابوں میں اس کی تصریحات بھی موجود ہیں، اسی وجہ سے جب ہرقل شاہِ روم کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دعوتِ ایمان کے لئے پہنچا اور اس کو یہ فکر ہوئی کہ معاملہ کی تحقیق کرنے چونکہ اس نے تورات و انجیل میں انبیاء علیہم السلام کی علامات پڑھی ہوئی تھیں۔ اس لئے اس وقت عرب کے جو لوگ ملک شام میں آئے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے ان علامات کے متعلق چند سوالات کئے۔

ان سوالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کا اتباع کرنے والے قوم کے کمزور اور غریب لوگ ہیں یا وہ جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں؟ ان لوگوں نے بتلایا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل نے اقرار کیا کہ یہ علامت تو سچے نبی ہونے کی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا اول اول اتباع کرنے والے یہی کمزور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

حقیقی کمینہ کون ہے

خلاصہ یہ ہے کہ غرباء و فقراء کو رذیل سمجھنا ان کی جہالت تھی، حقیقت میں رذیل تو وہ ہے جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کو نہ پہچانے، اس کے احکام سے روگردانی کرے، اسی لئے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کمینہ اور رذیل کون ہے؟ تو فرمایا وہ لوگ جو بادشاہوں اور افسروں کی خوشامد میں لگے رہیں، اور ابن الاعرابی نے فرمایا کہ کمینہ وہ آدمی ہے جو اپنا دین بیچ کر دنیا کمائے۔ کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ کمینہ کون ہے تو فرمایا وہ شخص جو اپنا دین برباد کر کے کسی دوسرے کی دنیا سنوارے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کمینہ وہ شخص ہے جو صحابہ کرام کو برا کہے کیونکہ وہ

ان کی گھڑت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوح کے قصہ سے تھا۔ گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقع میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُمْ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي

کہہ دے اگر میں بنا لیا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾

اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو ☆

الزام کا جواب

قرآن کو ”مفتری“ کہنے کا تحقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گزر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلام الہی ہونا نہایت واضح و محکم دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو اس کا وبال تم ہی پر پڑیگا۔ اس کی فکر کرو۔ میں کافی تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ اب جو غلطیاں تم کرو اس کا میں ذمہ دار نہیں۔ ہاں بفرض محال اگر میں نے افتراء کیا ہو تو اس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو بجز اللہ ایسا ہوا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لطايف ومعارف

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

اشقیاء را دیدہ بینا نبود نیک و بد در دیدہ شان یکساں نمود
بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لئے ان کی نظر
میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے

ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہنجو خود پنداشتند

انبیاء کرام کے ہمسری تھے اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشان بشر ماؤ ایشان بستہ خوانیم و خور

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے

اور سونے کے دونوں پابند ہیں۔ پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایشان از عی ہست فرقی در میان بے منتہی

اور کوریا طنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہاء فرق ہے۔

ہر دو گون زنبور خوردند از محل لیک شد زان نیش و زان دیگر غسل

دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستے ہیں مگر

ایک زنبور سے ڈنک پیدا ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نَصِيحِي إِنْ أَرَدْتُ

اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت جو چاہوں

أَنْ أَنْصَأَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ

کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا

يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَقَدْ

کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا

وَالْبَاءُ تَرْجِعُونَ ﴿۳۶﴾

اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے ☆

تم گواہی کے شیدائی ہو

یعنی کفر پر اس قدر اصرار و ضد اور انتہائی شوخ چشمی سے نزول عذاب کی استدعاء پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ ہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور آخر کار ہلاک کر دے۔ پس اگر تمہاری بد کرداری کے سبب سے خدا نے یہ ہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت و خیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور مؤثر نہ ہوگا۔ تمہارا رب وہ ہی ہے جس کے ملک و تصرف میں ہر چیز ہے۔ جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے، کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہی سب کے اعمال کی جزاء و سزا دینے والا ہے (ربط) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہاں تک جتنے سوالات و اعتراضات اس قوم کے تھے، وہ ہی تھے حضرت کی قوم کے۔ گویا یہ سب جواب ان کو ملے۔ ایک ان کا نیا دعویٰ تھا، اسے آگے قصہ کے درمیان بیان فرماتے ہیں۔“

أَمْ يَقُولُونَ اقْتَرَبَهُ

کیا کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے قرآن کو ☆

اہل مکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوح کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذافی الموضح) لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوح کے قصہ کا جزو بتلایا ہے یعنی ان کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوح خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود

بر دوگون آہو گیا خوردند آب زیں یکے سرگین شدوزاں مشکاب اس شعر میں ایک مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کے گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو بینگیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہردو نے خوردند از یک آب خورد آں یکے خالی و آں پر از شکر یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اور رس سے پُر ہے۔

قوم یہ بات کہتی ہے، اس لئے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوح ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کئے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے۔ مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لئے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔ (معارف کا دہلوی)

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ

اور حکم ہوا طرف نوح کو کہ اب ایمان نہ لائے گا

مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ

تیری قوم میں مگر جو ایمان لاچکا

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶۱﴾

سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو کر رہے ہیں ☆

قوم نوح کا آخری انجام

جب قوم کی ایذائیں حد سے گزر گئیں تو نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جفائیں جھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا **إِنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَ خَيْرٌ** کہ میں مغلوب و ضعیف ہوں، آپ ان سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گئے چنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا، لاچکے۔ آئندہ ان میں کوئی ایمان لانیوالا نہیں ہے، لہذا اب آپ ان کی عداوت و تکذیب اور ایذا رسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قوم کی طرف سے تکالیف

محمد بن اسحاق نے عبید بن عمیر لیبی کی روایت سے لکھا ہے کہ قوم نوح والے حضرت نوح کو پکڑ کر پچھاڑ کر اتنا گلا گھونٹتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو

جاتے تھے۔ جب آپ کو ہوش آتا تو دعا کرتے الہی میری قوم کو معاف کر دے وہ نادان ہیں، جب قوم کی نافرمانی بڑھتی چلی گئی اور قوم کے ہاتھوں سے دکھ اور اذیت میں اضافہ مسلسل ہوتا رہا تو آپ ناامید ہو گئے۔ اور آئندہ نسل کا انتظار کرنے لگے کہ شاید ان کی اگلی نسل ہدایت یاب ہو جائے یونہی نسل در نسل چلتی گئی اور ہر پچھلا اگلے سے زیادہ خبیث ہوتا رہا اور پچھلے لوگ کہنے لگے یہ دیوانہ تو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آتا ہے پاگل ہے وہ اس کو منہ نہیں لگاتے تھے۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے اپنا دکھ عرض کیا اور دعاء کی **رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لِيُؤْمِنُوا فَكَبَرُوا عَلَيَّ** اسی کلام کے آخر میں عرض کیا **رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ أَعْلَمُ الْغُيُوبِ** اس وقت وحی آئی: **وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينَا** (تفسیر مظہری)

بنغوی نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ نوح کی قوم والے آپ کو اتنا مارتے تھے کہ آپ گر پڑتے تھے اور مردہ سمجھ کر لوگ لبادہ لپیٹ کر گھر ڈال جاتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ نوح مر گئے لیکن دوسرے روز آپ پھر باہر آ کر لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لاٹھی کے سہارے سے جا رہا تھا اس کا بیٹا ساتھ تھا۔ بیٹے سے اس نے کہا، میرے بیٹے اس دیوانے بوڑھے کے دھوکے میں نہ آ جانا، بیٹے نے کہا باپ مجھے لاٹھی دے دیجئے، باپ نے لاٹھی دے دی۔ بیٹے نے لاٹھی لے کر حضرت نوح کے سر پر ماری اور آپ کو سخت زخمی کر دیا، اس پر حضرت نوح کے پاس مندرجہ ذیل وحی آئی: **وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ**

إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم کے جو لوگ ایمان لاچکے (لاچکے) اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينَا

اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق میں

إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿۶۱﴾

یہ پیشک غرق ہوں گے ☆

بھر پور ہو گیا تو اللہ کے حکم سے نوحؑ نے اس کو کاٹ کر خشک کیا اور عرض کیا اے میرے رب میں گھر (یعنی کشتی کی شکل) کیسے بناؤں؟ حکم ہوا اس کی تین شکلیں رکھو۔ اگلا سر تو مرغ کے سر کی طرح ہو اور پچھلا حصہ بھی مرغ کی دم کی طرح اور سینہ پرندے کے سینہ کی طرح (آگے کو نکلا ہو) اور دونوں پہلوؤں پر درتپے ہوں اور لوہے کی کیلوں سے اس کو مضبوط کر دیا گیا ہو، اللہ نے جبریلؑ کے ذریعہ نوحؑ کو کشتی بنانا سکھادی۔

ابن عساکر نے سعید بن مسیب کی وساطت سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت کعب کا بیان بھی یہی نقل کیا ہے۔

کشتی کی لمبائی چوڑائی

عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابو الشیخ نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی میں لمبائی تیس ہاتھ تھی۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ کشتی کا طول اسی ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ اور بلندی اوپر کوتیس ہاتھ۔ اور ہاتھ سے مراد (پنچہ سے) مونڈھے تک۔

کشتی بنانے کی مدت

زید بن اسلم کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ سو برس تک درخت بوتے اور (لکڑی) کاٹتے رہے اور سو برس تک کشتی بناتے رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس برس تک درخت بوئے اور چالیس برس تک (ان کی لکڑی کو) خشک کرتے رہے۔ کعب احبار کا قول آیا ہے کہ نوحؑ نے تیس برس میں کشتی بنائی۔

کشتی کے درجے

یہ بھی منقول ہے کہ کشتی کی تین منزلیں تھیں، نچلا درجہ چوپایوں اور جنگلی جانوروں کے لئے تھا، درمیانی منزل میں آدمی تھے اور بالائی طبقے میں پرندے، جب جانوروں کا گوہر زیادہ ہو گیا تو نوحؑ کے پاس وحی آئی ہاتھی کی دُم دباؤ۔ دُم دباتے ہی ہاتھی کے اندر سے ایک سورا اور سوریانکل بڑی اور دونوں نے گوہر (کھا کر) صاف کر دیا۔ چوہوں نے جب کشتی کو نقصان پہنچایا اور رسیاں کاٹنے لگے تو اللہ کی طرف سے نوحؑ کو حکم ہوا شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ضرب لگاؤ، ضرب لگاتے ہی شیر کی ناک کے سوراخوں سے ایک بلی اور ایک بلا نکل پڑے اور دونوں چوہوں پر دوڑ پڑے۔ (تفسیر مظہری)

مومنین اور تمام ضروریات کشتی میں سوار کیں

حضرت نوح علیہ السلام نے حکم کے مطابق کشتی بنائی، پھر جب

عذاب کی تیاری

حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔ کیونکہ عنقریب پانی کا سخت خوفناک طوفان آنے والا ہے۔ جس میں یہ سب ظالمین و مکذبین یقیناً غرق کئے جائیں گے۔ ان کے حق میں اب یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے لئے ہم سے کوئی بات نہ کریں۔ آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم لوط کے حق میں جھگڑنا شروع کیا تھا ان کو بھی اسی طرح کا ارشاد ہوا تھا۔

يَا بَرّهٰنِمْ اَعْرَضْ عَنْ هٰذَا اِنَّكَ قَدْ جِئْتَ اَصْحٰبَ الْاٰنْهٰدِ
اِيْتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (ہود۔ رکوع ۷) (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے امین کا ترجمہ کیا ہے نظر، آنکھ کو نگرانی اور حفاظت میں دوسرے تمام حواس سے زیادہ دخل ہے اس لئے نگرانی کو امین (چشم) کے لفظ سے تعبیر کیا۔

کشتی بنانے کا حکم

بغوی نے اس قصہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے حضرت نوحؑ سے آکر کہا آپ کا رب آپ کو کشتی بنانے کا حکم دے رہا ہے۔ نوحؑ نے کہا میں تو نجار (بڑھئی) نہیں ہوں کیسے بناؤں؟ جبریلؑ نے کہا آپ کا رب فرماتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے ہے کشتی بنا (غلطی نہ ہوگی)۔ نوحؑ بنانے لگے اور ٹھیک ٹھیک بنانے لگے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے کشتی پرندہ کے سینہ کی شکل کی (یعنی سینہ بھری ہوئی) بنائی۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تورات کا خیال ہے کہ اللہ نے نوحؑ کو حکم دیا تھا کہ ساگوان یا سار کی لکڑی کی کشتی بنائیں جس کا سینہ آگے کو نکلا ہو اور کشتی کے اندر باہر ہر طرف روغن قار کا پالش کر دیں، کشتی کی لمبائی اسی ہاتھ (یعنی آدھا گز مراد نہیں ہے) اور تین منزلیں بنائیں، نچلی، درمیانی اور بالائی اور بالائی منزل میں درتپے رکھیں۔ حضرت نوحؑ نے حکم کے مطابق کشتی بنائی۔ اسحاق بن بشر اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ نے جب نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو نوحؑ نے عرض کیا، میرے مالک تختے کہاں ہیں، اللہ نے فرمایا ساگوان یا سار کا درخت لگاؤ، نوحؑ نے سار کا درخت بویا۔ بیس برس تک وہ درخت پرورش پاتا رہا۔ اس مدت میں نہ حضرت نوحؑ نے تبلیغ کی نہ قوم والوں نے کوئی استہزاء کیا۔ جب درخت

وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ

اور جب گذرتے اس پر سردار

قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ

اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے ☆

قوم کی مذاق بازی

کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھتی بن گئے۔ کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوح علیہ السلام سے پوچھتے کہ یہ کیا بناتے ہو؟ آپ فرمادیتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا۔ وہ سن کر ہنسی اڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُوْ

بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں

مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ

تم سے جیسے تم ہنستے ہو ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”وہ ہنستے تھے کہ خشک زمین پر غرق کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ ہنستے تھے اس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور یہ ہنستے ہیں۔“ اسی تفسیر کے موافق مترجم محقق نے فَاِنَّا نَسْخَرُوْ مِنْكُمْ اِنْ تَسْخَرُوْنَ کا ترجمہ بصیغہ حال کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ نَسْخَرُوْ مِنْكُمْ میں استقبال کے معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی آج تم ہمیں احمق بناتے اور ہنستے ہو، لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت و سفاهت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔ جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں مزایا بھو گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاتِيْهِ

اب جلد جان لو گے کہ کس پر آتا ہے

عَذَابٍ يُّخْزِيْهِ وَيَجْلِبُ عَلَيْهِ

عذاب کہ رسوا کرے اس کو اور اترتا ہے اس پر

عَذَابٍ مُّقِيْمٍ

عذاب دائمی ☆

عذاب آنے والا ہے

یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں۔ جلد آشکارا ہو جائے گا، کہ دنیا کا رسوا کن

طوفان کی ابتداء کی علامات سامنے آگئیں کہ زمین سے پانی ابلنے لگا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ خود مع اپنے اہل و عیال کے اور ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لائے ہیں اس کشتی میں سوار ہو جائیں۔ اور انسانوں کی ضروریات جن جانوروں سے متعلق ہیں جیسے گائے، بیل، بکری، گھوڑا، گدھا وغیرہ ان کا بھی ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں، حضرت نوح علیہ السلام نے حکم کے مطابق سب کو سوار کر لیا۔ تمام صنعتوں کی ابتداء

تمام ضروری صنعتوں کی ابتداء وحی کے ذریعہ ہوئی۔

حافظ شمس الدین ذہبی کی الطب النبوی میں بعض سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ انسان کے لئے جتنی صنعتوں کی ضرورت ہے ان سب کی ابتداء بذریعہ وحی الہی کسی پیغمبر کے ذریعہ عمل میں آئی ہے۔ پھر حسب ضرورت اس میں اضافے اور سہولتیں مختلف زمانوں میں ہوتی رہیں، سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام کی طرف جو وحی آئی ہے اس کا بیشتر حصہ زمین کی آباد کاری اور مختلف صنعتوں سے متعلق ہے، بوجہ اٹھانے کے لئے پہیوں کے ذریعہ چلنے والی گاڑی کی ایجاد بھی اسی سلسلہ کی ایجادات میں سے ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ زمانے نے طرح طرح کی گاڑیاں ایجاد کر لیں لیکن مدار کار ہر قسم کی گاڑیوں کا دھری اور پیسے پر ہی رہا۔ وہ بیل گاڑی اور گدھا گاڑی سے لے کر ریلوں اور بہترین قسم کی موٹر گاڑیوں تک سب میں مشترک ہے۔ اس لئے سب سے بڑا موجد گاڑیوں کا وہ شخص ہے جس نے پہیہ ایجاد کیا کہ دنیا بھر کی ساری مشینری کی روح پہیہ ہی ہے۔ اور معلوم ہو چکا کہ یہ ایجاد پیغمبر اول حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں بذریعہ وحی الہی عمل میں آئی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے اشیاء ضرورت کی صنعت کاری اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ بطور وحی انبیاء علیہم السلام کو سکھائی گئی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو سفینہ سازی کی ہدایت دینے کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ آپ کی قوم پر طوفان آئے گا، وہ غرق ہونگے، اس وقت آپ اپنی شفقت کی بناء پر ان کے بارے میں کوئی سفارش نہ کریں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ

اور وہ کشتی بناتا تھا ☆

کہتے ہیں کشتی سا لہا سال میں تیار کی۔ کشتی کیا تھی بڑا جہاز تھا، جس میں الگ الگ درجے تھے۔ مفسرین نے اس کی تفصیل میں بہت سی مبالغہ آمیز اور عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں جن میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی۔ تین درجوں کی تھی ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند۔ جب جانوروں کا گو بر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے (حضرت) نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر مادہ نکل آئے اور میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ (حضرت) نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرق آب ہونے کا علم کیسے ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوئے کو خبر لینے کے لئے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا۔ دیر تک نہ آیا۔ آپ نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعاء کی۔ اسی لئے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتوں کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے بچوں میں خشک مٹی لایا، اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے امن و انس کی دعا کی۔ پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا کہ اے رسول اللہ! آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلئے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا۔ وہ اسی وقت مٹی ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۗ

یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے ☆

عذاب کی ابتداء

یعنی نوح علیہ السلام کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وعدہ کے موافق خدا کا حکم پہنچ گیا۔ ”بادلوں“ کو کہ برس پڑیں اور زمین کو کہ اہل پڑے، اور فرشتوں کو کہ تعذیب وغیرہ کے متعلق اپنے فرائض منصبی کا سر انجام کریں۔ آخر اوپر سے بارش آئی اور نیچے زمین کی سطح سے چشموں کی طرح جوش مار کر پانی ایلنے لگا۔ حتیٰ کہ روٹی پکانے کے تنوروں میں بھی جہاں آگ بھری ہوتی ہے، پانی اہل پڑا۔

تنور کہاں ہے اور کہاں تھا

(تنبیہ) ”تنور“ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مطلق روٹی

اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح نے جب عذابوں کی جلدی مچائی تو آپ نے خدا سے دعا کی کہ خدایا زمین پر کسی کافر کو رہتا بستانہ چھوڑ۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا۔ تو ان پر افسوس نہ کر، نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر۔ ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے۔ بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنا لو اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے۔ ایک قول ہے چالیس سال لگے، واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحاق توراہ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی۔ اس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض پچاس ہاتھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا۔ پانی کاٹنے کے پر پڑے بھی تھے۔ قنادہ کا قول ہے کہ لمبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔ ابن عباس کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔ واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے۔ ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے۔ اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ دروازہ چوڑان میں تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔

کشتی کے بارے میں مردوں کے بیانات

ابن جریر نے ایک غریب اثر عبد اللہ بن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ حکم خدا کسی ایسے مردے کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اس سے معلومات حاصل ہوتیں۔ آپ انہیں لے کر چلے، ایک ٹیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی۔ پھر آپ نے اپنی لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔ اسی وقت ایک بڑھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا۔ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر یہ دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہوگئی اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا (حضرت) نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا

پکانے کا تور مراد لیتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ایک تور حضرت حواء سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچا تھا، وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ جب اس سے پانی ابلے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک تور کوئی خاص چشمہ ”کوفہ“ یا ”جزیرہ“ میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ ”تور“ صبح کے اجالے اور روشنی کو کہا ہے۔ یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ ”فَارَ التَّنُورُ“ ممکن ہے ”ظہور عذاب“ اور ”شدت ہول“ سے کنایہ ہو۔ جیسے ”حمی الوطیس“ شدتِ حرب کنایہ ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ”تور“ کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے اوپر جو تفسیر کی مقدم اسی معنی کو رکھا گیا ہے، اشارہ بعض دوسرے معانی کی طرف بھی کر دیا۔ حافظ ابن کثیر یہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں، وبذا قول جمہور السلف و علماء الخلف۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

صورت اس طرح ہوئی کہ حضرت نوح سے کہا گیا جب تم روئے زمین پر پانی ابلتا دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا۔ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے قنادہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں تور سے مراد ہے زمین کا اونچا بلند حصہ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ آیت میں عین الورود مراد ہے جو جزیرہ میں ایک چشمہ تھا۔ ایک روایت میں حضرت علی کا قول آیا ہے کہ فَا رَ التَّنُورَ کا مطلب یہ ہے کہ فجر نکل گئی اور صبح کی روشنی ہو گئی۔ حسن مجاہد اور شععی نے تور سے مراد یہی تور بتایا ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ بروایت عطیہ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے آیت کا مطلب اس طرح فرمایا جب تم اپنے گھر کے تور سے پانی نکلتا دیکھو تو سمجھ لو یہ تمہاری قوم کا پیامِ ہلاکت ہے۔ حسن نے کہا پتھروں سے بنا ہوا ایک تور تھا جس میں حضرت حواء روٹی پکایا کرتی تھی۔ (وراثہ) وہ حضرت نوح کے پاس پہنچ گیا اور آپ کو حکم ہوا کہ جب تور سے پانی ابلتا دیکھو تو تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سوار ہو جانا۔

یہ تور کہاں تھا۔ مجاہد اور شععی نے کہا کہ کوفہ کے ایک کنارہ پر تھا۔ شععی نے اللہ کی قسم کھا کر کہا تور کوفہ کے کنارہ سے ہی جوش زن ہوا تھا۔ نوح نے کوفہ کی مسجد کے اندر ہی کشتی تیار کی تھی اور بابِ کندہ کی جانب سے مسجد میں داخل ہونے والے کے دائیں جانب وہ تور تھا اور تور سے

پانی کا ابلنا حضرت نوح کے لئے (طوفانِ آب کی) کی علامت تھی۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت علی بن ابی طالب کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد کوفہ کے اندر بابِ کندہ کی جانب سے تور ابلتا تھا۔ ابو الشیخ نے باسنادِ شعبی نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا قسم ہے اس کی جس نے دانہ کو چیرا اور جاندار کو پیدا کیا کہ یہ مسجد مسلمانوں کی چار مسجدوں میں چوتھی مسجد ہے اور سوائے مسجد حرام (کعبہ) اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری کسی مسجد میں دس رکعت نماز پڑھنے سے اس مسجد میں دو رکعت پڑھنا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ اسی کے دائیں جانب قبلہ کی طرف تور ابلتا تھا۔

مقاتل نے کہا یہ حضرت آدم والا تور تھا اور شام میں اسی جگہ واقع تھا جس کو عیینِ وردہ کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ یہ تور ہند میں تھا (معلوم نہیں ہند سے مراد ہندوستان ہے یا وہ مقام جو عراق میں ہے)۔ یہ قول ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور حاکم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تور مقام ”عین وردہ“ ملک شام میں تھا وہ مراد ہے، اس سے پانی نکلنے لگا، بعض نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا تور کوفہ میں تھا، وہ مراد ہے۔ اکثر مفسرین حضرت حسن، مجاہد، شععی حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

اور شععی تو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ تور شہر کوفہ کے ایک گوشہ میں تھا اور یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی مسجد کوفہ کے اندر بنائی تھی، اسی مسجد کے دروازہ پر یہ تور تھا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے گھر کے تور سے پانی ابلنے لگا تو سمجھ لیں کہ طوفان آ گیا۔ (قرطبی و مظہری، معارف مفتی اعظم)

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

کہا ہم نے چڑھالے کشتی میں ہر قسم سے جوڑا دو عدد ☆

ہر چیز کا ایک جوڑا لے لو

یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے، اور نسل باقی رہنی مقدر ہے ان میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ دونوں) لے کر کشتی پر سوار کر لو۔ (تفسیر عثمانی) بغوی نے اسی قصے کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت نوح نے

چڑھایا تھا جو بچہ یا انڈا دیتے ہیں جو کچھڑ سے پیدا ہیں جیسے چھڑ، پوسو وغیرہ ان کو کشتی میں سوار نہیں کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کشتی نوحؑ میں ساری دنیا بھر کے جانور جمع نہیں کئے گئے تھے بلکہ صرف وہ جانور جو زرمادہ کے جوڑے سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے تمام دریائی جانور اس سے نکل گئے اور خشکی کے جانوروں میں بھی بغیر زرمادہ کے پیدا ہونے والے حشرات الارض سب نکل گئے صرف پالتو جانور گائے، بیل بھینس، بکری وغیرہ رہ گئے۔ (تفسیر مظہری)

کشتی والوں کی تعداد

کشتی والوں کی صحیح تعداد قرآن و حدیث میں متعین نہیں کی گئی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ تعداد کل اسی آدمیوں کی تھی جن میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام، یافث اور ان کی تین بیٹیاں تھیں، چوتھا بیٹا کفار کے ساتھ رہ کر طوفان میں غرق ہوا۔ (معارف القرآن)

وَأَهْلِكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکا ہے حکم ☆

یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائینگے۔ ”وَلَا تَحْطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ“ اس سے مراد ہے نوحؑ کا بیٹا، ”یام“ جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ ”دلہلہ“ گھر والوں میں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ

اور سب ایمان والوں کو اور ایمان نہ لائے تھے اس کی ساتھ مگر تھوڑے ☆

یعنی اسی مرد کم و بیش۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا

حضرت نوحؑ کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپؑ کا لڑکا یام بھی انہی کافروں میں تھا، وہ الگ ہو گیا یا آپؑ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ کے رسولؑ کی منکر تھی۔ اور تیری قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھالے۔ لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپؑ پر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔

عرض کیا پروردگار میں ہر ایک کا جوڑا کس طرح لوں، اللہ نے آپ کے سامنے درندوں اور پرندوں کو جمع کر دیا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ان پر مارے، دایاں ہاتھ نر پر پڑا اور بایاں ہاتھ مادہ پر اس طرح ایک نر اور ایک مادہ آپ کے ہاتھ میں آ گیا اور آپ نے ان کو کشتی میں سوار کر لیا۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ کشتی میں کل اسی مرد تھے جن میں سے ایک جرہم بھی تھا۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نوحؑ نے اپنے ساتھ اسی آدمیوں کو سوار کر لیا تھا اور آپ کی زبان عربی تھی۔

کشتی میں شیطان کا داخلہ

یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت نوحؑ نے کشتی میں چھوٹی چھوٹی کولیا اور سب سے آخر میں گدھے کو۔ گدھا داخل ہونے لگا اور اس کا سینہ اندر آ گیا تو ابلیس اس کی دم سے لنگ گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اٹھ نہ سکیں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا ارے اندر آ جا، گدھا اٹھا مگر اٹھ نہ سکا۔ حضرت نے فرمایا ارے اندر آ جا خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو۔ یہ لفظ بیساختگی میں آپ کی زبان سے نکل گیا۔ ان الفاظ کو سنتے ہی شیطان نے گدھے کا راستہ چھوڑ دیا۔ گدھا اندر آ گیا اور شیطان بھی اس کے ساتھ ہی داخل ہو گیا۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا دشمن خدا تجھے کس نے داخل کیا۔ شیطان نے کہا آپ نے (گدھے سے) نہیں فرمایا تھا کہ اندر آ جا خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا دشمن خدا نکل جا۔ شیطان نے کہا اب تو مجھے اپنے ساتھ سوار کرنے کے بغیر آپ کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے شیطان کشتی کی پشت پر تھا۔

سانپ اور بچھو

بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ سانپ اور بچھو حضرت نوحؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمیں بھی چڑھائیجئے۔ حضرت نے فرمایا تم ضرر رساں اور سبب مصیبت ہو، میں تم کو نہیں چڑھاؤں گا، کہنے لگے آپ ہمیں چڑھائیجئے ہم ذمہ دار ہیں کہ جو بھی آپ کا ذکر کرے گا ہم اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ جس نے سانپ بچھو کے ضرر کے خوف سے سلمہ علی نوحؑ فی العلمین پڑھا اس کو سانپ اور بچھو نے کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔

کشتی میں تمام جانور نہیں تھے

حسن کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ نے کشتی میں صرف ان جانوروں کو

ہے وہ خواہ پیٹرول سے حاصل کی جائے یا ہوا اور پانی کے ٹکراؤ سے برقی صورت میں حاصل کی جائے، بہر حال سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان میں سے انسان نے کس چیز کو پیدا کیا ہے، پیٹرول اس نے پیدا کیا ہوا، پانی اس نے بنایا، ان میں آکسیجن، ہائیڈروجن کی طاقتیں اس نے پیدا کیں؟ انسان کی غفلت

اگر انسان ذرا بھی عقل سے کام لے تو اس کو سائنس کی عجوبہ کاری اور عروج کے اس زمانہ میں بھی اپنی بے بسی اور عاجزی ہی کا مشاہدہ ہوگا، اور اس اقرار کے بغیر نہ رہ سکے گا کہ ہر سواری کا چلنا اور رکنا سب خالق کائنات حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

غافل انسان اپنے ظاہری جوڑ توڑ کے تصرفات جن کا دوسرا نام سائنسی ایجادات ہے ان پر فخر و غرور کے نشہ میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ اصل حقیقت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس غفلت کا پردہ چاک کرتے ہیں اور بِسْمِ اللّٰهِ حَجَّرَہَا وَمُرْسَہَا کی اصل حقیقت سامنے کر دیتے ہیں، دیکھنے میں تو یہ ایک دو لفظی فقرہ ہے مگر غور کیجئے تو یہ کلید اور کنجی ہے ایک ایسے دروازہ کی جہاں سے انسان اس مادہ دنیا میں رہتے ہوئے روحانی عالم کا باشندہ بن جاتا ہے، اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں جمال حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

یہیں سے مومن کی دنیا اور کافر کی دنیا میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے، سواری پر دونوں سوار ہوتے ہیں لیکن مومن کا قدم جو سواری پر آتا ہے وہ اس کو صرف زمین کی مسافت قطع نہیں کراتا، بلکہ عالم بالا سے بھی روشناس کرا دیتا ہے۔ (معارف القرآن)

وہی تجری بہم فی موجِ کالجبالِ

اور وہ لئے جا رہی تھی ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ

وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي

اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا

مَعَزِلٍ يُبْنَىٰ اَزْكَبَ مَعَنَا

کنارے اے بیٹے سوار ہو جا ساتھ ہمارے

وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۶﴾

اور مت رہ ساتھ کافروں کے ☆

ابن عباس فرماتے ہیں کل اسی آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہتر ۲۷ شخص تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ اِذْ كَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ حَجَّرَہَا وَ

اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور

مُرْسَہَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۶﴾

نہرنا تحقیق میرا رب بے بخشے والا مہربان ☆

کشتی پر سوار ہونے کا ادب

نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میرا پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا اور ان پر بے حد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اتارے گا۔ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کشتی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ”بسم اللہ“ کہنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب ارادہ کیا کہ کشتی روانہ ہو جائے تو بسم اللہ کہا کشتی چل دی اور جب کشتی کو ٹھہرانا چاہا تو بسم اللہ کہا کشتی ٹھہر گئی۔ (تفسیر مظہری)

ہر سواری کا چلنا، ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے

انسان اگر ذرا بھی غور سے کام لے تو اسے معلوم ہوگا کہ کشتی ہویا خشکی پر چلنے والی کوئی سواری، نہ اس کا پیدا کرنا بنانا اس کی قدرت میں ہے نہ چلانا اور ٹھہرنا اس کے بس کا ہے، انسان اپنی سطحی اور سرسری نظر کی بناء پر سمجھتا ہے کہ میں نے اس کو بنایا اور چلایا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس نے وہ لوہا، لکڑی، پیتل، المونیم وغیرہ پیدا کئے ہیں جو ان تمام سواریوں کا خام مادہ ہے اور نہ اس کے بس میں ہے کہ ایک تولہ لوہا یا ایک فٹ لکڑی پیدا کر سکے، پھر ان خام اجناس (میٹریل) سے طرح طرح کے کل پرزے بنانے کی عقل و فہم کس نے دی؟ کیا یہ عقل و فہم انسان نے خود پیدا کر لی ہے؟ اگر خود پیدا کر لینا انسان کے بس میں ہوتا تو دنیا میں کوئی بے وقوف کم عقل نہ رہتا، ہر شخص افلاطون و ارسطو ہی بن کر رہتا، کہیں کی لکڑی، کہیں کا لوہا، کہیں کے آلات و اوزار استعمال کر کے سواری کا ڈھانچہ بھی بن گیا، اب اس منوں اور منوں کے بھاری بوجھ کو لے کر زمین پر دوڑنے یا ہوا پر اڑنے کے لئے جس طاقت (پاور) کی ضرورت

ہے۔ پہاڑ کی کیا حقیقت کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی ہاں خدا ہی کسی پر رحم کرے تو بچ سکتا ہے مگر اس ہنگامہ دار و گیر اور مقام انتقام میں کٹر مجرموں پر رحم کیسا؟ باپ بیٹے کی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لئے دونوں کو جدا کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

ڈوبنے سے بچنے کی دُعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے لئے ڈوبنے سے بچاؤ ان کے اس قول میں ہے کہ سوار ہوتے ہوئے کہہ لیں، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ فَجَرَّبَهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ اس دعا کے آخر میں خدا کا وصف غفور رحیم اس لئے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلہ میں مؤمنوں پر رحمت و شفقت کا اظہار ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور

لِسَّمَاءٍ اَقْلَعِي وَغِيضِ الْمَاءِ وَ

اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور

فُضِيَ الْاَمْرُ وَاُسْتُوتُ عَلَيَّ

ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری

الْجُودِيَّ وَقِيلَ بَعْدَ اللِّقَوْمِ

جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم

الظَّالِمِيْنَ ﴿٤١﴾

ظالم ☆

زمین و آسمان کو تھم جانے کا حکم ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دُعا کی تھی، ”رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دِيّٰرًا“ (نوح، رکوع ۲۴) اس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا کہ تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اس کے امتثال حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی

حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو دعوت دی یعنی کشتی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پھاڑتی بے خوف و خطر چلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے ”یام“ (کنعان) کو جو اپنے باپ بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کافروں کی صحبت میں تھا، آواز دی کہ ان بد بخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تا اس مصیبت عظمیٰ سے نجات پاسکے۔ (تنبیہ) یا تو نوح علیہ السلام اسے مومن خیال کرتے تھے، اس لئے آواز دی خواہ واقع میں مومن نہ ہو یا کافر جانتے ہو مگر یہ توقع ہوگی کہ ان ہولناک نشانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائے گا۔ یا ”واہلک“ کے عموم میں داخل سمجھ کر شفقت پداری کے جوش میں سے ایسا کیا ہو، اور ”الْاٰمِنُ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ“ کو مجمل ہونے کی وجہ سے اس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم

قَالَ سَاوِيْ اِلَى جَبَلٍ يَّعَصِمُنِيْ

بولا جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچالے گا مجھ کو

مِنَ الْمَآءِ

پانی سے ☆

بیٹے کی نادانی

وہ اپنے جہل و غباوت سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بچا لیتا ہے، میں بھی کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ

کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے

اللّٰهِ الْاٰمِنُ رَّحِمٌ وَّحَالٌ بَيْنَهُمَا

حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل ہوگی دونوں میں

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْبٰغْرِ قِيْنَ ﴿٤٢﴾

موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں ☆

کوئی پہاڑ عذاب سے نہیں بچا سکتا

یعنی کس خبط میں پڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الہی کا طوفان

”جودی“ پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا۔ ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت کے غار میں پڑے رہو۔

طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص علاقوں میں

(تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ ”طوفان نوح“ تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ ”دائرة المعارف“ میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں، ان میں اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ”سام“، ”حام“، ”یافث“ کی اولاد ہیں۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبٰقِيْنَ ”طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، ان کا اہلاک بطور تعذیب نہ تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ان پر موت وارد کرتا ہے اور وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں ان کی موت اس ذریعہ سے واقع ہوئی آخرا ب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں ان میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوح کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل اقوال کا اعتبار نہیں۔ اور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی، مگر اس وقت ان کی قوم اور ان کی امت ہی کل اہل زمین اور اہل جہاں کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہاں اور ساری دنیا تھی۔ موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی ان کی امت تھی۔ اس طرح تمام اہل زمین حضرت نوح کی قوم تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا۔ غرض کہ تمام زمین کی چیزیں غرق ہو گئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سر نو آباد ہوئی۔ آج کل کے مدعیان تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اسی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا ہے، ان نادانوں کو یہ خبر نہیں کہ یہ ساری دنیا صرف حضرت آدم اور حوا سے

آباد ہوئی ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے عظیم انقلاب کا دنیا کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ میں جن واقعات کا ذکر ہے، وہ نہایت قلیل ہے۔ اور جو واقعات پیش آئے وہ لاکھوں اور کروڑوں ہیں جن کے ذکر سے تاریخ خالی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اور تمام اہل زمین کے لئے تھی۔ تو جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام اہل زمین کے لئے ہر زمانہ میں ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام سب اہل زمین کے لئے صرف ان کے زمانہ تک محدود تھی۔ بعد میں باقی نہ رہی اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت اور دعوت تمام اہل زمین کے لئے ہے۔ ہر زمان میں ہر مکان میں اور اسی طرح تا قیامت باقی رہے گی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۷۲ جلد ۴)

الغرض جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ طوفان عام اور عالمگیر تھا سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفس اس جائزہ عذاب سے جانبر نہیں ہوا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گویندہ بود چوں حافظ و چوں اصمعی،
در کلام ایزد بے چون کہ وحی منزل است
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی،

(معارف کاندھلوی)

کو اور کبوتر

بنغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت نوح نے زمین کی خبر لانے کے لئے کوئے کو بھیجا وہ کسی مردار پر جا پڑا اور لوٹ کر نہیں آیا۔ تو آپ نے کبوتر کو بھیجا، کبوتر واپس آیا تو اس کی چونچ میں زیتوں کا ایک پتہ تھا اور پاؤں کیچڑ میں آلودہ تھے، یہ حالت دیکھ کر حضرت نوح سمجھ گئے کہ پانی خشک ہو گیا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے کوئے کو بددعا دی کہ (ہمیشہ) ڈرتا رہے۔ اسی بددعا کا اثر ہے کہ کو اگھروں میں نہیں رہتا۔ اور کبوتر کی گردن میں ایک سبز کٹھا ڈال دیا اور اس کو امن کی دعا دی، اس لئے وہ گھروں میں رہنے کا عادی ہے۔

کشتی کہاں ٹھہری

چوتھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ زمین و آسمان نے احکام کی تعمیل کی تو طوفان کا قصہ ختم ہو گیا، اور سفینہ نوح علیہ السلام جودی پہاڑ پر ٹھہر گیا، اور ظالموں کو ہمیشہ کے لئے رحمت سے دور کہہ دیا گیا۔

کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہو گئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں جو دی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں طور پہاڑ کو ہی جو دی بھی کہتے ہیں۔ زر بن حبیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی آدمی تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ کشتی میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جو دی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں وہ ٹھہر گئی۔

خشکی کی خبر

حضرت نوح علیہ السلام نے کوئے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے، وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور پنچوں میں مٹی لے کر واپس آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپ جو دی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بناء ڈال دی جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک دن صبح کو جب لوگ جاگے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔

زبانوں کا بدلنا

اسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہتر عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو پڑا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرادیں۔ آپ ان سے کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق و مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی۔ پھر جو دی پر ٹھہر گئی۔ حضرت قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے۔ پانچ ماہ تک اسی میں رہے۔ انہیں لے کر کشتی جو دی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریر میں ہے، انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا۔ واللہ اعلم۔

جو دی پہاڑ آج بھی اس نام سے قائم ہے اس کا محل وقوع حضرت نوح علیہ السلام کے وطن اصلی عراق، موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیا کی سرحد پر ہے، یہ ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس کے ایک حصہ کا نام جو دی ہے، اسی کے ایک حصہ کو اراراط کہا جاتا ہے، موجودہ تورات میں کشتی ٹھہرنے کا مقام کوہ اراراط کو بتلایا ہے، ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تضاد نہیں، مگر مشہور قدیم تاریخوں میں بھی یہی ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی جو دی پہاڑ پر آ کر ٹھہری تھی، قدیم تاریخوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ عراق کے بہت سے مقامات میں اس کشتی کے ٹکرے اب تک موجود ہیں جن کو تبرک کے طور پر رکھا اور استعمال کیا جاتا ہے۔

کشتی کتنی مدت چلتی رہی

تفسیر طبری اور بغوی میں ہے کہ نوح علیہ السلام ۱۰ ماہ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، چھ مہینہ تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، جب بیت اللہ شریف کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کو بلند کر کے غرق سے بچا لیا تھا۔ پھر ۱۰ محرم یوم عاشوراء میں طوفان ختم ہو کر کشتی جبل جو دی پر ٹھہری، حضرت نوح علیہ السلام نے اس روز شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا اور کشتی میں جتنے آدمی ساتھ تھے سب کو روزہ رکھنے کا حکم دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ کشتی کے شریک سب جانوروں نے بھی اس دن روزہ رکھا، (مظہری و قرطبی) (معارف القرآن)

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابوالشیخ نے بیان کیا کہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ دس رجب کو کشتی سب کو لے کر اٹھی اور ایک سو پچاس روز پانی میں رہی۔ پھر دس محرم کو جو دی پر ٹھہری اور لوگ زمین پر اترے۔ ابن عساکر نے خالد زیات کی روایت سے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ عاشورہ کے دن کشتی ٹھہری۔ حضرت نوح نے اپنے ساتھ والے جن و انس سے فرمایا آج روزہ رکھو۔ بغوی نے بھی لکھا ہے کہ نوح ۱۰ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے اور چھ مہینہ تک کشتی چلتی رہی اور بیت اللہ (کعبہ) کی طرف سے گذری تو اس کے گرداگرد سات چکر لگائے۔ کعبے کو اللہ نے اوپر اٹھا دیا تھا۔ اس کی جگہ (ڈوبنے سے) باقی رہ گئی تھی۔ ۱۰ محرم کو کشتی سے اترے۔ حضرت نوح نے شکرانہ کا روزہ خود بھی رکھا اور ساتھ والوں کو بھی حکم دیا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے۔ اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لئے ثابت و سالم رکھی رہی یہاں تک

عاشوراء کا روزہ

مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کو عاشورے کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھ کر ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تھا۔ اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر خدا کا روزہ اس دن رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا پھر موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزے سے ہو، وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔

ماں اور اس کے بچے کا غرق ہونا

تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے رہے۔ آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا رہا اور بڑا ہوتا رہا۔ پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے۔ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی میں ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا تھائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی، دو تھائی تک پہنچی جب وہاں بھی پانی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا۔ جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھالیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا، اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے

غریب ہے۔ کعب احبار اور مجاہد بن جبر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہر چیز میں عقل و شعور ہے

قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اس پر شاہد ہیں جیسے وان من شیء الا یسبح بحمدہ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح نہ پڑھتی ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس کی معرفت پر موقوف ہے اور معرفت عقل و شعور پر، اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں عقل و شعور اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق موجود ہے اسی عقل و شعور سے وہ اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور جس کام پر اس کو اس کے پیدا کرنے والے نے لگا دیا ہے اس کام کو ہر چیز خوب سمجھتی ہے اور اس کی ادائیگی میں بڑی مضبوطی سے لگی ہوئی ہے، آیت قرآن اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدیٰ کا یہی مطلب ہے، اس لئے اس آیت میں اگر آسمان و زمین کے خطاب کو حقیقی معنی میں خطاب قرار دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بقول روئی خاک و باد و آب و آتش زندہ اند مکن و تو مردہ با حق زندہ اند

وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب

إِنِّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ

میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ

الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكِيمِينَ ﴿۵۰﴾

سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ

فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں

إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا

اس کے کام ہیں خراب سو

تَسْأَلُنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں

إِنِّي أَعْطُكُمُ الْغُلَامَ مِنَ الْيَتَامَىٰ

میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں سے

کی تعین نہیں کر سکے۔ بناء علیہ شفقت پدری کے جوش میں عرض کیا کہ الہ العالمین! میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا ہے۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا ہی مقدمہ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ غلط ہے جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں۔ کیونکہ اس کے کروت بہت خراب ہیں۔ نیز ”الا من سبق علیہ القول“ کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت ایسے مجاہدہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لئے زیبا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت

حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ فَیَا نَتَهَمٰ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی، پھر آپ نے آیت اِنَّهَا عَلِمْلٌ غَیْرُ صَالِحٍ پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے جب حضرت نوحؑ کے لڑکے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ خدا سچا ہے۔ اس نے اسے حضرت نوحؑ کا لڑکا فرما دیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوحؑ کا ثابت المنسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو خدا فرماتا ہے وَنَادٰی نُوْحٌ اِبْنٰتَہٗ اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے بھی زنا کاری نہیں کی۔ ایسا ہی حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریرؓ کا پسندیدہ ہے اور نبی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد و حسن نے کہا یہ لڑکا حضرت نوحؑ کا نہ تھا حرامی تھا۔ امام ابو جعفر باقر رحمہ اللہ نے فرمایا وہ حضرت نوحؑ کی بیوی کا بیٹا تھا حضرت نوحؑ کا بیٹا نہ تھا، اسی لئے آپ نے من اہلی (یعنی میری بیوی کا) کہا تھا، ”منی“ (میرا) نہیں کہا۔ (تفسیر مظہری)

کافر اور ظالم کے لئے دعاء جائز نہیں

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعاء کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دعاء کرنے والا پہلے یہ معلوم کر لے کہ جس کام کی دعاء کر رہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں، مشتبہ حالت میں دعاء کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، تفسیر روح المعانی میں بحوالہ قاضی بیضاوی نقل کیا ہے کہ جب اس آیت سے مشتبہ الحال کے لئے دعاء کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی تو جس معاملہ کا ناجائز و حرام ہونا معلوم ہو اس کے لئے دعاء کا نا

حضرت نوحؑ کی درخواست اور اس کا جواب

نوح علیہ السلام نے یہ کس وقت عرض کیا، کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد، دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اس کی منافقانہ اوضاع و اطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مومن سمجھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں یہ گزارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن سمجھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطراری کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اس کے بچاؤ کا انتظام کرنا تھا۔ اور اگر غرقابی کے بعد گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا خلیجان یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوند! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اس کی غرقابی کا راز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ خلافی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ خلافی پر مجبور کر دے، نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ آپ کے حکم ناطق کے متعلق کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ فقط قلبی اطمینان کے لئے بطریق استعلام و استفسار اس واقعہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا یہ ان گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا۔ بلکہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کے عمل خراب ہیں۔ تم کو اس کے کفر و شرک کی خبر نہیں۔ مقام تعجب ہے کہ پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں صریح آثار کفر کے باوجود ایک کافر کا حال مشتبہ رہے۔ جس شخص کا واقعی حال تمہیں معلوم نہیں اس کے بارہ میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقررین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ نوح علیہ السلام کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شاید اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ ”انجاء“ کے ذکر میں ”اہل“ کو چونکہ عام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا۔ اس سے نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور ”اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ“ مجمل تھا۔ اس لئے اس کے مصداق

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”آدمی وہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو۔ لیکن مرضی معلوم ہونی چاہئے یہ کام جاہل کا ہے کہ بڑے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے، پھر پوچھے۔ مرضی کیوں نہ تھی؟“ اسے ہم فائدہ گزشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَا تَعْفُرُنِي وَتَرْحَمْنِي اَكُنْ مِّنْ

اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٧﴾

نقصان والوں میں ☆

توبہ کا ادب

حضرت نوحؑ کا نپ اٹھے اور توبہ کی، لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کرونگا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندہ کو کیا مقدور ہے۔ چاہئے اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو اور دل میں عزم نہ کرنے کا رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام وغیرہ کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں یہی ادب ملحوظ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قِيلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ

حکم ہوا اے نوح از سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے

عَلَيْكَ وَعَلَىٰ اٰمِمٍ مِّنْ مَّعَكَ وَاٰمُرًا

تجھ پر اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے فرتے ہیں

لَسَمِعْتَهُمْ نَمُوْنًا مِّنْ مَّا عَذَابِ الْاٰلِمِ ﴿٤٨﴾

کہ ہم فائدہ دیں گے ان کو پھر پیچھے گا ان کو ہماری طرف سے عذاب دردناک ☆

حضرت نوحؑ کو اترنے کا حکم اور برکت کی بشارت

یعنی کشتی سے ”جودی“ پر پھر ”جودی“ سے زمین پر اترے۔ برکتیں اور سلامتی آئندہ تم پر اور ان اقوام پر رہے گی جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اجڑ گئی ہے خدا دوبارہ آباد کرے گا اور اس کی رونق و برکت پھر عود کر آئے گی۔ ”سلامت“ کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرمادی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئیگی، مگر بعضے فرتے ہلاک ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

جائز ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل کے مشائخ میں جو یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جو شخص کسی دعاء کے لئے آیا اس کے واسطے اٹھا دیئے اور دعا کر دی حالانکہ اکثر ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے جس مقدمہ کے لئے یہ دعاء کر رہا ہے اس میں یہ خود ناحق پر ہے یا ظالم ہے، یا کسی ایسے مقصد کے لئے دعاء کر رہا ہے جو اس کے لئے حلال نہیں کوئی ایسی ملازمت اور منصب ہے جس میں یہ حرام میں مبتلا ہو گا یا کسی کی حق تلفی کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے گا۔

ایسی دعائیں حالت معلوم ہونے کی صورت میں تو حرام و ناجائز ہیں ہی، اگر حالت اشتباہ کی حالت بھی ہو تو حقیقت حال اور معاملہ کے جائز ہونے کا علم حاصل کئے بغیر دعاء کے لئے اقدام کرنا بھی مناسب نہیں۔

وطنی یا نسبی بنیاد پر قومیت کی تعمیر

دوسرا مسئلہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مؤمن اور کافر کے درمیان اگر چہ رشتہ قرابت کا ہو، مگر دینی اور اجتماعی معاملات میں اس رشتہ داری کا کوئی اثر نہیں ہوگا، کوئی شخص کتنا ہی عالی نسب ہو، کتنے ہی بڑے بزرگ کی اولاد ہو، یہاں تک کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں داخل ہونے کا شرف رکھتا ہو، اگر وہ مؤمن نہیں ہے تو دینی معاملات میں تو مدار کار ایمان اور اصلاح و تقویٰ پر ہے، جو صالح و متقی ہے وہ اپنا ہے جو ایسا نہیں وہ بیگانہ ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

اگر دینی معاملات میں بھی ان رشتہ داریوں کی رعایت ہوتی تو بدر واحد کے میدانوں میں بھائی کی تلوار بھائی پر نہ چلتی، بدر واحد اور احزاب کے معرکے تو سب کے سب ایک ہی خاندانوں کے افراد کے درمیان پیش آئے ہیں، جس نے واضح کر دیا کہ اسلامی قومیت اور برادری نسبی تعلقات یا وطنی وحدتوں پر دائر نہیں ہوتی بلکہ ایمان و عمل پر دائر ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ

بول اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ

اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ

پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو ☆

طوفان کا خاتمہ

امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمایا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا ابلنا بند ہو گیا۔ ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جواب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گیا۔ اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل توراہ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جودی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے کوئے کو پانی کی تحقیق کے لئے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا۔ آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا اپنے پاؤں رکھنے کو جگہ نہ ملی۔ آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا۔ پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا شام کو وہ واپس آیا اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لئے ہوئے تھا۔ اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح! ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

آخر کار آپ کا غلبہ ہوگا

جیسے نوح اور ان کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، گھبرا کر متکدل نہ ہوں۔ جیسے نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس صبر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالِی عَادِ اٰخَاھُمْ هُوْدًا قَالَ یَقَوْمِ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا ان کے بھائی ہود کو بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرَہٗ

بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حام نہیں سوائے اس

اِنَّ اَنْتُمْ اِلٰمُفْتَرُوْنَ ﴿۵﴾

کے تم سب جھوٹ کہتے ہو

کہ پتھر کے ”بت“ بھی با اختیار حاکم بلکہ معبود ہیں۔ سورہ ”اعراف“ میں قوم ”ہود“ کا قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

یَقَوْمِ لَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِۗۤ اَجْرًا اِنِ

اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری

اَجْرَیۤ اِلَّا عَلَی الَّذِیۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ

مزدوری اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ☆

پیغمبروں کی ایک مشترکہ صفت

یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیدا کرنے والا ہی تمام دنیوی ضروریات اور اخروی اجر و ثواب کا کفیل ہے۔ یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور موثر ہو۔ لوگ ان کی محنت کو دنیوی طمع پر محمول نہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

پھر کیا تم نہیں سمجھتے ☆

مخلص جھوٹا نہیں ہوتا

یعنی اس قدر غبی ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع نے غرض محض درد مندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح داریں کی بات کہتا ہے۔ تم اسے اور بدخواہ سمجھ کر دست دگر بیان ہوتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہَا

یہ باتیں مجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں

اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُہَا اَنْتَ وَلَا

تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ

قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ ہٰذَا

تیری قوم کو اس سے پہلے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل

یعنی یہ دلائل نبوت میں سے ہے کہ ایک امی کی زبان سے ام سابقہ کے ایسے مستند و مفصل واقعات سنوائے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶﴾

سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے۔ ڈرنے والوں کا ☆

قوم عاد کی ہٹ دھرمی

یہ ان کی کھلی ہٹ دھرمی تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے۔ خدا جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز کرے، ضرور ہے کہ اس کو تقریر کی سند اور پروانہ عطا فرمائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے نشان پیش کئے ہونگے، مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بیجائی سے یہ ہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کھلا ہوا نشان نہیں لائے (شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لائے جو سب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہر حال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ کبھی تیری رسالت پر ایمان لاسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ

اور اے قوم گناہ بخشو اور اپنے رب سے پھر

تُوبُوا إِلَيْهِ

رجوع کرو اسی کی طرف ☆

اسی سورت کے شروع میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا

چھوڑے گا تم پر آسمان سے دھاریں ☆

قوم کو استغفار کی ترغیب

یعنی موقع بہ موقع خوب بارشیں دے گا۔ وہ قوم چونکہ کھیتی، باغ لگانے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی۔ اس لئے ایمان لانے کے ظاہری فوائد و برکات وہ بیان کئے جو ان کے حق میں خصوصی طور پر موجب ترغیب ہوں۔ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساکِ باران کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہود علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ایمان لا کر خدا کی طرف رجوع ہو گے تو یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَ

اور زیادہ دے گا تم کو زور پر زور اور

لَا تَتَوَلَّوْا جُرْمِيْنَ

روگردانی نہ کرو گنہگار ہو کر ☆

یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائے گا، اولاد میں برکت دے گا، خوشحالی میں ترقی ہوگی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اضافہ کر دیا جائے گا، بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا

بولے اے یہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آیا

نَحْنُ بِتَارِكِي الْهَيْتَانِ عَنْ قَوْلِكَ

اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے گناہوں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ

اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے ☆

إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو آسب پہنچایا ہے کسی ہمارے گناہوں (معبودوں) نے بری طرح ☆

یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بیوقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو، ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو ان کی عبادت سے روکتے ہو اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنِّي أَنشَدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا

بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ

أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ

میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کے سوا

فَكَيْدٌ وَنِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونَ

سو برائی کر دیرے حق میں تم سب مل کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ

میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا

کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنے والا مگر اللہ کے ہاتھ میں ہے چوٹی اس کی

إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

پیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر ☆

بت کچھ نہیں بگاڑ سکتے

یعنی وہ بیچاری پتھر کی مورتیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکہ وتہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بینکا نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ نہ ذرا کوئی کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے مہلت دو۔

میرا بھروسہ فقط اللہ پر ہے

اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ خدائے وحدہ لا شریک لہ پر ہے جو میرا رب ہے اور وہ ہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گویا تمہاری تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا ان کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے اس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اس نے بتلائی، بیشک اسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں موجود ہے (تفسیر عثمانی)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا

پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں پہنچا چکا تم کو جو

أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي

میرے ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف اور قائم مقام کرے گا میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَ شَيْئًا

کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اللہ کا کچھ

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان ☆

میرا کوئی نقصان نہیں تم اپنی فکر کرو

یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کر لو۔ ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔ وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ

اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو لوگ ایمان

أَمْنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ

لائے تھے اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾

ان کو ایک بھاری عذاب سے ☆

قوم عاد پر آندھی کا عذاب

یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ "اعراف" میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مکان گر گئے، چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے

عَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرًا كَلًّا

اور نہ مانا اس کی رسولوں کو اور مانا حکم ان کا

جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

جو سرکش تھے مخالف ☆

وَالِی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح ☆

ان کا قصہ ”اعراف“ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ

بِوَلٰی اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا

اِلٰهٍ غَیْرِهِ هُوَ اَنْتُمْ مِّنْ اَرْضٍ

اس کے سوا اسی نے بنایا تم کو زمین سے ☆

یعنی اول آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَعْرَضْکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ

اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشاؤ اس سے اور

تُوْبُوْا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ حَسِیْبٌ ﴿۶۱﴾

رجوع کرو اس کی طرف تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا ☆

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت

یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائیں۔ تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو چاہئے آدمی اسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے ان کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل نزدیک ہے، ہر بات خود سنتا ہے اور جو توبہ و استغفار صدق دل سے کیا جائے اسے سن کر قبول کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

بولے اے صالح تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے

هٰذَا اَنْتُمْ نَحْنُ اَنْ تَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَ

کیا تم ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادا اور

اِنَّا لَفِیْ شَکِّ مِمَّا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾

ہم کو تو شبہ ہے اس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا ☆

عاد سے عبرت پکڑو

یعنی ان کے کھنڈرات کو چشمِ عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم ”عاد“ تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) ”رسلہ“ شاید اس لئے فرمایا کہ ایک کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ توحید وغیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اتَّبِعُوا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً

اور پیچھے سے آئی ان کو اس دنیا میں پھٹکار

وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اور قیامت کے دن بھی ☆

ان کو دنیا و آخرت کی لعنت ملی

یعنی خدا کی لعنت (پھٹکار) دنیا میں ان کے پیچھے لگا دی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے۔ اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو، بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ لعنت کا طوق ہمیشہ ان کے گلے میں پڑا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَا اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا

سن او عاد مکر ہوئے اپنے رب سے

بَعْدَ الْعَادِ قَوْمِ هُودٍ ﴿۶۳﴾

سن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہودی ☆

بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پکارا جائے گا، اَلَا اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا الخ (تنبیہ) ”عاد“ کے ساتھ ”قوم ہود“ کا لفظ یا تو اس لئے بڑھا دیا کہ دونوں کا تصور سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی ”ہود“ کا کیا حال تھا، اور یہ اسی کی قوم تھی جس کا حشر یہ ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ ”عاد“ دو ہیں، ”اولی“ اور ”آخری“ اسی لئے ایک جگہ فرمایا، ”وَ اِنَّکُمْ اَهْلَکُمْ عَادًا الْاُولٰٓئِی“ (الجم رکوع ۳) یہاں ”عاد اولی“ مراد ہے جس کی طرف ”ہود“ مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرائض دعوت و تبلیغ سے رک جانے کا مشورہ دے کر ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ بعض سلف نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری گفتگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو۔ مگر سیاق کے مناسب پہلے معنی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ

اور اے قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لیے نشانی

فَذُرُّوهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ

سو چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں

وَلَا تَمْسُوهُا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح پھر تو آ پکڑے گا تم کو

عَذَابٍ قَرِيبٍ ۝۱۳ فَعَقَرُوهَا

عذاب بہت جلد پھر اس کے پاؤں کاٹے

فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ

تین دن کہا فائدہ اٹھا لو اپنے گھروں میں تین

أَيَّامٍ ۝۱۴ ذَلِكُمْ وَعَدُّ غَيْرِ مَكْنُوبٍ ۝۱۵

دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹانہ ہوگا ☆

صالح علیہ السلام کا معجزہ

حضرت صالح علیہ السلام سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا۔ وہ انہیں دکھلا دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورہ "اعراف" میں آٹھویں پارہ کے ختم پر گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا

پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ

اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ اپنی رحمت

مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۝۱۶

سے اور اس دن کی رسوائی سے ☆

قوم کا جواب

یعنی تجھ سے امید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہوگا جس کو معزز بزرگوں کا جانشین سمجھ کر قوم پر بٹھائے گی۔ تیری پیشانی سے رشد و صلاح کے آثار ہویدا تھے۔ سب کو توقع تھی، کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے پہنچے گا۔ رائے و تدبیر، صلاح مشورہ سے اپنی قومی بھائیوں کی رہنمائی اور نہایت قوت قلب کے ساتھ آبائی مذہب کی حمایت و تائید کرے گا۔ یہ درست ہے کہ ابتداء سے تجھ کو بہت پرستی مغبوض تھی اور عام قومی مذہب سے الگ تھلگ رہتا تھا، تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو امید رہی کہ آگے چل کر عقل و تجربہ کی پختگی کے بعد یہ روش ندر ہے گی۔ لیکن افسوس یک بیک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تو نے ہمارے آباء و اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں۔ کیا تو چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پرانے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ "موضح القرآن" میں ہے، "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کرے گا۔ تو لگا مٹانے"۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ

بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَأَتَّبِعْتُمُوهَا رَحِمَةً

سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے مجھ کو دی رحمت

فَمِنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ

اپنی طرف سے پھر کون بچائے مجھ کو اس سے اگر اس کی نافرمانی کروں ☆

میں تمہاری وجہ سے حق کو نہیں چھوڑ سکتا

یعنی تمہارے شک و شبہ کی وجہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ خدا نے مجھ کو سمجھ دی اور اپنی رحمت عظیمہ سے منصب پینمبری عطا کیا۔ اب اگر فرض کیجئے میں اس کی نافرمانی کرنے لگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اس کی سزا سے کون بچائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَا تَزِيدُ وَنَبِيٍّ غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝۱۷

سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے ☆

تم مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہو

یعنی بجائے اس کے کہ اپنے سچے خیر خواہ اور محسن کی قدر کرتے مجھے

قوم شمود پر عذاب

یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے ”صالح“ اور ان کے ساتھیوں کو بچا دیا۔ اور کاہے سے بچا دیا؟ اس دن کی رسوائی سے، ”وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ“ ”نجینا“ کی شرح و تفصیل ہے؟ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

بیٹک تیرا رب وہی ہے زور والا زبردست ☆

یعنی جسے چاہے ہلاک کر دے اور جسے چاہے بچا دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَآخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْبَةَ

اور پکڑ لیا ان ظالموں کو ہولناک آواز نے

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثْمِينَ ﴿٦٧﴾

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

كَانَ لَمْ يَعْنُوا فِيهَا

جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں ☆

بے نام و نشان دیئے گئے

یعنی بے نام و نشان ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے فرشتہ نے چنگھاڑ ماری سب کے جگر پھٹ گئے۔ بعض آیات میں رجفتہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ”زلزلہ“ یا ”کپکپی“ سے ہلاک ہوئے۔ سورۃ اعراف میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الْآنَ شَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ

سن لو شمود منکر ہوئے اپنے رب سے

الْآنَ بَعْدَ الشُّوَدِ ﴿٦٨﴾

سن لو پھینکار ہے شمود کو ☆

منکروں کا یہی انجام ہوتا ہے

یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات و احکام سے منکر ہو اس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھینکار پڑتی ہے۔ سن کر عبرت حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ ہود کے گذشتہ مضامین کا خلاصہ

سورۃ ہود کی مذکورہ پہلی گیارہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے جن کے نام سے یہ سورت موسوم ہے، اس صورت میں نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک قرآن کریم کے خاص طرز میں سات انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات مذکور ہیں، جن میں عبرت و موعظت کے ایسے مظاہر موجود ہیں کہ جس دل میں ذرا بھی حیات اور شعور باقی ہو وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، عبرت کے علاوہ ایمان اور عمل صالح کے بہت سے اصول و فروع اور انسان کے لئے بہترین ہدایات موجود ہیں۔

قصص و واقعات تو اس میں سات پیغمبروں کے درج ہیں مگر سورت کا نام حضرت ہود علیہ السلام کے نام سے منسوب کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ان لوگوں نے ان باتوں میں سے کسی چیز پر کان نہ دھرا اور اپنی سرکشی پر قائم رہے تو خدا تعالیٰ کا عذاب ہوا کہ طوفان کی صورت میں ان پر نازل ہوا جس نے مکانات اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا، آدم اور جانور ہوا میں اڑ کر آسمانی فضاء تک جاتے اور وہاں سے اوندھے گرتے تھے آسمان کی طرف سے انسانوں کی چیخ و پکار سنائی دیتی تھی، یہاں تک کہ یہ بیمثال قوت اور ڈیل ڈول رکھنے والی قوم پوری کی پوری ہلاک و برباد ہو گئی۔

جب اس قوم پر عذاب الہی کا حکم نافذ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سنت الہیہ کے مطابق اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو اس سخت عذاب سے بچالیا کہ عذاب آنے سے پہلے ان کو اس جگہ سے نکل جانے کا حکم دیدیا گیا۔ قوم عاد کے واقعہ اور عذاب کا ذکر کرنے کے بعد دوسروں کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے وہ قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں جھٹلایا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم اور ضدی تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت یعنی رحمت سے دوری ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی اور قیامت میں بھی اسی طرح ساتھ لگی رہے گی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تھی جس میں ساری دنیا کی بھلیوں کی کڑک سے زیادہ ہیبت ناک آواز تھی جس کو انسانی قلب و دماغ برداشت نہیں کر سکا، ہیبت سے سب کے دل پھٹ گئے اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم صالح سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی ہے لیکن سورۃ اعراف میں ان کے متعلق یہ آیات ہے

فَاخَذَ تَهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے۔۔۔۔۔ اس سے

وقت مخفی رکھنا چاہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ معلوم کر سکے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام انہیں آدمی سمجھ کر مہمان نوازی کے لئے اٹھے اور نہایت فریبہ بچھڑا بھون تل کر سامنے حاضر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

تین مہمان

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ تین فرشتے، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل تھے (قرطبی) انہوں نے بشکل انسانی آکر ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور ان کو انسان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی۔

حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ انسان ہیں جنہوں نے دنیا میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی (قرطبی) ان کا معمول یہ تھا یہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے بلکہ ہر کھانے کے وقت تلاش کرتے تھے کہ کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ کھائیں۔

قرطبی نے بعض اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ ایک روز کھانے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان کی تلاش شروع کی تو ایک اجنبی آدمی ملا جب وہ کھانے پر بیٹھا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بسم اللہ کہو، اس نے کہا میں جانتا نہیں اللہ کون اور کیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دسترخوان سے اٹھا دیا، جب وہ باہر چلا گیا تو جبرئیل امین آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”ہم نے تو اس کے کفر کے باوجود ساری عمر اس کو رزق دیا اور آپ نے ایک لقمہ دینے میں بھی بخل کیا“ یہ سنتے ہی ابراہیم علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور اس کو واپس بلا یا، اس نے کہا کہ جب تک آپ اس کی وجہ نہ بتلائیں کہ پہلے کیوں مجھے نکالا تھا اور پھر کیوں بلا رہے ہیں میں اس وقت تک آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ بتلا دیا تو یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بن گیا، اس نے کہا کہ وہ رب جس نے یہ حکم بھیجا ہے بڑا کریم ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ گیا اور مومن ہو کر باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔

فرشتوں کی میزبانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عادت مہمان نوازی کے مطابق بشکل انسانی آنے والے فرشتوں کو انسان اور مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی اور فوراً ہی ایک تلا ہوا بچھڑا سامنے لا کر رکھ دیا۔

معلوم ہوتا ہے، کہ ان پر عذاب زلزلہ کا آیا تھا، قرطبی نے فرمایا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو پھر سخت آواز سے سب ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلَنَا إِبْرَاهِيمَ

اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس

بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ

خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا سلام ہے

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِئٍ ﴿۱۹﴾

پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا ☆

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط اور ان کی قوم

اس سورت کے قصص کی ترتیب ”اعراف“ کی ترتیب کے موافق ہے۔ صرف قوم لوط کے قصہ سے پہلے یہاں ابراہیم علیہ السلام کا تھوڑا سا قصہ بیان فرمایا ہے۔ مگر تعبیر ایسی رکھی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے چونکہ اس میں اور ابراہیم کے قصہ میں کئی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لئے بطور تمہید اور توطیہ ابراہیم کا قصہ مذکور ہوا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپ کے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے۔ ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی۔ حضرت ابراہیم نے قوم لوط کی ہلاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے۔ یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت ”سارہ“ کے لطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ یہ نیز یہ کہ قوم لوط کے بد معاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائے گی جس میں حضرت ابراہیم و حضرت لوط کے متبعین کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا۔ فرشتوں نے ابراہیم کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ مگر اول وہلہ میں پہچان نہ سکے۔ جیسے ابتداء حضرت لوط نے بھی ان کو نہیں پہچانا (بلکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل آدمی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کرتے رہے، جب اٹھ کر چلے گئے تب آپ کو بتلایا گیا کہ یہ جبرئیل تھے) گویا متنبہ کر دیا کہ نبی کو بھی فرشتہ وغیرہ کا علم ضروری خدا کے دینے سے ہوتا ہے۔ وہ کسی

حضرت ابراہیم کے خوف کی وجہ

دوسری آیت میں بتلایا گیا کہ آنے والے فرشتے اگرچہ بشکل انسانی آئے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت ان کو بشری خواص کھانے پینے کے بھی عطا کر دیئے جاتے مگر حکمت اسی میں تھی کہ یہ کھانا نہ کھائیں تاکہ ان کے فرشتے ہونے کا راز کھلے اس لئے شکل انسانی میں بھی ان کے ملکی خواص کو باقی رکھا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے کھانے پر ہاتھ نہ بڑھایا۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ تیر تھے ان کی نوک اس تلے ہوئے گوشت میں لگانے لگے، ان کے اس عمل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے عرف کے مطابق یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید یہ کوئی دشمن ہوں کیونکہ ان کے عرف میں کسی مہمان کا کھانے سے انکار کرنا ایسے ہی شر و فساد کی علامت ہوتا تھا، (قرطبی) فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں، اس لئے نہیں کھاتے، آپ کوئی خطرہ محسوس نہ کریں۔

سنت سلام

قال سلما قال سلام اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے سنت ہے کہ جب آپس میں ملیں تو سلام کریں، آنے والے مہمان کو اس میں پیشقدمی کرنا چاہئے اور دوسروں کو جواب دینا چاہئے۔

یہ رسم تو ہر قوم و ملت میں پائی جاتی ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسروں کو خوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولتے ہیں مگر اسلام کی تعلیم اس معاملہ میں بھی بے نظیر اور بہترین ہے کیونکہ سلام کا مسنون لفظ السلام علیکم اللہ کے نام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ذکر اللہ بھی ہے اور مخاطب کے لئے اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعاء بھی اور اپنی طرف سے اُس کی جان و مال آبرو کیلئے سلامتی کی ضمانت بھی۔

مہمان داری کے چند اصول

فَبَاكِبْثَ أَنْ جَاءَ بِعَجَلٍ حَنِينٍ یعنی نہیں ٹھہرے ابراہیم علیہ السلام مگر صرف اس قدر کہ لے آئے تلا ہوا پچھڑا۔

اس سے چند باتیں معلوم ہونیں، اول یہ کہ مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کے آتے ہی جو کچھ کھانے پینے کی چیز میسر ہو اور جلدی سے مہیا ہو سکے وہ لارکھے، پھر اگر صاحب وسعت ہے تو مزید مہمانی کا انتظام بعد میں کرے۔ (قرطبی)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مہمان کے لئے بہت زیادہ تکلفات کی فکر میں نہ پڑے، آسانی سے جو اچھی چیز میسر ہو جائے وہ مہمان کی خدمت

میں پیش کر دے، حضرت ابراہیم کے یہاں گائے بیل رہتے تھے، اس لئے پچھڑا ذبح کر کے فوری طور پر اس کا گوشت تل کر سامنے لارکھا۔ (قرطبی)

تیسرے یہ کہ آنے والوں کی مہمانی کرنا آداب اسلام اور مکارم اخلاق میں سے ہے، انبیاء و صلحاء کی عادت ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مہمانی کرنا واجب ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اس پر ہیں کہ واجب نہیں، سنت اور مستحسن ہے۔ بعض نے فرمایا کہ گاؤں والوں پر واجب ہے کہ جو شخص ان کے گاؤں میں ٹھہرے اس کی مہمانی کریں کیونکہ وہاں کھانے کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہو سکتا اور شہر میں ہوٹل وغیرہ سے اس کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اس لئے شہر والوں پر واجب نہیں۔ (معارف القرآن)

میزبان کو چاہئے کہ صرف کھانا سامنے رکھ کر فارغ نہ ہو جائے بلکہ اس پر نظر رکھے کہ مہمان کھا رہا ہے یا نہیں، جیسا ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کو محسوس کیا۔ مگر یہ نظر رکھنا اس طرح ہو کہ مہمان کے کھانے کو تکتانہ رہے، سرسری نظر سے دیکھ لے کیونکہ مہمان کے لقموں کو دیکھنا آدابِ ضیافت کے خلاف اور مدعو کے لئے باعثِ شرمندگی ہوتا ہے۔ جیسا ہشام ابن عبد الملک کے دسترخوان پر ایک روز ایک اعرابی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ اعرابی کے لقمہ میں بال تھا، امیر المومنین ہشام نے دیکھا تو بتلایا، اعرابی فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہم ایسے شخص کے پاس کھانا نہیں کھاتے جو ہمارے لقموں کو دیکھتا ہے۔

کھانے کی قیمت

امام طبری نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ اول جب فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو یہ کہا تھا کہ ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے۔ اگر آپ قیمت لے لیں تو کھائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ ہاں اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کر دو، وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو، جبریل امین نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے مستحق ہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہنا سنت ہے۔ (معارف القرآن)

فَلَبَّارًا اٰیْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ

پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر

نَكَرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً

تو کھکا اور دل میں ان سے ڈرا ☆

حضرت ابراہیمؑ کا خوف

کہ آخر یہ کون ہیں، کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس وقت کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ اگر آدمی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے۔ اور فرشتے ہیں تو نہ معلوم کس مطلب کے لئے بھیجے گئے ہیں، آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی جیسے وہیں میں زبان سے اظہار بھی کر دیا۔ ”إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ“ (حجر۔ رکوع ۴) یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیمؑ کے خوف کی یہ ہی توجیہات کی ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی۔ ”کہ فرشتوں کے ساتھ جو عذاب الہی تھا اور شان غضب و انتقام کے مظہر بن کر قوم لوط کی طرف جارہے تھے کہ اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ایک طرح کے خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہوئی، جس کا اظہار انہوں نے ”إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ“ کہہ کر کیا۔ یعنی ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ واللہ اعلم

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۖ

وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی ☆

فرشتوں کا تسلی دینا

یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں جو ”قوم لوط“ کو تباہ کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرور کا نہ کیجئے۔ (تفسیر عثمانی) صحیح ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ ملائکہ ہیں کیونکہ انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے (مگر آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اللہ کو میری کوئی حرکت پسند نہ آئی ہو اور فرشتے کوئی مصیبت ڈالنے کے لئے بھیجے گئے ہوں یا ان کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ اور حضرت سارہ کو تمنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو۔ لیکن کبر سنی کی وجہ سے نا

امید ہو چکی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لئے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزی صفحہ ۱۲۷ ج ۴)

وَأَمْرَاتِهِ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا

اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی

بِاسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ اسْحَاقَ يَعْقُوبُ ۖ

اس کو اسحاق کے پیدا ہونے کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی ☆

حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری

یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گزاری یا اور کسی کام کے لئے وہاں کھڑی تھیں اس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ (اسحاق علیہ السلام) اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب علیہ السلام عطا ہوگا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے۔ یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا (اسماعیل علیہ السلام) حضرت ہاجرہ کے لطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھی۔ اس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے حضرت سارہ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں مگر ظاہر وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ علماء نے ”وَمِنْ وَرَاءِ اسْحَاقَ يَعْقُوبُ“ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحاقؑ ”ذبح“ نہ تھے۔ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ (راجع ابن کثیر) (تفسیر عثمانی)

حضرت سارہ کی ہنسی کی وجہ

ساری نے کہا ہنسی کا سبب تعجب تھا، حضرت ابراہیمؑ نے کھانا پیش کیا۔ مہمانوں نے نہیں کھایا۔ ابراہیمؑ کو ان کی طرف سے خوف ہوا۔ خیال کیا کہیں یہ چور نہ ہوں، پوچھا کیوں نہیں کھاتے۔ مہمانوں نے کہا ہم بغیر قیمت (ادا کئے) نہیں کھاتے۔ ابراہیمؑ نے کہا تو اس کی قیمت دے دو۔ مہمانوں نے پوچھا قیمت کیا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا اور کھانے کے بعد الحمد للہ کہنا۔ یہ جواب سن کر جبرائیلؑ نے میکائیلؑ کی طرف دیکھا اور کہا اس شخص کو حق ہے کہ اللہ اس کو اپنا خلیل بنالے۔ اس کے بعد بھی حضرت ابراہیمؑ اور سارہ نے مہمانوں

فرشتوں نے کہا تعجب کی ضرورت نہیں

یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا ان کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ انہیں لائق ہے کہ بشارت سن کر تعجب کی جگہ خدا کی تمہید و تمجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ (تنبیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ازواج اہل بیت میں شامل ہیں

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل نہ تھیں آیت میں شیعہ کے اس قول کی تردید ہے، حضرت سارہ کو اہلیت کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے (لغت کے الفاظ سے اہل خانہ تو بیویاں ہی حقیقت میں ہوتی ہیں، دوسرے لوگوں کو تو تبعاً اہل بیت کہا جاتا ہے۔) (تفسیر مظہری)

یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہٴ رجل بھی اس کے اہل بیت میں سے ہے اس لئے کہ:

أَمْرُ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ
 خطاب حضرت سارہ کو ہے جو حضرت ابراہیم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد

اللَّهُ لِيُدْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا
 کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لئے کہ اوپر سے تمام سلسلہ کلام نساء نبی کریم یعنی ازواج مطہرات کے بارے میں چلا آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقتضائے شفقت دیگر اہل خانہ کو بھی کسب اڑھا کر اس دعا میں شامل فرمایا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لئے جمع مذکر کا صیغہ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ واحد مونث کے لئے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں یہی خطاب جمع مذکر کے صیغہ جمع مونث کے لئے بطور تعظیم و تکریم استعمال کئے گئے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور ملتبس ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھے تو سارہ تعجب سے ہنس دیں۔ اور بطور تعجب کہا ہم ان مہمانوں کی خدمت کر رہے ہیں ان کے اعزاز میں کھانا پیش کر رہے ہیں، تعجب ہے کہ یہ نہیں کھاتے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يَوَيْلَتِي ۖ أَلِدُ وَأَنَا

بولی اے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی اور میں

عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا

بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا ☆

حضرت سارہ کا تعجب

یہاں ”یویلتی“ کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں ”نگوڑی“ کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی۔ حضرت سارہ کی عمر کہتے ہیں اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔ (تفسیر عثمانی)

☆ یویلتی کلمہ تعجب ہے اصل لغت میں یہ کلمہ نوحہ ہے (جو کسی کے مرنے پر کہا جاتا ہے) پھر ہر مصیبت اور قابل تعجب چیز میں اس کا استعمال کیا جانے لگا۔ حضرت ابراہیم کی بیوی کی عمر اس وقت بقول ابن اسحاق ۹۰ سال اور بقول مجاہد ۹۹ سال تھی۔

بعل شوہر، اصل میں کسی کام کے منتظم کو بعل کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت بقول ابن اسحاق ۱۲۰ برس اور بقول مجاہد ۱۰۰ سال تھی، اور بشارت سے ایک سال بعد بچہ پیدا ہو گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۗ

یہ تو ایک عجیب بات ہے ☆

یعنی ایسا ہوتا بالکل انوکھی اور عجیب و غریب بات ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ

وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے

رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ

اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر

أَهْلَ الْبَيْتِ ۗ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۗ

اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا ☆

سے جھگڑا کیا اس کی وجہ آپ کے یہ تین اوصاف تھے، آپ کا دل نرم تھا، آپ کے دل میں بڑا جذبہ رحم تھا۔ آپ مجرم سے انتقام لینے میں عجلت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَبَّأْ جَاءَتْ رُسُلَنَا لُوطًا سَيِّئًا

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس غمگین ہوان کے

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ

آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا

هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾

☆ آج دن بڑا سخت ہے ☆

حضرت لوط کے پاس فرشتوں کی آمد

فرشتے نہایت حسین و جمیل بے ریش و بروت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداء حضرت لوط نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں۔ معمولی مہمان سمجھے۔ ادھر اس قوم کی بے حیائی اور خوئے بد معلوم تھی۔ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے۔ کہ یہ بد معاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار ہو گیا، گویا ساری قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ط وَمِنْ

اور آئی اس کے پاس قوم اس کی دوڑتی بے اختیار اور

قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ط

☆ آگے سے کر رہے تھے برے کام ☆

قوم والوں کا بھاگ کر آنا

یعنی اس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت پڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی، وہ ایسے خوبصورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بے حیائی کے ساتھ لوط علیہ السلام کے مکان پر اندھا دھند چڑھ دوڑے اور پوری قوت و شدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان ان کے حوالے کر دیئے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمانوں کو ہم پر چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَبَّأْ ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَ

پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر

جَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ

اور آئی اس کو خوشخبری جھگڑنے کا ہم سے قوم

لُوطٍ ﴿۷۸﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ

لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے

مُنِيبٌ ﴿۷۹﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا

رجوع رہنے والا اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال

إِنَّكَ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ

وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر

أَتَيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۸۰﴾

☆ آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا ☆

حضرت ابراہیم کی شفقت بھری کوشش

یعنی ادھر سے مطمئن ہوئے تو فوراً قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورہ ”عنکبوت“ میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیم کو مطلع کیا کہ ہم ان بستیوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔ ابراہیم بولے کہ ان میں تو خود لوط علیہ السلام موجود ہیں۔ (پھر ایک پیغمبر کے ان میں موجود ہوتے ہوئے کیسے ہلاک کئے جاسکتے ہیں؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ لوط اور اس کے متعلقین کو وہاں سے علیحدہ کر کے عذاب نازل کیا جائے گا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفصیل بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہر حال اسی بحث کو مبالغہ لفظ ”یجادلنا“ سے تعبیر فرمایا۔ جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحمدلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے اسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑیے ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب خدا کا حکم واپس نہیں ہو سکتا۔ عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعاء وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم نے قوم لوط کو ہلاک نہ کرنے کے متعلق جو ملائکہ

ایسے حیا دار کا ہے کو تھے؟ کان پر جوں بھی نہ رہیں گی۔ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا لَنَا بِئِي

بولے تو تو جانتا ہے ہم کو

بَنَاتِكَ مِنْ حَقِّ وَائْتِكَ

تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھ کو تو

لَتَعْلَمَنَّ مَا نُرِيدُ ﴿۷۹﴾

معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں ☆

پھر اتنی حجت و تکرار کیوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کرنے بدون نہ نہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَوْ أَنِّي لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ

کہنے لگا کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا

أَوْ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۸۰﴾

جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں ☆

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی

لوط علیہ السلام کی زبان سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ کاش مجھ میں بذات خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا۔ یعنی میرا کنبہ اور جتھا یہاں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یرحمہ اللہ لوطاً لقد کان یاوی الی رکن شدید“ خدا لوط پر رحم فرمایا، بیشک وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔ یعنی خداوند قدوس کی۔ مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے حد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ گیا۔ بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوط کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ میرے بھائی لوط پر رحم فرمائے وہ رکن شدید کی پناہ لینے کے خواستگار ہوئے تھے۔ دوسری

قَالَ يَقَوْمِ هَلْؤَلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ

بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں

أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا

یہ پاک ہیں تم کو ان سے سو ذرو تم اللہ سے اور مت

تُخْزُونَ فِي ضَيْفِي ط الْكَيْسِ

رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا

مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿۷۸﴾

تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن ☆

مہمانوں کی آبرو بچانے کی کوشش

حضرت لوط نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر ان سے بطریق حلال تمتع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائستہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو کم از کم میری ہی رعایت کرو کہ میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے۔ کیا تم میں ایک شخص بھی نہیں جو سیدھی سیدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے (تنبیہ) ”هَلْؤَلَاءِ بَنَاتِي“ سے مراد عام طور پر اس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوزاً ”بیٹیاں“ کہا گیا ہے۔ کیونکہ پیغمبر امت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے، ویسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بوڑھے سب کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید ان میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لئے پیش کی ہوگی اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بلکہ ان کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی دھن میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ ان میں غیرت و حیا کا کچھ شائبہ اور آدمیت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو تو یہ لفظ سن کر جھینپ جائیں۔ اور نرمی اختیار کر لیں، مگر وہ

تفاسیر میں ہے کہ وہ شریر لوگ دروازہ توڑ کر یا دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے، تب جبریل علیہ السلام نے خدا سے اجازت لے کر لوط علیہ السلام کو علیحدہ بٹھا دیا اور ایک ذرا بازوان ملعونوں کی طرف ہلایا۔ جو سب کے سب نیٹ اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھاگو! لوط کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب قوم والے اندھے ہو کر بھاگنے لگے

انہوں نے کہا لوط ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں ان لوگوں کی دسترس آپ تک ہرگز نہیں ہو سکے گی دروازہ کھول دیجئے اور ہم کو ان سے نبٹنے دیجئے حضرت لوط نے دروازہ کھول دیا، وہ لوگ اندر گھس آئے جبریل نے اپنے رب سے عذاب نازل کرنے کی اجازت طلب کی اجازت مل گئی تو انہوں نے اپنی وہی صورت اختیار کر لی۔ جو ان کی (عموماً اور معمولاً) ہوتی ہے پر پھیلا دیئے موتیوں کا ہار پہنے چمکدار دانت جھلکتی پیشانی، سر کے بال گھنگریالے برف کی طرح سفید اور دونوں پاؤں مائل بہ سنہری (یہ شکل تھی حضرت جبریل کی) پھر جبریل نے اپنا ایک پر ان لوگوں کے منہ پر مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں پٹ ناپینا ہو گئیں، گھروں کا راستہ بھی بھائی نہیں دیتا فوراً یہ کہتے ہوئے پلٹ پڑے بھاگو بھاگو لوط کے گھر میں روئے زمین کے سب سے بڑے جادوگر آئے ہیں جنہوں نے ہم پر جادو کر دیا پھر حضرت لوط سے کہنے لگے ذرا ٹھہرو صبح ہونے دوکل صبح ہم تم سے سمجھیں گے صبح کو تم کو پتہ چل جائے گا۔ لوط نے فرشتوں سے قوم والوں کے ہلاک ہونے کی میعاد دریافت کی، فرشتوں نے کہا صبح کو۔ لوط نے کہا میں اس سے بھی جلد چاہتا ہوں۔ ابھی ان کو ہلاک کر دو تو بہتر ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا صبح قریب نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا

سوئے نکل اپنے لوگوں کو کچھ رات سے اور

يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتِكَ

مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر عورت تیری کہ

إِنَّهُ مُصِيبُهُمَا مَا أَصَابَهُمْ

اس کو پہنچ کر رہے گا جو ان کو پہنچے گا ☆

روایت میں رحم فرمائے کی جگہ معاف فرمایا کا لفظ آیا ہے۔ (مظہری)

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرماویں وہ کسی مضبوط جماعت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اور ترمذی میں اس کے ساتھ یہ جملہ بھی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کا کنبہ قبیلہ اس کا حمایتی نہ ہو (قرطبی) خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار قریش نے ہزار طرح کی تدبیریں کیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے خاندان نے آپ کی حمایت کی، اگرچہ مذہب میں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق نہ تھے، اسی وجہ سے پورے بنی ہاشم اس مقاطعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے جس میں کفار قریش نے ان پر دانا پانی بند کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ اس واقعہ میں جب قوم لوط ان کے گھر پر چڑھ آئی تو لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا اور یہ گفتگو اس شری قوم سے پس پردہ ہو رہی تھی فرشتے بھی مکان کے اندر تھے، ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر گھسنے کا اور دروازہ توڑنے کا ارادہ کیا اس پر حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات آئے، جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کا یہ اضطراب دیکھا تو حقیقت کھول دی اور کہہ دیا کہ آپ دروازہ کھول دیں، اب ہم ان کو عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں، دروازہ کھولا تو جبریل امین نے اپنے پر کا اشارہ ان کی آنکھوں کی طرف کیا جس سے سب اندھے ہو گئے اور بھاگنے لگے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے

لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ

ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک ☆

فرشتوں نے حقیقت ظاہر کر دی

جب لوط علیہ السلام کے اضطراب و قلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان کو تباہ و ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا باڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔

مومنین کو بچا کر لے جانا

یعنی صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ تھوڑی رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جائیے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ جلدی کریں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، ہاں تیری عورت کہ وہ ساتھ نہ جائے گی یا پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ اس طرح اس عذاب کی لپیٹ میں آجائے گی۔ جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔

إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ

ان کے وعدہ کا وقت ہے صبح

الْكَسِ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿۵۱﴾

کیا صبح نہیں ہے نزدیک ☆

عذاب کی آمد

یعنی خوش ہو جائیے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے انہیں سمجھاتے کہ دیکھو عذاب خدا نہ خریدو مگر انہوں نے خلیل خدا کی بھی نہ مان کر دی۔ یہاں تک کہ عذابوں کے آنے کا قدرتی وقت آپہنچا۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کو فرمان خدا ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں ان پر عذاب نہ کیا جائے۔

آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلتے ہی خبر دی کہ یہاں کے لوگ بڑے بد ہیں۔ یہ یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے، کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو اس روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں۔ آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ اس وقت جبرئیلؑ نے فرشتوں سے کہا دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے۔ جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج و افسوس سے رو دیئے

اور کہنے لگے میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کس بدی میں مبتلا ہیں، روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بُری نہیں۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا دیکھو تین مرتبہ یہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے یا درکھنا۔ اب عذاب ثابت ہو چکا۔ گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا اہلانے لگی جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکردار دوڑ پڑے۔ پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں میں نے تو ان سے زیادہ خوب صورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی دیکھے ہی نہیں۔ اب کیا تھا یہ خوشی خوشی مٹھیاں بن کئے دوڑتے بھاگتے حضرت لوط کے گھر گئے۔ چو طرف سے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ آپ نے انہیں قسمیں دیں نصیحتیں کیں فرمایا کہ عورتیں بہت ہیں لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے بد ارادے سے باز نہ آئے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی، خدا کی جانب سے اجازت مل گئی۔ آپ نے اصلی صورت کا پر کھول دیا، آپ کے دو پر ہیں جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے۔ آپ کے دانت صاف چمکتے ہوئے ہیں۔ آپ کی پیشانی اونچی اور بڑی ہے۔ مرجان کی طرح کے دانے ہیں جو لوٹو ہیں اور آپ کے پاؤں سبزی کی طرح ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام سے آپ نے فرمایا کہ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے آپ اس دروازے سے نکل جائیے۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر راتوں رات چل دیئے یہی خدا کا حکم بھی تھا۔ محمد بن کعب، قتادہ، سدی وغیرہ کا یہی بیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَيْهِمَا

پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر

سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا

نیچے اور برسائے ہم نے

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ

اس پر پتھر کنکر کے ☆

بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی

جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ وبالا ہو گئیں۔ پھر ان کی نکایت اور ذلت و رسائی کی پوری تکمیل کے لئے اوپر سے جھانوںے اور پتھر برسائے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہی پتھروں سے ہلاک ہو گئے۔ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کرنے کی ملی وہ ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت رکھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بنوئی نے لکھا ہے قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں حضرت جبرئیل نے بستیوں کے نیچے اپنا ایک بازو ڈال کر اتنا اٹھالیا کہ اوپر والوں نے مرغ کی بانگ کی اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور کسی کا کوئی برتن بھی نہ لٹا نہ کوئی سویا ہوا شخص بیدار ہوا پر بالکل الٹ دیا۔ سب زیروزبر ہو گئے۔ ان پانچوں شہروں کی آبادی چار لاکھ یا چار کروڑ تھی۔ ان بستیوں کو موتفکات (الٹی ہوئی بستیاں) کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

روایات میں ہے کہ یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے، انہیں بستیوں کو قرآن کریم میں دوسری جگہ موتفکات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جبرئیل امین نے اپنا پران سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھالیا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی، پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آرہی تھیں ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اٹھانے کے بعد اوندھا کر کے پلٹ دیا، جو ان کے عمل خبیث کے مناسب حال تھا۔ (معارف القرآن)

عمل خبیث کے مناسب حال تھا۔ (معارف القرآن)

مَنْضُودٌ ﴿۸۲﴾

تہہ بہ تہہ ☆

”منضود“ کے معنی مترجم محقق نے ”تہ بہ تہہ“ کئے ہیں۔ بعض نے یہ معنی لئے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔

مُسْوَمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ ط

نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ☆

مخصوص پتھر برسے

یعنی کوئی خاص علامت ان پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے

ظاہر کرتی تھے کہ یہ عذاب الہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پتھر پر اس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں ہے سجین جمیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس کے نام کا پتھر تھا اسی پر گرنا تھا۔ وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا کسی جگہ کسی باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہی سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور موشیوں سمیت اونچا اٹھالیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔ آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے۔ ا کے د کے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بے نام و نشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۸۱﴾

اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور ☆

عبرت پکڑو

یعنی باعتبار زمانہ کے بھی قریب ہے کیونکہ ”عاد“ و ”ثمود“ اور قوم نوح وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھی۔ گزرنے والے قافلے وہاں کھنڈرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ ”وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ“ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزاء ”اعراف“ میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شعیب کی دعوت

یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نا فرمانی سے چھن نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیوی یا اخروی عذاب مسلط نہ کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقَوْمٍ أَوْفُوا بِالْكِيَالِ

اور اے قوم پورا کرو ماپ

وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

اور تول کو انصاف سے ☆

یعنی اب تک جو ظلم و عدوان کا معیار و قانون تھا، اسکی اصلاح کرو۔ (تفسیر عثمانی)

ناپ تول کا نظام درست رکھو

اس جملہ میں صراحت پورا ناپنے تولنے کا حکم دیا۔ اس صریح حکم سے اس امر پر بھی تنبیہ ہو گئی کہ قصداً ناپ تول میں کمی سے اجتناب کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ پورا پورا دینے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ کچھ زیادہ ہی دینا پڑے، جس کے بغیر پورا پورا ادا کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی پیمانہ یا وزنی چیز کسی نے ناپ تول کر خریدی ہو اور بائع نے ناپ تول کر دی ہو تو جب تک خریدار خود دوبارہ اس کی ناپ تول نہ کر لے نہ خود (اس کو استعمال کر سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خریدے ہوئے) غلہ کو فروخت کرنے سے اس وقت تک روکا ہے جب تک دوبار (ایک بار بائع نے اور ایک بار مشتری نے) اپنے اپنے پیمانوں سے اس کی ناپ تول نہ کر لی ہو۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ پیمانوں سے ناپ کر فروخت کیا جاتا تھا صاع یا قرق یا سق وغیرہ غلہ ناپنے کے پیمانے تھے تول کر نہیں بیچا جاتا تھا۔ یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے ابن ماجہ اور اسحاق بن ابی شیبہ نے نقل کی لیکن اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن ابی سلمیٰ ہے جس کی وجہ سے محدثین نے اس روایت کو معطل قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔ حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث منقول ہے لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بہت سندوں سے آئی ہے اور ائمہ نے اس کو قبول کیا

اب بھی ظالم تباہ ہوں گے

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے بھی قتادہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ یعنی اس امت کے ظالم بھی اس امر کے مستحق ہیں کہ ان پر سنگباری کی جائے۔ قتادہ اور عمرہ نے کہا اللہ نے کسی ظالم کو ان پتھروں سے محفوظ نہیں رکھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بعض آثار میں آیا ہے کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو۔ ہر ظالم پر ہر وقت پتھر گر سکتا ہے۔ بیضاوی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کے بعد حضرت جبریلؑ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ظالم مراد ہیں۔ کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو۔ ہر وقت پتھر اس پر گر سکتا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے ثعلبی نے اس کو بغیر سند کے نقل کیا ہے اور مجھے اس کی سند معلوم نہیں۔ درمنثور میں ہے کہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے آیت مذکورہ کے ذیل میں ربیع کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ظالم کی سیدھ میں ایک پتھر موجود ہے جو اس بات کا منتظر ہے کہ کب اس کو (ظالم پر) گرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ مہی ضمیر ان بستیوں کی طرف راجع ہے جو شام کو جاتے ہوئے کفار مکہ کے راستہ میں ادھر ادھر پڑتی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالِی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو بولا

يَقَوْمِ اعْبُدُوا لِلّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهِ

اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے

غَيْرُهُ وَلَا تَتَّقُوا الْبِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ

سوائے اور نہ گھٹاؤ ماپ اور تول کو ☆

یہ قصہ بھی سورہ "اعراف" میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّیْ اَرٰکُمْ بِمَخِيْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ

میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يُّوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۱۰

تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے ☆

عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ یعنی لوگوں کے حقوق ناپ تول پورا کر کے ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے تمہارے لئے وہی بہتر ہے اگر تم میری بات مانو، اور اگر میری نہ مانو گے تو یاد رکھو میں اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم پر کوئی عذاب آجائے۔

حضرت شعیب نے دعوت میں انتہاء کر دی

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خطیب الانبیاء ہیں، آپ نے اپنے حسن بیان سے اپنی قوم کو سمجھانے اور ہدایت پر لانے کی پوری کوشش میں انتہا کر دی، مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد قوم نے وہی جواب دیا جو جاہل قومیں اپنے مسلمانوں کو دیا کرتی ہیں۔ ان پر بھتیاں کسیں، استہزاء کیا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾

اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان ☆

یعنی میں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ

بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا

أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَأَنْ

کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ

تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ

دیں کرنا جو کچھ کرتے ہیں اپنے مالوں میں تو

لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾

ہی بڑا باوقار ہے نیک چلن ☆

حضرت شعیب کا قوم نے مذاق اڑایا

یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے، کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنئے کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے، کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پرانا دین چھڑوا

ہے۔ اس لئے قابل استدلال ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وزن کر کے ذرا جھکتا ہوادو۔ کیونکہ ہم گروہ انبیاء اسی طرح تولتے ہیں۔ رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم وابن حبان من حدیث سوید بن قیس، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں ☆

یعنی صرف ماپ تول میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۸﴾

اور مت مچاؤ زمین میں فساد ☆

فساد نہ پھیلاؤ

یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا دوسری طرح اتلاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ

جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۹﴾

اگر ہو تم ایمان والے ☆

حلال کی کمائی میں خیر ہے

ایک ایماندار کے لئے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو، اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ماپ تول کر لیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۹﴾

دیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھے جائے، ہمارے مذہبی و دنیاوی معاملات اور ماپ تول کے قصوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہیں کو چڑانے لگیں۔ یہ ہی خصلت ہے کفر کی“۔ بعض مفسرین نے ”إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ“ کو استہزاء پر نہیں، واقعیت پر حمل کیا ہے یعنی تو ایک سمجھدار، باوقار، اور نیک چلن آدمی ہے۔ پھر ایسی بے موقع باتیں کیوں کرنے لگا جیسے صالح علیہ السلام کو کہا تھا، ”قد كنت فينا مرجوا قبل هذا، اتنهانا ان نعبد ما يعبد اباؤنا الخ“ (تفسیر عثمانی)

اپنی نصیحت کا پہلے خود پابند بنوں
یعنی جن بری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود ان کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا بناؤں اور خود دنیا سمیٹ کر گھر میں بھر لوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں میں تم سے پہلے اس کا پابند ہوں، تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمُ عَنْهُ
یعنی یہ بھی تو سمجھو کہ میں جس چیز سے تمہیں روکتا ہوں خود بھی تو اس کے پاس نہیں جاتا، اگر میں تمہیں منع کرتا اور خود اس کا ارتکاب کرتا تو تمہارے لئے کہنے کی گنجائش تھی۔

واعظ کیلئے عمل ضروری ہے

اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور واعظ و مبلغ کے عمل کو اس کے وعظ و نصیحت میں بڑا دخل ہوتا ہے جس چیز پر واعظ خود عامل نہ ہو اس کی بات کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا، پھر فرمایا،
إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
یعنی میرا مقصد اس ساری جدوجہد اور تمہیں بار بار کی فہمائش سے بجز اس کے کچھ نہیں کہ مقدور بھر اصلاح کی کوشش کروں، اور پھر فرمایا کہ یہ کوشش بھی درحقیقت میرے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَاقِينُ
یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کرتا ہوں، ورنہ میرے بس میں کچھ نہ تھا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف ہر کام میں، میں رجوع کرتا ہوں۔ (معارف القرآن)

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
میں تو چاہتا ہوں سنوارنا جہاں تک ہو سکے
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے
وَالْيَقِينُ ۝۸۰
اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے ☆

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ
بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو
عَلَىٰ بَيْنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَسْقَانِي
سمجھ آگئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی
مِنْهُ رِسْقًا حَسَنًا
دی مجھ کو نیک روزی ☆

حضرت شعیبؑ نے کہا ہدایت کی ناشکری نہیں ہو سکتی یا تو ظاہری روزی مراد ہے یعنی ماپ تول میں کمی بیشی کئے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطا کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اس دولت سے مالا مال کیا جس سے تمہیں حصہ نہیں ملا تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں ”معاذ اللہ“ تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ
اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ
إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمُ عَنْهُ
کام جو تم سے چھڑاؤں ☆

نے اس کی بات سمجھ لی اور فرمانے لگے کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے نکال دی! یا ان میں سے کوئی اس کا قائل ہے؟ واللہ اگر میں ایسا کروں تو اس کا بوجھ بار میرے ذمے ہے۔ ان پر کچھ نہیں۔ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے مسند احمد میں لائے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میری جانب سے کوئی ایسی حدیث سنو کہ تمہارے دل اس کا انکار کریں اور تمہارے بدن اور بال اس سے علیحدگی کریں اور تم سمجھ لو کہ وہ تم سے بہت دور ہے تو میں اس سے اس سے بھی زیادہ دور ہوں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کیا آپ بالوں میں بال ملانے کو منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپ کے گھر کی بعض عورتیں تو ایسا کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہو تو میں نے خدا کے نیک بندے کی وصیت کی حفاظت نہیں کی۔ میرا ارادہ نہیں کہ جس چیز سے تمہیں روکوں اس کے برعکس خود آپ کروں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ

حضرت ابوسلیمان ضعی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رسالے آتے تھے جن میں حکم احکام اور ممانعت لکھے ہوئے ہوتے تھے اور آخر میں یہ ہوا کرتا تھا کہ میں بھی اس میں وہی ہوں جو خدا کے نیک بندے نے فرمایا کہ میری توفیق اللہ ہی کے فضل سے ہے اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَقَوْمٍ لَا يُجْرِمَتِكُمْ شِقَاقِي أَنْ

اور اے قوم نہ کماؤ میری ضد کر کے

يُصِيبِكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ

یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ پڑچکا قوم

نُوحٍ أَوْ قَوْمِ هُودٍ أَوْ قَوْمِ صَالِحٍ ط

نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر

وَمَا قَوْمِ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝۱۱

اور قوم لوط تو تم سے کچھ دوری نہیں ۱۱

میں تو فقط تمہاری اصلاح چاہتا ہوں

میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں جسے میں اپنے مقدر و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا۔ باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پاسکتے ہیں۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو رہا کر دیا

مسند امام احمد میں ہے حکیم ابن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے بھائی مالک نے کہا کہ اے معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری بات چیت بھی ہو چکی ہے اور تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے بھی ہیں۔ پس میں اس کے ساتھ چلا، اس نے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہا کر دیجئے وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہ پھیر لیا۔ وہ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا واللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا تو لوگ تو کہتے ہیں کہ تو ہمیں کسی امر کا حکم دیتا ہے درتو آپ اس کا خلاف کرتا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیا لوگوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے؟ اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہے۔ ان پر تو کوئی چیز نہیں، جاؤ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی قوم کے چند لوگ کسی شبہ میں گرفتار تھے۔ اس پر قوم کا ایک آدمی حاضر ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔ اس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے روکتے ہیں اور خود اسے کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا نہیں۔ اس لئے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حضرت بہز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں میں نے بیچ میں بولنا شروع کر دیا کہ اچھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے میری قوم کے لئے کوئی بد دعا نکل جائے کہ پھر انہیں فلاح نہ ملے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسی کوشش میں رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

قوم نے کہا تم تو کمزور ہو

یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا اسے چاہئے اپنے حال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے۔

حضرت شعیب کا رونا

(تنبیہ) بعض سلف سے ”ضعیف“ کے معنی ”ضریر البصر“ (نا بینا) کے منقول ہیں۔ شاید کسی خاص وقت میں عارضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی ہو۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کا حال ہوا تھا۔ مفسرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیب! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ عرض کیا، پروردگار! تیری لقاء کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہوگا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقاء (دیدار) مبارک ہو، اے شعیب! اسی لئے میں نے اپنے کلیم موسیٰ ابن عمران کو تیری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا ہے، کہتے ہیں خدا نے ان کی بینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصیہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا

اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو تو ہم سنگسار کر ڈالتے اور

أَنْتَ عَلَيْنَا يَعِزِّزٌ ۙ

ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں ☆

قوم نے کہا: ہم تیرے کنبہ کا لحاظ کرتے ہیں

یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت شعیب کی قوم طاقت ور تھی اور آپ ان کی حفاظت میں تھے۔ بیضاوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہاری قوم چونکہ ہماری ہم مذہب ہے اس لئے ان کی عزت ہماری نظر میں ہے اگر تمہاری قوم کی عزت ہماری نظر میں نہ ہوتی تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔ (تفسیر مظہری)

نظام مالیات میں شریعت کی تعلیمات

شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم

اے قوم! پچھلی امتوں سے عبرت پکڑو
یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گزشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں۔ نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں، اور لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے۔ اس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی۔ ان نظائر کو فراموش مت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ط

اور گناہ بخشو اور اپنے رب سے اور رجوع کرو اس کی طرف

إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۙ

البتہ میرا رب ہے مہربان محبت والا ☆

توبہ و استغفار کرو

کیسا ہی پرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا يَشْعِبُ مَا نَفَقَهُ

بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے

كثِيرًا مِمَّا تَقُولُ

بہت باتیں جو تو کہتا ہے ☆

قوم کی بے پرواہی

سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے، نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑھانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقعی وہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غباوت کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّا لَنَرِيكَ فِينَا ضَعِيفًا ج

اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور ہے ☆

قَالَ يَقَوْمِ اَرَهَطِيْ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ

بولو اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے

مِّنَ اللّٰهِ وَاَتَّخَذُ تُمُوهُ وِرَآءَكُمْ

اللہ سے اور اس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے

ظَهْرًا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾

بھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کچھ کرتے ہو ☆

اے قوم! تم خدا کا لحاظ نہیں کرتے؟

یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے وہ اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کے دکھلا رہا ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آیا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈال دے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں۔ تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لئے بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

وَيَقَوْمِ اَعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ

اور اے میری قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ

اِنِّيْۤ اَمَلٌۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مِّنْ

میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لو گے

يَاْتِيْهِ عَذَابٌ يُخْزِيْهِ وَ مَن

کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا اور کون ہے

هُوَ كَاذِبٌ وَاَرْتَقِبُوْا اِنِّيْۤ اَمَعَكُمْ

جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

تاک رہا ہوں ☆

تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ اعضاء اور جوارح سے اور ہمارے عطا کردہ قدرت اور اختیار سے تم نے یہ دولت کمائی ہے تم ہمارے بندے اور غلام ہو تمہیں ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور اوامر و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خداوند احکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا حکومت اور صدر مملکت اور وزرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر بایں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جب کہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور متکبرین کا جواب یہ ہے کہ وہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے۔ اس لئے شعیب علیہ السلام کی نماز ان کو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ (معارف کاندھلوی)

شعراء میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا
مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ“ یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک
ٹکڑا گرا دے اس کے مقابلہ میں ”عذاب یوم الظلۃ“ کا تذکرہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)
سکوں کو توڑنا حرام ہے

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلامی سلطنت
کے سکوں کا توڑنا حرام قرار دیا ہے، اور آیت تِسْعَةَ رُهْطٍ
يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت زید
بن اسلم نے یہی فرمایا ہے کہ یہ لوگ درہم و دینار کو توڑ کر اپنا فائدہ
حاصل کر لیا کرتے تھے جس کو قرآن نے فسادِ عظیم قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص کو اس
جرم میں گرفتار کیا گیا کہ وہ درہم کو کاٹ رہا تھا، موصوف نے اس کو کوڑوں
کی سزا دی اور سر موٹا ہوا کر شہر میں گشت کرایا۔ (تفسیر قرطبی) (معارف القرآن)

الْأَبْعَدُ الْمَدِينِ كَمَا بَعْدَتْ شُودُ ۹۵

سن لو پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی شود کو ☆

یعنی دونوں ”صیحہ“ ہلاک ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا

اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں

وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۹۶

اور واضح سند دے کر ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں

نشانوں سے غالباً معجزات اور وہ نو آیتیں مراد ہیں، جن کا ذکر
”وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ“ میں ہوا ہے۔ ان میں سے معجزہ عصا کو
جو نہایت ظاہر و قاہر تھا شاید سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ (واضح سند) فرمایا
سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ
السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق
پیش کئے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئے گا۔ اور ممکن ہے سلطان
مبین سے اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہیں
کیونکہ فرعونوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں
غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔ (تفسیر عثمانی)

تو پھر فیصلہ ہونے والا ہے

یعنی اچھا، تم اپنی ضد اور ہٹ پر جمے رہو، میں خدا کی توفیق سے راہ
ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کس کو
خدا کا عذاب نصیحت کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم
دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا ۙ

اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو

الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۙ

ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہربانی سے اور

أَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْئَةَ ۙ

آپڑا ان ظالموں کو کڑک نے

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۙ ۹۷

پھر صبح کورہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۙ

گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے ☆

قوم شعیب کی ہلاکت

یہاں قوم شعیب کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے
اور ”اعراف“ میں ”رَحْمَةً“ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔
اور سورہ شعراء میں عَذَابٌ يَوْمِ الظُّلَّةِ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ
ہے کہ عذاب کے بادل سائبان کی طرح ان پر محیط ہو گئے۔ ابن کثیر
لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم کے حق میں جمع کر دیئے
گئے تھے، پھر ہر صورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر
کیا گیا۔ ”اعراف“ میں تھا کہ ان لوگوں نے شعیب سے کہا کہ ہم تم کو
اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سر زمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا
گیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اسی کے زلزلہ سے ہلاک
ہوئے یہاں ان کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لئے بالمقابل
آسمانی ”صیحہ“ (کڑک) میں ان کی سب آوازیں گم ہو گئیں۔ سورہ

جس میں فرعون آگے آگے اور اس کے اتباع جو جانوروں کی طرح جاہل نا سمجھ تھے پیچھے پیچھے اس میں اتریں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ

اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن

الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرَّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿۹۹﴾

قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ان کو ملا ☆

ان پر ہمیشہ کی لعنت ہے

یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکہ اللہ اور اہل موقف کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگا تار ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔ گویا یہ انعام ہے جو ان کے کارناموں پر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

جاہلیت کے شاعروں کا امام

مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم کی طرف جائے گا۔ اس عذاب آگ پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔ قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو لعنتیں پڑ گئیں۔ یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔ اس لئے ان پر دوسری لعنت پڑی۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَى نَقُصُّهُ

یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں

عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿۱۰۰﴾

تجھ کو بعض ان میں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کی جزکت گئی ہے

پچھلی قوموں کے یہ قصے قابل غور ہیں

یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے ان میں سے بعض کی بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے ”مصر“ جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اجڑ گئیں مگر ان کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں، اور بعض کا نشان بھی صفحہ ہستی پر باقی نہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبِعُوا

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے

أَمْرٍ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ

حکم فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی

بِرَشِيدٍ ﴿۹۷﴾

کچھ کام کی ☆

فرعون اور وزیروں کی جہالت

یعنی کھلے کھلے نشان دیکھ کر بھی فرعونوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت میں فرعون کے گروہ کی جہالت و حماقت کا اظہار ہے کہ فرعون الوہیت کا مدعی تھا باوجودیکہ اپنے مصاحبین کی طرح معمولی انسان تھا علی الاعلان کفر و شرک اور ظلم کرتا تھا اور موسیٰ ہادی برحق تھے۔ آپ کا قول مبنی برحق تھا۔ عقل و نقل کی شہادت اور معجزات کی تائید آپ کے قول کو ثابت کر رہی تھی پھر بھی فرعون کے ساتھی ایسے کو دن تھے کہ موسیٰ جیسے ہادی برحق کے اتباع سے روگرداں اور فرعون جیسے باطل پرست کے پیرو تھے۔ (تفسیر مظہری)

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ

آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا

النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿۱۰۱﴾

ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے ☆

فرعون قیامت میں جہنمیوں کا امام ہوگا

جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں ان کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہیگا۔ جو لوگ دنیا میں اس کی اندھی تقلید کر رہے تھے وہ اس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ورود کا معنی ہے چشمہ وغیرہ میں اترنا دوزخ کو پانی فرض کر کے اس میں داخل ہونے کو ورود قرار دیا (گویا دوزخ ایک چشمہ یا تالاب ہوگا

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی

أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ

اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے

الِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ

ان کے ٹھا کر (معبود) جن کو پکارتے تھے

دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَنَا

سوائے اللہ کے کسی چیز میں جس وقت

جَاءَ أَمْرٌ رَبِّكَ

پہنچا حکم تیرے رب کا ☆

انہیں اپنے ظلم نے ہلاک کیا

یعنی خدا نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جو ظلم کا وہم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے آگے نکل گئے اور اس طرح اپنے کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا۔ تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں) انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ۝۱۱

اور نہیں بڑھایا ان کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے ☆

اور باطل معبودوں نے ہلاک کیا

باطل معبود کام کیا آتے؟ لٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا، امیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے تعظیم اور ڈنڈوت کی، تو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء وغیرہ کا جو عذاب ہوتا شرک و بت پرستی کا عذاب اس پر مزید رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ

اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو

وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ

اور وہ ظالم کرتے ہوتے ہیں بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے

شَدِيدٌ ۝۱۲

شدت کی ☆

خدا کی پکڑ بہت سخت ہے

یعنی ظالموں کو بڑی حد تک مہلت دی جاتی ہے جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے۔ مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، اس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، اس خیال است و محال است و جنوں۔ (تفسیر عثمانی) بیشک اللہ کی پکڑ سخت دکھ پہنچانے والی ہے جس سے رہائی ناممکن ہے۔ حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے آخر اس کی گرفت کرتا ہے تو ایسی کرتا ہے کہ پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ یہ فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت كَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ تلاوت فرمائی، رواہ الشیخان فی الصحیحین والترندی (فی السنن) و ابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری) صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (معارف کا مدلولی)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّمَنْ خَافَ

اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے

عَذَابِ الْآخِرَةِ ۝

آخرت کے عذاب سے ☆

دنیا کا عذاب آخرت کی یاد دہانی ہے

یعنی دنیا جو "دل عمل" جب اس میں شرک و کفر اور تکذیب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اس بات کا معلوم کرنا ہے کہ آخرت میں جو خالص "دل

جزا ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہوگی۔ غفلت آدمی کیلئے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ يَوْمٌ يَجْمَعُ لَالَهُ النَّاسُ وَ

وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۲﴾

وہ دن ہے سب کے پیش ہونے کا ☆

جب سب کا فیصلہ ہوگا

یعنی تمام دنیا کا بیک وقت فیصلہ اسی دن ہوگا جب سارے اولین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا، گویا خدائی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہ ہی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُؤَخِّرُهُ اِلَّا لِاجَلٍ مُّعَدُّوۡدٍ ﴿۱۳﴾

اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کے لئے جو مقرر ہے ☆

بس میعاد پوری ہونے کی دیر ہے

یعنی اللہ کے علم میں جو میعاد مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی تب وہ دن آئے گا، تاخیر سے یہ گمان مت کرو کہ یہ محض فرضی اور وہی باتیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَاتِ لَا تُكَلِّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

جس دن وہ آئے گا بات نہ کر سکے گا کوئی جاندار مگر اس کے حکم سے

فِيۡنَهُمْ شَقِيۡۗٔ وَّسَعِيۡدٌ ﴿۱۴﴾

سو ان میں بعضے بد بخت ہیں اور بعضے نیک بخت ☆

اس دن کوئی بول نہ سکے گا

یعنی کوئی شخص ایسی بات جو مقبول و مانع ہو بدون حکم الہی کے نہ کر سکے گا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل کئے جاؤ

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا ہم ایک جنازہ کے ساتھ نکلے بقیع میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (چھڑی ہاتھ میں لئے سامنے سے آتے) نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر چھڑی سے زمین کو کریدتے رہے، پھر فرمایا کوئی جان (کسی بدن میں پھونکی ہوئی) ایسی نہیں کہ جنت

یا دوزخ میں اس کی جگہ (پہلے سے) لکھ نہ دی گئی ہو یا اس کا شقی و سعید ہونا نہ لکھ دیا گیا ہو۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو پھر اپنے (مقدر میں) لکھے پر بھروسہ کیوں نہ کروں اور عمل کو ترک کیوں نہ کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ عمل کئے جاؤ ہر ایک کو (تقدیر میں لکھے ہوئے عمل کی) توفیق دی جاتی ہے۔ شقاوت والوں کو اہل شقاوت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور اہل سعادت کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **فَاٰمَنَّا مِنْ اَعْطٰی وَاَنْتَفٰی وَصَدَقَ بِالْحُسْنٰی النّٰحِ تِلَاوٰتِ فَرَمٰی۔** رواہ ابوغوی، بخاری و مسلم میں بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

فَاٰمَنَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فِی النَّارِ لَهُمْ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشٰهِيۡقٌ سُوۡ جُوۡ لُوۡگ
شقی ہیں وہ دوزخ میں ہونگے دوزخ میں ان کی چیخ و پکار ہوگی۔

فَاٰمَنَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فِی النَّارِ لَهُمْ

سو جو لوگ بد بخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں ان کو

فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشٰهِيۡقٌ ﴿۱۵﴾ خَلِيۡدِيۡنَ فِيۡهَا

وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے ہمیشہ رہیں اس میں

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا

جب تک رہے آسمان اور زمین مگر

مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعٰلٌ

جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا

لِّمٰی رِيۡدٌ ﴿۱۶﴾ وَاَقَاۡلِ الَّذِيۡنَ سَعِدُوۡا

ہے جو چاہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں

فِیۡ الْجَنَّةِ خَلِيۡدِيۡنَ فِيۡهَا مَا

سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اس میں

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا

جب تک رہے آسمان اور زمین مگر

مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاۡءٌ غَيْرَ جَدُوۡدٍ ﴿۱۷﴾

جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا ☆

آیت کے دو مطلب

ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشیاء دوزخ میں اور سعادت جنت میں رہیں گے۔ مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہ ہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لئے ”

مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ“ وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام و ابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو مَا شَاءَ رَبُّكَ سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ

مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ کو کنا یہ دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا

يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ (ابراہیم۔ رکوع ۷)

مطلب یہ ہوا کہ اشیاء دوزخ اور سعادت جنت میں اس وقت تک رہیں گے۔ جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ۔ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے۔ لیکن وہ چاہے چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا وَمَا هُمْ بِمُخَارَجِينَ مِنَ النَّارِ (بقرہ۔ رکوع ۲۰)

اور يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُخَارَجِينَ (مائدہ رکوع ۶) اور

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ (بقرہ رکوع ۱۹) اور

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نساء رکوع ۱۸) اسی پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایات ضعیفہ و موضوعہ ہیں یا اقوال غریبہ ماولہ۔ یا بعض آیات و احادیث ہیں جن کا مطلب کوتاہ نظری یا بد فہمی سے غلط سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی، اس میں مفصل کلام کیا جائے گا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں، رہا عصاة موحدین کا مسئلہ یعنی جو

مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) ان کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے جہاں سے کسی جنت کو کبھی نکالنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُودٍ اور اشیاء کے ذکر میں إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ ارشاد ہوا۔ تا معلوم ہو جائے کہ بعض اشیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔

خدا کا ہمیشہ رہنا اور مخلوق کا ہمیشہ رہنا

(تنبیہ) إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے متنبہ فرما دیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے، کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا ہمہ وجہ خدا مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے، نیز یہ جتلا دیا کہ جزاء و سزا دینا اسکے اختیار و مشیت کے تابع ہے۔ آریہ سماج۔ وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔ (تفسیر عثمانی) نکتہ

اس پیچ دار اسلوب عبارت کا فائدہ کیا ہے اور پیچ میں مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ ذکر کرنے کا نتیجہ کیا اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے دقت نظر کی ضرورت ہے پہلے طول مدت کو ذہن نشین کرنے کے لئے مدت بقائے سماء و ارض کو ذکر کیا جس سے لوگ واقف تھے پھر اس کے بعد غیر متناہی اور ان گنت مدت کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ متناہی مدت کا طول سمجھ میں آجائے۔

إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ: بیشک آپ کا رب جو کچھ چاہے پورے طور پر اس کو کر سکتا ہے۔ یعنی اس کا اختیار کلی اور ہمہ گیر ارادہ اور محیط کل

مشیت آزاد ہے وہ مجبور نہیں ہے کہ اہل جنت کو جنت اور اہل نار کو دوزخ کی سکونت دوامی دینے کے بعد بے اختیار ہو گیا ہو کہ کسی کو اس کے مسکن سے باہر نہ نکال سکے لیکن نکالے گا نہیں۔ بقول فراء یہ استثناء صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ جنت والوں کی طرف جھانکیں گے

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے کہ اچانک اوپر سے ایک نور ان پر نمودار ہوگا وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اوپر ان کو جھانکتا دکھائی

دے گا اور خطاب فرمائے گا اے اہل جنت تم پر سلام ہو۔ آیت سَلِّمُوا تَوَلَّوْنَ رَبِّكُمْ کا یہی مطلب ہے غرض اللہ ان کی

اہل جہنم کے خلود کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی اور
إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے فقط اپنی قدرت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا
حاصل یہ ہے کہ یہ خلود لازم نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے ہم
جب چاہیں اور جس کو چاہیں جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں اور آیت کا
خاتمہ إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ بھی اسی طرف مشیر ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ
سرہ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح اور
لطیف جواب وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب نے دیا ہے جو ان کے اردو
ترجمے سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ
میں ما مصدریہ ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے ظرف ہے۔ ای الا وقت
مشیتہ کما فی قولہ اتیک خفوق النجم ای وقت خفوقہ
والمعنی یخلدون فیہا الا ان یشاء ربک عدم خلودہم
فینقطع خلودہم اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ مخلد فی النار
ہوں گے مگر جس وقت خدا ان کے عدم خلود کو چاہے تو ان کا خلود اور دوام
منقطع ہو جائے گا رہی یہ بات کہ اس قید کی کیا ضرورت تھی۔ سو اس کا
جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ
خلود واجب اور خلود ممکن کا فرق ظاہر کر دیا گیا تاکہ کوئی خلود کی خبر سن کر بقاء
دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ گو ہم جہنم
میں جائیں گے مگر یہ فخر تو ہمارے لئے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب
الوجود کے خلود اور بقاء کے ساتھ متصف ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ قید لگا
کر یہ بتلا دیا کہ واجب الوجود کا خلود کسی کے مشیت کے تابع نہیں۔ خلود
واجب تو ذات واجب کا مقتضائے ذاتی ہے اور ہمارا اور تمہارا سب کا خلود
اس کی مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اس کو ختم کر سکتے ہیں۔ اور سب کو
نکال سکتے ہیں۔ اور جب چاہیں فنا کر سکتے ہیں اس قید سے اللہ تعالیٰ نے
اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا دیکھو اجر الصیام من غیر انصرام حصہ دوم
وعظ نمبر ۶۳ صفحہ ۱۸ غرض یہ کہ کلمہ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ محض اظہار
قدرت و مشیت کیلئے خلود عذاب اور دوام عذاب کے انقطاع اور
اختتام کے خبر دینے کے لئے نہیں۔

نیک بختی اور بد بختی کی پانچ نشانیاں

امام بلخی سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی
نرمی دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا چہارم دنیا

طرف دیکھے گا اور وہ اللہ کی طرف۔ اللہ کی جانب دیکھنے کے وقت وہ
کسی اور نعمت کی طرف التفات بھی نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ
حجاب کر لے گا اور اس کی چمک و برکت اہل جنت کی گردن میں رہ
جائے گی۔ (رواہ ابن ماجہ وابن ابی الدنیاء دار قطنی۔)
ہر شخص کی جنت

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب نمبر ۱۰۰ جلد سوئم میں
یعقوب کی یوسف کے ساتھ دلاویزی کی حقیقت کی تشریح کے ذیل
میں لکھا ہے کہ اللہ کے اسماء میں سے جو اسم جس شخص کا مبداء تعین (مرکز
ظہور) ہوتا ہے اس اسم کا ظہور (کسی جسم کے اندر) اس شخص کی جنت
ہوتا ہے اور اس اسم کا ظہور تجلی درختوں نہروں، شاندار محلات اور حورو
غلمان کی شکل میں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی
مٹی پاکیزہ ہے اور پانی شیریں ہے اور وہاں میدان ہیں اور اس کے
پودے یہی ہیں یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ
جنت کے پودے ہیں۔ حضرت مجدد نے فرمایا کبھی یہ درخت اور نہریں
(چمکدار روشن) زجاجی اجسام (جیسے عینک کے آئینے) کی شکل اختیار کر
لیں گے اور اللہ کے بے کیف دیدار کے حصول کا ذریعہ ہو جائیں گی
(انہیں کے ذریعے سے اللہ کا دیدار حاصل ہو جائے گا مگر یہ رویت ہر
کیفیت سے پاک ہوگی پھر اپنی اصلی (شجری یا نہری شکل کی طرف لوٹ
آئیں گی اور مومن پھر انہیں سے (اسی شجری یا نہری شکل میں) تفریح
کرے گا۔ اور اس طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا، ہم نے اس مقام کی مزید
توضیح سورہ قیامت کی آیت رویت کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے

ابن زید نے کہا اہل جنت کے لئے تو اللہ نے اپنی غیر منقطع عطا کا
ذکر کر دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ دوزخیوں کے لئے کیا چاہے گا (کیا کبھی
ان کا عذاب منقطع کرنا چاہے گا یا ان کا عذاب بھی لازوال ہوگا بلکہ
دوزخیوں کے حق میں فرمایا إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ (تفسیر مظہری)
حضرت شاہ عبدالقادر کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے یہ بتلانا ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم کا
خلود اور دوام مستقل نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ مطلب
ہرگز نہیں یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیوں کہ دوسری نصوص
صریحہ و قطعہ سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو اہل جنت اور

سے نفرت پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا اور علیٰ ہذا اشقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دنیا کی رغبت چہارم آرزو کا زیادہ ہونا پنجم بے حیائی۔ (معارف کا دہلوی)

تیج و پکار

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا زہیر سخت آواز اور شہیق پست آواز۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا گدھے کی آواز کی ابتدائی حالت کوز فیر کہتے ہیں اور آواز کی آخری حالت جب آواز لوٹ کر گدھے کے پیٹ میں گھومتی ہے شہیق کہلاتی ہے، قاموس میں بھی یہی ہے، ابو العالیہ نے کہا حلق میں ہونے کی حالت میں آواز کوز فیر اور سینے میں (اترنے) کی حالت میں آواز کو شہیق کہا جاتا ہے۔

جنت اور جہنم کی زندگی ابدی ہے

طبرانی، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دوزخیوں سے کہہ دیا جائے کہ تم کو دوزخ میں اتنے (برسوں) رہنا ہے جتنی سنگریزوں کی تعداد ہے تو وہ اس کی سن کر خوش ہو جائیں گے اور اگر اہل جنت سے کہہ دیا جائے کہ تم کو (جنت) میں اسقدر (مدت) رہنا ہے جتنی سنگریزوں کی گنتی ہے تو ان کو یہ سن کر غم پیدا ہو جائے گا۔ مگر (ایسا نہ ہوگا بلکہ) ان سب (دوزخیوں اور جنتیوں) کے لئے وہاں دوام سکونت مقرر کر دیا گیا ہے۔ طبرانی نے الکبیر میں اور حاکم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا، حضرت معاذ وہاں پہنچے تو ایک تقریر میں فرمایا لوگو! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں مجھے تمہارے پاس یہ اطلاع دینے لئے بھیجا گیا ہے کہ لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ وہاں دوامی قیام ہوگا دوامی زندگی ہوگی، بغیر موت کے اور قیام ہوگا بغیر کوچ کے (یعنی کبھی وہاں سے کوچ نہیں کیا جائے گا) اور ایسے جسموں کے اندر ہوگا جو کبھی نہیں مریں گے۔ شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے پھر ایک منادی (دونوں فریقوں کے درمیان) ندا کرے گا، اے دوزخ والو (آئندہ) موت نہیں اور اے جنت والو (آئندہ) موت نہیں۔ ہر

شخص جس حالت میں ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہا جائے گا اے اہل جنت (تمہارے لئے) دوام ہے موت نہیں ہے اور اے اہل نار (دوزخ میں تمہارے لئے) دوام ہے موت نہیں ہے۔ ایک اور حدیث جس میں موت کو ذبح کر دینے کا ذکر ہے اس میں یہ بھی آیا ہے کہ نداء دی جائے گی، اے اہل جنت موت نہیں ہے اور دوزخ والو (آئندہ) موت نہیں ہے۔ یہ حدیث شیخین نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوسعید کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

میرے نزدیک سب سے اچھا مطلب یہ ہے کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر جب ان کو بھڑکتی آگ سے نکال کر کھولتے ابلتے پانی میں لے جا کر ڈالنا ہوگا تو حجیم سے کھینچ کر حجیم میں ڈال دیا جائے گا اور اس طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ بغوی نے آیت يَطْوِفُونَ فِيهَا وَيَبِئْسَ جَمِيعًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ حجیم و حجیم کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے۔

دوزخ کے دو سانس

شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی اور عرض کیا اے میرے رب میرے ایک حصے کو (شدت گرمی کی وجہ سے) دوسرا حصہ کھائے جاتا ہے۔ اللہ نے اس کو (سال میں) دو سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں۔ (موسم گرما میں) جو لوگ سخت ترین گرمی محسوس کرتے ہیں وہ دوزخ کی سانس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور سخت ترین سردی جو محسوس کرتے ہیں وہ بھی دوزخ کے سانس کے سبب سے ہوتا ہے۔ بزاز نے حضرت ابوسعید کی روایت سے اور حضرت ابوسعید نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

گناہ گار مسلمان جنت میں آجائیں گے

بعض محققین کا خیال ہے کہ آیت فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا میں استثناء کا رجوع (گناہ گار) مومنوں کی طرف ہے۔ بد بخت مومنوں کو گناہوں کی سزا میں اللہ دوزخ میں ڈال دے گا پھر ایک مدت کے بعد وہاں سے رہا کر دے گا۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگوں کو گناہوں کی سزا میں دوزخ کی لپٹ لگے گی، پھر اللہ اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا اور ان

مہلت سے دھوکا نہ کھاؤ

یعنی اتنی مخلوق کا شرک و بت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزا یاب نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورا نہ تقلید کر رہے ہیں۔ وہ جھوٹے معبودان کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملے گا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائے گا گویا لفظ ”غَيْرُ مَنْقُوصٍ“ عطاءً غَيْرُ مَجْذُوذٍ کے مقابل ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق وغیرہ کا جو حصہ مقدر ہے وہ پورا ملے گا پھر شرک کی پوری سزا بھگتیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ

اور البتہ ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ

فِيهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا

رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي

تیرا رب تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور ان کو اس میں

شَكِّ مِنْهُ مُرِيبٌ ۝۱۱۰

شبہ ہے کہ مطمئن نہیں ہونے دیتا ☆

اختلاف کا فیصلہ قاعدے کے مطابق ہوگا

موسیٰ علیہ السلام کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہ ہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے کے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے، آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی رہنمائی کو خیر باد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے۔

کو (اہل جنت کی طرف سے) جہنمی کہا جائے گا۔ (رواہ البخاری)

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ لوگ ان کو جہنم والے کہیں گے۔ رواہ البخاری۔ طبرانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے بھی ایسی حدیث نقل کی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ لوگ اللہ سے دعا کریں گے کہ جہنمی کا نام اللہ ان سے مٹا دے۔ ان کی دعا پر اللہ یہ نام ان سے مٹا دے گا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور جہنمی مدت اللہ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے۔ (دوزخ میں) مشرک ان کو عا ردلائیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (ہماری طرح تم بھی دوزخ میں ہو) اس پر اللہ ہر موحّد کو دوزخ سے نکال لے گا کوئی موحّد وہاں باقی نہیں رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی رَبِّكَ يُؤَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ اسی مفہوم کو (دوسرے الفاظ میں) ایک طویل حدیث کے ذیل میں طبرانی اور بیہقی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ گناہگار مومنوں کا دوزخ میں جانا پھر وہاں سے نکلنا اتنی احادیث میں آیا ہے جو حد تو اتر تک پہنچ چکی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُونَ هَؤُلَاءِ

سو تو نہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں یہ لوگ کچھ

مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ

نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا کہ پوجتے تھے ان کے باپ دادے

مِّنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوفُونَ

اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں

نَصِيبَهُمْ غَيْرِ مَنْقُوصٍ ۝۱۱۱

ان کو ان کا حصہ یعنی عذاب سے بلا نقصان ☆

جانب اختیار کر کے حد سے نہ نکلو، اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(۱) عقائد کی استقامت، یعنی اللہ کی ذات کو تمام صفات کمالیہ کا جامع سمجھنا (صفات خداوندی کا انکار نہ کرنا) مگر اس کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ بھی نہ قرار دینا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی کوئی صفت مخلوق کی صفت... کی طرح نہیں ہے۔ اس کی صفات کامل ہیں) اور نہ بندوں کو بالکل مجبور سمجھ لینا نہ کامل مختار (یعنی انسان کو درود یوار اور چرند پرند کی طرح بے اختیار بھی نہ سمجھنا اور نہ قادر مطلق بے لگام مختار کہ جیسا چاہے کر سکے اور جب چاہے جاسکے بلکہ درمیانی سیدھی راہ پر ہی چلنا)

(۲) اعمال کی استقامت یعنی وحی اور شریعت کو پورا پورا بیان کر دینا نہ اس میں زیادتی کرنا نہ کمی۔

(۳) عبادات اور معاملات کو ان کے حقوق کے موافق بیان کر دینا نہ اس میں زیادتی کرنا نہ ان میں (جذبہ خیر کے زیر اثر) زیادتی کرنا (کہ پانچ وقت کی جگہ چھ وقت کی نماز فرض قرار دے دی جائے) نہ کمی کرنا (کہ چار رکعت فرض کی جگہ تین رکعتیں مقرر کر لی جائیں)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا، استقامت سے مراد یہ ہے کہ اوامر نواہی پر قائم ہو جائے اور لومڑی کی طرح راہ مستقیم سے ادھر ادھر نہ مڑے۔ استقامت کی اہمیت

استقامت بہت ہی سخت حکم ہے (یعنی اس پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہے) اس لئے صوفیاء کا قول ہے کہ استقامت کا مرتبہ کرامت سے اونچا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نبوت کی مدت میں اس آیت سے زیادہ سخت آپ پر کوئی اور آیت نازل نہ ہوئی اس لئے حضور نے فرمایا تھا مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا، میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس کے اس قول سے معلوم ہو رہا ہے کہ سورۃ ہود نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا اس سے مراد پوری سورۃ نہیں بلکہ، اس سورۃ کی یہی آیت ہے جس میں استقامت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فطرتاً اور تخلیقاً استقامت کے حامل تھے۔ مگر آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کا اتباع کرنے والی ساری امت تو ایسی نہ تھی اور امت پر آپ بڑے مہربان تھے اسی فکر نے آپ کو بوڑھا کر دیا کہ امت کے لئے استقامت سخت دشوار ہے اس کا کیا ہوگا۔

لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا“ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعدہ مرحوم و مغضوب علیحدہ کئے جائیں۔ تا الا من رحم ربک کے ساتھ لا ملان جہنم من الجنة والناس“ والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر نہ فرما چکا ہوتا تو سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِن كُنَّا لَمَالِيُوفِيَهُمْ رَبُّكَ

اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دے گا رب تیرا

أَعْمَالُهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

ان کو ان کے اعمال اس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ☆

وقت پر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا

یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا بھگتان کیا جائے۔ لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائے گا۔ تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھو کہ اسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَسْتَقِمُّ كَمَا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا

سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور

تَطَّغُوا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

حد سے نہ بڑھو بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

آپ سیدھی راہ پر جمے رہیں

آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں پڑیے۔ آپ کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے کفر وغیرہ سے توبہ کر کے آپ کی معیت اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، احکام الہیہ پر نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ جمے رہنا چاہئے۔ عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات، دعوت و تبلیغ وغیرہ، ہر چیز میں افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر توسط و استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ، کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی

سے شروع ہو کر کفر و شرک تک نوبت پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے اس میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں گمراہ کہلائیں گے، انبیاء علیہم السلام کی عظمت و محبت کی جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں ان میں کمی کرنے والوں کا گمراہ و گستاخ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں، ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات و اختیارات کا مالک بنا دینا بھی اسی طرح کی گمراہی ہے، یہود و نصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے گئے، عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن عظیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیئے ہیں، ان میں ذرا سی کمی کوتاہی جس طرح انسان کو استقامت سے گرا دیتی ہے اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے انسان کو بدعات میں مبتلا کر دیتی ہے، وہ بڑی نیک نیتی سے یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں اپنے رب کو راضی کر رہا ہوں اور وہ عین ناراضگی کا سبب ہوتا ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بدعات و محدثات سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اس کو شدید گمراہی قرار دیا ہے، اس لئے انسان پر لازم ہے کہ جب وہ کوئی کام عبادت اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لئے کرے تو کرنے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لے کہ یہ کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس کیفیت و صورت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں، اگر ثابت نہیں تو اس میں اپنا وقت اور توانائی ضائع نہ کرے۔

اسی طرح معاملات اور اخلاق و معاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کر دیا ہے، جس میں دوستی، دشمنی، نرمی، گرمی، غصہ اور بر دباری، کنجوسی اور سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا، اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر، ان سب چیزوں میں ایک ایسا معتدل صراط مستقیم مسلمانوں کو دیا ہے کہ اس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی، ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے، اس میں استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استقامت ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ دین کے تمام اجزاء و ارکان اور ان پر صحیح عمل اس کی تفسیر ہے۔

بظاہر فرمان نبوی شہیتنی سورۃ ہود کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ ہود میں گذشتہ امتوں کی نافرمانی اور ان کی ہلاکتوں کا بیان کیا گیا ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اس امت کے ظالموں کو بھی دنیا اور آخرت میں ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس اندیشے نے حضور کو بوڑھا کر دیا۔

شدت اختیار نہ کرو

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اس میں جو شدت اختیار کرے گا آخرت تھک جائے گا، قوت جسمانی جواب دیدے گی، اور دینی شدت اس کو مغلوب کر دے گی۔ لہذا تم سیدھی اور درمیانی چال چلو اور (کامیابی کی لوگوں کو) بشارت دو (سختی کر کے مایوس نہ بناؤ) اور رفتار صبح و شام اور کچھ سیر شب سے مدد حاصل کرو۔ رواہ البخاری والنسائی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دینے والا بار استقامت تھا۔ (تفسیر مظہری)

استقامت کا مفہوم

”استقامت“ کے معنی سیدھا کھڑا رہنے کے ہیں، جس میں کسی طرف ذرا سا جھکاؤ نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں، کسی لوہے، پتھر وغیرہ کے عمود کو ماہر انجینئر ایک مرتبہ اس طرح کھڑا کر سکتے ہیں کہ اس کے ہر طرف زاویہ قائمہ ہی رہے کسی طرف ادنی میلان نہ ہو، لیکن کسی متحرک چیز کا ہر وقت ہر حال میں اس حالت پر قائم رہنا کس قدر مشکل ہے وہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اس آیت میں اپنے ہر کام میں ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے، استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر مفہوم اس کا ایک عظیم الشان وسعت رکھتا ہے کیونکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کی آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ جل شانہ کی قائم کردہ حدود کے اندر اُسکے بتلائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے، ان میں سے کسی باب کے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی، زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

تمام گمراہیوں کی بنیاد

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور عملی خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں، عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات

جامع عمل

سفیان بن عبد اللہ ثقفیؒ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملہ میں کوئی ایسی جامع بات بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا قل امنت باللہ ثم استقم، یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور پھر اس پر مستقیم رہو، (رواہ مسلم، از قرطبی) حضرت عبد اللہ بن عباس کی نصیحت

عثمان بن حاضر زدیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرماد دیجئے، آپ نے فرمایا علیک بتقوی اللہ والاستقامۃ اتبع ولا تبتدع (رواہ الدارمی فی مسندہ۔ از قرطبی) یعنی تم تقوی اور خوف خدا کو لازم پکڑو اور استقامت کو بھی، جس کا طریقہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں شریعت کا اتباع کرو، اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہ کرو۔

اس دنیا میں سب سے زیادہ دشوار کام استقامت ہی ہے اس لئے محققین صوفیاء نے فرمایا ہے کہ استقامت کا مقام کرامت سے بالاتر ہے، یعنی جو شخص دین کے کاموں میں استقامت اختیار کئے ہوئے ہے، اگرچہ عمر بھر اس سے کوئی کرامت صادر نہ ہو، وہ اعلیٰ درجہ کا ولی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ پورے قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور فرمایا کہ جب صحابہ کرام نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لمحیہ مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر بطور حسرت و افسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو فرمایا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا، سورہ ہود کی جو پچھلی قوموں پر سخت و شدید عذاب کے واقعات مذکور ہیں وہ بھی اس کا سبب ہو سکتے ہیں مگر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہی اس کا سبب ہے۔

تفسیر قرطبی میں ابوعلی سری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے پھر دریافت کیا کہ اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس نے آپ کو بوڑھا کیا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے **فَاَسْتَقَمَّ كَمَا اَمَرْتَا** !

یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو انسان کامل کی مثالی صورت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور فطری طور پر استقامت آپ کی عادت تھی مگر پھر اس قدر باریا تو اس لئے محسوس فرمایا کہ آیت میں مطلق استقامت کا حکم نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ امر الہی کے مطابق استقامت ہونا چاہئے، انبیاء علیہم السلام پر جس قدر خوف و خشیت الہی کا غلبہ ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے، اس خشیت ہی کا یہ اثر تھا کہ باوجود کامل استقامت کے یہ فکر لگ گئی کہ اللہ جل شانہ کو جیسی استقامت مطلوب ہے وہ پوری ہوئی یا نہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنی استقامت کی تو زیادہ فکر نہ تھی کیونکہ وہ بھم اللہ حاصل تھی مگر اس آیت میں پوری امت کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے، امت کا استقامت پر قائم رہنا دشوار دیکھ کر یہ فکر و غم طاری ہوا۔ تاکیدی حکم

حکم استقامت کے بعد فرمایا **وَلَا تَطْغَوْا**، یہ لفظ مصدر ”طغیان“ سے بنا ہے، اس کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں جو ضد ہے استقامت کی، آیت میں استقامت کا حکم مثبت انداز میں صادر فرمانے پر کفایت نہیں فرمایا بلکہ اس کے منفی پہلو کی ممانعت بھی صراحتاً ذکر کر دی کہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلو کہ یہ ہر فساد اور دینی و دنیوی خرابی کا راستہ ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ

پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا

دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ

اللہ کے سوا مددگار پھر

لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۲﴾

کہیں مدد نہ پاؤ گے ☆

ظالموں سے ذرا بھی تعلق نہ رکھو

پہلے ”لا تَطْغَوْا“ میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا

قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ شکل و صورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہے۔

قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ ظلم و جور کی ممانعت اور حرمت کے لئے اس آیت میں وہ انتہائی شدت سے جو زیادہ تصور میں لائی جاسکتی ہے کیونکہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلق ہی کو نہیں بلکہ ان کی طرف ادنیٰ درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس بیٹھنے کو بھی اس میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص اس عالم سے زیادہ مبغوض نہیں جو اپنے دنیوی مفاد کی خاطر کسی ظالم سے ملنے کے لئے جائے۔ (مظہری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کفر اور اہل معصیت اور اہل بدعت کی صحبت سے اجتناب اور پرہیز واجب ہے، بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے، اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کی صلاح و فساد میں سب سے بڑا دخل صحبت اور ماحول کا ہوتا ہے اسی لئے حضرت حسن بصری نے ان دونوں آیتوں کے دو لفظوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے دین کو دو حرف لا کے اندر جمع کر دیا ہے، ایک پہلی آیت میں لا، تطغوا اور دوسرا دوسری آیت میں لا، تو کنوا، پہلے لفظ میں حدود شرعیہ سے نکلنے کی اور دوسرے لفظ میں بڑے لوگوں کی صحبت کی ممانعت ہے اور یہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔ (معارف القرآن)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَ

اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور

زُلْفَاءَ مِنَ اللَّيْلِ ط

کچھ نکلڑوں میں رات کے ☆

اللہ کی طرف جھکو

ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہ لا شریک لہ کی طرف جھکو۔ یعنی صبح شام اور رات کی تاریکی میں خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرو یہ ہی بڑا ذریعہ خدا کی مدد حاصل کرنے کا ہے۔

(تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع و غروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری طرف مغرب کو رکھا جائے۔ کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر و عصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ گویا دن

میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم و تکریم، مدح و ثناء ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا اور نہ خدا کی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے جب ظالموں کی طرف ادنیٰ جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ ہے تو سمجھو کہ خود ظلم کرنے اور ظلم میں منہمک رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ ظلم سے بازداشت کرنے کا بلوغ ترین اسلوب بیان ہے۔

اس آیت کی اہمیت

روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے یہ آیت پڑھی، یہ شخص سن کر بے ہوش ہو گیا، کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا اور بے ہوشی کی وجہ دریافت کی گئی تو بولا یہ سزا تو ظالم کی طرف مائل ہونے والے کی ہے ظالم کا کیا ہوگا۔ (اس تصور نے مجھے بے ہوش کر دیا) حسن بصری کا قول منقول ہے کہ اللہ نے دین کو دو لا کے درمیان کر دیا ہے ایک لا تطغوا اور دوسرا لا تو کنوا (خود بھی حد سے تجاوز نہ کرو، اور ظالم کی طرف مائل بھی نہ ہو)۔

نا پسندیدہ عالم

امام اوزاعی نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ عالم ہے جو ظالم کی ملاقات کو جاتا ہے۔

حضرت اوس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص ظالم کو ظالم جانتے ہوئے قوت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

ظالم کی نحوست

ایک شخص کہہ رہا تھا ظالم اپنا ہی نقصان کرتا ہے دوسرے کا نہیں کرتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ بات سن کر فرمایا کیوں نہیں، ظالم کے ظلم سے تو چیزیاں بھی اپنے آشیانے میں بھوکی مر جاتی ہیں یہ دونوں حدیثیں شعب الایمان میں مذکور ہیں۔

ظالموں سے دوستی نہ کرو

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اور ان کا کہنا نہ مانو، ابن جریج نے فرمایا کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو، ابو العالیہ نے فرمایا کہ ان کے اعمال افعال پر سکوت یا رضا کا اظہار نہ کرو، عکرمہ نے فرمایا کہ ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو،

مختلف احادیث نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت سے جدا ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک سفر، یا بیمار یا بارش کے عذر کی وجہ سے بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر ایک وقت میں پڑھنا درست نہیں اور بغیر عذر کے تو دونوں نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہ نے ان تمام احادیث کے جواب میں فرمایا کہ ان احادیث میں ملا کر پڑھنے سے مراد جمع صوری یعنی ظہر کو آخر وقت میں پڑھنا اور عصر کو شروع وقت میں مغرب کو دیر کر کے آخر وقت میں پڑھنا اور عشاء کو جلدی کر کے آغاز وقت میں ادا کرنا اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز اسی کے وقت میں ادا کی لیکن ایک میں تاخیر اور دوسری میں عجلت کرنے کی وجہ سے دونوں نمازیں ملی ہوئی (بیک وقت) نظر آنے لگیں اور حقیقت میں ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی۔ حضرت حمہ والی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی معنی پر وہ حدیث محمول ہے جو صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت سے آئی ہے کہ مدینہ میں بغیر خوف اور بغیر سفر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں (یعنی ایک میں تاخیر کی اور دوسری میں عجلت) مسلم کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ بغیر خوف اور بغیر بارش کے ظہر کو عصر سے اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھا۔ حضرت ابن عباس سے دریافت کیا گیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض کیا تھی فرمایا امت کو دشواری میں نہ رکھنا۔ طبرانی کی روایت ہے بغیر کسی وجہ کے مدینے میں دو نمازوں کو جمع کیا تھا۔ دریافت کیا گیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد کیا تھا فرمایا امت کے لئے سہولت پیدا کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جمع صوری (یعنی اول نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھنا) ہی مراد ہے بلا وجہ دونوں نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں پڑھنا تو بالا جماع درست نہیں۔ صحیح بخاری میں عمرو بن دینار کی روایت سے تو صریحاً یہی مضمون آیا ہے الفاظ اس طرح ہیں میں نے کہا ابو الشعثاء میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے وقت میں تاخیر اور عصر کی نماز میں عجلت کی ہوگی اور مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو شروع وقت میں ادا کیا ہوگا۔ ابو الشعثاء نے جواب دیا میرا بھی یہی خیال ہے۔

کے دو حصے کر کے پہلے حصہ میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر و عصر) کو شمار کر لیا۔ اور ”زُلْفَاءِ مِنَ الْيَلِيلِ“ سے فقط عشاء یا مغرب و عشاء دونوں مراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ ”طَرَفِي النَّهَارِ“ سے فجر و عصر اور ”زُلْفَاءِ مِنَ الْيَلِيلِ“ سے تہجد مراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

قرآن کریم کا اندازِ خطاب

غور کیا جائے تو پورے قرآن میں عام طور پر یہی طرز استعمال ہوا ہے کما مر کا مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا گیا ہے اور نہ ہی ممانعت کا مخاطب امت کو، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اظہار ہے کہ جو کام قابل ترک ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ان سے پرہیز کرتے ہیں۔ آپ کی فطرت سلیمہ اور طبیعت ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی تھی کہ کسی بری خواہش اور بری چیز کی طرف میلان ہی نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ ایسی چیزیں جو ابتداء اسلام میں جائز و حلال تھیں مگر انجام کار انکا حرام ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں طے شدہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حلال ہونے کے زمانہ میں کبھی ان کے پاس نہیں گئے، جیسے شراب یا سود اور جو وغیرہ۔

پوری امت کو نماز کی اقامت کا حکم

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، علماء تفسیر صحابہ و تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ ”صلوٰۃ“ سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں (بحر محیط، قرطبی) اور صلوٰۃ کی اقامت سے مراد اس کی پوری پابندی اور مداومت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے یہی تین قول آیت و اَقِمِ الصَّلٰوةَ کی تفسیر میں منقول ہیں اور درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں یہ سبھی چیزیں ”اقامتِ الصلوٰۃ“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

ایک وقت میں دو نمازیں جائز نہیں

آیت ان الصلوٰۃ كانت علی المومنین کتابا موقوتا کی تشریح میں سورہ نساء میں ہم نے امام ابو حنیفہ کے قول کی تائید میں

سنن میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر فرمایا اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام گلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مسند میں ہے کہ آپ نے پانی منگوا یا وضو کیا پھر فرمایا میرے اسی وضو کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیا کرتے تھے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے اس کے صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے پھر صبح اٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

پانچ نمازوں کی مثال

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی مثال پانچ نمازوں کی کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک کا کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ مسند احمد میں ہے ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔

یہ اصول پوری امت کیلئے ہے

بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت اتری۔ اس نے کہا کیا میرے لئے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لئے یہی حکم

روایت پیش کی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے حضرت عبد اللہ نے فرمایا، میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوائے مزدلفہ کے، مزدلفہ میں تو حضور نے مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا تھا، اور دوسرے دن فجر کی نماز تڑکے سے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔ شاید حضرت ابن مسعود کی مراد یہ ہے کہ معمولاً فجر کی نماز جس وقت پڑھتے تھے اس سے پہلے مزدلفہ میں پڑھ لی تھی۔ عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا مسئلہ چونکہ مشہور ہے اسی لئے شاید حضرت ابن مسعود نے عرض کا ذکر نہیں کیا (صرف مزدلفہ کا ذکر کیا)۔

لیلۃ التعلیس والی (جب کہ پچھلی رات کو ایک جگہ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا تھا اور بلال کو جاگتے رہنے اور فجر کے لئے بیدار کرنے کا حکم دے کر خود سو گئے تھے اور صحابہ بھی سو گئے اور اتفاقاً بلال بھی سو گئے اور سب کی نماز قضا ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سونے کی حالت میں (نماز قضا ہونے میں) کوئی تصور نہیں تصور تو اس بات میں ہے کہ بیداری کی حالت میں نماز میں اتنی تاخیر کر دی جائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط

البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو

ذَلِكَ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١﴾

یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو ☆

نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں

یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، خدا کی یادگاری ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا۔

أَقْبِهِ الصَّلَاةَ لِيذْكَرُنِي“ یا یہ مطلب ہے کہ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لئے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اس سے خوب برائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے، اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہئے۔ ”جتنا میل اتنا صابون“۔ (تفسیر عثمانی)

ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا ہاں جمع نہیں کیا، اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لئے آپ تجویز فرمائیں میں برداشت کر لوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی اگر یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا اسے واپس بلا لاؤ۔ جب وہ آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ اسی کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے۔

حضرت ابوالیسر کا واقعہ

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت سودا لینے کے لئے آئی تھی افسوس کی میں اسے کوٹھڑی میں لے جا کر اسے بجز جماع کے اور ہر طرح لطف اندوز ہوا۔ اب جو حکم خدا ہو وہ مجھ پر جاری کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ اس نے کہا جی ہاں یہی بات تھی۔ آپؐ نے فرمایا تم جاؤ، (حضرت) ابوبکر صدیقؓ سے یہ مسئلہ پوچھو۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی یہی سوال کیا۔ پس آپؐ نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح فرمایا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید اس کا خاوند راہ خدا میں گیا ہو، ہوگا؟ پس قرآن کریم کی یہ آیت اتری، تو وہ کہنے لگا کیا یہ خاص میرے لئے ہی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں اس طرح صرف تیری ہی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ سچے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ وہ عورت مجھ سے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے آئی تھی تو میں نے اسے کہا کہ اندر کوٹھڑی میں اس سے بہت اچھی کھجوریں ہیں وہ اندر گئی، میں نے بھی اندر جا کر اسے چوم لیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اپنے نفس پر پردہ ڈالے رہ۔ لیکن ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس تو نے ایک غازی مرد کی اس کی غیر حاضری میں ایسی خیانت کی۔ میں نے تو یہ سن کر اپنے تئیں جہنمی سمجھ لیا اور میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ

میرا اسلام اس کے بعد کا ہوتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سی دیر اپنی گردن جھکالی۔ اسی وقت حضرت جبریلؑ یہ آیت لے کر اترے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ خدا کی مقرر کردہ حد مجھ پر جاری کیجئے۔ ایک دو دفعہ اس نے یہ کہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اچھی طرح وضو کیا؟ اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس تو تو ایسا ہی ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ خبردار اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

نمازوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں

حضرت ابو عثمانؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تو تمام خشک پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا ابو عثمانؓ تم پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا ہاں جناب ارشاد ہو۔ فرمایا اسی طرح میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، پھر فرمایا جب بندہ مسلمان اچھی طرح وضو کر کے پانچوں نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس خشک شاخ کے پتے جھڑ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں برائی اگر کوئی ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لو کہ اسے مٹا دے۔ اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے ملا کرو۔ اور حدیث میں ہے جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لیا کر کہ اسے مٹا دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی نیکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو بہترین اور افضل نیکی ہے۔ ابو یعلیٰ میں ہے دن رات کے جس وقت میں کوئی لا الہ الا اللہ پڑھے اس کے نلمہ اعمال میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی جگہ ویسی ہی نیکیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے راوی عثمانؓ میں ضعف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی نیکی پرانی بدی کا جس طرح خوبی کے ساتھ پیچھا کرتی اور تیزی کے ساتھ اس کو پہنچ جاتی ہے اتنی پہنچ والی اور کوئی خبر میں نے نہیں دیکھی۔ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

اور صبر کر البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

ثواب نیک کرنے والوں کا ☆

اللہ کی امداد حاصل کرنے کا طریقہ

قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ صلوٰۃ اور وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرة) یہاں بھی ”صلوٰۃ“ کے بعد ”صبر“ کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کرے تب خدا کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اس کے یہاں کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ سے زیادہ ملتا ہے۔ (تفسیر عثمانی) یعنی لمحسنین سے کلام حاصل دلیل ہو گیا کہ چونکہ وہ نیکو کار ہیں اس لئے اللہ ان کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس آیت میں ارشاد ہے اس امر کی جانب کہ صلوٰۃ اور صبر ہم زاد ہیں اور اخلاص نیت نہ ہو تو دونوں ناقابل اعتبار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

نیک کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ضروری ہے یہ پچھلوں کا حال بنا کر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں۔ گزشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش و عشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے ”امر بالمعروف“ کی کچھ آواز بلند کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہو گئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں ”نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے“۔ حدیث صحیح میں ہے جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ ”امر بالمعروف“ و ”نہی عن المنکر“ ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو

بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾

زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں ☆

اللہ خواہ مخواہ ہلاک نہیں کرتے

یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیک کو روانہ دیں، ظلم و فساد کو روکیں تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان یا ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔ (تفسیر عثمانی) نیک لوگ

طبرانی اور ابوالشیخ نے حضرت جریر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مصلحون کی تشریح میں) فرمایا باہم انصاف کرتے ہوں (تو اللہ ان کو ہلاک نہیں کرتا)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ

سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے

قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ

پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے

الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا

بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے کہ

مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ

جن کو ہم نے بچالیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ

ظَلَمُوا مَا أَتَرَفُوا فِيهِ وَكَانُوا

جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہتے تھے

مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۷﴾

اور تھے گنہگار ☆

شُرک کی وجہ سے ہلاک نہ کرنے کی وجہ

شُرک کی وجہ سے ہلاک نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ بڑی رحمت والا ہے اپنے حقوق سے درگزر فرمادیتا ہے۔ اگر اللہ کے اور بندوں کے حقوق میں کہیں ٹکراؤ ہوتا ہو (کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے سے اللہ کا حق فوت ہوتا ہو اور حق اللہ کی ادائیگی سے بندوں کی حق تلفی ہوتی ہو) تو فقہاء نے حقوق العباد کی ادائیگی کو قابل ترجیح قرار دیا ہے، ایک مشہور مقولہ ہے کہ حکومت شرک کے ساتھ تو باقی رہ جاتی ہے، ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر مظہری)

گذشتہ چند آیات کا خلاصہ

تیسری اور چوتھی آیتوں میں پچھلی اقوام پر عذاب الہی نازل ہونے کی وجہ اور لوگوں کو اس سے بچنے کی ہدایت اس طرح دی گئی ہے کہ فرمایا: ”ان پچھلی قوموں میں افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا کہ ان میں کچھ بھی سمجھدار نیک لوگ ہوتے جو اپنی قوم کو فساد کرنے سے باز رکھتے، بجز تھوڑے سے لوگوں کے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کا اتباع کیا، اور وہی عذاب سے محفوظ رہے، اور باقی پوری قوم دنیا کی لذتوں میں پھنس کر جرائم پیشہ بن گئی۔“

اس آیت میں اہل الرائے اور سمجھدار لوگوں کو لفظ اولو ابقیۃ سے تعبیر کیا ہے۔ بقیۃ کا لفظ باقیماندہ چیز کے لئے بولا جاتا ہے، اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتی ہے اس کو ہر حال میں اپنے لئے محفوظ اور باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے، ضرورت پڑنے پر دوسری ساری چیزیں قربان کر دیتا ہے مگر اس کو نہیں دیتا، اسی لئے عقل و بصیرت کو ”بقیۃ“ کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔ چوتھی آیت میں فرمایا کہ آپ کو رب شہروں اور بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے بسنے والے نیکوکار یعنی مسلمان ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ظلم و جور کا کوئی امکان نہیں جن کو ہلاک کیا جاتا ہے وہ اسی کے مستحق ہوتے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے اور مصلحون سے مراد وہ لوگ ہیں جو باوجود شرک ہونے کے معاملات اور اخلاق اچھے رکھتے ہیں، کسی کو نقصان و ایذا نہیں پہنچاتے، جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ دنیا کا عذاب کسی قوم پر محض ان کے شرک ہونے کی وجہ سے نہیں آتا جب تک کہ وہ اعمال و اخلاق میں بھی ایسے کام نہ کرنے لگیں جن سے زمین میں فساد پھیلتا ہے، پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آئے ان کے خاص خاص اعمال بد اس کا سبب بنے، نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طرح طرح کی ایذاں پہنچائیں۔

قوم شعیب نے ناپ تول میں کمی کر کے فساد پھیلایا، قوم لوط علیہ السلام نے بدترین قسم کی بدکاری کو شیوہ بنایا، قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے اپنے پیغمبروں پر ظلم ڈھائے، قرآن کریم نے دنیا میں ان پر عذاب آنے کا سبب انہی اعمال و افعال کو بتلایا ہے، نرے کفر و شرک کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں آتا۔ اس کی سزا تو جہنم کی دائمی آگ ہے، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ ملک و سلطنت کفر و شرک کے ساتھ چل سکتے ہیں مگر ظلم و جور کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

کون سا اختلاف برا ہے

پانچویں آیت میں جو ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت و ملت بنا دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی قبول اسلام پر مجبور کر ڈالتے، سب کے سب مسلمان ہی ہو جاتے ان میں کوئی اختلاف نہ رہتا مگر تقاضائے حکمت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس نے انسان کو ایک قسم کا اختیار سپرد کر دیا ہے اس کے ماتحت وہ اچھایا برا جو چاہے عمل کر سکتا ہے، اور انسان کی طبائع مختلف ہیں اس لئے راہیں مختلف ہوتی ہیں اور عمل مختلف ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ہمیشہ دین حق سے اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ بجز ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی یعنی انبیاء علیہم السلام کا اتباع کرنے والے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف سے مراد اس جگہ دین حق اور تعلیم انبیاء کی مخالفت ہے، اجتہادی اختلاف جو ائمہ دین اور فقہائے اسلام میں ہونا ناگزیر ہے اور عہد صحابہ سے ہوتا چلا آیا ہے، وہ اس میں داخل نہیں، نہ وہ رحمت الہی کے خلاف ہے بلکہ مقتضائے حکمت و رحمت ہے، جن حضرات نے ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو اس آیت کی رو سے غلط، خلاف رحمت قرار دیا ہے، یہ خود سیاق آیت کے بھی خلاف ہے اور صحابہ و تابعین کے تعامل کے بھی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً

اور اگر چاہتا تیرا رب کہ ذات لوگوں کو ایک

وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۰﴾

رستہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں

إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ط

مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے ☆

تکوینی حکمت

یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے إِلَّا مَنْ رَجِمَ رَبُّكَ سے متنبہ فرمادیا کہ جن پر خدا نے ان کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی مشیت اور حکم

آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی مشیت الگ چیز ہے اور حکم جدا حیثیت رکھتا ہے اور دونوں ایک نہیں ہیں۔ اللہ نے ہر شخص کو مومن بنانے کا وعدہ نہیں کیا ہے اگر وہ چاہتا تو اس کی مشیت کے مطابق ضرور ہو جاتا۔ سیدھا راستہ

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر دائیں بائیں کچھ خطوط (ترچھے) کھینچے اور فرمایا یہ (مختلف) رستے ہیں۔ ان میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا اپنی طرف بلا رہا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی، وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ رواہ احمد والنسائی والدارمی۔ (تفسیر مظہری)

وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ

اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے اور پوری ہوئی

كَلِمَةً رَبِّكَ لِأَمَلِكٍ جَهَنَّمَ

بات تیرے رب کی کہ البتہ بھردونگا دوزخ

مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے ☆

دنیا کو پیدا کرنے کی غرض

یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی

”صفات جمالیہ“ و ”قہریہ“ کا ظہور ہو، اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو إِلَّا مَنْ رَجِمَ رَبُّكَ کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر جس دوام کی سزا بھگتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو۔ لَا مَلِكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ بہر حال آفرینش عالم کا تشریحی مقصد عبادت ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات۔ رکوع ۳) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریحی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است

دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہونگے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(تفسیر عثمانی)

جنت اور دوزخ کی گفتگو

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ میں گفتگو ہوئی۔ جنت نے کہا مجھ میں تو صرف ضعیف اور کمزور لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔ اور جہنم نے کہا میں تکبر اور تجبر کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے چاہوں تجھ سے نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے جس سے میں چاہوں تیرے عذابوں سے انتقام لوں گا۔ تم دونوں پر ہو جاؤ گی۔ جنت میں تو برابر زیادتی رہے گی یہاں تک کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا اور اسے اس میں بسائے گا اور جہنم بھی برابر زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اس پر اللہ رب العزت اپنا قدم رکھ دے گا۔ تب وہ کہنے لگے گی تیری عزت کی قسم اب بس ہے بس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا

اور کہہ دے ان کو جو ایمان نہیں لاتے کام کئے جاؤ

عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ﴿۱۲۱﴾

اپنی جگہ پر ہم بھی کام کرتے ہیں اور

انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ☆

حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا صبر کرو

اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گذر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد پر جسے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں۔ نیز تم میرے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہو۔ میں تمہارے انجام بد کا منتظر ہوں۔ چند روز میں یہ چل جائے گا کہ ظالموں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ يَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَابُّ عَلَيْهِمْ ذَايِرَةٌ السَّوْءِ

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور

وَالْيَوْمِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ

اسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سوا سی کی بندگی کر

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

اور اسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب بیخبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

جو کام تم کرتے ہو ☆

اللہ پر بھروسہ رکھیں

یعنی آپ ان کے کفر و شرارت سے دلگیر نہ ہوں اپنا کام کئے جائیں اور ان کا فیصلہ خدا کے حوالہ کریں، اس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات پھر پھرا کر اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبِیَاءٍ

اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس

الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهٖ فُوَادِكُمْ

رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو

وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ

اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کو ☆

بعض واقعات بیان کرنے کی حکمت

اوپر بہت سے انبیاء و رسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت پر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں۔

یعنی گذشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبر علیہ السلام کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے اور امت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکیر کا بڑا سامان ہے۔

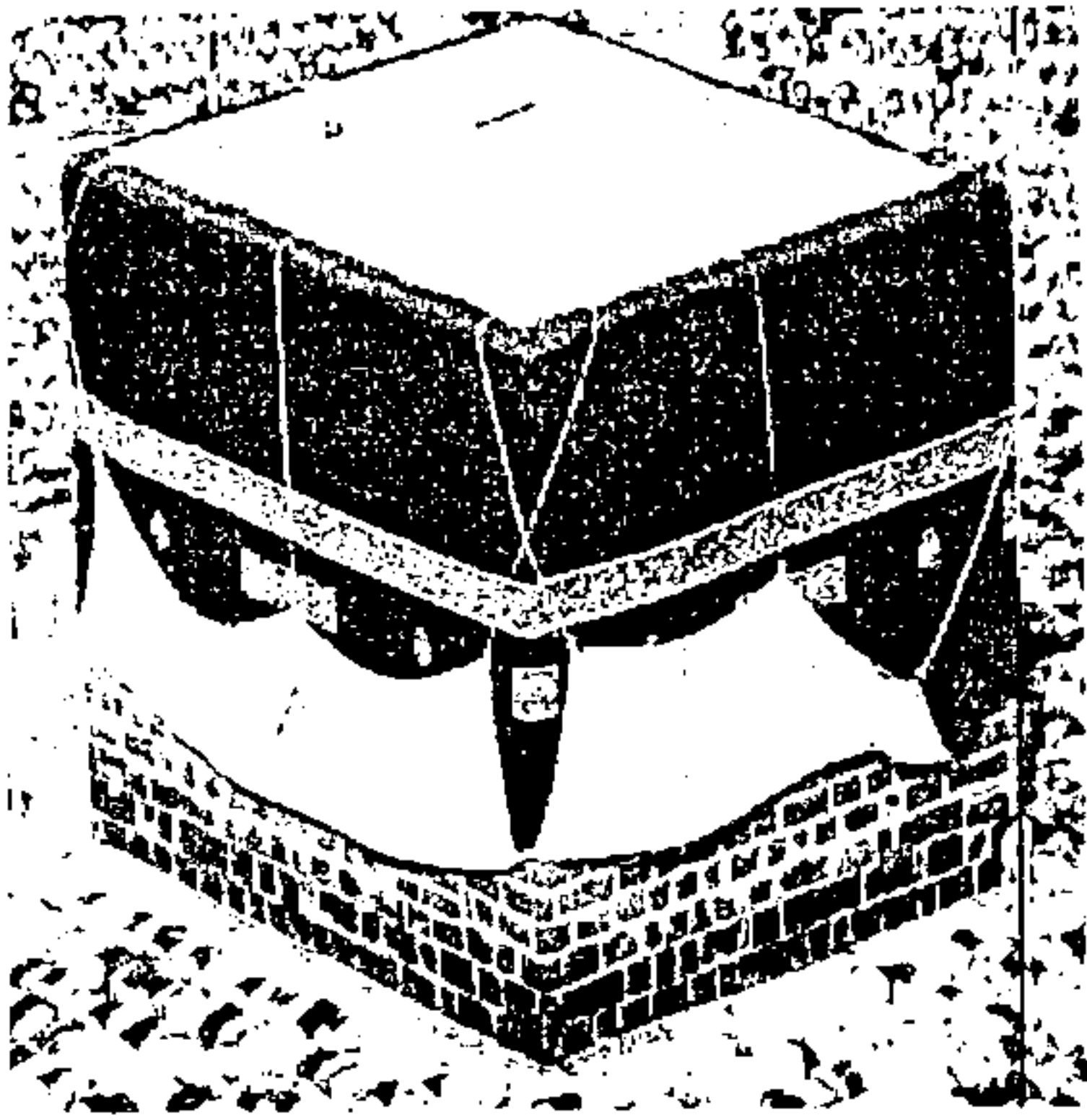
آدمی جب سنتا ہے کہ میرے ابنائے نوع پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعاً اس کی طرف دوڑتا ہے۔

فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر مؤثر و مذکور واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جزء ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اس پر ہم نے رسالہ ”القاسم“ کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

(تفسیر عثمانی)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ



وہاں ان کو پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس خط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ تو دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہے۔ اور تنہا اسی کی اعانت پر بھروسہ رکھے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں ان کے مناسب تم سے معاملہ کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آگئے؟ فرمایا شیبینی ہود و احوالہا سورة ہود اور اس کی بہنوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورة ہود کی جس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا یہ تھی۔ فَأَسْتَقِمُّ كَمَا أُفْرِتُ وَمَنْ تَابَ مَعَدُوًّا لَا تَطْفُوا إِلَيْهِمْ أَنْ تَعْمَلُونَ بَصِيرًا رَزَقْنَا اللَّهُ سَبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ الْإِسْتِقَامَةَ عَلَىٰ دِينِهِ وَ سَنَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. تم سورة ”ہود“ بفضله و منہ. (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آ گیا فرمایا مجھے (سورة) ہود اور الواقعة اور المرسلات اور عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ اور إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا۔ رواہ الترمذی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ بغوی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

احادیث مبارکہ سے صراحتہ معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپا روز قیامت کے تذکرے اور گذشتہ امتوں (پر ہونے والے عذاب) کے ذکر سے آیا۔ امر بالاستقامتہ کو بڑھاپا آنے میں دخل نہیں ورنہ صرف سورة ہود کا ذکر کیا جاتا۔ (کیونکہ استقامت کا حکم صرف اسی سورت میں ہے) (تفسیر مظہری)

سورة کا اختتام

بغوی نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ توریت کا خاتمہ جس آیت پر ہوا اسی پر سورة ہود کا خاتمہ ہوا۔

کعب احبار سے منقول ہے کہ توریت کا شروع وہ ہے کہ جو سورة انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ وہ ہے جو سورة ہود کا خاتمہ ہے۔ یعنی وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الی آخر السورة اخرجہ ابن جریر وغیرہ تفسیر قرطبی ص ۱۱۷ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۶ ج ۲۔ (معارف کاندھلوی)

مورخین کیلئے ہدایات

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاریخ نگاری بھی ایک مستقل فن ہے۔ اس میں اس فن والوں کے لئے خاص ہدایات ہیں کہ بیان میں نہ اتنا اختصار ہونا چاہیے۔ جس سے بات ہی پوری نہ سمجھی جاسکے۔

اور نہ اتنا طول ہونا چاہیے کہ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا مشکل ہو جائے جیسا کہ اس قصہ کے قرآنی بیان سے واضح ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الرَّحْمٰتِ تِلْكَ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ①

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ☆

روشن احکام

جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواضع و نصاب پر وہ مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ②

ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو ☆

عربی قرآن

یعنی عربی زبان میں جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت زبان ہے نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب عرب ہونگے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو اول اس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ”انزل اشرف الکتب باشراف اللغات علی اشرف الرسل بسفارة اشرف الملائكة وکان ذلک فی اشرف بقاع الارض وابتداء انزاله فی اشرف شهور السنة وهو رمضان فکمل من کل الوجوه۔“ (تفسیر عثمانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ یوسف

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے گھر والے اس کے دشمن ہوں گے اور مسافرت میں فائدہ و حظ پالے گا۔ (حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

معارف و مسائل

سورۃ کا تعارف

سورۃ یوسف چار آیتوں کے سوا پوری سورت مکی ہے، اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور یہ قصہ صرف اسی سورۃ میں آیا ہے پورے قرآن میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں، یہ خصوصیت صرف قصہ یوسف علیہ السلام ہی کی ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات پورے قرآن میں خاص حکمت کے تحت اجزاء اجزاء کر کے لائے گئے ہیں اور بار بار لائے گئے۔

اصلاح کا نسخہ

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم اور ماضی کے تجربات میں انسان کی آئندہ زندگی کیلئے بڑے سبق ہوتے ہیں جن کی قدرتی تاثیر کارنگ انسان کے قلب و دماغ پر عام تعلیمات سے بہت زیادہ گہرا اور بے محنت ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم جو تمام اقوال عالم کے لئے آخری ہدایت نامہ کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے اس میں پوری اقوام عالم کی تاریخ کا وہ منتخب حصہ لے لیا گیا ہے جو انسان کے حال اور مال کی اصلاح کیلئے نسخہ کیمیا ہے۔

اصل مقصود انشاء ہے

بعض اہل تحقیق نے فرمایا کہ انسان کے کلام کی جو دو قسمیں خبر اور انشاء مشہور ہیں، ان دونوں قسموں میں سے مقصود اصلی انشاء ہی ہے خبر بحیثیت خبر کبھی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ دانشمند انسان کا مقصد ہر خبر اور واقعہ کو سننے اور دیکھنے سے صرف اپنے حال اور عمل کی اصلاح ہونی چاہیے۔

ہوا ہوگا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا وہ کئی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تا پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔ (تفسیر عثمانی)

عجیب قصہ

یعنی قصہ یوسف بیان کرتے ہیں جو بہترین قصہ ہے اس قصہ میں عجائبات قدرت ہیں عبرتیں اور حکمتیں ہیں دقائق اور فوائد ہیں جو دین و دنیا کے حالات کو درست کرنے والے ہیں۔ بادشاہوں اور رعایا کی سیرتیں اور علماء کی خصائل ہیں عورتوں کی مکاری کا اظہار ہے دشمنوں کی ایذا پر صبر کرنے کا بیان ہے قابو پانے کے بعد بھی دشمنوں سے درگزر کرنے کی تعلیم ہے۔

جنت والے پڑھیں گے

خالد بن معدان نے کہا سورہ یوسف اور سورہ مریم مزے لے لے کر اہل جنت جنت میں پڑھیں گے ابن عطاء نے کہا ہر غم رسیدہ سورہ یوسف سن کر کچھ چین پاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بہترین قصہ اور بہترین بات

اور روایت میں ہے کہ ایک زمانے تک قرآن کریم نازل ہوتا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے تلاوت فرماتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا حضور! کوئی واقعہ بھی بیان ہو جاتا تو اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پھر کچھ وقت کے بعد کہا کاش کہ آپ کوئی بات بیان فرماتے، اس پر آیت اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ الْخِاتَمِ اتری اور بات بیان ہوئی۔ روش کلام کی ایک ہی ڈھب دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ! بات سے اوپر کی اور قرآن سے نیچے کی کوئی چیز ہوتی یعنی واقعہ۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ پھر انہوں نے حدیث کی خواہش کی اس پر آیت اللہ نزل الخ اتری۔ پس قصے کے ارادے پر بہترین قصہ اور بات کے ارادے پر بہترین بات نازل ہوئی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے

بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ

کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور

كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ

تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں ☆

نہایت سبق آموز انداز بیان

یعنی اس وحی کے ذریعہ جو قرآن کی صورت میں ہم پر نازل ہوتی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کو ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا۔ جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاک دامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بی شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کی شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی۔ پھر ”بنی اسرائیل“ مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبرت سے مملو ہونے کا اشتیاق

اب پچھلی کتابوں کے پیچھے کی ضرورت نہیں رہی
 مناسب ہے کہ ہم مسند احمد کی اس حدیث کو بھی بیان کر دیں جس
 میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ایک
 کتاب ہاتھ لگ گئی تھی اسے لے کر آپ حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے سنانے لگے۔ آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے اے خطاب کے
 لڑکے کیا تم اس میں مشغول ہو کر بہک جانا چاہتے ہو؟ اس کی قسم جس
 کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اس کو نہایت روشن چمکیلی لے
 کر آیا ہوں، تم ان اہل کتاب سے کوئی بات نہ پوچھو ممکن ہے کہ وہ صحیح
 جواب دیں اور تم اسے جھٹلا دو اور ہو سکتا ہے کہ وہ غلط جواب دیں اور تم
 اسے سچا سمجھ لو سنو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ
 اگر آج خود (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی
 بجز میری تابعداری کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت
 عمر بن خطاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بنو قریظہ قبیلہ کے
 میرے ایک دوست نے تورات میں سے چند جامع باتیں مجھے لکھ دی
 ہیں تو کیا میں انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ
 وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابت نے کہا کہ اے عمر!
 کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے! اب حضرت
 عمر کی نگاہ پڑی تو آپ کہنے لگے ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے
 دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر دل سے
 رضامند ہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے غصہ دور ہوا اور
 فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ محمد کی جان ہے کہ اگر تم میں
 خود (حضرت) موسیٰ ہوتے پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع میں لگ
 جاتے تو تم سب گمراہ ہو جاتے۔ امتوں میں سے میرا حصہ تم
 ہو اور نبیوں میں سے تمہارا حصہ میں ہوں۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ سوس
 کارہنے والا قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص جناب فاروق اعظم رضی اللہ
 عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام فلاں فلاں ہے؟
 اس نے کہا ہاں۔ پوچھا تو سوس میں مقیم ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ
 کے ہاتھ میں جو خوشہ تھا اسے مارا۔ اس نے کہا امیر المؤمنین میرا کیا
 قصور ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھ جا میں بتاتا ہوں۔ پھر بسم اللہ
 الرحمن الرحیم پڑھ کر اسی سورت کی آیتیں لمن الغافلین تک

پڑھیں۔ تین مرتبہ ان آیتوں کی تلاوت کی اور تین مرتبہ اسے مارا۔ اس
 نے پھر پوچھا کہ امیر المؤمنین! میرا قصور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے
 دانیال کی کتاب لکھی ہے۔ اس نے کہا پھر جو آپ فرمائیں میں کرنے
 کا تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا جا اور گرم پانی اور سفید روئی سے اسے
 بالکل مٹادے۔ خبردار آج کے بعد سے نہ اسے خود پڑھنا نہ کسی
 اور کو پڑھانا، اب اگر میں نے اس کے خلاف سنا کہ تو نے آپ اسے
 پڑھایا کسی کو پڑھایا تو ایسی سخت سزا کروں گا کہ عبرت بنے۔ پھر فرمایا
 بیٹھ جا ایک بات سنتا جا، میں نے جا کر اہل کتاب کی ایک کتاب لکھی
 پھر اسے چمڑے میں لئے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس آیا۔ آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تیرے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ میں نے
 کہا ایک کتاب ہے کہ ہم علم میں بڑھ جائیں۔ اس پر آپ اس
 قدر ناراض ہوئے کہ غصے کی وجہ سے آپ کے رخسار پر سرخی نمودار ہو گئی
 پھر منادی کی گئی کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔ اسی وقت انصار نے ہتھیار
 سنبھال لئے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا ہے اور منبر
 نبوی کے چوٹرف وہ لوگ ہتھیار بند بیٹھ گئے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا لوگو! میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور کلمات کے خاتم
 دیا گیا ہوں اور پھر میرے لئے بہت ہی اختصار کیا گیا ہے۔ میں دین
 خدا کی باتیں بہت سفید چمکیلی لایا ہوں، خبردار تم بہک نہ جانا گہرے
 اترنے والے کہیں تمہیں بہکانہ دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر کھڑے ہو گئے
 اور کہنے لگے اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر میں تو یا رسول اللہ دل
 سے راضی ہوں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے۔ اس کے
 ایک راوی عبدالرحمن بن اسحاق کو محدثین ضعیف کہتے ہیں۔ امام بخاری
 ان کی حدیث کو صحیح نہیں لکھتے۔ میں کہتا ہوں اس کا ایک شاہد اور سند سے
 حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی لائے ہیں کہ خلافت فاروقی کے
 زمانے میں آپ نے حمص کے چند آدمی بلائے ان میں دو شخص وہ تھے
 جنہوں نے یہودیوں سے چند باتیں منتخب کر کے لکھ لی تھیں وہ اس
 مجموعے کو بھی اپنے ساتھ لائے کہ حضرت عمر سے دریافت کر لیں گے
 اگر آپ نے اجازت دی تو ہم اس میں اسی جیسی اور باتیں بھی بڑھالیں
 گے ورنہ اسے بھی پھینک دیں گے۔ یہاں آ کر انہوں نے کہا کہ
 امیر المؤمنین! یہودیوں سے ہم بعض ایسی باتیں سنتے ہیں کہ جن سے

پست ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا۔ سچ ہے ”ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔“ (تفسیر عثمانی)

امام احمد اور بخاری نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کریم بن کریم بن کریم، بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم تھے۔

خواب میں نظر آنے والے تارے

سعید بن منصور نے سنن میں اور بزار و ابویعلیٰ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ و ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں اور عقیلی و ابن حبان نے ضعفاء میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم و بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو بشرط مسلم صحیح بھی قرار دیا ہے کہ ایک یہودی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا (بیہقی نے اس یہودی کا نام بستان لکھا ہے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ستاروں کے متعلق وضاحت کرو۔ جو یوسف نے (خواب میں) دیکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور جبریل نے نازل ہو کر آپ کو اطلاع دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تجھے بتا دوں گا تو کیا تو مان لے گا، یہودی نے جواب دیا جی ہاں، فرمایا (گیارہ ستارے) جبرئیل الطارق، الذبالب اور قابس عمودان، الفلق، الصبح، الضروح، الفرغ و ثاب اور ذوالکفین تھے۔ ان کو اور سورج و چاند کو یوسف نے دیکھا تھا کہ اوپر سے اتر کر ان سب نے یوسف کو سجدہ کیا، یہودی بولا، بیشک خدا کی قسم ان کے یہی نام تھے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام میں مشابہت (ربط) گزشتہ سورت یعنی سورہ ہود میں بھی اثبات نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے انبیاء سابقین کے قصے ذکر کیے اسی طرح سورہ یوسف میں بھی یوسف صدیق علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا کیونکہ یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صالحہ سے ہوا، جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اول مابدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحي الرويا الصالحة فكان لا يروى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح .

ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کیا وہ باتیں ان سے لے لیں یا بالکل ہی نہ لیں؟ آپ نے فرمایا شاید تم نے ان کی کچھ باتیں لکھ رکھی ہیں؟ سنو میں اس میں فیصلہ کن واقعہ سناؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خیبر گیا وہاں کے ایک یہودی کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے اس سے درخواست کی اور اس نے وہ باتیں مجھے لکھ دیں۔ میں نے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وہ لے کر آؤ۔ میں خوشی خوشی چلا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا یہ کام پسند آ گیا۔ لاکر میں نے اس کا پڑھنا شروع کیا اب جو ذرا سی دیر کے بعد میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخت ناراض ہیں۔ میری زبان سے پھر تو ایک حرف بھی نہ نکلا اور مارے خوف کے میرا دل کھڑا ہو گیا۔ میری یہ حالت دیکھ کر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تحریروں کو اٹھا لیا اور ان کا ایک ایک حرف مٹانا شروع کیا اور زبان مبارک سے ارشاد فرماتے جاتے تھے کہ دیکھو خبردار ان کی نہ ماننا یہ تو گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے ہیں، اور یہ تو دوسروں کو بھی بہکا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ساری تحریر کا ایک حرف بھی باقی نہ رکھا۔ یہ سنا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے بھی ان کی باتیں لکھی ہوئی ہوتیں تو میں تمہیں ایسی سزا کرتا کہ اوروں کیلئے عبرت ہو جائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم ہرگز ایک حرف بھی نہ لکھیں گے۔ باہر آتے ہی جنگل میں جا کر انہوں نے اپنی وہ تختیاں گڑھا کھود کر دفن کر دیں۔ مراہیل ابی داؤد میں بھی حضرت عمرؓ سے ایسی ہی روایت ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اذ قال يوسف لابي يابتي اني

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں

رأيت احد عشر كوكبا و

نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور ☆

الشامس والقمر رأيتهم لي سجدين ④

سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے ☆

یوسف علیہ السلام کا خواب

یعنی گیارہ ستارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور

پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت کا آغاز روایے صالحہ سے ہوا
 اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَّ الْقَمَرَ رَاٰیْتُہُمْ لٰی سٰجِدِیْنَ
 اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز روایے صالحہ
 سے ہوا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ یٰبُنٰی لَا تَقْصُصْ

کہا اے بیٹے مت بیان کر ☆

رُءِیَاکَ عَلٰی اِخْوَتِکَ فِیْکِیْدُ وَاَلٰکَ

خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھروہ بنائیں گے تیرے واسطے

کِیْدًا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۰

کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن ☆

خواب کی تعبیر باپ کی نصیحت

یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسا دے گا، کیونکہ خواب کی تعبیر بہت ظاہر تھی، اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو بہر حال خاندان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج ماں باپ ہیں گویا یہ سب کسی وقت یوسف علیہ السلام کی عظمت شان کے سامنے سر جھکا بیٹھے چنانچہ آخر سورت میں ”یٰبٰتِ هٰذَا تَاوِیْلُ رُءِیَایْ مِنْ قَبْلِۢ قَدْ جَعَلْہَا رِیْبًا حَقًّا“ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسف کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اس کے علانی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں یہ خواب سن پائے تو شیطان حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا دیگا اور جوش حسد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو یوسف کی اذیت اور خود ان کی رسوائی اور بد انجامی کا موجب ہو۔ اس لئے آپ نے یوسف علیہ السلام کو منع فرمادیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں یوسف کا ایک حقیقی بھائی ”بنیامین“ تھا، اس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، گو اس سے برائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا،

لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے۔

(تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن، لغت اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادران یوسف انبیاء تھے، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اس کا قائل تھا۔ بھلا عقوق والدین، قطع رحم مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلاد کفر کی طرف بھیج دینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ، کیا کسی نبی کی طرف (خواہ قبل از بعثت ہی سہی) منسوب کی جاسکتی ہیں (العیاذ باللہ) جن لوگوں نے برادران یوسف کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے ان کے پاس لفظ ”اسباط“ کے سوا کوئی دلیل نہیں حالانکہ ”اسباط“ خاص صلی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام و امم کو کہتے ہیں اور ”بنی اسرائیل“ کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسف کا یہ خواب سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تاکید کر دی کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ دوہرانا کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اور بھائی آپ کے سامنے پست ہوں گے یہاں تک کہ وہ آپ کی عزت و تعظیم کیلئے آپ کے سامنے اپنی بہت ہی لاچاری اور عاجزی ظاہر کریں تو بہت ممکن ہے کہ اس خواب کو سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر شیطان کے بہکاوے میں آکر ابھی سے تمہاری دشمنی میں لگ جائیں، اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول فریب کاری کرنے لگیں۔ اور کسی حیلے سے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں تم لوگ کوئی اچھا خواب دیکھو تو خیر اسے بیان کر دو اور جو شخص کوئی ایسا برا خواب دیکھے تو جس کروٹ پر ہو وہ کروٹ بدل دے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھکا کر دے اور اس کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے تو وہ خواب اسے کوئی نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے وہ گویا پرند کے پاؤں پر ہے ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہوگی پھر وہ ہو جاتا ہے۔

اسی سے یہ حکم بھی لیا جاسکتا ہے کہ نعمت کو چھپانا چاہیے جب تک کہ وہ از خود اچھی طرح حاصل نہ ہو جائے اور ظاہر نہ ہو جائے۔ جیسے کہ

دیتا ہے ایسے خواب کو بد خواب یا حلم یا تنخوف الشیطان کہا جاتا ہے۔
(۳) اللہ کی طرف سے خزان غیب میں سے کسی امر کا یا اپنی پوشیدہ صفات میں سے کسی خاص صفت کا یا مدارج قرب ذات میں سے کسی درجہ خاص کا الہام اور القاء ہونا ہے (یعنی قلبی فیضان یا روحانی تنویر) یہی الہام بندے کے لئے بشارت (غیبی) بن جاتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا خواب ایک کلام ہوتا ہے کہ بندے سے اس کا رب کلام کرتا ہے رواہ الطبرانی بسند صحیح۔ یہ خواب صحیح ہوتا ہے۔

صوفیاء کی تحقیق

صوفیاء کے نزدیک خواب کی تحقیق یہ ہے کہ عالم کبیر تو یہ سارا عالم ہے اور عالم صغیر انسان ہے عالم کبیر ایک شخص معین کا نام ہے جس کا نفس بھی ہے روح بھی ہے اور مختلف قوتیں بھی ہیں اس کی شکل انسانی شکل کی طرح ہے اسی لیے اس کو انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ گویا جس طرح انسان عالم صغیر ہے اسی طرح یہ سارا جہاں انسان کبیر ہے دونوں میں گہری اور کامل مشابہت ہے جس طرح انسان میں قوت متخیلہ (اور اس کی کار فرمائی) ہے اسی طرح عالم کبیر کی بھی قوت متخیلہ ہے جس کے اندر تمام محسوسات اور غیر محسوسات - اعراض - جواہر مجردات اور معانی (حقائق غیر مادیہ) موجود ہیں تمام ممکنات خواہ مادی ہوں یا مادے سے خالی۔ یہاں تک کہ وہ چیزیں بھی جن کی خارج ہیں کوئی صورت نہیں مثلاً موت، زندگی، دن، سال، بیماری بلکہ اللہ کی ذات و صفات کی صورتیں بھی اللہ نے عالم کبیر کی قوت متخیلہ میں پیدا کر دی ہیں اور ہر چیز مصور ہو کر اس میں موجود ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار کو سیاہ فام عورت کی شکل میں دیکھا تھا اور حضرت یوسف نے گائے اور گےہوں کی بالیوں کی تعبیر میں کہا تھا کہ یہ ارزانی اور قحط کے سال ہیں اب یہ ضروری نہیں کہ جو شکل عالم کبیر کی متخیلہ میں کسی چیز کی ہو وہ اسی طرح ہو جس طرح ہمارے دماغوں میں اس کی آتی ہے یعنی خواب کی شکل کا محکم عنہ (عالم کبیر کی متخیلہ والی شکل) سے مطابق اور اس کی جنس سے ہونا ضروری نہیں بلکہ دونوں میں قدرے مناسبت کافی ہے یہ مناسبت ظاہر ہو یا مخفی بہر حال اس مناسبت کی وجہ سے عالم کبیر کی متخیلہ میں اس چیز کی صورت آجاتی ہے اسی مناسبت کی وجہ سے حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو چاند سورج اور ستاروں کی صورت میں دیکھا تھا۔

ایک حدیث میں ہے، ضرورتوں کے پورا کرنے پر ان کے چھپانے سے بھی مدد لیا کرو کیونکہ ہر وہ شخص جسے کوئی نعمت ملے لوگ اس کے حسد کے درپے ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)
خواب کیوں اور کیسے آتے ہیں

بیضاوی نے لکھا ہے قوت خیالیہ سے اتر کر اگر کوئی صورت حس مشترک میں چھپ جاتی ہے تو اس کو رؤیا کہا جاتا ہے۔ نفس ناطقہ اور عالم ملکوت میں (تجدذاتی کی) مناسبت ہے اس لیے نفس کو جب انتظام بدن سے (نیند وغیرہ میں) کسی قدر فرصت ملتی ہے تو اس کا رخ عالم ملکوت کی طرف ہو جاتا ہے۔ (اور چونکہ عالم ملکوت میں تمام غیر مادی حقائق و معانی کی غیر مادی صورتیں موجود ہیں اس لیے نفس) وہاں سے کچھ (غیر مادی) معانی کو (غیر مادی) صورتوں میں حاصل کرتا ہے (اور واپس لوٹ کر قوت خیالیہ کے سامنے رکھتا ہے) پھر قوت خیالیہ ان کو مناسب مادی شکلیں پہنا کر حس مشترک کے سامنے لاتی ہے اس طرح غیر محسوس حقائق محسوس ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہی سچا خواب ہوتا ہے۔ اب اگر غیر مادی اور مادی صورتوں میں گہری مناسبت ہوتی ہے کہ دونوں میں سوائے کلی اور جزئی ہونے کے اور کوئی فرق نہیں ہوتا (غیر مادی صورت کلی اور مادی شکل جزئی) تو تعبیر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اور گہری مناسبت نہیں ہوتی تو تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں قوت متخیلہ سے جو صورتیں اتر کر حس مشترک میں چھپتی ہیں نفس ان کا مطالعہ اسی وقت کرتا ہے جب نیند یا استغراق کی حالت میں اس کو مطالعہ محسوسات (اور بیرونی انتظامات) سے فرصت ملتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں دو غلط اور ایک صحیح اور صحیح بھی کبھی مختلف عوارض کی وجہ سے مخلوط ہو جاتی ہے غلطی بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے اور کبھی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔

خواب کی قسمیں

(۱) بیداری میں دیکھی ہوئی صورتیں خواب میں دکھائی دیتی ہیں یا قوت خیالیہ از خود ان کو اختراع کر لیتی ہے واقع میں ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی اس خواب کو حدیث نفس کہتے ہیں۔

(۲) انسان کے بدن کے اندر شیطان ان تمام مقامات میں تیر جاتا ہے جہاں جہاں خون دوڑتا ہے اس لیے بعض وقت قوت خیالیہ میں کوئی ہیبت آفریں ڈراؤنی شکل یا تفریح آگیں صورت ڈال

خواب چھ ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب چھ ہیں عورت (کو خواب میں دیکھا جائے تو اس سے مراد) بھلائی ہے اور اونٹ (سے مراد) لڑائی ہے۔ اور دودھ (سے مراد) فطرت ہے۔ اور بیزی (سے مراد) جنت ہے اور کشتی (سے مراد) نجات ہے اور چھوڑے (سے مراد) رزق ہے۔ یہ روایت ابو یعلیٰ نے معجم میں ضعیف سند سے بیان کی ہے۔

یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے اور امام احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے صرف حضرت عبادہ کی روایت سے اور صرف بخاری نے حضرت ابوسعید کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور امام احمد و ابن ماجہ نے حضرت ابوزین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کی ہے، صحیحین کی اول الذکر روایت کے علاوہ باقی روایات میں مؤمن کے خواب کی بجائے رویائے صالحہ کا لفظ آیا ہے۔

مؤمن کا خواب

ابن ماجہ اور امام احمد نے صحیح سند سے حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نیک مسلمان کا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوزین کی روایت سے بیان کیا کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، طبرانی نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی روایت سے حدیث کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں نیک مؤمن کا خواب اللہ کی طرف سے بشارت اور نبوت کے پچاس اجزاء میں سے ایک جزء ہوتا ہے۔ ابن النجار کی روایت میں حضرت ابن عمر کی (بیان کرد) حدیث میں نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء فرمایا ہے۔

ترمذی نے صحیح سند سے حضرت ابوزین کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور خواب جب تک بیان نہ کیا جائے پرندے کی ٹانگ پر (معلق) رہتا ہے جب بیان کر دیا جاتا ہے تو گر پڑتا ہے تم سوائے دانش مند یا حبیب کے کسی سے اپنا خواب نہ بیان کرو بعض روایات میں حبیب کی جگہ من تحب کا لفظ آیا ہے۔

اچھا اور برا خواب

مسلم نے حضرت ابوقادہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے جو شخص برانا گوار خواب دیکھے وہ بائیں طرف تھوکدے اور شیطان سے اللہ کی پناہ کا خواستگار ہو اور کسی سے بیان نہ کرے خواب سے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور سوائے اس کے جس سے اس کو محبت ہو اور کسی سے بیان نہ کرے۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور ابوداؤد نے سنن اور ترمذی نے جامع میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے اگر کوئی شخص کوئی برا خواب دیکھے تو بیدار ہونے کے بعد بائیں طرف تین بار تھکا ر دے اور اللہ کی پناہ مانگے خواب سے اس کو ضرر نہ ہوگا۔

بات یہ ہے کہ خواب اگر شیطان کی طرف سے تخویف اور سوسہ ہو تو اللہ کی پناہ مانگنے سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور اگر عالم مثال کی عکاسی اور صورت کشی ہو تو یہ صورت کشی کبھی قضاء معلق کی ہوتی ہے (کہ اگر اس کا شرعی تدارک و تلافی نہ ہو تو اس کا وقوع ہو جائے گا اور تدارک ہو جائے تو وقوع نہ ہوگا) اللہ کی پناہ گیری قضاء معلق کو بھی رد کر دیتی ہے (کیونکہ دعا اور تعوذ سے اس کا تدارک ہو جاتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو برے خواب کو بیان کرنے کی ممانعت اور اٹھ کر نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تعبیر سے خواہ مخواہ رنج ہوگا اس لئے مناسب یہ ہے کہ اٹھ کر نماز کی طرف رجوع کرے اور اللہ سے اس کو دفع کرنے کی دعا کرے۔

برا خواب بیان نہ کرنے کی حیثیت

شیخین نے صحیحین میں حضرت سلمان کی روایت سے اور ابن حبان و حاکم نے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قضاء (معلق) کو سوائے دعا کے اور کوئی چیز رد نہیں کرتی برے خواب کو بیان کرنے کی ممانعت نہ تحریمی ہے نہ تنزیہی (بلکہ رنجیدگی اور غم سے بچانے کے لئے ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود احد کی جنگ (سے پہلے) کے متعلق فرمایا تھا میں نے خواب میں اپنی شمشیر ذوالفقار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی اور یہ مصیبت ہے اور میں نے گائے کو ذبح ہوتے دیکھا یہ بھی مصیبت ہے۔

آیت **وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ** سورہ آل عمران کی تفسیر میں یہ حدیث

کو یا جھوٹا سمجھیں گے یا بیوقوف۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں مگر نبوت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لم یبق من النبوة الا المبشرات، یعنی آئندہ نبوت کا کوئی جزء بجز مبشرات کے باقی نہ رہے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ ”سچے خواب“ جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کسی قسم یا کسی صورت سے باقی نہیں، صرف اس کا چھوٹا سا جز باقی ہے جس کو مبشرات یا سچے خواب کہا جاتا ہے۔

کبھی کافر فاسق آدمی کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے

سورہ یوسف ہی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کے خواب اور ان کا سچا ہونا، اسی طرح بادشاہ مصر کا خواب اور اس کا سچا ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حالانکہ یہ تینوں مسلمان نہ تھے، حدیث میں کسریٰ کا خواب مذکور ہے جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق دیکھا تھا، وہ خواب صحیح ہوا حالانکہ کسریٰ مسلمان نہ تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ نے بحالت کفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سچا خواب دیکھا تھا نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے جس خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی وہ خواب سچا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ محض اتنی بات کہ کسی کو کوئی سچا خواب نظر آجائے اور واقعہ اس کے مطابق ہو جائے، اس کے نیک، صالح بلکہ مسلمان ہونے کی بھی دلیل نہیں ہو سکتی، ہاں یہ صحیح ہے کہ عام عادت اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔

خواب کی حیثیت

بہر حال سچے خواب عام امت کے لئے حسب تصریح حدیث ایک بشارت یا تنبیہ سے زائد کوئی مقام نہیں رکھتے، نہ خود اس کیلئے کسی معاملہ میں حجت ہیں نہ دوسروں کیلئے بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے دساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں کوئی ان کو اپنی ولایت کی علامت سمجھنے لگتا ہے، کوئی ان سے حاصل ہونے والی باتوں کو شرعی احکام کا درجہ دینے لگتا ہے یہ سب چیزیں بے بنیاد ہیں خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سچے خوابوں میں بکثرت نفسانی یا شیطانی یادوںوں قسم کے تصورات کی آمیزش کا احتمال ہے۔

ذکر کردی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے منبر پر بھی امیہ کو چڑھے دیکھا اور حضور کو یہ امر ناگوار گذرا، مگر آپ نے یہ خواب بیان کر دیا سورہ قدر کی تفسیر میں ہم نے یہ حدیث ذکر کر دی ہے۔

جس روز امام حسین کو شہید کیا گیا اسی روز حضرت ابن عباس نے آپ کو شہید ہوتے خواب میں دیکھ لیا اور آپ نے اس خواب کو بیان بھی کر دیا۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

خواب بیان نہ کرنے کی حکمت

میں کہتا ہوں برے خواب کو بیان کرنے کی ممانعت ممکن ہے اس وجہ سے بھی ہو کہ دشمن اس کو سن کر خوش نہ ہوں۔ اور اچھے خواب کو سوائے دانشمند یا حبیب کے اور کسی سے بیان کرنے کی ممانعت کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کہیں اس کو سن کر دشمن حسد نہ کرنے لگیں اسی لیے حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کا خواب نبوت کا حصہ کیوں ہے

جو شخص سچائی، امانت دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہے اس کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوگا، اور جوان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھالیسواں یا پچاسواں جز ہوگا اور جو اور کم ہے اس کا خواب نبوت کا ستر واں جزء ہوگا۔ مثلاً یہ دیکھئے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھے جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو اس کا ذریعہ بجز امداد والہام خداوندی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، جو اصل میں خاصہ نبوت ہے اس لئے اس کو ایک جزء نبوت قرار دیا گیا۔

قادیانی دجال کے ایک مغالطہ کی تردید

یہاں کچھ لوگوں کو ایک عجیب مغالطہ لگا ہے کہ اس جزء نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے سے نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے، جو قرآنی مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف اور پوری امت کے اجماعی عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کو ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس اک پرزہ یا ایک اسکر موجود ہو اور وہ کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اس

خواب ہر شخص سے بیان کرنا درست نہیں

مسئلہ: آیت قال یٰٰسٰی الخ میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان نہ کرنا چاہیے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو، اور نہ ایسے شخص کے سامنے جو تعبیر خواب میں ماہر نہ ہو۔

جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور خواب معلق رہتا ہے جب تک کسی سے بیان نہ کیا جائے جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دیدی، تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے اس لئے چاہیے کہ خواب کسی سے بیان نہ کرے، بجز اس شخص کے کہ جو عالم و عاقل ہو یا کم از کم اس کا دوست اور خیر خواہ ہو۔

تین طرح کا خواب

نیز ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہوتا ہے، ایک اللہ کی طرف سے بشارت، دوسرے نفسانی خیالات، تیسرے شیطانی تصورات، اس لئے جو شخص کوئی خواب دیکھے اور اسے بھلا معلوم ہو تو اس کو اگر چاہے لوگوں سے بیان کر دے، اور اگر اس میں کوئی بری بات نظر آئے تو کسی سے نہ کہے، بلکہ اٹھ کر نماز پڑھ لے، اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین مرتبہ پھونک دے اور اللہ سے اس کی برائی سے پناہ مانگے، اور کسی سے ذکر نہ کرے تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہ دے گا، وجہ یہ ہے کہ بعض خواب تو شیطانی تصورات ہوتے ہیں وہ اس عمل سے دفع ہو جائیں گے اور اگر سچا خواب ہے تو اس عمل کے ذریعہ اس کی برائی دور ہو جانے کی بھی امید ہے۔

ترمذی کی حدیث مذکور میں ایسے شخص سے خواب بیان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جو عقلمند نہ ہو، یا اس کا خیر خواہ و ہمدرد نہ ہو، اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ خواب کی کوئی بری تعبیر سن کر انسان کے دل میں یہی خیال جمتا ہے کہ اب مجھ پر مصیبت آنے والی ہے، اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، انا عند ظن عبدی بی، یعنی بندہ میرے متعلق جیسا گمان کرتا ہے میں اس کے حق میں ویسا ہی ہو جاتا ہوں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت آنے پر یقین کر بیٹھا تو اس عادت

اللہ کے مطابق اس پر مصیبت آنا ضروری ہو گیا۔

مسئلہ: اس آیت سے جو یہ معلوم ہوا کہ جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرے روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت محض شفقت اور ہمدردی کی بناء پر ہے، شرعی حرام نہیں، اس لئے اگر کسی سے بیان کر دے تو کوئی گناہ نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ غزوہ احد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی، اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں، جس کی تعبیر حضرت حمزہ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت تھی، جو بڑا حادثہ ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کو صحابہ سے بیان فرما دیا تھا۔ (قرطبی)

مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لئے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کر دینا جائز ہے یہ غیبت میں داخل نہیں مثلاً کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی کسی دوسرے آدمی کے گھر میں چوری کرنے یا اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس شخص کو باخبر کر دے، یہ غیبت حرام میں داخل نہیں، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے اس کا اظہار کر دیا کہ بھائیوں سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر کرنے گا تو اس کو حسد ہوگا اور نقصان پہنچانے کی فکر کرے گا تو اس کے سامنے اپنی نعمت، دولت و عزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کیلئے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو، کیونکہ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔“

مسئلہ: تفسیر قرطبی میں ہے کہ شداد بن الہاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔

یہودیوں کا سوال

روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مدینہ طیبہ میں پہنچی تو یہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کیلئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کریں۔ اسی لئے یہ سوال ایک

واپس لانا، بھائیوں نے والد کے سامنے یوسف علیہ السلام کو اپنے موٹھوں پر اٹھالیا، اور باری باری سب اٹھاتے رہے، کچھ دور تک حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ان کو رخصت کرنے کیلئے باہر گئے۔

بھائیوں کی سخت دلی

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس وقت یوسف علیہ السلام جس بھائی کے موٹھے پر تھے اس نے ان کو زمین پر پٹک دیا یوسف علیہ السلام پیدل چلنے لگے مگر کم عمر تھے ان کے ساتھ دوڑنے سے عاجز ہوئے تو دوسرے بھائی کی پناہ لی، اس نے بھی کوئی ہمدردی نہ کی تو تیسرے چوتھے ہر بھائی سے امداد کو کہا مگر سب نے یہ جواب دیا کہ تو نے جو گیارہ ستارے اور چاند سورج اپنے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے تھے ان کو پکارو وہی تیری مدد کریں گے۔

قرطبی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کو کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب معلوم ہو گیا تھا وہ خواب ہی ان کی شدت غیظ و غضب کا سبب بنا۔

یہودا کی رحمدلی

آخر میں یوسف علیہ السلام نے یہودا سے کہا کہ آپ بڑے ہیں آپ میری کمزوری اور صغرتی اور اپنے والد ضعیف کے حال پر رحم کریں اور اس عہد کو یاد کریں جو والد سے آپ نے کئے ہیں، آپ نے کتنی جلدی اس عہد و پیمان کو بھلا دیا یہ سن کر یہودا کو رحم آیا اور ان سے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ بھائی تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔

یہودا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور صحیح عمل کی توفیق ڈال دی، تو یہودا نے اپنے دوسرے بھائیوں کو خطاب کیا کہ بے گناہ کا قتل انتہائی جرم عظیم ہے خدا سے ڈرو، اور اس بچہ کو اس کے والد کے پاس پہنچا دو، البتہ اس سے یہ عہد لے لو کہ باپ سے تمہاری کوئی شکایت نہ کرے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے

بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں تمہارا کیا مطلب ہے تم چاہتے ہو کہ باپ کے دل میں اپنا مرتبہ سب سے زیادہ کر لو، اس لئے سن لو کہ اگر تم نے ہمارے ارادہ میں مزاحمت کی تو ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی یوسف علیہ السلام کے یہ بھائی انبیاء نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اس واقعہ میں بہت سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب

مہم انداز میں اس طرح کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے نبی ہیں تو یہ بتلائیے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گئے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے انتخاب کیا تھا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا، اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے بحوالہ تورات و انجیل اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہو سکتا، ان کے اس سوال پر ہی پوری سورہ یوسف نازل ہوئی۔

جس بچہ کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچایا، اور کس طرح اس کی حفاظت کی اور اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا، کہ نوجوانی کے زمانے میں تعیش کا بہترین موقع ملتا ہے، مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پاتے ہیں کہ صاف اس بلا سے نکل جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی بنیاد

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر ہے، ان کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے یوسف علیہ السلام سمیت بارہ لڑکے تھے ان میں سے ہر لڑکا صاحب اولاد ہوا، سب کے خاندان پھیلے، چونکہ یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا، اس لئے یہ سب بارہ خاندان بنی اسرائیل کہلائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خطرہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس خواب کی بناء پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا انہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر بمصلحت پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔ (قرطبی)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ شان سے اولاد کے سامنے اس بات کو نہیں کھولا کہ مجھے خطرہ خود تم ہی سے ہے کہ اول تو اس سے سب اولاد کی دل شکنی تھی دوسرے باپ کے ایسا کہنے کے بعد خطرہ یہ تھا کہ بھائیوں کی دشمنی اور بڑھ جائے گی، اور اس وقت چھوڑ بھی دیا تو دوسرے کسی وقت کسی بہانہ سے قتل کر دیں گے۔ اس لئے اجازت دیدی، مگر بھائیوں سے مکمل عہد و پیمان لیا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں گے، اور بڑے بھائی روئیل یا یہودا کو خصوصیت سے سپرد کیا کہ تم ان کی بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کی پوری طرح خبر گیری کرنا اور جلد

یعقوب علیہ السلام کا خواب

یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بھیڑیے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا۔ (تفسیر قرطبی، معارف کا نہ حلوی)

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب ☆

نبوت کی بشارت

یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھلایا، اسی طرح محض جاذبہ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطا فرمایا گیا، چنانچہ نبوت عطا فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری و باطنی نوازشیں کیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُعَلِّمُكَ مِنَ الْاٰحَادِيْثِ

اور سکھائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا ☆

علم و حکمت کی تعلیم

مثلاً تعبیر رویا، یعنی خواب سن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا، یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام و امم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا یہ سب چیزیں ”تاویل الاحادیث“ کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ اٰلِ يَعْقُوْبَ

اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر ☆

اور بہت ساری نعمتیں ملیں گی

یعنی اخروی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتیں عطا فرمائیگا۔ نبوت کے ساتھ بادشاہت میں حصہ دے گا اور شدائد و محن سے نجات دیکر خوشحالی و فراغ بالی کی زندگی نصیب کرے گا۔ یعقوب کے گھرانے کو دنیوی کمزوریاں اور مادی تکلیفوں سے رہائی دے گا اور آئندہ ان کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کریگا۔

كَمَا اَتَيْنَا عَلٰى اَبُوَيْكَ مِنْ قَبْلُ

جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

ابراہیم اور اسحاق پر ☆

کیا ایک بے گناہ کے قتل کا ارادہ باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی، معاہدہ کی خلاف ورزی پھر چھوٹی سازش وغیرہ انبیاء علیہم السلام سے قبل نبوت بھی جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایسے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ آپ وحی الہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپ نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لئے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجمل تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

اچھا خواب

رویائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو وساوس شیطانی اور ہوا جس نفسانی سے پاک ہو ایسا ہی خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث میں رویائے صالحہ اور جزء نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القاء ربانی ہوتا ہے۔ اور مؤید بنور الہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور مفسرین اور محدثین اور اولیاء اور عارفین فرماتے ہیں کہ رویائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اس عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صورتی مشاہدہ کے ذریعہ ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف برنگ تمثیل و تشبیہ اشارہ اور تشبیہ مقصود ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستارے سجدہ کرتے ہوئے دکھائے گئے برنگ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

یونانیوں کی نادانی

یونان کے نادانوں نے ایک ظاہری علامت کو جو اسی کی پیدا کردہ تھی اس کو ادراک کی علت تامہ سمجھ لیا اور خواب کی حالت میں جب ان کو ادراک کی کوئی ظاہری علامت نظر نہ آئی تو خواب کی حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا کہ خواب کی کوئی حقیقت واقعہ نہیں بلکہ ایک وہمی اور خیالی چیز ہے خوب سمجھ لو کہ خواب تو بلاشبہ ایک حقیقت واقعہ ہے مگر اس کا انکار وہم فاسد اور خیال فاسد ہے۔

ہدایت و عبرت کا سامان

یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں ان کے لیے یوسف اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت میں ہدایت و عبرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس قصہ کو سن کر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بین ثبوت ملتا ہے کہ آپ باوجود اُمی ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منہج و منضبط تاریخی حقائق کا انکشاف فرما رہے ہیں جن کے بیان کی بجز اعلام ربانی کے کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً قریش مکہ کے لئے (جو یہود کے اکسانے سے اس قصہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہے تھے) اس واقعہ میں بڑا عبرت آموز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے گھر سے نکالا۔ ازراہ حسد قتل یا جلاوطن کرنے کے مشورے کئے۔ طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ آخر ایک دن آیا کہ یوسفؑ کی طرف نام و محتاج ہو کر آئے۔ یوسف علیہ السلام کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج و اقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریا دلی سے سب کے قصور معاف کر دیے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے باندھے، دکھ پہنچائے، عزت و آبرو پر حملے کئے، حتیٰ کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن جلد وہ دن آئی والا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آپ پہنچا، جبکہ آپ نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گذشتہ تقصیرات پر یعنی حضرت یوسف والے کلمات "لا تشریب علیکم الیوم" فرما کر قلم غفو کھینچ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

یوسف علیہ السلام کی اولاد

حضرت یعقوبؑ کے ماموں کی بیٹی لیا بنت لیان کے بطن سے آپ کے چھ بیٹے اور دینہ نام کی ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑا روئیل تھا دوسرا شمعون تیسرا لادی چوتھا یہودا پانچواں ریان، چھٹا اشحر اور چار بیٹے زلفہ اور یلہمہ دو باندیوں کے بطن سے تھے دان، تفتالی، جاد، آشر۔ کذا قال البغوی۔ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لیا کے مرنے کے بعد حضرت

جیسا کہ باپ دادوں کو ملیں

حضرت یعقوبؑ نے تو انہیں اپنا نام نہیں لیا۔ اپنے والد حضرت اسحقؑ اور ان کے والد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا، حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے اپنا خلیل اور نبی بنایا، ان کے دشمن نمرود کو ہلاک کیا، آگ کے شعلوں کو ان کے لئے گلزار بنا دیا۔ حضرت اسحقؑ کو نبوت عطاء کی۔ پھر ان کے صلب سے حضرت یعقوبؑ جیسا نبی پیدا کیا۔ جس سے تمام انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم۔

(تنبیہ) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو پیشین گوئی کی اس کا کچھ حصہ تو غالباً حضرت یوسف کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا موزوں و مبارک خواب دیکھا اور کچھ حضرت یوسف کے خصائل و شمائل سے یا وحی الہی کے ذریعہ سے مطلع ہوئے ہونگے۔

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۶﴾

البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا ☆

یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت و استعداد سے باخبر ہے اپنی حکمت سے اسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم اور حکمت

اصطلاح شریعت میں حکمت اس علم صحیح کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح بھی مقرون ہو ورنہ وہ علم نہیں، بلکہ جہالت ہے۔ (روح المعانی ص ۱۸۷ جلد ۱۲) اور بعض کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو مقتضائے علم پر چلتا ہو اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کا انعام اور جزاء دیتے ہیں۔ جو صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اس طرح عبادت کرتے ہوں گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو علم اور حکمت اور ظاہری عزت و رفعت سے نوازا اسی طرح ہم دیگر محسنین کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت مقام احسان یعنی مقام ان تعبد اللہ کانک تراہ حاصل تھا اور اللہ کا یہ احسان ان کے اس احسان کی جزاء تھی۔ (بعد ازاں ایک ابتلا پیش آیا) (معارف کا ندھلوی)

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ

البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ

آيَةُ لِلسَّائِلِينَ ﴿۱۷﴾

میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لئے ☆

یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا تھا جس کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے، اس طرح کل بارہ بیٹے ہو گئے۔ بیضاوی میں لکھا ہے کہ شریعت اسرائیل میں ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح درست تھا حضرت یعقوب کے نکاح میں ایک ہی زمانے میں دو بہنیں (لیا اور راحیل) تھیں۔

سوال کرنے والے

ایت للسانین کی تشریح میں بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت یوسف کا قصہ دریافت کیا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کنعان سے مصر کو اولاد یعقوب کے منتقل ہونے کی وجہ دریافت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ بیان فرمادیا، تو یہودیوں نے اس بیان کو توریت کے بیان کے موافق پایا، بعض کے نزدیک ساکنین سے مراد (صرف) یہودی ہی نہیں بلکہ جو بھی سوال کرے اس کیلئے اس قصہ میں توحید و نبوت کی نشانیاں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ

جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے

إِلَىٰ آبِنَا مِمَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ

ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں البتہ

أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾

ہمارا باپ صریح خطا پر ہے ☆

بھائیوں کی ناگواری

حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف اور ان کے عینی بھائی بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علانی بھائیوں سے چھوٹے تھے والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور خاص حضرت یوسف کی نسبت اپنے نور فراست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونیوالا ہے۔ خود یوسف علیہ السلام کا حسن صورت و سیرت اور کمال ظاہری و باطنی پدر بزرگواری کی محبت خصوصی کو اپنی طرف جذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کی یہ چیز ناگواری تھی۔ وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آئیو الے تو ہم ہیں ہمارا ایک طاقتور چچا ہے جو باپ کی ضعفی میں کام آسکتا ہے ان چھوٹے

لڑکوں سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگواری کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطا پر ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کی وجہ

فائدہ: یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ محض حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت و صدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عفت بھی اس کے ساتھ شامل تھا اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان کی باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لئے وہ ان کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال۔ بشری حسن و جمال کے جہنم سے نہ تھا۔ اس لئے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا۔ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا لَكُلٌّ كِرِيمٌ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اہل جنت کے حسن و جمال کی جنس سے تھا اور حور و غلمان کے حسن و جمال کی قسم سے تھا۔ غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور خوبی حسن و جمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا۔ اس لئے یعقوب علیہ السلام کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن و جمال علم و حکمت اور ان کی بے مثال عصمت و عفت اور نور نبوت و صدیقیت اور باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی ان کی طرح ان کے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لئے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

یعقوب علیہ السلام نے کسی بیٹے سے زیادتی نہیں کی

قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیٹیوں میں

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ

بولو ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو یوسف کو

وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ

اور ڈال دو اس کو گناہ کنویں میں کہ اٹھالے جائے اس کو کوئی

السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۝۱۰

مسافر اگر تم کو کرنا ہے ☆

یہودا کا مشورہ

یہ کہنے والا ”یہودا“ تھا یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر تم یوسف کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی گناہ کنویں میں ڈال دو۔ ابو حیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ غَيْبَتِ الْجُبِّ اس طاقتیہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنویں (باؤلی) میں پانی سے ذرا اوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نہ خواہی عدا ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنویں میں ڈال دینے کے بعد بہت ممکن ہے کوئی مسافر ادھر سے گذرے اور خبر پا کر کنویں سے نکال لے جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائیگا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑینگے گویا سانپ مر جائیگا اور لاشی نہ ٹوٹے گی۔ (تفسیر عثمانی)

بھائیوں کے جرائم

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ برادران یوسف کی یہ حرکت مختلف جرائم کی حامل تھی۔ قطع رحم، باپ کی نافرمانی، بے گناہ بچے پر ظلم اور بے رحمی۔ امانت میں خیانت، وعدہ شکنی اور دروغ فی اللہ نے ان کے تمام جرائم کو معاف فرما دیا، تاکہ کوئی اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو میں کہتا ہوں شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کو باپ سے بہت زیادہ محبت تھی اور اسی شدت محبت نے ان کو رشک و حسد تک پہنچا دیا۔ اور انہوں نے کوشش کی کہ باپ کی توجہ ان کی طرف خالص ہو جائے۔

اللہ نے بچا لیا:۔ بعض اہل علم نے کہا برادران یوسف نے قتل کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اپنی رحمت سے ان کو جرم قتل سے محفوظ رکھا اگر وہ ایسا کر گزرتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ برادران یوسف پتہ نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ إِنْ أَبَاكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارہ میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے۔ اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی۔ (معارف کا ندھلوی)

اِقْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا

مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيكُمْ

رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی ☆

قتل کا پروگرام

یعنی رشک و حسد کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت و توجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لئے یوسف کا قصہ ہی یہاں سے ختم کر دینا چاہیے خواہ قتل کر دیا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تہا حقدار رہ جائیں گے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالباً ان کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ گویا اس کی محبت کو یوسف کی محبت کا ضمیر سمجھتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝۹

اور ہو رہتا اس کے بعد نیک لوگ ☆

بھائیوں کی خوش فہمی

یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا گناہ کرنا پڑیگا۔ اس سے فارغ ہو کر توبہ کر لینگے اور خوب نیک بن جائینگے گویا رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے ”وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ“ کے معنی یہ لئے ہے کہ یوسف کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائینگے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسف سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

اندر جائز و مباح ہیں، احادیث صحیحہ سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، مگر یہ شرط ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو، اور کسی ناجائز فعل کی اس میں آمیزش نہ ہو۔ (قرطبی وغیرہ)

یعقوب علیہ السلام کا جواب

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب والد سے یہ درخواست کی کہ یوسف کو کل ہمارے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیجئے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا، اول تو مجھے اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا، دوسرے یہ خطرہ ہے کہ جنگل میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کے وقت اس کو بھیڑیا کھا جائے۔

یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی اور یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام اس کے دامن میں نیچے ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا، مگر ایک بھیڑیے ہی نے مدافعت کر کے چھڑا دیا، پھر یوسف علیہ السلام زمین کے اندر چھپ گئے۔ کسی شخص کا گم شدہ مال کسی کو مل جائے تو اس کی شرعی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں کہ اس کو چرائے نہیں، بلکہ یہ بھی اس کے ذمہ ہے کہ اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھے اور اعلان کر کے مالک کی تلاش کرے وہ مل جائے، اور علامات وغیرہ بیان کرنے سے یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ مال اسی کا ہے تو اس کو دیدے اور اعلان و تلاش کے باوجود مالک کا پتہ نہ چلے اور مال کی حیثیت کے مطابق یہ اندازہ ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہ کرے گا اس وقت اگر خود غریب مفلس ہے تو اپنے صرف میں لے آئے ورنہ مساکین پر صدقہ کر دے، اور بہر دو صورت یہ مالک کی طرف سے صدقہ قرار دیا جائے گا، اس کا ثواب اس کو ملے گا گویا آسمانی بیت المال میں اس کے نام پر جمع کر دیا گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّي لِيَحْزُنَنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ

بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ

وَآخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ

اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم

عَنْهُ غَفْلُونَ ﴿١٣﴾

اس سے بے خبر رہو ☆

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمُرُنَا

بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا

يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿١١﴾

یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں ☆

باپ سے اجازت

یعنی ایسے خوبصورت بچے کے قوی گھر میں خالی پڑے رہنے سے بے کار ہوئے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر ان کا دل ان کے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوا (تفسیر عثمانی)

أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ

بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے

وَإِنَّا لَهُ لَحَفِيظُونَ ﴿١٢﴾

اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں ☆

اجازت مانگنے کا عذر

یعنی ایسے خوبصورت بچے کے قوی گھر میں خالی پڑے رہنے سے بے کار ہوئے جاتے ہیں مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں چرانے کیلئے جنگل بھیج دیئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائیگا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائیگی۔ کہتے ہیں ان کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لئے مناسب حد تک کھیلنا جیسا کہ ابو حیان نے کہا ہے نشاط شگفتگی کا موجب ہے غرض یعقوب علیہ السلام سے یوسف کو ساتھ لیجانے کی پرزور درخواست کی اور نہایت مؤکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اس کی حفاظت کریں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسف کو بھی جداگانہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے سیر و تفریح اور آزادی سے کھانے پینے کھیلنے کودنے کی اجازت مانگی گئی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اس کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی، صرف یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیجنے میں تردد کا اظہار کیا، جو اگلی آیت میں آئیگا اس سے معلوم ہوا کہ سیر و تفریح کھیل کود جائز حدود کے

تم غفلت کرو گے

یعنی یوسف کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے اس پر یہ خوف مزید رہا کہ بچہ ہے۔ تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ان کو آگے چل کر بھیڑیے کا بہانہ کرنا تھا وہ ہی ان کے دل میں خوف آیا۔“ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ ”أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ“ فرمانا حضرت یعقوب جیسے پیغمبر کے درجہ توکل و تقویٰ سے ذرا نازک بات تھی۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لڑکوں نے گویا ان کے منہ میں سے بات پکڑ لی۔ جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ ہی واقعہ بنا کر لے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا لَيْنَ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت

عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَسِرُونَ ﴿۱۵﴾

ہیں قوت ور تو تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا ☆

بیٹوں کا جواب

یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گزرے ہوئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ تو مند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہوا تو کہنا چاہیے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ

پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس

فِي غَيْبَتِ الْبُيُوتِ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

کو گمنام کنویں میں اور ہم نے اشارہ کر دیا اس کو کہ تو جتائے گا ان کو

بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۶﴾

ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے ☆

قرآن کا انداز بیان

مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کئے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفصیل کو زیادہ درخور اعتناء اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم مقصد متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا منشاء خاص ایمان و عرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر و مومن بلکہ حیوانات تک میں طبعاً مشترک ہے اس پر عام خطباء کی طرح زور ڈالنا قرآن کی عادت نہیں۔ بھائی ساتھ لے گئے

یہاں بھی اس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلا دی کہ برادران یوسف کو بلطائف الحیل باپ کے پاس سے لے گئے اور ٹھہری ہوئی قرارداد کے موافق کنوئیں میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت ہم نے یوسف کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہو گے کہ یہ تم کو پہچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کر سکیں گے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے اسکی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا چالیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف اس وقت بہت کم عمر تھے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بھائیوں کا ظلم اور یوسف علیہ السلام کی فریاد

بغوی نے وہب وغیرہ کے بیان سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ باپ کے سامنے بھائیوں نے یوسف کو نہایت عزت کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر لیا، اپنے اوپر سوار کر لیا لیکن آبادی سے باہر نکل کر ان کو پھینک دیا اور مار پیٹ کرنے لگے۔ ایک مارتا تھا تو یوسف دوسرے سے فریاد کرتے تھے مگر وہ بھی مارتا تھا تو تیسرے کی پناہ ڈھونڈتے تھے پر کوئی پناہ نہ دیتا تھا۔ سمجھوں نے مارتے مارتے ادھ موا کر دیا۔ حضرت یوسف چیخ رہے تھے اور باپ کو پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے ابا دیکھئے ان باندی بچوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آخر یہودانے دیکھا کہ یہ لوگ یوسف کو قتل ہی کر ڈالیں گے تو بولا قتل نہ کرنے کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس لئے قتل نہیں کر سکتے۔

کنوئیں میں ڈال دیا

غرض اس طرح ایک کنوئیں پر غیر معروف راستے سے لے گئے کنوئیں کا منہ تنگ تھا مگر اندر بہت وسیع تھا حضرت یعقوب کے مکان سے برقول مقاتل یہ کنواں تین فرسخ دور تھا۔ کعب نے کہا مدین اور مصر کے درمیان تھا۔ قنادہ نے کہا بیت المقدس کا کنواں تھا۔ حضرت یوسف کی عمر اس وقت بارہ یا اٹھارہ برس تھی جب کنوئیں میں آپ کو لٹکانے لگے تو آپ نے کنوئیں کا کنارہ پکڑ لیا مگر انہوں نے آپ کے ہاتھ باندھ دیئے اور کرتہ اتار لیا حضرت یوسف نے کہا بھائیو کرتہ تو دیدو میں کنوئیں کے اندر اس کو پہن کر (سردی وغیرہ سے) بچاؤ کر لوں گا۔

بھائیوں نے کہا سورج اور چاند ستاروں کو پکارو وہی تیرا دل بہلائیں گے، آپ نے فرمایا میں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ آخر آپ کو کنوئیں میں ڈال ہی دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک ڈول میں بٹھا کر ڈول کو کنوئیں میں لٹکا دیا جب ڈول آدھے کنوئیں تک پہنچا تو رسی چھوڑ دی تاکہ یوسف گر کر مرجائیں لیکن کنوئیں میں پانی تھا، آپ پانی میں گر پڑے وہاں ایک پتھر نظر آیا آپ اس پر کھڑے ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے ایک طویل بیان کے ذیل میں لکھا ہے کہ خاندان یعقوب کی سکونت شام میں تھی، حضرت یعقوب کی نظر میں ہر وقت یوسف اور بن یامین سمائے ہوئے تھے اس پر دوسرے بھائیوں کو جلن پیدا ہوئی وہ یوسف کو آبادی کے باہر صحرا میں لے گئے اس روایت میں ہے کہ یوسف کو ڈول میں بٹھا کر ڈول کو کنوئیں میں لٹکا دیا، نصف کنوئیں تک ڈول پہنچا تو رسی ہاتھ سے چھوڑ دی، تاکہ یوسف گر کر مرجائیں، کنوئیں میں پانی تھا یوسف پانی میں گر گئے پھر ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور روتے رہے فوراً جبرائیل وحی لے کر آ پہنچے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

امام احمد نے الزہد میں اور ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حسن بصری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی بعض نے کہا جوان ہونے کے قریب تھے آپ کے پاس جوانی سے پہلے وحی آ گئی تھی۔ جیسی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس آئی تھی۔

ابراہیم علیہ السلام کا کرتہ

قصہ یوسف کی بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب

آگ میں ڈالا گیا تھا تو آپ کے کپڑے اتار لئے گئے تھے۔ حضرت جبرائیل نے جنت سے لا کر ایک ریشمی کرتہ آپ کو پہنا دیا تھا۔ حضرت ابراہیم سے وہ کرتہ حضرت اسحاق کو پہنچا تھا اور حضرت اسحاق سے حضرت یعقوب کو حضرت یعقوب نے اس کا تعویذ بنا کر حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا تھا، حضرت جبرائیل نے وہی کرتہ کھول کر حضرت یوسف کو پہنا دیا۔

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٥﴾

اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے ☆

بھائیوں کی واپسی

یا تو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی اور جھوٹی آہ و بکاء کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔ اعمش نے خوب فرمایا کہ برادران یوسف کا گریہ و بکاء سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ مصر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنے حال کی خبر اپنے گھر بھیجیں (قرطبی) یہی وجہ تھی کہ یوسف علیہ السلام جیسے پیغمبر خدا نے جیل سے رہائی اور ملک مصر کی حکومت ملنے کے بعد بھی کوئی ایسی صورت نہیں نکالی جس کے ذریعہ والد ضعیف کو اپنی سلامتی کی خبر دے کر مطمئن کر دیتے۔ اللہ جل شانہ کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے جو اس طرز میں مخفی تھیں، شاید یہ بھی منظور ہو کہ یعقوب علیہ السلام کو غیر اللہ کے ساتھ اتنی محبت کے ناپسند ہونے پر متنبہ کیا جائے، اور یہ کہ بھائیوں کا حاجتمند بن کر یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش کر کے ان کے عمل کی کچھ سزا تو ان کو بھی دینا مقصود ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ

کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور

تَرَكْنَا يَوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس

فَاكَلَهُ الذِّبَابُ

پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا ☆

وَجَاءُوا عَلَى قَيْصِهِ بِدِرْكَبٍ

اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ ☆

جھوٹا خون

ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیض پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے، کہ بھڑیے کے زخمی کرنے سے یہ کرتہ خون آلود ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ

بولیہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں

أَمْ رَأَيْتُمْ أَفْصَبُ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس

عَلَى مَا تَصِفُونَ ⑮

بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو ☆

یعقوب علیہ السلام کی دانائی اور صبر

بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسف کے کرتہ کی خوشبو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسف کے خون کا گمان کب کر سکتا تھا۔ انہوں نے سنتے ہی جھٹلا دیا۔ اور جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھڑیا واقعی بڑا حلیم و متین ہو گا جو یوسف کو لے گیا اور خون آلود کرتہ کو نہایت احتیاط سے صحیح و سالم اتار کر رکھ گیا سچ ہے ”دروغورا حافظہ نہ باشد“ خون کے چھینٹے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیض کو بے ترتیبی سے نوچ کر اور پھاڑ کر پیش کرتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاف طور پر فرما دیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہر حال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہو گا نہ تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت نبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، ان کی حقیقت اس طرح آشکارا کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امتحان میں وہ مبتلا کئے گئے ہیں وہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت

والد کے سامنے بیان

یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی، ہمارے کپڑے لٹے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسف کو بٹھلایا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے اوچھل ہونا تھا کہ بھڑیے نے یوسف کو آدبوچا۔ اس موقع پر اتنی ذرا سی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھڑیا پہنچ کر فوراً یوسف کو شکار کر لے گا۔ (تفسیر عثمانی)

دوڑ کا مقابلہ

احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی خصلت ہے، جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے، اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنفس نفیس خود بھی مسابقت کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے، اور گھوڑوں کی مسابقت کرانا (یعنی گھوڑ دوڑ) بھی ثابت ہے، صحابہ کرام میں سے سلمہ بن اکوع نے ایک شخص کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کی تو سلمہ غالب آگئے۔

آیت مذکورہ اور ان روایات سے اصل گھوڑ دوڑ کا جائز ہونا ثابت ہے اور گھوڑ دوڑ کے علاوہ دوڑ میں، تیر اندازی کے نشانے وغیرہ میں بھی باہمی مقابلہ اور مسابقت جائز ہے، اور اس مسابقت میں غالب آنے والے فریق کو کسی تیسرے کی طرف سے انعام دے دینا بھی جائز ہے، لیکن آپس میں ہار جیت کی کوئی رقم بطور شرط ٹھہرانا جو اور قمار ہے، جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، آج کل جتنی صورتیں گھوڑ دوڑ کی رائج ہیں وہ کوئی بھی جوے اور قمار سے خالی نہیں، اس لئے سب حرام و ناجائز ہیں۔ (معارف مفتی صاحب)

وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا

اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم

صِدِّقِينَ ⑯

سچے ہوں ☆

اپنے منہ میاں مٹھو

یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف بدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے بھی ہوں تب بھی اس معاملہ خاص میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

سے نجات ملے گی۔ فی الحال ڈھونڈھنے یا انتقامی تدابیر اختیار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں یوسف ابھی ملیں گے نہیں۔ ہاں دوسرے بیٹے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ طیش میں آ کر خود یعقوب علیہ السلام کو ایذا دینے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر . واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ سواب میں صبر ہی کروں گا، جس میں کسی شکایت کی آمیزش نہ ہوگی، بغوی نے لکھا ہے صبر جمیل (اچھا صبر) یعنی ایسا صبر جس میں مخلوق سے کوئی شکوہ نہ ہوگا اور جزع فزع نہ ہوگی۔ ابن جریر نے حبان بن حمیہ کی روایت سے مرسل بیان کیا ہے کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی شکوہ نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

بھائیوں کی عقل پر پردہ

وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ، یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لائے تھے تاکہ والد کو بھیڑیے کے کھانے کا یقین دلائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کیلئے انکو اس سے غافل کر دیا کہ کرتے پر خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑ بھی دیتے، جس سے بھیڑیے کا کھانا ثابت ہوتا، انہوں نے صحیح سالم کرتے پر بکری کے بچے کا خون لگا کر باپ کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا، یعقوب علیہ السلام نے کرتا صحیح سالم دیکھ کر فرمایا، میرے بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم اور عقلمند تھا کہ یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا۔

مسئلہ: یعقوب علیہ السلام نے کرتہ صحیح سالم ہونے سے برادران یوسف کے جھوٹ پر استدلال کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ حالات اور قرائن پر بھی نظر کرنا چاہئے۔ (معارف مفتی صاحب)

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ

اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا

فَادَلِي دَلْوَةً قَالَ يُبْشِرِي هَذَا غُلْمًا

اس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا ☆

یوسف علیہ السلام قافلہ کے ہاتھ

کہتے ہیں تین روز تک یوسف علیہ السلام کنوئیں میں رہے، قدرت الہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز

کنوئیں میں کھانا پہنچا آتا تھا۔ ویسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مزے نہیں۔ کسی دوسرے ملک کا مسافر نکال لے جائے تو ہمارے درمیان سے یہ کانٹا نکل جائے۔ سچ ہے گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است۔ آخر مدین سے مصر کو جانو والا ایک قافلہ ادھر سے گذرا۔ انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کو بھیجا اس نے ڈول پھانسا تو حضرت یوسف چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور رسی ہاتھ سے پکڑ لی کھینچنے والے نے ان کا حسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو عجیب لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسف رسی پکڑ کر لٹک گئے اور اوپر آ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک حسین ترین لڑکا برآمد ہوا تعجب میں پڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوسف کو (سارے انسانوں کے) حسن کا آدھا حصہ دیا گیا تھا۔ رواہ ابن ابی شیبہ و احمد ابو یعلیٰ والحاکم عن انس۔

یوسف علیہ السلام کا حسن

بغوی نے لکھا ہے یوسف میں یہ حسن ان کی دادی حضرت سارہ کا منتقل ہو کر آیا تھا، حضرت سارہ کو (کل) حسن کا چھٹا حصہ اللہ کی طرف سے ملا تھا، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یوسف اور ان کی والدہ کے حصے میں دو تہائی حسن آ گیا تھا۔ مالک بن وعر نے جب یوسف کو دیکھا تو۔ قافلہ والوں کی خوشی

قَالَ يُبْشِرِي بُولَا اے (لوگو تم کو) بشارت ہو یا فرط مسرت میں اس نے بشارت کو پکارا۔ بعض علماء نے کہا بشری اس کے ساتھی کا نام تھا مدد کرنے کیلئے مالک نے بشری کو پکارا تھا۔

هَذَا غُلْمٌ یہ تو لڑکا ہے۔ مجاہد نے اپنے باپ کا قول بیان کیا کہ جب یوسف کنوئیں سے نکال لئے گئے تو کنواں رونے لگا۔ (تفسیر مظہری) قافلہ

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَادَلِي دَلْوَةً سيارہ کے معنی قافلہ وارد سے مراد وہ لوگ ہیں جو قافلہ سے آگے رہتے ہیں، قافلہ کی ضروریات پانی وغیرہ مہیا کرنا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اتفاقاً ایک قافلہ اس سرزمین پر آ نکلا، تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ قافلہ ملک شام سے مصر جا رہا تھا راستہ بھول کر اس غیر آباد جنگل میں پہنچ گیا اور پانی لانے والوں کو کنوئیں پر بھیجا۔

ہوئے، انہوں نے قافلے والوں سے اصل بات چھپالی اور یوسف کو اپنا بھائی ظاہر کرنے کے بجائے کہنے لگے یہ ہمارا بھگا ہوا غلام ہے کہا جاتا ہے بھائیوں نے حضرت یوسف کو بھی ڈرا دھمکا دیا تھا۔ بھائیوں کے ڈر سے یوسف بھی کچھ نہ بولے خاموش رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ☆

ارادہ خداوندی

یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قافلہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ خزان مصر کا مالک بنانا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کا روایوں کو ایک سیکنڈ میں روک دیتا، لیکن اس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لئے سب چیزوں کو جانتے اور دیکھتے ہوئے انہیں ڈھیل دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بشارت

ابن کثیر نے فرمایا کہ اس جملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہی ہے یا کرے گی وہ سب ہمارے علم و قدرت سے باہر نہیں، اگر ہم چاہیں تو ایک آن میں سب کو بدل ڈالیں، لیکن تقاضائے حکمت یہی ہے کہ ان لوگوں کو اس وقت اپنی قوت آزمائی کرنے دی جائے اور انجام کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غالب کر کے حق کو غالب کیا جائے گا۔ جیسا یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

یہ واقعات محض اتفاق نہ تھا

ان تمام حالات و واقعات کا جن کو عام انسان اتفاقی حوادث سمجھتے ہیں، اور فلسفہ والے ان کو بخت و اتفاق کہا کرتے ہیں، جو درحقیقت نظام کائنات سے ناواقفیت پر مبنی ہوتا ہے، ورنہ سلسلہ تکوین میں کوئی بخت و اتفاق نہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ جس کی شان فعال لما یورید ہے مخفی حکمتوں کے تحت ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ ظاہری وقائع سے ان کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان ان کو اتفاقی حوادث قرار دیتا ہے۔

بہر حال ان کا آدمی جس کا نام مالک بن دعبہ بتلایا جاتا ہے اس کنویں پر پہنچا ڈول ڈالا یوسف علیہ السلام نے قدرت کی امداد کا مشاہدہ، کیا اس ڈول کی رسی پکڑ لی، پانی کے بجائے ڈول کے ساتھ ایک ایسی ہستی کا چہرہ

لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا کہ شامی قافلہ راستہ بھول کر یہاں پہنچا اور اس غیر آباد کنویں سے سابقہ پڑا، لیکن راز کائنات کا جاننے والا جانتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک مربوط اور مستحکم نظام کی ملی ہوئی کڑیاں ہیں یوسف کا پیدا کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا ہی قافلہ کو راستہ سے ہٹا کر یہاں لاتا ہے اور اس کے آدمیوں کو اس غیر آباد کنویں پر بھیجتا ہے یہی حال ہے۔

یوسف علیہ السلام کا کرتہ

مادر دینی نے فرمایا کہ پیراہن یوسف بھی عجائب روزگار میں سے ہے، تین عظیم الشان وقائع اسی پیراہن یعنی کرتے سے وابستہ ہیں۔ پہلا واقعہ، خوان آلود کر کے والد کو دھوکہ دینے اور کرتے کی شہادت سے جھوٹ ثابت ہونے کا ہے دوسرا واقعہ زلیخا کا کہ اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہی شہادت میں پیش ہوا ہے، تیسرا واقعہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آنے کا۔ اس میں بھی ان کا کرتہ ہی اعجاز کا مظہر ثابت ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةً

اور چھپالیا اس کو تجارت کا مال سمجھ کر ☆

یوسف علیہ السلام غلام بن گئے

یعنی کھینچنے والے نے اس واقعہ کو دوسرے ہمراہیوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر گئی تو سب شریک ہو جائیں گے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اس کے مالکوں نے مجھ کو دیا ہے تا مصر کے بازار میں فروخت کروں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَسْرُوهُ اور انہوں نے یوسف کو چھپائے رکھا یعنی مالک اور اس کے ساتھیوں نے دوسرے قافلے والوں سے یوسف کو چھپالیا۔ تاکہ وہ شرکت کے دعویدار نہ بن جائیں۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یوسف کے معاملے کو ان لوگوں نے چھپالیا اور دوسرے لوگوں سے کہا کنویں پر رہنے والوں نے ہم کو یہ لڑکا دیا ہے تاکہ ان کی طرف سے مصر میں لے جا کر اس کو فروخت کر دیں۔ بعض علماء نے کہا کہ برادران یوسف نے یوسف کی بات قافلہ والوں سے پوشیدہ رکھی (اور یوسف کو بھائی نہیں بتایا) بات یہ ہوئی کہ یہود اور یوسف کا کھانا لاتا تھا ایک روز جو کھانا لایا اور یوسف کو کنویں میں نہ پایا تو بھائیوں کو جا کر اطلاع دی بھائی ڈھونڈنے نکلے تلاش کرتے کرتے مالک کے پاس یوسف دستیاب

نگرانی رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے کہتے ہیں اٹھارہ درہم یا کم و بیش میں بیچ ڈالا، اور نو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آٹھ آنے) بانٹ لئے۔ ایک بھائی یہود نے حصہ نہیں لیا۔ (تفسیر عثمانی)

معارف و مسائل

قرطبی نے فرمایا کہ عرب تجارت کی عادت یہ تھی کہ بڑی رقموں کے معاملات وزن سے کیا کرتے تھے، اور چھوٹی رقمیں جو چالیس سے زیادہ نہ ہوں ان کے معاملات گنتی سے کیا کرتے تھے، اس لئے درہم کے ساتھ معدودہ کے لفظ نے یہ بتلادیا کہ درہم کی مقدار چالیس سے کم تھی، ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن مسعود لکھا ہے کہ بیس درہم کے بدلہ میں سودا ہوا اور نو بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لئے، تعداد درہم میں بائیس اور چالیس درہم کی بھی مختلف روایتیں منقول ہیں۔ (ابن کثیر)

امام تفسیر مجاہد کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کیلئے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے، اور ان لوگوں سے کہا دیکھو اس کو بھاگ جانے کی عادت ہے، کھلانہ چھوڑو، بلکہ باندھ کر رکھو، اس در شہوار کی قدر و قیمت سے ناواقف قافلہ والے ان کو اسی طرح مصر تک لے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

اور ہورہے تھے اس سے بیزار ☆

وہ بھائی سے بیزار تھے

یعنی اس قدر ازراں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ مفت ہی دے ڈالتے تو مستعد نہ تھا جو پیسے مل گئے غنیمت سمجھا، بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اس بیچ کا ذکر ہے جو قافلہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہوتا کہا جائیگا کہ پڑی ہوئی چیز کی قدر نہ کی اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آکر دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ نیز آبق (بھگوڑا) ہونے کا عیب سن چکے تھے، اس لیے سستے داموں بیچ ڈالا۔ ولظاہر ہوا لاول۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اتنا سب کچھ کرنے پر بھی صبر نہ ہوا، قافلے کے پیچھے ہوئے اور ان سے کہنے لگے دیکھو اس غلام میں بھاگ نکلنے کی عادت ہے اسے مضبوط باندھ دو کہیں تمہارے ہاتھوں سے بھی بھاگ نہ جائے۔ اسی طرح باندھے باندھے مصر تک پہنچے اور وہاں آپ کو بازار میں لے جا کر بیچنے لگے۔ اس وقت حضرت

سامنے آگیا جس کی آئندہ ہونے والے عظمت شان سے بھی قطع نظر کی جائے تو موجودہ حالت میں بھی اپنے حسن و جمال اور معنوی کمالات کے درخشاں نشانات ان کی عظمت کے لئے کچھ کم نہ تھے، ایک عجیب انداز سے کنویں کی گہرائی سے برآمد ہونے والے، اس کم سن حسین اور ہونہار بچہ کو دیکھ کر پکارا تھا۔ ییشوریٰ ہذا غلام، ارے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا ہے، صحیح مسلم میں شب معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے حسن و جمال میں سے آدھا ان کو عطا فرمایا ہے، اور باقی آدھا سارے جہان میں تقسیم ہوا ہے۔

واسر وہ بضاعة، یعنی چھپا لیا اس کو ایک مال تجارت سمجھ کر، مطلب یہ ہے کہ شروع میں تو مالک بن دعبیر یہ لڑکا دیکھ کر تعجب سے پکارا تھا، مگر پھر معاملہ پر غور کر کے یہ قرار دیا کہ اس کا چرچا نہ کیا جائے، اس کو چھپا کر رکھے، تاکہ اس کو فروخت کر کے رقم وصول کرے، اگر پورے قافلہ میں اس کا چرچا ہو گیا تو سارا قافلہ اس میں شریک ہو جائے گا۔

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حقیقت واقعہ کو چھپا کر ان کو ایک مال تجارت بنا لیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ یہود روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچانے کیلئے جاتے تھے، تیسرے روز جب ان کو کنویں میں نہ پایا، تو واپس آ کر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا یہ سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے، تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے پاس یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے، تو ان سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے، بھاگ کر یہاں آگیا ہے، تم نے بہت برا کیا، کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھا، مالک بن دعبیر اور ان کے ساتھی سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے، اس لئے بھائیوں سے ان کے خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔ (معارف مفتی صاحب)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ

اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں ☆

بھائیوں نے بھائی کو بیچ ڈالا

بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قافلہ والے نکال لے گئے، وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے، اس لئے ہم رکھنا نہیں چاہتے، تم خریدو تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت

مصری خریدار

ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ شخص جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدادہ ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا۔ جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے۔ اور بادشاہ مصر اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اسید تھا۔ (جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا اور مسلمان ہو کر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا (مظہری) اور عزیز مصر جس نے خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بتایا گیا ہے۔ عزیز مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دے، عام غلاموں کی طرح نہ رکھے، ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے۔

ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ نے فرمایا کہ ۳۳ سال عمر تھی۔ یوسف علیہ السلام کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے۔ اور کنوئیں کی گہرائی میں جو وحی ان کو بھیجی گئی وہ وحی نبوت نہ تھی۔ بلکہ لغوی وحی تھی جو غیر انبیاء کو بھی بھیجی جاسکتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے گئے اور فروخت کرنے کیلئے ان کا بازار میں کھڑا کر دیا۔ اس بے مثال حسن جمال کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔

آراستہ آل ارباز برآمد فریاد و فغاں از درود یوار برآمد
خریدار قیمت بڑھانے لگے نوبت بانجا رسید کو یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر سونا اور چاندی اور مشک و دیبا دینے پر تیار ہوئے عزیز مصر نے بیش بہا قیمت دے کر ان کو خرید لیا یہ عزیز، مصر کے تمام خزانوں کا مالک تھا اور بادشاہ مصر کا بہت مقرب تھا اس کا نام قطفیر تھا اور اس کی بی بی کا نام زلیخا تھا یا اس کا نام راعیل تھا۔

یوسف علیہ السلام کو بیٹا بنا لیا

خرید کر یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر لے گیا اور اہل مصر میں سے جس شخص نے ان کو خرید لیا یعنی عزیز مصر نے اس لئے ان کو اپنے ساتھ لا کر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا ٹھکانا اچھا کرنا۔ یعنی عزت و حرمت کے ساتھ رکھنا۔ غلام کی طرح اس کو نہ رکھنا شاید یہ ہم کو نفع پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے جب اولاد نہیں تو اس کو بیٹا بنا لیں گے عزیز مصر لا اولاد تھا اس لئے یہ

یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے جو لے گا وہ خوش ہو جائے۔ پس عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا وہ تھا بھی مسلمان۔ (تفسیر ابن کثیر)
زہد کا معنی

وَكَاؤُافِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ زاهدین زہد کی جمع ہے جو زہد سے مشتق ہے زہد کے لفظی معنی بے رغبتی اور بے توجہی کے آتے ہیں محاورات میں دنیا کی مال و دولت سے بے رغبتی اور اعراض کو کہا جاتا ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ برادران یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہش مند نہ تھے ان کا اصل مقصد تو یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا، اس لئے تھوڑے سے دراہم میں معاملہ کر لیا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے

لِامْرَأَتِهِ اَكْرَهِي مَثْوًى عَسَىٰ اَنْ

اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے

يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

کام آئے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا ☆

مصر میں فروخت

کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کا مدار الہام تھا، اس کو بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اس نے اپنی عورت (زلیخا یا راعیل) سے کہا کہ نہایت پیارا، قبول صورت اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پوری عزت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں۔ یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنا لیں۔ (تفسیر عثمانی)

مصر میں قیمت

مطلب یہ ہے کہ قافلے والوں نے ان کو مصر لے جا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا تو تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے وزن کی برابر سونا اور اسی کی برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے مقدر کی تھی اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَ

اور اللہ طاقتور رہتا ہے اپنے کام میں و

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ☆

مدبر الہی

یعنی بھائیوں نے یوسف کو گرانا چاہا۔ خدا نے ان کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کوتاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بندوبست غالب آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتٰیہٗ حُكْمًا وَعِلْمًا ط

اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم ☆

علم و حکمت کا حصول

یعنی جب یوسف کے تمام قوی حد کمال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا۔ نہایت مشکل عقدے اپنی فہم رسا سے حل کرتے ہیں، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے، دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعاً پاک و صاف اور علم شراعی کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر رویا کا علم تو ان کا مخصوص حصہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور ایسا ہی بدل دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو ☆

سلامت طبع

جو لوگ فطرت کی رہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق ازلی سے نواب و حوادث پر صابر رہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں حق تعالیٰ ان پر ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَاوَدَتْہُ الَّتٰی هُوَ فِیْ بَیْتِہَا عَن

اور پھلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا

نَفْسِہٖ وَغَلَقَتْ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هٰیٓتَ لَکَ ط

جی تھانے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتابی کر ☆

خواہش ظاہر کی کہ ہم یوسف کو اپنا بیٹا بنا لیں گے اس لئے کہ فہم و فراست کے آثار یوسف علیہ السلام کے چہرے سے نمایاں تھے نفع پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ امور سلطنت میں ہمارا معین اور مددگار بنے۔

دنیا کے ذہین شخص

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ صاحب فراست تین شخص گزرے اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی تازہ لیا اور ان کی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا۔ اور اپنی بیوی سے کہا اَکْرِہِیْ مَثْوٰی عَسٰی اَنْ یَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَکَدًّا اَدُوْمَ : حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنے باپ کو مشورہ دیا یٰ اَبَتِ اسْتَاجِرْہٗ اِنَّ خَیْرَ مَنْ اسْتَاجَرْتَ الْفَوْحِیَّ الْاَمِیْنُ اے باپ ان کو نوکر رکھ لیجئے بہترین شخص جس کو نوکر رکھا جائے وہ وہ ہے کہ جو صاحب قوت اور صاحب امانت ہو۔ سوئم حضرت ابو بکر صدیق جنہوں نے حضرت عمر کی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا۔ اور اپنے بعد ان کو اپنا جانشین بنایا۔ (معارف القرآن کا دہلوی)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لَیُوسُفَ فِی الْاَرْضِ وَ

اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور

لِنُعَلِّمَہٗ مِنْ تَاوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ط

اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا ☆

سر بلندیوں کے سامان

یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسف کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں اور کنوئیں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں یوسف کی محبت و وقعت القاء فرمائی اس طرح ہم نے ان کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں ان کو وجیہ و محبوب بنا دیا۔ تا یہ چیز آئندہ ترقیات اور سر بلندیوں کا پیش خیمہ ہو۔ اور بنی اسرائیل کو مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تا سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو۔

تنبیہ:- اسی سورت کے پہلے رکوع میں ”تاویل الاحادیث“ کا لفظ گذر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

امتحانِ یوسف

ادھر تو الطافِ غیبیہ حضرت یوسف کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ ادھر عزیز کی بیوی (زلیخا) نے ان کے سامنے ایک نہایت ہی منزلۃ الاقدام موقع امتحان کا کھڑا کر دیا۔ یعنی حضرت یوسف کے حسن و جمال پر زلیخا مفتون ہو گئی اور دل کشی و ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ ایک طرف عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کیلئے ہر قسم کی سہولتیں، یوسف علیہ السلام کا ہر وقت زلیخا کے گھر میں موجود رہنا، اس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا، تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار، کسی غیر کے آنے جانے کے سب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، تجرد کی زندگی، یہ سب دوائی و اسباب ایسے تھے جن سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا۔ مگر خدا نے جس کو محسن قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا، اس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو چل جاتا۔ اس نے ایک لفظ کہا ”معاذ اللہ“ (خدا کی پناہ) اور شیطانی جال کے سارے حلقہ توڑ ڈالے کیونکہ جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے؟

ہیت لک کو بعض لوگ سریانی زبان کا لفظ کہتے ہیں بعض قبلی زبان کا بعض اسے غریب لفظ بتلاتے ہیں بعض حورانہ کا لغت بتلاتے ہیں۔ کسائی اسی قرأت کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے اہل حوران کا یہ لغت ہے حجاز میں آ گیا ہے اہل حوران کے ایک عالم نے کہا ہے کہ یہ ہمارا لغت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ

کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح

مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُغْلِبُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵﴾

رکھا ہے مجھ کو بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہیں ☆

حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی

یعنی خدا کی پناہ میں ایسی قبیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں ”عزیز“ میرا مربی ہے جس نے مجھے ایسی عزت و راحت سے رکھا، کیا

میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کر نیوالے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ نیز جب ظاہری مربی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو سمجھ لو کہ اس پروردگار حقیقی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہیے جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت و راحت رسائی کیلئے کھڑا کر دیا۔
تنبیہ:- بعض مفسرین نے ”انہ ربی“ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زلیخا کا جال

سدی اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ عزیز کی بیوی نے یوسف کو جب پھسلانا چاہا تو اس کی تدبیر یہی تھی کہ یوسف کے حسن کی تعریف کرنی شروع کر دی، کہنے لگی یوسف تمہارے بال کیسے حسین ہیں، آپ نے جواب دیا (مرنے کے بعد) سب سے پہلے یہی میرے بدن سے منتشر ہوں گے۔ زلیخا نے آپ کی آنکھوں کی تعریف کی تو فرمایا چہرے پر بہ کر یہ سب سے پہلے آئیں گی۔ چہرے کی تعریف سن کر فرمایا اس کو مٹی کھالے گی۔

اعمال نامہ کا اصول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے کہ جب میرا بندہ کوئی نیکی کرنے کی بات (اپنے دل میں) کر لیتا ہے تو کیے بغیر میں اس کی ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اور جب وہ نیکی کر بھی لیتا ہے تو اس جیسی دس نیکیاں اس کیلئے لکھ دیتا ہوں اگر میرا بندہ کوئی بدی کرنے کی بات (دل میں) کرتا ہے تو جب تک اس کا عملی اظہار نہ کرے میں معاف کر دیتا ہوں اور جب عملاً وہ کر ہی لیتا ہے تو میں اتنی ہی بدی (اس کے نامہ اعمال میں) لکھ دیتا ہوں۔ رواہ البغوی من حدیث ابو ہریرۃ۔ صحیحین اور جامع ترمذی میں حدیث مذکور کے یہ الفاظ ہیں، جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کر لیتا ہے اور کرتا نہیں تو میں اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں پھر اگر وہ عملاً نیکی کر بھی لیتا ہے تو میں اس کیلئے دس سے سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اگر کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے اور بدی عملاً نہیں کرتا تو میں اس کیلئے کچھ نہیں لکھتا اور اگر وہ بدی کر گزرتا ہے تو اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہوں۔

گناہ سے بچنے کا ذریعہ

گناہ سے بچنے کا قوی ذریعہ خود اللہ سے پناہ مانگنا ہے۔ اور اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے جب اپنے آپ کو سب

کو اپنا رب فرمایا اور اچھا ٹھکانا بھی درحقیقت اسی نے دیا، اس کی نافرمانی سب سے بڑا ظلم ہے، اور ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں۔ انبیاء گناہ سے محفوظ ہیں

جمہور امت اس پر متفق ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ تو نہ قصداً ہو سکتا ہے نہ سہواً خطا کی راہ سے ہو سکتا ہے البتہ صغیرہ گناہ سہواً اخطاء کے طور پر سرزد ہو جانے کا امکان ہے۔ مگر اس پر بھی انبیاء علیہم السلام کو قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ متنبہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ (مسامرہ)

اور یہ مسئلہ عصمت قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے علاوہ عقلاً بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہو جانے کا امکان و احتمال رہے تو ان کے لائے ہوئے دین اور وحی پر اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور ان کی بعثت اور ان پر کتاب نازل کرنا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو ہر گناہ سے معصوم رکھا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا

اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا ☆

توفیق الہی کے بغیر بچنا مشکل تھا

یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے۔ اگر اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے "وہم بہا" کو "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ" سے علیحدہ کر کے "لَوْلَا اَنْ زَا بُرْهَانَ رَبِّهٖ" سے متعلق ہے۔ جیسے "اِنْ كَادَتْ

لَتُبْدِي بِهٖ لَوْلَا اَنْ زَبَطْنَا عَلٰی قَدْبِهَا" کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسف کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں، بلکہ نفی کرنا ہے۔

ترجمہ یوں ہوگا کہ عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت و حجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے "وہم بہا" میں لفظ "ہم" کو بمعنی میلان و رغبت کے لیا ہے۔ یعنی

یوسف کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ بے اختیار رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اس سے قطعاً محترز رہنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے۔

طرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز پر سب سے پہلے خدا کی پناہ مانگی **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ**، محض اپنے عزم و ارادہ پر بھروسہ نہیں کیا، اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو خدا کی پناہ مل جائے اس کو کون صحیح راستہ سے ہٹا سکتا ہے، اس کے بعد پیغمبرانہ حکمت و موعظت کے ساتھ خود زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کیا۔ کہ وہ بھی خدا سے ڈرے، اور اپنے ارادہ سے باز آجائے۔ فرمایا: **اِنَّ رَبِّيْ اَحْسَنُ مَثْوٰى اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** "وہ میرا پالنے والا ہے اس نے مجھے آرام کی جگہ دی، خوب سمجھ لو کہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں ہوتی۔" زلیخا کو سبق

بظاہر مراد یہ ہے کہ تیرے شوہر عزیز مصر نے میری پرورش کی اور مجھے اچھا ٹھکانا دیا۔

میرا احسن ہے میں اس کے حرم پر دست اندازی کروں؟ یہ بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے اس کے ضمن میں خود زلیخا کو بھی یہ سبق دیدیا کہ جب میں اس کی چند روزہ پرورش کا اتنا حق پہچانتا ہوں تو تجھے مجھ سے زیادہ پہچانا چاہیے۔

لفظ "رب" کا اطلاق

اس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو اپنا رب فرمایا، حالانکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ موہم شرک اور مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے الفاظ استعمال کرنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ "کوئی غلام اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے، اور کوئی آقا اپنے غلام کو اپنا بندہ نہ کہے"۔ مگر یہ خصوصیت شریعت محمدیہ کی ہے، جس میں شرک کی ممانعت کے ساتھ ایسی چیزوں کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جن میں ذریعہ شرک بننے کا احتمال ہو، انبیاء سابقین کی شریعتوں میں شرک سے تو سختی کے ساتھ روکا گیا ہے مگر اسباب و ذرائع پر کوئی پابندی نہ تھی، اسی وجہ سے پچھلی شریعتوں میں تصویر سازی ممنوع نہ تھی، مگر شریعت محمدیہ، چونکہ قیامت تک کیلئے آئی ہے۔ اس کو شرک سے پوری طرح محفوظ کرنے کیلئے ذرائع شرک، تصویر اور ایسے الفاظ سے بھی روک دیا گیا جو موہم شرک ہو سکیں۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کا انہ دبی فرمانا اپنی جگہ درست تھا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اسی

جو خیال یا میلان پیدا ہوا وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجہ میں تھا۔ جو گناہ میں داخل نہیں، پھر اس وسوسہ کے خلاف عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور زیادہ بلند ہو گیا۔ (معارف مفتی صاحب)

لَوْلَا اَنْ رَّا بَرَهَانَ رَبِّهِ

اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھتے قدرت اپنے رب کی ☆

خدائی برہان

”برہان“ دلیل و حجت کو کہتے ہیں یعنی اگر یوسف علیہ السلام اس وقت اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو قلبی میلان پر چل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنا کی حرمت و شاعت کا وہ عین الیقین جو حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔ یاد ہی دلیل جو خود انہوں نے زلیخا کے مقابلہ میں ”اِنَّكَ رَبِّيْ اَحْسَنُ مَثْوَايَ اِنَّكَ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ“ کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے کہ انگلی دانتوں میں دبائے سامنے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی غیبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا۔ واللہ اعلم! (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسف علیہ السلام کی شان تقویٰ و طہارت اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے کہ طبعی اور بشری تقاضہ کے باوجود وہ گناہ سے محفوظ رہے۔ برہان کیا تھی اور یوسف نے کیا دیکھ پایا تھا اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، حضرت جعفر صادق نے فرمایا برہان وہ نبوت تھی جو اللہ نے یوسف کے سینہ میں ودیعت کر دی تھی، یہی نور نبوت اس عمل سے مانع ہو گیا جو اللہ کی ناراضگی کا موجب تھا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ قنادہ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ حضرت یعقوب کی صورت دیکھ لی تھی۔ حضرت یعقوب فرما رہے تھے یوسف نادانوں کا جیسا عمل کر رہا ہے۔ تیرا نام تو زمرہ انبیاء میں لکھا ہوا ہے، حسن اور سعید بن جبیر اور عکرمہ اور ضحاک نے کہا آپ نے چھت میں ایک شکاف دیکھا جس کے اندر حضرت یعقوب (انسوس کے ساتھ) اپنی انگلی دانت سے کاٹتے نظر آئے۔ (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَ

یوں ہی ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور

الْفَحْشَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۰﴾

بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں ☆

اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار و ارادہ یوسف علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کی رغبت و میلان کا پایا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ ان کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہوا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے فرد حسنات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اس نے (باوجود رغبت و میلان) میرے خوف سے اس برائی کو ہاتھ نہ لگایا۔

زلیخا اور یوسف علیہ السلام کے قصد میں فرق تھا

بہر حال باوجود اشتراک لفظی کے زلیخا کے ”ہم“ اور یوسف کے ”ہم“ میں زمین آسمان کا تفاوت ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے دونوں کے ”ہم“ کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زلیخا کے ”ہم“ کی طرح یوسف کے ”ہم“ پر ”لام“ اور ”قد“ داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و لحاق میں بہت سی دلائل یوسف علیہ السلام کی طہارت و نزاہت پر قائم فرمائیں جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل ”روح المعانی“ میں اور ”کبیر“ وغیرہ میں موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

محض وسوسہ اور غیر اختیاری خیال آجائے، اور فعل کا ارادہ بالکل نہ ہو جیسے گرمی کے روزہ میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعی میلان غیر اختیاری سب کو ہو جاتا ہے حالانکہ روزہ میں پینے کا ارادہ بالکل ہی نہیں ہوتا۔ اس قسم کا خیال نہ انسان کے اختیار میں ہے نہ اس پر کوئی مواخذہ اور گناہ ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے گناہ کے وسوسہ اور خیال کو معاف کر دیا ہے جبکہ وہ اس پر عمل نہ کرے۔ (قرطبی)

اور صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جب کسی نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ کرنے سے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اور جب وہ یہ نیک عمل کر لے تو دس نیکیاں لکھو، اور اگر بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے مگر پھر خدا کے خوف سے چھوڑ دے تو گناہ کے بجائے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اور اگر وہ گناہ کر ہی گذرے تو صرف ایک ہی گناہ لکھو۔ (ابن کثیر)

تفسیر قرطبی میں لفظ ”ہم“ کا ان دونوں معنی کے استعمال عرب کے محاورات اور خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں

یوسف علیہ السلام کی عظمت

یعنی یہ برہان دکھانا اور ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ یوسف ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہذا کوئی چھوٹی بڑی برائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے ان تک نہ پہنچ سکے۔ (تفسیر عثمانی) لفظ مخلصین اس جگہ فتح لام مخلص کی جمع ہے جس کے معنی منتخب کے ہیں، مراد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہیں، جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے کار رسالت اور اصلاح خلق کیلئے انتخاب فرمایا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظتی پہرہ ہوتا ہے کہ وہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہو سکیں۔ خود شیطان نے بھی اپنے بیان میں اس کا اقرار کیا کہ اللہ کے منتخب بندوں پر اس کا بس نہیں چلتا۔ اس نے کہا فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ”یعنی قسم ہے تیری عزت و قوت کی کہ میں ان سب انسانوں کو گمراہ کروں گا بجز ان بندوں کے جن کو آپ نے منتخب فرمایا ہے۔“ (معارف مفتی صاحب)

برائی نے قصد کیا تھا یوسف علیہ السلام نے نہیں کیا تھا

حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمانا لِنَصْرَفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ تاکہ ہم یوسف سے سوء اور فحشاء کو دور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسف کی طرف آنا چاہتے تھے۔ اللہ نے سوء کو دور رکھا اور یوسف کے پاس نہ آنے دیا۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف مائل نہ تھے ورنہ اس طرح فرماتے لِنَصْرَفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ کہ ہم نے یوسف کو سوء اور فحشاء سے دور رکھا اور یوسف کو سوء اور فحشاء کے پاس جانے سے باز رکھا۔ پس یہ تعبیر اس امر کی صریح دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء چل کر یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ جو کسی کی طرف ناجائز قدم اٹھانے اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو آنے سے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ پس خوب سمجھ لو کہ سوء اور فحشاء یوسف صدیق بارگاہِ عفت و عصمت کی طرف قدم اٹھانا چاہتا تھا خداوند قدوس نے ان کو آنے سے روک دیا معاذ اللہ، معاذ اللہ اگر یوسف صدیق کے ارادہ میں کوئی حرکت نہ ہوتی تو یوں فرماتے کہ ہم نے یوسف کو سوء اور فحشاء کی طرف جانے سے روک دیا۔ پس یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قصد نہیں کیا اس لئے کہ

برے کام کا ہم اور قصد بھی سوء اور فحشاء ہے اور اس آیت میں یہ بتلادیا کہ اللہ کریم نے سوء اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دور رکھا۔ اور علیٰ ہذا شروع آیت میں یہ فرمانا کہ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ امراتہ العزیز کے ارادہ سے مختلف تھا۔

لہذا وہم بھا کے معنی یہ ہوں گے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۲ جلد ۵)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَبِيصَهُ

اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ

مِنْ دُبُرِ وَالْقِيَّاسِيْدَ هَالِكًا الْبَابُ

پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس ☆

یوسف علیہ السلام کا باہر نکلنا

آگے یوسف تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پیچھے زلیخا نہیں روکنے کے لئے تعاقب کر رہی تھیں۔ اتفاقاً یوسف کے قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچتا ہی میں کرتہ پھٹ گیا۔ مگر یوسف جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازہ پر پہنچے۔ ادھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی پہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانا شروع کی۔ (تفسیر عثمانی)

آیت مذکورہ میں یہ بتلایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اس خلوت گاہ میں اس برہان ربی کا مشاہدہ کرتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، اور باہر نکلنے کیلئے دروازہ کی طرف دوڑے عزیز کی بیوی ان کو پکڑنے کیلئے پیچھے دوڑی، اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ پکڑ کر ان کو باہر جانے سے روکنا چاہا، وہ عزم کے مطابق نہ ر کے تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا، مگر یوسف علیہ السلام دروازہ سے باہر نکل آئے اور ان کے پیچھے زلیخا بھی، تاریخی روایتوں میں مذکور ہے کہ دروازہ پر قفل لگا دیا تھا، جب یوسف علیہ السلام دوڑ کر دروازہ پر پہنچے تو خود بخود یہ قفل کھل کر گر گیا۔

زلیخا کی چالاکی

جب یہ دونوں دروازے سے باہر آئے تو دیکھا کہ عزیز مصر سامنے کھڑے ہیں، ان کی بیوی سہم گئی اور بات یوں بنائی کہ الزام اور تہمت یوسف علیہ السلام پر ڈالنے کیلئے کہا کہ جو شخص آپ کی بیوی کے ساتھ

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَ

یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھا مومن اپنے جی کو اور

شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا

گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے ☆

اب یوسف کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا، میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا بھی چل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسف کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا، جو خدا کی قدرت سے حضرت یوسف کی براءت و وجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بچہ نہیں کوئی مرد دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

چار بچے

بغوی نے لکھا ہے عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بیان بھی آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا چار بچے بچپن میں بولے (۱) بنت فرعون کے بال بنانے والی خادمہ کا بچہ (۲) شاہد یوسف (۳) جرتج والا بچہ (۴) عیسیٰ بن مریم۔ محمد بن محمد سعاف نے تخریج بیضاوی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے اور شرط صحیحین کے موافق قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تین بچے

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا پالنے کے اندر تین بچوں کے علاوہ کسی نے بات نہیں کی عیسیٰ بن مریم اور جرتج والا بچہ اور ایک بچہ جس کو اس کی ماں دودھ پلا رہی تھی ایک خوب صورت سوار ادھر سے گذرا عورت نے کہا اللہ! میرے بیٹے کو اس کی طرح کر دے۔ بچہ بولا مجھ اس کی طرح نہ کرنا اگر اس موخر الذکر بچے کو بھی مذکورہ الصدر چار بچوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو پالنے میں بولنے والے پانچ بچے ہو جائیں گے۔

گیارہ بچے

سیوطی نے لکھا ہے کہ شیر خوارگی میں بولنے والے گیارہ بچے ہوئے جن کو میں نے ان اشعار میں جمع کر دیا ہے:

تکلم فی المهد النبوی محمد ومبری جریح ثم شہد یوسف

برے کام کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو قید میں ڈالا جائے یا کوئی دوسری جسمانی سخت سزا دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شرافت کی بناء پر غالباً اس کاراز فاش نہ فرماتے مگر جب اس نے پیش قدمی کر کے یوسف علیہ السلام پر تہمت رکھنے کا اشارہ کیا تو مجبور ہو کر انہوں نے حقیقت کا اظہار کیا کہ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي یعنی یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کیلئے مجھے پھسلا رہی تھی۔

معصوم بچے کی گواہی

حضرت مریم پر جب لوگ تہمت باندھنے لگے تو صرف ایک دن کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویائی عطا فرما کر ان کی زبان سے والدہ کی پاکی ظاہر فرمادی، اور قدرت خداوندی کا ایک خاص مظہر سامنے کر دیا، بنی اسرائیل کے ایک بزرگ جرتج پر اسی طرح کی ایک تہمت ایک بڑی سازش کے ساتھ باندھی گئی تو نوزائیدہ بچہ نے ان کی براءت کیلئے شہادت دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کو شبہ پیدا ہوا تو فرعون کی بیوی کے بال سنوارنے والی عورت کی چھوٹی بچی کو گویائی عطا ہوئی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں فرعون کے ہاتھ سے بچایا۔ ٹھیک اسی طرح یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق ایک چھوٹے بچہ کو حق تعالیٰ نے گویائی عطا فرمادی، اور وہ بھی نہایت عاقلانہ اور حکیمانہ انداز کی یہ چھوٹا بچہ اسی گھر میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا یہ کس کو گمان ہو سکتا تھا کہ وہ ان حرکتوں کو دیکھے اور سمجھے گا اور پھر اس کو کسی انداز سے بیان بھی کر دے گا، مگر قادر مطلق اپنی اطاعت میں مجاہدہ کرنے والوں کی شان ظاہر کرنے کیلئے دنیا کو دکھلا دیتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی خفیہ پولیس (سی آئی ڈی) ہے جو مجرم کو خوب پہچانتی اور اس کے جرائم کا ریکارڈ رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ

بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں

سَوْءًا إِلَّا أَنْ يَسْجُنَ أَوْ عَذَابٍ أَلِيمًا

برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک ☆

عورت نے الزام یوسف پر رکھا کہ اس نے مجھ سے برا ارادہ کیا، ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ جیل خانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

وطفل عليه مبريا لامة
ويحيى وعيسى والخليل ومريم
التي يقال لها تزنى ولا تتكلم
ومانشطة في عهد فرعون طفلاها
وطفل للى الاخذ ودير وبه مسلم
وفي زمن الهادي المبارك ينتم

(تفسیر منظری)

بچے کی حکیمانہ گواہی

پھر یہ بچہ اگر صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ یوسف علیہ السلام بری ہیں زلیخا کا قصور ہے تو وہ بھی ایک معجزہ کی حیثیت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں برأت کی بڑی شہادت ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کی زبان پر ایک حکیمانہ بات کہلوائی کہ یوسف علیہ السلام کے کرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا کا کہنا سچا اور یوسف علیہ السلام جھوٹے ہو سکتے ہیں اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے اور زلیخا ان کو روکنا چاہتی تھی۔ یہ ایک ایسی بات تھی کہ بچہ کی گویائی کے اعجاز کے علاوہ خود بھی ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی تھی اور جب بتلائی ہوئی علامت کے مطابق کرتے کا پیچھے سے شق ہونا مشاہدہ کیا گیا تو یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہری علامت سے بھی ظاہر ہو گئی۔ شاہد یوسف کی جو تفسیر ہم نے بیان کی ہے کہ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ گویائی عطا فرمادی یہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کو امام احمد نے اپنے مسند میں اور ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار بچوں کو گواہی عطا فرمائی ہے یہ چاروں وہی جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں (منظری)۔ اور بعض روایات میں شاہد کی دوسری تفسیریں بھی نقل کی گئی ہیں مگر ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ ائمہ تفسیر نے پہلے ہی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

احکام و مسائل

آیات مذکورہ سے چند اہم مسائل اور احکام نکلتے ہیں

اول: آیت **وَاسْتَبَقَا الْبَابَ** سے یہ معلوم ہوا کہ جس جگہ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس جگہ ہی کو چھوڑ دینا چاہیے جیسا یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔

دوسرا مسئلہ: یہ کہ احکام الہیہ کی اطاعت میں انسان پر لازم ہے کہ اپنی مقدور بھر کوشش میں کمی نہ کرے خواہ اس کا نتیجہ بظاہر کچھ برآمد ہوتا نظر نہ آئے نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں انسان کا کام اپنی محنت اور مقدور کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر کے اپنی بندگی کا ثبوت دینا ہے۔

مولانا رومی

مولانا رومی نے اسی مضمون پر ارشاد فرمایا ہے۔

گر چہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف واری باید دوید
ایسی صورت میں اگر ظاہری کامیابی بھی حاصل نہ
ہو تو بندہ کیلئے یہ ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں۔

گر مرادت را مذاق شکرست نامرادی نے مراد دلبرست
لیک بزرگ عالم جیل میں تھے جمعہ کے ہذا اپنی قدرت کے مطابق غسل کرتے اور اپنے
کپڑے پھولتے اور پھر جمعہ کیلئے تیار ہو کر جیل خانہ کے کھڑے تک جاتے وہاں پہنچ کر عرض
کرتے کہ یا اللہ میری قدرت میں اتنا ہی تھا آگے آپ کے اختیار میں ہے (معارف مفتی اعظم)

إِنْ كَانَ قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ قَبْلِ

اگر ہے کرتے اس کا پھٹا آگے سے

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۱۶

تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا

وَإِنْ كَانَ قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ

اور اگر ہے کرتے اس کا پھٹا پیچھے سے

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۱۷

تو جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے

فَلَمَّا رَاقَبِيصَهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ

پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ

مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۱۸

ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هٰذَا كُنْتَ وَاسْتَغْفِرِي

یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشو

لِيَذُنِبَكَ إِنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِيْنَ ۱۹

اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی ☆

غیر جانبدارانہ گواہی

اگر گواہ شیر خواہ بچہ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسف کے حق میں مفید ہو، خود مستقل دلیل یوسف کی سچائی کی تھی۔ کرتہ کا آگے یا پیچھے سے پھٹنا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہیے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اس نے نہایت دانائی سے ایسی پیرایہ میں شہادت دی جو دفعہ کسی کی جانبداری پر بھی محمول نہ ہو اور آخر کار یوسف کی برأت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ اظہار واقعہ کا اس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعوے کے موافق یوسف نے (معاذ اللہ) اس کی طرف اقدام کیا تو ان کا چہرہ عورت کی طرف ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ کشمکش میں کرتہ بھی سامنے سے پھٹے اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بلاتی تھی، میں دروازہ کی طرف بھاگا، اس نے پکڑنے کیلئے میرا تعاقب کیا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوگا کیونکہ اس صورت میں یوسف اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ ادھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔

عزیز کی معذرت

بہر حال جب دیکھا گیا کہ کرتہ آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکر و فریب ہے۔ یوسف تصور وار نہیں۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا کہ زلیخا کی پر فریب کار روائی اسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اس نے یوسف سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا آئندہ اس کا ذکر مت کرو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسف سے یا خدا سے اپنے تصور کی معافی مانگ، یقیناً تصور تیرا ہی تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا رَأَىٰ قَبِيضَةَ قَدْ مِنْ دُبُرِ قَالَ إِنَّ مِنْ كَيْدِكُنَّ پس جب اس نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا دیکھا (تو سمجھ گیا کہ) (یوسف پاکدامن اور سچا ہے۔ اور بیوی مکار تصور وار ہے)

عورتوں کی مکاری

بول بلاشبہ یہ (بدی یا یہ کام یا تیرا یہ قول ماجزاء من اراد باہلک الخ) تم عورتوں کی مکاری کی وجہ سے ہے۔ خطاب بصیغہ جمع زلیخا اور اس جیسی عورتوں کو ہے یا تمام عورتوں کو۔

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ یقیناً تم عورتوں کا مکر بڑا ہے۔ عورتوں کا ظاہر تو کمزور نظر آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سچی ہیں (بھولی بھالی صورت پر کون جھوٹا ہونے کا احتمال کر سکتا ہے) لیکن ان کا باطن ٹیڑھا اور گندا ہے ان کی تخلیق آدم کی (ٹیڑھی) پسلی ہوئی ہے ان کی عقلوں میں کمزوری اور دینداری میں نقصان ہے ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو مکر کا جال لے کر مردوں کے سامنے سے آتا ہے اور شیطان تو پھر چھپ کر چوری سے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتیں شیطان کا جال ہیں یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عورتوں میں سے کسی ایک سے بھی زیادہ کوئی ناقص العقل والدین شخص دانشمند مرد کی عقل و دانش کو زائل کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ بعض علماء کا قول ہے شیطان سے زیادہ مجھے عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔ اللہ نے شیطان کے مکر کو تو ضعیف فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا اور عورتوں کے متعلق فرمایا ہے إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ تمہارا مکر بڑا ہے۔

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا اے یوسف اس قصہ سے درگزر کرو۔ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ کہیں یہ واقعہ پھیل نہ جائے۔

عزیز بردبار آدمی تھا غیرت کم تھی اس لیے زبانی سرزنش پر اکتفا کی۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ مقدمات اور خصومات کے فیصلوں میں قرآن اور علامات سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس شاہد نے کرتے کے پیچھے سے پھٹنے کو اس کی علامت قرار دیا کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے، زلیخا پکڑ رہی تھی۔

عورت کا اثر

پہلے تو زلیخا کو خطاب کر کے کہا إِنَّ مِنْ كَيْدِكُنَّ یعنی یہ سب تمہارا مکر و حیلہ ہے۔ کہ اپنی خطا دوسرے کے سر پر ڈالنا چاہتی ہو، پھر کہا کہ عورتوں کا مکر و حیلہ بہت بڑا ہے۔ کہ اس کو سمجھنا اور اس سے نکلنا آسان نہیں ہوتا، کیونکہ ظاہر ان کا نرم و نازک اور ضعیف ہوتا ہے، دیکھنے والے کو ان کی بات کا یقین جلد آ جاتا ہے مگر عقل و دیانت کی کمی کے سبب بسا اوقات وہ فریب ہوتا ہے۔ (مظہری)

عزیز مصر نے زلیخا کو اس کی خطا بتلانے کے بعد یوسف علیہ السلام سے کہا يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا یعنی اے یوسف تم اس واقعہ کو نظر انداز

کرو، اور کسی سے نہ کہو، تاکہ رسوائی نہ ہو، پھر زلیخا کو خطاب کر کے کہا
وَاسْتَغْفِرِي لَذَنْبِكِ إِنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ یعنی خطا سراسر
تمہاری ہے تم اپنی غلطی کی معافی مانگو، اس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ وہ اپنے
شوہر سے معافی مانگے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام
سے معافی مانگے، کہ خود خطا کی اور تہمت ان کے سر ڈالی۔

فائدہ: یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ شوہر کے سامنے اپنی بیوی
کی ایسی خیانت اور بیگمانی ثابت ہو جانے پر اس کا مشتعل نہ ہونا اور پورے
سکون و اطمینان سے باتیں کرنا انسانی فطرت سے بہت قابل تعجب ہے۔
عزیز مصر کو غصہ سے مشتعل نہیں ہونے دیا ورنہ عام عادت کے
مطابق ایسے موقع پر انسان تحقیق و تفتیش کے بغیر ہی ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ہے
اور زبان سے گالی گلوچ تو معمولی بات ہے اگر عام انسانی عادت کے
مطابق عزیز مصر کو اشتعال ہو جاتا تو ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ سے یازبان
سے یوسف علیہ السلام کی شان کے خلاف کوئی بات سرزد ہو جاتی، یہ
قدرت حق کے کرشمے ہیں کہ اطاعت حق پر قائم رہنے والے کی قدم قدم
پر کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ فَتَبَرَّكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی شخص پر کوئی غلط تہمت
باندھی تو اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے یہ کوئی توکل یا بزرگی نہیں کہ
اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دیدے۔ (معارف مفتی اعظم)
حضرت یوسف اپنے تئیں بچانے کے لئے وہاں سے دروازے کی
طرف دوڑے اور یہ عورت آپ کو پکڑنے کے ارادے سے آپ کے پیچھے
بھاگی، پیچھے سے کرتا اس کے ہاتھ میں آگیا، زور سے اپنی طرف گھسیٹا جس
سے حضرت یوسف پیچھے کی طرف گرجانے کے قریب ہو گئے، لیکن آپ
نے بھی آگے کو زور لگا کر دوڑ جاری رکھی، اس میں کرتا پیچھے سے بالکل بے
طرح پھٹ گیا، اور دونوں دروازے پر پہنچ گئے، دیکھتے ہیں کہ عورت کا خاوند
موجود ہے اسے دیکھتے ہی اس نے چال چلی اور فوراً ہی سارا الزام یوسف
کے سر چپک دیا اور آپ اپنی پاک دامنی بلکہ عصمت اور مظلومیت جتانے
لگی۔ سوکھا سامنہ بنا کر اپنے خاوند سے اپنی پتا اور پھر پاکیزگی بیان کرتے
ہوئے کہتی ہے فرمائیے حضور آپ کی بیوی سے جو بدکاری کا ارادہ رکھے اس
کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ قید سخت یا بری مار سے کم تو ہرگز کوئی سزا اس جرم کی
نہیں ہو سکتی۔ اب جب کہ حضرت یوسف نے اپنی آبرو کو خطرے میں
دیکھا اور خیانت کی بدترین تہمت چڑھتی دیکھی تو اپنے اوپر سے الزام

ہٹانے اور صاف اور سچی حقیقت کے ظاہر کر دینے کے لئے فرمایا کہ حقیقت
یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھیں، میرے بھاگنے پر مجھے پکڑ رہی تھیں
یہاں تک کہ میرا کرتا بھی پھاڑ دیا۔ اسی عورت کے قبیلے سے ایک گواہ نے
گواہی دی اور مع ثبوت و دلیل ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرا ہن کو دیکھ لو
اگر وہ سامنے کے رخ سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ
جھوٹا ہے اس نے اسے اپنی طرف لانا چاہا اس نے اسے دھکے دیئے،
روکا منع کیا ہٹایا، اس میں سامنے سے کرتا پھٹ گیا تو واقعی قصور وار مرد ہے
عورت جو اپنی بے گناہی بیان کرتی ہے وہ سچی ہے فی الواقع اس صورت
میں وہ سچی ہے اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا پاؤ تو عورت کے جھوٹ
اور مرد کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت اس پر مائل تھی، یہ
اس سے بھاگا وہ دوڑی پکڑا کرتا ہاتھ میں آگیا اس نے اپنی طرف گھسیٹا اس
نے اپنی جانب کھینچا وہ پیچھے کی طرف سے پھٹ گیا۔

عزیز کی سمجھ داری

پھر حضرت یوسف سے کہتا ہے کہ آپ اس واقعہ کو بھول جائیے
جانے دیجئے اس نامراد واقعہ کا پھر سے ذکر ہی نہ کیجئے۔ پھر اپنی بیوی
سے کہتا ہے کہ تم اپنے گناہ سے استغفار کرو۔ نرم آدمی تھا، نرم اخلاق
تھے یا یوں سمجھو کہ وہ جان رہا تھا کہ عورت معذور سمجھے جانے کے لائق
ہے۔ اس نے وہ دیکھا ہے جس پر صبر کرنا بہت مشکل ہے اس لئے
اسے ہدایت کر دی کہ اپنے برے ارادے سے توبہ کر، سراسر تو ہی خطا
وار ہے، کیا خود پھر الزام دوسروں کے سر رکھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَأَتُ

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت

الْعَزِيْزِ تَرَاوَدُّوْهَا عَنْ نَفْسِهٖ

خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّهَا لَتَرَاهَا فِي

فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اس کو صریح خطا پر ☆

شہر میں بدنامی

یعنی شدہ شدہ شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہوگئی۔ چاہتی ہے کہ اس کے نفس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اس کے دل کی تہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کیلئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ علانیہ غلطی پر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ

پھر جب سنا اس نے ان کا فریب ☆

شہرت کیوں ہوئی

عورتوں کی گفتگو کو مکر (فریب) اس لئے کہا کہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زلیخا پر طعن کر کے گویا اپنی پارسائی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ یوسف کے بمثال حسن و جمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا۔ اس کی دید کا اشتیاق دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زلیخا پر طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کرنیوالیوں کے دلوں میں یہ ہی غرض پوشیدہ ہو کہ زلیخا کو غصہ دلا کر کسی ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو یوسف کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زلیخا کے دل میں اس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکالیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا راز دار بنایا ہو، اس نے رازداری کی جگہ پردہ دری اور خوردہ گیری شروع کر دی بہر حال ان کی گفتگو کو لفظ ”مکر“ سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ

بلوا بھیجا ان کو اور تیار کی ان کے واسطے

مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا

ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری

وَقَالَتِ الْخُرَيْبَةُ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا

اور بولی یوسف نکل آ ان کے سامنے پھر جب

رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ

دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ ☆

بدنامی ختم کرنے کی تدبیر

یعنی دعوت کر کے ان عورتوں کو بلوا بھیجا اور کھانے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ چنانچہ کھانے اور میوے وغیرہ ان کے سامنے چن کر ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دیدیا۔ تا تراشنے کے قابل چیزوں کے کھانے میں کسی کو کلفت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ ادھر نکل آئے۔ نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی تمام عورتیں یوسف کے حسن و جمال کا دفعہ مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لیے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسف علیہ السلام کی نزاہت و صداقت پر قائم فرمادی کہ جس کے جمال بمثال کی ذرا سی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیے۔ بحالیکہ یوسف نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہوگا کہ زلیخا اس کے جمال ہو شر با کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی۔ اور وہ معصوم فرشتہ کی طرح اپنا دامن عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یوسف علیہ السلام کا حسن

زلیخا نے یوسف کو ایک اور جگہ بٹھا دیا تھا وہاں سے آپ عورتوں کے سامنے برآمد ہوئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حسن میں یوسف کی دوسرے لوگوں پر برتری ایسی تھی جیسی ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی ابن جریر حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا (یعنی شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ یوسف چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔

ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں اسحاق بن عبداللہ ابی فروہ قول بیان کیا ہے کہ یوسف مصر کے گلی کوچوں سے گذرتے تو دیواریں آپ کے چہرے کی چمک سے جگمگا جاتیں جیسے سورج کی دھوپ جب دیواروں پر رہی ہو تو اس کے عکس سے پانی جگمگا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کے ہوش اڑ گئے

دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی انہیں تو یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔ عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اسی میں اس نے اپنی معذوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ

عرش کے سایہ میں جگہ پانے والے
بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات
قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے سائے تلے سایہ دے
گا۔ جس دن کوئی سایہ سوا اس کے سایے کے نہ ہوگا۔ مسلمان عادل
بادشاہ، وہ جوان مرد و عورت جس نے اپنی جوانی خدا کی عبادت میں
گزاری، وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو جب مسجد سے نکلا مسجد کی
دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے، وہ دو شخص جو آپس
میں محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی
پر جدا ہوتے ہیں، وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ
دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی، وہ شخص جسے کوئی جاہ
و منصب والی جمال و صورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ
دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ
کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہہ نکلیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا

اور کہنے لگیں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی

إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۱۳﴾

یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ ☆

یہ تو فرشتہ ہے

یعنی حسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا
ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

قوم اذا قوبلو اكانوا ملائكة حسنا وان قوتلوا اكانوا عفاريتا
يا حياء وعفت اور پاک دامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی
اسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ

بول یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اس کے واسطے ☆

زیلخانے اپنی براءت کر دی

اب زیلخانہ کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیرا ہی کی طرف
لوٹا دے۔ گویا اس وقت فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ، کہہ کر وہ

فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے اور ایک مجلس اور محفل
اور بیٹھک درست کر لی جہاں پھل اور میوہ بہت تھا اس نے تراش تراش
کر چھیل چھیل کر کھانے کیلئے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں
دیدیا۔ یہ تھا ان عورتوں کے دھوکے کا جواب انہوں نے اعتراض
جڑ کر جمال یوسف دیکھنا چاہا، اس نے اپنے تئیں معذور ظاہر کرنے
اور ان کو مکر کو ظاہر کرنے کیلئے انہیں خود زخمی کر دیا۔ اور خود ان ہی کے ہاتھ
سے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آئیے۔ انہیں اپنی مالکہ
کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے
وہاں سے آگے، عورتوں کی نگاہ جو آپ کے چہرے پر پڑی تو سب کی
سب دہشت زدہ رہ گئیں، ہیبت و جلال اور رعب حسن سے بے خود
ہو گئیں۔ اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے
ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں۔

حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب
تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی بیٹھے ہاتھوں میں تھے چاقو چل رہے
تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اٹھیں
ہاں ہاں ضرور۔ اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لائیے۔
آپ آئے، پھر اس نے کہا جائیے، آپ چلے گئے آتے جاتے سامنے سے
پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا، دیکھتے ہی سب
سکتے میں آگئیں، ہوش و حواس جاتے رہے۔ بجائے نیبو کاٹنے کے اپنے
ہاتھ کاٹ لئے۔ اور کوئی احساس تک نہ ہوا۔ ہاں جب حضرت یوسف چلے
گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے
ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے
جمال نے تمہیں ایسا زخوردہ کر دیا پھر بتلاؤ میرا کیا حال ہوگا؟ عورتوں
نے کہا واللہ یہ انسان نہیں یہ تو فرشتہ ہے۔ اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔
آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت
یوسف جیسا تو کہاں ان کے قریب، ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں
دیکھا تھا۔ آپ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔ چنانچہ معراج
کی حدیث میں ہے تیسرے آسمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا
تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسف اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا
حسن قدرت کی فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا

یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے

يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي

جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے

كَيْدَهُنَّ أَصَبُ إِلَيْهِمْ وَأَكُنُّ

ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو

مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۰﴾

جاؤں گا بے عقل ☆

تمام عورتیں یوسف کو بہلانے لگیں

معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ انداز بیان اس کی ہم جنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہوگی، بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسف کو سمجھانا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہیے۔ آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو۔ پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسف کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔

یوسف کی پاکدامنی

یوسف نے جب دیکھا کہ یہ عورت بے طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا جال بچھانے لگا ہے تو نہایت عزم و استقلال اور پیغمبرانہ استقامت سے بارگاہ احدیت میں درخواست کی کہ مجھے ان کے مکر و فریب سے بچائیے۔ اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو ارتکاب معصیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمائیں گے تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر ان کی ابلہ فریبوں کی طرف نہ جھک پڑوں۔ یہاں یوسف علیہ السلام کی زبانی یہ جتلا دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دستگیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ عصمت کا جو منشاء ہے (حفاظت و صیانت الہی) اسی پر نظر رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ يَوْسُفَ نَعَى كَمَا

اس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی۔

ایں است کہ خون خوردہ دل بردہ بے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کے را

(تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ

اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا جی پھر اس نے تمام رکھا ☆

زلیخا نے اصل بات بتادی

مجمع کارنگ دیکھ کر زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ بیشک میں نے ان کا دل لینا چاہا تھا مگر اس بندہ خدا نے ایسا مضبوط تھاے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عصمت و عفت اور غایت نزاہت و طہارت کا اقبالی ثبوت پیش کر دیا۔ زلیخا کا حال اس وقت وہ ہی تھا جو کسی نے کہا ہے

لاتخف ماصنعت بك الا شواق
واشرح هواك فكلنا عشاق

(تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ لَيُسْجَنَنَّ

اور بیشک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا

وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الضَّغِيرِينَ ﴿۳۱﴾

اور ہو گا بے عزت ☆

زلیخا کی دھمکی

زلیخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا، تا ان کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسف علیہ السلام کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر آئندہ اس کی مطلب برآری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ

غنقاشکار کس نہ شود دام باز چیں کاشجا ہمیشہ باد بدستت دام را

(تفسیر عثمانی)

فَاَسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ط

سوقبول کر لی اس کی دعاء اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب ☆

دُعاء کی قبولیت

یعنی ان کو عصمت و عفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھا کسی کا فریب چلنے نہ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

واقعہ یہ ہوا کہ جب یوسف علیہ السلام کی برأت اور پاکی بالکل واضح ہو جانے کے باوجود عزیز مصر اور اس کی بیوی نے بدنامی کا چرچا ختم کرنے کے لئے کچھ عرصہ کیلئے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا، جو درحقیقت یوسف علیہ السلام کی دعا اور خواہش کی تکمیل تھی کیونکہ عزیز مصر کے گھر میں رہ کر عصمت بچانا ایک سخت مشکل معاملہ ہو گیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا حسن خلق

یوسف علیہ السلام جیل میں داخل ہوئے تو اپنے پیغمبرانہ اخلاق اور رحمت و شفقت کے سبب سب قیدیوں کی دلداری اور خبر گیری کرتے تھے جو بیمار ہو گیا اس کی عیادت اور خدمت کرتے جس کو غمگین و پریشان پایا اس کو تسلی دیتے، صبر کی تلقین اور رہائی کی امید سے اس کا دل بڑھاتے تھے خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دینے کی فکر کرتے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے ان کے یہ حالات دیکھ کر جیل کے سب قیدی آپ کی بزرگی کے معتقد ہو گئے جیل کا افسر بھی متاثر ہوا۔ اس نے کہا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آپ کو چھوڑ دیتا، اب اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲﴾

البتہ وہی ہے سننے والا خبردار ☆

یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگے سے قید میں پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ ان کا فریب دفع کر دیا باقی قید ہونا تھا قسمت میں۔ آدمی کو چاہیے کہ گھبرا کر اپنے حق میں برائی نہ مانگے پوری بھلائی مانگے گو ہو گا وہی جو قسمت میں ہے۔“ ”ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگتے سنا۔ اللھم انی اسالک الصبر“ (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔) آپ نے فرمایا

جیل خانہ زیادہ پسند ہے۔ یعنی زنا سے تو جیل اچھی۔ دعوت گناہ صراحتاً اگرچہ صرف زلیخانے دی تھی لیکن اشارہ دوسری عورتوں کی طرف سے بھی تھا کہ یوسف مان لیں اس لیے دعوت کی نسبت سب عورتوں کی طرف کر دی یا اس وجہ سے دعوت کی نسبت سب عورتوں کی طرف کی کہ نافرمانی کے نتیجہ بد سے ان عورتوں نے یوسف کو ڈرایا تھا اور فرمان پذیری ہی کو یوسف کے حق میں بہتر قرار دیا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ہر عورت نے یوسف کو اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا۔

عافیت کی دُعاء کرنی چاہئے

بعض علماء نے کہا اگر یوسف قید خانہ کو پسند نہ کرتے اور المسجن احب الی نہ کہتے تو قید خانہ کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے، آدمی کو چاہیے کہ عافیت کا طلبگار ہو اور اللہ سے عافیت ہی کی دعا کرے۔ ترمذی نے حضرت معاذ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا الہی میں تجھ سے صبر کی درخواست کرتا ہوں (کہ مجھے مصائب پر صبر عطا کر) فرمایا تو مصیبت کا طلبگار ہو عافیت کی دعا کر طبرانی نے حضرت عباس کا قول نقل کیا ہے حضرت عباس کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس کی دعا میں اللہ سے کروں فرمایا اپنے رب سے عافیت کی دعا کرو۔ کچھ مدت کے بعد میں پھر خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتائیے جو میں اللہ سے مانگوں، فرمایا چچا اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کی طلب کرو۔

یوسف کی التجاء

وَإِلَّا تَصْرَفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ اور اگر تو ان کی مکاریوں کا رخ میری طرف سے نہیں پھیر دے گا۔ (اور مجھے عصمت پر ثابت قدم نہیں رکھے گا) تو میں ان کی (خواہش کو قبول کرنے کی) طرف جھک جاؤں گا اور (ارتکاب گناہ کی وجہ سے) نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی طبعی میلان مجھ پر غالب آجائے گا صبوة خواہش نفس کی طرف جھکاؤ۔ بے حیائی کا کام کرنا نادانوں کا کام ہے، دانش مند برا کام نہیں کرتا یا جاہلوں سے مراد ہیں وہ جاننے والے جو جاننے کے باوجود علم کے مطابق عمل نہیں کرتے، ایسے لوگ جاہلوں کے حکم میں ہیں۔ بغوی نے کہا اس فقرہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مؤمن اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو محض جہالت اور نادانی کی وجہ سے کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یا تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں گھر سے نکلوں اور لوگوں سے جا کر اپنی بے گناہی ظاہر کروں یا اس کو آپ قید کر دیں کہ لوگوں میں یہ چہ ختم ہو جائیں۔ اور لوگ اسی کو مجرم قرار دیدیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا، لیکن تاہم ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کچھ مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں ہی رکھیں۔ جب تک بادشاہ نے ہر طرح گواہ شاہدوں سے بلکہ خود عزیز کی بیوی سے پوری تحقیق نہ کر لی اور آپ کا بے قصور ہونا ساری دنیا پر نہ کھل گیا آپ جیل خانے سے باہر نہ نکلے۔ پھر آپ باہر آئے جب کہ ایک دل بھی ایسا نہ تھا جس میں صدیق اکبر نبی خدا پاک دامن اور معصوم رسول اللہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ قید کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ عزیز کی بیوی کی رسوائی نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنَ قَالَ

اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان کہنے لگا

أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِنِي أَعْصِرُ خَمْرًا

ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب

وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِنِي أَحْمِلُ فَوْقَ

اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے

رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبْتَنَا

سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے پتلا ہم

بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۰﴾

کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیک والا ☆

دونو جوان قیدی

یعنی اسی زمانہ میں دونو جوان قیدی جیل خانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا نائبی اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کی مروت و امانت، راست گوئی، حسن

”سالت الله البلاء فاستله العافية“ (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلا پر ہوگا۔ اب تو اس سے عافیت مانگ) (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا

پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی ان

الآيَاتِ لِيَسْبُوْنَهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۱﴾

نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت ☆

یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے کی وجہ

یعنی باوجود یہ کہ حضرت یوسف کی برأت و نزاہت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی ان کی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسف کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسف ہی کا تھا، عورت بیچاری مفت میں بدنام ہوئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھمکی دی تھی اسے پورا کر کے چھوڑا۔ ان لوگوں کی غرض تو یہ ہوگی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو، نیز ایک مدت تک یوسف اس کی نظر سے دور رہیں۔ اور عورت کا مطلب یہ ہوگا کہ شاید قید کی سختیاں اٹھا کر یوسف کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔ (تفسیر عثمانی)

مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کی یہی رائے ہوئی کہ یوسف کو ایک مدت کیلئے قید میں رکھیں۔ لہم یعنی عزیز اور اس کے ساتھیوں کی پھر یہ رائے ہوئی۔ فَمِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ یعنی یوسف کی پاک دامنی اور برأت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد۔ بچہ کا کلام اور قمیص کا پیچھے سے پھٹنا اور عورتوں کا ہاتھوں کو کاٹنا اور یوسف کا ان سے باعصمت رہنا، جب انہوں نے دیکھ لیا تو یہ رائے قرار پائی کہ کچھ مدت کے لئے یوسف کو قید کر دیا جائے۔ زلیخا کا شوہر زن پرست تھا شوہر کی لگام زلیخا کے ہاتھ میں تھی وہ جس طرف چاہتی موڑ دیتی، اس نے شوہر کو باز بچہ بنا رکھا تھا اس کو خیال تھا کہ یوسف قید کی سختی سے تنگ ہو کر میرا ہو جائے گا۔ پھر راز فاش ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگوں سے شرمندہ بھی ہوگی اور بدنامی کا دھبہ دھونا چاہتی ہوگی اس لئے اس نے یوسف کو قید کر دینا ہی مناسب سمجھا جب دیدار اور وصال سے وہ محروم ہو گئی تو سماع احوال پر ہی اس کو قناعت کرنی پڑی مجبوراً اس نے شوہر سے کہا کہ اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں میں رسوا کر دیا دنیا سے کہتا پھرتا ہے کہ میں نے اس کو ورغلا کر اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا اب

کردہ دریاقت کی تو انہوں نے کہا ہم دونوں بادشاہ کے مصاحب تھے، ہم نے خواب دیکھے ہیں جن کی وجہ سے پریشان ہیں۔ یوسف نے کہا جو کچھ دیکھا ہے بیان کرو تو۔

قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ایک نے یعنی ساقی نے کہا میں نے دیکھا کہ میں (انگور نچوڑ رہا ہوں اور ان کو) نچوڑ کر شراب بنا رہا ہوں، انگور سے شراب بنتی ہے۔ انگور مال کا شراب ہو جاتے ہیں اس لئے انگور کی جگہ لفظ خمر ذکر کیا۔ خمر سے مراد انگور ہیں۔ فلاں شخص کھانا پکاتا ہے۔ یعنی وہ چیز پکاتا ہے جو پک کر کھانا بن جاتی ہے۔ بعض نے کہا اہل عمان کے محاورہ میں خمر انگوروں کو کہتے ہیں تفصیلی خواب اس نے اس طرح بیان کیا، میں نے دیکھا کہ میں ایک باغ میں درخت انگور کی جڑ کے پاس ہوں درخت میں تین خوشے لگے ہیں، میرے ہاتھ میں بادشاہ کا پیالہ ہے میں نے وہ انگور نچوڑ کر پیالے میں عرق بھرا اور بادشاہ کو پلایا۔ بادشاہ نے اس کو پی لیا۔

الطير منه اور دوسرے نے یعنی باورچی نے کہا میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے (اوپر سے جھپٹ کر) ان میں سے کھا رہے ہیں۔

اس نے خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی تھی کہ میں نے دیکھا میرے سر پر تین ٹوکریاں ہیں جن میں روٹیاں اور طرح طرح کے کھانے ہیں اور شکاری پرندے ان کو نوچ کر لیے جا رہے ہیں۔

نَبَأَاتٍ وَإِيلَاءٍ إِنَّا نَزَّلْنَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ آپ ہم کو ہر ایک کے خواب کی تعبیر بتا دیجئے۔ ہمارے خیال میں آپ صحیح تعبیر دینے والوں میں سے ہیں یا آپ اہل علم میں سے ہیں، اس صورت میں احسان سے مراد ہوگا علم اور اول ترجمہ پر محسن سے مراد ہوگا اچھی تعبیر دینے والا یا یہ مطلب ہے کہ آپ قیدیوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ ہم پر بھی احسان کیجئے۔ اور صحیح تعبیر بتا دیجئے۔

قیدیوں پر یوسف علیہ السلام کا احسان

ضحاک بن مزاحم سے پوچھا گیا کہ آیت إِنَّا نَزَّلْنَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ میں کس احسان کا اظہار ہے یوسف کیا بھلائی کرتے تھے؟ ضحاک نے جواب دیا کوئی قیدی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت اور نگہداشت کرتے تھے۔ اگر کسی قیدی کی جگہ تنگ ہوتی تو آپ اس کو کشادہ جگہ دیدیتے اگر کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ چیز فراہم کر دیتے اور ان تمام باتوں کے باوجود عبادت کی بہت زیادہ کوشش کرتے اور راتوں کو نماز میں کھڑے رہتے۔

اخلاق، کثرت عبادت، معرفت تعبیر اور ہمدردی خلاق کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسف سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ نانبائی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکری ہیں جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔ (تفسیر عثمانی) وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ اور یوسف کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان اور بھی داخل ہوئے تھے (ان کو بھی قید کر دیا گیا تھا) یہ دونوں ریان بن ولید بن ثروان شاہ مصر کے غلام تھے ایک باورچی یعنی منصرم باورچی خانہ تھا اور دوسرا ساقی یعنی منصرم آبدار خانہ۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر ان کو بھی قید کر دیا تھا۔ اور اتفاقاً ان کی قید بھی یوسف ہی کے ساتھ ہوئی تھی۔ مع کے لفظ سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے بادشاہ کو ہلاک کرنے کی سازش کی اور بادشاہ کو زہر دینے کیلئے شاہی باورچی کو مالی لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اقرار کے بعد ساقی نے تو سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اور باورچی نے رشوت لے کر کھانے میں زہر ملا دیا کھانا بادشاہ کے سامنے آیا تو ساقی نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ کھانا زہر آمیز ہے۔ اس کو نہ کھائیے۔ باورچی نے (ضد میں آکر) کہا حضور پانی میں زہر ملا ہوا ہے اس کو نہ پیجئے۔ بادشاہ نے ساقی کو حکم دیا، یہ پانی تجھے پینا ہوگا ساقی نے پی لیا اس کو کوئی ضرر نہ پہنچا اور باورچی کو حکم دیا یہ کھانا تجھے کھانا پڑے گا۔ اس کو کھا تو اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کھانا کسی جانور کے سامنے ڈلوادیا۔ جانور نے کھایا تو وہ مر گیا۔ بادشاہ نے دونوں کو جیل خانہ بھیج دینے کا حکم دے دیا (باورچی کو زہر دینے کی کوشش کی وجہ سے اور ساقی کو راز دار ہونے کی وجہ سے) یوسف جیل خانے میں پہنچے تو ان کے علم کی شہرت ہو گئی۔ آپ نے خود بھی اعلان کر دیا کہ میں خواب کی تعبیر دینا جانتا ہوں۔

قیدیوں کے خواب

غرض ساتھ داخل ہونے والے دونوں قیدیوں نے مشورہ کیا ہم اس عبرانی غلام کے دعوے کی جانچ کرنا چاہتے ہیں۔ چلو تجربہ کریں خواب تو انہوں نے کوئی دیکھا نہ تھا۔ جھوٹ موٹ خواب بنا کر تجربہ کرنا چاہا۔ حضرت ابن مسعود نے یہی فرمایا ہے، بعض علماء نے کہا انہوں نے واقعی خواب دیکھے تھے، حضرت یوسف نے ان کو غمگین پا

ہے۔ اس میں سے جانور نوح نوح کرکھار ہے ہیں۔ اور درخواست کی کہ ہمیں ان دونوں خوابوں کی تعبیر بتلائیے۔

پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال

ابن کثیر نے فرمایا کہ اگرچہ ان دونوں کے خواب الگ الگ تھے اور ہر ایک کی تعبیر متعین تھی اور یہ بھی متعین تھا کہ شاہی ساقی بری ہو کر اپنی ملازمت پر پھر فائز ہوگا اور باورچی کو سولی دی جائے گی مگر پیغمبرانہ شفقت ورافت کی وجہ سے متعین کر کے نہیں بتلایا کہ تم میں سے فلاں کی سولی دی جائے گی تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، بلکہ اجمالی طور پر یوں فرمایا کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمْ طَعَامٌ تُرْزَقُونَ

بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے

إِلَّا نَبَأُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ

مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے

يَأْتِيكُمْ ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي

آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے

رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے

هُمْ كَفِرُونَ ﴿۲۷﴾

وہ لوگ منکر ہیں ☆

پہلے یوسف علیہ السلام کی تسلی اور دعوت توحید یوسف علیہ السلام نے اول ان کو تسلی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہو چاہتی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اس کے آنے سے پیشتر میں تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤ گا۔ لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سنانا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ قید خانہ میں داخل ہوئے تو لوگوں کو دیکھا کہ مصیبت میں مبتلا ہیں غمگین ہیں، ہر قسم کا سہارا ٹوٹ چکا ہے آپ ان کو تسلی دینے لگے، فرمایا لوگو پریشان نہ ہو صبر کرو اللہ اجر دے گا۔ قیدیوں نے کہا نوجوان اللہ تجھے برکت عطا فرمائے تیرا چہرہ کیسا حسین ہے۔ اخلاق کتنے اعلیٰ ہیں اور باتیں کتنی پیاری ہیں، تیرے ساتھ رہنے سے ہم کو برکت حاصل ہوگی۔ تیرا کیا نام ہے تو کون ہے۔ آپ نے کہا میں یوسف بن یعقوب صلی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (اس روایت میں اسحاق کا خطاب ذبیح اللہ قرار دیا گیا ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک ذبیح اللہ حضرت اسمعیل کا لقب تھا۔ احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور قرآنی آیات بھی شہادت دے رہی ہیں کہ حضرت اسمعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔ مترجم۔

جیلر نے کہا نوجوان اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تجھے آزاد کر دیتا (مگر میرا اختیار نہیں ہے) پھر بھی میں تیرا حق مصاحبت اچھی طرح ادا کروں گا تیرے ساتھ اچھا سلوک کروں گا جیل خانہ کی کوٹھڑیوں میں سے تو جہاں رہنا پسند کرے رہ سکتا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ دونوں (خواب دیکھنے والے) جوانوں نے یوسف کو دیکھ کر کہا، یوسف ہم کو تو اسی وقت سے تم سے محبت ہو گئی تھی جب ہم نے تم کو دیکھا تھا آپ نے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھ سے محبت نہ کرنا۔ خدا کی قسم جس نے مجھ سے محبت کی اس کی محبت سے مجھ پر مصیبت ہی آئی میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو مجھ پر مصیبت آئی، پھر میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو مجھے کنویں میں ڈالا گیا پھر عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو مجھے قید ہونا پڑا۔

غرض جب دونوں قیدیوں نے اپنا اپنا خواب یوسف سے بیان کیا تو حضرت کو تعبیر دینا مناسب معلوم نہیں ہوا کیونکہ ایک کی تعبیر تکلیف دہ تھی اس پر مصیبت آنے والی تھی اس لئے آپ نے تعبیر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور بعض دوسرے معجزے ظاہر کرنے اور توحید کی دعوت دینے لگے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ خواب کچھ نہ تھا، محض یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور سچائی کی آزمائش کے لئے خواب بنایا تھا۔

بہر حال ان میں سے ایک یعنی شاہی ساقی نے تو یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں انگور سے شراب نکال رہا ہوں اور دوسرے یعنی باورچی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں کا کوئی ٹوکرا

پیچھے تعبیر خواب کہیں۔ اس واسطے تسلی کر دی، تا نہ گھبرائیں۔ کہا کہ کھانے کے وقت تک وہ بھی بتا دوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

(اکثر علماء کے نزدیک آیت کا مطلب اس طرح) بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے گھروں سے جو کھانا کھانے کیلئے تمہارے پاس آتا ہے میں اسکے آنے سے پہلے اس کی مقدار، رنگ، قسم، وقت اور دوسری کیفیت بتا دیتا ہوں گویا آپ کا یہ معجزہ حضرت عیسیٰ کے معجزے کی طرح تھا، حضرت عیسیٰ نے بھی فرمایا تھا۔
وَأَنْبِئْكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْرُجُونَ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ
تو غیبی خبریں بتانے والوں اور کانونوں کا ہے تم کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا۔ حضرت نے فرمایا میں کاہن نہیں ہوں۔

بیضاوی نے لکھا ہے دونوں قیدیوں کے سوال کا جواب دینے سے پہلے حضرت یوسف نے ان کو توحید کی اور صراط مستقیم اختیار کرنے کی دعوت دینی چاہی۔ انبیاء اور انبیاء کے جانشینوں کی ہدایت و دعوت کا طریقہ ہی یہ ہے آپ نے پہلے کچھ غیبی اطلاع بطور معجزہ دی تاکہ دعوت توحید اور تعبیر خواب کی سچائی ان کے دلوں میں جم جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم

وَالسَّحْقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا

اور اسحق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں

أَنْ تُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ

کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو

ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا

یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر

وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ

لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۸﴾

احسان نہیں مانتے ☆

حاصل ہوا سو یاد رکھو کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن یا منجم نہیں۔ بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اس کی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں اور باطل پرستوں کی دین و ملت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباء و اجداد (حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب) جیسے انبیاء و مرسلین کے دین توحید پر چلا اور ان کا اسوہ حسنہ اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم حق نظریہ ہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اسی کے آگے جھکیں، اسی سے محبت کریں اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اور اپنا جینا مرنا سب اسی ایک پروردگار کے حوالہ کر دیں بہر حال یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب دیکھ کر نہایت موثر طرز میں ان قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی۔

پیغمبروں کا کام

پیغمبروں کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے دل میری طرف متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں۔ قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہونگے۔ لاؤ ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اٹھائیں۔ اول ان کو دین کی باتیں سکھلائیں۔ پھر تعبیر بھی بتلا دیں گے۔ یہ تسلی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائیگی تا وہ نصیحت سے اکتائیں نہیں۔

(تنبیہ): بہت سے مفسرین نے ”لَا يَأْتِيَنَّكُمْ طَعَامٌ تُرْزَقُونَ“ الخ کے معنی یہ لئے ہیں کہ کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے سے پہلے اس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں یعنی آج کیا کھانا آئیگا، کس قسم کا ہوگا، پھر تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے۔ گویا اول حضرت یوسف نے معجزہ کی طرف توجہ دلا کر انہیں اپنی نبوت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ موثر واقع فی النفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسف کا یہ معجزہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت مسیح نے فرمایا تھا ”وَأَنْبِئْكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْرُجُونَ فِي بُيُوتِكُمْ“ مگر مترجم محقق نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں ”حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ ان کا دل کافروں کی محبت سے (یعنی کافر جو ان کی محبت و مدارات کرتے تھے، اس سے) ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اول ان کو دین کی بات سنادیں

خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لوگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اسے کوئی بھاگ کر ہراسکتا ہے نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے۔ خود سوچو کہ سرعبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکا یا جائے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ

کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں

سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا

جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں

أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند ☆

یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی) :

إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ آمْرًا

حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے اس نے فرمادیا

تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

کہ نہ پوجو مگر اسی کو ☆

فقط اللہ کی عبادت کرو

یعنی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہ ہی حکم بھیجتا رہا کہ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ ”وَسَلِّمْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمٰنِ إِلٰهَةً يُعْبَدُونَ“ (زخرف، رکوع ۴۷) (تفسیر عثمانی)

یعنی عبادت کرنے کا حکم تو صرف اللہ کیلئے ہے وہ واجب الوجود بالذات ہے ہر چیز کا خالق اور موجد (عدم سے وجود میں لانے والا) ہے وہی منعم، مالک، ہر چیز پر غالب اور نفع و ضرر پہنچانے والا ہے اس کے سوا نہ کوئی مالک اور قاہر ہے نہ کسی کے ہاتھ میں حقیقتاً کسی کا نفع و ضرر ہے لہذا وہی بالذات مستحق عبادت ہے اگر کسی دوسرے کی پوجا جائز ہوتی تو

عقیدہ توحید کا تاریخی تسلسل

یعنی ہمارا خالص توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیمہ کی قدر نہیں کرتے چاہیے یہ تھا کہ اس کا احسان مان کر راہ توحید پر چلتے وہ الٹی ناشکری کر کے شرک و عصیان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَآتَبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ابْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انی ترکت سے الگ مستقل کلام ہو۔ جو دعوت کی تمہید اور خانوادہ نبوت سے اپنے کو ظاہر کرنے کیلئے آپ نے فرمایا ہوتا کہ وہ دونوں قیدی رغبت سے سیں اور آپ کے بیان کا اعتبار کریں۔ مسئلہ

اسی جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کسی جگہ کسی عالم کے مرتبے سے لوگ واقف نہ ہوں اور وہ اپنی دعوت پھیلا نا چاہے تو اگر وہ اپنے اوصاف کسی قدر بیان کر دے تاکہ اس کی بات کی وقعت پیدا ہو جائے تو ناجائز نہیں اس تدبیر سے لوگوں کو اس کے علم سے فائدہ اندوز ہونے کا موقع مل جائے گا۔ یہ بات خود ستائی کے ذیل میں نہیں آتی۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے انبیاء کو تو تحدیث نعمت کا حکم دیا گیا ہے فرمایا ہے وَأَصَابِنِعْمَةً رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

جن اولیاء نے اپنے مراتب قرب اور مدارج فوز کا کسی قدر ذکر کیا ہے مثلاً حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (یا حضرت شیخ عالم سید الاولیاء محی الدین عبدالقادر جیلانی) افسوس بعض لوگ نادانی یا حسد کی وجہ سے ان پر طعن کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ بات خود ستائی میں ہیں داخل نہیں (بلکہ تحدیث نعمت ہے) (تفسیر مظہری)

يٰصٰحِبِ السِّجْنِ اٰرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ

اے رفیقو قیدخانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا

خَيْرٌ اَمِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ط

بہتر یا اللہ اکیلا زبردست ☆

حکیمانہ انداز

یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے

اسی کے حکم سے اس کا جواز ہو سکتا تھا مگر اس نے پیغمبروں کی زبانی حکم دے دیا ہے کہ اس کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

ذَلِكَ الدِّينِ الْقَيِّمِ وَلَٰكِن

یہی ہے راستہ سیدھا پر لیکن

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

بہت لوگ نہیں جانتے ☆

سیدھا راستہ

یعنی تو حید خالص کے راستہ میں ایچ پیچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

يُصَاحِبِي السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا

اے رفیقو قید خانہ کے ایک جو ہے تم دونوں میں

فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ

سو پلائیگا اپنے مالک کو شراب اور دوسرا جو ہے

فَيُضَلُّ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ط

سولی دیا جائے گا پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے

قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ﴿۱۱﴾ ط

فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ☆

خوابوں کی تعبیر

فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی، کہ جس نے خواب میں شراب پلاتے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہی ہے کہ وہ بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائیگا۔ اور جس نے سر پر سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سولی دیا جائیگا۔ پھر جانور اس کے سر سے نوج نوج کر کھائیں گے۔ قضا و قدر کا فیصلہ یہ ہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں نے بتلا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساقی زہر خورانی کی تہمت سے بری ہو گیا، اور خباز (نانبائی) کو جرم

ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں اس تعبیر کا قرینہ شاید یہ ہو کہ باورچی نے کھانے میں واقعی زہر ملا دیا تھا اور ساقی بے قصور تھا (اس لئے بادشاہ کا صحیح فیصلہ یہی ہو سکتا تھا کہ باورچی کو صلیب دیدے اور ساقی کو رہا کر کے سابق عہدے پر فائز کر دے)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا حضرت یوسف کا بیان سن کر دونوں قیدی کہنے لگے ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، محض دل لگی کر رہے تھے اس پر حضرت یوسف نے فرمایا۔ جس کے بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مکرر ہو چکا یعنی جس بات کو تم دریافت کرنا چاہتے تھے اُس کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہو چکا تم نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو قضاے خداوندی ویسی ہی ہو چکی ہے جیسا میں نے بیان کر دیا تم دونوں کا انجام یہی ہونا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا

اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں

اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے پاس ☆

رہا ہونے والے قیدی کے ذریعہ پیغام

یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسے الَّذِينَ يَبُوءُونَ أَنَّهُمْ قَالُوا رَبُّنَا "میں۔ یعنی یوسف علیہ السلام کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین تھا کہ بری ہو جائیگا جب وہ قید خانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص بے قصور قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تو نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہہ دینا۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ

سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے مالک سے

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿۱۲﴾ ط

پھر رہا قید میں کئی برس ☆

شیطان نے قیدی کو بھلا دیا

یعنی شیطان نے چھوٹے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات دوساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن

مالک بن دینار نے کہا جب یوسف نے ساقی سے فرمایا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو (اللہ کی طرف سے) کہا گیا یوسف مجھے چھوڑ کر تو نے دوسرے کو اپنا وکیل (ذمہ دار) بنایا اب میں ضرور تیری قید طویل کر دوں گا، حضرت یوسف رونے لگے اور عرض کیا میرے رب! مصائب کی کثرت نے میرے دل پر فراموشی طاری کر دی اور میں نے (بے سمجھے) ایک بات کہہ دی آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

جبریل علیہ السلام کی گفتگو

حسن بصری نے کہا حضرت جبریل قید خانہ کے اندر حضرت یوسف کے پاس آئے آپ نے ان کو پہچان لیا اور فرمایا یا انا المنصورین (اللہ کے عذاب سے ہلاک ہو جانے سے ڈرانے والوں کے سردار) میں آپ کو (آج) ان گناہگاروں میں کیسے دیکھ رہا ہوں، حضرت جبریل نے فرمایا اے پاک باپ دادا کے پاک بیٹے اللہ رب العالمین نے تم کو سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کیا تم کو شرم نہیں آئی کہ (میرے ہوتے) تم نے آدمیوں سے سفارش کی خواستگاری کی تمہاری عزت کی میں تم کو مزید چند سال جیل خانہ میں رکھوں گا۔ حضرت یوسف نے فرمایا کیا اللہ اس حالت میں مجھ سے راضی بھی ہوگا حضرت جبریل نے جواب دیا ہاں، حضرت یوسف نے فرمایا تو پھر مجھے (قید میں رہنے کی) پروا نہیں۔

کعب کا بیان ہے کہ حضرت جبریل نے حضرت یوسف سے کہا اللہ فرماتا ہے کہ تجھے کس نے پیدا کیا حضرت نے جواب دیا اللہ نے۔ جبریل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے باپ کا چہیتا کس نے بنایا، یوسف نے جواب دیا اللہ نے۔ جبریل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے کنویں کی تکلیف سے کس نے نجات دی، یوسف نے کہا اللہ نے۔ جبریل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے خواب کی تعبیر کس نے سکھائی؟ یوسف نے کہا اللہ نے۔ جبریل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) چھوٹے بڑے گناہ کا رخ کس نے تیری طرف سے پھیر دیا، یوسف نے کہا اللہ نے۔ جبریل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) پھر تو نے اپنے جیسے آدمی سے کیسے سفارش کی درخواست کی۔

آئندہ وہ حدیث آئے گی جو طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک بات (یوسف سے) نہ ہو جاتی کہ اللہ کے سوا دوسرے سے انہوں نے ازالہ مصیبت کی درخواست کی تو قید خانہ میں (مزید) رہنا نہ پڑتا۔

مصر کے بادشاہ کا خواب

غرض جب سات سال گزرے اور حضرت یوسف کی کشائش

بزرگ (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ یاد ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مدت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اس شخص کو یوسف علیہ السلام یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے ' وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمْ مَّا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّتِهِ الْخِمْ " بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القائے وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے جو سبب بنتا ہے نسیان کا۔ حضرت موسیٰ کے رفیق سفر نے کہا تھا " وَنَا أَلْسِنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكَرَهُ " (کہف۔ رکوع ۹) لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔

پیغمبرانہ شان کی نزاکت

تاہم حضرت شاہ صاحب کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تشبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ فَأَنسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اذکرنی عند ربک" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا حالانکہ چاہئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بیشک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہے۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا "اذکرنی عند ربک" کہنا عزیمت کی خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تشبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اسی لئے "انساء" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ میرے بھائی یوسف پر رحم کرے اگر وہ (ایک انسان سے) اذکرنی عند ربک نہ کہتے تو جیل کے اندر اتنی طویل مدت نہ رہنا پڑتا۔ رواہ ابن الممنذ رواہ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ۔

کا وقت قریب آ گیا تو مصر کے شاہ اعظم یعنی ریان بن ولید نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ دہشت زدہ ہو گیا اس نے دیکھا کہ سات موٹی گائیں دریا سے برآمد ہوئیں اور ان کے پیچھے سات گائیں اور دریا سے نکلیں جو نہایت دہلی تھیں، پھر دہلی گائیں موٹی گایوں کو نگل گئیں اور موٹی گائیں دہلی گایوں کے پیٹ میں گھس گئیں ان کا کوئی نشان بھی نہیں رہا۔ پھر (غلہ کی) سات سبز بالیاں دیکھیں جن میں دانہ پڑ چکا تھا اور سات خشک بالیاں دیکھیں جو کاٹنے کے قابل ہو گئی تھیں خشک بالیاں سبز بالیوں سے لپٹیں اور ان پر غالب آ گئیں یہاں تک کہ ان کی سبزی بالکل جاتی رہی۔ بادشاہ نے جادو گروں کو، کاہنوں کو، اہل دانش و فہم کو اور خواب کی تعبیر دینے والوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ساتی نے بادشاہ کے سامنے دوزانو ہو کر کہا جیل خانہ میں ایک آدمی ہے جو خواب کی تعبیر دیا کرتا ہے مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت دیدتجئے، بادشاہ نے اس کو یوسف کے پاس بھیجا، حضرت ابن عباس نے فرمایا قید خانہ شہر کے اندر نہیں تھا۔

معجزہ کا اظہار ضروری ہے

ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلائل نبوت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا،

لَا يَأْتِيَكُمُ طَعَامٌ تَرْزُقْنَاهُ إِلَّا بِنَائِكُمْ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ اتِّبَاعُ كِي دَعْوَتِ دَعَى سَكِينٍ - (معارف کا دہلوی)

احکام و مسائل

آیات مذکورہ سے بہت سے احکام و مسائل اور فوائد و ہدایات حاصل ہوتے ہیں ان میں غور کیجئے۔

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جیل میں بھیجے گئے جو مجرموں اور بد معاشوں کی بستی ہوتی ہے، مگر یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق، حسن معاشرت کا وہ معاملہ کیا جس سے یہ سب گرویدہ ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ مصلحین کے لئے لازم ہے کہ مجرموں، خطا کاروں سے شفقت و ہمدردی کا معاملہ کر کے ان کو اپنے

سے مانوس و مربوط کریں، کسی قدم پر منافرت کا اظہار نہ ہونے دیں۔

دوسرا مسئلہ: آیت کے جملے إِنَّا نَزَّلْنَاكَ مِنَ الْمَحْسِنِينَ سے یہ معلوم ہوا کہ تعبیر خواب ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہیے جن کے نیک صالح اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

تیسرا مسئلہ: یہ معلوم ہوا کہ حق کی دعوت دینے والوں اور اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ پہلے اپنے حسن اخلاق اور علمی و عملی کمالات کے ذریعہ خلق اللہ پر اپنا اعتماد قائم کریں خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار بھی کرنا پڑے، جیسا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنا خاندان نبوت کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا۔ یہ اظہار کمال اگر اصلاح خلق کی نیت سے ہو اپنی ذاتی بڑائی ثابت کرنے کیلئے نہ ہو، تو یہ وہ تزکیہ نفس نہیں جس کی ممانعت قرآن کریم میں آئی ہے

فَلَا تَزُكُّوا نَفْسَكُمْ، یعنی اپنی پاک نفسی کا اظہار نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

چوتھا مسئلہ: تبلیغ و ارشاد کا ایک اہم اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اپنے وظیفہ دعوت و تبلیغ کو سب کاموں سے مقدم رکھے، کوئی اس کے پاس کسی کام کے لئے آئے وہ اپنے اصلی کام کو نہ بھولے۔

پانچواں مسئلہ: بھی اسی ارشاد و اصلاح سے متعلق ہے کہ حکمت کے ساتھ وہ بات کہی جائے جو مخاطب کے دلنشین ہو سکے۔

چھٹا مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو معاملہ مخاطب کے لئے تکلیف دہ اور ناگوار ہو اور اس کا اظہار ضروری ہو تو مخاطب کے سامنے جہاں تک ممکن ہو ایسے انداز سے ذکر کیا جائے کہ اس کو تکلیف کم سے کم پہنچے۔

ساتواں مسئلہ: یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا، کہ وہ بے قصور جیل میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کیلئے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔ آٹھواں مسئلہ: یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لئے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں، ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے۔ (معارف مفتی صاحب)

وَقَالَ الَّذِي نَجَمْنَاهُمَا وَادَّكَرَ

اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا

بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ

اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر

فَأَرْسِلُونَ ﴿۴۵﴾

سو تم مجھ کو بھیجو ☆

اب ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے

اب خواب کے سلسلے میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد حضرت یوسف یاد آئے اس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ذرا جانے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لاسکتا ہوں۔ تید خانہ میں ایک مقدس بزرگ فرشتہ صورت موجود ہے جو فن تعبیر کا ماہر ہے (ممکن ہے اس خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو) میں تعبیر لینے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ اجازت دی گئی۔ اس نے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جو آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

جا کر کہا اے یوسف اے سچے ☆

پیغمبروں کی صداقت

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ کہنے سے یہ غرض تھی کہ آپ مجسم سچ ہیں۔ جو بات کبھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی امید ہے جو تعبیر اس خواب کی دینگے ہو ہو پوری ہو کر رہیگی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح عام و خاص کے قلوب پر بیٹھ جاتا ہے۔ یُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ یعنی اس شخص نے جیل خانہ پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام سے واقعہ کا اظہار اس طرح شروع کیا کہ پہلے یوسف علیہ السلام کے صدیق یعنی قول و فعل میں سچا ہونے کا اقرار کیا، پھر درخواست کی کہ مجھے ایک خواب کی تعبیر بتلائیے، خواب یہ ہے کہ بادشاہ نے یہ دیکھا ہے کہ سات نیل فرہ تندرست ہیں جن کو دوسرے سات نیل کھا رہے ہیں اور یہ کھانے والے نیل لاغر و کمزور ہیں، نیز یہ دیکھا کہ سات خوشے گندم کے سر سبز ہرے بھرے ہیں اور سات خشک ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں

سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَ

سوئی ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دہلی اور

سَبْعَ سُبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَبْسُطُ

سات بالیں ہری اور دوسری سوگی ☆

وہ سوگی بالیں ہری بالوں پر لپٹی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں یہ خواب بادشاہ مصر "ریان بن الولید" نے دیکھا۔ جو آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جا بجا اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اس کے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔

يَأْتِيهَا الْمَلَأُ أَفْتُونٍ فِي رُءْيَايَ

اے دربار والو تعبیر کہو مجھ کو میرے خواب کی

إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿۴۶﴾

اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے ☆

یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ

بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے

بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَلَمِينَ ﴿۴۷﴾

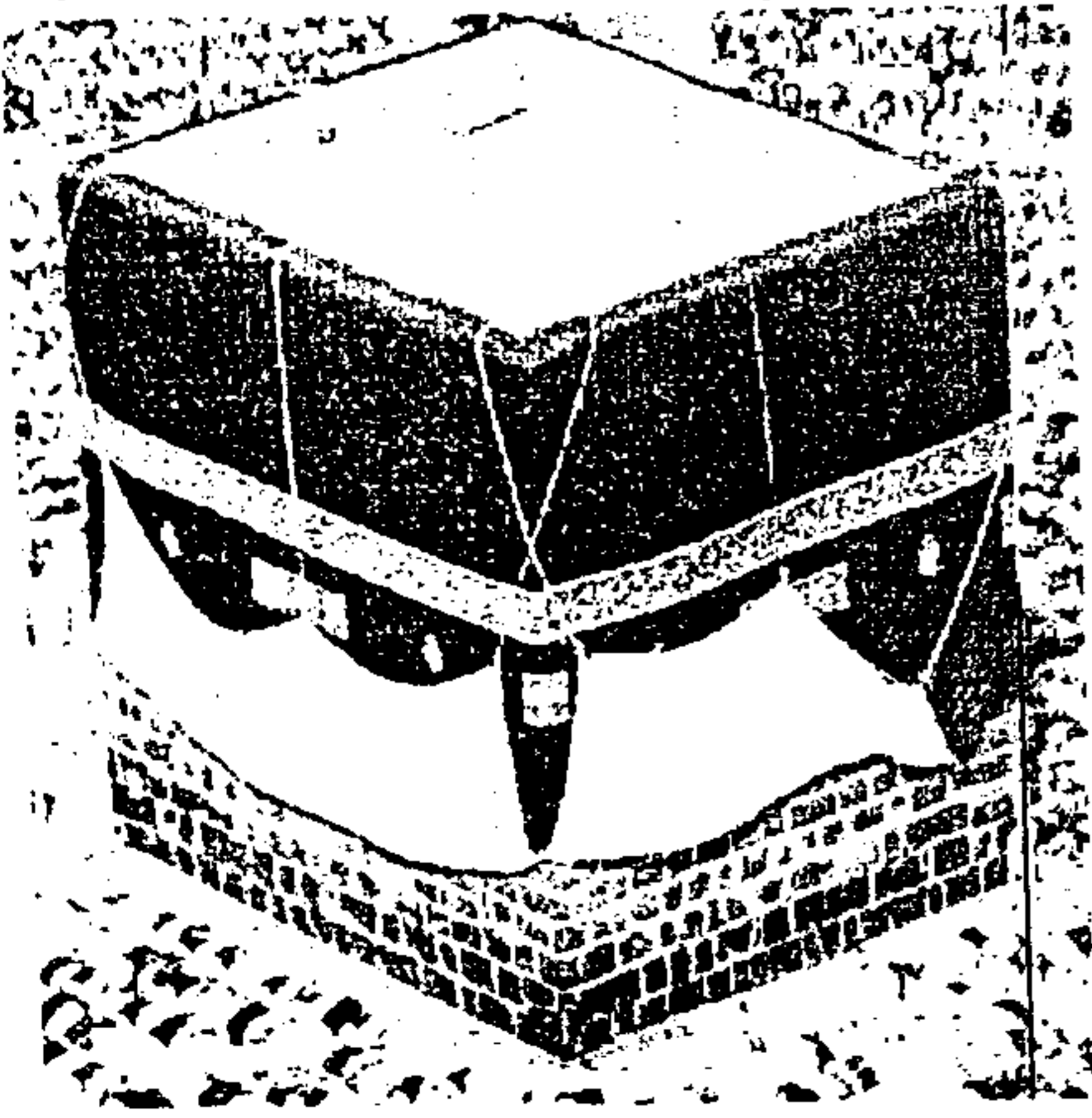
خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں ☆

درباری تعبیر نہ بتا سکے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا صاف لفظوں میں اقرار کرنے سے شرمائے تو یوں بات بنا دی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض پریشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں تخیل ہو جاتی ہیں جو لائق اعتناء نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم تعبیر رؤیا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

سات سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے، اور کمزور سات بیلیوں کے فریبہ بیلیوں کے کھالینے سے یہ مراد ہے کہ پچھلے سات سال میں جو ذخیرہ غلہ وغیرہ کا جمع ہوگا وہ سب ان قحط کے سالوں میں خرچ ہو جائے گا صرف بیج کے لئے کچھ غلہ بچے گا۔

بادشاہ کے خواب میں تو بظاہر اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہونگے پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر ایک اضافہ یہ بھی بیان فرمایا کہ قحط کے سال کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا، اس کا علم یوسف علیہ السلام کو یا تو اس سے ہوا کہ جب قحط کا سال کل سات ہی ہیں تو عادتہ اللہ کے مطابق آٹھواں سال بارش اور پیداوار کا ہوگا، اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کر دیا، تاکہ تعبیر خواب سے بھی کچھ زیادہ خبر ان کو پہنچے جس سے یوسف علیہ السلام کا فضل و کمال ظاہر ہو کر ان کی رہائی کا سبب بنے، اور اس پر مزید یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف تعبیر خواب ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ایک حکیمانہ اور ہمدردانہ مشورہ بھی دیا، وہ یہ کہ پہلے سات سال میں جو زیادہ پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں ہی میں محفوظ رکھنا، تاکہ گندم کو پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے غلہ کو کیڑا نہیں لگتا۔ (معارف مفتی صاحب)



اَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ

حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی

يَا أَكْلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَ سَبْعِ

ان کو کھائیں سات دہلی اور سات

سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخْرَىٰ سِتًّا لَا

بالیں ہری اور دوسری سوکھی

لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ

تاکہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

شاید ان کو معلوم ہو ☆

خواب کی تفصیل

یعنی خواب کی تعبیر اور اس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس شخص نے خواب بیان کرنے کے بعد کہا ،
لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ۔ یعنی آپ تعبیر بتلا دیں گے تو ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کی تعبیر بتلاؤں اور ممکن ہے کہ وہ اس طرح آپ کے فضل و کمال سے واقف ہو جائیں۔
تفسیر مظہری میں ہے کہ واقعات کی جو صورتیں عالم مثال میں ہوتی ہیں وہی انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں، اس عالم میں ان صورتوں کے خاص معنی ہوتے ہیں، فن تعبیر خواب کا سارا مدار اس کے جاننے پر ہے کہ فلاں صورت مثالی سے اس عالم میں کیا مراد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ فن مکمل عطا فرمایا تھا، آپ نے خواب سن کر سمجھ لیا کہ سات بیل فریبہ اور سات خوشے ہرے بھرے سے مراد سات سال ہیں جن میں پیداوار حسب دستور خوب ہوگی، کیونکہ بیل کوزمین کے ہموار کرنے اور غلہ اگانے میں خاص دخل ہے اسی طرح سات بیل لاغر کمزور اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّاجٌ

کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي

سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی

سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۱۷﴾

بال میں بگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ

پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس

شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ

تختی کے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے

لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ ﴿۱۸﴾

ان کے واسطے بگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بچ کے واسطے

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ

پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس

فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ

اس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں

يَعْصِرُونَ ﴿۱۹﴾

رس نچوڑیں گے ☆

پیداوار ہوگی، حیوانات و نباتات خوب بڑھیں گے۔ اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا پھچلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔ صرف آئندہ ختم ریزی کے لئے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائیگا۔ یہ سات سال دہلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گائیوں اور ہری بالوں کو ختم کر دینگی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسفؑ نے ازراہ شفقت و ہمدردی خلائق ایک تدبیر بھی تلقین فرمادی کہ اول سات سال میں جو پیداوار ہو اسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اٹھاؤ۔ کھانے کے لئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اسے الگ کر لو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو تا اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد انہیں بشارت سنائی جو غالباً آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئیگا اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریادری ہوگی اور خوب مینہ برسے گا۔ کھیتی باڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہونگے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کریں گے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہ ہی کام کرتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسفؑ نے اول سات موٹی اور دہلی گائیوں اور سات سبز اور سات خشک بالیوں کی مراد بیان کی اور دہلی گائیوں کے موٹی گائیوں کو کھا جانے اور خشک بالوں کے سبز بالوں سے لپٹ کر ان کو بھی خشک کر دینے کا تعبیری مطلب بیان کیا پھر کال کے ختم ہونے اور ارزانی کا سال آنے کی بشارت دی۔ (بشارت کا تعلق اگرچہ خواب کی تعبیر سے نہ تھا مگر آپ نے بشارت اس لئے دی) کہ قحط کے سالوں کی تعداد پیداوار کے سالوں سے نہ بڑھ جائے (اور اس طرح تعبیر میں غلطی ہو جائے کیونکہ دہلی گائیوں اور خشک بالوں کی تعداد بھی سات ہی تھی اگر پندرہواں سال بھی قحط کا ہوتا تو سات سے ایک عدد بڑھ جاتا) بیضاوی نے لکھا ہے شاید آپ کو پیداوار اور ارزانی کا سال آنے کی اطلاع وحی سے ہو گئی ہو یا اپنی فراست ایمانی سے سمجھ لیا ہو کہ اللہ کا دستور اور ضابطہ یہی ہے کہ تنگی کے بعد فراخی عطا فرماتا ہے اس لئے کال کے بعد پیداوار کا سال ضرور آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔ آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔ تعبیر، تدبیر، تبشیر، آپ کے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں۔ جن میں متواتر خوشحالی رہے گی، کھیتوں میں خوب

واپس جا کر دریافت کر کہ تجھ کو ان عورتوں کے قصہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت یوسف کو ان عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہوگی۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے واقعہ کے ایک ممتاز جزء (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کر کے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصہ کی تفتیش و تحقیق کرے۔ غالباً اب وہ عورتیں بتلا دیں گی کہ تفسیر کس کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسف کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے۔

”لو لبثت فی السجن مالبت یوسف لاجبت الداعی“

(اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا یوسف رہے تو بلانے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہو لیتا) محققین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسف کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کاملہ کا اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا کیا حال ہے۔ (کچھ تم کو بھی پتہ ہے کیا واقعہ ہوا تھا)۔

مسئلہ

اس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آدمی کو اپنے اوپر سے تہمت کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خصوصاً اگر پیشوا اور مقتدا ہو (تو اس کیلئے تو بہت ہی ضروری ہے کہ لگائی گئی تہمت سے اپنی برأت ثابت کرے۔ آپ نے عزیز کی بیوی کا نام لے کر ذکر نہیں کیا ایسا محض ادب اور احترام کے پیش نظر کیا (ورنہ اصل مجرم تو وہی تھی)۔

یوسف علیہ السلام کا صبر اور کرم

اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں نیز ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بھائی یوسف کے صبر اور کرم پر تعجب ہے اللہ ان کی مغفرت کرنے کے پاس خواب کی تعبیر لینے آدمی پہنچا (اور انہوں نے تعبیر دے دی) اگر میں (ان کی جگہ) ہوتا تو جب تک جیل خانے سے باہر نہ آجاتا ایسا نہ کرتا۔ اور ان کے صبر اور کرم پر مجھے (اس لئے بھی) تعجب ہے اللہ ان کی مغفرت کرے کہ ان کے پاس

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهِ فَلَمَّا

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس پھر

جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَى

جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے

سَرِيكَ فَسَأَلَهُ مَا بِالِالنِّسْوَةِ

مالک کے پاس اور پوچھا اس سے کیا حقیقت ہے ان

الَّتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ط

عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے ☆

در بار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طلبی

بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساقی کے تذکرے سے حضرت یوسف کا معتقد ہو گیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دلنشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو ان کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسن اخلاق کا سکھ اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تا اس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عزت کریں۔

یوسف علیہ السلام نے پہلے اپنے معاملہ کی صفائی طلب کی

قاصد پیام شاہی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی عزت و وجاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چپ چاپ تے قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تہمت کے سلسلہ میں سالہا سال قید و بند کی مصائب اٹھائیں اس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہوا تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردد اور شبہ میں پڑے رہ جائیں اور حاسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھڑا کر دیں۔ ان مصالحوں پر نظر کرتے ہوئے آپ نے حکم شاہی کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے

کہ پہلے جیل سے نکالو پھر تعبیر بتلاؤں گا پھر جب قاصد رہائی کا پیغام لایا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو فوراً جیل کے دروازے کی طرف چل دیتا۔ (قرطبی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ تمام انبیاء میں افضل ہیں مگر کسی جزوی عمل میں کسی دوسرے پیغمبر کی افضلیت اس کے منافی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت

اس کے علاوہ جیسا تفسیر قرطبی میں فرمایا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے طریق کار میں ان کے صبر و تحمل اور مکارم اخلاق کا عظیم الشان ثبوت ہے اور وہ اپنی جگہ قابل تعریف ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریق کار کو اپنی طرف منسوب فرمایا تعلیم امت اور خیر خواہی عوام کیلئے وہی مناسب اور افضل ہے کیونکہ بادشاہوں کے مزاج کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ایسے موقع پر شرطیں لگانا یا دیر کرنا عام لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ احتمال ہے کہ بادشاہ کی رائے بدل جائے اور پھر یہ جیل کی مصیبت بدستور قائم رہے یوسف علیہ السلام کو تو بوجہ رسول خدا ہونے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم بھی ہو سکتا ہے کہ اس تاخیر سے کچھ نقصان نہیں ہوگا، لیکن دوسروں کو تو یہ درجہ حاصل نہیں، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج و مذاق میں عامہ خلایق کی بہبود کی اہمیت زیادہ تھی، اس لئے فرمایا کہ مجھے یہ موقع ملتا تو دیر نہ کرتا۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی صاحب)

قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ رَأَوْتُنَّ

کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا

يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ط

یوسف کو اس کے نفس کی حفاظت سے ☆

بادشاہ کی عورتوں سے تفتیش

بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تاہم دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسف علیہ السلام کی استقامت و صبر کا اثر پڑا ہوگا کہ بدون اظہار برأت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے اور ”إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِمْ عَلِيمٌ“ کہہ کر ان کے کید کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ادھر ساقی وغیرہ نے واقعات سنائے ہوئے ان سے بھی یوسف کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

رہائی کا حکم لے کر آدمی پہنچا اور انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا اور اپنا عذر بیان کر دیا اگر میں (ان کی جگہ) ہوتا تو فوراً دروازے کی طرف دوڑ پڑتا۔ اگر ایک بات یوسف کے منہ سے نہ نکل جاتی تو وہ قید خانہ میں (مزید) سالوں کے لئے نہ رہتے انہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں سے مصیبت دور کرنے کی خواہش کی۔

عبدالرزاق اور ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں عکرمہ کی روایت سے مرسل نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یوسف اور ان کے کرم و صبر پر تعجب ہے اللہ ان کو بخشے، جب ان سے موٹی اور دبلی گایوں کی تعبیر پوچھی گئی (تو انہوں نے بغیر شرط پیش کئے تعبیر دیدی) اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو جب تک قید سے باہر نکلنے کی شرط نہ کر لیتا تعبیر نہ بتاتا اور مجھے تعجب ہے کہ جب قاصد (بادشاہ کا پیام طلب لے کر) ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور اتنی مدت مجھے جیل خانہ کے اندر رہنا پڑتی جتنی مدت وہ رہے تو میں فوراً طلب کو قبول کر لیتا اور آگے آگے دروازے پر پہنچ جاتا اور عذر معذرت کا طلب گار نہ ہوتا۔ بلاشبہ وہ صاحب حلم اور بڑے بردبار تھے۔ اصل حدیث صحیحین میں مختصر آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِمْ عَلِيمٌ ۵۰

میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے ☆

حضرت یوسفؑ نے ”سب کا فریب“ فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیاء کی وجہ سے گول مول فرمایا کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آخر کھل کر رہے گی۔ کذا فی الموضح۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت

اس موقع پر صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہے ہیں اور پھر مجھے رہائی کیلئے بلایا جاتا تو فوراً قبول کر لیتا۔

اور امام طبریؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یوسفؑ کا صبر و تحمل اور مکارم اخلاق قابل تعجب ہیں جب ان سے جیل میں بادشاہ کے خواب کی تعبیر دریافت کی گئی اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تعبیر بتلانے میں یہ شرط لگاتا

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

بولیں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اس پر

مِنْ سُوٓءٍ قَالَتْ اُمَّرَاتُ الْعَزِيْزِ

کچھ برائی بولی عورت عزیز کی

الَّتِي حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوِدَةٌ

اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلا یا تھا اس کو

عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰﴾

اس کے جی سے اور وہ سچا ہے ☆

سب عورتوں نے یوسفؑ کی پاکدامنی کا اقرار کر لیا۔ سب عورتوں کی متفقہ شہادت کے بعد خود زلیخا نے بھی صاف اقرار کر لیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسفؑ بالکل سچے ہیں بیشک میں نے ان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ ایسے کاہے کو تھے کہ میرے داؤد میں آجاتے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یوسف علیہ السلام نے تحقیقات میں عزیز مصر کی بیوی کا نام نہ لیا تھا مگر اللہ جل شانہ جب کسی کو عزت عطا فرماتے ہیں تو خود بخود لوگوں کی زبانیں ان کے صدق و صفائی کے لئے کھل جاتی ہیں اس موقع پر عزیز کی بیوی نے ہمت کر کے اظہار حق کا اعلان خود کر دیا، یہاں تک جو حالات و واقعات یوسف علیہ السلام کے آپ نے سنے ہیں ان میں بہت سے فوائد اور مسائل اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایتیں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے آٹھ مسائل پہلے بیان ہو چکے ہیں مذکورہ صدر آیات سے متعلق مزید مسائل اور ہدایات یہ ہیں:

نواں مسئلہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص اور مقبول بندوں کے مقاصد پورا کرنے کیلئے خود ہی غیبی تدابیر سے انتظام فرماتے ہیں، ان کو کسی مخلوق کا ممنون احسان کرنا پسند نہیں فرماتے یہی وجہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے جور ہا ہونے والے قیدی سے کہا تھا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اس کو تو بھلا دیا گیا، اور پھر پردہ غیب سے ایک تدبیر ایسی کی گئی جس میں یوسف علیہ السلام کسی کے ممنون بھی نہ ہوں، اور پوری عزت و شان کے ساتھ جیل کی رہائی کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔

دسواں مسئلہ: وہ اپنا مطلب تعبیر خواب کالے کر حاضر ہوا تو عام انسانی عادت کا تقاضا تھا کہ اس کو ملامت کرتے اس پر خفا ہوتے کہ تجھ سے اتنا کام نہ ہو سکا مگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پیغمبرانہ اخلاق کا اظہار فرمایا، کہ اس کو ملامت تو کیا اس قصہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔ (ابن کثیر قرطبی)

گیارہواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام اور علماء امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی آخرت درست کرنے کی فکر کریں ان کو ایسے کاموں سے بچائیں جو آخرت میں عذاب بنیں گے، اسی طرح ان کو مسلمانوں کے معاشی حالات پر بھی نظر رکھنا چاہیے کہ وہ پریشان نہ ہوں۔

بارہواں مسئلہ: یہ ہے کہ عالم مقتداء کو اس کی بھی فکر رہنی چاہیے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو، اس سے بھی بچنے کی تدبیر کرنا چاہیے۔ کیونکہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہر حال ان کی دعوت و ارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا، (قرطبی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بھی بچو، یعنی ایسے حالات اور مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ جن میں کسی کو آپ پر تہمت لگانے کا موقع ہا تھا آئے یہ حکم تو عام مسلمانوں کے لئے ہے خواص اور علماء کو اس میں دوہری احتیاط لازم ہے، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام عیوب اور گناہوں سے معصوم ہیں، آپ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گذر رہی تھیں کوئی صحابی سامنے آگئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے بتلا دیا کہ میرے ساتھ فلاں بی بی ہیں، یہ اس لئے کیا کہہیں دیکھنے والے کو کسی اجنبی عورت کا شبہ نہ ہو جائے، اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی اور شاہی دعوت کا پیغام ملنے کے باوجود رہائی سے پہلے اس کی کوشش فرمائی کہ لوگوں کے شبہات دور ہو جائیں۔

تیرہواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ ہوں اور اس حیثیت سے وہ واجب الاحترام ہو، اگر ناگزیر حالات میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنی بھی پڑے۔ تو اس میں بھی مقدور

صورت ہوگی کہ عزیز مصر کے دل میں میری طرف سے شبہات رہیں، اور پھر شاہی اعزاز کی وجہ سے وہ کچھ نہ کہہ سکیں، تو ان کو میرا اعزاز بھی سخت ناگوار ہوگا، اور اس پر سکوت ان کیلئے اور زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔

کہ اگر اسی اشتباہ کی حالت میں یوسف علیہ السلام کو شاہی اعزاز مل جاتا تو دیکھنے والوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ایسی خیانت کرنے والوں کو بڑے بڑے رتبے مل سکتے ہیں اس سے ان کے اعتقاد میں فرق آتا اور خیانت کی برائی دلوں سے نکل جاتی۔ (معارف مفتی اعظم)

عورتوں کے بیانات

بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتوں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی دربار میں بلوایا۔ پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی، سب بیان کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ حاشا للہ یوسفؑ پر کوئی الزام نہیں، اس پر بے سرو پا تہمت ہے، واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسفؑ میں کوئی بدی نہیں، اس وقت عزیز کی بیوی خود بھی بول اٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا واقعہ کھل گیا، حقیقت نھر آئی، مجھے خود اس امر کا اقرار ہے کہ واقعی میں نے ہی اسے پھنسانا چاہا تھا، اس نے جو بروقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے، میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تاکہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی کوئی خیانت دراصل نہیں کی، یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی وجہ سے کوئی شر اور برائی مجھ سے ظہور میں نہیں آئی، بدکاری سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچائے رکھا ہے۔ میرے اس اقرار سے اور واقعہ کے کھل جانے سے صاف ظاہر ہے اور میرے خاوند جان سکتے ہیں کہ میں برائی میں مبتلا نہیں ہوئی، یہ بالکل سچ ہے کہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں کو اللہ تعالیٰ فروغ نہیں دیتا ان کی دغا بازی کوئی پھل نہیں لاتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَتَحِيَّاتِهِ

بھر حقوق و احترام کی رعایت کرنا شرافت کا مقتضی ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت کے لئے معاملہ کی تحقیقات کے واسطے عزیز یا اس کی بیوی کا نام لینے کے بجائے ان عورتوں کا ذکر کیا، جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے، (قرطبی) کیونکہ مقصد اس سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ چودھواں مسئلہ: مکارم اخلاق کی تعلیم ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں سات سال یا بارہ سال جیل خانہ کی تکلیف برداشت کرنی پڑی تھی، رہائی کے وقت ان سے کوئی انتقام لینا تو کیا اس کو بھی برداشت نہ کیا کہ ان کو کوئی ادنیٰ تکلیف ان سے پہنچے۔ (معارف مفتی صاحب)

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُفُ

یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز معلوم کر لے کہ

بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

میں نے اس کی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا

كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿۵۲﴾

فریب دغا بازوں کا ☆

اس تحقیق و تفتیش کا مقصد

یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اس لئے کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ خائسوں اور دغا بازوں کا فریب اللہ چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق حق ہو کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ باتیں یعنی قاصد کو جواب دیدینا اس کے ساتھ نہ جانا) میں نے اس لئے کیں کہ اس کو (یعنی عزیز کو) یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی غیر موجودگی میں (اس کی آبرو میں) کوئی خیانت نہیں کی اور یہ بھی (معلوم ہو جائے) کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ (تفسیر مظہری)

اول یہ کہ ذَلِكْ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُفُ بِالْغَيْبِ یعنی یہ تاخیر میں نے اس لیے کی کہ عزیز مصر کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔

عزیز مصر کی یقین دہانی کی زیادہ فکر اس لئے ہوئی کہ یہ بہت بری

سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے لیکن ”لیعلم“ اور ”لم اخنه“ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسف کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لئے کرتی ہوں کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا اَبْرَىٰ نَفْسِيْ اور میں (بذات خود) اپنے نفس کو پاک نہیں قرار دیتا۔ اس کلام میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اس سے میری مراد اپنی پاکیزگی کا اظہار اور بر خود غرور نہیں بلکہ اللہ کے انعام کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس نے مجھے محفوظ رکھا اور عصمت کی توفیق دی اور بادشاہ کو میرا پیرو بنایا۔ عصمت و ادب کیلئے۔

عناصر اربعہ کی خاصیتیں

اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ کیونکہ نفس تو (از خود) بری ہی بات بتاتا ہے نفس سے مراد ہے نفس حیوانی جو عناصر اربعہ (مادیہ) سے پیدا ہوتا ہے عالم امر کے لطائف میں سے قلب اور روح ہے قلب اور روح کا حامل یہی نفس ہے چونکہ اس نفس کا تولیدی مرکز عناصر اربعہ مادیہ ہیں اس لئے اس کا بالطبع میلان (حیوانی) خواہشات اور اخلاق رذیلہ کی جانب ہے غضب اور غرور عنصر نار کا مقتضی ہے کینگی اور دنائت کا اقتضاء زمین کا ہے نیرنگی اور صبر کا فقدان پانی کی خصوصیت ہے دل لگی اور لہو و لعب ہوا کا خاص کرشمہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

زلیخا کی ندامت

پھر زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) نے کہا کہ میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتی اور نہ اسے ہر قسم کے جرم سے بری کرتی ہوں نفس میں تو طرح طرح کے بد خیالات اور ناجائز تمنائیں آتی ہی ہیں اور وہ برائی کرنے پر اکساتا ہی رہتا ہے لہذا نفس کے دھوکے اور پھسلانے میں آ کر میں نے یوسف کو اپنے پھندے میں لانا چاہا (مگر وہ نہ آئے) کیونکہ نفس برائی پر ابھارتا تو ہے مگر جس کو اللہ رحم فرما کر بچالے (اس کو نہیں ابھارتا) بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ قول عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا ہی ہے یہی بات زیادہ مشہور اور قابل قبول ہے اور واقعہ کے سیاق و سباق سے بھی یہی بات زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور معنوی لحاظ سے بھی یہی

وَمَا اَبْرَىٰ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو

لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ

سکھلاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے

اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان ☆

یوسف علیہ السلام نے فخر نہیں کیا

چونکہ حضرت یوسف نے اپنی برأت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر و ناز اور غرور و اعجاب کا شبہ کرنے لگتا اس لئے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل و ضامن ہے ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً برائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا۔ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سے اشارہ کر دیا، کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے ”لوامہ“ بن جائے تو خدا اس کی پچھلی تقصیرات معاف فرما دیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی مہربانی سے ”نفس مطمئنہ“ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

(تنبیہ)۔ حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے ”ذَلِكَ لِيَعْلَمَ اَنْ لَّمْ اَخْنَهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخٰٓئِنِيْنَ“ تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخا نے ”اَنَا اَوْدَعْتُ عَنْ نَفْسِيْ“ کا اقرار کر کے کہا کہ اس اقرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی بیشک یوسف کو پھسلانا چاہا تھا مگر میری مراد تو ان پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خائونوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسف جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ

جاتا ہے، یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرنیوالا جیسے عام صلحاء امت کے نفوس ہیں، اور جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت پر پہنچا دے کہ برے کاموں کا تقاضا ہی اس میں نہ رہے، تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ صلحاء امت کو یہ حال مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے اور پھر بھی اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کو خود بخود عطاء خداوندی سے ایسا ہی نفس مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت پر رہتا ہے، اس طرح نفس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین طرح کے افعال اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعاء

امام بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ جب بادشاہ کا قاصد جیل میں یوسف علیہ السلام کے پاس دوبارہ پہنچا، اور بادشاہ کی دعوت پہنچائی تو یوسف علیہ السلام نے سب جیل والوں کے لئے دُعاء کی، اور غسل کر کے نئے کپڑے پہنے، جب دربار شاہی پر پہنچے، تو یہ دعا کی حسبی ربی من دنیای وحسبی ربی من خلقه عز جاره وجل ثناہ ولا الہ غیرہ۔ یعنی میری دنیا کے لئے میرا رب مجھے کافی ہے اور ساری مخلوق کے بدلے میرا رب میرے لئے کافی ہے جو اس کی پناہ میں آ گیا وہ بالکل محفوظ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

جب دربار میں پہنچے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اسی طرح دعا کی اور عربی زبان میں سلام کیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور بادشاہ کیلئے دعا عبرانی زبان میں کی۔

بادشاہ اگرچہ بہت سی زبانیں جانتا تھا مگر عربی اور عبرانی زبانوں سے واقف نہ تھا، یوسف علیہ السلام نے بتلایا کہ سلام تو عربی زبان میں کیا گیا ہے اور دعا عبرانی زبان میں، بادشاہ سے گفتگو

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے مختلف زبانوں میں باتیں کی، یوسف علیہ السلام نے اس کو اسی زبان میں جواب دیا، اور عربی اور عبرانی کی دو زبانیں مزید سنائیں، جن سے بادشاہ واقف نہ تھا، اس واقعہ نے بادشاہ کے دل میں یوسف علیہ السلام کی غیر معمولی وقعت قائم کر دی۔ پھر شاہ مصر نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں آپ سے اپنے خواب کی تعبیر بلا واسطہ سن لوں یوسف علیہ

زیادہ مطابق معلوم ہوتی ہے اور اسی کو امام ماوردیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے تو اس کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور اس میں اس قول کی پوری حمایت و تائید کی ہے لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت یوسف کا ہے (یعنی ذلک لیعلم سے لیکر غفور رحیم تک) جس کا مطلب یہ ہوا کہ یوسف نے کہا کہ ”تا کہ عزیز مصر جان لے کہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کی بیوی کے بارے میں میں نے اس کی کوئی خیانت نہیں کی۔“ (تفسیر ابن کثیر) عجیب سا تھی

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ایک سوال فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلاء اور مصیبت میں ڈال دے، اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی سا تھی ہو ہی نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی سا تھی ہے (قرطبی) اور ایک حدیث میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں مبتلا کر کے ذلیل و خوار بھی کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں بھی گرفتار کر دیتا ہے۔

نفس کا تقاضا

بہر حال آیت مذکورہ اور ان روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی برے ہی کاموں کا تقاضا کرتا ہے لیکن سورہ قیامہ میں اسی نفس انسانی کا لوامہ کا لقب دے کر اس کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ رب العزت نے اس کی قسم کھائی ہے لَا أُقْسِمُ بِبُورِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ، اور سورہ والفجر میں اسی نفس انسانی کو نفس مطمئنہ کا لقب دے کر جنت کی بشارت دی ہے، يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنِّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ، اس طرح نفس انسانی کو ایک جگہ لَا مَآرَةَ بِالشُّؤْمِ کہا گیا، دوسری جگہ لِوَامَةٍ تَسِيرِي جگہ مطمئنہ۔

نفس کی قسمیں

توضیح اس کی یہ ہے کہ ہر نفس انسانی اپنی ذات میں تو لَا مَآرَةَ بِالشُّؤْمِ یعنی برے کاموں کا تقاضا کرنے والا ہے لیکن جب انسان خدا و آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے کو پورا نہ کرے تو اس کا نفس لِوَامَةٍ بن

اور اگر بغیر درخواست اور طلب کے تمہیں کوئی عہدہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و اعانت ہوگی، جس کی وجہ سے تم اس عہدے کے پورے حقوق ادا کر سکو گے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انالمن نستعمل علیٰ عملنا من ارادہ، یعنی ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اس کا طالب ہو۔

اگر آج بھی کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی عہدہ حکومت کا ایسا ہے جس کے فرائض کو کوئی دوسرا آدمی صحیح طور پر انجام دینے والا موجود نہیں، اور خود اس کو یہ اندازہ ہے کہ میں صحیح انجام دے سکتا ہوں، تو اس کے لئے جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس عہدہ کی خود درخواست کرے، مگر اپنے جاہ و مال کے لئے نہیں، بلکہ خدمت خلق کے لئے، جس کا تعلق قلبی نیت اور ارادہ سے ہے، جو اللہ تعالیٰ پر خوب روشن ہے۔ (قرطبی)

حضرات خلفائے راشدین کا خلافت کی ذمہ داری اٹھالینا اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ کوئی دوسرا اس وقت اس ذمہ داری کو صحیح انجام نہ دے سکے گا صحابہ کرام حضرت علیؓ اور معاویہؓ و حضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے جو اختلافات پیش آئے وہ سب اسی پر مبنی تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ اس وقت فرائض خلافت کو میں اپنے مقابل سے زیادہ حکمت و قوت کے ساتھ پورا کر سکوں گا جاہ مال کی طلب کسی کا مقصد اصلی نہ تھا۔

کیا کسی کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کی ملازمت قبول فرمائی حالانکہ وہ کافر تھا جس سے معلوم ہوا کہ کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے۔

امام تفسیر مجاہد نے تو اس کی خاص وجہ یہ قرار دی ہے کہ بادشاہ مصر اس وقت مسلمان ہو چکا تھا، مگر چونکہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں، اس لئے عام مفسرین نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر کے معاملہ سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ وہ ان کے کام میں دخل نہ دے گا، اور کسی خلاف شرع قانون جاری کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے گا، بلکہ ان کو مکمل اختیارات دے گا، جس کے ذریعہ وہ اپنی صوابدید اور قانون حق پر عمل کر سکیں گے، ایسے مکمل اختیار کے ساتھ کہ کسی

السلام نے پہلے اس کے خواب کی ایسی تفصیلات بتلائیں جو اب تک بادشاہ نے بھی کسی سے ذکر نہیں کی تھیں، پھر تعبیر بتلائی۔

شاہ مصر نے کہا کہ مجھے تعبیر سے زیادہ اس پر حیرت ہے کہ یہ تفصیلات آپ کو کیسے معلوم ہوئیں۔

یوسف علیہ السلام کا مشورہ

اس کے بعد شاہ مصر نے مشورہ طلب کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے تو یوسف علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ پہلے سات سال جن میں خوب بارشیں ہونے والی ہیں ان میں آپ زیادہ سے زیادہ کاشت کرا کر غلہ اگانے کا انتظام کریں اور سب لوگوں کو ہدایت کریں کہ اپنی اپنی زمینوں میں زیادہ سے زیادہ کاشت کریں اور جتنا غلہ حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ اپنے پاس ذخیرہ کرتے رہیں۔

اس طرح اہل مصر کے پاس قحط کے سات سال کے لئے بھی ذخیرہ جمع ہو جائے گا اور آپ ان کی طرف سے بے فکر ہوں گے، حکومت کو جس قدر غلہ سرکاری محاصل سے یا سرکاری زمینوں سے حاصل ہو اس کو باہر کے لوگوں کے لئے جمع رکھیں کیونکہ یہ قحط دور دراز تک پھیلے گا باہر کے لوگ اس وقت آپ کے محتاج ہوں گے اس وقت آپ غلہ دے کر خلق خدا کی امداد کریں اور معمولی قیمت بھی رکھیں گے تو سرکاری خزانہ میں اتنا مال جمع ہو جائے گا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، شاہ مصر اس مشورہ سے بے حد مسرور و مطمئن ہوا مگر کہنے لگا کہ اس عظیم منصوبہ کا انتظام کیسے ہو اور کون کرے، اس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

مسئلہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے قول وَمَا ابْرَأِي نَفْسِي فِي نِيكٍ اَوْ مَتَقِيٍّ اَوْ مَبْزُورٍ اَوْ مَبْنُورٍ کے لئے یہ ہدایت ہے کہ جب ان کو کسی گناہ سے بچنے کی توفیق ہو جائے تو اس پر ناز نہ کریں، اور اس کے بالمقابل گناہگاروں کو حقیر نہ سمجھیں۔

مسئلہ: اجعل لّٰي عَلٰى خِزَانِ الْاَرْضِ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو طلب کرنا خاص صورتوں میں جائز ہے۔

عہدہ کی طلب

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ سے فرمایا کہ کبھی کوئی امارت طلب نہ کرو، کیونکہ تم نے خود سوال کر کے عہدہ امارت حاصل بھی کر لیا، تو اللہ تعالیٰ کی تائید نہیں ہوگی، جس کے ذریعہ تم لغزشوں اور خطاؤں سے بچ سکو،

دربار میں آنے کی تیاری

حسب الحکم قاصد آپ کے پاس پہنچا اور کہا چلئے بادشاہ نے طلب کیا ہے عبدالحکم نے فتوح مصر میں بطریق کلبی بوساطت ابوصالح حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قاصد نے یوسف کے پاس پہنچ کر گزارش کی اب قید خانہ کے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیجئے اور بادشاہ کے پاس چلئے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے فریدغی کی روایت سے بیان کیا کہ یوسف نے جب عزیز مصر کو دیکھا تو دعا کی الہی میں تجھ سے اس کی خیر کے بجائے تیری خیر کا طلب گار ہوں۔ اور اس کے شر سے تیرے غلبہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ بغوی کا بیان ہے آپ کھڑے ہو گئے اور قیدیوں کے لئے دعا کی اے اللہ نیکوں کے دلوں کو ان پر مہربان کر دے اور (شہر و ملک کی) خبریں ان پر پوشیدہ نہ کر یہی وجہ ہے کہ ہر شہر کی خبروں سے وہاں کے قیدی بہت زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ قید خانہ سے نکلے تو قید خانہ کے دروازہ پر یہ بات لکھ دی یہ زندوں کا قبرستان ہے غموں کا گھر ہے دوستوں کی آزمائش اور دشمنوں کی خوشی کا مقام ہے پھر آپ نے قید خانہ کا میل کچیل دھویا، بدن صاف پاک کیا اور خوبصورت کپڑے پہن کر بادشاہ کے پاس جانے کے ارادے سے چل دیئے۔

دربار میں پہنچنا

وہب نے بیان کیا جب شاہی دروازہ پر پہنچے تو فرمایا میرا رب میرے لئے کافی ہے دنیا سے بے نیاز کرنے والا ہے میرا رب میرے لئے کافی ہے، اپنی مخلوق سے بے احتیاج کر دینے والا ہے اس کی پناہ لینے والا غالب رہتا ہے اس کی شاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد گھر کے اندر داخل ہوئے اور بادشاہ کے سامنے پہنچے تو دعا کی اے اللہ میں اس کی خیر کی بجائے تیری خیر کا تجھ سے طالب ہوں اور اس کے اور دوسروں کے شر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں بادشاہ نے جب آپ کی طرف دیکھا تو آپ نے اس کو عربی میں سلام کیا بادشاہ نے کہا یہ کیا زبان ہے، فرمایا میرے چچا اسماعیل کی زبان ہے پھر آپ نے بادشاہ کو عبرانی زبان میں دعا دی، بادشاہ نے پوچھا یہ کونسی زبان ہے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی زبان ہے۔ بادشاہ ان دونوں زبانوں سے ناواقف تھا اگرچہ ستر زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا جس زبان میں بات کرتا تھا آپ اسی زبان میں جواب دیتے تھے مگر عبرانی اور عربی مزید جانتے تھے جن سے بادشاہ واقف نہ تھا، حضرت یوسف کی اس وقت عمر تیس سال کی تھی اس نوجوانی میں آپ کے یہ کمالات دیکھ کر متحیر ہو گیا اور (اپنے قریب) بٹھایا۔ (تفسیر مظہری)

خلاف شرع قانون پر مجبور نہ ہو کوئی کافر یا ظالم کی ملازمت اختیار کر لے تو اگرچہ اس کافر ظالم کے ساتھ تعاون کرنے کی قباحت پھر بھی موجود ہے، مگر جن حالات میں اس کو اقتدار سے ہٹانا قدرت میں نہ ہو، اور اس کا عہدہ قبول نہ کرنے کی صورت میں خلق اللہ کے حقوق ضائع ہونے یا ظلم و جور کا اندیشہ قوی ہو تو مجبوری اتنے تعاون کی گنجائش حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہو جاتی ہے جس میں خود کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیونکہ درحقیقت یہ اس کے گناہ میں اعانت نہیں ہوگی، گو سبب بعید کے طور پر اس سے بھی اس کی اعانت کا فائدہ حاصل ہو جائے اعانت کے ایسے اسباب بعیدہ کے بارے میں بحالات مذکورہ شرعی گنجائش ہے۔ جس کی تفصیل حضرات فقہاء نے بیان فرمائی ہے سلف صالحین صحابہ و تابعین میں بہت سے حضرات کا ایسے ہی حالات میں ظالم و جابر حکمرانوں کا عہدہ قبول کر لینا ثابت ہے۔ (قرطبی و مظہری)

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ جہاں یہ معلوم ہو کہ علماء صلحاء اگر یہ عہدہ قبول نہ کریں گے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے انصاف نہ ہو سکے گا، وہاں ایسا عہدہ قبول کر لینا جائز بلکہ ثواب ہے۔ بشرطیکہ اس عہدہ میں خود اس کو خلاف شرع امور کے ارتکاب پر مجبوری پیش نہ آئے۔

مسئلہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے قول **إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ** سے یہ ثابت ہوا، کہ ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا تزکیہ نفس یعنی پاکبازی جتلانے میں داخل نہیں، جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا کبر و غرور اور فخر و تعلیٰ کی وجہ سے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

اور کہا بادشاہ نے اے آؤ اس کو میرے پاس میں

اَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي

خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں ☆

یعنی میرا شیر خاص رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

جب یوسف کی بے گناہی بادشاہ پر ظاہر ہو گئی اور آپ کے علم و امانت کا مرتبہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تو اس نے یوسف کو طلب کیا اور کہا میں براہ راست اپنے لئے ان کو رکھنا چاہتا ہوں۔

فَلْيَاكُلْهَا قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ

پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج

لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۱﴾

سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر ☆

کچھ پہلے سے معتقد ہو چکا تھا۔ بالمشافہ باتیں سن کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دیدیا کہ آج سے آپ ہمارے پاس نہایت معزز و معتبر ہو کر رہیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”اب عزیز کا علاقہ موقوف کیا اپنی صحبت میں رکھا“ (تفسیر عثمانی)

یوسف علیہ السلام نے خود تعبیر بتلائی

جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو ان سے کہا کہ آپ ہمارے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور معتبر ہیں بغوی نے لکھا ہے بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہا میں اپنا خواب آپ کے منہ سے اپنے سامنے سننا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا سنئے۔ اے بادشاہ آپ نے خواب میں دیکھا سات سفید رنگ کی خوبصورت گائیں نیل میں سے برآمد ہوئیں اور ساحل نیل سے نکل کر آپ کے سامنے آئیں ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے اس کے بعد نیل کی کچھڑ سے سات دہلی گائیں برآمد ہوئیں جو بھوک تھیں ان کے پیٹ لگے ہوئے تھے ان کے پاس نہ دودھ تھا نہ تھن ان کی داڑھیں تھیں اور کیلے (جیسے نوکیلے دانت) تھے اور کتوں کے بیچوں کی طرح نچے تھے اور درندوں کی ناک کی طرح ان کی ناکیں تھیں، درندوں کی طرح انہوں نے موٹی گایوں کو چیر پھاڑ ڈالا کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، گوشت کھالیا، ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور میٹھی کو چوس لیا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر تعجب ہی کر رہے تھے کہ ایک ہی جڑ سے اناج کی سات سبز بالیں اور سات سیاہ (خشک) بالیں نمودار ہوئیں جڑ کے سوتے سب کے کچھڑ اور پانی کے اندر تھے آپ یہ تماشا ہی دیکھ رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے کہ جب جڑ ایک ہے اور سوتے سب کے پانی میں ہیں تو یہ سبز خوشہ دار اور وہ سوکھی سیاہ بالیں کہاں سے پیدا ہو گئیں یکا یک ایک ہو چلی جس کی وجہ سے خشک بالوں کے پتے جھڑ کر سبز خوشہ دار بالوں پر گرے اور سبز بالوں میں آگ لگ گئی اور وہ جل کر سیاہ ہو گئیں یہ خواب دیکھ کر آپ بیدار ہو گئے

اور دہشت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ خواب اگرچہ عجیب تھا مگر اس کی تعجب آفرینی اس بیان سے زیادہ نہیں جو میں نے آپ سے سنا۔ اے سچے انسان اب اس خواب کے متعلق آپ کیا مشورہ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ان پیداوار کے سالوں میں آپ کاشت بہت زیادہ کرائیں اور پیدا شدہ غلہ کو مع ان کے درختوں اور بالوں کے ذخیرہ کر لیں تاکہ (قحط کے سالوں میں) درخت اور بالیں (یعنی سب کا بھوسہ) جانوروں کی خوراک بن جائے اور لوگوں کو آپ یہ بھی حکم دیدیں کہ وہ اپنے غلہ کا پانچواں حصہ اٹھا کر الگ رکھ دیا کریں (اور اس طرح ہر سال کی پیداوار کا پانچواں حصہ ان کے پاس جمع ہو جائے) جو غلہ آپ اسٹاک کر لیں گے وہ تو مصر اور اطراف مصر کے لئے کافی ہو جائے گا اور جب دور کے اطراف سے لوگ آپ کے پاس غلہ کی طلب میں آئیں گے تو آپ کے پاس ان سے وصول کیا ہو اور وہ پتہ اتنا جمع ہو جائے گا کہ آپ سے پہلے (مصر کے بادشاہوں میں سے) کسی کے پاس جمع نہ ہوا ہوگا۔ بادشاہ نے کہا اس کام کی سرانجام دہی کون کرے گا کون غلہ جمع کرے گا کون فروخت کرے گا یہ دھندا میری طرف سے کون کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ

یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے

الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ﴿۵۲﴾

خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ☆

یوسف علیہ السلام نے اپنی خدمات پیش کر دیں یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کرونگا اور اس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوب واقف ہوں یوسف نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا۔ تا اس ذریعہ سے عامہ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آئیوا لے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمدردی خلائق کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا نشان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں

ہے، ظالموں اور فاسقوں کی طرف سے ہمارے محترم اسلاف محکمہ قضا کی خدمت اسی غرض سے قبول کرتے رہے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حاکم یوسف نہ تھے صرف مشیر تھے) بادشاہ آپ سے مشورہ لے کر خود حکم جاری کرتا تھا اور آپ کی رائے میں دخل نہ دیتا تھا، گویا اجراء احکام میں آپ کا تابع تھا۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے اگر وہ اجعلذنی علی خزائن الارض نہ کہتے تو بادشاہ ان کو فوراً حاکم بنا دیتا مگر (اس لفظ کو کہنے کی وجہ سے) بادشاہ نے وہ سال ٹال دیا اس مدت میں یوسف بادشاہ کے پاس اس کے گھر میں رہتے رہے۔

تخت شاہی پر جلوہ افروزی

بغوی نے دوسری سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جس روز حضرت یوسف نے درخواست حکومت کی تھی اس دن سے جب ایک سال کی مدت گذر گئی تو بادشاہ نے آپ کو بلا کر تاج پہنایا اور شاہی تلوار باندھی اور جواہر سے جڑا ہوا تخت آپ کیلئے بچھوایا اور تخت کے گرد ریشمی پردہ لٹکا دیا تخت میں ہاتھ لبا اور دس ہاتھ چوڑا تھا، اس پر دس بستر بچھے ہوئے تھے اور ساٹھ باریک پردے تھے پھر تاج پہن کر آپ کو برآمد ہونے کا حکم دیا، آپ سر پر تاج رکھے برآمد ہوئے برف کی طرح آپ کا رنگ گورا اور چاند کی طرح چہرہ روشن تھا، بدن کی صفائی کی وجہ سے چہرے کا رنگ (یعنی عکس) بدن پر نظر آتا تھا آپ اس شان کے ساتھ جا کر تخت پر بیٹھ گئے تمام حکام آپ کے فرماں بردار ہو گئے بادشاہ مصر کی پوری حکومت آپ کو سپرد کر کے اپنے گھر میں چلا گیا۔ بادشاہ نے قطفیر کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا اور یوسف کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ یہ قول ابن اسحاق کا ہے۔

ابن زید کا بیان ہے کہ ریان شاہ مصر کے پاس خزانے بہت تھے تمام خزانے اس نے یوسف کے تصرف میں دیدیئے۔

زیلجا سے نکاح

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن اسحاق کی روایت سے بیان کیا ہے اہل روایت نے ذکر کیا ہے کہ اسی زمانہ میں قطفیر کا انتقال ہو گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی زیلجا سے یوسف کا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد یوسف زیلجا کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تم

منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑیگا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے۔ اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنا اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔ عبدالرحمن بن سمرہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود امارت طلب کرے تو اس کا باراسی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے (غیبی اعانت مددگار نہیں ہوتی) یہ اس وقت ہے جب طلب کرنا محض نفس پروری اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بناء پر ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عہدہ طلب کرنے کا مقصد

یوسف نے کہا مجھے ملک (مصر) پیداوار اور مال پر مقرر کر دو میں (اس کام کی) بخوبی نگہداشت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔ حضرت یوسف نے اپنی امانت داری اور کارگذاری کا خود اظہار کیا اور خود عہدہ طلب کیا تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے احکام مخلوق میں جاری کر سکیں، حق کو قائم کریں اور عدل کو دنیا میں پھیلائیں اسی کام کیلئے انبیاء آتے ہیں اور ان کی بعثت کی غرض یہی ہوتی ہے آپ کو معلوم تھا کہ میرے سوا اور کوئی اس کام کو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا پس آپ نے عہدہ حکومت کی طلب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کی تھی جاہ و اقتدار کی طلب نہ تھی، خلفاء راشدین کی خلافت کا مقصد بھی یہی تھا اور حضرت علی کا حضرت معاویہ سے جھگڑا بھی اسی بنیاد پر تھا کیوں کہ آپ اس کام کے زیادہ اہل تھے حضرت معاویہ کے مقابلہ میں آپ کو اپنے نفس پر زیادہ قابو تھا اور احکام الہی کو جاری کرنے کی صلاحیت آپ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھی۔

بیضاوی نے کہا طلب عہدہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ آپ نے یہ تو محسوس کر لیا تھا کہ بادشاہ مجھے کوئی کام سپرد کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نے عہدہ کی تعیین کردی اور ایسے کام کی ذمہ داری طلب کی جس کا فائدہ عمومی تھا اور سب لوگ اس سے مستفید ہو سکتے تھے۔

اس آیت سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر انسان کو اپنی ذات پر اطمینان اور بھروسہ ہو تو حکومت کا کوئی عہدہ اور قضاء کی طلب جائز ہے اور اپنی اہلیت کار کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ بادشاہ کافر ہو یا ظالم اس کی طرف سے کسی کام پر مامور ہونا (بشرطیکہ وہ کام افادیت عامہ رکھتا ہو اور جاہ طلبی کا داعیہ نہ ہو) جائز

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ

اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں

يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ

جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا ☆

حکومت میں آپ کا مقام و مرتبہ

جہاں چاہتے اترتے اور جو چاہتے تصرف کرتے گویا ریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا حقیقت میں یوسف بادشاہی کر رہے تھے اور ”عزیز“ کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ جیسا کہ آگے آئیگا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ نیز اسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عورت زلیخا نے آپ سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بادشاہ مصر نے ایک سال تجربہ کرنے کے بعد دربار میں ایک جشن منایا جس میں تمام عمال دولت اور معززین حکومت کو جمع کیا، اور یوسف علیہ السلام کے سر پر تاج رکھ کر اس مجلس میں لایا گیا، اور صرف خزانہ کی ذمہ داری نہیں بلکہ پورے امور مملکت کو عملاً ان کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا (قرطبی و مظہری وغیرہ)

حضرت یوسف علیہ السلام نے امور سلطنت کو ایسا سنبھالا کہ کسی کو کوئی شکایت باقی نہ رہی، سارا ملک آپ کا گرویدہ ہو گیا اور پورے ملک میں امن اور خوش حالی عام ہو گئی خود حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی حکومت کی اس تمام ذمہ داری میں کوئی دشواری یا رنج و تکلیف پیش نہیں آئی،

امام تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے پیش نظر چونکہ اس سارے جاہ و جلال سے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کا رواج اور اس کے دین کی اقامت تھی، اس لئے وہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہیں ہوئے، کہ شاہ مصر کو اسلام و ایمان کی دعوت دیں، یہاں تک کہ مسلسل دعوت و کوشش کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ بادشاہ مصر بھی مسلمان ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

چاہتی تھیں، زلیخا نے جواب دیا: اے صدیق! مجھے آپ ملامت نہ کریں آپ کو معلوم ہے کہ میں خوبصورتی میں ایک ہی عورت تھی اور یہ بھی جانتے ہی ہیں کہ حکومت اور دنیا کے لحاظ سے میں کتنے عیش میں تھی اور میرا شوہر عورتوں کے قابل نہ تھا اور آپ کے حسن و صورت کی جو حالت تھی وہ بھی خداداد تھی اس لئے آپ کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ غرض مصر کی حکومت یوسف کے لئے مستقل ہو گئی آپ وہیں مقیم ہو گئے، مرد اور عورت سب آپ کو پسند کرتے تھے آیت ذیل اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ:- خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو حفیظ و عظیم کا مصداق ہو پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے حال پر ایک نظر ڈالو یوسف صدیق کا نمونہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔

اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسف کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور تمکنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس زمین سے جہاں چاہیں رہیں قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فریفتہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت سے پہنچائیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت و ثروت سب ہیچ ہے یعنی یوسف کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السلام نیکوکاری اور پرہیزگاری کی بدولت تعزیر چاہ سے نکل کر تخت جاہ پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر و ثواب ان کیلئے مقدر ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور بالاتر ہے۔

بدنیا و عقبیٰ کے دریافت کہ اوجانب صبر و تقویٰ شناخت خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچایا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرمانروا بنایا شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے دور پھینکا تا کہ ذلیل ہوں اور اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (موضح القرآن) (معارف کاندھلوی)

اور ایسا ہولناک قحط پڑا جس کی نظیر کبھی سننے میں آئی تھی نہ دیکھنے میں۔

روایت میں ہے کہ حضرت یوسف نے بادشاہ اور بادشاہ کے مصاحبین کے لئے ہر روز صرف ایک بار دوپہر کے وقت کھانا مقرر کیا تھا قحط سالی کے دور میں سب سے پہلے آدھی رات کے وقت بادشاہ ہی کو بھوک نے ستایا اور وہ بھوک بھوک کہہ کر چلا اٹھا، حضرت یوسف نے فرمایا یہ کال کا زمانہ ہے۔ کال کے اول سال پبلک کا سارا اندوختہ ختم ہو گیا اور لوگ یوسف سے غلہ خریدنے لگے، حضرت نے نقد روپیہ لے کر غلہ دے دیا اور اس طرح مصر کا ہر سکھ اور درہم و دینار آپ کے پاس آ گیا، دوسرے سال زیور اور جواہر لے کر اناج فروخت کیا، تیسرے سال چوپائے اور مویشی دے کر لوگوں نے غلہ لیا چوتھے سال غلام اور باندیاں دے کر غلہ حاصل کیا، پانچویں سال جائدادیں زمینیں اور گھر بھی غلے کے عوض بیچ ڈالے، چھٹے سال بچے فروخت کر دیئے اور ساتویں سال خود اپنی جانوں کا بیعنامہ کر دیا، یہاں تک کہ نقد جنس، زیور اور جانور باندی غلام سب کچھ یوسف کا ہو گیا، اہل مصر کی کوئی چیز نہیں رہی اور آخر میں اولاد بھی اپنی نہیں رہی بلکہ ہر شخص یوسف کا غلام ہو گیا۔ غرض یہ حالت دیکھ کر رعایا بول اٹھی کہ ایسا عالی قدر مالک کل بادشاہ اور کوئی نہیں ہو جو ساری رعایا کے جان مال اور اولاد کا مالک ہو گیا ہو، یوسف نے بادشاہ سے کہا اب آپ کی کیا رائے ہے بادشاہ نے کہا جو آپ کی رائے وہی میری رائے۔ ہم تو آپ کے تابع ہیں حضرت نے فرمایا تو میں اللہ کو اور آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تمام اہل مصر کو میں نے آزاد کر دیا، ان کی ساری املاک (زر و جواہر مویشی جانور) ان کو واپس کرتا ہوں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت کال کے زمانے میں خود بھی بھوکے رہتے تھے، لوگوں نے کہا سازاغلہ ملک مصر کا تو آپ کے قبضے میں ہے اور آپ بھوکے رہتے ہیں، فرمایا میرا پیٹ بھرا ہوگا تو اندیشہ ہے کہ میں بھوکے کو بھول جاؤں گا بادشاہ کے باورچیوں کو بھی آپ نے حکم دے دیا تھا کہ بادشاہ کے لئے صرف دوپہر کو ہی کھانا تیار کریں کہیں پیٹ بھرنے کے بعد بادشاہ بھوکوں کو بھول نہ جائے، اسی بناء پر بادشاہ ناشتہ دوپہر کو کرتے ہیں (کہ صبح سے دوپہر تک بھوکے رہیں اور بھوکوں کو بھولنے نہ پائیں)

اہل مصر کے علاوہ چاروں طرف سے لوگ حضرت یوسف کے پاس غلہ لینے آتے تھے مگر آپ کسی کو خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہو بارشتر سے زیادہ

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا

بہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور

نُضِيبُهُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَا جُرُ

ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب

الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَ

آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور

كَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

رہے پرہیزگاری میں ☆

بھلائی اور نیکی کا انعام

جو بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے خدا اس کو دنیا میں بھی میٹھا پھل دیتا ہے۔ خواہ ثروت حکومت یا لذت عیش، حیات طیبہ اور غنائے قلبی۔ حضرت یوسف کو یہ سب چیزیں عنایت فرمائیں۔ رہا آخرت کا اجر، سو وہ ایک ایماندار و پرہیزگار کے لئے دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم اس طرح ”شام“ سے آئی مصر میں اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسف کو گھر سے دور پھینکا تا ذلیل ہو۔ اللہ نے عزت دی۔ اور ملک پر اختیار دیا۔ ایسا ہی ہوا ہمارے حضرت کو۔“ (تفسیر عثمانی)

رحمت سے مراد ہے نعمت اور اجر سے مراد ہے فوراً یا کچھ مدت کے بعد نکلنے والا اچھا نتیجہ۔ المحسنین سے حضرت ابن عباس اور وہب کے نزدیک صبر کرنے والے مراد ہیں۔ مجاہد وغیرہ نے کہا، حضرت یوسف برابر بادشاہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے آخر بادشاہ مسلمان ہو ہی گیا اور بہت سے لوگ بھی مشرف باسلام ہو گئے اس طرح حضرت یوسف کو دنیوی اجر مل گیا۔

یوسف علیہ السلام کی حسن تدبیر

جب حضرت یوسف اطمینان کے ساتھ حکومت پر جم گئے تو انہوں نے غلہ جمع کرنے کی تدبیر کی۔ بڑی بڑی حفاظت گاہیں اور غلہ رکھنے کے گھر بنوائے اور قحط سالی کیلئے وہاں غلہ جمع کیا اور معمول کے مطابق بقدر ضرورت خرچ بھی کیا یہاں تک کہ پیداوار کی کثرت کے سال گزر گئے اور قحط سالی کا دور آ گیا،

بھائیوں کا مصر میں آنا

موضح القرآن میں ہے ”جب حضرت یوسف ملک ”مصر“ پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میاں باندھ کر بکویا اپنے ملک والوں کو اور پردیسیوں کو سب کو برابر مگر پردیسی کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اس میں خلق بچی قحط سے اور خزانہ بادشاہ کا بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ مصر میں اناج سستا ہے ان کے بھائی خریدنے کی غرض سے آئے“ ان کے تن و توش، پینات، وضع قطع میں چنداں تغیر نہ ہوا تھا۔ ادھر حضرت یوسف برابر اپنے باپ بھائیوں کا تفقد کرتے رہے ہونگے اور وہاں پہنچنے پر ان کا نام و نشان بھی دریافت کر لیا ہوگا جیسا کہ سلاطین و اعیان سے ملاقات کرنے میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض تفاسیر میں ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا نام و نسب وغیرہ بیان کیا۔ ہاں یوسف علیہ السلام جدائی کے وقت چونکہ بہت چھوٹے تھے اور بھائیوں کو پہلے سے ادھر خیال بھی نہ تھا، نہ بادشاہوں کے یہاں عام آدمیوں کی یہ جرات ہو سکتی ہے کہ ان کا نام و نسب وغیرہ دریافت کریں۔ اس لئے وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔ یعنی دس بھائی یوسف کے پاس پہنچے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا حضرت یوسف نے پہلی ہی نظر میں بھائیوں کو پہچان لیا، حسن نے کہا اول نظر میں نہیں پہچانا جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو پہچانا۔

بھائی یوسف علیہ السلام کو کیوں نہ پہچان سکے

حضرت ابن عباس نے بھائیوں کے یوسف کو نہ پہچاننے کی یہ وجہ بیان کی کہ کنوئیں میں ڈالنے اور اب سامنے آنے کے درمیان چالیس برس کی مدت گزر گئی تھی۔ طول زمانہ شناخت سے مانع ہوا عطاء نے کہا حضرت یوسف اس وقت شاہانہ تاج پہنے شاہی تخت پر رونق افروز تھے اس لئے بھائی نہ پہچان سکے۔

احوال کی چھان بین

حضرت یوسف نے بھائیوں کو دیکھا تو انہوں نے عبرانی زبان میں کلام کیا آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تم کون لوگ ہو اور تمہارا کیا کام ہے میں

اناج نہیں دیتے تھے تاکہ تھوڑا تھوڑا سب لوگوں کو پہنچ جائے لوگوں کے آپ کے پاس ٹھٹھ لگے رہتے تھے اور آپ سب کو دیتے تھے۔ کنعان اور شام کے باشندے بھی قحط میں مبتلا ہو گئے عمومی کال سے وہ بھی محفوظ نہیں رہے۔ حضرت یعقوب اور آپ کے اہل و عیال مقام غرما علاقہ فلسطین سرحد شام میں رہتے تھے ان لوگوں کی زندگی صحرائی زندگی تھی اونٹ اور بکریاں پالتے تھے حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو غلہ لینے کے لئے مصر بھیجا اور فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں کا بادشاہ مرد صالح ہے لوگوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرتا ہے تم بھی تیار ہو جاؤ اور مصر جا کر غلہ لاؤ آپ نے یوسف کے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا اور دوسرے بیٹوں کو روانہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اور اولاد

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کے خریدنے والے کا نام طغیر تھا۔ یہ انہی دنوں میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی زوجہ راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ جب آپ ان سے ملے تو فرمایا کہو کیا یہ اس تمہارے ارادے سے بہتر نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے، آپ کو معلوم ہے کہ میں حسن و خوبصورتی والی دھن دولت والی عورت تھی، میرے خاوند مردی سے محروم تھے، وہ مجھ سے مل ہی نہیں سکتے تھے۔ ادھر آپ کو قدرت نے جس فیاضی سے دولت حسن کے ساتھ مالا مال کیا ہے وہ بھی ظاہر ہے پس مجھے اب ملامت نہ کیجئے۔ کہتے ہیں کہ واقعی حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کنواری پایا پھر ان کے لطن سے آپ کو دوڑ کے ہوئے افراتیم اور میشا۔ افراتیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع کے والد ہیں اور رحمت نامی صاحبزادی ہوئیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری نکلی تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ الحمد للہ شان خدا کے قربان جس نے اپنی فرماں برداری کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہی پر پہنچایا، اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلامی پر لا اتارا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَمَا خَلُوا

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے

عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۵۰﴾

اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو اور وہ نہیں پہچانتے ۵۰

والد کو سب سے زیادہ اسی سے محبت تھی اس کے بعد سے اس کے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگے، اور اسی لئے اس وقت بھی اس کو سفر میں ہمارے ساتھ نہیں بھیجاتا کہ وہ اس کی تسلی کا سبب بنے۔

بھائیوں کا خاص احترام

یوسف علیہ السلام نے یہ سب باتیں سن کر حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائیں اور قاعدہ کے موافق غلہ دیدیں۔

تقسیم غلہ میں یوسف علیہ السلام نے ضابطہ کاریہ بنایا تھا کہ ایک مرتبہ میں کسی ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ نہ دیتے، مگر جب حساب کے موافق وہ ختم ہو جائے تو پھر دوبارہ دیدیتے تھے۔

دوسرا انتظام خفیہ یہ کیا کہ جو نقد یا زیور وغیرہ ان بھائیوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کیا تھا، اس کے متعلق کارندوں کو حکم دیدیا، کہ اس کو چھپا کر انہی کے سامان میں اس طرح باندھ دو کہ ان کو اس وقت پتہ نہ لگے تا کہ جب یہ گھر پہنچ کر سامان کھولیں اور اپنا نقد و زیور بھی ان کو واپس ملے تو یہ پھر دوبارہ لینے کیلئے آسکیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تا کہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں غرض یہ کہ جب بھائی یوسف کے سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا، یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات پوچھے کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارا گزران معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں اس لئے ہم تیرے پاس غلہ لینے آئے ہیں۔ (معارف القرآن کا نہ حلوی)

ابن کثیر نے ائمہ تفسیر میں سے سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کے حوالہ سے جو تفصیل بیان کی ہے وہ اگر تاریخی اور اسرائیلی روایات سے بھی لی گئی ہو تو اس لئے کچھ قابل قبول ہے کہ نسق قرآنی میں خود اس کی طرف اشارے موجود ہیں۔ خواب کا دوسرا حصہ

ان حضرات نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کو وزارت حاصل ہونے کے بعد ابتدائی سات سال تعبیر خواب کے مطابق پورے ملک کیلئے بڑی خوش حالی اور رفاہیت کے آئے پیداوار خوب ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش کی، اس کے بعد اسی خواب کا دوسرا جزء سامنے آیا کہ قحط شدید پڑا، جو سات سال تک

تم کو نہیں جانتا، بھائیوں نے کہا ہم ملک شام کے چرواہے ہیں، قحط کی تکلیف میں مبتلا ہو کر آپ کے پاس غلہ لینے آئے ہیں حضرت نے فرمایا شاید آپ لوگ ہمارے ملک میں یہاں کے احوال کی جستجو میں آئے ہیں، کہنے لگے خدا کی قسم ہم جاسوس نہیں ہیں سب ایک باپ کی اولاد ہیں ہمارا باپ پیر صادق ہے اس کو اللہ کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے حضرت یوسف نے کہا آپ لوگ کتنے ہیں بولے ہم بارہ (بھائی) تھے ہمارا ایک بھائی جاتا رہا، وہ ہم سب میں چھوٹا تھا جنگل کو گیا تھا وہاں مر گیا، باپ کی نظر میں وہ سب سے پیارا تھا آپ نے پوچھا یہاں تم کتنے ہو بولے دس ہیں فرمایا ایک اور کہاں ہے بولے باپ کے پاس رہ گیا ہے جب سے اس کا ماں جایا بھائی مرا ہے باپ کو اسی سے تسکین خاطر ہوتی ہے فرمایا کون جانے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ بھی ہے یا نہیں کہنے لگے بادشاہ سلامت ہم تو اجنبی ملک میں ہیں یہاں تو ہم کو جاننے والا کوئی نہیں ہے آخر حضرت یوسف نے ہر ایک کو ان کی تعداد کے مطابق ایک ایک اونٹ غلہ کا دے دیا اور سب کا سامان سفر درست کرادیا۔ جہاز سامان سفر کو کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

دس بھائی کنعان سے سفر کر کے مصر پہنچے، یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں شاہانہ تخت و تاج کے مالک ہونے کی حیثیت میں سامنے آئے، اور بھائیوں نے ان کو بچپن کی سات سالہ عمر میں قافلہ والوں کے ہاتھ بیچا تھا جس کو اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کے مطابق چالیس سال ہو چکے تھے۔ (قرطبی، مظہری)

اول تو ان سے پوچھا کہ آپ لوگ مصر کے رہنے والے نہیں آپ کی زبان بھی عبرانی ہے آپ یہاں کیسے پہنچے، انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں قحط عظیم ہے اور ہم نے آپ کی تعریف سنی، اس لئے غلہ حاصل کرنے کیلئے آئے ہیں، یوسف علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ ہمیں یہ کیسے اطمینان ہو کہ تم سچ کہہ رہے ہو، اور تم کسی دشمن کے جاسوس نہیں ہو تو ان سب بھائیوں نے عرض کیا کہ معاذ اللہ ہم سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم تو اللہ کے رسول یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو کنعان میں رہتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کا ان سوالات سے مقصد ہی یہ تھا کہ یہ ذرا کھل کر پورے واقعات بیان کر دیں تب یوسف علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تمہارے والد کے اور بھی کوئی اولاد تمہارے سوا ہے تو انہوں نے بتلادیا کہ ہم بارہ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹا بھائی جنگل میں گم ہو گیا، اور ہمارے

بنیامین کی طلب

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی خوب مدارات اور مہمانداری کی۔ ایک ایک اونٹنی کس غلہ دیا۔ یہ خاص مہربانی اور اخلاق دیکھ کر کہتے ہیں انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ایک علاقائی بھائی (بنیامین) کو بوڑھے غمزہ باپ نے تسکین خاطر کیلئے اپنے پاس روک لیا ہے کیونکہ اس کا دوسرا عینی بھائی (یوسف) جو باپ کو بچہ محبوب تھا مدت ہوئی جنگل میں ہلاک ہو چکا ہے۔ اگر بنیامین کے حصہ کا غلہ بھی ہم کو مرحمت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلاف قاعدہ ہے تم پھر آؤ تو بنیامین کو ساتھ لاؤ تب اس کا حصہ پاسکو گے۔ میرے اخلاق اور مہمان نوازی کو تم خود مشاہدہ کر چکے ہو، کیا اس کے بعد تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کے لانے میں کچھ تردد ہو سکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

تفسیر قرطبی میں اس کی تصریح مل گئی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت یوسف علیہ السلام کو روک دیا تھا کہ اپنے گھر اپنے متعلق کوئی خبر نہ بھیجیں۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جب ان کا سامان ان کے پاس واپس پہنچ جائے گا اور والد ماجد کو علم ہوگا تو وہ اللہ کے رسول ہیں، اس واپس شدہ سامان کو مصری خزانہ کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیجیں گے، اس لئے بھائیوں کا دوبارہ آنا اور یقینی ہو جائے گا۔

مسئلہ: کہ جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت نظم قائم نہ کرے تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لے سکتی ہے، اور غلہ کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے، حضرات فقہاء امت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

پچھلے واقعات کا اظہار

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب برادران یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن یہ نہ پہچان سکے۔ اس وقت آپ نے ایک پیالہ منگوایا اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا، آواز نکلتی ہی تھی اسی وقت آپ نے فرمایا لویہ جام تو کچھ کہہ رہا ہے اور تمہارے متعلق ہی کچھ خبر دے رہا ہے، یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا ایک سو تیرا بھائی تھا یوسف نامی، تم اسے باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر اسے انگلی ماری اور ذرا سی دیر کان لگا کر فرمایا لویہ کہہ رہا ہے کہ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے

جاری رہا اس وقت یوسف علیہ السلام چونکہ پہلے سے باخبر تھے کہ یہ قحط سات سال تک مسلسل رہے گا اس لئے قحط کے ابتدائی سال میں ملک کے موجود ذخیرہ کو بڑی احتیاط سے جمع کر لیا اور پوری حفاظت سے رکھا۔ مصر کے باشندوں کے پاس بقدر ان کی ضرورت کے پہلے سے جمع کر دیا گیا، اب قحط عام ہوا اور اطراف و اکناف سے لوگ سمٹ کر مصر آنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے غلہ فروخت کرنا شروع کیا کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہ دیتے تھے جس کی مقدار قرطبی نے ایک وسق یعنی ساٹھ صاع لکھی ہے۔ جو ہمارے وزن کے اعتبار سے دو سو دس سیر یعنی پانچ من سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ فلسطین میں آپ کی شہرت

اور اس کام کا اتنا اہتمام کیا کہ غلہ کی فروخت خود اپنی نگرانی میں کراتے تھے، یہ قحط صرف ملک مصر ہی میں نہ تھا بلکہ دور دور کے علاقوں تک پھیلا ہوا تھا، ارض کنعان جو فلسطین کا ایک حصہ ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن ہے اور آج بھی اس کا شہر بنام خلیل ایک پر رونق شہر کی صورت میں موجود ہے۔ یہیں حضرت ابراہیم و اسحاق اور یعقوب و یوسف علیہم السلام کے مزارات معروف ہیں یہ خطہ بھی اس قحط کی زد سے نہ بچا، اور یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں بے چینی پیدا ہوئی ساتھ ہی ساتھ مصر کی یہ شہرت عام ہو گئی تھی کہ وہاں غلہ قیمتاً مل جاتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام تک بھی یہ خبر پہنچی کہ مصر کا بادشاہ کوئی صالح رحم دل آدمی ہے وہ سب خلق خدا کو غلہ دیتا ہے تو اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ مصر سے غلہ لے کر آؤ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَبَّاجَةً هُمْ بِجَهَارِهِمْ قَالَ

اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب کہا لے

اَتُّونِي بِأَخِي لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلَا

آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا باپ کی طرف سے تم نہیں

تَرُونَ أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا

دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح

خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٥٩﴾

اتارتا ہوں مہمانوں کو ☆

قیمت بھی واپس کر دی

یعنی جو پونجی دے کر غلہ خریدا تھا، حکم دیا کہ وہ بھی خفیہ طور پر ان کے اسباب میں رکھ دو تا گھر پہنچ کر جب اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دیدی گئی تو دوبارہ ادھر آنے کی ترغیب مزید ہو کہ ایسے کریم بادشاہ کہاں ملتے ہیں۔ اور ممکن ہے قیمت نہ موجود ہونے کی بناء پر دوبارہ آنے سے مجبور رہیں اس لئے قیمت واپس کر دی، بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے قیمت لینا مروت و کرم کے خلاف سمجھا۔ (تفسیر عثمانی)

قیمت واپس کرنے کی وجہ

بعض علماء نے کہا کہ حضرت یوسف نے تکمیل احسان اور اتمام نوازش کے جذبہ کے زیر اثر بھائیوں کا سامان واپس رکھوا دیا تاکہ وہ جانیں کہ بادشاہ کی ہم پر بڑی عنایت ہے کہ اس نے سامان بھی واپس کر دیا اور اسی خیال کے تحت دوبارہ مصر کو لوٹ آئیں۔ بعض نے کہا حضرت یوسف نے باپ اور بھائیوں سے غلہ کی قیمت وصول کرنا اچھا نہ سمجھا اور ایسی حالت میں کہ باپ بھائی محتاج تھے، قیمت لینے کو کمینہ پن خیال کیا۔ کلبی نے کہا یوسف کو اندیشہ ہوا کہ کہیں باپ کے پاس اور روپیہ نہ ہو اور روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ لوٹ کر نہ آئیں۔ بعض نے کہا حضرت یوسف کو معلوم تھا کہ یہ امانت دار لوگ ہیں ان کی دیانت ان کو آمادہ کرے گی کہ یہ سرمایہ لوٹا کر لائیں یہ اس پونجی کو اپنے لئے حلال نہ سمجھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا بَانَا

پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ

مِنَعَنَا مِنَ الْكَيْلِ فَارْسِلْ مَعَنَا

روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ

أَخَانَا نَكْتَلُ وَإِنَّا لَنَحْفِظُونَ ﴿١٣﴾

ہمارے بھائی کو رکھتے ہیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں ☆

یعنی یوسف کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے۔ اب ہم چوکے ہو گئے ہیں پوری طرح حفاظت کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

پاس گئے اور وہاں جا کر ان سے کہہ دیا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیے نے کھالیا۔ اب تو یہ حیران ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے ہائے برا ہوا، بھانڈا پھوٹ گیا اس جام نے تو تمام سچی سچی باتیں بادشاہ سے کہہ دیں۔ بس یہی ہے جو آپ کو کونوئیں میں وحی ہوئی کہ ان کے اس کر توت کو تو انہیں ان کی بے شعوری میں جتائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ

پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں

عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونَ ﴿١٤﴾

میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیں ☆

بنیامین نہ آیا تو تمہیں بھی نہیں ملے گا

یعنی نہ لائے تو سمجھا جائیگا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر خلاف قاعدہ ایک اونٹ زیادہ لینا چاہتے تھے۔ اس کی سزا یہ ہوگی کہ آئندہ خود تمہارا حصہ بھی سوخت ہو جائیگا، بلکہ میرے پاس یا میرے قلمرو میں آنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

بولے ہم خواہش کریں گے اس کے

أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿١٥﴾

باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے ☆

یعنی گو باپ سے اس کا جدا کرنا سخت مشکل ہے تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ باپ کو کسی تدبیر سے راضی کر لیں۔ امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ

اور کہہ دیا اپنے خدمتگاروں کو رکھ دو ان کی پونجی

فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا

ان کے اسباب میں شاید اس کو پہچانیں جب

انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦﴾

پھر کہ پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں ☆

بنیامین کو لے جانے کی کوشش

یعنی لہی آسان بھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ جس طرح ہونیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ بعض نے ذلک کیل یسیئر کا اشارہ پہلے جو غلہ لائے تھے اس کی طرف کیا ہے اور یسیئر کو معنی قلیل لیا ہے۔ یعنی جو پہلے لائے ہیں وہ حاجت کے اعتبار سے تھوڑا ہے۔ قحط کے زمانہ میں کہاں تک کام دیگا۔ لہذا ضروری ہے کہ جس طرح بن پڑے ہم دوبارہ جائیں اور سب کا حصہ لے کر آئیں۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ

کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو

مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِنِي بِهِ إِلَّا

عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس مگر

أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَبَّاتُوهُ مَوْثِقَهُمْ

یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر جب دیا اس کو سب نے عہد

قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝۱۱

بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے ☆

آخر کار بنیامین کو بھیج دیا

یعنی اگر تقدیر الہی سے کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اپنے مقدور اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے۔ یہ پختہ عہد و پیمان اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید و اہتمام کے طور پر فرمایا "اللہ علی ما نقول وکیل" یعنی جو کچھ عہد و پیمان ہم اس وقت کر رہے ہیں وہ سب خدا کے سپرد ہیں۔ اگر کسی نے خیانت اور بد عہدی کی وہ ہی سزا دیگا یا یہ کہ قول و قرار تو اپنے مقدور کے موافق پختہ کر رہے ہیں لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصلی ہے وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی رہ جائیں کچھ نہ ہو، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "ظاہری اسباب بھی پختہ کر لئے اور بھروسہ اللہ پر رکھا۔ یہی حکم ہے ہر کسی کو۔" (تفسیر عثمانی)

ہدایات و مسائل

ولاد سے گناہ خطا ہو جائے تو متعلق کے بجائے انکی اصلاح کی فکر کرنا چاہیے

قَالَ هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا

کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا

أَمْنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۗ قَالَ لَهُ

اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے سوا اللہ

خَيْرٌ حِفْظًا ۗ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۝۱۲

بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان ☆

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیسے اعتماد کروں؟

یعنی یہ ہی الفاظ "وَإِنَّا لَنَحْفِظُوكَ" تم نے یوسف کو ساتھ لے جاتے وقت کہے تھے۔ پھر تمہارے وعدہ پر کیا اعتبار ہو۔ ہاں اس وقت ضرورت شدید ہے۔ جس سے اغماض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے تمہارے ساتھ بھیجنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ سو میں اس کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ وہ ہی اپنی مہربانی سے اس کی حفاظت کریگا۔ اور مجھ کو یوسف کی جدائی کے بعد دوسری مصیبت سے بچائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا

اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی

بِضَاعَتِهِمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۗ قَالُوا

اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی ان کی طرف بولے

يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۗ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ

اے باپ ہم کو اور کیا چاہیے یہ پونجی ہماری پھری ہے ہم کو اب

إِلَيْنَا ۗ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفِظُ أَخَانَا

جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی

وَنَزِدُّكَ كَيْلًا بِعَيْرٍ ۗ

اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی ☆

یعنی بنیامین کا حصہ۔ (تفسیر عثمانی)

ذَلِكَ كَيْلٌ يَّسِيرٌ ۝۱۳

وہ بھرتی آسان ہے ☆

اطمینان کر لوں جیسا یوسفؑ کے معاملہ میں کیا تھا، مگر جتلانے کے بعد غالب احوال سے ان کا تائب ہونا معلوم کر کے اللہ پر توکل کیا، اور چھوٹے صاحبزادے کو ان کے حوالہ کر دیا۔

چوتھی ہدایت: یہ ہے کہ کسی انسان کے وعدہ اور حفاظت پر حقیقی طور سے بھروسہ کرنا غلطی ہے، اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے، وہی حقیقی کارساز اور مسبب الاسباب ہیں، اسباب کو مہیا کرنا پھر ان میں تاثیر دینا سب انہی کی قدرت میں ہے۔ اسی لئے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اللہ خیر حافظاً۔

کعب احبار کا قول ہے کہ اس مرتبہ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف اولاد کے کہنے پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے میری عزت و جلال کی کہ اب میں آپ کے دونوں بیٹوں کو آپ کے پاس واپس بھیجوں گا۔ پانچواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ اگر دوسرے شخص کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرآنِ قویہ اس پر شاہد ہوں کہ اس نے بالقصد ہمیں دینے ہی کیلئے ہمارے سامان میں باندھ دیا ہے تو اس کو اپنے لئے رکھنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔ جیسے یہ پونجی جو برادران یوسفؑ کے سامان سے برآمد ہوئی، اور قرآنِ قویہ اس پر شاہد تھے کہ کسی بھول یا نسیان سے ایسا نہیں ہوا بلکہ قصداً اس کو واپس دیدیا گیا ہے، اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس رقم کی واپسی کی ہدایت نہیں فرمائی، لیکن جہاں یہ اشتباہ موجود ہو کہ شاید بھولے سے ہمارے پاس آگئی وہاں مالک سے تحقیق اور دریافت کئے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

چھٹا مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی قسم دینا نہیں چاہیے جس کا پورا کرنا بالکل اس کے قبضہ میں نہ ہو، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو صحیح و سالم واپس لانے کی قسم دی تو اس میں سے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا کہ یہ بالکل عاجز و مجبور ہو جائیں یا خود بھی سب ہلاکت میں پڑ جائیں۔

اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ سے اپنی اطاعت کا عہد لیا تو خود اس میں استطاعت کی قید لگا دی، یعنی جہاں تک ہماری قدرت و استطاعت میں داخل ہے ہم آپ کی پوری اطاعت کریں گے۔

پہلی ہدایت: برادران یوسف علیہ السلام سے جو خطا اس سے پہلے سرزد ہوئی وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی، مثلاً اول جھوٹ بول کر والد کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیں دوسرے والد سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی، تیسرے چھوٹے معصوم بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ، چوتھے ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پروا نہ کرنا، پانچویں ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا چھٹے ایک آزاد انسان کو جبراً اور ظلماً فروخت کر دینا۔

یہ ایسے انتہائی اور شدید جرائم تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور دیدہ و دانستہ یوسف علیہ السلام کو ضائع کیا ہے تو اس کا مقتضی بظاہر یہ تھا کہ وہ ان صاحبزادوں سے قطع تعلق کر لیتے، یا ان کو نکال دیتے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ بدستور والد کی حفاظت میں رہے، یہاں تک کہ انہیں کو مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا، اور اس پر مزید یہ کہ دوبارہ پھر ان کے چھوٹے بھائی کے متعلق والد سے عرض معروض کرنے کا موقع ملا، اور بالآخر ان کی بات مان کر چھوٹے صاحبزادہ کو بھی ان کے حوالہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد سے کوئی گناہ و خطا سرزد ہو جائے تو باپ کو چاہیے کہ تربیت کر کے ان کی اصلاح کی فکر کرے، اور بالآخر وہ سب اپنی خطاؤں پر نادم اور گناہوں سے تائب ہوئے ہاں اگر اصلاح سے مایوسی ہو جائے اور ان کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں دوسروں کے دین کا ضرر محسوس ہو تو پھر قطع تعلق کر لینا انبہا ہے۔

دوسری ہدایت: اس حسن معاملہ اور حسن خلق کی ہے جو یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ظاہر ہوا، کہ صاحبزادوں کے اتنے شدید جرائم کے باوجود ان کا معاملہ ایسا رہا کہ دوبارہ چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کی درخواست کرنے کی جرات کر سکے۔

تیسری ہدایت: یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں بغرض اصلاح خطا کار کو جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ تمہارے معاملہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمہاری بات نہ مانی جاتی، مگر ہم اس سے درگزر کرتے ہیں، تا کہ وہ آئندہ شرمندہ ہو کر اس سے کلی طور پر تائب ہو جائے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اول جتلایا، کہ کیا بنیامین کے معاملہ میں بھی تم پر ایسا ہی

تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ خواہی نہ خواہی پبلک کی نظریں ان کی طرف نہ اٹھیں ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں روک سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف خدا کا چلتا ہے۔ ہمارے سب انتظامات حکم الہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ ہاں تدبیر کرنا بھی اسی نے سجھایا ہے اور جاتر رکھا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسہ خدا پر رکھے گویا لڑکوں کو سنایا کہ میری طرح تم بھی تہ دل سے خدا کی حفاظت پر بھروسہ رکھو۔ تدابیر پر مغرور نہ بنو۔ (تفسیر عثمانی)

(بیٹے جب حضرت یعقوب کے پاس سے جانے لگے تو) یعقوب نے کہا میرے بیٹو! شہر کے ایک دروازے سے (یعنی ساتھ ساتھ) داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے گھسنا۔ حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے بڑے حسین و جمیل، سرو قامت، گل رخسانہ، صحت مند اور طاقت ور جوان تھے اور شاہ مصر کے نزدیک ان کی عزت زباں زد خلافت تھی اس وجہ سے حضرت یعقوب کو خیال ہوا کہ کہیں (اجتماعی ہیئت میں داخل ہوتے دیکھ کر) کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احتیاط تقدیر سے نہیں بچاتی۔ رواہ الحاکم۔ امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے اور بزاز نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں برادران کا یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دوسری مرتبہ سفر مصر کا ذکر ہے، اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو شہر مصر میں داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت یہ فرمائی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جا رہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے سب داخل نہ ہونا بلکہ شہر پناہ کے پاس پہنچ کر متفرق ہو جانا اور شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ سب اس وصیت کا یہ اندیشہ تھا کہ یہ سب نوجوان اور ماشاء اللہ صحت مند، قد آور صاحب جمال و صاحب وجاہت ہیں، ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں تو کسی بد نظر کی نظر لگ جائے، جس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے، یا اجتماعی طور سے داخل ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ حسد کرنے لگیں، اور تکلیف پہنچائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو یہ وصیت پہلی مرتبہ نہیں کی، اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر

ساتواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ برادران یوسف سے عہد و پیمان لینا کہ وہ بنیامین کو واپس لائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفالت بالنفس جائز ہے یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمہ کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت کر لینا درست ہے۔ (معارف القرآن)

وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ

اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ

وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ

سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا

وَمَا أَعْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ

اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی

شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ

بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ

تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾

کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو ☆

نظر بد اور حسد وغیرہ سے حفاظت

برادران یوسف پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن یوسف علیہ السلام کی خاص توجہات و الطاف کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگی ہوں گی۔ اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بلکہ کہنا چاہیے کہ ایک طرح کی یوسف کی دعوت پر تھا۔ بنیامین جس کی حفاظت و محبت حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف کے بعد بہت کرتے تھے، بھائیوں کے ہمراہ تھے۔ یعقوب علیہ السلام کو خیال گذرا کہ ایک باپ کے گیارہ وجیہ و خوش رو بیٹوں کا خاص شان سے بھیئات اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اس برتاؤ کے بعد جو عزیز مصر (یوسف) کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے تھے، ایسی چیز ہے جس کی طرف عام نگاہیں ضرور اٹھیں گی۔ ”اعین حق“ نظر لگ جانا ایک حقیقت ہے (اور آج کل مسمریزم کے عجائبات تو عموماً اسی قوت نگاہ کے کرشمے ہیں) یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ مکروہات سے بچانے کے لئے یہ ظاہری تدبیر

دماغ میں کوئی اچھی بات تعجب انگیز نظر آئے تو اس کو چاہیے کہ اس کے واسطے یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں، بعض روایات میں ہے کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہے، اس سے نظر بد کا اثر جاتا رہتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی نظر بد کسی کو لگ جائے تو نظر لگانے والے کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کا غسل اسکے بدن پر ڈالنا نظر بد کے اثر کو زائل کر دیتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ تمام علماء امت اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ نظر بد لگ جانا اور اس سے نقصان پہنچ جانا حق ہے۔

تقدیر کا لکھا پورا ہو گیا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جس حقیقت کا اظہار فرمایا، اتفاقا ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ اس سفر میں بھی بنیامین کو حفاظت کے ساتھ واپس لانے کی ساری تدبیریں مکمل کر لینے کے باوجود سب چیزیں ناکام ہو گئیں، اور بنیامین کو مصر میں روک لیا گیا، جس کے نتیجے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک دوسرا شدید صدمہ پہنچان کی تدبیر کا ناکام ہونا جو اگلی آیت میں منصوص ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ اصل مقصد کے لحاظ سے تدبیر ناکام ہوگئی، اگرچہ نظر بد یا حسد وغیرہ سے بچنے کی تدبیر کامیاب ہوئی، کیونکہ اس سفر میں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، مگر تقدیر الہی جو حادثہ پیش آنے والا تھا اس طرف یعقوب علیہ السلام کی نظر نہ گئی اور نہ اس کے لئے کوئی تدبیر کر سکے، مگر اس ظاہری ناکامی کے باوجود ان کے توکل کی برکت سے یہ دوسرا صدمہ پہلے صدمہ کا بھی علاج ثابت ہوا اور بڑی عافیت و عزت کے ساتھ یوسف اور بنیامین دونوں سے ملاقات انجام کار نصیب ہوئی۔

امام تفسیر قتادہ نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں کے قیام کا یوسف علیہ السلام نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ دودو کو ایک کمرہ میں ٹھہرایا، تو بنیامین تنہا رہ گئے، ان کو اپنے ساتھ ٹھہرنے کیلئے فرمایا جب تنہائی کا موقع آیا تو یوسف علیہ السلام نے حقیقی بھائی پر راز فاش کر دیا، اور بتلا دیا کہ میں ہی تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں اب تم کوئی فکر نہ کرو اور جو کچھ ان بھائیوں نے اب تک کیا ہے اس سے پریشان نہ ہو۔

احکام و مسائل

مذکورہ دو آیتوں سے چند مسائل اور احکام معلوم ہوئے، اول یہ کہ نظر بد کا لگ جانا حق ہے، اس سے بچنے کی تدبیر کرنا اسی طرح مشروع اور محمود ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر افعال سے بچنے کی تدبیر کرنا۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کے حسد سے بچنے کیلئے اپنی مخصوص نعمتوں اور اوصاف کا لوگوں سے چھپانا درست ہے۔

تیسرے یہ کہ مضر آثار سے بچنے کے لئے ظاہری اور مادی

میں مسافرانہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے نہ کوئی ان کو پہچانتا تھا نہ کسی سے ان کے حال پر زیادہ توجہ دینے کا خطرہ تھا مگر پہلے ہی سفر میں ملک مصر نے ان کا غیر معمولی اکرام کیا، جس سے عام ارکان دولت اور شہر کے لوگوں میں تعارف ہو گیا، تو اب یہ خطرہ قوی ہو گیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا سب کو ایک باشوکت جماعت سمجھ کر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں، نیز اس مرتبہ بنیامین چھوٹے بیٹے کا ساتھ ہونا بھی والد کے لئے اور زیادہ توجہ دینے کا سبب ہوا۔

نظر بد کا اثر حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہو جانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے۔ محض جاہلانہ وہم و خیال نہیں اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کی فکر ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی تصدیق فرمائی ہے ایک حدیث میں ہے کہ نظر بد ایک انسان کو قبر میں اور ایک اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے، اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے پناہ مانگی، اور امت کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، ان میں من کل عین لامۃ بھی مذکور ہے یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے۔ (قرطبی)

نظر بد کا علاج

صحابہ کرام میں ابوہل بن حنیف کا واقعہ معروف ہے، کہ انہوں نے ایک موقع پر غسل کرنے کیلئے کپڑے اتارے تو ان کے سفید رنگ تندرست بدن پر عامر بن ربیعہ کی نظر پڑ گئی، اور ان کی زبان سے نکلا کہ میں نے تو آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا، یہ کہنا تھا کہ فوراً سہل بن حنیف کو سخت بخار چڑھ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاج تجویز کیا کہ عامر بن ربیعہ کو حکم دیا کہ وہ وضو کریں اور وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کریں یہ پانی سہل بن حنیف کے بدن پر ڈالا جائے ایسا ہی کیا گیا، تو فوراً بخار اتر گیا، اور وہ بالکل تندرست ہو کر جس مہم پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے اس پر روانہ ہو گئے، اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو یہ تنبیہ بھی فرمائی:

علامہ یقتل احدکم اخاہ الا برکت ان العین حق
”کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب ان کا بدن تمہیں خوب نظر آتا تو برکت کی دعاء کر لیتے نظر کا اثر ہو جانا حق ہے۔“

اچھی چیز میں برکت کی دعاء کرو

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی دوسرے کی جان

تقدیر غالب آگئی

یعنی جس طرح کہا تھا داخل ہوئے تو اگرچہ نظر یا ٹوک نہ لگی لیکن تقدیر اور طرف سے آئی (بنیامین کو الزام سرقہ کے سلسلہ میں روک لیا گیا) تقدیر دفع نہیں ہوتی۔ سو جن کو علم ہے ان کو تقدیر کا یقین اور اسباب کا بچاؤ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں لیکن بے علم سے ایک ہو تو دوسرا نہ ہو، یا ہمہ تن اسباب پر انکار کر کے تقدیر کا انکار کر بیٹھتا ہے یا تقدیر پر یقین رکھنے کے یہ معنی سمجھ لیتا ہے کہ اسباب کو معطل کر دیا جائے، البتہ عارف اور باخبر لوگ تقدیر و تدبیر کو جمع کرتے اور ہر ایک کو اس کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْى إِلَيْهِ

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا

أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ

اپنے بھائی کو کہا تحقیق میں ہوں تیرا سو غمگین مت ہوں کاموں سے

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

جو انہوں نے کئے ہیں ☆

راز و نیاز کی باتیں

حضرت یوسفؑ نے بنیامین کے ساتھ ”ممتاز“ معاملہ کیا اور خلوت میں آہستہ سے آگاہ کر دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی (یوسف) ہوں۔ جو مظالم ان علاقائی بھائیوں نے ہم پر کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا۔ غلام بنا کر بیچا۔ اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا یا اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی سختی کی، ان باتوں سے غمگین مت ہو، وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہو جائیں اور سختیوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اس بھائی کو جو یوسفؑ نے آرزو سے بلایا اوروں کو حسد ہوا۔ اس سفر میں اس کو بات بات پر جھڑکتے اور طعنے دیتے۔ اب حضرت یوسفؑ نے تسلی کر دی“۔ (تفسیر عثمانی)

بنیامین کے ساتھ خصوصی معاملہ

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْى إِلَيْهِ
پاس پہنچے۔ تو کہا آپ نے جو بھائی کو لانے کا حکم دیا تھا ہم اس کو لے

تدبیریں کرنا تو کل اور شان انبیاء کے خلاف نہیں۔

چوتھے یہ کہ جب ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے بارہ میں کسی تکلیف کے پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کو آگاہ کر دے اور اندیشہ سے بچنے کی ممکن تدبیر بتلا دے جیسے یعقوب علیہ السلام نے کیا۔ پانچویں یہ کہ جب کسی شخص کو دوسرے شخص کا کوئی کمال یا نعمت تعجب انگیز معلوم ہو اور خطرہ ہو کہ اس کو نظر بد لگ جائے گی تو اس پر واجب ہے کہ اس کو دیکھ کر بارک اللہ یا ماشاء اللہ کہہ لے تاکہ دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چھٹے یہ کہ نظر بد سے بچنے کیلئے ہر ممکن تدبیر کرنا جائز ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی دعا اور تعویذ وغیرہ سے علاج کیا جائے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے دوڑوں کو کمزور دیکھ کر اس کی اجازت دی کہ تعویذ وغیرہ کے ذریعہ ان کا علاج کیا جائے۔

ساتویں یہ کہ دانشمند مسلمان کا کام یہ ہے کہ ہر کام میں اصل بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر رکھے، مگر ظاہری اور مادی اسباب کو بھی نظر انداز نہ کرے، جس قدر جائز اسباب اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس کے اختیار میں ہوں ان کو بروئے کار لانے میں کوتاہی نہ کرے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ

اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے ☆

یعنی مختلف دروازوں سے علیحدہ علیحدہ۔

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ

کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی

شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ

کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں

قَضَاهَا وَإِنَّ لَهُ لَدُونِهِ لِمَاعَلَمَةٌ

سو پوری کر چکا اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں ☆

کے بعد آپ نے ہر بھائی کو ایک ایک بار شتر غلہ دے دیا اور بنیامین کو بھی اس کے نام کا ایک اونٹ بھراناج دے دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِمِجَاهِزِهِمْ جَعَلَ

پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا

السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ آذَنَ

پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا

مُؤذِنًا أَيُّهَا الْعَيْرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾

پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو اللبتہ چور ہو ☆

سگے بھائی کی محبت کی مجبوری

یعنی جب یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کا غلہ لدوایا اور سامان سفر تیار کیا گیا تو ایک چاندی کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے اسباب میں بلا اطلاع رکھ دیا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہونے لگا محافظین کو پیالہ کی تلاش ہوئی۔ آخر ان کا شبہ اسی قافلہ پر گیا، قافلہ تھوڑی دور نکلا تھا کہ محافظین میں سے کسی نے آواز دی کہ ٹھہرو۔ تم لوگ یقیناً چور معلوم ہوتے ہو۔

تنبیہ: اگر یہ لفظ یوسف کے حکم سے کہے گئے تو یہ مطلب ہوگا کہ کوئی مال چراتا ہے تم وہ ہو جنہوں نے باپ کی چوری سے بھائی کو بیچ ڈالا۔ (تفسیر عثمانی) برتن کیسا تھا

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِمِجَاهِزِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ پھر جب ان کو سامان سفر دے کر تیار کر دیا تو پانی پینے کا کٹورا اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان میں رکھ دیا۔ یعنی خادموں کو حکم دے دیا کہ کٹورا بنیامین کے سامان میں چھپا دو۔ خادموں نے چھپا دیا۔

سقاۃ اور صواع دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ سقاۃ پانی پینے کا برتن جس میں بادشاہ پانی پیتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ برتن زبرجد کا تھا ابن اسحاق نے کہا چاندی کا تھا۔ کسی نے کہا سونے کا تھا۔ عکرمہ نے کہا چاندی کا تھا مگر مرصع تھا۔ غلے کے احترام میں حضرت یوسف نے اس کو غلہ ناپنے کا پیانہ مقرر کر دیا تھا اور اس میں آپ پانی بھی پیتے تھے۔ سدی نے کہا بھائی کے سامان میں وہ پیانہ پوشیدہ کر دیا اور بھائی کو بتایا بھی نہیں۔ اس کو معلوم ہی نہ ہوا۔ کعب نے کہا جب حضرت یوسف نے بنیامین سے کہا میں تمہارا بھائی ہوں تو بنیامین نے کہا اب

آئے حضرت یوسف نے کہا تم نے بہت اچھا کیا ٹھیک کیا اور تم کو عنقریب اس کا اچھا بدلہ ملے گا پھر آپ نے ان کو عزت اور آرام کے ساتھ ٹھہرایا اور ان کی مہمانی کی اور دسترخوان بچھوایا اور حکم دیا کہ (آمنے سامنے) دو دو بیٹھیں (یعنی دو دو شریک ہو جائیں حکم کی تعمیل کی گئی اور دو، دو بیٹھ گئے) بنیامین تمہارے گئے اور روپڑے اور کہنے لگے اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھالیتا حضرت یوسف نے فرمایا تمہارا یہ بھائی اکیلا رہ گیا ہے میں اس کو اپنے ساتھ بٹھالیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے بنیامین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھلایا۔ پھر رات ہوئی تو آپ نے بستر کرانے کا حکم دے دیا اور فرمایا دو دو بھائی ایک بستر پر ساتھ سو جائیں۔ بنیامین اس وقت بھی تمہارے گئے تو حضرت نے فرمایا یہ میرے ساتھ میرے بستر پر سو جائے گا۔ سوتے میں بنیامین کو یوسف چمٹا لیتے تھے اور ان کی خوشبو سونگھتے تھے صبح تک یونہی کرتے رہے۔ روئیل کہنے لگا (بھائیو) ہم نے تو کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں (کہاں بادشاہ مصر اور کہاں ہم اور ہم پر بادشاہ کی یہ مہربانی اور بنیامین پر یہ خصوصی عنایت) صبح کو حضرت یوسف نے بھائیوں سے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ (یہ شخص اکیلا ہے) اس کا کوئی دوسرا رفیق نہیں ہے اس لئے اس کو میں اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھوں گا اس کے بعد آپ نے ایک مکان میں قیام کرنے کا حکم دیا اور کھانا جاری کر دیا۔

أَوَى إِلَيْنَا أَخَاهُ اور اپنے ساتھ اپنے بھائی (بنیامین) کو جمع کر لیا۔ اور اپنے ہی ساتھ اس کو ٹھہرایا۔ جب محفل چھٹ گئی اور تنہائی کا وقت آیا تو بنیامین سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے بنیامین نے کہا، بنیامین، یوسف نے پوچھا بنیامین کا کیا معنی، بنیامین نے کہا مردہ کا بیٹا (وضع حمل کی حالت میں بنیامین کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا) حضرت یوسف نے کہا کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے مرحوم بھائی کی جگہ میں تمہارا بھائی بن جاؤں بنیامین نے کہا بادشاہ کی طرح بھائی کس کو نصیب ہے لیکن آپ یعقوب اور راحیل کے بیٹے نہیں ہیں یوسف یہ سن کر رو دیئے اور کھڑے ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ کہا میں (حقیقت میں) تمہارا بھائی ہوں۔ یعنی یوسف ہوں۔

فَلَا تَبْتِئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اب تم ان کی ان حرکات سے رنجیدہ نہ ہو جو (ہمارے ساتھ) یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ اللہ نے ہم پر اپنا کرم کر دیا جو اطلاع میں نے تم کو دی ہے اس کی خبر ان کو نہ دینا۔ اس

حیلہ اور توریہ کا مسئلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطال حق یا احقاق باطل کے لئے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لئے حضرات انبیاء سے توریہ کرنا ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم کا توریہ بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُوهُمْ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں توریہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کیلئے صحابہ کو توریہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے۔ حالانکہ توریہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ توریہ حیلہ قولی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا جیسا کہ كَذَلِكَ كَدَّبْنَا لِیُوسُفَ صِرَاطَہٗ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأِہٖ وَفُوقَ كُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلَیْہِمْ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفیع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا وَخُذْ بِبَیِّنَاتٍ صُغُرًا فَإِذَا ضَرَبْتَہَا وَلَا تَحْنَطْ یعنی اے ایوب! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے مار لو اور قسم نہ توڑو۔ یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا هَذَا اخْتِی یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کیلئے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔ (معارف کا دہلوی)

قَالُوا وَقَبُلُوا عَلَیْہِم مَّا ذَاتُفَقِدُونَ ①

کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ☆

یعنی ہم کو خواہ مخواہ چور کیوں بناتے ہو۔ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ بتلاؤ ہم ابھی کہیں گئے نہیں ہمارے اسباب میں تلاش کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

تو میں تم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تم واقف ہو کہ میری وجہ سے باپ پر کیسا غم پڑا تھا اب اگر میں تم کو روک لوں گا تو ان کا غم اور بڑھ جائے گا اور جب تک میں تم کو بدنام کر کے مشہور نہ کر دوں اور کسی نازیبا فعل کی تمہاری طرف نسبت نہ کر دوں اور ناروا حرکت کا مرتکب نہ قرار دے دوں اس وقت تک میں تم کو روک بھی نہیں سکتا (روکنے کا کوئی قانون نہیں اور جھوٹی وجہ جس قائم کرنے میں تمہاری بدنامی ہوگی) بنیامین نے کہا کچھ بھی ہو مجھے پروا نہیں جو بات آپ چاہیں کریں، میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت یوسف نے کہا تو میں اپنا ناپ تمہارے سامان میں پوشیدہ کرائے دیتا ہوں پھر تمہارے اوپر چوری کا الزام قائم کر دوں گا تاکہ تم کو چھوڑ دینے (اور روانہ کر دینے) کے بعد پھر تم کو لوٹا لینا میرے لئے ممکن ہو سکے بنیامین نے کہا آپ جو چاہے کریں۔

قافلے کی روانگی

ثُمَّ اذْنُ مُؤَدِّنِ اَيْتُهَا الْعِيْرُ اَنْكُمْ لَسَارِقُونَ

پھر ایک اعلیٰ نے پکارا اے قافلے والو! تم یقیناً چور ہو۔

اور واقعہ بھی اسی طرح ہوا تھا، قافلہ روانہ ہو گیا اور حضرت یوسف نے اتنی تاخیر کی کہ قافلہ ایک منزل پر پہنچ گیا یا گھروں کی آبادی سے نکل گیا پھر ان کے پیچھے آدمی دوڑا جس نے پیچھے سے پہنچ کر ندا دی۔ العیر لدے ہوئے اونٹ، مجازاً مراد اونٹوں والے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یا خیل اللہ ارکیو اے اللہ کے سوار و سوار ہو جاؤ۔ رواہ ابوداؤد من حدیث سمرۃ بن جندب (گھوڑوں کو خیل کہتے ہیں مگر حدیث میں گھوڑوں کے سوار مراد ہیں) آمد و رفت رکھنے کی وجہ سے اونٹوں کو عیر کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا۔ سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ اور بزبان حال یہ کہنے لگے،

آنچه می بنیم بہ بیداری است یارب یا خواب
خویشترین راد رچینس راحت پس از چندین عذاب
یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی۔ اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے۔

تھا کہ ہم چور نہیں۔ نہ چوری کا مال ہمارے پاس سے برآمد ہو سکتا ہے۔
اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وَعَاءِ آخِيهِ

پھر شروع کیس یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وَعَاءِ آخِيهِ ط

پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے ☆

پیالہ برآمد ہو گیا

یعنی اس گفتگو کے بعد محافظین ان کو ”عزیز مصر“ (یوسف علیہ السلام) کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا انہوں نے تفتیش کا حکم دیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی خرجیاں (زنبیلیں اور بیگ وغیرہ) دیکھے گئے، پیالہ برآمد نہ ہوا۔ اخیر میں بنیامین کے اسباب کی تلاشی ہوئی چنانچہ پیالہ اس میں سے نکل آیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وَعَاءِ آخِيهِ پس اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، یعنی بنیامین کے سامان کی تلاشی سے پہلے ایک ایک کر کے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی اور انہیں کی تلاشی سے آغاز کیا، تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی کسی کے سامان کو کھولتے اور اس کے تھیلے کے اندر دیکھتے تھے تو تہمت لگانے کے گناہ کے خوف سے استغفر اللہ کہتے تھے (کیونکہ جانتے تھے کہ میں تلاشی غلط لے رہا ہوں یہ شخص چور نہیں ہے) جب سب کی تلاشی ہو چکی اور صرف بنیامین رہ گیا تو خود ہی بولے میرے خیال میں اس نے نہیں لیا ہے (اس کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں) بھائیوں نے کہا خدا کی قسم جب تک اس کی بھی تلاشی نہ لی جائے گی ہم نہیں چھوڑیں گے، اس سے آپ کے دل کو بھی پورا اطمینان ہو جائے گا اور ہمارے دلوں کو بھی۔

بنیامین کو بھائیوں کی ملامت

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وَعَاءِ آخِيهِ ط آخر (بنیامین کا سامان کھولا اور)

اپنے بھائی (بنیامین) کے تھیلے سے پیالہ برآمد کر لیا۔ یہ دیکھ کر بھائیوں نے شرم کے مارے سر جھکا لیے اور بنیامین کی طرف رخ کر کے کہنے لگے تو نے یہ کیا حرکت کی ہمارے منہ کالے کر دیئے ہم کو رسوا کر دیا تو نے یہ لیا

قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ

بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیالہ اور جو کوئی اس کو لائے

جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۷۷

اس کو لے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن ☆

محافظین نے کہا، بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ یا غلہ نا پنے کا پیالہ گم ہو گیا ہے۔ اگر بدون حیل و حجت کے کوئی شخص حاضر کر دیا تو غلہ کا ایک اونٹ انعام پائیگا۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ فَاِجْتِنَا لِنُقْسِدَ

بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے

فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۷۸

ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے ☆

یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی کچھ شرارت کی؟ نہ ہم شرارتوں کے لئے یہاں آئے، اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ۷۹

بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم نکلے جھوٹے ☆

محافظین نے کہا کہ تم فضول جتیں کر رہے ہو۔ اگر مال مسروقہ تمہارے پاس سے برآمد ہو گیا تو کیا کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ

کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے

فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۸۰ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۸۰

وہی اس کے بدلے میں جائے ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو ☆

اس دور میں چور کی سزا

یہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا تھی۔ یعنی جس کے پاس سے چوری نکلے وہ ایک سال تک غلام ہو کر رہے۔ برادران یوسف نے اپنے قانون شرعی کے موافق بے تامل سزا کا ذکر کر دیا۔ کیونکہ انہیں پورا یقین

اللہ کی کار سازی

یعنی جسے چاہیں حکمت و تدبیر سکھلائیں۔ یا اپنی تدبیر لطیف سے سر بلند کریں۔ دیکھو وہ ہی لوگ جنہوں نے باپ کی چوری سے یوسف کو چند درہم میں بیچ ڈالا تھا۔ آج یوسف کے سامنے چوروں کی حیثیت میں کھڑے ہیں شاید اس طرح ان کی کچھلی غلطیوں کا کفارہ کرنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کے لئے یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیا گیا تو ہر بھائی کا غلہ ایک مستقل اونٹ پر علیحدہ علیحدہ نام بنام بار کیا گیا۔

نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأِهِ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

”یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، (جیسا اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام کے درجات ان کے بھائیوں کے مقابلہ میں بلند کر دیئے گئے) اور ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا موجود ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں ہم نے علم کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ پوری مخلوقات میں کوئی اس سے زیادہ علم نہیں رکھتا تو پھر رب العزت جل شانہ کا علم تو سب سے بالاتر ہے ہی۔

احکام و مسائل

آیات مذکورہ سے چند احکام و مسائل حاصل ہوئے:

اول: آیت **وَلَمَّا جَاءَهُ جُنْدٌ بَعِيرٌ** سے ثابت ہوا کہ کسی معین کام کے کرنے پر کوئی اجرت یا انجام مقرر کر کے اعلان عام کر دینا کہ جو شخص یہ کام کرے گا اس کو اس قدر انجام یا اجرت ملے گی، جیسے اشتہاری مجرموں کے گرفتار کرنے پر یا گمشدہ چیزوں کی واپسی پر اس طرح کے انعامی اعلانات کا عام طور پر رواج ہے، اگرچہ اس صورت معاملہ پر فقہی اجارہ کی تعریف صادق نہیں آتی مگر اس آیت کی رو سے اس کا بھی جواز ثابت ہو گیا۔ (قرطبی)

دوسرے آیت **رَفَعْنَا رُوحَهُ فِي مَقَامِنَا** سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے حق مالی کا ضامن بن سکتا ہے اور اس صورت کا حکم جمہور فقہائے امت کے نزدیک یہ ہے کہ صاحب حق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ

کب۔ اے اولاد را حیل تمہارے ہاتھوں ہمیشہ ہم پر مصیبت ہی آئی ہے، بنیامین نے کہا اولاد را حیل کو ہمیشہ تمہارے ہاتھوں مصائب اٹھانے پڑے ہیں تم نے ہی میرے بھائی کو لے جا کر جنگل میں ہلاک کیا (رہا یہ معاملہ تو) یہ پیمانہ اسی نے میرے سامان میں رکھا جس نے تمہارے سامانوں میں تمہارا سرمایہ رکھا تھا۔ غرض (بنیامین) غلامی میں پکڑ لیا گیا اسی آدمی (یعنی تلاشی لینے والے) نے بنیامین کی گردن پکڑ کر یوسف کے روبرو پیش کر دیا جیسے چوروں کو لے جایا جاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَلِكَ كَدْنَا لِيُوسُفَ ط

یوں داؤ بتادیا ہم نے یوسف کو ☆

یا یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ

وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں

الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط

اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ☆

یہ تدبیر اللہ نے کی

یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے غلام بنا لو۔ اس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ نہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اقرار میں بندہ جائیں تو ملکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو روک لینے کی نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے اس جگہ دین کا ترجمہ کیا سلطان (عملداری) اور قنادر نے کہا حکم (اور قانون)

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هَا لَكَ اللَّهُ مَنظُورٌ هُوَ تَوَدُّهُ اسْ حَكْمُ كَوْبَادِ شَاهِ كَا حَكْمُ كَرَسَكْتَا تَهَا (استثنا منقطع ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک چور کی سزا کیا ہونی چاہیے تو اللہ نے ان سے کہلوادیا کہ چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کو مالک مال کا غلام بن جانا ہوگا اس طرح بمشیت الہی حضرت یوسف کا مقصد حاصل ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأِهِ ط

ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں ☆

یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے۔ یوسف کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں ادھر مدت کے پچھڑے ہوئے دو عینی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسف کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاقہ بھائیوں پھر عینی بھائی پھر والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادران یوسف سے جو غلطیاں ہوئی تھیں کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفو و رحم کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہونگی جن کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو تھوڑا سا ”توریہ“ کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں صورتیں ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لئے اپنے بھائی کے پاس عزت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلحہ بعض ایسے الفاظ بیشک استعمال کئے جن کے معنی متبادر مراد نہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

علمی برتری

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اور ہر جاننے والے سے اوپر دوسرا جاننے والا ہے یعنی ہر ذی علم مخلوق سے زیادہ اللہ علیم ہے۔ علیم کا معنی ہے بہت زیادہ علم رکھنے والا (مراد اللہ) یا ہر ذی علم مخلوق سے اوپر دوسری ذی علم مخلوق ہے۔ خواہ یہ فوقیت علمی بعض لحاظ سے ہو جیسے حضرت خضر کو بعض اعتبار سے حضرت موسیٰ پر علمی فوقیت حاصل تھی (اگرچہ حضرت موسیٰ نبی مرسل ہونے کی وجہ سے صاحب شریعت تھے اور حضرت خضر پر علمی برتری رکھتے تھے مگر بعض کائناتی واقعات کا انکشاف حضرت خضر کو تھا حضرت موسیٰ کو نہ تھا) اسی بناء پر حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا موسیٰ جو علم مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے تم ناواقف ہو اور جو علم تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ یہ حدیث بخاری نے حضرت خضر و موسیٰ کے طویل قصہ کے ذیل میں نقل کی ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم اپنی دنیا کے کاموں کو (خود ہی) مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص ہر اعتبار سے اور ہر حیثیت سے دوسرے سے برتر ہے ورنہ تسلسل علمی لازم آئے گا (اگر علم کی انتہا اللہ کی ذات پر نہ مانی جائے اور یونہی مخلوق میں باہم علمی برتری اور کامل برتری کا سلسلہ قائم کیا جائے تو یہ برتری کہیں جا کر نہیں ٹھہرے گی۔ علمی تسلسل کا یہی معنی ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا

اپنا مال اصل مدیون سے یا ضامن سے جس سے بھی چاہے وصول کر سکتا ہے ہاں اگر ضامن سے وصول کیا گیا تو ضامن کو حق ہوگا کہ جس قدر مال اس سے لیا گیا ہے وہ اصل مدیون سے وصول کرے۔ (قرطبی خلافا لمانک)

تیسرے كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل جائیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں حیلہ شرعیہ کہا جاتا ہے یہ شرعاً جائز ہے شرط یہ ہے کہ اس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ آتا ہو ورنہ ایسے حیلے باتفاق فقہاء حرام ہیں جیسے زکوٰۃ سے بچنے کیلئے کوئی حیلہ کرنا یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اس لئے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے یہ باتفاق حرام ہے ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذاب الہی آیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے اور باتفاق امت حرام ہیں، ان پر عمل کرنے سے کوئی کام جائز نہیں ہو جاتا بلکہ دہرا گناہ لازم آتا ہے ایک تو اصل ناجائز کام کا دوسرے یہ ناجائز حیلہ جو ایک حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ چالبازی کا مرادف ہے اسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاری نے کتاب الحیل میں ثابت کیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا ☆

یعنی دنیا میں ایک آدمی سے زیادہ دوسرا، دوسرے سے زیادہ تیسرا جاننے والا ہے مگر سب جاننے والوں کے اوپر ایک جاننے والا اور ہے جسے ”عالم الغیب والشہادہ“ کہتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے خلاف واقعہ کچھ نہیں کہا

تنبیہ:- واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی زیادہ سے زیادہ انہوں نے ”توریہ“ کیا ”توریہ“ کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ ”توریہ“ کسی نیک اور محمود مقصد کے لئے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم و قبیح غرض کیلئے ہو تو وہ ”توریہ“ نہیں دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ

یوسف علیہ السلام کی پرورش

محمد بن اسحاق نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت یوسف کی والدہ راحیل کا انتقال ہو گیا تو آپ اپنی پھوپھی بنت اسحاق کے پاس رہنے لگے پھوپھی کو آپ سے بڑی محبت تھی اور پھوپھی نے ہی آپ کو پرورش کیا جب آپ بڑے ہو گئے حضرت یعقوب کو آپ سے حد سے زیادہ محبت ہو گئی اور آپ نے اپنی بہن سے کہا بہن اب تم یوسف کو مجھے دیدو۔ خدا کی قسم یوسف کا ایک ساعت بھی میری نظر سے غائب ہونا میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے، بہن نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا حضرت یعقوب نے فرمایا میں اس کو چھوڑنے والا نہیں۔ بہن نے کہا اچھا تو چند روز کے لئے میرے پاس رہنے دو۔ شاید چند روز کے بعد اللہ مجھے اس کی طرف سے صبر عطا کر دے حضرت یعقوب نے یہ بات مان لی حضرت اسحاق کی کمر کا ایک پٹکا تھا اور بطور وراثت بڑی اولاد کو ملتا تھا حضرت یعقوب کی بہن آپ سے بڑی تھیں اس لئے وہ پٹکا بہن کو ملتا تھا اور ان کے پاس تھا۔ بہن نے یہی پٹکا حضرت یوسف کی کمر سے (کپڑوں کے اندر) لپیٹ دیا۔ پھر خود ہی کہا حضرت اسحاق کا پٹکا گم ہو گیا ہے۔ گھر والوں کی تلاشی لی جائے گی، چنانچہ سب کی تلاشی لی گئی تو حضرت یوسف کے پاس برآمد ہو گیا، حضرت یعقوب کی بہن نے کہا اب تو یہ میری سپردگی میں رہے گا، حضرت یعقوب نے فرمایا اس نے اگر ایسا کیا ہے تو تمہاری ہی سپردگی میں رہے گا۔ (حضرت اسحاق کی شریعت میں چور کا مالک مال والا ہو جاتا تھا) غرض اس تدبیر سے حضرت یعقوب کی بہن نے حضرت یوسف کے مرتے دم تک اپنے پاس روکے رکھا۔ یہی بات آپ کے بھائیوں نے آپ کے متعلق کہی

إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ (تفسیر مظہری)

فَأَسْرَهَا يَوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ

تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور

يُبْدِيهَا لِمَنْ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانٍ

ان کو نہ بتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ☆

ہر عالم کے اوپر دوسرا عالم ہے اور یہ سلسلہ اللہ کی ذات پر جا کر ختم ہوتا ہے پس اللہ ہر عالم سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ

کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی

لَهُ مِنْ قَبْلُ

نے بھی اس سے پہلے ☆

بھائیوں نے اپنا دامن صاف کر دکھایا

یہ اشارہ یوسف علیہ السلام کی طرف تھا۔ اپنی پاکبازی جتانے کے لئے محض ناحق کوشی اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کر دیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسف معصوم پر جھوٹی تہمت لگانے سے نہ شرمائے مفسرین نے اس موقع پر کئی قصے بیان کئے ہیں جن کی طرف برادران یوسف نے چوری کے لفظ میں اشارہ کیا تھا۔ ان کے نقل کی یہاں حاجت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ برادران یوسف نے کہا اگر یہ (بنیامین) چوری کرتا ہے تو (کوئی تعجب نہیں) اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یعنی یوسف نے بھی چوری کی تھی جو اس کا ماں جایا تھا۔

یوسف علیہ السلام نے بت توڑا تھا

سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا حضرت یوسف کے نانا کا ایک بت تھا وہ اس کی پوجا کرتا تھا حضرت یوسف نے خفیہ طور پر اس کو لے لیا اور توڑ کر راستہ میں پھینک دیا تاکہ نانا اس کی پوجا نہ کر سکے۔ کذا اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس مرفوعاً۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی اسی طرح یہ حدیث نقل کی ہے۔

سخی گھرانہ

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے بیان کیا ایک روز ایک سائل آیا حضرت یوسف دسترخوان سے (چھپا کر) کچھ کھانا اٹھا لیتے تھے اور فقیروں کو دیدیتے تھے اس روز بھی ایسا ہی کیا۔

میں کہتا ہوں حضرت یوسف سخی گھرانے کے ایک فرد تھے اور فقیروں کو دینے پر حضرت یعقوب راضی تھے اس لیے یہ چوری نہ تھی بھائیوں نے یوسف کی جلن کی وجہ سے اس کو چوری کہا۔

فرمایا (یعقوبؑ کے تخم کا تخم کیا) یعقوب کا بیٹا موجود ہے۔ اس روایت میں آیا ہے کہ رونیل کو دوبارہ غصہ آیا تو حضرت یوسفؑ نے اس کے ایک ٹھوکری اور گریبان سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور فرمایا عبرانیو! تم گمان کرتے ہو کہ تم سے زیادہ طاقت ور (دنیا میں) کوئی اور نہیں ہے جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا اور بھائی سمجھ گئے کہ بنیامین کو کسی طرح چھڑا نہیں سکتے تو عاجزی کرنے لگے اور نرم پڑ گئے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ آبَاءً شَيْخًا

کہنے لگے اے عزیز اس کا باپ ہے بوزھا

كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدًا مِمَّا مَكَانَهُ إِنَّا

بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم

نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۸﴾

دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا ☆

بھائیوں کی منت سماجت

یعنی بوڑھے باپ کو بڑا صدمہ پہنچے گا، وہ ہم سب سے زیادہ اس کو اور اس کے بھائی یوسف کو چاہتے تھے۔ یوسف کے بعد اب اسی سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ آپ اگر اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ ہمیشہ مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں۔ امید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا

بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر

مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ آلَا

جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز ☆

یوسف علیہ السلام نے کہا ہم بے انصافی نہیں کر سکتے یعنی خدا کی پناہ میں رکھے، کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلے میں پکڑنے لگیں، ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے، جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ (وہ بنیامین ہے جو عینی بھائی ہو نیکی حیثیت سے ہمارے پاس رہیگا) یہاں بھی إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ کی جگہ "الَا من

یوسف علیہ السلام کا حوصلہ یعنی ایسا سخت لفظ سن کر بھی یوسفؑ بے قابو نہیں ہوئے، کیونکہ مصلحت خداوندی افشائے راز کو مقتضی نہ تھی یوسفؑ نے بات کو دل میں رکھا۔ جواب دیکر ان کے اتہام کی حقیقت نہ کھولی۔ اپنے جی میں کہا اِنَّكُمْ تَشْرُكُنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ یعنی انا چور کو تو ال کو ڈانٹے، مجھے چور بناتے ہو؟ حالانکہ تم نے ایسی چوری کی کہ بھائی کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا۔ باقی میری چوری کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ بعض مفسرین نے قَالَ اِنَّكُمْ تَشْرُكُنَا اِلٰحَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ یوسفؑ نے ان کو خطاب کر کے کہا کہ تم بڑے ہی بدترین لوگ ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے "وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ" ہم چوروں میں سے نہیں۔ جب ایک بھائی کے اسباب میں سے مال برآمد ہوا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے گویا چوری کرنا تمہارا خاندانی پیشہ ہے (العیاذ باللہ) خدا خوب جانتا ہے کہ تم اپنے بیان میں کہاں تک سچے ہو۔ وہ ہی تم کو غلط بیانیوں کی سزا دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

رونیل کا غصہ

جب حضرت یوسف نے بنیامین پر قبضہ کر لیا تو بھائی غضبناک ہو گئے۔ اولاد یعقوب کو غصہ آتا تھا تو ان کے غصہ کو برداشت کرنے کی تاب کسی میں نہیں رہتی تھی۔ رونیل کی تو یہ حالت تھی کہ اس کے غصہ کے سامنے کوئی چیز ٹھہری نہیں رہتی تھی جب وہ غصہ سے چیختا تھا تو حاملہ عورتوں کے حمل دہشت کی وجہ سے گر جاتے تھے لیکن یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ غصہ کی حالت میں اگر نسل یعقوب میں سے کوئی شخص ان کے ہاتھ سے چھو دیتا تھا تو غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ خصوصیت اور حالت شمعون کی تھی۔

غرض سب بھائی یوسف کے پاس پہنچے رونیل نے کہا یا تو ہمارے بھائی کو واپس دو ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ مصر کی ہر حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا غصہ سے رونیل کے بدن کے بال کھڑے ہو گئے اور کپڑوں سے باہر نکل آئے حضرت یوسف کا ایک چھوٹا بچہ تھا آپ نے بچے سے فرمایا: رونیل کے برابر جا کر اس کو ہاتھ سے چھو دو، دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ نے بچے سے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ بچے نے جا کر رونیل کو ہاتھ لگا دیا۔ بچے کا ہاتھ لگانا تھا کہ رونیل کا غصہ جاتا رہا، کہنے لگا یہاں یعقوبؑ کے تخم کا کوئی تخم ضرور موجود ہے۔ حضرت یوسف نے

سرق“ نہیں فرمایا جو مختصر تھا۔ کیونکہ واقع کے خلاف ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)
یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے یہ جیلہ بتلایا

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک برفرق قناعت بعد ازیں
وحی کا اتباع ضروری ہے

اس لئے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا۔ نبی پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو۔ اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں۔

اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا۔ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لئے ایسی شہادت اور دلیل چاہیے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لئے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو جب چور کو سزا دی جاسکتی ہے۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا۔ میرا چارہ کار صبر جمیل ہے اب مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسف کو۔ بنیامین کو اور اس

تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے۔ اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ عمر کے بعد یسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسف ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسف کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسف کے رویائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔ (معارف کا ندھلوی)

إِنَّا إِذَا الظَّالِمُونَ

تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے ☆

یعنی مجرم کے بدلہ میں بے قصور کو پکڑیں تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہریں گے۔

فَلَمَّا اسْتَأْذِنُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا

پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو

قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ آبَاءَكُمْ

بولان میں کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ

قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْتِقًا مِنَ اللَّهِ

نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ

اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي

سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو

أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ

باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے

خَيْرُ الْحَاكِمِينَ

سب سے بہتر چکانے والا ☆

حضرت یعقوب اور آپ کی اولاد کا چور کے متعلق شرعی فیصلہ یہی ہوتا تھا۔
وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ اور غیب کی باتوں کے تو ہم حافظ تھے
نہیں (یایہ ترجمہ ہے کہ باطنی احوال کے تو ہم نگران تھے نہیں) حضرت
ابن عباس نے ترجمہ کیا ہم رات دن اس کے اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے
کے تو نگران تھے نہیں ممکن ہے رات کو اس کے سامان میں پیانہ
چھپا دیا گیا ہو (اور واقع میں اس نے نہ چرایا ہو) مجاہد اور قتادہ نے یوں
مطلب بیان کیا کہ جب قسم کھا کر ہم نے عہد کیا تھا تو ہم کو معلوم نہ تھا
کہ آپ کا بیٹا آئندہ چوری کرے گا (اور پکڑا جائے گا) اور آپ پر ویسی
ہی پتلا پڑے گی، جیسی یوسف کی پڑی تھی ہم نے جو اس کی حفاظت
کا وعدہ کیا تھا وہ انہی چیزوں سے کیا تھا جن سے حفاظت ممکن تھی۔

وَسئَلُ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا اور اس بستی سے جہاں ہم تھے آپ
دریافت کر لیں۔ قریہ سے مراد ہے مصر۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا
مصر کا وہ گاؤں مراد ہے جہاں منادی نے آکر روکا تھا اور اسی جگہ سے
ان کو مصر واپس لوٹا پڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

معارف و مسائل

ان سے پہلی آیات میں مذکور تھا کہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے حقیقی
بھائی بنیامین کے سامان میں ایک شاہی برتن چھپا کر اور پھر ان کے سامان
سے تدبیر کے ساتھ برآمد کر کے ان پر چوری کا جرم عائد کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں یہ ہے کہ جب برادران
یوسف کے سامنے بنیامین کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو گیا
اور شرم سے ان کی آنکھیں جھک گئیں تو جھنجھلا کر کہنے لگے:
إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ،

مسئلہ: وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا سے ثابت ہوا کہ انسان جب
کسی سے کوئی معاملہ اور معاہدہ کرتا ہے تو وہ ظاہری حالات ہی پر محمول
ہوتا ہے ایسی چیزوں پر حاوی نہیں ہوتا جو کسی کے علم میں نہیں، برادران
یوسف نے والد سے جو بھائی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا وہ اپنے اختیاری
امور کے متعلق تھا اور یہ معاملہ کہ ان پر چوری کا الزام آ گیا اور اس میں
پکڑے گئے اس سے معاہدہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

دوسرا مسئلہ: تفسیر قرطبی میں اس آیت سے یہ نکالا گیا ہے کہ اس
جملہ سے ثابت ہوا کہ شہادت کا مدار علم پر ہے علم خواہ کسی طریق سے حاصل
ہو، اس کے مطابق شہادت دی جاسکتی ہے۔ اس لئے کسی واقعہ کی شہادت

بڑے بھائی نے جانے سے انکار کر دیا

جب حضرت یوسف کا جواب سن کر مایوس ہو گئے تو مجمع سے ہٹ کر
آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اکثروں کی رائے ہوئی کہ وطن واپس
جانا چاہیے۔ ان میں جو عمر یا عقل وغیرہ کے اعتبار سے بڑا تھا اس نے کہا
کہ باپ کے سامنے ہم کیا منہ لے کر جائینگے، جو عہد ہم سے لیا تھا اس کا
کیا جواب دیں گے۔ ایک تفسیر تو پہلے یوسف کے معاملہ میں کر چکے ہیں
جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اب بنیامین کو چھوڑ کر سب
کا چلا جانا سخت بے حمیتی ہوگی۔ سو واضح رہے کہ بندہ تو کسی حال یہاں
سے نکلنے والا نہیں۔ الایہ کہ خود والد بزرگوار مجھ کو یہاں سے چلے جانے
کا حکم دیں یا اس درمیان میں قدرت کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے۔
مثلاً تقدیر سے میں یہیں مرجاؤں یا کسی تدبیر سے بنیامین کو چھڑا لوں۔

تنبیہ:- یہ کہنے والا غالباً وہ ہی بھائی تھا جس نے یوسف علیہ السلام
کے معاملہ میں بھی نرم مشورہ دیا تھا لا تَقْتُلُوا يُوسُفَ۔ (تفسیر عثمانی)

ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا

پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ

إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا

تیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے وہی کہا

بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿۱۰﴾

تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا ☆

تم جا کر ابا کو اطلاع دو

یعنی مجھے چھوڑ دو اور تم سب جا کر باپ سے عرض کرو کہ ایسا واقعہ
پیش آیا، جس کی کوئی توقع نہ تھی، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی
تم کو قول دیا تھا اپنی دانست پر۔ یہ کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر کے پکڑا
جائیگا۔ یا ہم نے چور کو پکڑ رکھنا بتایا اپنے دین کے موافق۔ یہ نہ معلوم تھا
کہ ”بھائی چور ہے“۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا کہ حضرت یعقوب نے ان سے فرمایا عزیز مصر
کو تو معلوم نہ تھا کہ چور کو چوری کی سزا میں غلام بنا لیا جاتا ہے یہ بات اس
کو تمہارے قول سے معلوم ہوئی اس کے جواب میں بیٹوں نے کہا ہم نے
تو عزیز مصر سے وہی بات کہی جو ہم کو (اپنے مذہب سے) معلوم تھی۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ

بولا کوئی نہیں بنال ہے تمہارے جی نے

أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ

ایک بات اب صبری بہتر ہے شاید اللہ لے

يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ

آئے میرے پاس ان سب کو وہی ہے

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾

خبردار حکمتوں والا ☆

یعقوب علیہ السلام کا صبر و توکل

پہلی بار کی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا اعتبار نہ کیا۔ لیکن نبی کا کلام جھوٹ نہیں۔ بیٹوں کی بنائی بات تھی۔ حضرت یوسفؑ بھی بیٹے تھے۔ کذابی الموضح۔ گویا ”لکم“ کا خطاب جنس انباء کی طرف ہوا۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم یہاں سے حفاظت کے کیسے وعدے کر کے اصرار کے ساتھ لے گئے وہاں پہنچ کر اتنا بھی نہ کہا کہ اس کے اسباب میں سے پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگئی، شاید کسی اور نے چھپا دیا ہو۔ مدافعت تو کیا کرتے یہ کہہ کر کہ پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اس کے جرم کو پختہ کر دیا۔ تمہارے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے اب باتیں بنانے کیلئے آئے ہو۔ بہر حال میں تو اس پر بھی صبر ہی کرونگا کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤنگا۔ خدا کی قدرت و رحمت سے کیا بعید ہے کہ یوسفؑ، بنیامین اور وہ بھائی جو بنیامین کی وجہ سے رہ گیا ہے سب کو میرے پاس جمع کر دے وہ سب کے احوال سے خبردار ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی حکمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے یاس انگیز احوال اور مرددھور کے بعد بھی انبیاء کے قلوب مایوس نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا کی رحمت واسعہ پر اعتماد کرتے اور الطاف و عن کے امیدوار رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جس طرح اس کو پچشم خود دیکھ کر دی جاسکتی ہے اسی طرح کسی معتبر ثقہ سے سن کر بھی دی جاسکتی ہے شرط یہ ہے کہ اصل معاملہ کو چھپائے نہیں، بیان کر دے کہ یہ واقعہ خود نہیں دیکھا فلاں ثقہ آدمی سے سنا ہے اسی اصول کی بناء پر فقہاء مالکیہ نے نابینا کی شہادت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ: آیات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص حق اور راستی پر ہے مگر موقع ایسا ہے کہ دیکھنے والوں کو ناحق یا گناہ کا شبہ ہو سکتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس اشتباہ کو دور کر دے، تاکہ دیکھنے والے بدگمانی کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں، جیسے اس واقعہ بنیامین میں پچھلے واقعہ یوسف علیہ السلام کی بناء پر موقع تہمت اور شبہ کا پیدا ہو گیا تھا، اس لئے اس کی صفائی کے لئے اہل بستی کی گواہی اور قافلہ والوں کی گواہی پیش کی گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کے ساتھ مسجد سے ایک کوچہ میں تشریف لے جا رہے تھے تو اس کوچہ کے سرے پر دو شخص نظر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے فرما دیا کہ میرے ساتھ صفیہ بنت حبی ہیں، ان دو حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کے بارے میں کسی کو کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں شیطان انسان کی رگ رگ میں سرایت کرتا ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل میں شبہ ڈال دے (بخاری، مسلم) (معارف مفتی اعظم)

وَسُئِلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كَتَبْنَا فِيهَا وَالْعَيْدِ

اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے

الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۰۱﴾

جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں ☆

بستی والوں سے پوچھ لو

یعنی آپ معتبر آدمی بھیج کر اس بستی والوں سے تحقیق کر لیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ نیز دوسرے قافلہ والوں سے دریافت فرمائیں جو ہمارے ساتھ رہے اور واپس آئے ہیں آپ کو ثابت ہو جائیگا کہ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي

اور الٹا پھر ان کے پاس سے اور بولا اے افسوس

عَلَى يُوسُفَ

یوسف پر ☆

یعقوب علیہ السلام کا غم

نیاز خُم کھا کر پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ بے اختیار پکار اٹھے
 وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ (ہائے افسوس یوسف) (تفسیر عثمانی)
 وقال یاسفی علی یوسف اور افسوس و حسرت سے کہنے لگے ہائے
 یوسف۔ اسف کا معنی ہے انتہائی حزن و اندوہ۔ اسف اصل میں اسفی
 بیاء متکلم تھا۔ عبدالرزاق اور ابن جریر موقوفاً سعید بن جبیر کا قول نقل کیا
 ہے کہ سوائے امت محمدیہ کے کسی اور امت کو مصیبت کے وقت
 اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ کہنے کی تعلیم نہیں دی گئی۔ حضرت
 یعقوب پر بھی پتا پڑی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ
 نہیں کہا بلکہ حسرت و افسوس کا اظہار کیا۔ یہی نے بھی یہ روایت شعب
 الایمان میں نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ضعیف سند میں بوساطت
 حضرت ابن عباس اس کو مرفوعاً بیان کیا گیا ہے۔ ثعلبی نے سعید بن جبیر
 کے طریق سے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔

قنادہ نے کہا حضرت یعقوب کے سینے میں غم گھومتا تھا مگر زبان
 سے کلمہ خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے۔ حسن نے کہا جس روز سے یوسف
 باپ کی گود سے جدا ہوئے اس روز سے یوم ملاقات تک اسی سال
 گذر گئے اور اس مدت میں یعقوب کا آنسو خشک نہیں ہوا باوجودیکہ
 آپ کے زمانے میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ اللہ کے نزدیک
 کسی کی عزت نہ تھی اور اللہ کو آپ سے زیادہ پیارا کوئی نہ تھا۔

افسوس کا اظہار

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ مصیبت پر رونا اور اظہار افسوس کرنا
 جائز ہے بشرطیکہ اس میں نوحہ اور اس جیسی کوئی دوسری چیز شامل نہ ہو۔
 منہ پیننا، گریبان پھاڑنا وغیرہ بھی نوحہ کی صف میں آتا ہے۔ جو ناجائز
 ہے، ہاں غم و اندوہ اور افسوس و حسرت کا اظہار غیر اختیاری چیز ہے
 اور غیر اختیاری چیز سے بچنے کا آدمی مکلف نہیں۔

صاحبزادہ ابراہیم کی وفات

صحیحین میں حضرت انس کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سکران کی حالت میں تھے حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے
 لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی
 اللہ علیہ وسلم اور آپ (رورہے ہیں) فرمایا اے ابن عوف یہ دل کی
 رقت ہے۔ اس کے بعد ایک اور حالت ہوئی تو فرمایا آنکھ روتی ہے دل
 غمزہ ہے اور ہم (زبان سے) کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے
 ہمارا رب ناراض ہو اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو

صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے مذکور ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نواسے کی نزع کی حالت تھی خراٹا
 شروع ہو گیا تھا اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے اور یہ
 حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
 حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ دل کی
 رقت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے اللہ اپنے
 رحم دل بندوں پر بھی رحم فرماتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ آنکھ سے رونے اور دل سے غمگین ہونے
 پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے گویا رحم فرما دیتا ہے
 (یعنی معاف کر دیتا ہے) اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان
 کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میت کو عذاب دیا جاتا ہے اس پر اس کے
 گھر والوں کے رونے کی وجہ سے۔

یوسف از شمشہ جمال او خوشہ چیں شد قسم بحال او
 دل از عشق محمد ریش دارم رقابت با خدائے خویش دارم

گریبان پھاڑنا

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رخسار پیٹے گریبان پھاڑے
 اور جاہلیت کی ایسی پکار مچائے وہ ہم سے (متعلق) نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی

فہرستِ کتب

سودہ آپ کو گھونٹ رہا تھا ☆

انبیاء کی آزمائش

حدیث میں ہے ”نحن معاشر الانبیاء اشد بلاء ثم الامثل فالامثل“۔ یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ پھر امتحان کی اقسام ہیں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف کی فوق العادت محبت ڈال دی پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خاندان ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا، ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا غمزہ اور زخم خوردہ یعقوب کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھالیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، غم کی بات منہ سے نہ نکلتی۔ ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ ان کا دل جتنا یوسف کے فراق میں روتا تھا، اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑگڑاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی۔ بے تابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا، دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے زبان سے اف نہ نکالتے، بنیامین کی جدائی سے جب پرانے زخم میں نیا چرک لگا تو اس وقت بے اختیار ”یا سغی علی یوسف“ صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحب ”ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے“۔ (تفسیر عثمانی)

یعقوب علیہ السلام کی محبت

بلاشبہ دنیا اور متاع دنیا کی محبت مذموم ہے قرآن و حدیث کی نصوص بے شمار اس پر شاہد ہیں، مگر دنیا میں جو چیزیں آخرت سے متعلق ہیں ان کی محبت درحقیقت آخرت ہی کی محبت میں داخل ہے یوسف علیہ السلام کے کمالات صرف حسن صورت ہی نہیں بلکہ پیغمبرانہ عفت اور حسن سیرت بھی ہیں۔ اس مجموعہ کی وجہ سے ان کی محبت کسی دنیاوی سامان کی محبت نہ تھی، بلکہ درحقیقت آخرت ہی کی محبت تھی۔ انتہی۔ (معارف مفتی صاحب)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیزار ہوں اس شخص سے جو موٹن کرانے منہ، پیٹے اور کپڑے پھاڑے۔ (تفسیر مظہری)

وَ اَبْيَضَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ

اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی غم سے ☆

یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے

یعنی بے رونق یا بے نور ہو گئیں، علی اختلاف القولین۔ (تفسیر عثمانی) فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نور بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ و زاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے دردیست دریں سینہ کہ کفتم نتوانم دیں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم بیٹوں کی طرف سے تسلی

بیٹوں نے جب باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یوسف کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسف ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسف مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔ (معارف کا ندھلوی)

اندر حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور پوچھا صدیق کیا آپ نے مجھے پہچانا۔ حضرت یوسف نے فرمایا میں ایک پاک صورت دیکھ رہا ہوں اور پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت جبریلؑ نے فرمایا میں روح الامین ہوں، رب العالمین کا قاصد ہوں حضرت یوسف نے فرمایا آپ تو سب سے بڑھ کر پاکیزہ، مقربین کے سردار اور رب العالمین کے امین ہیں اور یہ گناہگاروں کے داخل ہونے کی جگہ ہے یہاں آپ کے آنے کا کیا سبب ہے حضرت جبریلؑ نے فرمایا: یوسف کیا آپ واقف نہیں کہ انبیاء کی پاکی کی وجہ سے اللہ (ناپاک) گھروں کو پاک کر دیتا ہے اور جس زمین میں پیغمبر داخل ہوتے ہیں وہ ہرزین سے زیادہ پاک ہو جاتی ہے۔ اے اطہر الظاہرین اور اے منتخب نیک بندوں کی اولاد آپ کی وجہ سے اللہ نے قید خانہ کو اور اس کے ماحول کو پاک کر دیا۔ حضرت یوسف نے فرمایا آپ نے مجھے صدیق کے نام سے کیوں پکارا اور منتخب پاک لوگوں میں میرا شمار کیوں کیا، مجھے تو گناہگاروں کے مقام میں داخل کیا گیا ہے اور بدچلن لوگوں کے ناموں میں میرا نام بھی شامل کر دیا گیا ہے حضرت جبریلؑ نے فرمایا اللہ نے آپ کا نام صدیقیوں میں شامل کیا مخلص منتخب بندوں میں آپ کا شمار کیا اور آپ کے صالح اسلاف کی فہرست میں آپ کو بھی داخل کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل کو فتنہ میں نہ پڑنے دیا اور اپنی مالکہ کے کہے کو نہیں مانا حضرت یوسف نے پوچھا روح الامین کیا آپ کو یعقوب کی بھی کوئی اطلاع ہے حضرت جبریلؑ نے فرمایا جی ہاں اللہ نے ان کو صبر جمیل عطا فرمایا وہ آپ کے غم میں مبتلا ہوئے اور غم سے جی ہی جی میں گھٹتے رہے حضرت یوسف نے پوچھا ان کے غم کا کچھ اندازہ بھی ہے حضرت جبریلؑ نے فرمایا ان ستر عورتوں کے غم کے برابر جن کے بچے مر گئے ہوں حضرت یوسف نے فرمایا جبریلؑ پھر ان کو اس کا اجر کس قدر ملے گا حضرت جبریلؑ نے فرمایا سوشہیدوں کے برابر حضرت یوسف نے فرمایا کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ میری ان سے ملاقات بھی (کبھی) ہوگی حضرت جبریلؑ نے جواب دیا جی ہاں یہ سن کر حضرت یوسف کا دل خوش ہو گیا اور فرمایا جو کچھ مجھے پیش آیا اس کی مجھے کوئی پروا نہیں اگر میں یعقوب کو دیکھ لوں۔

وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ یعنی اللہ کی حکمت و رحمت کو جتنا میں جانتا ہوں کہ وہ پکارنے والے کو نامراد نہیں چھوڑتا اور جو بیقراری کے ساتھ اس کی

قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُونَ تَذَكَّرْ يَوْسُفَ

کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو

حَتَّى تَكُونَ حَرَصًا أَوْ تَكُونَ

جب تک کہ گھل جائے یا ہو

مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا

جائے مردہ بولا میں تو کھولتا ہوں

بِثَنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ

اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کہ

اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾

طرف سے جو تم نہیں جانتے ☆

یعقوب علیہ السلام کو تسلی

مصحح القرآن میں ہے۔ یعنی کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے؟ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد کی شکایت کرے۔ میں تو اسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (یوسف زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا) یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت یعقوب کے پاس ان کا ایک ہمسایہ آیا اور اس نے کہا یعقوب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی صحت بدن تباہ ہو گئی اور آپ فنا ہو چکے حالانکہ اپنے باپ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں فرمایا یوسف کے غم میں جو اللہ نے مجھے مبتلا کر دیا اس سے میری قوت ٹوٹ گئی اور اسی نے مجھے فنا کر دیا۔ اللہ نے یعقوب کے پاس وحی بھیجی یعقوب تو میرا شکوہ میری مخلوق سے کرتا ہے۔ یعقوب نے کہا اے میرے رب مجھ سے خطا ہو گئی تو میری خطا معاف فرمادے۔ اللہ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا اس کے بعد حضرت یعقوب سے جب کیفیت اور حالت پوچھی جاتی تو فرماتے إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ۔

جبریلؑ نے یوسف کو حالات کی اطلاع دی

وہب اور سدی وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت جبریلؑ جیل خانہ کے

طرف لوٹتا ہے اس کو رد نہیں کرتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ از روئے الہام یوسف کے زندہ ہونے سے جو میں واقف ہوں تم واقف نہیں۔

عزرائیل سے ملاقات

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت یعقوب کی ملاقات کو گئے حضرت یعقوب نے پوچھا اے پاکیزہ خوشبو اور حسین صورت والے فرشتے کیا آپ نے میرے بچہ کی روح قبض کی ہے حضرت عزرائیل نے جواب دیا۔ نہیں، یہ سن کر حضرت یعقوب کو کچھ سکون ہو گیا اور آپ کو یوسف کے دیکھنے کی تمنا ہوئی۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے میں جانتا ہوں کہ یوسف کا خواب سچا ہے میں اور تم سب آئندہ اس کو ضرور سجدہ کریں گے۔ سدی نے بیان کیا جب بیٹوں نے باپ کو بادشاہ کے حسن سلوک کی اطلاع دی تو آپ کو یوسف کے زندہ ہونے کا خیال پیدا ہو گیا اور (ملنے کی) خواہش بھی اور فرمایا شاید وہ یوسف ہو۔

ابن ابی حاتم نے نصر بن عربی کا بیان نقل کیا ہے نصر نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت یعقوب کو ۲۴ سال حضرت یوسف کے زندہ یا مردہ ہونے کی کوئی خبر نہیں ہوئی، آخر ایک روز موت کا فرشتہ انسانی شکل میں آپ کے سامنے آکھڑا ہوا، حضرت نے دریافت کیا آپ کون ہیں ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں، حضرت یعقوب نے فرمایا میں تم کو یعقوب کے معبود کی قسم دیتا ہوں مجھے بتاؤ کیا تم نے یوسف کی جان قبض کر لی، ملک الموت نے جواب دیا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوا زَكَوٰتَكُمْ يَوْمَ الْحَجِّ ذٰلِكَ مِنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی

وَ اٰخِيْهِ وَلَا تَايِسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط

اور اس کے بھائی کی اور ناامید مت ہو اللہ کے فیض سے

اِنَّهٗ لَا يٰۤاَيْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا

بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر

الْقَوْمِ الْكَافِرُوْنَ ﴿٥٧﴾

وہی لوگ جو کافر ہیں ☆

مؤمن مایوس نہیں ہوتا

یعنی حق تعالیٰ کی مہربانی اور فیض سے ناامید ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ جنہیں اس کی رحمت و سعادت اور قدرت کاملہ کی صحیح معرفت نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کی برابر مایوس کن حالات پیش آئیں تب بھی خدا کی رحمت کا امیدوار رہے اور امکانی کوشش میں پست ہمتی نہ دکھلائے۔ جاؤ، کوشش کر کے یوسف کا کھوج لگاؤ اور اس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ وہ باختیار خود محض بنیامین کی وجہ سے رکا ہے۔ بنیامین چھوٹ جائے تو وہ کیوں پڑا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یوسف و بنیامین کی تلاش

اور دونوں کی تلاش کا رخ مصر ہی کی طرف قرار دیا جو بنیامین کے حق میں تو معلوم اور متعین تھا مگر یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی ظاہر حال کے اعتبار سے کوئی وجہ نہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکے مناسب اسباب جمع فرمادیتے ہیں۔ اس لئے اس مرتبہ تلاش و تفتیش کے لئے پھر صاحبزادوں کو مصر جانے کی ہدایت فرمائی بعض حضرات نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کو پہلی مرتبہ عزیز مصر کے اس معاملہ سے کہ ان کی پونجی بھی ان کے سامان میں واپس کر دی اس طرف خیال ہو گیا تھا کہ یہ عزیز کوئی بہت ہی شریف و کریم ہے شاید یوسف ہی ہوں۔

احکام و مسائل

امام قرطبی نے فرمایا کہ واقعہ یعقوب علیہ السلام سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت اور تکلیف اپنی جان یا اولاد یا مال کے بارے میں پیش آئے تو اس کا علاج صبر جمیل اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہونے سے کرے، اور یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی اقتداء کرے۔

دو گھونٹ

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان جس قدر گھونٹ پیتا ہے ان سب میں دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں، ایک مصیبت پر صبر اور دوسرے غصہ کو پی جانا۔ اور حدیث میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: من بث لم یصبر، یعنی جو شخص اپنی مصیبت سب کے سامنے بیان کرتا پھرے اس نے صبر نہیں کیا۔

یعقوب علیہ السلام کا ثواب

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس صبر پر شہیدوں کا ثواب عطا فرمایا، اور اس امت میں بھی جو شخص مصیبت پر صبر کرے گا اس کو ایسا ہی اجر ملے گا۔ (معارف القرآن)

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے

الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُورُ

عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور

جِئْنَا بِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ نَّؤُفٍ

لائے ہیں ہم پونجی ناقص سوپوری

لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ

دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر

اللَّهُ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۱۰۰﴾

اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو ☆

بھائیوں کی تیسری مرتبہ مصر روانگی

باپ کے فرمانے پر مصر کو پھر روانہ ہوئے۔ کیونکہ یوسفؑ کا پتہ معلوم نہ تھا۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ جس کا پتہ معلوم ہے (بنیامین) پہلے اس کی فکر کریں اور قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت ہے۔ عزیز کو ادھر بھی توجہ دلائیں۔ اگر دینے لینے کے معاملہ میں کچھ نرم پایا تو بنیامین کے متعلق گفت و شنید کریں گے۔ چنانچہ پہلی بات انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ ہی کہی کہ اے عزیز مصر! آجکل قحط و ناداری کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر پر بڑی سختی گذر رہی ہے، سب اسباب گھر کا بک گیا۔ کچھ نکمی اور حقیر سی پونجی رہ گئی ہے وہ غلہ خریدنے کیلئے ساتھ لائے ہیں آپ کے مکارم اخلاق اور گذشتہ مہربانیوں سے امید ہے کہ ہماری ناقص چیزوں کا خیال نہ فرمائیں گے اور تھوڑی قیمت میں غلہ کی مقدار گذشتہ کی طرح پوری دلوادینگے۔ یہ رعایت حقیقت میں ایک طرح کی خیرات ہوگی جو آپ ہم پر کریں گے یا اس کے علاوہ ہم کو بطور خیرات ہی

کچھ دیدتے تھے۔ خدا آپ کا بھلا کریگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ حال سن کر رو پڑے، شفقت و رحمتی کا چشمہ دل میں جوش مار کر آنکھوں سے ابل پڑا۔ اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، اس کے بعد میں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں اگلی آیت میں اسی اظہار کی تمہید ہے۔

تنبیہ:۔ بعض نے تصدق کے معنی مطلق احسان کرنے کے لئے ہیں جیسے ”قصر صلوة“ کی حدیث میں ”صدقة تصدق اللہ بها علیکم“۔ (تفسیر عثمانی)

فاو ف لنا یعنی ان قلیل یا کھوئے درہموں میں غلہ ہم کو اتنا ہی پورا پورا دیدتے تھے جتنا اس سے پہلے آپ نے کھرے درہموں میں دیا تھا۔ اور جو قیمت کم رہ جائے وہ بطور خیرات آپ چھوڑ دیتے۔ اکثر مفسروں نے تصدق علینا کا تفسیری مطلب یہی بیان کیا ہے لیکن ابن جریج اور ضحاک نے کہا کہ درخواست تصدق کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی خیرات میں ہمارے بھائی کو واپس کر دیتے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں لفظ صدقہ سے حقیقی صدقہ مراد نہیں بلکہ معاملے میں رعایت کرنے کو صدقہ و خیرات کرنے سے تعبیر کر دیا ہے کیونکہ بالکل مفت غلہ کا سوال تو انہوں نے کیا ہی نہ تھا بلکہ کچھ نکمی چیزیں پیش کی تھیں اور درخواست کا حاصل یہ تھا کہ ان کم قیمت چیزوں کو رعایت کر کے قبول فرمائیں، اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولاد انبیاء کے لئے صدقہ و خیرات کی حرمت صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ ائمہ تفسیر میں سے مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ (بیان القرآن، معارف مفتی صاحب)

صدقہ کا بدلہ

ان اللہ یجزی المتصدقین، سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صدقہ خیرات کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں، مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ صدقہ خیرات کی ایک جزاء تو عام ہے جو ہر مومن کافر کو دنیا میں ملتی ہے، وہ ہے رد بلا اور دفع مصائب، اور ایک جزاء آخرت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جنت، وہ صرف اہل ایمان کا حصہ ہے، یہاں چونکہ مخاطب عزیز مصر ہے اور برادران یوسفؑ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ مومن ہے یا نہیں، اس لئے ایسا عام جملہ اختیار کیا جس میں دنیا و آخرت دونوں کی جزاء شامل ہے۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

ہے۔ بعض لوگوں نے جاہلون کا ترجمہ کیا ہے قصور وار گنہگار۔ حسن بصری نے ترجمہ کیا جب کہ تم جوان تھے اور جوانی کی جہالت میں مبتلا تھے۔ اس وقت تم نے کیا کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾

جب تم کو سمجھ نہ تھی ☆

یوسف علیہ السلام کی مروت

اللہ اکبر۔ صبر اور مروت و اخلاق کی حد ہو گئی کہ تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے۔ اتنا سوال بھی اس لئے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ متحضر کر لیں تا ماضی و حال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی حقیقت روشن ہو، جو یوسف پر ان مصائب و حوادث کے بعد ہوئے جن کی طرف آگے "لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا" میں اشارہ ہے۔ پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار کیا۔ جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی نا سبھی اور بے وقوفی سے ہوگی۔ تمہیں کیا معلوم کہ یوسف کا خواب پورا ہو کر اور ہلال ایک روز بدر بن کر رہیگا۔

قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ﴿۹۰﴾

بولے کیا چ تو ہی ہے یوسف ☆

اب بھائیوں نے پہچان لیا

ممکن ہے اس سوال سے گھبرائے ہوں کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھر کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا مطلب غیر معمولی مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ پہلے سے دیکھ ہی رہے تھے۔ اس سوال نے دفعۃً ان کا ذہن ادھر منتقل کر دیا ہو کہ کہیں یوسف جسے ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا یہ ہی تو نہیں ہے۔ جب ادھر توجہ ہوئی تو بغور دیکھا ہوگا اور ممکن ہے یوسف نے خود بھی اپنے کو اس دفعہ زیادہ واضح طور پر پیش کیا ہو، یا تصریحاً کہہ دیا ہو کہ میں یوسف ہوں۔ غرض وہ سخت متعجب و حیرت زدہ ہو کر بول اٹھے۔

إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ﴿۹۰﴾ (سچ بتاؤ کیا تم ہی یوسف ہو؟) (تفسیر عثمانی)

قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ﴿۹۰﴾ کہنے لگے کیا سچ آپ ہی یوسف

ہیں۔ یہ استفہام تقریری ہے (کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟) ابن

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ

کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے

يُوسُفَ وَأَخِيهِ

یوسف سے اور اس کے بھائی سے ☆

یعنی دونوں میں جدائی ڈالی اور دونوں سے بیر رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

یعقوب علیہ السلام کا خط

عبداللہ بن یزید بن ابی فروہ کا قول روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب نے جب سنا کہ بنیامین کو روک لیا گیا تو ایک خط لکھ کر بیٹوں کے ہاتھ حضرت یوسف کو بھجوایا یہ بیٹوں کے تیسرے پھیرے کا ذکر ہے یعقوب اسرائیل اللہ (عبداللہ) بن اسحاق ذبح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے شاہ مصر کے نام، حمد و ستائش کے بعد واضح ہو کہ ہم ایسے گھرانے والے ہیں جو ہمیشہ سپرد مصائب رہے ہیں میرے دادا ابراہیم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا پھر اللہ نے اس آگ کو ان کیلئے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا، میرے باپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی گردن پر چھری رکھی گئی تاکہ ان کو ذبح کر دیا جائے مگر اللہ نے ان کا فدیہ (جنت سے مینڈھے کی شکل میں) بھیج دیا (اور ان کو محفوظ رکھا) اب رہا میں تو میرا ایک بیٹا تھا جو سب اولاد سے مجھے پیارا تھا اس کے بھائی اس کو جنگل کو لے گئے پھر (شام کو) اس کا خون آلودہ کرتالا کر مجھے دے دیا اور کہا اس کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اس پر روتے روتے میری آنکھیں جاتی رہیں پھر میرا ایک بیٹا اور تھا جو مرحوم کا ماں جایا بھائی تھا میں اس کو دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتا تھا اب آپ نے اس کو روک لیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے چوری کی ہے ہم ایسے خاندان والے ہیں جو چوری نہیں کرتے نہ چور ہمارے ہاں پیدا ہوتا ہے اگر آپ میرے بیٹے کو مجھے واپس کر دیں تو بہتر ہے ورنہ آپ کو ایسی بددعا دوں گا کہ اس کا اثر آپ کی ساتویں نسل تک پڑے گا۔

خط کا اثر

حضرت یوسف نے خط پڑھا تو آنسوؤں کو روک نہ سکے اور سامنے آ کر فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ يُّوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ یعنی جب کہ تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف آخر میں کس مرتبہ تک پہنچے گا اس وقت تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا کچھ معلوم بھی

اس کا ایک واضح جواب تو یہ ہے کہ یہاں لفظ صدقہ سے حقیقی صدقہ مراد نہیں بلکہ معاملے میں رعایت کرنے کو صدقہ و خیرات کرنے سے تعبیر کر دیا ہے، کیونکہ بالکل مفت غلہ کا سوال تو انہوں نے کیا ہی نہ تھا، بلکہ کچھ نکمی چیزیں پیش کی تھیں اور درخواست کا حاصل یہ تھا کہ ان کم قیمت چیزوں کو رعایت کر کے قبول فرمائیں، اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولاد انبیا کیلئے صدقہ و خیرات کی حرمت صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کا یہی قول ہے۔ (بیان القرآن)

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ

☆ کہا میں یوسف ہو ☆

وَهَذَا اَخِي

☆ اور یہ ہے میرا بھائی ☆

یعنی جس سے مجھ کو جدا کیا تھا آج میرے پاس بیٹھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ مَنَّ اللهُ عَلَيْنَا

☆ اللہ نے احسان کیا ہم پر ☆

جدائی کو ملاپ سے، ذلت کو عزت سے، تکلیف کو راحت سے، تنگی کو عیش سے بدل دیا۔ جو غلام بنا کر چند درہم میں فروخت کیا گیا تھا، آج خدا نے اسے ملک مصر کی حکومت بخشی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

☆ ضائع نہیں کرتا حق نیکو دالوں کا ☆

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”جس پر تکلیف پڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گھبرائے نہیں تو آخر بلاء سے زیادہ عطا ہو۔“ (تفسیر عثمانی)

قَدْ مَنَّ اللهُ عَلَيْنَا سے ثابت ہوا کہ جب انسان کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ اس سے نجات عطا فرما کر اپنی نعمت سے نوازیں تو اب اس کو گذشتہ مصائب کا ذکر کرنے کے بجائے

اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلے حضرت یوسف پر دے کے پیچھے سے کلام کرتے تھے پھر جب **هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْنَا بِكَ** فرمایا تو پردہ ہٹا دیا اور نقاب اٹھا دیا اس وقت بھائیوں نے پہچان لیا۔

کیسے پہچانا

میں کہتا ہوں قصہ مذکورہ کا تفصیلی بیان ابن اسحاق کے اس قول سے انکار کر رہا ہے اور ہے بھی بعید از فہم۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس بات کو کہتے وقت آپ مسکرا دیئے مسکرانے سے موتیوں کے ہار کی طرح اگلے دانت سامنے آگئے اور بھائیوں نے دیکھ کر ان کو یوسف کے دانتوں کی طرح قرار دیا۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ بھائی یوسف کو اس وقت تک نہ پہچان سکے جب تک آپ نے سر سے تاج نہ اتار دیا۔ آپ کے سر کے اوپر ایک جانب لہسن تھا جو موڑی تھا۔ حضرت یعقوب کے بھی تھا حضرت اسحاق کے بھی تھا اور (حضرت اسحاق کی والدہ) حضرت سارہ کے بھی تھا، علامت کو پہچان کر بھائی بول اٹھے بلاشبہ آپ یوسف ہیں۔

تفسیر قرطبی و مظہری میں بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ اس موقع پر یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا: ”من جانب یعقوب صفي اللہ، ابن اسحاق ذبح اللہ ابن ابراہیم خليل اللہ، بخدمت عزیز مصر،

اما بعد، ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے میرے دادا ابراہیم خليل اللہ کا نمود کی آگ سے امتحان لیا گیا، پھر میرے والد اسحاق کا شدید امتحان لیا گیا، پھر میرے ایک لڑکے کے ذریعے میرا امتحان لیا گیا جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا یہاں تک کہ اس کی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی مجھ غم زدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم اولاد انبیا ہیں نہ ہم نے کبھی چوری کی ہے، نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا، والسلام۔“

یوسف علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو کانپ گئے اور بے اختیار رونے لگے، اور اپنے راز کو ظاہر کر دیا، اور تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے یہ سوال کیا کہ تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جب کہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا کہ بھلے برے کی سوچ اور انجام نبی کی فکر سے غافل تھے۔

قَالَ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج

يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ

بخشنے اللہ تم کو ☆

یوسف علیہ السلام کی کریمی

یوسف علیہ السلام بھائیوں سے اتنا بھی سنا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایا یہ تذکرہ مت کرو، آج میں تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ تمہاری سب غلطیاں معاف کر چکا ہوں۔ جو لفظ میں نے کہے محض حق تعالیٰ کا احسان اور صبر و تقویٰ کا نتیجہ ظاہر کرنے کی نیت سے کہے آج کے بعد تمہاری تقصیر کا ذکر بھی نہ ہوگا میں دعا کرتا ہوں کہ تم نے جو خطائیں خدا تعالیٰ کی کی ہیں وہ بھی معاف کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۹۱﴾

اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان ☆

میری مہربانی بھی اسی کی مہربانی کا ایک پر تو ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تخریب آنکھوں کی چربی چھیل دینا ثرب آنکھوں پر چھائی ہوئی چربی مجازاً کسی کو لعنت ملامت کرنا جس سے مجرم کی آبروریزی اور توہین ہو رہی ہو مطلب یہ ہے کہ آج جبکہ میں تم لوگوں کو لعنت ملامت کر سکتا ہوں لیکن کچھ نہیں کہتا تو پھر آئندہ کچھ برا بھلا کہنے کا تو احتمال ہی نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے اقرار کے بعد میں نے تم کو معاف کر دیا اللہ تم کو معاف کرے وہ ارحم الراحمین ہے اور میں نادار محتاج ہوں۔ جب میں نے معاف کر دیا تو اللہ تو بے نیاز اور غفور ہے وہ ضرور معاف کر دے گا اور توبہ کرنے والے پر مہربانی فرمائے گا۔

بیضاوی نے لکھا ہے جب بھائیوں نے یوسف کو پہچان لیا تو کہا آپ صبح شام ہم کو کھانے پر بلواتے ہیں اور ہم سے جو آپ کے معاملے میں تصور ہو گیا تھا اس کی وجہ سے ہم کو آپ سے شرم آتی ہے، حضرت یوسف نے کیسا کریمانہ جواب دیا، مصر والے مجھے گذشتہ نظر ہی سے دیکھتے تھے لوگ کہتے تھے سبحان اللہ ایک غلام جو بیس درہم میں بیچا گیا تھا، اللہ نے اس کو کہاں پہنچایا اب جو لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں (غلام نہیں تھا) تمہارا بھائی ہوں اور حضرت ابراہیم کا پوتا ہوں تو تمہاری وجہ سے مجھے عزت مل گئی اور مصر والوں کی آنکھوں میں میری عظمت پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کے اس انعام و احسان ہی کا ذکر کرنا چاہیے جو اب حاصل ہوا ہے۔ مصیبت سے نجات اور انعام الہی کے حصول کے بعد بچھلی تکلیف و مصیبت کو روتے رہنا ناشکری ہے۔ ایسے ہی ناشکر کو قرآن عزیز میں کنود کہا گیا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ، کنود کہتے ہیں اس شخص کو جو احسانات کو یاد نہ رکھے صرف تکلیفوں اور مصیبتوں کو یاد رکھے۔ اسی لئے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے عمل سے عرصہ دراز تک جن مصیبتوں سے سابقہ پڑا تھا ان کا اس وقت کوئی ذکر نہیں کیا، بلکہ اللہ جل شانہ کے انعامات ہی کا ذکر فرمایا۔

صبر و تقویٰ ہر مصیبت کا علاج ہے

انہ من یتق ویصبر سے معلوم ہوا کہ تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنا اور تکلیفوں پر صبر و ثبات قدم، یہ دو صفتیں ایسی ہیں جو انسان کو ہر بلاء و مصیبت سے نکال دیتی ہیں، قرآن کریم نے بہت سے مواقع میں انہی دو صفتوں پر انسان کی فلاح و کامیابی کا مدار رکھا ہے، ارشاد ہے: وَإِنْ نَصَبُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ”یعنی اگر تم نے صبر و تقویٰ اختیار کر لیا تو دشمنوں کی مخالفتانہ تدبیریں تمہیں کوئی گزند اور نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔“

یہاں بظاہر یہ دعویٰ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے متقی اور صابر ہونے کا ادعا کر رہے ہیں کہ ہمارے صبر و تقویٰ کی وجہ سے ہمیں مشکلات سے نجات اور درجات عالیہ نصیب ہوئے مگر کسی کو خود اپنے تقویٰ کا دعویٰ کرنا منصوص قرآن ممنوع ہے۔ ”فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى“ یعنی اپنی پاکی نہ جتلاؤ، اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے مگر یہاں درحقیقت دعویٰ نہیں بلکہ تحدیث بالعمۃ اور اللہ کے احسانات کا ذکر ہے۔ اس نے اول ہم کو صبر و تقویٰ کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر اس کے ذریعہ تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔ (معاد مفتی صاحب)

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَتَرَكْنَا اللَّهَ عَلَيْنَا

بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے

وَإِن كُنَّا لَخٰطِئِينَ ﴿۹۱﴾

اور ہم تھے جو کئے والے ☆

بھائیوں کی شرمساری

یعنی تجھ کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اسی لائق تھا ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی، آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بیکار ثابت ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک ریشمی قمیص لا کر آپ کو پہنا دیا تھا یہ کرتے حضرت ابراہیم کے پاس رہا پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت اسحاق کو میراث میں ملا اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب کو پہنچا۔ یوسف جب جوان ہو گئے تو حضرت یعقوب نے وہ کرتے ایک نکلی میں سر بند کر بطور تعویذ حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا تاکہ آپ کو نظر نہ لگے ہر وقت وہ یوسف کے گلے میں رہتا تھا، جب آپ کو کرتے اتار کر کنوئیں میں ڈالا گیا تو حضرت جبریل نے آ کر تعویذ کھول کر اس میں سے کرتے نکال کر حضرت یوسف کو پہنا دیا پھر حضرت یوسف جب بھائیوں سے مذکورہ بالا گفتگو کر رہے تھے تو حضرت جبریل نے آ کر کہا وہ قمیص بھیج دیجئے، اس کے اندر جنت کی خوشبو ہے جس دکھی اور بیمار پر اس کو ڈالا جائے گا وہ تندرست ہو جائے گا اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ کرتے اپنے بھائیوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں حضرت مجدد قدس سرہ کے کشف سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ حسن یوسف دنیوی چیزوں سے نہ تھا بلکہ آپ کا حسن اور وجود جنت کی چیزوں کی جنس سے تھا تو اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اس کرتے کو جنت سے آیا ہوا مانیں بلکہ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حضرت یوسف کا پہنا ہوا تھا وجود یوسف تو خود جنت کی چیزوں کی جنس میں سے تھا (آپ کی ہستی اس عدی دنیا کی چیز ہی نہ تھی) (تفسیر مظہری) تمام کنبہ کی دعوت

وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ، یعنی تم سب بھائی اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس مصر لے آؤ، اصل مقصد تو والد محترم کو بلانے کا تھا، مگر یہاں بالتصریح والد کے بجائے خاندان کو لانے کا ذکر کیا شاید اس لئے کہ والد کو یہاں لانے کے لئے کہنا ادب کے خلاف سمجھا، اور یہ یقین تھا ہی کہ جب والد کی بینائی عود کر آئے گی اور یہاں آنے سے کوئی عذر مانع نہیں رہے گا تو وہ خود ہی ضرور تشریف لائیں گے۔ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ برادران یوسف میں سے یہودانے کہا کہ یہ کرتے میں لے جاؤں گا کیونکہ ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر بھی میں ہی لے گیا تھا جس سے والد کو صدمات پہنچے، اب اس کی مکافات بھی میرے ہی ہاتھ سے ہونا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعوی نے لکھا ہے جب حضرت یوسف نے اپنا تعارف کرادیا تو پھر باپ کا حال پوچھا اور فرمایا میرے بعد میرے باپ کی کیا حالت

إِذْ هَبُوا بَقِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ

لے جاؤ یہ کرتے میرا اور ڈالو

عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا

اس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے

وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ

دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا

یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کیلئے کرتے بھیجا

یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ۔ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت وحی سے یا بھائیوں کی زبانی سے معلوم ہوا ہو گا کہ بینائی نہیں رہی یا نگاہ میں فرق آ گیا ہے اس لئے اپنا قمیص دے کر فرمایا کہ یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائیگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ہر مرض کی اللہ کے ہاں دوا ہے۔ آنکھیں گئی تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہوئیں۔ یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی۔“ اور کرامت نہ کہیں تب بھی آجکل واقعات و مشاہدات کی بناء پر یہ بات مان لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِذْ هَبُوا بَقِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا، میرا یہ کرتے لے جا کر میرے باپ کے منہ پر ڈال دو (اس سے) وہ بینا ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ میرے پاس بینا ہو کر آجائیں گے حسن نے کہا حضرت یوسف کو اللہ نے اطلاع دیدی ہوگی جب ہی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بینا ہو جائیں گے اللہ کی طرف سے اطلاع پانے کے بغیر وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجاہد نے کہا حضرت جبریل نے حضرت یوسف کو (اللہ کی طرف سے) حکم دیا تھا کہ حضرت یعقوب کو اپنا کرتے بھیج دیجئے۔

یہ قمیص کہاں سے آیا تھا

یہ قمیص حضرت ابراہیم کا تھا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو کپڑے اتار لیے گئے تھے اس وجہ سے حضرت جبریل نے جنت سے

ہوئی بھائیوں نے بتایا کہ باپ کی آنکھیں (روتے روتے) جاتی رہیں۔ حضرت یوسف نے اپنا کرتہ ان کو دیا اور باپ کو بلوایا اور فرمایا۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ

اور جب جد اہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے

إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ

میں پاتا ہوں بو یوسف کی ☆

خوشبوئے یوسف

خدا کی قدرت یوسف مصر میں موجود ہیں۔ کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا۔ اب بلانے کی ٹھہری تو ادھر قافلہ یوسف کا قیص لیکر مصر سے نکلا ادھر پیرا ہن یوسف کی خوشبو یعقوب کے مشام جان کو معطر کرنے لگی۔ ایک یہ کیا، پورا واقعہ ہی عجائب قدرت کا ایک مرقع ہے۔ یعقوب جیسے مشہور و معروف پیغمبر شام میں رہیں اور یوسف جیسی جلیل القدر شخصیت مصر میں بادشاہت کرے، یوسف کے بھائی کئی مرتبہ مصر آئیں خود یوسف کے مہمان بنیں، اس کے باوجود خداوند قدوس کی حکمت غامضہ اور مشیت قاہرہ کا ہاتھ باپ کو بیٹے سے بیسیوں برس تک علیحدہ رکھے اور خون کے آنسو لاکر امتحان کی تکمیل کرائے۔ ”جلت قدرتہ وعز سلطانہ۔“ (تفسیر عثمانی)

لَوْلَا أَنْ تَفَعَّلُوا

اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا ☆

کتنے فاصلے سے خوشبو آئی

یعنی یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئیگی، کہہ دو گے بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا تین روز کی مسافت سے یوسف کی خوشبو یعقوب کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول میں آٹھ رات کی مسافت کا ذکر آیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوا قیص یوسف کی خوشبو لیکر یعقوب تک پہنچی تھی جس سے آپ کو جنت کی خوشبو محسوس ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر سوائے قیص کی خوشبو کے جنت کی اور کوئی خوشبو نہیں تھی اسی لئے آپ نے إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ فرمایا۔ فند کا معنی ہے

بڑھاپے کی وجہ سے عقل میں نقصان آجانا اور تفہیم (باب تفعیل) کا معنی ہے کسی کو سٹھیا یا ہوا قرار دینا۔ اس لئے عجز مفندہ نہیں کہا جاتا کیونکہ عورت کا نقصان عقل ذاتی ہوتا ہے (صرف بڑھاپے کی وجہ سے نہیں ہوتا عورت ناقص العقل فطرتاً ہوتی ہے۔) (تفسیر مظہری)

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام

از سفر سوم و بشارت بہرون

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ

الہی۔ انہ هو الغفور الرحیم

(ربط) جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی بینائی کے لئے قیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل و عیال کو لے کر آؤ۔ تو سب بھائی پیرا ہن یوسفی لے کر شاداں و فرحال مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا۔ یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف کی بو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو محسوس الحواس نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے جب تک خدا تعالیٰ کی ابتلاء منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی۔ حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا۔ مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے بحکم خداوند تعالیٰ خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچادی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق عادت تھا۔

انبیاء کے معجزات

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قیص لے کر مصر سے نکلا اور ادھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی۔ یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا۔ کہ جب چاہے اس کو کر سکے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرام ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں ادا کیا ہے۔

پھر جب بشارت دینے والا (یوسف علیہ السلام کے پاس سے) یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا تو کرتے یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دیا جس سے فوراً یعقوب لوٹ کر بیٹا ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قافلے کے پہنچنے سے پہلے بشارت دہندہ پہنچا حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ یہود تھا۔ سدی کا بیان ہے یہود انے کہا جب میں خون آلودہ کرتے لے کر باپ کے پاس گیا تھا اور ان کی اطلاع دی تھی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو اب میں یہ کرتے لے کر جاؤں گا اور اطلاع دوں گا کہ یوسف زندہ ہیں جیسے ان کو غم دیا تھا ویسے ہی ان کو خوش بھی کروں گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کرتے لے کر یہود اننگے سردوڑتا ہوا نکل چلا صرف سات روٹیاں ساتھ لی تھیں وہ بھی پوری نہ کھاسکا اور اسی فرسخ کی مسافت طے کر کے باپ کے پاس پہنچا۔ بعض نے کہا خوش خبری دینے والا مالک بن عرثا فارتد بصیراً کا معنی یہ ہے کہ یعقوب دوبارہ بیٹا ہو گئے، کمزور سے طاقت ور اور بڑھاپے کے بعد جوان ہو گئے۔

یعقوب نے کہا کیا میں نے تم لوگوں سے نہیں کہہ دیا تھا کہ اللہ کی جو باتیں میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ یعنی یوسف کے زندہ ہونے اور اس سے ملاقات ہونے کی اطلاع میں نے تم کو پہلے ہی دے دی تھی یا میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی فکر

بغوی کا بیان ہے، روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب نے پوچھا یوسف کس حال میں ہے بشارت دینے والے نے جواب دیا وہ مصر کے بادشاہ ہیں حضرت یعقوب نے فرمایا بادشاہ ہے تو میں کیا کروں میں پوچھتا ہوں تم نے کس مذہب پران کو چھوڑا بشر نے کہا اسلام پر، فرمایا اب نعمت کامل ہو گئی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الْمَاقِلُ لَكُمْ رَافِي

بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں

أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾

جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ☆

یکے پر سید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے عاقل گہر پیر خرد مند!!
زمصرش بوئے پیرا ہن شمیدی! چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہانت دے پیدا و دیگر دم نہانت
گہ بر طارم اعلیٰ نشینم گہ بر پشت پائے خود نہ ینم

عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا ایک اثناء خطبہ میں فاروق اعظم نے سردار لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریہ الجبل، اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھ مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمر کی آواز سنی یہ حضرت عمر کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمر کی آواز مدینہ کے ممبر سے نہاوند پہنچا دی۔ ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں۔ کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اس طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیرا ہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صد ہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿١٠﴾

لوگ بولے قسم اللہ کہ تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے ☆

بیٹوں کا انکار

یعنی یوسف علیہ السلام کی محبت، اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزیں ہے۔ وہ ہی پرانے خیالات ہیں جو یوسف علیہ السلام کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى

پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے وہ کرتے

وَجْهَهُ فَارْتَدَّ بِصِيرًا ﴿١١﴾

اس کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا ☆

بینائی لوٹ آئی

یعنی بینائی واپس آگئی، دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔ (تفسیر عثمانی)

کے ساتھ حضرت یوسف نے دوسواونٹیاں اور بکثرت سامان بھی بھیجا تھا۔ تاکہ حضرت تمام اہل و عیال و متعلقین کو لے کر مصر آجائیں۔ چنانچہ آپ مصر جانے کو تیار ہو گئے اور زن و مرد بہتر اور مسروق کے بقول ۳۹۰ شخص روانہ ہو گئے جب یہ قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف نے (اصل) شاہ مصر سے ساتھ چلنے کو کہا چنانچہ حضرت یوسف اور بادشاہ چار ہزار فوج کے ساتھ استقبال کے لئے روانہ ہو گئے۔ مصر کے اور لوگ بھی حضرت یوسف کی معیت میں استقبال میں شریک تھے، حضرت یعقوب یہودا پر سہارا دیئے پیدل آرہے تھے، سواروں اور دوسرے لوگوں کو ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا یہودا کیا یہ فرعون مصر ہے، یہودا نے جواب دیا نہیں ابابہ تو آپ کے صاحبزادے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أُوِي

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی

إِلَيْهِ أَبُوِيهِ وَقَالَ ادْخُلُوا

اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو

مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللهُ آمِنِينَ ﴿١٩﴾

مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے ☆

استقبال

شہر سے باہر استقبال کو نکلے۔ ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی (اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ پیشتر وفات پا چکی تھیں۔ جیسا کہ سابق فوائد میں گذر چکا۔ یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں) سب کو فرمایا شہر میں چلو، قحط وغیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو۔ ان شاء اللہ بالکل دلجمعی اور راحت و اطمینان سے رہو گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شہر میں پہنچ کر کہے۔ گویا "ادخلوا مصر" الخ کے معنی ہوئے مصر میں قیام کرو بے کھٹکے۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں شاید حضرت یوسف مصر سے روانہ ہو کر کسی خاص مقام تک پہلے پہنچ گئے اور وہاں کسی خیمہ یا محل میں اتر کر رک گئے تاکہ قافلہ وہاں پہنچ جائے تو اس کا استقبال کریں اور حضرت یعقوب اپنے

یعنی میں نے کہا نہ تھا یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ آخر سچ ہوا۔ یا بیٹوں کو کہا تھا کہ یوسف کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے۔ دیکھ لو وہ ہی صورت ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

بولے اے باپ بخشو ہمارے گناہوں کو

إِنَّا كُنَّا خَطِيئِينَ ﴿٢٠﴾

پیشک ہم تھے جو کئے والے ☆

گناہ بخشوانے کی درخواست

یعنی توجہ اور دعا کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے۔ ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں۔ پھر صاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں کیونکہ جو خود نہ بخشے وہ خدا سے کہاں بخشوائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي

کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے

إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٢١﴾

وہی ہے بخشنے والا مہربان ☆

تاخیر کا مقصد

یعنی قبول کی گھڑی آنے دو، اس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ اٹھاؤ نگا، کہتے ہیں جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔ (تفسیر عثمانی)

شععی نے کہا سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ کا یہ مطلب ہے کہ میں یوسف سے معاف کر دینے کو کہوں گا وہ معاف کر دیں گے تو پھر اللہ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ اللہ اسی وقت معاف کرتا ہے جب مظلوم (بھی اپنا حق) معاف کر دے۔ بعض علماء نے کہا حضرت یعقوب جاننا چاہتے تھے کہ بیٹوں نے سچے دل سے توبہ کی ہے یا نہیں۔ یہ بات معلوم ہونے تک آپ نے دعا کو موخر کر دیا۔

مصر جانے کی تیاری

نووی نے لکھا ہے روایت میں آیا کہ بشارت دینے والے قاصد

نہیں۔ شاہی اجازت نامہ کے بغیر اس زمانہ میں کوئی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ اب کال اور دوسری مصائب کا آپ لوگوں کو کوئی اندیشہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر

وَخَرُّوَالَهُ سُجَّدًا

اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں ☆

تعظیم یوسف علیہ السلام

یوسف نے اپنی طرف سے والدین کی تعظیم کی، تخت پر بٹھلایا، لیکن خدا کو یوسف کی جو تعظیم کرانی تھی اسے یوسف کب روک سکتے تھے۔ اس وقت کے دستور کے موافق ماں باپ اور سب بھائی یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا، جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر آدم کے زمانہ سے مسیح علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا۔ البتہ شریعت محمدیہ نے ممنوع و حرام قرار دیا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے وَأَنَّ السُّجُودَ لِلَّهِ الخ سے حرمت کا اشارہ نکالا ہے۔ بعض مفسرین نے اس جگہ سجدہ کے معنی متبادر مراد نہیں لئے۔ محض جھک جانے کے معنی لئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سجدہ یوسف کو نہ تھا بلکہ یوسف کی عزت و عظمت دیکھ کر سب نے خدا کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس تقدیر پر وَخَرُّوَالَهُ "میں لام سیبہ ہوگا۔ یعنی یوسف کے عروج و اقتدار کے سبب سے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔

سجدہ اور تعظیم

تنبیہ:- تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیہ ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے جس کی اجازت ایک لمحہ کے لئے کبھی نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے، "سجود عبادت" یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں "سجود تعظیم" یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سجدہ ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس

متعلقین کے ساتھ اسی مقام پر پہنچ کر حضرت یوسف کے پاس (قصر یا خیمہ کے اندر) داخل ہوئے ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے جب یوسف اور یعقوب ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو حضرت یوسف نے سلام کرنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل نے روک دیا اور فرمایا پہلے وہ سلام کریں پھر آپ کرنا۔

میں کہتا ہوں شاید یہ اس محبوبیت الہیہ کا اثر تھا جو حضرت یوسف میں نمودار ہو گئی تھی آخر حضرت یعقوب نے ہی ابتدائی سلام کیا اور کہا اے غموں کے دور کرنے والے تجھے سلامتی ہو۔

یوسف علیہ السلام کی ماں

اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ ماں باپ سے مراد ہیں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی خالہ لیا جس طرح دوسری آیت میں چچا کو اللہ نے باپ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا أَبَاكَ إِذْ هَمَّ وَاسْمِعِيلَ وَاسْحَقَ اسی طرح اس آیت میں خالہ کو ماں قرار دیا ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کی والدہ کے بعد لیا سے نکاح کر لیا تھا اور لیا ہی نے آپ کی پرورش کی تھی اور پرورش کرنے والی کو ماں کہا ہی جاتا ہے حضرت یوسف کی ماں بنیامین کی ولادت کے وقت مر چکی تھیں۔

حسن بصری کا قول ہے کہ ماں زندہ تھیں اور ابوین سے ماں باپ ہی مراد ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اللہ نے حضرت یوسف کی والدہ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ حضرت یعقوب کے ساتھ مصر آئی تھیں۔

باپ بیٹے کی ملاقات

بغوی نے لکھا ہے روایت ہے کہ حضرت یوسف اور حضرت یعقوب دونوں نے اتر کر معانقہ کیا، ثوری نے کہا ہر ایک دوسرے کے گلے سے ملا اور دونوں رونے لگے یوسف نے کہا ابا میری وجہ سے آپ اتنا روئے کہ آپ کی نظر جاتی رہی کیا آپ کو یقین نہ تھا کہ قیامت کے دن ہم دونوں ضرور ملیں گے حضرت یعقوب نے فرمایا بیٹے یقین کیوں نہ تھا مجھے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں تیرا مذہب نہ بدل گیا ہو اور پھر (قیامت کے دن) میرے اور تیرے درمیان رکاوٹ حائل ہو جائے۔

شہر میں داخلہ

وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ

اور کہا (چلو) مصر کے اندر امن کے ساتھ اللہ نے چاہا تو رہو۔

یعنی تم کو شہر کے اندر داخل ہونے کے اجازت نامے کی ضرورت

میں غیر اللہ کے لئے حرام تھا، لیکن سجدہ تعظیم انبیاء سابقین کی شریعتوں میں جائز تھا جو شریعت اسلام میں ذریعہ شرک ہونے کی بناء پر ممنوع ہو گیا ہے، جیسا کہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے کہ کسی غیر اللہ کے لئے سجدہ حلال نہیں۔ (معارف مفتی صاحب)

وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ

اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا

مِنْ قَبْلِ وَاذْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا

اس کو میرے رب نے سچ کر دیا ☆

خواب کی تعبیر پوری ہوئی

یعنی میرا اس میں کچھ دخل نہیں، خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ خدا نے پوری کر دکھائی۔ (تفسیر عثمانی)

فرمایا کہ ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا تھا کہ آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس خواب کی سچائی کو آنکھوں سے دکھلادیا۔

احکام و مسائل

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کی درخواست معافی و دعائے مغفرت پر جو یہ فرمایا کہ ”عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا، اور فوراً دعائے نہیں کی، اس تاخیر کی ایک وجہ بعض حضرات نے یہ بھی بیان کی ہے کہ منظور یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام سے مل کر پہلے یہ تحقیق ہو جائے کہ انہوں نے ان کی خطا معاف کر دی ہے یا نہیں، کیونکہ جب تک مظلوم معافی نہ دے عند اللہ بھی معافی نہیں ہوتی، ایسی حالت میں دعائے مغفرت بھی مناسب نہ تھی۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور اصولی ہے کہ حقوق العباد کی توبہ بغیر اس کے نہیں ہوتی کہ صاحب حق اپنا حق وصول کرے یا معاف کر دے، محض زبانی توبہ و استغفار کافی نہیں۔

۲۔ حضرت سفیان ثوری کی روایت ہے کہ جب یہودا قیص یوسف لے کر آئے اور یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو پوچھا کہ یوسف کیسے ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کو نہیں پوچھتا کہ وہ بادشاہ ہیں

کی بھی جڑ کاٹ دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں اقسام شرک پر جو دقیق بحث کی ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا زمین پر پیشانی رکھنا ہی مراد ہے مگر یہ سجدہ عبادت نہ تھا سجدہ احترام و تعظیم تھا اور اس زمانہ میں احترام و تعظیم کا یہی طریقہ رائج تھا اور گذشتہ امتوں کے لئے بھی غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز تھا۔ ہماری شریعت نے منسوخ کر دیا (اب کسی قسم کا سجدہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں کیا جاسکتا) حضرت ابن عباس کا قول اس آیت کی تفسیر میں اس طرح آیا ہے وہ اللہ کے لئے سجدہ میں گر پڑے یوسف کے سامنے ادائے شکر کے طور پر۔ لہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے (یوسف کی طرف راجع نہیں ہے) میں کہتا ہوں گویا حضرت ابن عباس کی تفسیر پر یوسف مجبور نہ تھے قبلہ سجدہ اور جہت سجدہ تھے اور یوسف کا قبلہ سجدہ ہونا اللہ کے حکم سے تھا جیسے ہمارے لئے کعبہ کا حکم الہی قبلہ سجدہ بنا دیا گیا ہے۔ اور جیسے آدم کو فرشتوں کے لئے قبلہ سجدہ بنا دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وفات یعقوب علیہ السلام

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ البالی اور کمال عیش و عشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسد مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کو رکھ کر شام لے گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عیص نے انتقال کیا، دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس ۱۴۷ برس ہوئی یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچا کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آ گئے۔ (معارف کاندھلوی)

سجدہ کا مقصد

وَحُزْرُوَالِهَاسْبَدًا، یعنی والدین اور سب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا، حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ یہ سجدہ شکر اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا تھا، یوسف علیہ السلام کو نہیں تھا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ عبادت تو ہر پیغمبر کی شریعت

اعمال بھی صالح نہیں تو دوسرے کے جوگناہ ہیں اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ

اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا

السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ

قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے

بَعْدَ أَنْ نَزَّغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ

کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے

إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ

بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰﴾

پیشک وہی ہے خبردار حکمت والا ☆

احساناتِ خداوندی کا شکر یہ

خدا تعالیٰ کے احسانات ذکر فرمائے اور اس کی تدبیر لطیف کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح مجھ کو قید سے نکال کر ملک کا حاکم مختار بنا دیا اور اس جھگڑے کے بعد جو شیطان نے ہم بھائیوں میں ڈال دیا تھا جبکہ کوئی امید دوبارہ ملنے کی نہ رہی تھی، کیسے اسباب ہمارے ملاپ کے فراہم کر دیے اس موقع پر اپنی مصائب و تکالیف کا کچھ ذکر نہ کیا، نہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائے، بلکہ بھائیوں کے واقعہ کی طرف بھی ایسے عنوان سے اشارہ کیا کہ کسی فریق کی زیادتی یا تقصیر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مبادا بھائی سن کر مجھ کو ہوں۔ اللہ اکبر، یہ اخلاق پیغمبروں کے سوا کس میں ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور خدا نے میرے ساتھ (بڑا) احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور تم سب کو جنگل سے یہاں لے آیا۔ (یہ سب کچھ) اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا باوجودیکہ کنواں شدید ترین قید خانہ تھا لیکن حضرت یوسف نے کرم ذاتی سے کام لے کر اس کا ذکر نہیں کیا تا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو اس کے علاوہ جیل خانہ سے رہائی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی کیا

یا فقیر، پوچھنا یہ ہے کہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے کیا حال ہے، تب انہوں نے ان کے تقویٰ و طہارت کے حالات بتلائے یہ ہے انبیاء علیہم السلام کی محبت اور تعلق کہ اولاد کی جسمانی راحت سے زیادہ ان کی روحانی حالت کی فکر کرتے ہیں ہر مسلمان کو اسی کا اتباع کرنا چاہیے۔

۳۔ حضرت حسنؑ سے روایت ہے کہ جب بشارت دینے والا قیص یوسف لے کر پہنچا تو یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس کو کچھ انعام دیں مگر حالات سازگار نہ تھے اس لئے عذر کیا کہ سات روز سے ہمارے گھر میں روٹی نہیں پکی، اس لئے میں کچھ مادی انعام تو نہیں دے سکتا، مگر یہ دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم پر سکرات موت کو آسان کر دیں، قرطبیؒ نے فرمایا کہ یہ دعا ان کے لئے سب سے بہتر انعام تھا۔ ۴۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوشخبری دینے والے کو انعام دینا سنت انبیاء ہے۔ صحابہ کرام میں حضرت کعب بن مالکؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جب ان پر عتاب ہوا اور بعد میں توبہ قبول کی گئی، تو جو شخص قبول توبہ کی بشارت لایا تھا، اپنا جوڑا کپڑوں کا اتار کر اس کو پہنا دیا۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے لئے دوستوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت دینا بھی سنت ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے جب سورہ بقرہ پڑھ کر ختم کی تو خوشی میں ایک اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔

۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے حقیقت واقعہ ظاہر ہو جانے کے بعد اپنے والد اور بھائی سے معافی مانگی، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ یا زبان سے کسی شخص کو ایذا پہنچی، یا اس کا کوئی حق اس کے ذمہ رہا، اس پر لازم ہے کہ فوراً اس حق کو ادا کر دے یا اس سے معاف کرالے۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ذمہ کسی دوسرے کا کوئی حق مالی واجب ہو، یا اس کو کوئی ایذا ہاتھ یا زبان سے پہنچائی ہو اس کو چاہیے کہ آج اس کو ادا کر دے یا معافی مانگ کر اس سے سبکدوشی حاصل کر لے قبل اس کے کہ قیامت کا وہ دن آجائے جہاں کسی کے پاس کوئی مال حق ادا کرنے کے لئے نہ ہوگا اس لئے اس کے اعمال صالحہ مظلوم کو دیدیئے جائیں گے یہ خالی رہ جائے گا اور اگر اس کے

سے پیدا ہوئے تھے۔ (اگرچہ توام نہ تھے) جب حضرت یوسفؑ کے تمام دنیوی امور کامل طور پر درست ہو گئے تو آپ نے خیال کیا یہ راحت اور نعمت باقی رہنے والی تو ہے نہیں۔ دنیا کی کسی نعمت کو بقا نہیں اس لئے حسن خاتمہ کی دعا کی اور کہا۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ

اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت

وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا ☆

اسی سورت کے پہلے رکوٰع میں تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ کی تفسیر گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

موت کی دُعاء

قتادہ نے کہا سوائے یوسفؑ کے اور کسی نبی نے اپنی موت کی دعا نہیں کی۔ میرے نزدیک یہ قول محل تامل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ! حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں سنا کرتی تھی کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس کو دنیا و آخرت (میں سے ایک کو انتخاب کر لینے) کا اختیار نہیں دیدیا جاتا (اور وہ آخرت کو پسند نہیں کر لیتا) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں جب سخت بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی تو میں نے خود سنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ

اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ یہ سن کر میں نے یقین کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (دنیا اور آخرت میں سے ایک کو پسند کر لینے کا) اختیار دے دیا گیا۔ (رواہ الشیخان فی التفسیرین وابن سعد)

قصہ کا تکملہ

حضرت یوسفؑ کے تمام دنیوی احوال جب درست ہو گئے اور ماں باپ اور دوسرے متعلقین بھی مل گئے تو اس وقت اپنے رب سے ملنے کا شوق غالب آیا اور مذکورہ دعا کی۔ حسن بصری نے فرمایا اس کے بعد آپ چند سال زندہ رہے دوسرے علماء کا خیال ہے ایک ہفتہ بھی گذرنے نہ پایا کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

کہ کنویں سے نکل کر تو غلام ہونا پڑا اور عورتوں کے پھندے میں گرفتار ہونے سے سابقہ پڑا اور قید خانہ سے نکل کر بادشاہ بنائے گئے (تو جیل خانہ سے نکالنا اللہ کا عظیم الشان احسان ہوا) البدو صحرائی میدان جہاں چرواہے اور صحرائی لوگ اپنے جانوروں کو لے کر رہتے ہیں۔

نزع یعنی ہمارے درمیان فساد ڈلوادیا۔ یہ لفظ نزع الرابض الدابة سے ماخوذ ہے ایڑا مار کر سوار نے گھوڑا اٹھایا اور چلایا۔

یعقوب علیہ السلام کا شکوہ

بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوسفؑ نے اپنے ہر چیز کے ذخیرے اور خزانہ کی ماں باپ کو سیر کرائی کاغذ کا ذخیرہ دیکھ کر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا اتنا کثیر انبار کاغذ کا تیرے پاس پڑا ہے اور تو نے ایک خط صرف آٹھ منزل کے فاصلے پر مجھے نہیں بھیجا۔ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا جبریلؑ نے مجھے یہی ہدایت کی تھی حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تو نے جبریلؑ سے اس کی وجہ کیوں دریافت نہیں کی۔ حضرت یوسفؑ نے کہا آپ حضرت جبریلؑ سے زیادہ بے تکلف ہیں آپ ہی دریافت فرمائیں حضرت یعقوب نے حضرت جبریلؑ سے (اطلاعی خط بھیجنے کی ممانعت کی) وجہ دریافت کی حضرت جبریلؑ نے کہا مجھے اللہ نے ایسا ہی حکم دیا تھا کیونکہ آپ نے وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ کہا تھا اس پر اللہ نے فرمایا تم کو بھیڑیے کا تو اندیشہ ہو اور میرا خوف نہیں ہوا۔

یعقوب علیہ السلام کی تدفین

امام احمد نے الزہد میں مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب جب بہت کمزور اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہو گئے تو اپنے بیٹے یوسفؑ سے فرمایا کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال کر میری پشت پر ہاتھ رکھ کر رب یعقوبؑ کی قسم کھا کر اقرار کرو کہ مجھے میرے باپ دادا کے ساتھ دفن کرو گے میں زندگی کے کام میں ان کا شریک رہا تو مرنے کے بعد مجھے انہی کے قبرستان میں ان کے ساتھ دفن کرنا جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت یوسفؑ نے ایسا ہی کیا کنعان میں لے جا کر آباؤ اجداد کے ساتھ دفن کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

سعید بن جبیر نے فرمایا ساج کے تابوت میں حضرت یعقوبؑ کی میت کو بیت المقدس لے گئے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی روز عیص کا بھی انتقال ہو گیا دونوں کو ایک ہی مقبرے میں (یا ایک ہی قبر میں) دفن کیا گیا دونوں کی عمر ۱۴ برس ہوئی عیص اور یعقوبؑ ساتھ ہی ایک لطن

بڑھیا اسرائیلی ملی جس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی میں یوسف کی قبر کا مقام جانتی ہوں اگر آپ مجھے اپنے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں اور سرزمین مصر میں چھوڑ کر نہ جائیں تو میں آپ کو قبر بتا دوں گی۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں تیری خواہش کے مطابق کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جس وقت چاند نکلے گا اس وقت یہاں سے روانہ ہوں گے، (چاند نکلنے کا وقت آ گیا اور حضرت یوسف کا تابوت اس وقت تک آپ برآمد نہ کر سکے اس لئے) آپ نے اللہ سے دعا کی کہ چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو جائے (تا کہ وعدہ خلافی نہ ہو) دعا قبول ہو گئی اور چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو گئی پھر بڑھیا آپ کو اپنے ساتھ لے گئی اور نیل کے پانی کے اندر ایک طرف کو حضرت یوسف کی قبر دکھادی جس کے اندر ایک مرمرا کا صندوق حضرت موسیٰ نے نکلوا لیا اور اس کو اٹھا کر لے گئے۔

حضرت یوسف کے بعد عمالقہ کے خاندان میں پے در پے مصر کے فرعون ہوتے رہے اور بنی اسرائیل ان کے زیر حکم رہے مگر حضرت یوسف کے مذہب پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور آپ کے ہاتھ سے اللہ نے فرعون کو ہلاک کرایا۔ (تفسیر مظہری)

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں تو والد بزرگوار سے خطاب تھا، اس کے بعد جبکہ والدین اور بھائیوں کی ملاقات سے ایک اہم مقصد حاصل ہو کر سکون ملا تو براہ راست حق تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعا میں مشغول ہو گئے، فرمایا: اس دعا میں حسن خاتمہ کی دعا خاص طور پر قابل نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ کتنے ہی درجات عالیہ دنیا و آخرت کے ان کو نصیب ہوں، اور کتنے ہی جاہ و منصب ان کے قدموں میں ہوں وہ کسی وقت ان پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ حالات سلب یا کم نہ ہو جائیں اس کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری اور باطنی نعمتیں موت تک برقرار رہیں، بلکہ ان میں اضافہ ہوتا رہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت حسن کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جس وقت بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا تو ان کی عمر سات سال کی تھی، پھر اسی سال والد سے غائب رہے اور والدین کی ملاقات کے بعد تیس سال زندہ رہے، اور ایک سو بیس سال کی تھی اس کو اپنے

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف حضرت یعقوب سے کتنی مدت جدا رہے علماء کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں کلبی نے کہا ۲۲ سال جدا رہے۔ بعض نے ۴۰ سال مدت جدائی بیان کی۔ حسن بصری نے کہا ۱۱ سال کی عمر میں کنوئیں میں ڈالے گئے اور باپ سے اسی برس غائب رہے اور حضرت یعقوب کی ملاقات کے بعد ۲۳ سال جیئے اور ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ توریث میں آپ کی عمر ۱۱۰ سال ذکر کی گئی ہے۔

عزیز کی بیوی کے لطن سے حضرت یوسف کے تین بچے ہوئے افرائیم۔ میشا اور (تیسری لڑکی) رحمت

افرائیم کی نسل میں سے یوشع بن نون خادم موسیٰ ہوئے۔ رحمت حضرت ایوب صابر کی بیوی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف ساٹھ سال یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہے بہر حال وفات کے وقت (بر قول صحیح) آپ کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ اہل مصر نے سنگ مرمر کے ایک تابوت میں بند کر کے نیل میں آپ کو دفن کر دیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کی وفات کے بعد ہر محلے والوں نے اپنے محلے میں آپ کو دفن کرنا چاہا تا کہ اس محلے والوں کو برکت حاصل ہو اختلاف اتنا بڑھا کہ باہم جنگ ہونے اور لڑنے مرنے کا اندیشہ ہو گیا، آخر سب نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو نیل کے اندر دفن کر دیا جائے۔ نیل کا پانی پورے شہر میں پھیلتا تھا اس طرح آپ کی برکت سے پورا شہر بہرہ اندوز ہوگا۔

عکرمہ نے کہا نیل کے دائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ جانب بہت سرسبز اور غلہ آفریں ہو گیا اور دوسرا جانب خشک ہو گیا پھر آپ کو دائیں جانب سے نیل کے بائیں جانب منتقل کیا گیا تو دایاں جانب سوکھ گیا اور بائیں جانب سرسبز ہو گیا آخر نیل کے وسط میں دفن کر دیا۔ اس طرح نیل کے دونوں رخ سرسبز ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ تک آپ کی قبر نیل ہی میں رہی۔ پھر حضرت موسیٰ نے آپ کا تابوت نیل سے نکلوا کر ملک شام کو منتقل کیا اور باپ دادا کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم نے بحوالہ عروہ بن زبیر بیان کیا کہ اللہ نے جب حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر (شام کو) لے جاؤ تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا تھا کہ یوسف کی ہڈیاں بھی ساتھ لے جانا مصر کی زمین میں نہ چھوڑنا بلکہ ارض مقدسہ میں لے جا کر دفن کر دینا۔ حضرت موسیٰ نے تلاش کی کہ کوئی یوسف کی قبر کا نشان جاننے والا مل جائے تلاش کے بعد صرف ایک

موت کی تمنا

یا تو لقاء اللہ کے شوق میں فی الحال موت کی تمنا کی یا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی موت آئے اسلام (یعنی کامل تسلیم و رضا) پر آئے۔ (تنبیہ): حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب لقاء اللہ یا اور کسی غرض صالح کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی تھی ”ربنا افرغ علينا صبرا و توفنا مسلمین“ یا حضرت مریم نے کہا تھا یٰلَیْتَنیْ مِثْ قَبْلِ هٰذَا وَ کُنْتُ نَسِیًا مُّنْسِیًّا“ اور معاذ کی حدیث میں ہے۔ ”واذا اردت بقوم فتنه فاقبضنی الیک غیر مفتون.“ اور مسند احمد میں حدیث ہے یکرہ الموت والموت خیر للمومن من الفتن. حضرت علیؑ نے ہجوم فتن کے وقت دعا کی اللھم خذنی الیک فقد سئمتهم و سئمونی“ امام بخاریؒ کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی۔ اللھم توفنی الیک“ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گزریگا اور فتن زلازل کو دیکھ کر کہیگا۔ ”یا لیتنی مکانک“ کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔

وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ①

اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں ☆

اولیاء کی رفاقت کا شوق

یہ لفظ ایسے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرماتے تھے ”اللھم فی الرفیق الاعلیٰ“ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ”علم کامل پایا، دولت کامل پائی، اب شوق ہو اپنے باپ دادا کے مراتب کا“۔ گویا ”الْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ“ سے یہ غرض ہوئی کہ میرا مرتبہ اسحاق و ابراہیمؑ کے مراتب سے ملادے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی تک ملکی انتظامات میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے اختیار سے چھوڑ دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش ”شام“ لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ جنازہ وہیں لے گئے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئیگا جب ”بنی اسرائیل“ مصر سے نکلیں گے۔ اس وقت میری لاش بھی اپنے ہمراہ لے جائینگے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے

ساتھ ارض کنعان فلسطین میں لے گئے، اور حضرت اسحق اور یعقوب علیہما السلام کے برابر دفن کر دیا۔ (مظہری)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالیق کے فراعنہ مصر پر مسلط ہو گئے اور بنو اسرائیل ان کی حکومت میں رہتے ہوئے دین یوسف علیہ السلام پر قائم رہے مگر ان کو غیر ملکی سمجھ کر طرح طرح کی ایذائیں دی جانے لگیں، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عذاب سے نکالا۔ (تفسیر مظہری)

ہدایات اور احکام

آیات مذکورہ میں ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ والدین کی تعظیم و تکریم واجب ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ثابت ہوا۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیسی جائز تھا، اسی لئے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا مگر شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ کو خاص عبادت کی علامت قرار دیکر غیر اللہ کے لیے حرام قرار دیا گیا، قرآن مجید میں فرمایا لا تسجد والشمس ولا للقمر، اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ جب ملک شام گئے اور وہاں دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو واپس آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے، اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تسجد لی یا سلمان واسجد للحمی الذی لا یموت یعنی اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ صرف اس ذات کو کرو جو حی و قیوم ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔“ (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تعظیسی سجدہ جائز نہیں تو اور کسی بزرگ یا پیر کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِطْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وِلٰی

اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے

فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوْفِیْیْ مُسْلِمًا

دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر ☆

پر موت دے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ابھی ہی تجھے موت آجائے یا جیسے ہم مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں تیرے دین پر ہی موت آئے۔ یا ہماری یہی دعا کہ اللہ مجھے اسلام پر مار اور نیک کاروں میں ملا اور اگر یہی مراد ہو کہ واقعی آپ نے اسی وقت موت مانگی تو ممکن ہے کہ یہ بات اس شریعت میں جائز ہو۔ چنانچہ قنادہ کا قول ہے کہ جب آپ کے تمام کام بن گئے۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، ملک مال عزت آبرو خاندان برادری بادشاہت سب مل گئے تو آپ کو صالحین کی جماعت میں پہنچنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کسی نبی نے سوائے حضرت یوسف کے آپ سے پہلے موت طلب نہیں کی۔ ابن عباس فرماتے ہیں یہی سب سے پہلے اس دعا کے مانگنے والے ہیں۔ ممکن ہے اس سے مراد ابن عباس کی یہ ہو کہ اس دعا کو سب سے پہلے کرنے والے یعنی خاتمہ اسلام پر ہونے کی دعا کے سب سے پہلے مانگنے والے آپ ہی تھے۔

بخاری و مسلم کی اسی حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی سختی کے نازل ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو اس کی زندگی اس کی نیکیاں بڑھائے گی اور اگر وہ بد ہے تو بہت ممکن ہے کہ زندگی میں کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے۔ بلکہ یوں کہے اے اللہ جب تک میرے لئے حیات بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ۔ مسند احمد میں ہے ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ہمیں وعظ نصیحت کی اور ہمارے دل گرمادیے۔ اس وقت ہم میں سب سے زیادہ رونے والے (حضرت) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) تھے۔ روتے ہی روتے ان کی زبان سے نکل گیا کہ کاش میں مرجاتا۔ آپ نے فرمایا سعد میرے سامنے موت کی تمنا کرتے ہو؟ تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے پھر فرمایا اے سعد اگر تو جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جس قدر عمر بڑھے گی اور نیکیاں زیادہ ہوں گی تیرے حق میں بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں جب دیکھا کہ لوگوں کی شرارتیں کسی طرح ختم نہیں ہوتیں اور کسی طرح اتفاق نصیب نہیں ہوتا تو دعا کی کہ اللہ العالمین مجھے تو اپنی طرف قبض کر لے یہ لوگ مجھ سے اور میں ان سے تنگ آچکا ہوں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی جب فتنوں کی زیادتی ہوئی اور دین کا سنبھالنا مشکل ہو پڑا اور امیر خراسان کیساتھ بڑے بڑے معرکے پیش آئے تو آپ نے جناب باری سے دعا کی کہ خدایا اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکلے، حضرت یوسف کا تابوت بھی ساتھ لے گئے واللہ اعلم (تفسیر عثمانی) امام رازی فرماتے ہیں کہ میں اکثر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آئیگا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔

وفات یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی لڑکوں کے نام افرائیم اور میشائیم اور لڑکی کا نام رحمت تھا۔ جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئی جب آپ نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپ کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تاکہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام آپ کا تابوت شام لے گئے

اور جب حسب وصیت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسف کا تابوت بھی ساتھ لے گئے، اور شام میں لے جا کر ان کے آباء کرام کے پہلو میں ان کو دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد سلطنت مصر حسب سابق فرعون مصر کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ (معارف کا ندھلوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری دعاء

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انتقال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اٹھائی اور یہ دعا کی اے اللہ رفیق اعلیٰ میں ملادے۔ تین مرتبہ آپ نے یہی دعاء کی۔

یوسف علیہ السلام کی دعاء کا مقصد

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ جب بھی وفات آئے اسلام پر آئے اور نیکیوں میں مل جاؤں۔ یہ نہیں کہ اسی وقت آپ نے یہ دعا اپنی موت کے لئے کی ہو۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جو کوئی کسی کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تجھے اسلام

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں تو یوسف علیہ السلام کا واقعہ بتلائیے کہ کیا اور کس طرح ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجی الہی یہ سب بتلادیا اور وہ پھر بھی اپنے کفر و انکار پر جسے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا۔

اخبار غیب اور علم غیب میں فرق

ذَلِكَ مِنَ ابْتِئَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ يَهِي غَيْبِ كِي خَبْرُونَ
میں سے ہے جو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ بتلاتے ہیں“
یہی مضمون تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سورہ آل عمران آیت ۴۳ میں حضرت مریم کے قصہ میں آیا ہے ، ذَلِكَ مِنَ ابْتِئَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ اور سورہ ہود کی آیت نمبر ۲۸ میں نوح علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق آیا ہے تِلْكَ مِنَ ابْتِئَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ان آیتوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بہت سی غیب کی خبروں پر بذریعہ وحی مطلع کر دیتے ہیں خصوصاً ہمارے رسول سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ان غیب کی خبروں کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے جو تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قیامت تک ہونے والے بہت سے واقعات کا تفصیل یا اجمال سے پتہ دیا ہے کتب حدیث میں کتاب النہن کی تمام حدیثیں اس سے بھری ہوئی ہیں۔

عوام الناس چونکہ علم غیب صرف اسی کو جانتے ہیں کہ کوئی شخص غیب کی خبروں سے کسی طرح واقف ہو جائے اور یہ وصف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے مگر قرآن کریم نے صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے لَا يَعْلَمُونَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ علم غیب اللہ جل شانہ کی صفت خاصہ ہے۔ اس میں کسی رسول یا فرشتہ کو شریک سمجھنا ان کو اللہ کی برابر بنانے کے مرادف اور عیسائیوں کا عمل ہے۔ جو رسول کو خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں سے معاملہ کی پوری حقیقت واضح ہو گئی کہ علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور عالم الغیب صرف اللہ جل شانہ ہی ہیں البتہ غیب کی بہت سی خبریں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی

ذَلِكَ مِنَ ابْتِئَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ

خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا

اور تو نہیں تھا ان کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے

أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُونَ ﴿۱۷﴾

اپنا کام اور فریب کرنے لگے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قصہ نبوت کی دلیل

یعنی برادران یوسف جب ان کو باپ سے جدا کرنے اور کنوئیں میں ڈالنے کے مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ ان کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ ان کی باتیں سنتے اور حالات کا معائنہ کرتے۔ پھر ایسے صحیح واقعات بجز وحی الہی کے آپ کو کس نے بتائے۔ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے نہیں، کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں آئی پھر یہ حقائق جن کی اس قدر تفصیل بائبل میں بھی نہیں، آپ کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔ (تفسیر عثمانی)

معارف و مسائل

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ پورا بیان فرمانے کے بعد پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے: ذَلِكَ مِنَ ابْتِئَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ، یعنی یہ قصہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جو ہم نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا ہے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برادران یوسف کے پاس موجود نہ تھے۔ جبکہ وہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنا طے کر چکے تھے اور اس کے لئے تدبیریں کر رہے تھے۔

اس اظہار کا مقصد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس قصہ کو پوری تفصیل کے ساتھ صحیح صحیح بیان کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وحی کی واضح دلیل ہے، کیونکہ یہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہزاروں سال پہلے کا ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے کہ دیکھ کر بیان فرمادیا ہو اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں کسی سے تعلیم حاصل کی کہ کتب تاریخ دیکھ کر یا کسی سے سن کر بیان فرمادیا ہو اس لئے بجز وحی الہی ہونے کے اور کوئی راستہ اس کے علم کا نہیں۔

امام بغوی نے فرمایا کہ یہود اور قریش نے مل کر آزمائش کے لئے رسول

قرآن کو پیش کرنے یا خبریں بیان کرنے کی کوئی اجرت بھی تو نہیں مانگتے (کہ ان پر کچھ مالی بوجھ پڑتا ہو) یہ قرآن تو محض ایک عمومی نصیحت نامہ ہے (جس کو ماننے میں پیسے صرف کرنا نہیں پڑتے) جو اس کو نہ مانے گا تو اتمام حجت ہو جائے گا اور جو ایمان لانے والے ہیں ان کے لئے رحمت و بصیرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَاتِنَا فِي السَّمَوَاتِ

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمان

وَالْأَرْضِ يَمْزُونَ عَلَيْهَا

اور زمین میں جن پر گزر رہتا ہے ان کا اور

هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۵﴾

وہ ان پر دھیان نہیں کرتے ☆

تکوینی نشانیاں

یعنی جس طرح آیات تنزیلیہ سن کر آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسے ہی آیات تکوینیہ دیکھ کر خدا کی توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے اصل یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

معارف و مسائل

پچھلی آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور دعوت حق دینے کا ذکر اور انبیاء کے متعلق کچھ شبہات کا جواب دیا گیا تھا، آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ یہ لوگ انبیاء کی مخالفت کے انجام بد پر نظر نہیں کرتے، اگر یہ ذرا بھی غور کریں اور اپنے گرد و پیش کے شہروں اور مقامات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں کا انجام بد اس دنیا میں بھی کس قدر سخت ہوا ہے۔ قوم لوط علیہ السلام کی بستی الٹ دی گئی، قوم عاد و ثمود کو طرح طرح کے عذابوں سے نیست و نابود کر دیا گیا، اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بتلا دیتے ہیں یہ قرآن کریم کی اصطلاح ہیں علم غیب نہیں کہلاتا، اور عوام چونکہ اس بار یک فرق کو نہیں سمجھتے تو غیب کی خبروں ہی کو علم غیب کہہ دیتے ہیں اور جب قرآنی اصطلاح کے مطابق غیر اللہ سے علم الغیب کی نفی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے اختلاف کرنے لگتے ہیں جس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ۔

اختلاف خلق از نام اوفاد چوں بمعنی رفت آرام اوفاد

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا

بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶﴾

ہی چاہے ☆

یعنی باوجودیکہ آپ کی صداقت پر ایسی واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی اکثر لوگ وہ ہیں جو کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی) حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس آیت کا نزول عرب کے مشرکوں کے لبیک کہنے کے سلسلے میں ہوا۔ عرب کے مشرک (احرام یا طواف کعبہ کے وقت) ان الفاظ میں لبیک کہتے تھے، اے اللہ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک ہے جس کو تو نے شریک بنا لیا ہے اور تو اس کا مالک ہے وہ مالک نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ

اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ بدلہ یہ تو اور

هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۷﴾

کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو ☆

آپ کو کوئی نقصان نہیں

یعنی نہیں مانتے نہ مانیں، آپ کا کیا نقصان ہے کچھ تبلیغ کی تنخواہ تو آپ ان سے مانگتے نہ تھے کہ وہ بند کر لیں گے نصیحت اور فہمائش تھی سو ہو گئی اور ہو رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آپ کتنی ہی ان کے مومن ہو جانے کی خواہش کریں اور کتنے ہی معجزات کا اظہار کریں لیکن اللہ نے چونکہ ان کے کافر رہنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور آپ ان سے اس

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ

اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر

إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۷﴾

مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں ☆

مکہ والوں سے شرک

یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے چنانچہ مشرکین عرب "تلبیہ" میں یہ لفظ کہتے تھے "لیک اللهم لیک لا شریک لک الا شریکا هولک تملکہ وما ملک" کوئی اس کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے کسی نے احبار اور ہبان کو خدائی کے اختیارات دیدیے ہیں بہت سے تعزیہ پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کر رہے ہیں۔ ریا اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہونگے۔ غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے (اعاذنا اللہ من سائر انواع الشرک) (تفسیر عثمانی)

بدشگونی کا کفارہ

مسند میں ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص کوئی بدشگونی لیکر اپنے کام سے لوٹ جائے وہ مشرک ہو گیا۔ صحابہ نے دریافت کیا حضور پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہنا اللهم لا خیر الا خیرک ولا طیر الا طیرک ولا الہ غیرک یعنی اے اللہ سب بھلائیاں سب نیک شگون تیرے ہی ہاتھ میں ہیں تیرے سوا کوئی بھلائیوں اور نیک شگونوں والا نہیں۔

شرک کی باریکیاں اور تحفظ

مسند احمد میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ لوگو شرک سے بچو وہ تو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ چیز ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حرب اور حضرت قیس بن مضارب کھڑے ہو گئے اور کہا یا تو آپ اس کی دلیل پیش کیجئے یا ہم جائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ کی شکایت کریں۔ آپ نے فرمایا، لو دلیل لو، ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ سنایا

اور فرمایا لوگو! شرک سے بچو وہ تو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ پس کسی نے آپ سے پوچھا کہ پھر اس سے بچاؤ کیسے ہو سکتا ہے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو: اللهم انا نعوذ بک ان نشرک بک شیئا نعلمہ ونستغفرک مما لا نعلم۔

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سوال کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ شرک تو یہی ہے کہ خدا کے ساتھ دوسرے کو پکارا جائے۔ اس حدیث میں دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ اللهم انی اعوذ بک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک مما لا اعلم (مسند ابو یعلیٰ) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جسے میں صبح شام اور سوتے وقت پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھ اللهم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشہادۃ رب کل شیء وملیکہ اشہد ان لا الہ الا انت اعوذ بک من شر نفسی ومن شر الشیطان وشرکہ، اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا پڑھنی سکھائی، اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں وان اقترف علی نفسی سوء واجرہ الی مسلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَفَامِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آڈھائے ان کو ایک آفت

عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

اللہ کے عذاب کی یا آپہنچے قیامت

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۷﴾

اچانک اور ان کو خبر نہ ہو ☆

بے خوف کیوں ہو

یعنی ایسے بے فکر و بے خوف کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا انہوں نے عذاب الہی یا قیامت کے ہولناک حوادث سے محفوظ رہنے کا کچھ انتظام کر لیا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگ بازاروں میں مشغول ہوں

محضہ کی خاص لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکارا ٹھٹھا ہے
سُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (تفسیر عثمانی)

سبیلی میرا طریقہ میرا راستہ۔ ادعوا الی اللہ یہ سبیلی کی تشریح ہے یعنی میں اللہ کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانے اور ہر نامناسب وصف سے اس کو پاک سمجھنے اور اسی کے قرب کی طلب کرنے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں علی بصیرۃ بصیرت سے مراد ہے یقین اور معرفت یعنی میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خود تراشیدہ خیالات کو مانتے ہیں جن کا ان کو خود کوئی علم نہیں ہوتا۔ یا بصیرت سے مراد ہے بیان اور واضح روشن دلیل ومن اتبعنی یعنی جو لوگ مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور میری تصدیق کرتے ہیں وہ بھی اللہ کی طرف

بلاتے ہیں کلبی اور ابن زید نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والوں پر لازم ہے کہ جس راستے کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے اس کی طرف وہ بھی لوگوں کو بلائیں اور قرآن کا ذکر کرتے رہیں یا یہ مطلب ہے کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا من اتبعنی سے صحابہ کرام مراد ہیں۔ صحابہ راہ ہدایت پر تھے۔ معدن علم تھے کنز ایمان تھے اور اللہ کا لشکر تھے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا جو سنت پر چلنا چاہے وہ مردوں کے طریقے پر چلے یعنی صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلے۔ صحابہ کا گروہ اس امت میں سب سے زیادہ پاک باطن گروہ تھا جن کا علم بہت گہرا تھا اور بناوٹ بالکل نہ تھی، اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اپنے دین کی اشاعت کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا وہ راہ مستقیم پر گامزن تھے تم لوگ انہیں کے اخلاق اور زندگی کے طریقوں کو اختیار کرو اور انہیں سے مشابہت پیدا کرو۔

وسبحن اللہ یعنی میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور شرک سے اس کے پاک ہونے کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس تمام امت کے بہترین افراد ہیں جن کے قلوب پاک اور علم گہرا ہے تکلف کا ان میں نام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی صحبت و خدمت کیلئے منتخب فرمایا ہے تم انہی کے اخلاق و عادات اور طریقوں کو سیکھو۔ کیونکہ وہی سیدھے راستے پر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

گے کہ ایک سخت چیخ لوگوں کو ہجان میں ڈال دے گی۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی (بائع اور مشتری) کپڑا پھیلائے ہوئے (سودا کرنے میں مشغول) ہوں گے کہ قیامت آجائے گی نہ خرید و فروخت کر سکیں گے نہ کپڑے کو لپیٹ سکیں گے۔ یہ حدیث اور قیامت کی تشریح سورۃ اعراف کی آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا لَنْ يُؤْتِيَهُهَا الْكُفُورُ فِي سَاعَةٍ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْغَوَاثِ أَلَمْ نَجْعَلِ لَكَ فِيهَا حَمِيمًا مَّقْبُولًا (تفسیر مظہری)

مشرک، منافق اور ریاکار صحیحین میں ہے ابن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تیرا خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اس آیت کے تحت میں منافقین بھی داخل ہیں۔ ان کے عمل بھی اخلاص والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ریاکار ہوتے ہیں اور ریاکاری بھی شرک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ

کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف

عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

کچھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور

سُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بتانے والوں میں ☆

پیغمبروں کا راستہ

یعنی میرا راستہ یہ ہی خالص توحید کا راستہ ہے۔ میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اس کی توحید اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستے سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستے پر، حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا۔ جس سے سب ہمراہیوں کے دماغ روشن ہو گئے۔ یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں۔ خالص توحید کا راہرو ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت و بصیرت کی خاص روشنی اور عبودیت

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب

رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

سو کیا ان لوگوں نے نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان

قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ

سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے

اتَّقُوا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۹﴾

والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے ☆

کبھی کوئی فرشتہ نبی نہیں بنا

یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ انبیائے سابقین ان ہی انسانی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو ان کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ حالانکہ دنیا میں کافروں کو بھی بسا اوقات عیش نصیب ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کی بہتری تو خالص ان ہی کیلئے ہے جو شرک و کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تشبیہ ہے کفار مکہ کو کہ اگلوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں۔

تشبیہ:- اس آیت سے نکلتا ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ حضرت مریم کو بھی قرآن نے ”صدیقہ“ کا مرتبہ دیا ہے۔ نیز آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بوادی (جنگلی گنواروں) میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

کوئی عورت نبی یا رسول نہیں بنی

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق لفظ رجال سے معلوم ہوا

کہ رسول ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں عورت نبی یا رسول نہیں ہو سکتی۔ امام ابن کثیر نے جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا۔ بعض علماء نے چند عورتوں کے متعلق نبی ہونے کا اقرار کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم ام عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ ان تینوں خواتین کے بارے میں قرآن کریم میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ بحکم خداوندی فرشتوں نے ان سے کلام کیا، اور بشارت سنائی یا خود ان کو وحی الہی سے کوئی بات معلوم ہوئی مگر جمہور علماء کے نزدیک ان آیتوں سے ان تینوں خواتین کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا درجہ ہونا تو ثابت ہوتا ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ صرف یہ الفاظ ان کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

رسول شہر والوں سے بھیجے

اور اسی آیت میں لفظ اهل القرى سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول عموماً شہروں اور قصبوں کے رہنے والوں میں سے بھیجتے ہیں دیہات اور جنگل کے باشندوں میں سے رسول نہیں ہوتے کیونکہ عموماً دیہات اور جنگل کے باشندے سخت مزاج اور عقل و فہم میں کامل نہیں ہوتے۔ (ابن کثیر قرطبی وغیرہ)

نُوحِي إِلَيْهِمْ یعنی جس طرح آپ کے پاس وحی بھیجی اسی طرح ان پیغمبروں کے پاس بھی وحی بھیجتے رہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہو گئے۔ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ یعنی وہ قصبوں اور بستیوں کے رہنے والے تھے۔ صحرائی خانہ بدوش نہ تھے۔ صحرائی لوگ بدخلق، اکھڑ اور درشت خو ہوتے ہیں اور بستیوں، شہروں والے دانش مند، ذی علم اور حلیم الطبع ہوتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ نے نہ کسی جن کو پیغمبر بنایا نہ کسی عورت کو نہ کسی خانہ بدوش صحرائی کو۔

میں کہتا ہوں اس آیت سے نبوت جن کی نفی نہیں ہوتی۔ (رجال جنات میں سے بھی ہوتے ہیں) اللہ نے فرمایا

كَانَ رِجَالًا مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْإِنسِ، اس کے علاوہ اس جگہ انسانوں کے پاس پیغمبر بھیجنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنات کے پاس جن کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا اللہ نے خود فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ

لَآتَيْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكَاتٌ سَوَالًا

پیغمبروں کیلئے حالات کی سنگینی

یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نظر نہ آتے تھے۔ غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کیلئے یاس انگیز تھے یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر خیال کر لیا کہ انبیاء سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ کا ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اور اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ یا وساوس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گذرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ ”وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ“ (بقرہ۔ رکوع ۲۶)۔ جب مجرمین کی بے خونی اور انبیاء کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی۔ پھر جس کو خدا نے چاہا (یعنی فرمانبردار مومنین کو) محفوظ و مہمون رکھا۔ اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔

تنبیہ:- اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمت و مہربانی سے مایوس ہونا کفر ہے لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں۔ آیت ”حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْيَسَ الرُّسُلُ“ میں یہ ہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالات و آثار کے اعتبار سے ہو، ورنہ پیغمبر خدا کی رحمت سے کب مایوس ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ:- کفر کا دوسرا کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان یا عصمت کے منافی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں (بے اختیار) پاتے ہیں جن کے زبان پر لانے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کیا ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا ہاں فرمایا ”ذاک صریح الایمان“ یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پچھلے منکروں سے عبرت پکڑو

یعنی آپ کی تکذیب کرنے والے مشرک ملک میں چل کر پھر کراتا نہیں دیکھتے کہ پہلے پیغمبروں کو اور ان کے معجزات کو جھوٹا قرار دینے والوں کا کیسا برانقیبہ ہوا ان کے برے انجام کو دیکھ کر ان کو عبرت حاصل کرنا اور آپ کی تکذیب نہ کرنا چاہیے تھا۔ یا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور آخرت کی طرف سے غافل ہو کر دنیا پر ٹوٹے پڑتے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ اس کو دیکھنے کیلئے دیدہ عبرت نگاہ کی ضرورت ہے ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ پچھلے دنیا پرستوں کا کیا انجام ہوا اور اللہ نے اپنے دوستوں اور اطاعت شعار بندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا دنیا میں نازل شدہ عذاب سے ان کو بچالیا اور آخرت میں جو کچھ ان کو دیا جائے گا وہ اس دنیا سے کہیں بہتر ہوگا۔ عقل سے کام لینے کی اور یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آخرت ہی بہتر ہے۔ (تفسیر مظہری)

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْيَسَ الرُّسُلُ

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول

وَضَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا

اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا

جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مِنْ نَشَأِهِمْ

پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم

الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۰﴾

گنہگار سے ☆

مہلت سے دھوکہ نہ کھاؤ

یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ۔ پہلی قوموں کو بھی ایسی مہلتیں دی گئیں۔ اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگے۔

پیغمبر کس چیز سے مایوس ہوئے

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق محذوف کلام سے ہے اصل کلام یوں تھا کہ ان کافروں کو اس بات سے فریب خوردہ نہ ہونا چاہیے کہ اتنے زمانے تک ان پر عذاب نہیں آیا اور اب تک تباہی سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ ان سے پہلے لوگوں (مثلاً امت نوح وغیرہ) کو بڑی طویل مہلتیں دی جا چکی ہیں یہاں تک کہ پیغمبر بھی ان کے ایمان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ باوجود کفر میں ڈوب جانے کے یہ لوگ عیش و آرام میں ہیں مدت دراز سے چین و راحت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کا کچھ نہیں بگڑا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک آیت کا ظاہری مطلب ہی مراد ہے پیغمبر بھی بشر تھے اور بہ تقاضائے بشریت ان کو گمان ہونے لگا کہ ہم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ غلط نکلا یہ گمان پیغمبروں کے ضعف قلب اور تقاضائے بشریت کا نتیجہ تھا پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ یہاں تک کہ پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی یہ مطلب وہی ہے جس کا حضرت عائشہ نے انکار کر دیا (اور اسی وجہ سے کذبوا کی قرأت کا بھی انکار کر دیا)

بیضاوی نے لکھا ہے اگر صحیح روایت سے حضرت ابن عباس کا یہ قول ثابت ہو جائے تو اس وقت ظن سے مراد ہوگا وسوسہ اور بے اختیار دل میں پیدا ہونے والا خیال۔ طبی نے لکھا ہے روایت صحیح ہے بخاری نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا حضرات انبیاء کرام سے خطا اجتہادی کا واقع ہونا عصمت کے منافی نہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ میں اس کی تفصیل آئے گی۔ غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور انبیاء کرام کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاء یہ گمان کرنے لگے کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد کو پہنچ گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکا یک اور ناگہاں ان کو مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاء نے جو نصر و ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی

انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور محبین کے ساتھ سنت قدیمہ یہ ہے کہ جب ابتلاء اور امتحان اس حد کو پہنچ جائے کہ کلیجہ منہ کو آجائے۔ تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو جو ان کو بر ملا جھوٹا بتلا رہے تھے زیروزبر اور تہ و بالا کرتے ہیں اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھلاتے ہیں۔ پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا۔ یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی پیغمبروں کو اور ان کے پیروؤں کو طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ظاہری اسباب سے ناامید ہو کر اپنے پروردگار سے یہ عرض کرنے لگتے ہیں مَتَى نَصُرَ اللَّهُ اے اللہ ہماری مدد کر اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہوگی تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزرا

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَتَشَهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَّاءُ

وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تفسیر

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے یہ تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں مہلت دادیم تا وقتیکہ ناامید شدند پیغمبران و گمان گردند قوم ایساں کہ بدروغ وعدہ کردہ شد بایشاں آمد بایشاں نصرت ما (فتح الرحمان) اور اسی طرح طبری نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ کسی نے سعید بن جبیر سے اس آیت کے معنی پوچھے تو کہا کہ ناامید ہوئے پیغمبر اپنی قوم سے کہ وہ ان کو سچا جانیں اور مرسل الیہم (یعنی قوم) نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قرآن ذریعہ ہدایت

یعنی قرآن کریم جس میں یہ قصص بیان ہوئے کوئی جھوٹی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنیوالا اور ہر ضروری چیز کو کھول کر بیان کرنیوالا ہے۔ چونکہ ایماندار اس سے نفع اٹھاتے ہیں اس لحاظ سے انکے حق میں خاص طور پر ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔ نفعنا اللہ بعلوہ و رزقنا تلاوتہ آناء اللیل و آناء النهار وجعلہ حجة لنا لاعلینا آمین۔ تم سورۃ یوسف علیہ السلام بعون اللہ تعالیٰ (تفسیر عثمانی) (یہ قرآن) نہیں ہے تراشی ہوئی بات (کہ اس سے عبرت و نصیحت نہ ہو) بلکہ اس سے پہلے کی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔

یفتوری از خود گڑھی ہوئی تراشی ہوئی۔ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ سَہْمٌ مَّرَادٌ ہُوَ تَوْرِیْتُ وَانْجِیْلِ۔ کل شی سے مراد ہے ہر ضروری دینی بات جس کی بندوں کو حاجت ہوتی ہے ہر دینی امر کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے خواہ براہ راست یا (حدیث کو اجماع اور اجتہاد کے) واسطہ سے۔ جو مسئلہ حدیث سے ثابت ہے وہی قرآن سے بھی ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ هُمْ نَبِیُّنَہُمْ لَمْ یُجِئُوا بِشَیْءٍ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَیْسَ لَہُمْ شَیْءٌ مِّنْ دُونِ اللَّهِ سِوَاہُ الذِّہْنِ وَانْجِیْلِ۔ ہر پیغمبر کو اس لئے بھیجا کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَهُوا رسول اللہ جو کچھ تم کو دیدیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ جو مسئلہ اجماع سے ثابت ہے وہی قرآن سے بھی ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّہُ مَا تَوَلَّىٰ ہُدَايَتِ ظَاہِرِ ہونے کے بعد جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ جائے گا اور اہل ایمان کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے گا تو ہم اس کو اسی کے اختیار کردہ راستہ پر چلنے دیں گے۔ اور جو مسئلہ قیاس سے ثابت ہے وہ بھی قرآن سے ہی ثابت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْبَصَارِ اے عقل والو نصیحت حاصل کرو عبرت پکڑو۔

چونکہ اہل ایمان ہی قرآن سے نفع اندوز ہوتے ہیں اس لئے انہی کا خاص طور پر ذکر کیا (اگرچہ قرآن کی راہنمائی ہر شخص کیلئے عام ہے)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ

البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے

لِأُولِي الْأَلْبَابِ

عقل والوں کے ☆

ان قصوں سے عبرت حاصل کرو

یعنی یہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں۔ تاریخی حقائق ہیں۔ جن سے عقلمندوں کو سبق لینا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی) یعنی ان دانش مندوں کے لئے عبرت ہے جن کی عقلیں سلیم اور محسوس پرستی کی طرف میلان سے پاک ہیں قید چاہ سے مرتبہ شاہ پر فائز کرنا اور بوریہ سے اٹھا کر تخت شاہی پر پہنچانا بڑا عبرت آفریں ہے صبر کا انجام سلامتی اور عزت ہے اور فریب کا نتیجہ رسوائی اور ندامت ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ”یعنی ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کیلئے بڑی عبرت ہے“ اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام کے قصے جو قرآن میں مذکور ہیں وہ بھی ہو سکتے ہیں اور خاص حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے وہ بھی، کیونکہ اس واقعہ میں یہ بات پوری طرح روشن ہو کر سامنے آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی کس کس طرح سے تائید و نصرت ہوتی ہے، کہ کنویں سے نکال کر ایک تخت سلطنت پر اور بدنامی سے نکال کر نیک نامی کی انتہاء پر پہنچا دیئے جاتے ہیں، اور مکر و فریب کرنے والوں کا انجام ذلت و رسوائی ہوتا ہے۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

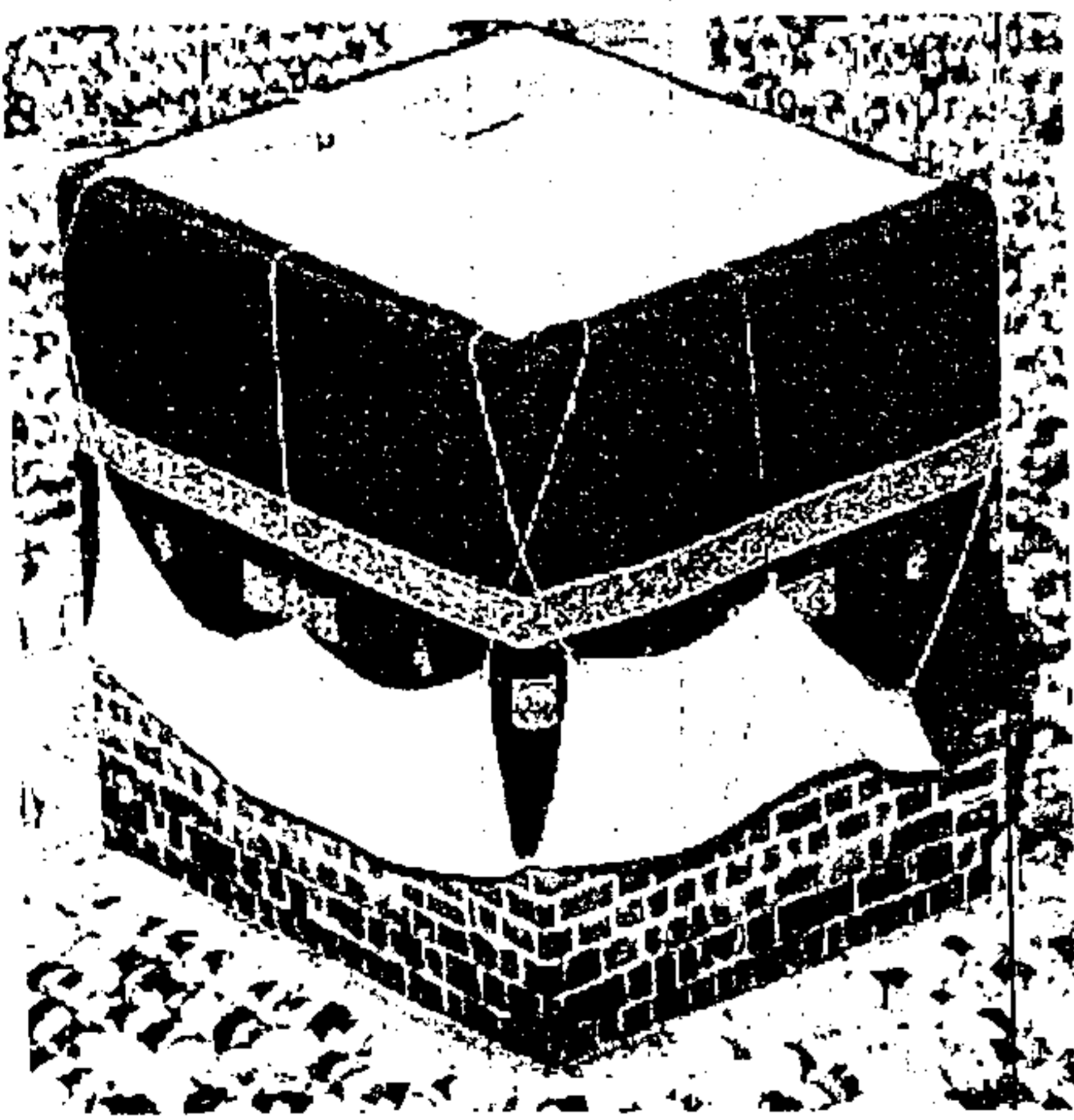
اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت

وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْمُؤْمِنِينَ

اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ☆

کو تسلی دینا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ ایذائیں اپنی قوم کے ہاتھوں پہنچ رہی ہیں پچھلے انبیاء کو بھی پہنچتی رہیں، مگر انجام کار اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو غالب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اللَّهُمَّ
سُبْحَانَكَ يَا يَاسُفُ



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صبر کی تلقین

شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صبر کی تلقین ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی تو یوسف علیہ السلام کے ساتھ دین میں موافق تھے اور سب ایک باپ کے بیٹے تھے یوسف کے ساتھ انہوں نے بدسلوکی کی اور یوسف علیہ السلام نے صبر کیا اور دانستہ ان کی خطاؤں سے درگزر کی اور معاف کر دیا۔ پس آپ کو تو اپنی قوم کی ایذا رسائیوں پر زیادہ صبر کرنا چاہیے۔ آپ کی قوم تو کافر اور جاہل ہے۔

وہب کا قول ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی اس میں قرآن کی طرح پوری سورت یوسف نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
”یعنی نہیں ہے یہ قصہ کوئی گھڑی ہوئی بات، بلکہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، کیونکہ تورات و انجیل میں بھی یہ قصہ یوسف علیہ السلام کا مذکور ہے۔ اور حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں یوسف علیہ السلام کے قصہ سے کوئی خالی نہیں۔ (مظہری)

کامل رہنمائی

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ”یعنی یہ قرآن تفصیل ہے ہر چیز کی مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر اس چیز کی تفصیل موجود ہے جس کی دین میں انسان کو ضرورت ہے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، حکومت، سیاست وغیرہ انسانی زندگی کے ہر انفرادی یا اجتماعی حال سے متعلق احکام و ہدایات اس میں موجود ہیں اور فرمایا کہ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے۔ اس میں ایمان لانے والوں کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ اس کا نفع ایمان والوں ہی کو پہنچ سکتا ہے کافروں کے لئے بھی اگرچہ قرآن رحمت اور ہدایت ہی ہے مگر ان کی اپنی بدعملی اور نافرمانی کے سبب یہ رحمت و ہدایت ان کے لئے وبال بن گئی۔

شیخ ابو منصور نے فرمایا کہ پوری سورہ یوسف علیہ السلام اور اس میں درج شدہ قصہ یوسف کے بیان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب اور الذی انزل الیک دو چیزیں الگ الگ ہوں، اس صورت میں کتاب سے مراد قرآن اور الذی انزل الیک سے مراد وہ وحی ہوگی جو علاوہ قرآن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی ہے، کیونکہ اس میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی وحی صرف قرآن میں منحصر نہیں، خود قرآن کریم میں ہے وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَاخِي يُؤْتِي لِعْنِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو کچھ کہتے ہیں وہ کسی اپنی غرض سے نہیں کہتے، بلکہ ایک وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بھیجی جاتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کے علاوہ دوسرے احکام دیتے ہیں وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کی تلاوت نہیں ہوتی، اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور الفاظ دونوں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہوتے ہیں، اور قرآن کے علاوہ حدیث میں جو احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں، ان کے بھی معانی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتے ہیں، مگر الفاظ منزل من اللہ نہیں ہوتے، اسی لئے نماز میں ان کی تلاوت نہیں کی جاسکتی، (معارف القرآن)

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ

اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرْوِنَهَا

بغیر ستون دیکھتے ہو ☆

دنیا کی چھت

یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبہ یا گاڈر دکھائی نہیں دیتا۔ جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی بجز اس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اس کا قیام ہے۔

وَيُسَبِّحُ السَّمَاءُ اَنْ تَقَعَّ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ“ (حج رکوع ۹)

نظر کشش

کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کشش کو عرفاً عمداً نہیں کہتے اور اگر عمداً کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔ ”روی عن ابن عباس ومجاهد والحسن و قتادة و غير واحد انهم قالوا لها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ رعد

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کو محتاجی ملتی رہے گی اور ایک قول ہے کہ اس کی وفات قریب ہوگی۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْمَرَّ قَفْ تِلْكَ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ ط و

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور

الَّذِیْ اُنزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ

جو کچھ اترتا ہے تجھ پر تیرے رب سے سچ ہے

وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

لیکن بہت لوگ نہیں مانتے ☆

عظیم الشان کتاب

یعنی جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ پر پروردگار کی طرف سے اتاری گئی۔ یقیناً حق و صواب ہے لیکن جائے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

المرّ، یہ حروف مقطعه ہیں، جن کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اُمت کو اس کے معنی نہیں بتلائے گئے، عام اُمت کو اس کی تحقیق میں پڑنا بھی مناسب نہیں،

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن کی طرح وحی الہی ہے پہلی آیت میں قرآن کریم کے کلام الہی اور حق ہونے کا بیان ہے، کتاب سے مراد قرآن ہے اور الذی انزل الیک من ربک سے بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن ہی مراد ہو..... لیکن واو حرف عطف بظاہر یہ چاہتا ہے کہ

کیا آسمان آنکھوں سے نظر آتا ہے

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نیلا رنگ جو ہمیں اوپر نظر آتا ہے آسمان کا رنگ ہے مگر فلاسفہ کہتے ہیں کہ یہ رنگ روشنی اور اندھیر کی آمیزش سے محسوس ہوتا ہے، کیونکہ نیچے ستاروں کی روشنی اور اس کے اوپر اندھیری ہے تو باہر سے رنگ نیلا محسوس ہوتا ہے، جیسے گہرے پانی پر روشنی پڑتی ہے تو وہ نیلا نظر آتا ہے، قرآن کریم کی چند آیات ایسی ہیں جن میں آسمان کے دیکھنے کا ذکر ہے، جیسے اسی آیت مذکورہ میں ترونها کے الفاظ ہیں، اور دوسری آیت میں **إِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ دَفَعْتُمْ** کے الفاظ ہیں، فلاسفہ کی یہ تحقیق اول تو اس کے منافی نہیں، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ آسمان کا رنگ بھی نیلا ہو، یا کوئی دوسرا رنگ ہو مگر درمیانی روشنی اور اندھیری کے امتزاج سے نیلا نظر آتا ہو، اس سے انکار کی کوئی دلیل نہیں کہ اس فضاء کے رنگ میں آسمان کا رنگ بھی شامل ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن کریم میں جہاں آسمان کے دیکھنے کا ذکر ہے وہ حکمی اور مجازی ہو کہ آسمان کا وجود ایسے یقینی دلائل سے ثابت ہے کہ گویا دیکھ ہی لیا۔ (روح المعانی، معارف القرآن)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ

پھر قائم ہوا عرش پر ☆

”استوی علی العرش“ کے متعلق ”سورہ اعراف“ آٹھویں پارہ کے آخر میں کلام کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا

اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک

لِيَجْزِيَ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى

چلتا ہے وقت مقرر پر ☆

چاند اور سورج کا دورہ

یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے۔ یا ”لِيَجْزِيَ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى“ کے معنی وقت مقرر تک لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے قیامت تک ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے کیا خوب کہا ہے۔

عمد ولكن لا نرى (ابن کثیر) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی) کرسی، عرش اور آسمان

حدیث شریف میں ہے ساتوں آسمان اور ان میں اور ان کے درمیان میں جو کچھ ہے وہ کرسی کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے کہ چٹیل میدان میں کوئی حلقہ ہو اور کرسی عرش کے مقابلے پر بھی ایسی ہی ہے۔ عرش کی قدر اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بعض سلف کا بیان ہے کہ عرش سے زمین تک کا فاصلہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ عرش سرخ یا قوت کا ہے۔ بعض مفسر کہتے ہیں آسمان کے ستون تو ہیں لیکن دیکھے نہیں جاتے۔ لیکن ایسا بن معاویہ فرماتے ہیں آسمان زمین پر مثل قبة کے ہے یعنی بغیر ستون کے ہے۔ قرآن کے طرز عبارت کے لائق بھی یہی بات ہے اور آیت **وَيَمْسُكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ** سے بھی یہی ظاہر ہے۔ پس ترونها اس نفی کی تاکید ہوگی۔ یعنی آسمان بلا ستون اس قدر بلند ہے اور تم آپ دیکھ رہے ہو، یہ ہے کمال قدرت۔

امیہ بن الصلت کے اشعار

امیہ بن ابو الصلت کے اشعار میں ہے جس کے اشعار کی بابت حدیث میں ہے کہ اس کے اشعار ایمان لائے ہیں اور اس کا دل کفر کرتا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ اشعار حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے ہیں جن میں ہے

وقت الذی من فضل من ورحمة
قلت له فاذهب و هارون فادعوا
وقولا له هل انت سويت هذه
وقولا له انت رفعت هذه
وقولا له هل انت سويت وسطها
وقولا له من لبث لحب في لثري
وقولا له من يرسل الشمس غلوة
ويخرج منه حبه في رؤسه
بعث الي موسى رسولا مناديا
الي الله فرعون الذی كان طاغيا
بلا وتد حتى استقلت كما هيا
بلا عمد او فوق ذلك بانيا
منيرا اذا ما جنك الليل هاديا
فيصبح منه العشب يهتر رايا
فيصبح مامست من الارض ضاحيا
فهي ذاك ايت لمن كان واعيا

ارشاد فرمایا: **اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا** یعنی اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں کے اتنے بڑے وسیع اور بلند قبة کو بغیر کسی ستون کے اونچا کھڑا کر دیا، جیسا کہ تم ان آسمانوں کو اسی حالت میں دیکھ رہے ہو۔

ہوتی ہے، انسانی مصنوعات میں سائنس کی اس انتہائی ترقی کے بعد بھی اس کی نظیر تو کیا اس کا ہزارواں حصہ ملنا بھی ناممکن ہے، یہ نظام قدرت با آواز بلند پکار رہا ہے کہ اس کو بنانے اور چلانے والی کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو انسان کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے۔ (معارف القرآن)

يُدِيرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ

تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں

لَعَلَّكُمْ يَلْقَاءُ رَبِّكُمْ تَوْقِنُونَ ﴿۱۰﴾

کہ شاہد تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو ☆

تدبیر کائنات دلیل قیامت

یعنی جس نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا اُسے تہہ را دو بارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، بیدار مغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لئے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رکھتی، نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے انماض کر سکتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین و آسمان کے تحت کا تنہا مالک اور اپنی تدبیر و حکمت سے تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام با حسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے۔ مطیع و عاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع و عاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر چیز کی تدبیر درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، انسانی

تدبیر برائے نام ہے

يُدِيرُ الْأَمْرَ ”یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ انسان جو اپنی تدبیروں پر نازاں ہے ذرا آنکھ کھول کر دیکھے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تدبیر کسی چیز کو نہ پیدا کر سکتی ہے، نہ بنا سکتی ہے، اس کی ساری تدبیروں کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ خداوند سبحانہ و تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کا صحیح استعمال سمجھ لے، تمام اشیاء عالم کے استعمال کا

والارض فيها عبرة للمعتبر تخبر من صنع مليك مقتدر (ترجمہ): اور زمین میں عبرتیں ہیں۔ عبرت حاصل کرنے والے کے لئے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملوک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقى بماء واحد اشجارها وبقعته واحدة قرارها (ترجمہ): ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا اقرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والهواء ليس يختلف واكلها مختلف لا يا تلف (ترجمہ): جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذامن عمل الطبايع ادائه صنعه غير صانع لم يختلف وكان شيئاً واحداً وهل يشبه الاولاد الا والداً (ترجمہ): اگر یہ طبیعت اور مادہ کا تخل ہو تا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا ہے جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے۔

الشمس والهواء يا معاند والماء والتراب شيء واحد! فما الذي او جب اتفاضلا الا لحكيم لم يرده باطلا (ترجمہ): جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳) (معارف کا ندھلوی)

سیاروں کی رفتار اور مدار

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہر ایک سیارے کے لئے ایک خاص رفتار اور خاص مدار مقرر کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے مدار پر اپنی مقررہ رفتار کے ساتھ چلتا رہتا ہے، چاند اپنے مدار کو ایک ماہ میں پورا کر لیتا ہے، اور آفتاب سال بھر میں پورا کرتا ہے۔

ان سیاروں کا عظیم الشان وجود، پھر ایک خاص مدار پر خاص رفتار کے ساتھ ہزاروں سال سے یکساں انداز میں اسی طرح چلتے رہنا کہ نہ کبھی ان کی مشین گھستی ہے نہ ٹوٹی ہے، نہ اس کو گرینگ کی ضرورت

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا! أَوْرَوْهُ يَوْمَ ذَاتِ الْحُجَّةِ
ہے جس نے زمین کو پھیلا یا اور اس میں بوجھل پہاڑ اور نہریں بنائیں۔“
زمین کا گول ہونا

زمین کا پھیلانا اس کے کرہ اور گول ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ
گول چیز جب بہت بڑی ہو تو اس کا ہر ایک حصہ الگ الگ ایک پھیلی
ہوئی سطح ہی نظر آتا ہے، اور قرآن کریم کا خطاب عام لوگوں سے انہی کی
نظروں کے مطابق ہوتا ہے، ظاہر دیکھنے والا اس کو ایک پھیلی ہوئی سطح
دیکھتا ہے، اس لئے اس کو پھیلائے سے تعبیر کر دیا گیا۔

پہاڑ اور نہریں

پھر اس کا توازن قائم رکھنے کے لئے نیز اور بہت سے دوسرے
فوائد کے لئے اس پر اونچے اونچے بھاری پہاڑ قائم فرمادیئے، جو ایک
طرف زمین کا توازن قائم رکھتے ہیں، دوسری طرف ساری مخلوق کو
پانی پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں، پانی کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی
چوٹیوں پر بحر منجمد (برف) کی شکل میں رکھ دیا جاتا ہے، جس کے لئے
نہ کوئی حوض ہے اور نہ ٹنکی بنانے کی ضرورت ہے، نہ ناپاک ہونے کا
احتمال ہے، نہ سڑنے کا امکان۔ (معارف القرآن)

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ

اور ہر میوے کے رکھے

فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

اس میں جوڑے دو دو قسم ☆

یعنی چھوٹا بڑا، کھٹا بیٹھا، سیاہ و سفید، گرم سرد اور جدید تحقیق کے
موافق ہر ایک میں زرمادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

يُغْشَى الْبَيْتَ النَّهَارَ

ڈھانکتا ہے دن پر رات کو ☆

اس کے معنی سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان
ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

نظام بھی اس کی قدرت سے خارج ہے، کیونکہ انسان اپنے ہر کام
میں دوسرے ہزاروں انسانوں، جانوروں اور دوسری مخلوقات کا
محتاج ہے جن کو اپنی تدبیر سے اپنے کام میں نہیں لگا سکتا، قدرت
خداوندی ہی نے ہر چیز کی کڑی دوسری چیز سے اس طرح جوڑی
ہے، کہ ہر چیز کھینچی چلی آتی ہے، آپ کو مکان بنانے کی ضرورت پیش
آتی ہے تو نقشہ بنانے والے آرکیٹیکٹ سے لے کر رنگ و روغن
کرنے والوں تک سینکڑوں انسان اپنی جان اور اپنا ہنر لئے ہوئے
آپ کی خدمت کو تیار نظر آتے ہیں، سامان تعمیر جو بہت سی ڈکانوں
میں بکھرا ہوا ہے سب آپ کو تیار مل جاتا ہے، کیا آپ کی قدرت میں
تھا کہ اپنے مال یا تدبیر کے زور سے یہ ساری چیزیں مہیا اور سارے
انسانوں کو اپنی خدمت کے لئے حاضر کر لیتے، آپ تو کیا کوئی بڑی
سے بڑی حکومت بھی قانون کے زور سے یہ نظام قائم نہیں کر سکتی بلا
شبہ یہ تدبیر اور نظام عالم کا قیام صرف حسی و قیوم ہی کا کام ہے،
انسان اگر اس کو اپنی تدبیر قرار دے تو جہالت کے سوا کیا ہے۔

لَعَلَّكُمْ يَلْقَاءُ رَبِّكُمْ تَوْقِنُونَ . یعنی یہ سب کائنات اور ان کا
عجیب و غریب نظام و تدبیر اللہ تعالیٰ نے اس لئے قائم فرمائے ہیں کہ
تم اس میں غور کرو، تو تمہیں آخرت اور قیامت کا یقین ہو جائے،
کیونکہ اس نظام عجیب اور پیدائش عالم پر نظر کرنے کے بعد یہ اشکال
تو رہ نہیں سکتا کہ آخرت میں انسان کے دوبارہ پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ
کی قدرت سے خارج سمجھیں، اور جب داخل قدرت اور ممکن ہونا
معلوم ہو گیا، اور ایک ایسی ہستی نے اس کی خبر دی جس کی زبان پوری
عمر میں کبھی جھوٹ پر نہیں چلی، تو اس کے واقع اور ثابت ہونے میں
کیا شک رہ سکتا ہے، (معارف القرآن)

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ

اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے

فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا

اس میں بوجھ اور ندیاں ☆

یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے
رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں ان کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَبَعَاتٌ وَجُدَّتْ

اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے سے متصل اور باغ ہیں

مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ

انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں

صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ

ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعضے بن ملی ان کو پانی بھی

وَإِحِدٍ قَفٌّ وَتَفْصِيلٌ بَعْضُهَا عَلَى

ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھادیے ہیں ان میں ایک

بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کو ایک سے میووں میں ان چیزوں میں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾

نشانیاں ہیں ان کو جو غور کرتے ہیں ☆

قدرت کے کارنامے

بلند آسمانوں کے مقابل پست زمین کا ذکر کیا۔ آسمان کے ساتھ چاند سورج کا بیان ہوا تھا کہ ہر ایک کی رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جدا گانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں، دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا کہیں پہاڑ کھڑے ہیں کہیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی شکل و صورت، رنگ، مزہ، چھوٹے بڑے بلکہ نرم مادہ کا اختلاف ہے۔ کبھی زمین دن کے اجالے سے روشن ہو جاتی ہے کبھی رات کی سیاہ نقاب منہ پر ڈال لیتی ہے۔ پھر طرفہ تماشایہ ہے کہ چند قطععات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں، ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے۔ اس کے باوجود

اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے ان نشانوں کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی ابر رحمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی و روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ مستبعد و مستنکر نہیں ہے اور یہ کہ لامحدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط حد بندی کر رکھی ہے۔ پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوط عناصر کی کیمیاوی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اس کے مستقر میں پہنچا دے۔ (تفسیر عثمانی)

گلابائے رنگ رنگ

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَبَعَاتٌ. اور زمین میں پاس پاس ملے ہوئے (مختلف) قطععات ہیں کوئی عمدہ (اور پیداواری) ہے اور کوئی شوریلہ نمکین کوئی نرم کوئی سخت، کوئی کھیتی کرنے کے قابل ہے درخت بونے کے قابل نہیں کوئی درختوں کی سر زمین ہے کھیتی کے ناقابل کسی میں سبزہ کم ہے (یا بنجر ہے) اور کئی سبزہ زار ہے اگر یہ فعل قادر مختار اور صانع حکیم کا نہیں تو پھر یہ اختلاف کیوں ہے اور کیوں خواص میں تفاوت ہے زمین کی طبیعت ایک ہی ہے لوازم طبیعت بھی یکساں ہیں سماوی اسباب کی تاثیر بھی ایک ہی جیسی ہے وضع اور نسبت میں بھی کوئی فرق نہیں پھر سوائے اس کے کہ ایک قادر مختار کی مشیت کی کار فرمائی قرار دی جائے اور کیا سبب اختلاف بتایا جاسکتا ہے۔

مجاہد نے کہا اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باپ سے سب آدمی پیدا ہوئے لیکن کوئی اچھا ہے کوئی بُرا، حسن نے اس کی تشبیہ انسانوں کے دلوں سے دی ہے۔ زمین کا ایک خمیر تھا اللہ نے اپنے دست قدرت سے اس کو پھیلا یا بچھایا اور پاس پاس اس کے جدا جدا ٹکڑے کر دیئے پھر اس پر آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے ایک ٹکڑے سے پھل پھول اور کھیتیاں درخت پیدا کئے اور دوسرے کو نشور یلا نمکین کلر اور بنجر کر دیا، باوجودیکہ سب پر ایک ہی طرح کا پانی برسایا، آدمیوں کی حالت بھی اسی طرح ہے سب کو آدم سے پیدا کیا اور سب کے لئے ہدایت نامہ (کا پانی) آسمان سے اتارا کچھ دل تو

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَابْرَزْتَهُمْ

وہی ہیں جو منکر ہو گئے اپنے رب سے

وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلٰلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ

اور وہی ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

اور وہ ہیں دوزخ والے وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾

اسی میں رہیں گے برابر ☆

باغیوں کا انجام

گویا یہ لوگ ”بعث بعد الموت“ کا انکار کر کے خداوند قدوس کی شہنشاہی سے منکر ہیں۔ تو ایسے باغیوں کا انجام یہ ہی ہونا ہے کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں جو حقیقت میں ایسے ہی مجرموں کے لئے بنایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ

اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے برائی کو

قَبْلَ الْحَسَنَةِ

پہلے بھلائی سے ☆

یعنی حق کو قبول نہیں کرتے جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی ملے کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب لے آؤ۔

اس کی وجہ سے نرم پڑ گئے اور ان کے اندر خشوع پیدا ہو گیا اور کچھ سخت ہو گئے اور غافل بن گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَأِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءِذَا

اور اگر تو تعجب بات چاہے تو تعجب ہے ان کا کہنا کہ کیا جب ہو گئے

كُنَّا تُرِبًا ءِإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ؕ

ہم مٹی کی نئے سر سے بنائے جائیں گے ☆

قابل تعجب بات

یعنی اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی کہ جس نے اول ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ مشرک جو آپ کے دعوائے رسالت کی تکذیب کر رہے ہیں باوجودیکہ کھلے ہوئے معجزات دیکھ رہے ہیں اور واضح دلائل بھی ان کے سامنے ہیں پھر بھی ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جن میں نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں اور آپ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہو رہا ہے تو ان کا یہ قول بھی تعجب کے لائق ہے کہ ہم خاک ہو جانے کے بعد کیا دوبارہ از سر نو پیدا کیے جائیں گے۔ حالانکہ اللہ ہی نے تمام وہ چیزیں جن کی تفصیل ذکر کر دی گئی نیست سے ہست کی ہیں پھر ان کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو پیدا کرنا تو آسان ہے۔ آیات مذکورہ اور دلائل واضح چاہی ہیں کہ ان کا ایک (باختیار) فاعل ہو اسی طرح دوبارہ پیدا ہونے کے امکان پر بھی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے ان سے اللہ کا قادر مطلق ہونا اور مختلف قابلیت کی چیزوں میں مختلف تصرفات کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کی منطق

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قدر کو پہچانا ہی نہیں، اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اپنی اپنی حیثیت کا ادراک و شعور رکھتے ہیں، اور حکم حق کے تابع چلتے ہیں

خاک و باد و آب و آتش زندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(معارف القرآن)

وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُوتُ

اور گذر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب اور

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ

تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو

عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ

باوجود ان کے ظلم کے اور تیرے رب کا

لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑤

عذاب بھی سخت ہے ☆

عذاب کوئی مشکل نہیں

یعنی پہلے بہتری قوموں پر عذاب آچکے ہیں۔ تم پر لے آنا کیا مشکل تھا، بات صرف اتنی ہے کہ تیرا پروردگار اپنی شانِ حلم و عفو سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ظلم و ستم دیکھتا اور درگزر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب مظالم اور شرارتوں کا سلسلہ حد سے گذر جاتا ہے اُس وقت اُس کے تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَى ظُلْمِهِمْ یعنی باوجودیکہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت منکرین قیامت کے متعلق ہے اور منکرین قیامت کی مغفرت اللہ کبھی نہیں کرے گا تو مغفرت سے مراد ڈھیل دینا فوراً پکڑ نہ کرنا یعنی اللہ حلیم ہے کافروں کو بھی باوجود ان کی بے جا حرکتوں کے ڈھیل دیتا رہتا ہے اور ان کو فی الفور عذاب نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ عذاب آنے میں عجلت کے طلب گار ہوتے ہیں۔

گناہگاروں کیلئے امید گاہ

سدی نے کہا کہ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ مومنوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں جتنی آیت گناہگار مومنوں کو امید مغفرت دلا رہی ہیں ان سب سے بڑھ کر امید گاہ مغفرت یہ آیت ہے اس آیت میں عَلَى ظُلْمِهِمْ کا لفظ امید دلا رہا ہے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو سکتی ہے کیونکہ توبہ کرنیوالا ظلم پر نہیں رہتا۔

گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے یہ حدیث حضرت ابن مسعود کی روایت سے ابن ماجہ نے مرفوعاً نقل کی ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی اور واحدی نے سعید بن مسیب کی روایت سے مرسل بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کی طرف سے معافی اور درگزر نہ ہوتی تو یہاں کوئی زندہ نہ رہتا اور اگر اس کی طرف سے عذاب کی دھمکی نہ ہوتی تو ہر ایک اس کی رحمت پر بھروسہ کر بیٹھتا۔ (تفسیر مظہری)

ابوحسان رمادی کا خواب

ابن عساکر میں ہے کہ حسن بن عثمان ابوحسان رمادی نے خواب میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا دیدار کیا۔ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سامنے کھڑے اپنے ایک امتی کی شفاعت کر رہے ہیں جس پر فرمان باری سرزد ہوا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ میں نے سورہ رعد میں تجھ پر آیت وان ربک لذو مغفرة للناس علی ظلمهم نازل فرمائی ہے۔ ابوحسان فرماتے ہیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ط

اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے ☆

یعنی جو نشانی ہم مانگتے ہیں وہ کیوں نہیں اتری، جسے دیکھ کر اہم ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ

تیرا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑥

ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا ☆

منہ مانگی نشانیاں دکھانا پیغمبر کا کام نہیں ہے یعنی آیات کا اتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے لئے مناسب ہو دکھلائے۔ آپ کا فرض اسی قدر

کہ مذکور ہے یا مونث، پورا یا ادھورا، اچھا ہے یا بُرا، وغیر ذلک من الاحوال. (تفسیر عثمانی)
حمل کی کم از کم مدت

باتفاق علماء حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا چھ مہینے میں عورت کے بچہ پیدا ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے عورت کو سنگسار کر دینے کا حکم دیدیا حضرت ابن عباسؓ مانع ہوئے اور فرمایا کتاب اللہ کی روشنی میں اگر میں تم سے اس مسئلہ میں مناظرہ کروں تو تمہارے پاس جواب نہ ہوگا۔ اللہ نے فرمایا وَحَمْلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا اس کا حالت حمل میں رہنا اور دودھ پینا تیس ماہ ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے وَفِضْلُهُ فِي عَامَيْنِ اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے دونوں آیتوں کے ملانے سے مدت حمل (کم سے کم) چھ ماہ رہتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ سن کر تعزیری سزا منسوخ کر دی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سزا ساقط کر دی اور کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ اجماع سکوتی ہو گیا کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے کبھی چھ ماہ بچہ پیدا ہوتا اور زندہ بھی رہتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ مدت

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو سال ہے دارقطنی اور بیہقی نے سنن میں ابن المبارک کے طریق سے از داؤد بن عبد الرحمن از ابن جریج از جمیلہ بنت سعد ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تکلے کے سایہ کی بقدر بھی کوئی عورت حمل میں دو سال سے آگے نہیں بڑھتے دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے حمل دو سال سے زیادہ نہیں ہوتا خواہ زیادتی تکلے کے سایہ کے برابر ہو۔ ابن ہمام نے کہا ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو مدت آئی ہے وہ حضرت عائشہؓ کا قیاس نہیں ہے ایسے مسائل میں قیاس کو دخل نہیں صرف سماعی ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ایسا ہی سنا ہوگا) لہذا مرفوع کے حکم میں ہے (یعنی حضرت عائشہؓ کا قول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

ایک شبہ

شبہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک عورت کا شوہر چند سال گھر سے غائب رہا جب واپس آیا تو بیوی کو حاملہ پایا حضرت عمر نے اس عورت کو سنگسار کر دینے کا ارادہ کیا حضرت معاذ نے فرمایا امیر المومنین اگر اس عورت پر آپ کو

ہے کہ خیر خواہی کی بات سنا دیں اور برائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔ پہلے بھی ہر قوم کی طرف ہادی ”راہ بتانے والے“ اور نذیر ”ڈرانے والے“ آتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ جو نشان معاندین طلب کریں گے ضرور دکھلا کر رہیں گے۔ ہاں خدا کی راہ دکھانا ان کا کام تھا وہ ہی آپ کا ہے۔ البتہ وہ خاص خاص قوم کے لئے ہادی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہر قوم کے لئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)
سعید بن جبیر کے نزدیک ہادی سے مراد اللہ ہے۔ یعنی ہر قوم کو ہدایت یاب بنانا اور ہدایت پر قدرت دینا تو اللہ کا کام ہے وہی ہدایت پر قادر ہے۔ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ عکرمہ نے کہا ہادی سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ تو صرف ڈرانے والے اور ہر قوم کو راستہ دکھانے والے ہیں۔

رافضیوں کا غلط استدلال

رافضی کہتے ہیں اصل آیت میں وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ عَلِيٌّ ہر قوم کے ہادی علی ہیں تھا۔ عثمان نے حسد کی وجہ سے علی کا لفظ ساقط کر دیا۔ ان کو اللہ سزا دے، ان کو نہیں معلوم کہ اللہ نے قرآن کے متعلق وَ اِنَّ اِلٰهَ الْخَفِيّوْنَ فرما دیا ہے ہم ہی قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر بفرض محال ان کے قول کو مان بھی لیا جائے تو پھر اصل آیت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حضرت علی کی فضیلت لازم آتی ہے کیونکہ آیت کا مفہوم اس وقت یہ ہوگا کہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے ہادی تو علی ہیں (یعنی آپ ہدایت کے درجہ پر فائز نہیں یہ کام تو علی کا ہے۔)

فرمائشیں عناد کی علامت ہیں

اللہ کا علم کامل ہے قدرت تام ہے، قضاء و قدر کے دائرہ سے کوئی چیز باہر نہیں وہ ہر فرمائش معجزہ کو پیدا کر سکتا اور قادر مطلق ہے ان کافروں کو ہدایت بھی کر سکتا ہے مگر مطلوبہ معجزات کی درخواست سے طلب ہدایت مقصود نہیں بلکہ محض عناد کے زیر اثر ایسی فرمائشیں کی جاتی ہیں اس لئے ان فرمائشوں کو پورا نہیں کرتا اور چونکہ ان کے کافر رہنے کا ازلی فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے اس لئے ہدایت یاب ہونے کی ان کو توفیق بھی نہیں دیتا۔ ان تمام مضامین پر آیات ذیل دلالت کر رہی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ ☆

کارزق عمر اور نیک و بد ہونا لکھ لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے وہ پوچھتا ہے خدایا! مرد ہوگا یا عورت؟ شقی ہوگا یا سعید؟ روزی کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے اور وہ لکھ لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے اور کوئی نہیں جانتا۔ کل کی بات اللہ کے سوا اور نہیں جانتا۔ پیٹ کیا بڑھتے ہیں اور کیا گھٹتے ہیں کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب برے گی اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔

کون شخص کہاں مرے گا اسے بھی اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب قائم ہوگی اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ پیٹ کیا گھٹاتے ہیں، اس سے مراد حمل کا ساقط ہو جانا ہے۔ اور رحم میں کیا بڑھ رہا ہے کیسے پورا ہو رہا ہے یہ بھی اللہ کو بخوبی علم رہتا ہے۔ دیکھ لو کوئی عورت دس مہینے لیتی ہے کوئی نو کسی کا حمل گھٹتا ہے کسی کا بڑھتا ہے۔ نو ماہ سے گھٹنا نو ماہ سے بڑھ جانا اللہ کے علم میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ

اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝

اور ہر چیز کا اس کے یہاں اندازہ ہے ☆

اللہ کے ہاں ہر چیز حکمت کے تحت ہے

یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا نا تمام ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا زیادہ میں۔ غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اُس کے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے اسی طرح اُس نے جو آیات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں اُن میں خالص اندازہ اور مصالح و حکم ملحوظ رہی ہیں۔ جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اُس میں کمی نہیں ہوئی۔ باقی قبول کرنے اور منقطع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ : یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کا ایک خاص اندازہ اور پیمانہ مقرر ہے، نہ اس سے کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ،

(شرعی) دست رس ہو بھی تب بھی اس کے پیٹ کے بچہ پر آپ کو کوئی دست رس نہیں ہو سکتا (یعنی آپ اس کو قتل نہیں کر سکتے جب بچہ پیدا ہو جائے تو عورت کو سنگسار کر سکتے ہیں) غرض بچہ پیدا ہوا اور ایسا ہوا کہ اس کے دو اگلے دانت بھی نکل آئے تھے اس شخص نے بچہ کو دیکھا تو بولا قسم ہے رب کعبہ کی یہ میرا بچہ ہے۔ حضرت عمر نے عورت کی سزا منسوخ کر دی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو سال سے زائد مدت حمل حضرت عمر نے تسلیم کر لی۔ (تفسیر مظہری)

جواب

یہ سزا کی منسوخی تو اس وجہ سے ہوئی کہ مرد نے اس بچہ کو اپنا بیٹا ہونا تسلیم کر لیا اور دعویٰ کیا کہ وہ اسی کا بیٹا ہے اور جس کا فراش ہوتا ہے بچہ اسی کا شرعاً مانا جاتا ہے۔ خواہ وہ بچہ زناء کا ہی ہو مگر مانا جائے گا شوہر ہی کا (اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سزا موقوف کر دی۔

عجیب تر

امام شافعیؒ نے فرمایا یمن میں مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا تھا کہ اس کی بیوی کے پانچ بطن ہوئے اور ہر بطن میں پانچ پانچ بچے ہوئے میں کہتا ہوں ہندوستان میں ایک خبر مشہور ہوئی تھی کہ پورب کی طرف قاضی قدوہ کی بیوی کے ایک بطن میں ایک جھلی میں سو بچے ہوئے اور سب زندہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

حمل کا یقینی علم

وہ عالم الغیب ہیں، تمام کائنات و مخلوقات کے ذرہ ذرہ سے واقف اور ہر ذرہ کے بدلتے ہوئے حالات سے باخبر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تخلیق انسانی کے ہر دور اور ہر تغیر اور ہر صفت سے پوری طرح واقف ہونے کا ذکر ہے کہ حمل کا یقینی اور صحیح علم صرف اسی کو ہوتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی، یادوں یا کچھ بھی نہیں صرف پانی یا ہوا ہے، قرآن اور تخمینہ سے کوئی حکیم یا ڈاکٹر جو کچھ اس معاملہ میں رائے دیتا ہے اس کی حیثیت ایک گمان اور اندازہ سے زیادہ نہیں ہوتی، بسا اوقات واقعہ اس کے خلاف نکلتا ہے، ایک سرے کا جدید آلہ بھی اس حقیقت کو کھولنے سے قاصر ہے۔ (معارف القرآن)

صحیحین کی حدیث میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بستہ رہتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ خالق کل ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جسے چار باتوں کو لکھ لینے کا حکم ہوتا ہے۔ اس

بچے کے تمام حالات بھی اس میں داخل ہیں کہ اس کی ہر چیز اللہ کے نزدیک متعین ہے کہ کتنے دن حمل میں رہے گا، پھر کتنے زمانہ تک دنیا میں زندہ رہے گا، کتنا رزق اس کو حاصل ہوگا، اللہ جل شانہ کا یہ بے مثال علم اس کی توحید کی واضح دلیل ہے۔ (معارف القرآن)

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا

الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ①

سب سے بڑا برتر ☆

علم الہی لامحدود ہے

یہ علم الہی کی لامحدود وسعت و احاطہ کا بیان ہوا۔ یعنی دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور تمام عالم اس کے زیر تصرف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ: غیب سے مراد وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو۔ یعنی نہ آنکھوں سے اس کو دیکھا جاسکے نہ کانوں سے سنا جاسکے، نہ ناک سے سونگھا جاسکے نہ زبان سے چکھا جاسکے، نہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کیا جاسکے۔ شہادت، اس کے بالمقابل وہ چیزیں ہیں جن کو انسانی حواس مذکورہ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی خاص صفت کمال یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر و موجود کو جانتا ہے، الکبیر، کے معنی بڑا اور متعال کے معنی بالا و بلند، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ ہے وہ مخلوقات کی صفات سے بالا و بلند اور اکبر ہے۔

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَ

برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور

مَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ

جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے

بِالْبَيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ①

رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو ☆

تمہارے اعمال بھی معلوم ہیں

علم الہی کا عموم بیان کر کے بلحاظ مناسبت مقام خاص احوال مکلفین کی نسبت بتلاتے ہیں کہ تمہارے ہر قول و فعل کو ہمارا علم محیط ہے، جو بات تم دل میں چھپاؤ یا آہستہ کہو اور جو علانیہ پکار کر کہو، نیز جو کام رات کی اندھیری میں پوشیدہ ہو کر کرو اور جو دن دیہاڑے برسر بازار کرو، دونوں کی حیثیت علم الہی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کو تین قسم کے آدمیوں پر مشتمل بتلایا ہے۔ مَنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ (جو بات کو چھپائے) مَنْ جَهَرَ بِهِ (جو ظاہر کرے) مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالْبَيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (جو اپنا کام رات کو چھپائے مثلاً شب کو چوری کرنا اور دن کو ظاہر کرے مثلاً دن میں نمازیں پڑھنا) اللہ تعالیٰ کو سب یکساں طور پر معلوم ہیں۔

لَكَ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

اس کے پیروں والے ہیں بندہ کے آگے سے

وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ط

اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے ☆

ہر آدمی کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں

یعنی ہر بندہ کے ساتھ خدا کے فرشتے مامور ہیں۔ جن میں بعض اُس کے سب اگلے پچھلے اعمال لکھتے ہیں اور بعض خدا کے حکم کے موافق اُن بلاؤں کے دفع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ بندہ کو بچانا چاہتا ہے۔ جس طرح اس عالم میں خدا کی عام عادت ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہے اُس کے ظاہری اسباب مہیا کر دیتا ہے، ایسے ہی اُس نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع پیدا کئے ہیں جن کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ لیکن مشیت الہی کی تنفیذ اُن کے واسطے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کتنے فرشتے مقرر ہیں

ازلہ الخفاء میں کنانہ عدوی کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں۔ فرمایا ایک فرشتے تیرے دائیں ہاتھ کی طرف ہے جو تیری نیکیوں پر مامور ہے اور وہ بائیں ہاتھ والے فرشتے کا سردار ہے جب تو کوئی ایک نیکی کرتا ہے تو وہ دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب تو کوئی ایک بدی کرتا ہے تو بائیں ہاتھ والا فرشتہ کہتا ہے میں اس کو

تمہارے قریب رہتے ہیں تو جنات تم کو جھپٹ لیتے یا یَحْفَظُونَا سے مراد ہے کہ آدمی کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس مطلب پر معقبات سے مراد ہوں گے وہ دو فرشتے جو دائیں بائیں ہاتھ پر بیٹھے نیکیاں اور بدیاں لکھتے رہتے ہیں۔

عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ

عبدالرحمن بن زید نے کہا اس آیت کا نزول عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ عامری کے سلسلہ میں ہوا۔ کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل عامری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے چلے۔ آپ مسجد کے اندر صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔ عامر بن طفیل کا نانا تھا مگر تھا بہت ہی حسین خوبصورتی کی وجہ سے لوگ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک شخص نے عرض کیا یہ عامر بن طفیل آپ کی طرف آرہا ہے، فرمایا آنے دو اگر اللہ کو اس کی بھلائی منظور ہوگی تو اس کو ہدایت کر دے گا۔ عامر آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ فرمایا جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہوں گے وہی تمہارے ہوں گے (یعنی نفع و نقصان میں تم مسلمانوں کے برابر شریک ہو جاؤ گے) کہنے لگا اپنے بعد یہ حکومت میرے سپرد (کرنے کا وعدہ) کرو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اختیار مجھے نہیں یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس طرح چاہے کرے، کہنے لگا تو آپ صحرا یوں (بدو یوں اور خانہ بدوشوں) پر مجھے حاکم بنا دیں اور شہریوں (گھروں میں رہنے والوں) پر آپ حاکم رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا بولا پھر آپ مجھے کیا دیں گے؟ فرمایا: میں گھوڑوں کی لگا میں تم کو سپرد کروں گا جن پر سوار ہو کر تم جہاد کرو گے۔ بولا کیا آج تک میرے پاس یہ نہیں ہیں (یعنی گھوڑے تو میرے پاس موجود ہیں جن پر سوار ہو کر میں جنگ کرتا ہوں) اچھا آپ میرے ساتھ اٹھ کر آئیں میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس کے ساتھ ہوئے۔ عامر نے اربد سے کہہ دیا تھا کہ جب تو مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتوں میں مشغول دیکھے تو ان کے پیچھے آ کر تلوار سے حملہ کر دینا چنانچہ عامر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ جھگڑا اور گفتگو میں لوٹ پلٹ کرنے لگا تو اربد حملہ کرنے

لکھ لوں تو دائیں ہاتھ والا کہتا ہے (ابھی ٹھہرو)۔ شاید توبہ و استغفار کر لے جب تین بار ایسا کہہ چکتا ہے تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ کہتا ہے اچھا اب لکھ لو اللہ اس سے ہم کو بچائے، یہ بڑا ساسھی ہے نہ اس کو اللہ کا پاس و لحاظ ہے نہ اللہ سے شرم۔ اللہ فرماتا مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ بندہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر ایک محافظ تیار اس کے پاس لکھنے کے لئے موجود رہتا ہے (جو لکھ لیتا ہے) اور دو فرشتے تیرے آگے پیچھے ہیں، اللہ فرماتا ہے لَكُمْ مَعْقِبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ اور ایک فرشتے تیری پیشانی پر مسلط ہے جب تو اللہ کے لئے اس کو نیچے رکھتا ہے تو وہ تجھے سر بلند کرتا ہے اور اگر تو غرور کرتا ہے تو وہ تجھے شکستہ کر دیتا ہے (ذلیل کر دیتا ہے) اور وہ فرشتے تیرے لبوں پر مامور ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ تو نبی پر جو درود پڑھے اس کی نگہداشت کریں اور ایک فرشتے تیرے منہ کا محافظ ہے کہ سانپ (وغیرہ) کو منہ میں داخل ہونے نہیں دیتا اور دو فرشتے تیری دونوں آنکھوں پر مامور ہیں یہ ہر آدمی کے دس فرشتے ہوتے۔ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں پر اترتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں سے الگ ہیں۔ پس ہر آدمی کے لئے بیس فرشتے ہیں اور اربعیس دن میں ہے اور اس کی اولاد رات کو آتی ہے۔ (از منقر قدس سرہ)

فرشتوں کی ڈیوٹیاں اور کارگزاری

بخاری نے صحیح سند سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں فجر اور عصر کی نماز میں دونوں کا اجتماع ہوتا ہے رات بھر جو فرشتے تم میں رہتے ہیں (فجر کو) جب وہ چڑھ جاتے ہیں تو ان کا رب باوجودیکہ خود بخوبی واقف ہوتا ہے پھر بھی فرشتوں سے پوچھتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ان کو ہم نے نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

مجاہد نے کہا ہر بندے پر ایک فرشتہ موکل (مقرر) ہے جو سوتے جاگتے اس کی حفاظت کرتا ہے اور ہر جن و انس اور کیڑے مکوڑے سے اس کی نگہداشت کرتا ہے۔ جو (ضرر رساں) چیز بھی بندے پر آنا چاہتی ہے فرشتے اس سے کہتا ہے ہٹ پرے جا۔ ہاں اللہ ہی کا حکم کسی چیز کے آہنچنے کا ہوتا ہے تو وہ چیز پہنچ جاتی ہے۔ کعب احبار نے کہا اگر اللہ فرشتوں کو تم پر مامور نہ کر دیتا جو کھانے پینے اور برہنگی کے وقت

علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہ تم کو ملے گی نہ تمہاری قوم کو یہ سن کر عامر نے اربد سے (چپکے سے) کہا میں محمد کو باتوں میں لگا لوں گا تم تلوار سے ان پر حملہ کر دینا غرض اس کے بعد دونوں لوٹ گئے (چلتے وقت) عامر نے کہا محمد ذرا میرے ساتھ اٹھ کر چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور کھڑے اس سے باتیں کرنے لگے، اربد نے تلوار سونت لی اور قبضہ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ہاتھ سوکھ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن پھیر کر اس کو دیکھ لیا پھر دونوں کو چھوڑ کر آپ واپس چلے آئے۔ دونوں چلے گئے جب مقام رقم میں پہنچے تو بحکم خدا اربد پر بجلی ٹوٹ پڑی اور بجلی نے اس کو ہلاک کر دیا اس پر اللہ نے آیات اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى شَدِيدُ الْحَالِ تک نازل فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ فرشتوں کی دو جماعتیں حفاظت کے لئے مقرر ہیں ایک رات کے لئے دوسری دن کے لئے اور یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتی ہیں صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ رخصت ہو جاتے ہیں، دن کے محافظ کام سنبھال لیتے ہیں، اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہو جاتے ہیں، رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آ جاتے ہیں۔

حفاظت کے فرشتے

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے..... بروایت علی مرتضیٰ مذکور ہے، کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی دیوار وغیرہ نہ گر جائے، یا کسی گڑھے اور غار میں نہ گر جائے، یا کوئی جانور یا انسان اس کو تکلیف نہ پہنچائے، البتہ جب حکم الہی کسی انسان کو بلاء و مصیبت میں مبتلا کرنے کیلئے نافذ ہو جاتا ہے تو محافظ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔ (روح المعانی)

ابن جریر کی ایک حدیث سے بروایت عثمان غنیؓ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان محافظ فرشتوں کا کام صرف دنیاوی مصائب اور تکلیفوں ہی سے حفاظت نہیں بلکہ وہ انسان کو گناہوں سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، انسان کے دل میں نیکی اور خوف خدا کا داعیہ بیدار کرتے رہتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ گناہ سے بچے، اور اگر پھر بھی وہ فرشتوں کے الہام سے غفلت برت کر گناہ میں مبتلا ہی ہو جائے تو وہ اس کے لئے دعاء اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ جلد توبہ کر کے گناہ سے پاک ہو جائے، پھر اگر وہ کسی طرح متنبہ نہیں ہوتا تب وہ اس کے نامہ

کے ارادے سے گھوم کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آ گیا اور ایک بالشت تلوار نیام سے کھینچ بھی لی لیکن اللہ نے اس کو روک دیا اور وہ پوری تلوار نہ کھینچ سکا عامر اس کی طرف اشارے بھی کرتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منہ پھیر کر اربد کو دیکھا اور تلوار نکالنے کی کوشش میں مشغول پایا تو دعا کی، اے اللہ جس طرح تو چاہے میری طرف سے ان کا کام تمام کر دے (یعنی مجھے ان کا تدارک نہ کرنا پڑے تو غیب سے ان کو ختم کر دے) اس روز ابرنام کو نہ تھا دن سخت گرمی کا تھا اور فضا صاف تھی لیکن یکدم اربد پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اس کو سوختہ کر دیا۔ عامر پیٹھ پھیر کر بھاگا اور کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نے اپنے رب سے دعاء کی اس نے اربد کو مار ڈالا خدا کی قسم میں تیرے اوپر اتنے کم مو گھوڑے اور نوجوان (سوار) چڑھا کر لاؤں گا کہ اس سارے میدان کو فوج سے بھر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے ایسا کرنے ہی نہ دے گا اور قبلہ کی دونوں شاخیں یعنی قبائل اوس و خزرج بھی تجھے ایسا نہ کرنے دیں گے (ان کی موجودگی میں تو کچھ نہیں کر سکتا) غرض عامر جا کر ایک سلولیہ عورت کے گھر جا کر اترا اور صبح کو اٹھ کر ہتھیار باندھے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور دوڑاتا ہوا صحرا میں پہنچا اور غرور سے کہنے لگا اے موت کے فرشتے میرے سامنے نکل کر آ۔ پھر کچھ شعر پڑھنے لگا، اور بولا قسم ہے لات و عزریٰ کی اگر دو پہر تک میں محمد اور اس کے ساتھی یعنی ملک الموت تک پہنچ گیا تو اپنا یہ برچھا۔ دونوں کے آر پار کر دوں گا۔ اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اپنے پر کی ایک چھپٹ اس کے منہ پر رسید کی اور عامر چکرا کر زمین پر گر پڑا اور اسی وقت اس کی زانوں پر ایک گٹھی نکل آئی مجبوراً سلولیہ عورت کے گھر لوٹ آیا اور کہنے لگا اونٹ کی گٹھی اور سلولیہ کے گھر میں موت۔ پھر گھوڑا منگوا کر سوار ہوا اور دوڑاتا ہوا چل دیا آخر گھوڑے کی پشت پر مر گیا اور اسی طرح اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول فرمائی۔

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عامر نے کہا محمد اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمانوں کا فائدہ ہو گا وہ تمہارا بھی ہو گا اور جو مسلمانوں پر فرض ہو گا وہ تم پر بھی ہو گا۔ عامر نے کہا کیا اپنے بعد آپ میرے لئے یہ حکومت مقرر کر دیں گے حضور صلی اللہ

اعمال میں گناہ کا کام لکھ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ محافظ فرشتے دین و دنیا دونوں کی مصیبتوں اور آفتوں سے انسان کی سوتے جاگتے حفاظت کرتے رہتے ہیں، حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ اگر انسان سے یہ حفاظت خداوندی کا پہرہ ہٹا دیا جائے تو جنات ان کی زندگی و بال کردیں، لیکن یہ سب حفاظتی پہرے اسی وقت تک کام کرتے ہیں جب تک تقدیر الہی ان کی حفاظت کی اجازت دیتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ہی کسی بندہ کو مبتلا کرنا چاہیں تو یہ حفاظتی پہرا ہٹ جاتا ہے، (معارف القرآن مفتی اعظم)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دنیا کے بادشاہوں امیروں وغیرہ کا ذکر ہے جو پہرے چوکی میں رہتے ہیں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ سلطان اللہ کی نگہبانی میں ہوتا ہے امر اللہ سے یعنی مشرکین اور ظاہرین سے، واللہ اعلم، ممکن ہے غرض اس قول سے یہ ہو کہ جیسے بادشاہوں امیروں کی چوکیداری سپاہی کرتے ہیں اسی طرح بندے کے چوکیدار خدا کی طرف سے مقرر شدہ ہوتے ہیں۔

دس فرشتے

ایک غریب روایت میں تفسیر ابن جریر میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا کہ فرمائیے بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک تو دائیں جانب نیکیوں کا لکھنے والا جو بائیں جانب والے پر امیر ہے۔ جب تو کوئی نیکی کرتا ہے وہ ایک کے بجائے دس لکھ لی جاتی ہیں۔ جب تو کوئی برائی کرے تو بائیں والا دائیں والے سے اس کے لکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ذرا ٹھیر جاؤ شاید توبہ و استغفار کر لے۔ تین مرتبہ وہ اجازت مانگتا ہے۔ تب تک بھی اگر اس نے توبہ نہ کی تو یہ نیکی کا فرشتہ اس سے کہتا ہے اب لکھ لے، اللہ ہمیں اس سے چھٹائے، توبہ بڑا اہم اساتھی ہے، اسے خدا کا لحاظ نہیں، یہ اس سے نہیں شرماتا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ انسان جو بات زبان پر لاتا ہے اس پر نگہبان متعین اور مہیا ہیں اور دو فرشتے تیرے آگے پیچھے ہیں۔ فرمان خدا ہے لَٰكُم مَّعْقِبَاتُ لَآئِحَةٍ اور ایک فرشتہ تیرے ماتھے کے بال تھامے ہوئے ہے۔ جب تو خدا کے لئے تواضع اور فروتنی کرتا ہے وہ تجھے بلند درجہ کر دیتا ہے اور جب تو اللہ کے سامنے سرکشی اور تکبر کرتا ہے وہ تجھے پست اور عاجز کر دیتا ہے اور دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر ہیں، جو درود تو

مجھ پر پڑھتا ہے اور اس کی وہ حفاظت کرتے ہیں۔ ایک فرشتہ تیرے منہ پر کھڑا ہے کہ کوئی سانپ وغیرہ جیسی چیز تیرے حلق میں نہ چلی جائے اور دو فرشتے تیری آنکھوں پر ہیں۔ پس یہ دس فرشتے ہر نبی آدم کے ساتھ ہیں۔ پھر دن کے الگ ہیں اور رات کے الگ ہیں۔ یوں ہر شخص کے ساتھ بیس فرشتے من جانب اللہ موكل ہیں۔ ادھر بہکانے کیلئے دن بھر تو ابلیس کی ڈیوٹی رہتی ہے اور رات کو اس کی اولاد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتہ

مسند احمد میں ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جن ساتھی ہے اور فرشتہ ساتھی ہے۔ لوگوں نے کہا آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد کی ہے، وہ مجھے بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہتا (مسلم) یہ فرشتے بحکم خدا اس کی نگہبانی رکھتے ہیں۔ بعض قراء توں میں مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے بدلے بامر اللہ ہے۔

اگر فرشتے نہ ہوں.....

کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر ابن آدم کے لئے ہر زخم و سخت کھل جائے تو البتہ ہر چیز اسے خود نظر آنے لگے اور اگر اللہ کی طرف سے یہ محافظ فرشتے مقرر نہ ہوں جو کھانے پینے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں تو واللہ تم تو اچک لئے جاؤ۔

تقدیر اور تدبیر

ابو امامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر آدمی کے ساتھ محافظ فرشتہ ہے جو تقدیری امور کے سوا کی اور تمام بلاؤں کو اس سے دفع کرتا رہتا ہے۔ ایک شخص قبیلہ مراد کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں نماز میں مشغول دیکھا تو کہا کہ قبیلہ مراد کے آدمی آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں آپ پہرہ چوکی مقرر کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے اس کے محافظ مقرر ہیں، بغیر تقدیر کے لکھے کسی برائی کو انسان تک پہنچنے نہیں دیتے۔ سنو، اجل ایک مضبوط قلعہ ہے اور عمدہ ڈھال ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ بحکم خدا امر خدا سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں ہے، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ جھاڑ پھونک جو ہم کرتے ہیں کیا اس سے خدا کی مقرر کی ہوئی تقدیر ٹل جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ خود اللہ کی مقرر کردہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خود ہمارا وجود اور اس میں بیٹھار نعمتیں نہ ہماری کوشش کا نتیجہ ہیں نہ ہم نے کبھی اس کے لئے دعا مانگی تھی کہ ہمیں ایسا وجود عطا کیا جائے جس کی آنکھ، ناک، کان، اور سب قوی و اعضاء درست ہوں، یہ سب نعمتیں بے مانگے ہی ملی ہیں

ماہودیم و تقاضا ما نبود لطف تو نا کفۃ مای شتود

(معارف کا نہ ملوئی)

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَ

وہی ہے کہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی ڈر کو اور

طَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۷

امید کو اور اٹھاتا ہے بادل بھاری ☆

شان انعام و انتقام

پہلے بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا، پھر بد اعمالیوں سے جو آفت و مصیبت آتی ہے اُس کا ذکر ہوا، معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت اُمید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو اُمید بندھتی ہے کہ بارش آئیگی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ بارانِ رحمت کا نزول ہوگا، ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہئے کہ رحمتِ الہی کا اُمیدوار رہے مگر مکر اللہ سے مامون اور بے فکر نہ ہو۔

وَيَسِيحُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ

اور پڑھتا ہے گرجنے والا خوبیاں اس کی

وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

اور سب فرشتے اس کے ڈر سے ☆

کڑک اور بجلی

یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبانِ ”حال“ یا ”قال“ سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ ”وان من شيء الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم“

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى

اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاِذَا

وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے اور جب

اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءًاۙ اَفْلَا مَرْدُوْا ۙ

چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت پھروہ نہیں پھرتی

وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱

اور کوئی نہیں ان کا اس کے سوا مددگار ☆

قوموں کا عروج و زوال

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگہبانی اور مہربانی سے جو ہمیشہ اُس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تو آفت آتی ہے۔ پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ نہ کسی کی مدد اُس وقت کام دیتی ہے۔ (تنبیہ) یہاں قوموں کے عروج و زوال کا قانون بتایا ہے، اشخاص و افراد کا نہیں۔ قوم کی اچھی بُری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ شعر مشہور ہے

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ جو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ بات اگرچہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم نہیں، اور اس کا صحیح ہونا بھی ایک عام قانون کی حیثیت سے ہے کہ جو شخص خود اپنی حالات کی اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی امداد و نصرت کا وعدہ نہیں، بلکہ یہ وعدہ اسی حالت میں ہے جب کوئی خود بھی اصلاح کی فکر کرے جیسا کہ آیت کریمہ

الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فَاِنَّا لَنُهْدِيْهِمْ سُبُلَنَا ۗ سَلَّمَ عَلَيْنَا سَلَامًا ۙ

طرف سے بھی ہدایت کے راستے جب ہی کھلتے ہیں جب خود ہدایت کی طلب موجود ہو، لیکن انعاماتِ الہیہ اس قانون کے پابند نہیں، بسا اوقات اس کے بغیر بھی عطا ہو جاتے ہیں

وَاِنْ حَقَّ رَا قَابِلِيَّتٍ شَرْطٍ نِّسْتِ بَلْكَ شَرْطٍ قَابِلِيَّتٍ وَاَدِ هَسْتِ

نہیں۔ صرف باطنی آنکھ رکھنے والے اُسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہ ہی قوت کہربائیہ کا موجبہ سالبہ ہونا وغیرہ) اس کا علم بھی چند حکمائے طبیعیین کے سوا بلا واسطہ کس کو ہوتا ہے۔ کم از کم اتنا ہی وثوق انبیاء کے مشاہدات و تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوا میں طبیعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچانے اور ان سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی ”کہربائیہ“ کا مدبر کوئی غیر مرئی فرشتہ ہو تو انکار کی کوئی وجہ ہے؟ جس کو تم ”شرارہ کہربائیہ“ کہتے ہو۔ چونکہ وہ فرشتے کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اُسے وحی کی زبان میں ”مخارلق من نار“ (فرشتہ کا آتشیں کوڑا) کہہ دیا گیا تو کیا قیامت ہوگئی۔ اس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کو لحاظ کرتے ہوئے اُسے فرشتے کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہر حال ”سائنس“ نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا۔ ”وحی“ نے اسکی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے۔ علامہ محمود آلوسی نے ”بقرہ“ کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی) گناہ چھوڑنے پر اللہ رحمت بھیجتے ہیں

ابن عبدالملک کہتے ہیں کہ کوفی کے منبر پر حضرت علیؑ نے ہمیں خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ اگر میں چپ رہتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات شروع کرتے اور جب میں پوچھتا تو آپ مجھے جواب دیتے۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اپنی بلندی کی جو عرش پر ہے کہ جس بستی کے جس گھر کے لوگ میری نافرمانیوں میں مبتلا ہوں پھر انہیں چھوڑ کر میری فرمانبرداری میں لگ جائیں تو میں بھی اپنے عذاب اور دکھ ان سے ہٹا کر اپنی رحمت اور سکھ انہیں عطا فرماتا ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک راوی غیر معروف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رعد و برق کی تسبیح

وَلْيَسْبِغِ الرُّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ: اور اس کے خوف

(بنی اسرائیل۔ رکوع ۵) اور تمام فرشتے ہیبت و خوف کے ساتھ اُس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تجمید میں مشغول رہتے ہیں۔ (تنبیہ) ”رعد“ و ”برق“ وغیرہ کے متعلق آج کل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں ”قوت کہربائیہ موجبہ“ پائی جاتی ہے اور زمین میں ”کہربائیہ سالب“ جو بادل زمین سے زیادہ نزدیک ہو اُس میں گاہ بگاہ زمین کی ”سالب کہربائیہ“ سرایت کر جاتی ہے۔ پھر اُس بادل کے اوپر بسا اوقات وہ بادل گذرتے ہیں جن میں ”کہربائیہ موجبہ“ موجود ہے۔ اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف قسم کے ”کہربائیہ“ رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے اندر دوسرے کی ”کہربائیہ“ کو جذب کرتا ہے تاکہ دونوں کی کہربائیہ متحد ہو جائے۔ اسی قاعدہ سے اوپر نیچے والے بادل جب ایک دوسرے کی قوت کہربائیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں کے مل جانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس حرارت شدیدہ سے دونوں بادلوں کے حجم کے مناسب ایک آتشیں شعلہ اٹھتا ہے جو ”صاعقہ“ کہلاتا ہے اسی صاعقہ کی چمک اور روشنی ”برق“ کہلاتی ہے اور ہوا میں اُس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ ”رعد“ ہے۔ ”کہربا“ کا یہ ہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے۔ جس کے نہایت عجیب و غریب افعال و آثار مشاہدہ کئے گئے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ مکانوں کو گراتا، پہاڑوں کو شق کرتا اور جانداروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے بدن سے کپڑے اتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیے ہیں مگر پہننے والے کے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جسے دیکھ کر خیال گذرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشیں شعلہ میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ اوپر بیان کئے ہوئے ”نظریہ“ کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنے والے خود اقرار کرتے ہیں کہ ”روح“ کی طرح ”قوت کہربائیہ“ کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ارباب کشف و شہود کا بیان یہ ہے کہ تمام نظام عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب کا ایک عظیم الشان سلسلہ کار فرما ہے جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اُس کے ادراک تک عام لوگوں کی رسائی

ہیں اور وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور جب وہ پاکی بیان کرتا ہے تو آسمان کا کوئی فرشتہ ایسا باقی نہیں رہتا جو اس کی تسبیح کے ساتھ خود بھی بلند آواز سے تسبیح نہ کرے اس وقت بارش اترتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے رب نے فرمایا اگر میرے بندے میرے حکم پر چلتے تو میں رات میں ان کو بارش سے سیراب کرتا اور دن میں ان پر دھوپ نکال دیتا (تا کہ ان کے کاروبار کا نقصان نہ ہو۔ مترجم) اور ان کو رعد کی آواز بھی نہ سناتا (کہ وہ خوف زدہ ہو جائیں۔) (رواہ احمد بسند صحیح والحاکم) بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ اسکو سننے والے تسبیح اور تحمید کرتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ رعد تسبیح کرتا ہے یعنی بادل کی گرج اللہ کی وحدانیت اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس کے فضل و نزول رحمت کا بھی اظہار کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب اس وقت ہوگا جب رعد کا فرشتہ ہونا ثابت نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا

اور بھیجتا ہے کڑک بجلیاں پھر ڈالتا ہے جس پر

مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ

چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں

وَهُوَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۶﴾

اور اس کی آن سخت ہے ☆

ایک گستاخ کو نقد سزا

ان جھگڑنے والوں پر عذاب کی بجلی نہ گرا دے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس آدمی بھیجا کہ اُسے میرے پاس بلا لاؤ۔ قاصد نے اس کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلا تے ہیں کہنے لگا رسول اللہ کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا، یا تانبے کا؟ (العیاذ باللہ) تین مرتبہ یہ ہی گفتگو کی۔ تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا، ایک بادل اٹھا فوراً بجلی گری اور اُس کی کھوپڑی سر سے جدا کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اسلام لاتے ہیں بشرطیکہ

سے رعد اور دوسرے فرشتے اس کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رعد کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادل پر مامور ہے اس کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جن سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔

مِنْ خَيْفَتِهِ اللہ کے خوف سے۔ خیفۃ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا الملائکہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رعد کے مددگار اور اس کے زیر حکم ہیں اس صورت میں من خیفۃ کی ضمیر اور رعد کی طرف لوٹائی جاسکتی ہے یعنی رعد کے خوف سے اس کے مددگار تسبیح کرتے ہیں۔

کڑک کے وقت کی دعاء

حضرت ابن عباس نے فرمایا جو شخص رعد کی آواز سن کر سبحان اللہی یسبح الرعد بحمدہ والملائکہ من خیفۃ وهو علی کل شیء قدیر پڑھے اور (بالفرض) اس پر بجلی گر پڑے تو وہ اپنے دین (اسلام) پر مرے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رعد کی آواز سن کر باتیں کرنا چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکہ من خیفۃ اور فرماتے تھے یہ زمین والوں کے لئے سخت دھمکی ہے۔

کڑک کیسے پیدا ہوتی ہے

ترمذی، احمد اور نسائی نے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہودیوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا بتائیے رعد کیا ہے۔ فرمایا بادل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس طرف اللہ حکم دیتا ہے وہ بادل کو ہنکاتا ہے بولے یہ آواز کیسی ہوتی ہے جو ہم کو سنائی دیتی ہے۔ فرمایا یہ اس کی آواز ہوتی ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فرشتہ ابر پر مامور ہے جو نافرمان بادلوں کو جمع کرتا ہے اسکے ہاتھ میں کوڑا ہے جب وہ کوڑا اٹھاتا ہے تو چمک پیدا ہو جاتی ہے جب ڈانٹتا ہے تو گرج پیدا ہوتی ہے اور جب مارتا ہے تو بجلی گرتی ہے۔ (ازمیر قدس سرہ)

جویر نے ضحاک کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا رعد (فرشتہ) بادلوں پر مامور ہے جہاں حکم ہوتا ہے بادلوں کو چلاتا ہے اور پانی کے سمندر اس کے انگوٹھے گڑھے میں (بھرے ہوئے)

بجلیاں گریں گی۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب بجلی بکثرت گرے گی۔ یہاں تک کہ ایک شخص اپنی قوم سے آکر پوچھے گا کہ صبح کس پر بجلی گری؟ وہ کہیں گے فلاں فلاں پر۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ

اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں

مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ

اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے

بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ

کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلائے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ

لِيَبْلُغَ فَاةً وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَ

آپنیچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اس تک اور

مَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۱۱

جتنی پکار ہے کافروں کی سب گمراہی ہے ☆

غیر اللہ کو پکارنا بے سود ہے

یعنی پکارنا اسی کو چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے۔ عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یا دوسروں کا نفع و ضرر ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنویں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اُس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اُس کی مٹھی میں ہو تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے محض خیالات و اوہام ہیں بعضے جن اور شیاطین ہیں اور بعضے چیزیں ہیں کہ اُن میں کچھ خواص ہیں۔ لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر اُنکے پکارنے سے کیا حاصل؟ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔“ (تفسیر عثمانی)

آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے آپ نے انکار فرما دیا۔ دونوں یہ کہہ کر اُٹھے کہ ہم ”مدینہ“ کی وادی کو آپ کے مقابلہ میں پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اُس کو روک دے گا اور ”انصار مدینہ“ روکیں گے۔ وہ دونوں چلے، راستہ میں ”اربد“ پر بجلی گری اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا۔ (فائدہ) رعد کی آواز سن کر کہنا چاہئے۔ ”سبحان من يسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا تهلكنا بعدابك وعافنا قبل ذلك“ (تفسیر عثمانی)

خوف اور امید

ابن عباسؓ نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ برق پانی ہے۔ مسافر اسے دیکھ کر اپنی ایذا اور مشقت کے خوف سے گھبراتا ہے اور مفید برکت و نفع کی امید پر رزق کی زیادتی کا لالچ کرتا ہے وہی بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو بوجھ پانی کے بوجھ کے زمین سے قریب آجاتے ہیں۔ پس ان میں بوجھ پانی کا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ کڑک بھی اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے۔ اور جگہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل پیدا کرتا ہے جو اچھی طرح بولتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ ممکن ہے بولنے سے مراد گرجنا اور ہنسنے سے مراد بجلی کا ظاہر ہونا ہو۔ سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے اور اس سے اچھی بولی اور اس سے اچھی ہنسی والا کوئی اور نہیں۔ اس کی ہنسی بجلی ہے اور اس کی گفتگو گرج ہے۔

برق فرشتہ

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں ایک انسان جیسا ایک نیل جیسا ایک گدھا جیسا ایک شیر جیسا۔ وہ جب دم ہلاتا ہے تو بجلی ظاہر ہوتی ہے۔

اگر بندے نافرمان نہ ہوتے.....

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارا رب العزت فرماتا ہے اگر میرے بندے میری پوری اطاعت کرتے تو میں راتوں کو بارشیں برساتا اور دن کو سورج چڑھاتا اور انہیں گرج کی آواز تک نہ سناتا۔ طبرانی میں ہے آپ فرماتے ہیں گرج سن کر اللہ کا ذکر کرو۔ کیونکہ ذکر کرنے والوں پر کڑا کا نہیں گرتا۔ وہ کڑا کا بھیجتا ہے جسے چاہے اس پر عذاب کرتا ہے۔ اس لئے آخر زمانہ میں بکثرت

دعوت حق

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حق سے مراد اللہ ہے اللہ کی ہر پکار حق کی طرف بلاوا ہے۔ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دعوت حق توحید ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا دعوت حق لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے خاص ہے توحید اور شہادت کی دعوت۔

وَمَا هُوَ بِالْغَيْبِ (ظاہر ہے کہ) پانی اس کے منہ تک اڑ کر پہنچنے والا نہیں وہ تو بے جان اور بے شعور چیز ہے اس کو معلوم بھی نہیں کہ کون اس کو پکار رہا ہے نہ وہ کسی کے بلاوے کو قبول کر سکتا اور نہ دعوت پر آ سکتا ہے۔ کافروں کے معبودوں کی بھی یہی حالت ہے کافر بتوں کو پکارتے ہیں بتوں کو ان کی پکار کا پتہ بھی نہیں ہوتا وہ بے شعور و بے جان ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کر سکتے۔ مطلب کی یہ تشریح مجاہد اور عطانی کی ہے اور حضرت علی سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طُوعًا وَكَرْهًا وَظُلْمًا

اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان اور

الْأَرْضِ طُوعًا وَكَرْهًا وَظُلْمًا

زمین میں خوشی سے اور زور سے اور ان کی پرچھائیاں

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

صبح اور شام ☆

ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جو اللہ پر یقین لایا خوشی سے سر رکھتا ہے اُس کے حکم پر اور جو نہ یقین لایا آخر اُس پر بھی بے اختیار اُسی کا حکم جاری ہے اور پرچھائیاں صبح اور شام زمین پر پسر جاتی ہیں یہی ہے اُن کا سجدہ۔“ مطلب یہ ہے کہ جو اہر ہوں یا اعراض کوئی چیز اللہ کے حکم تکوینی سے باہر نہیں ہو سکتی اُس کے نفوذ و اقتدار کے سامنے سب منقاد اور سر بسجود ہیں۔ سایہ کا گھٹنا بڑھنا دانے بائیں مائل ہونا سب اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ صبح شام کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ ان وقتوں میں زمین پر سایہ کا پھیلاؤ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط

پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا

قُلِ اللَّهُ قُلْ أَفَاتَخَذَ تَمَمِّنْ

کہہ دے اللہ ہی کہہ پھر کیا تم نے پکڑے ہیں

دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ

اس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے

نَفَعًا وَلَا ضَرًّا ط

بھلے اور برے کے ☆

جو رب ہے وہی معبود ہے

یعنی جب ربوبیت کا اقرار صرف خدا کیلئے کرتے ہو پھر مدد کے لئے دوسرے حمایتی کہاں سے تجویز کر لئے۔ حالانکہ وہ ذرہ برابر نفع نقصان کا مستقل اختیار نہیں رکھتے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ

کہہ کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا

أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ

یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا ☆

موجود اور مشرک

یعنی موجود و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے۔ تو کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کی اندھیروں میں پڑا ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اُس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک موجود کو پہنچنا ہے جو ہم و بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہے؟ ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

بے بصیرت اور صاحب بصیرت آدمی نابینا سے مراد ہے بے عقل و بے بصیرت یا وہ شخص جو اپنی بصیرت سے کام نہ لے۔ اور بصیرت سے مراد وہ بصیرت مند آدمی جو اپنی بصیرت سے عبادت کی حقیقت اور تقاضوں کو سمجھتا ہو اور جانتا ہو کہ عبادت و کار سازی کا

ایسی بات بتاتا ہوں جس کی وجہ سے (اقسام) شرک چھوٹے ہوں یا بڑے سب دور ہو جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا فرمائیے فرمایا (ہر شخص) ہر روز تین بار کہے اے اللہ میں دانستہ طور پر تیرے ساتھ شریک بنانے سے تیری پناہ لیتا ہوں اور نادانستہ شرک کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور شرک یہ (بھی) ہے کہ مجھے اللہ نے اور فلاں شخص نے دیا اور (یہ بھی شرک ہے کہ) کوئی یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں شخص (مثلاً زید) مجھے مار ڈالتا۔ (تفسیر مظہری)

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ

اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر بنے لگے نالے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا

اپنی اپنی موافق پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ

رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي

پھولا ہوا اور جس چیز کو دھونکتے ہیں

النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے

زَبَدٌ مِّثْلَهُ ۗ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ

اس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یوں بیان کرتا ہے اللہ

الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۗ فَأَمَّا الزَّبَدُ

حق اور باطل کو سو وہ جھاگ

فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۗ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ

تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے

النَّاسَ فَيَمُكْتُ فِي الْأَرْضِ ۗ

لوگوں کے سوا باقی رہتا ہے زمین میں

كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۗ

اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں ☆

مستحق کون ہے کس کی عبادت کی جائے اور کس کو کارساز سمجھا جائے۔ بعض علماء نے کہا اُمّی سے مراد وہ معبود ہے جو تمہاری طرف سے لاعلم ہے اور بصیر سے مراد وہ معبود ہے جو تمہارے احوال سے واقف ہو۔ (تفسیر مظہری)

أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا

کہا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کیلئے شریک کہ انہوں نے کچھ

كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۗ

پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہو گئی پیدائش ان کی نظر میں

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ

کہہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶

☆ ہے اکیلا زبردست ☆

کیا بتوں نے بھی مخلوق پیدا کی ہے

یعنی جیسی مخلوقات خدا تعالیٰ نے پیدا کی، کیا تمہارے دیوتاؤں نے ایسی کوئی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شبہ ہونے لگا۔ وہ تو ایک مکھی کا پر اور ایک مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے بلکہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں۔ پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور شوخ چٹھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں اجسام ہوں یا اعراض یا غیر مادی ارواح جس کو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اگر وہ کسی چیز کو پیدا کرنا نہ چاہے تو اس کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں لہذا اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، جو لوگ (یعنی معتزلہ فرقہ والے) کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اللہ ان کے افعال کا خالق نہیں۔ وہ اسی گروہ میں سے ہیں جن کو دونوں (انسان اور خدا) کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

شرک سے حفاظت

آیت اَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ شُرَكَاءَ کی تفسیر کے ذیل میں ابن جریر کی روایت آئی ہے۔ جو چند وسائط سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت معقل بن یسار تک پہنچتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ (طور پر داخل ہو جاتا ہے) میں تم کو

حق و باطل کی مثال

آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہرنالے میں اُس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا، چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں چاندی تانبا، لوہا، اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تا زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اُس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل اُبھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن اس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں۔ کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گورائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا۔ کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے کچھ دیر کے لئے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں، تھوڑی دیر میں یہ اُبال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گذشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلا دی، آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر اور امت کی مثال

اور حدیث میں ہے میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی۔ جب آگ نے اپنے آس پاس کی چیزیں

روشن کر دیں تو پتنگے اور پروانے وغیرہ کیڑے اس میں گر کر جان دینے لگے۔ وہ انہیں ہر چند روکتا ہے لیکن اس پر بھی وہ برابر گر رہے ہیں۔ بالکل یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں روکتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے پرے ہٹو۔ لیکن تم میری نہیں سنتے نہیں مانتے۔ مجھ سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گرے چلے جاتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِّلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنٰی

جنہوں نے مانا اپنے رب کا حکم ان کے واسطے بھلائی ہے ☆

ایمان و عمل کا اجر

یعنی ایمان و عمل صالح اختیار کیا اُن کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، حقیقی خوشی اور قلبی طمانیت و سکون اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ

اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر ان

اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا وَّ

کے پاس ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور

مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدٰ وَايَهُ

اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دیویں اپنے بدلہ میں ☆

انکار کی سزا

یعنی یہاں تو خیر جس طرح گذرے، لیکن آخرت میں اُن کی حالت ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کی ہوگی کہ اگر تمام دنیا کے خزانے اُن کے ہاتھ میں ہوں بلکہ اسی قدر اور بھی تو تمنا کریں گے کہ ہم یہ سب فدیہ میں دے کر اس پریشانی سے چھوٹ جائیں وانی لهم ذلك۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوٓءُ الْحِسَابِ

ان لوگوں کے لئے ہے برا حساب ☆

یعنی حساب میں کسی قسم کی رعایت اور درگزر نہ ہوگی ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایفائے عہد

ابوداؤد نے بروایت عوف ابن مالک یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس پر عہد اور بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، اور پانچ وقت نماز کو پابندی سے ادا کریں گے اور اپنے امراء کی اطاعت کریں گے۔ اور کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے۔ جو لوگ اس بیعت میں شریک تھے ان کا حال پابندی عہد میں یہ تھا کہ اگر گھوڑے پر سواری کے وقت ان کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو کسی انسان سے نہ کہتے کہ یہ کوڑا اٹھا دو، بلکہ خود سواری سے اتر کر اٹھاتے تھے۔ یہ صحابہ کرام کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت اور جذبہ اطاعت کا اثر تھا، ورنہ یہ ظاہر تھا کہ اس طرح کے سوال سے منع فرمانا مقصود نہ تھا، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہیں، اور اتفاق سے ان کے دخول مسجد کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا کہ ”بیٹھ جاؤ“ عبداللہ بن مسعود جانتے تھے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سڑک پر یا بے موقع کسی جگہ کوئی ہے تو وہیں بیٹھ جائے، مگر جذبہ اطاعت نے ان کو آگے قدم بڑھانے نہ دیا، دروازہ سے باہر ہی جہاں یہ آواز کان میں پڑی اسی جگہ بیٹھ گئے۔ (معارف القرآن)

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ

اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے

أَنْ يُّوْصَلَ

فرمایا ملانا ☆

صلہ رحمی

یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یا ایمان کو عمل کے ساتھ یا حقوق العباد کو حقوق اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں، یا اسلامی اخوت کو قائم رکھتے ہیں۔ یا انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔ (تفسیر عثمانی) قطع رحمی کی سزا

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اللہ نے فرمایا ہے میں ہی اللہ ہوں میں ہی رحمن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام (رحمن) سے

وَمَا أَوْلَاكُمْ جَهَنَّمَ وِبِسَّ الْبِهَادُ ۴

اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور وہ بری آرام کی جگہ ہے

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترتا تجھ پر

رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۙ إِنَّمَا

تیرے رب سے حق ہے برابر ہو سکتا ہے اس کے جو کہ

يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ الْأَبَابُ ۱۹

اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے ☆

حکمت کا تقاضا

مومن و کافر دونوں کا الگ الگ انجام ذکر فرمانے کے بعد متنبہ کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عین عقل و حکمت کے موافق ہے۔ کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک نیٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے یوں ہی اناپ شناپ اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہو، اُس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے۔

الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا

وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں

يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۲۰

توڑتے اس عہد کو ☆

ایفائے عہد

یعنی اللہ سے جو عہد ازل میں ہو چکا ہے (عہد الست) جس پر انسان کی فطرت خود گواہ ہے اور جو انبیاء کی زبانی عہد لئے گئے ان سب کو پورا کرتے ہیں۔ کسی کو توڑتے نہیں۔ نیز بذات خود کسی معاملہ میں خدا سے یا بندوں سے جو عہد و پیمانہ باندھتے ہیں (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلا حقدار
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا
رسول اللہ! میری طرف سے حسن سلوک کا کون سب سے زیادہ مستحق
ہے۔ فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا اس کے بعد، فرمایا تیری ماں۔
اس نے عرض کیا اس کے بعد، فرمایا تیری ماں، اس نے عرض کیا اس
کے بعد کون فرمایا تیرا باپ۔ دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ تیرا
باپ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تیرے قرابت دار
حسب درجہ قرابت۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (باپ
کے ساتھ یہ بھی) بہت اچھا سلوک اور بڑے ہے کہ باپ کے منہ پھیرنے (یعنی
مرنے) کے بعد اس کے دوستوں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ (رواہ مسلم)
حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اپنے اپنے نسب کو جانو تا کہ رشتہ داروں کو جوڑے رکھو صلہ رحم سے رشتہ
داروں میں محبت، مال میں وسعت اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔ رواہ
الترمذی وقال حدیث غریب۔ (تفسیر مظہری)

وَيَخْشُونَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ

اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں

سُوءَ الْحِسَابِ ۝

برے حساب کا ☆

خوف خدا

یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کر کے لرزاں و ترساں رہتے
ہیں اور یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں جب ذرہ ذرہ کا حساب
ہوگا، کیا صورت پیش آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا خوشی کو اپنے رب کی ☆

تکلیفوں پر صبر

یعنی مصائب و شدائد اور دنیا کی مکروہات پر صبر کیا۔ کسی سختی سے گھبرا کر
طاعت کے راستہ سے قدم نہیں ہٹایا نہ معصیت کی طرف جھکے اور یہ صبر و

لفظ رحم کو مشتق کیا جو اس کو جوڑے رکھے گا میں اس کو (اپنے) ساتھ
جوڑے رکھوں گا جو اس کو کاٹے گا اس سے میں قطع تعلق کر لوں گا۔ رواہ
ابوداؤد۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پیدا کر چکا تو رحم نے
کھڑے ہو کر رحم کی کمر پکڑ لی۔ اللہ نے فرمایا کیا ہے؟ رحم نے عرض کیا
یہ اس کی جگہ ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا
تو اس بات سے خوش نہیں کہ جو تجھے جوڑے رکھے گا میں اسے (اپنے
ساتھ) جوڑے رکھوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس سے قطع تعلق کر
لوں گا۔ رحم نے عرض کیا بیشک میں اس پر راضی ہوں اے میرے رب،
اللہ نے فرمایا پس یہ (فیصلہ) تیرے لئے ہے۔ (متفق علیہ)

بغوی اور حکیم اور محمد بن نصر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی روایت
سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین
چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی۔ قرآن مجید، امانت، رحم، قرآن (بندوں سے یا
بندوں کی طرف سے) حجت کرے گا اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور رحم
ندا کرے گا خوب سن لو جس نے مجھے جوڑے رکھا اللہ اس سے تعلق رکھے گا اور
جس نے مجھے توڑا اللہ اس سے قطع تعلق کر لے گا۔ (رواہ ابغوی و حکیم و محمد بن نصر)

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں
درازی عطا کرے تو وہ قرابت داروں کو جوڑے رکھے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ایوب انصاری راوی ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی فرودگاہ پر سامنے سے آیا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے
جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا اللہ کی بندگی کر کسی
چیز کو اس کا شریک نہ قرار دے، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور رشتہ داری کو
جوڑے رکھ (یعنی قرابت داروں سے اچھا سلوک کر) (رواہ ابغوی)

صلہ رحمی کا مطلب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: رشتہ قرابت کو جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ
دیدے بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ قرابت (کسی عزیز
کی طرف سے) ٹوٹ گیا ہو تو وہ اس کو جوڑ دے (یعنی جو شخص تجھ سے
عزیز داری اور قرابت ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ختم کر چکا ہو تو اس
سے قرابت پیدا کر اور رشتہ کو جوڑ) (رواہ البخاری)

ہوتا کہ زکوٰۃ واجب ہو اور مال ہوتا بھی ہے تو اس کے اسلام کا تقاضا ہے کہ پہلے ہی سے ادا کر دے عموماً مسلمان نفل خیرات کرتا ہی رہتا ہے (اتنی کہ اس پر زکوٰۃ بہت کم ہی واجب ہوتی ہے) اس لئے سر آ کو علانیہ سے پہلے ذکر کیا۔ (ورنہ زکوٰۃ کی ادائیگی دوسری خیرات پر مقدم ہے اس لئے علانیہ کا لفظ سر آ سے پہلا آنا چاہئے تھا) (تفسیر مظہری)

وَيَذُرُّونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور کرتے ہیں برائی کے مقابلہ میں بھلائی ☆

برائی کے بدلہ اچھائی

یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ سختی کے مقابلہ میں نرمی برتتے ہیں کوئی ظلم کرتا ہے یہ معاف کرتے ہیں (بشرطیکہ معافی سے برائی کے ترقی کرنے کا اندیشہ نہ ہو) بدی سے بچ کر نیکی اختیار کرتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی برا کام ہو جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام (یعنی توبہ اور اس گناہ کی تلافی) کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ بِمَا شَبِهَ نِيكِيَاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ حضرت ابو ذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر یہ اس کو مٹا دیگی۔ (رواہ احمد صحیح)

گناہ کے بعد نیکی

ابن عساکر نے عمر بن اسود کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دس گناہ تو نے کئے ہوں تو ایک نیکی بھی (ایسی) کر جس سے تو گناہوں کو اتار دے۔

حضرت عقبہ بن عامر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گناہوں کے بعد نیکیاں کر لیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی اتنی تنگ زرہ پہن رکھی ہو۔ جس سے اس کا دم گھٹ رہا ہو (یعنی اتنے گناہ کئے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا) پھر اس نے ایک نیکی کر لی تو (زرہ کی) ایک کڑی ٹوٹ گئی پھر دوسری کڑی ٹوٹ گئی (اس طرح نیکیاں کرتے کرتے سب کڑیاں ایک کے بعد ایک ٹوٹ گئیں) یہاں تک کہ زرہ زمین پر گر پڑی۔ (رواہ الطبرانی)

ابن کيسان نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ گناہ توبہ کے ذریعے سے دفع کر دیتے ہیں (یعنی حسنہ سے مراد توبہ ہے) امام احمد نے

استقلال محض حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دکھلایا، اس لئے نہیں کہ دنیا انہیں بہت صابر اور مستقل مزاج کہے۔ نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہ رہا تھا مجبور ہو گئے تو صبر کر کے بیٹھ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

کون سا صبر مفید ہے

صبر کے ساتھ اَبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کی قید نے یہ بتلایا کہ مطلقاً صبر کوئی فضیلت کی چیز نہیں، کیونکہ کبھی نہ کبھی تو بے صبرے انسان کو بھی انجام کار ایک مدت کے بعد صبر آ ہی جاتا ہے، جو صبر غیر اختیاری ہو اس کی کوئی خاص فضیلت نہیں، نہ ایسی غیر اختیاری کیفیت کا..... اللہ تعالیٰ کسی کو حکم دیتے ہیں، اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصبر عند الصدمة الاولى۔ یعنی اصلی اور معتبر صبر تو وہی ہے جو ابتداء صدمہ کے وقت اختیار کر لیا جائے، ورنہ بعد میں تو کبھی نہ کبھی جبری طور پر انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے، بلکہ قابل مدح و ثناء صبر ہے کہ اپنے اختیار سے خلاف طبع امر کو برداشت کرے، خواہ وہ فرائض و واجبات کی ادائیگی ہو یا محرمات و مکروہات سے بچنا ہو۔

اسی لئے اگر کوئی شخص چوری کی نیت سے کسی مکان میں داخل ہو گیا مگر وہاں چوری کا موقع نہ ملا صبر کر کے واپس آ گیا، تو یہ غیر اختیاری صبر کوئی مدح و ثواب کی چیز نہیں، ثواب جب ہے کہ گناہ سے بچنا خدا کے خوف اور اس کی رضا جوئی کے سبب سے ہو۔ (معارف القرآن)

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا

اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے

رِزْقِهِمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

دیے میں سے پوشیدہ اور ظاہر ☆

قیام نماز و اداء زکوٰۃ و صدقات

پوشیدہ کو شاید اس لئے مقدم رکھا کہ پوشیدہ خیرات کرنا افضل ہے۔ الایہ کہ کہیں مصلحت شرعی علانیہ دینے میں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

سِرًّا وَعَلَانِيَةً چھپا کر اور کھلم کھلا۔ نفل خیرات چھپا کر دینی افضل ہے۔ (تا کہ شہرت طلبی کا شائبہ بھی نہ ہو) اور لوگوں کی بدگمانی کو دور کرنے اور دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے زکوٰۃ کھلم کھلا دینی بہتر ہے، مسلمان پر زکوٰۃ کا وجوب بہت کم ہوتا ہے اول تو اتنا مال ہی نہیں

يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ

داخل ہوں گے ان میں اور جو

صَلَّاهُمْ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

نیک ہوئے ان کے باپ دادوں میں اور جو زوجوں میں

وَذُرِّيَّتِهِمْ

☆ اور اولاد میں

قرابت کا فائدہ

”آباء“ کا لفظ تغلیباً کہا ہے جس میں اہمات (مائیں) بھی شامل ہیں۔ یہ جنت کی بشارت کے ساتھ مزید خوشخبری سنائی کہ ایسے کالمیلین کو جن کی خصال اوپر بیان ہوئیں جنت میں ایک نعمت و مسرت یہ حاصل ہوگی کہ وہ اور ان کے ماں باپ، اولاد، بیویاں، جو اپنی نیکی کی بدولت دخول جنت کے لائق ہوں سب اکٹھے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ان متعلقین میں سے اگر کوئی کم رتبہ ہوگا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش و مہربانی سے درجہ بڑھا کر اس مرد کامل سے نزدیک کر دے گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور)

رکوع ۱) اس سے معلوم ہوا کہ بدون ایمان و عمل صالح کے محض کالمیلین کی قرابت کافی نہیں۔ ہاں ایمان و عمل صالح موجود ہو تو تعلق قرابت سے کچھ ترقی درجات ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کاملوں کی عزت افزائی کرے گا اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو بھی ان کے مرتبے پر فائز کر دے گا جو اپنے اعمال کے لحاظ سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں گے اور کالمیلین کے اعمال کی طرح ان کے اعمال نہ ہوں گے آباء و اجداد اولاد اور بیویاں خواہ اہل جنت کے درجات پر فائز ہونے کے اہل نہ ہوں مگر جنتیوں کی خوشی کی خاطر ان کو بھی اہل جنت کا ساتھی کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں۔ صالح (یعنی مؤمن) ہونے کی شرط بتا رہی ہے کہ بغیر ایمان کے قرابت نسب مفید نہ ہوگی۔ آباء کے اندر بدالالت نص مائیں بھی داخل ہیں۔

ایک شبہ

طبرانی حاکم اور بیہقی نے حضرت عمر کی روایت سے صحیح سند کے

عطاء کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نے گناہ کیا ہو تو فوراً اس کے بعد توبہ کر لے۔ چھپے گناہ کی توبہ مخفی طور پر اور علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ (الزہد) برائی کے بدلہ اچھائی کا اجر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان کو جوڑے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قرابت توڑتے ہیں، میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ ان (کی زیادتیوں) کو برداشت کرتا ہوں اور وہ مجھ پر زیادتیاں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہہ رہے ہو تو تم ان پر خاک جھونک رہے ہو۔ (یعنی ان کو ناکام بنا رہے ہو وہ خسارے میں رہیں گے اور تم کامیاب ہو گے) جب تک تم اس (سلوک) پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں تمہاری حمایت ہوتی رہے گی۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو وصیت فرمائی کہ بدی کے بعد نیکی کر لو، تو وہ بدی کو مٹا دے گی۔ مراد یہ ہے کہ جب اس بدی اور گناہ پر نادم ہو کر توبہ کر لی اور اس کے پیچھے نیک عمل کیا تو یہ نیک عمل پچھلے گناہ کو مٹا دے گا، بغیر ندامت اور توبہ کے گناہ کے بعد کوئی نیک عمل کر لینا گناہ کی معافی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن)

أُولَئِكَ لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ

ان لوگوں کے لئے ہے آخرت کا گھر

جَنَّاتِ عَدْنٍ

باغ ہیں رہنے کے ☆

یعنی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عدن کیا ہے

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے ممبر پر آیت جَنَّاتِ عَدْنٍ تلاوت فرمائی پھر فرمایا لوگو! تم کو معلوم ہے کہ جنات عدن کیا ہیں۔ عدن جنت میں قصر ہے جس کے دس ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پچیس ہزار فرارخ چشم حوریں متعین ہیں اس قصر میں سوائے نبی صدیق، اور شہید کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ

اور فرشتے آئیں ان کے پاس ہر

كُلِّ بَابٍ ۞ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

دروازے سے کہیں گے سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۞

سو خوب ملا عاقبت کا گھر ☆

مجاہدین کا اعزاز

صحیح حدیث میں جنت کے آٹھ دروازے بیان ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ملین کی تعظیم و تکریم کے لئے خدا کے پاس فرشتے ہر طرف سے تحائف و ہدایا لے کر حاضر ہونگے۔ احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اول وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہونگے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر ہوتے اور رخنہ بندی کے وقت کام آتے تھے۔ جو حکم ان کو ملتا اس کی تعمیل کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے۔ دنیا کی حاجتیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر یہاں سے رخصت ہو گئے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں (حاضر ہوں) جو میرے راستے میں لڑے، میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور جہاد کیا۔ جاؤ جنت میں بے کھٹکے داخل ہو جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے ان بندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے خداوند! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگاہ قرب کے رہنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کریں۔ ارشاد ہوگا، ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے توجید پر جان دی، دنیا کے سب ارمان اپنے سینوں میں لے کر چلے آئے، میرے راستے میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ“ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء پر تشریف لے جاتے اور فرماتے ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ“ یہ ہی طرز عمل ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کا اعزاز

حضرت ابوامامہ کا بیان ہے کہ جنت کے اندر اپنی مسند (مسبری) پر مؤمن راحت اندوز ہوگا خادموں کی دو قطاریں اس کے سامنے ہوں گی، دونوں

ساتھ۔ اور طبرانی نے حضرت ابن عباس و حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے نسب اور رشتہ زوجیت کے علاوہ ہر نسب اور رشتہ زوجیت ٹوٹ جائے گا۔ ابن عساکر نے صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث مذکورہ نقل کی ہے۔ ہر نسب اور رشتہ زوجیت علاوہ میرے نسب اور رشتہ زوجیت کے منقطع ہو جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت (نسبی و سرالی) کے علاوہ اور کسی کی قرابت کام نہ آئے گی (اور آیت میں مؤمنوں کے لئے ان کی قرابت و زوجیت کا سود مند ہونا مذکور ہے)

جواب

تمام مؤمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ حضرت اُبی کی قرأت میں اتنا لفظ اس کے بعد زیادہ ہے و هو اب لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کے باپ ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے إِنَّهَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ سورہ کوثر کی تفسیر میں ہم نے ذکر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عاص بن وائل نے لوگوں سے کہا کہ اس کو چھوڑو یہ تو دم بریدہ ہے اس کے پیچھے اس کی نسل نہیں ہے۔ اس پر اللہ نے نازل فرمایا إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ آپ کا دشمن ہی حقیقت میں دم بریدہ ہے اس کی نسل نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ عاص بن وائل کے بیٹے عمر اور ہشام تھے مگر عمر و ہشام مسلمان ہو گئے اس سے عاص کا ان سے کوئی رشتہ والدیت قائم نہیں رہا اور عاص کو لا ولد کہہ دیا گیا، عمر و ہشام عاص کے وارث بھی انقطاع رشتہ کی وجہ سے نہ قرار پائے۔ بلکہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہو گئے۔ اس توضیح کی روشنی میں حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن میرا رشتہ اور نسب سود مند ہوگا اور سب رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ میرا نسب و رشتہ براہ راست ہو یا بالواسطہ حاصل مطلب یہ کہ کافروں کا کافروں سے یا کافروں کا مؤمنوں سے رشتہ قرابت و زوجیت منقطع ہو جائے گا اور مؤمنوں کا باہمی رشتہ سود مند ہوگا۔ اسی مضمون کو اللہ نے آیت الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الفتح) میں بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قطاروں کے سرے پر ایک بند دروازہ ہوگا دروازے پر فرشتہ اندر آنے کا طلبگار ہوگا۔ مومن اپنے قریبی خادم سے اور وہ خادم اپنے برابر والے خادم سے اور یونہی سلسلہ وار ہر خادم اپنے متصل خادم سے کہے گا کہ فرشتہ دروازہ پر خواستگار اجازت ہے۔ یہاں تک کہ آخر خادم جو دروازے سے متصل ہوگا وہ دروازہ کھول دے گا فرشتہ اندر آ کر سلام کرے گا اور واپس چلا جائے گا۔ (رواہ البغوی)

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر سب سے پہلے وہ فقراء و مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی بندش ہوتی ہے اور مصائب سے بچاؤ ہوتا ہے۔ غریب دل کی خواہش دل ہی میں لے کر مر جاتے ہیں ان کی حاجت پوری نہیں ہوتی اللہ اپنی مشیت کے مطابق فرشتوں سے فرمائے گا ان کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک ہم تیرے آسمان کے رہنے والے اور تیری مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں کیا تو ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ان کو جا کر سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ میرے بندے میری عبادت کرتے تھے کسی چیز کو میرا شریک نہیں قرار دیتے تھے انہی کے ذریعہ سے اسلامی سرحدوں کی بندش ہوتی تھی اور انہی کے سبب مصائب سے بچاؤ ہوتا تھا یہ ایسی حالت میں مرے کہ ان کی تمنا ان کے دلوں میں ہی رہی (دنیا میں ان کی حاجت پوری نہیں ہوئی، حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس آئیں گے) (اللہ نے فرمایا ہے) يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلے جنت میں جانے والے

سب سے پہلے جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ فقراء مہاجرین جو مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ جب انہیں جو حکم ملا بجالاتے رہے۔ انہیں ضرورتیں بادشاہوں سے ہوتی تھیں لیکن مرتے دم تک پوری نہ ہوئیں۔ جنت کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا۔ وہ بنی سنوری اپنی تمام نعمتوں اور تازگیوں کے ساتھ حاضر ہوگی۔ اس وقت ندا ہوگی کہ میرے وہ بندے جو میرے راہ میں جہاد کرتے تھے۔ میری راہ میں ستائے جاتے تھے۔ میری راہ میں لڑتے بھڑتے تھے۔ وہ کہاں ہیں۔ او بغیر حساب و عذاب کے جنت میں چلے جاؤ۔ اس وقت فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار ہم تو صبح و شام تیری تسبیح و تقدیس میں لگے رہے، یہ کون ہیں جنہیں ہم پر بھی تو نے فضیلت عطا فرمائی؟ اللہ رب العزت فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا، میری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔ اب تو فرشتے جلدی کر کے ان کے پاس

ہر دروازے سے جا پہنچیں گے، سلام کریں گے اور مبارکبادیاں پیش کریں گے کہ تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ کتنا اچھا ملا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسند کی حدیث میں ہے، جانتے بھی ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون جائیں گے؟ لوگوں نے کہا خدا کو علم ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا سب سے پہلے جنتی مساکین مہاجرین ہیں جو دنیا کی لذتوں سے دور تھے جو تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ جن کی انگلیں دلوں میں ہی رہ گئیں اور قضا آگئی، رحمت کے فرشتوں کو حکم خدا ہوگا کہ جاؤ انہیں مبارک باد دو۔ فرشتے کہیں گے خدایا ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے تیری بہترین مخلوق ہیں۔ کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر انہیں سلام کریں اور انہیں مبارکباد پیش کریں۔ جناب باری جواب دے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے صرف میری عبادت کی۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا دنیاوی راحتوں سے محروم رہے۔ مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ کوئی مراد پوری نہ ہونے پائی اور یہ صابر و شاکر رہا تو فرشتے جلدی جلدی بہ شوق ان کی طرف دوڑیں گے۔ ادھر ادھر کے ہر دروازے سے گھسیں گے اور سلام کر کے مبارکباد پیش کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، اور اسی طرح حضرت ابو بکر اور عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کہا کرتے تھے۔ (معارف کاغذ صلی رحمہ اللہ)

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا

بَعْدَ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا

مضبوط کرنے کے بعد قطع کرتے ہیں اس

أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ

چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ

فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۰﴾

ان کے واسطے ہے لعنت اور ان کے لئے ہے برا گھر ☆

ہوئے تمام احکام کی پابندی اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے پرہیز کا عہد بھی آجاتا ہے، اس لئے جب کوئی انسان کسی حکم خداوندی یا حکم رسول سے انحراف کرتا ہے تو اس عہد ایمانی کی عہد شکنی کرتا ہے، یہ معلوم ہوا کہ عہد شکنی اور رشتہ داروں و عزیزوں سے قطع رحمی لعنت اور جہنم کا سبب ہے، نعوذ باللہ منہ،

بڑی صلہ رحمی

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی صلہ رحمی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں سے وہی تعلقات قائم رکھے جو باپ کے سامنے تھے۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں بروایت انس مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں وسعت اور کاموں میں برکت عطا فرمائیں تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے صلہ رحمی کے معنی یہی ہیں کہ جن سے رشتہ داری کے خصوصی تعلقات ہیں ان کی خبر گیری اور بقدر گنجائش لہذا و اعانت کرے اور حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں والا اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ وہ عمل کونسا ہے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کر دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور نماز قائم کرو روز کو ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔ (بخاری) اور صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلہ رحمی اتنی بات کا نام نہیں کہ تم دوسرے عزیز کے احسان کا بدلہ ادا کرو اور اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے تو تم اس پر احسان کرو، بلکہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ تمہارا رشتہ دار عزیز تمہارے حقوق میں کوتاہی کرے، تم سے تعلق نہ رکھے تم پھر بھی محض اللہ کے لئے اس سے تعلق کو قائم رکھو، اور اس پر احسان کرو۔

صلہ رحمی کے فوائد

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے تعلقات کو نبھانے ہی کے خیال سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نسب ناموں کو محفوظ رکھو، جن کے ذریعہ تمہیں اپنی رشتہ داریاں محفوظ رہ سکیں، اور تم ان کے حقوق ادا کر سکو، پھر ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی کے فوائد یہ ہیں کہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور مال میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے، اور عمر میں برکت ہوتی ہے (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی ہے)۔

بد عہدی

سعداء کے مقابل یہاں اشقیاء کی عادات و خصال اور آخری انجام بتلایا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بد عہدی کریں، جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم تھا، انہیں توڑیں، ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں دوسروں پر اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے نہ رکیں یہ ہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے اور سب سے زیادہ بُرے مقام پر پہنچنے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغاوت اور قطع رحم

حضرت ابو بکر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرت میں جو سزا رکھی گئی ہے اس کے باوجود دنیا میں جس گناہ کی سزا اللہ کی طرف سے جلد ملنے کا استحقاق ہو جاتا ہے وہ بغاوت اور قطع رحم ہے (اس سے زیادہ جلد عذاب دنیا کو لانے والا کوئی گناہ نہیں) رواہ احمد و البخاری فی الادب و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم و ابن حبان۔ حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے ہیں رحم کو کاٹنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی راوی ہیں، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، ان لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جن میں قرابت رحم کو کاٹنے والا موجود ہو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (احسان کر کے) احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ نہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہمیشہ مخمور رہنے والا (نشہ کا خوگر) رواہ النسائی و الدارمی۔ (تفسیر مظہری)

عہد کی قسمیں

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ: یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جو ازل میں حق تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کے متعلق تمام پیدا ہونے والی روحوں سے لیا گیا تھا، جس کو کفار و مشرکین نے دنیا میں آ کر توڑ ڈالا اور اللہ کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں رب اور معبود بنا بیٹھے۔

اور وہ تمام عہد بھی اس میں داخل ہیں جن کی پابندی عہد لا الہ الا اللہ کے ضمن میں انسان پر لازم ہو جاتی ہے، کیونکہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ایک عظیم معاہدہ کا عنوان ہے جس کے تحت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے

دنیا پر نہ اتر او

یعنی اسی کو مقصود سمجھ کر اترتے اور اترتے ہیں۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض ہچ ہے جیسے ایک شخص اپنی انگلی سے سمندر کو چھوئے تو وہ تری جو انگلی کو پہنچی ہے سمندر کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔ دنیا کی آخرت کے مقابل اتنی بھی حقیقت نہیں۔ لہذا عقلمند کو چاہئے کہ فانی پر باقی کو مقدم رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بذات خود مقصود نہیں۔ یہاں کے سامانوں سے اس طرح تمتع کرو جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے اللہ

يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ

گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف

مَنْ أُنَابَ

اس کو جو رجوع ہوا

کافروں کی فرمائش کا جواب

سینکڑوں نشان دیکھتے تھے مگر وہ ہی مرنے کی ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی کہ جو ہم کہتے جائیں وہ نشان دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو۔ یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرادو۔ غرض کوئی نشان ایسا دکھلاؤ جو ہم کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اُس کا جواب دیا کہ بیشک خدا ایسے نشان دکھلانے پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کی حکمت و عادت مقتضی نہیں کہ تمہاری فرمائشیں پوری کیا کرے، پیغمبروں کی تصدیق کے لئے جس قدر ضرورت ہے اس سے زائد نشانات دکھلا چکا اور دکھلا رہا ہے۔ دوسرے سینکڑوں معجزات سے قطع نظر کر کے اکیلا قرآن ہی کیسا عظیم الشان نشان پیغمبر کی صداقت کا ہے۔

اسلام کی تعلیم راہبانہ انداز سے ترک تعلقات کی نہیں، بلکہ ضروری تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ماں باپ کے حقوق، اولاد، بیوی اور بہن بھائیوں کے حقوق، دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر لازم کئے ہیں، ان کو نظر انداز کر کے نفلی عبادت میں یا کسی دینی خدمت میں لگ جانا بھی جائز نہیں، دوسرے کاموں میں لگ کر ان کو بھٹلا دینا تو کیسے جائز ہوتا۔ (معارف القرآن)

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ

اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے ☆

دنیا کے عیش معیار نہیں ہے

یعنی دنیا کے عیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں خدا نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پھل مل کر رہے گا۔ بہر حال دنیا کی تنگی و فراخی مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتا۔

بناداں آل چنناں روزی رساند کہ دانا اندرش حیران بمانند

اللہ تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس

کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ رزق کا کم اور زیادہ ہونا کفر اور ایمان پر موقوف نہیں، اور کفار اترائے ہوئے ہیں، دنیاوی زندگی پر اور اس کی عیش و عشرت پر اور ان کا یہ اترانا بالکل فضول ہے۔ اس لئے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان۔ حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی۔ (رواہ الامام احمد) (معارف کا مہلوی)

وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ

اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی

الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعًا

زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع حقیر ☆

اور گھبراہٹ کو دور کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَطْمِئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ: اور ان کے دل اللہ یاد سے مطمئن ہو جاتے ہیں، یعنی ان کے دلوں میں ایمان یقین جم جاتا ہے۔ ہر طرح کا شک زائل ہو جاتا ہے۔ ذکر سے مراد ہے قرآن مجید اور اطمینان سے مراد ہے ایمان۔ کیونکہ ایمان دلوں کا سکون ہے اور نفاق دلوں کی بے چینی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی یاد سے شیطانی وسوسے زائل ہو جاتے ہیں (اس مطلب پر ذکر سے مراد ہوگی اللہ کی یاد صرف قرآن مراد نہ ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی کے دل کے دو خانے ہوتے ہیں ایک خانہ میں فرشتہ (کا ظہور) ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان (کا ظہور) ہوتا ہے۔ جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سمٹ جاتا ہے اور اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے اس طرح وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ فی المصنف عن عبد اللہ بن شقیق ورواہ البخاری تعلیقاً عن ابن عباس مرفوعاً۔ حضرت ابن عباس کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے آدمی کے دل پر شیطان مالش کرتا ہے جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سکر جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے۔

دلوں کی روزی

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل ایمان کے پاک و صاف دلوں کی روزی اللہ کی یاد ہے اللہ کی یاد سے ان کو چین اور سکھ ملتا ہے، جیسے مچھلیوں کو پانی میں پرندوں کو ہوا میں اور وحشی جانوروں کو جنگل میں لیکن اگر غفلت آفریں کوئی اندرونی خیال دل میں آجاتا ہے یا اہل غفلت کی صحبت اثر انداز ہو جاتی ہے تو دلوں کا چین جاتا رہتا ہے بے چینی اور عدم سکون پیدا ہو جاتا ہے جیسے پانی سے باہر مچھلی کو اور خشکی کے جانور کو پانی کے اندر اور وحشی جانوروں کو پتھرے میں اضطراب ہوتا ہے۔

صوفیہ صافیہ کے خادموں کے لئے ان حالات کا مشاہدہ بالکل بدیہی ہے ہر مرشد برحق کا خدمت گزار ان حالات کو دیکھا کرتا ہے۔ اس مطلب پر الَّذِينَ اٰمَنُوا سے مراد ہوں گے۔ پاک باطن روشن دل صوفیہ۔ (تفسیر مظہری)

اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿۲۸﴾

نتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل ☆

جب تم ان نشانوں کو دیکھ کر راہ راست پر نہ آئے اور حق کی طرف رجوع نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ قدیم قانون کے موافق خدا کی مشیت یہ ہی ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ گمراہی میں چھوڑے رکھے۔ بلاشبہ اگر تم اتنے بڑے بڑے نشان دیکھ کر اس کی طرف رجوع ہوتے تو وہ اپنی عادت کے موافق تم کو آگے بڑھاتا اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کی راہیں دکھاتا۔ جب تم نے خود یہ نہ چاہا تو اس کی حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے کہ تمہیں مجبور نہ کرے۔ پھر فرمائی نشان دکھلانے کی کیا ضرورت رہی، بلکہ نہ دکھلانے میں تمہارا فائدہ ہے کیونکہ ستہ اللہ یہ ہے کہ فرمائی نشان اسی وقت دکھلائے جاتے ہیں جب کسی قوم کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد! اگر تم چاہو تو ہم ان کو فرمائی نشان دکھلا دیں، اس پر بھی نہ مانیں تو ایسا عذاب بھیجا جائے گا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہو۔ اور اگر تم چاہو تو رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شق کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ یہ ہی معاندانہ فرمائش کرنے والے بہت سے بعد کو مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ اٰمَنُوا

وہ لوگ جو ایمان لائے اور

تَطْمِئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ

چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے ☆

اطمینان حاصل کرنے کا نسخہ

یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین و اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلِهَ لَحٰفِظُوْنَ۔ جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے۔ ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لا محدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے

طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنُ مَا بِهِم

خوشحالی ہے ان کے واسطے اور اچھا ٹھکانا ☆

طوبی کیا ہے

مترجم محقق نے طوبی کے لغوی معنی لئے ہیں اس کے اندر جنت کا وہ درخت بھی آگیا ہے جسے صحیح حدیث میں طوبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے طوبی کا ترجمہ کیا ہے خوشی اور خنکی چشم۔
۱۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طوبی کا ذکر آیا تو فرمایا ابو بکر کیا تم کو معلوم ہے کہ طوبی کیا ہے حضرت ابو بکر نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔

فرمایا طوبی جنت میں ایک درخت ہے جس کی لمبائی سے اللہ ہی واقف ہے اس کی ایک شاخ کے نیچے ستر برس تک گھوڑا سوار چلتا رہے تو اس کو طے نہ کر پائے (ازالۃ الخفا)

سعید بن جبیر نے کہا حبشی زبان میں طوبی باغ (جنت) کو کہتے ہیں۔
بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو امامہ حضرت ابو ہریرہ اور ابو برداء نے فرمایا طوبی جنت میں ایک درخت ہے جو تمام جنتوں پر سایہ فگن ہے۔

عبید بن عمیر نے کہا طوبی جنت عدن کے اندر رسول اللہ کے (جنتی) مکان میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں مومن کے ہر جنتی مکان اور بالا خانہ پر سایہ فگن ہیں۔ سوائے سیاہ رنگ کے ہر رنگ اور ہر پھول اور پھل اور ہر میوہ اللہ نے اس درخت میں پیدا کیا ہے اس کی جڑ سے دو چشمے نکلتے ہیں کافور اور سلسبیل مقاتل نے کہا اس کا ہر پتہ ایک گروہ پر سایہ فگن ہے اور ہر پتہ پر ایک فرشتہ اللہ کی طرح طرح کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہے۔

طوبی درخت کا پھیلاؤ

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ طوبی کیا ہے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے (جس کا پھیلاؤ) سو سال کی رفتار کے برابر ہے اہل جنت کے کپڑے اس کے شگوفوں سے برآمد ہونگے راوی ابن حبان۔

ذکر اللہ

یعنی دولت، حکومت، منصب، جاگیر یا فرمائی نشانات کا دیکھ لینا، کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی۔ صرف یاد الہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہ ہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ آمَنُوا تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ: خوب سن لو اللہ کی یاد سے ہی (پاک صاف) دلوں کو چین ملتا ہے۔

شبہ

بغوی نے اس جگہ ایک شبہ اور اس کا جواب لکھا ہے۔ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے۔
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ۔ بس مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور اس جگہ ذکر الہی کو مومن کے قلب کا اطمینان فرمایا گیا ہے۔ ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ عذاب کے ذکر کے وقت مومن کا دل ڈر جاتا ہے اور ثواب کے وعدہ کے ذکر کے وقت اس کے اندر اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے اللہ کے انصاف اور عذاب سے اور چین پاتا ہے اللہ کے فضل و کرم کے ذکر سے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اطمینان و خوف میں باہم تضاد ہے (لیکن ایک حالت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہوتا، اطمینان کی حالت جدا ہوتی ہے اور خوف کی جدا۔

میرے نزدیک طمانیت اور خوف میں کوئی تضاد نہیں طمانیت ان سے پیدا ہوتی ہے اور انس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے بلکہ خوف و امید بھی ایک حالت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ حضرت انس راوی ہیں کہ ایک جوان کے مرنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا تجھے اپنے دل کی کیا کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔ فرمایا ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں اللہ ضرور اس کو اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے اس کو خوف ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے رواہ الترمذی وابن ماجہ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وہب کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے کہ جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلتا رہیگا لیکن ختم نہ ہوگا۔ اس کی تروتازگی کھلے ہوئے چمن کی طرح ہے۔ اس کے پتے بہترین اور عمدہ ہیں۔ اس کے خوشے عنبریں ہیں۔ اس کے کنکر یا قوت ہیں اس کی مٹی کا فور ہے۔ اس کا گارا مشک ہے اس کی جڑ سے شراب کی دودھ کی اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے نیچے جنتیوں کی مجلس کی ہوں گی۔ یہ بیٹھے ہوئے ہونگے جو ان کے پاس فرشتے اور اونٹنیاں لیکر آئیں گے جن کی زنجیریں سونے کی ہوں گی۔ جن کے چہرے چراغ جیسے چمکتے ہوئے ہوں گے۔ بال ریشم جیسے نرم ہوں گے جن پر پا قوت جیسے پالان ہوں گے جن پر سونا جڑاؤ ہو رہا ہوگا۔ جن پر ریشمی جھولیں ہوں گی۔ وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ سواریاں تمہیں بچھوائی گئی ہیں اور دربار خدا میں تمہارا بلاوا ہے۔ یہ ان پر سوار ہوں گے۔ وہ پرندوں کی رفتار سے بھی تیز رفتار ہوں گی۔ جنتی ایک دوسرے سے ملکر چلیں گے۔ اونٹنیوں کے کان سے کان بھی نہ ملیں گے پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلیں گی۔ راستے میں جو درخت آئیں گے وہ خود بخود ہٹ جائیں گے کہ کسی کو اپنے ساتھی سے الگ نہ ہونا پڑے یوں ہی رحمان و رحیم خدا کے پاس پہنچے گے خدائے تعالیٰ اپنے چہرے سے پردے ہٹا دے گا یہ اپنے رب کے منہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے اللھم انت السلام والیک السلام وحق لک الجلال والاکرام۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت فرمایا انا السلام و من السلام تم پر میری رحمت سابق ہو چکی اور محبت بھی میرے ان بندوں کو مرحبا ہو جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے۔ میری فرمانبرداری کرتے رہے۔ جنتی کہیں گے باری تعالیٰ نہ تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا ہوا نہ تیری پوری قدر ہوئی۔ ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے سجدہ کریں اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ محنت کی جگہ نہیں ہے نہ عبادت کی یہ تو نعمتوں راحتوں اور مالا مال ہونے کی جگہ ہے۔ عبادتوں کی تکلیف جانی رہی۔ مزے لوٹنے کے دن آگئے۔ جو چاہو مانگو پاؤ گے تم میں سے جو شخص جو مانگے اسے دوں گا۔ پس یہ مانگیں گے۔ کم سے کم سوال والا کہے گا تو خدا یا تو نے دنیا میں جو پیدا کیا تھا جس میں تیرے بندے ہائے وائے کر رہے تھے۔ میں چاہتا

معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ کی مرفوع روایت سے بیان کیا کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اس درخت سے زیور اور کپڑے پیدا ہوں گے اور اس کی شاخیں حصار جنت کے باہر دکھائی دیں گی۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں ایک گھوڑا سوار سو برس تک چلتا رہے تب بھی قطع نہ کر سکا اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو وَظِلٌّ مَّندُودٌ (متفق علیہ) امام احمد نے یہ روایت کرنے کے بعد اتنا زیاد بیان کیا کہ اس کے پتے جنت کو ڈھانپ لیں گے۔

نہاد بن سری نے الزہد میں اور بغوی نے (تفسیر) میں آخر میں اتنا اور بھی اس کو بیان کیا کہ اس بیان کی اطلاع کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ سچ ہے قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰ پر تورات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اگر کوئی شخص سہ سالہ یا چار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے تنہ کے گردا گرد چکر لگائے تو دورہ پورا نہ کر سکے یہاں تک کہ (عمر ختم ہو جائے) اور پیر فرقت ہو کر گر پڑے اللہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور اپنی روح اس میں پھونکی ہے اس کی شاخیں جنت کے باہر سے نظر آئیں گی (یعنی پوری جنت پر وہ سایہ فلکن ہوگا) جنت کی ہر نہر اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہے۔

درخت سے اونٹنی برآمد

حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہا جاتا ہے اللہ اس سے فرمایا میرا بندہ جو کچھ چاہتا ہے تو اس شگافتہ ہو کر اپنے اندر سے اس چیز کو برآمد کر دے حسب الحکم درخت پھٹے گا اور اس کے اندر سے بندہ کی خواہش کے مطابق گھوڑا زین اور لگام پورے ساز سمیت برآمد ہو جائے گا اور بندہ کی خواہش کے مطابق اونٹنی اپنے کجاوے نکلیں اور سامان سمیت برآمد ہو جائے گی اور کپڑے بھی پھٹکر اس درخت سے نکلیں گے رواہ بغوی وابن ابی الدنیا

گھوڑوں، اونٹوں کی بارش

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طوبیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے بندوں کے لئے بہترین چیزیں پکا۔ تو اس میں سے گھوڑے اور اونٹ برسنے لگیں گے۔ سب سجائے اور زین لگام وغیرہ کسے کسائے اور عمدہ بہترین لباس وغیرہ۔

طوبیٰ کا تفصیلی تعارف

ابن جریر نے اس جگہ ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے۔

ہوں کہ شروع دنیا سے آخر دنیا تک جو دنیا میں جتنا کچھ تھا مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے کچھ نہ مانگا۔ اپنے مرتبے سے بہت کم چیز مانگی۔ اچھا ہم نے دی۔ میری بخشش اور دین میں کیا کمی ہے؟ پھر فرمائے گا۔ جن چیزوں تک میرے ان بندوں کے خیالات کی رسائی بھی نہیں وہ انہیں دو۔ چنانچہ دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔ ان چیزوں میں جو انہیں یہاں ملیں گے تیز رو گھوڑے ہوں گے، ہر چار پر یا قوتی تخت ہوگا، ہر تخت پر سونے کا ایک ڈیرہ ہوگا، ہر ڈیرے میں جنتی فرش ہوگا جن پر بڑی بڑی آنکھوں والی دو دو حوریں ہوں گی جو دو دو حلقے پہنے ہوئے ہوں گی جن میں جنت کے تمام رنگ ہوں گے اور تمام خشبوں میں ان خیموں سے باہر سے ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوئے گویا وہ باہر بیٹھی ہیں۔ ان کی پنڈلی کے اندر کا گودا باہر سے نظر آ رہا ہوگا جیسے سرخ یا قوت میں ڈورا پرویا ہوا اور وہ اوپر سے نظر آ رہا ہو۔ ہر ایک دوسرے پر اپنی فضیلت ایسی جانتی ہوگی جیسی فضیلت سورج کی پتھر پر۔ اسی طرح جنتی کی نگاہ میں بھی دونوں ایسی ہی ہوں گی۔ یہ ان کے پاس جائے گا اور ان سے بوسوکنار میں مشغول ہو جائے گا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر کہیں گی واللہ ہمارے تو خیال میں بھی نہ تھا کہ خدا تم جیسا خاوند ہمیں دیگا۔ اب بحکم خدا اسی طرح صف بندی کیساتھ سوار یوں پر یہ واپس ہوں گے اور اپنی منزلوں میں پہنچیں گے۔ دیکھو تو سہی خدائے وہاب نے انہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں؟ وہاں بلند درجہ لوگوں میں اونچے اونچے بالا خانوں میں جو زمرے موتی کے بنے ہوئے ہوں گے۔ جن کے دروازے سونے کے ہوں گے۔ جن کے تخت یا قوت کے ہوں گے جن کے فرش نرم اور موٹے ریشم کے ہوں گے۔ جن کے منبر نور کے ہوں گے جن کی چمک سورج کی چمک سے بالاتر ہوگی۔ اعلیٰ علیین میں ان کے محل ہوں گے، یا قوت کے بنے ہوئے نورانی جن کے نور سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے لیکن خدائے تعالیٰ ان کی آنکھیں ایسی نہ کرے گا۔ جو محلات یا قوت سرخ کے ہوں گے ان میں سبز ریشمی فرش ہوں گے اور جو زرد یا قوت کے ہوں گے ان کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے جو زمر اور سونے کے جوڑاؤ کے ہوں گے اور ان کے تختوں کے پائے جواہر کے ہوں گے۔ ان کی چھتیں لٹو لٹو کی ہوں گی۔ ان کے برج مرجان کے ہوں گے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی خدائی تختے وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ سفید یا قوتی گھوڑے غلمان لئے کھڑے ہوں گے جن کا سامان چاندی کا جڑاؤ کا ہوگا۔ ان کے تخت پر

اعلیٰ ریشمی نرم دبیز فرش بچھے ہوں گے۔ یہ ان سوار یوں پر سوار ہو کر بہ تکلف جنت میں جائیں گے، دیکھیں گے کہ ان کے گھروں کے پاس نورانی منبروں پر فرشتے ان کے استقبال کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کا شاندار استقبال کریں گے مبارکباد دیں گے۔ مصافحہ کریں گے پھر یہ اپنے گھروں میں داخل ہوں گے انعامات خدا وہاں موجود پائیں گے اور دو پھلی پھولی جن میں دو جنتیں ہری بھری پائیں گے اور دو پھلی پھولی جن میں دو چشمے پوری روانی سے جاری ہوں گے اور ہر قسم کے جوڑ دار میوے ہوں گے اور خیموں میں پاکدامن بھولی بھالی پردہ نشین حوریں ہوں گی۔ جب یہ یہاں پہنچ کر راحت و آرام میں ہوں گے اس وقت اللہ رب العزت فرمائے گا میرے پیارے بندو! تم نے میرے وعدے سچے پائے؟ کیا تم میرے ثوابوں سے خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ خدایا ہم خوب خوش ہو گئے، بہت ہی رضا مند ہیں دل سے راضی ہیں کلی کلی کھلی ہوئی ہے، تو بھی ہم سے خوش رہ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میری رضا مندی نہ ہوتی تو میں اپنے اس مہمان خانے میں تمہیں کیسے داخل ہونے دیتا؟ اپنا دیدار کیسے دکھاتا؟ میرے فرشتے تم سے مصافحہ کیوں کرتے؟ تم خوش رہو آرام رہو تمہیں مبارک ہو تم پھلو پھولو اور سکھ چین اٹھاؤ، میرے یہ انعامات گھنٹے اور ختم ہونے والے نہیں، اس وقت وہ کہیں گے خدایا ہی کی ذات سزاوار تعریف ہے جس نے ہم سے غم و رنج کو دور کر دیا اور ایسے مقام پر پہنچایا کہ جہاں ہمیں کوئی تکلیف کوئی مشقت نہیں، یہ اسی کا فضل ہے، وہ بڑا ہی بخشنے والا اور قدر دان ہے یہ سیاق غریب ہے اور یہ اثر عجیب ہے ہاں اسکے بعض شواہد بھی موجود ہیں، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے جو سب سے اخیر جنت میں جائے گا فرمائے گا کہ مانگ وہ مانگتا جائے گا اور کریم دیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا سوال پورا ہو جائے گا۔ اب اس کے سامنے کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی تو اب اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا کہ یہ مانگ یہ مانگ یہ مانگے گا اور پائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا، صحیح مسلم شریف کی قدسی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو تمہارے اگلے پچھلے انسان جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے دعائیں کریں اور مانگیں، میں ہر ایک کے تمام سوالات پورے کروں لیکن میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہ آئے گی جتنی کمی سوئی کے سمندر میں ڈبونے سے سمندر کے پانی میں آئے۔ ارنج خالد بن معدان کہتے ہیں، جنت کے

ہو گیا اور سہل بن عمرو قریش کی طرف سے آ گیا سورۃ الفتح میں تفصیل کے ساتھ ہم نے لکھ دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا، لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، قریش بولے ہم تو الرحمن کو نہیں جانتے ہم تو صرف یمامہ والے رحمن (یعنی مسیلمہ کذاب) کو جانتے ہیں (ہم اللہ کو رحمن نہیں کہتے) تم وہی لکھو جو پہلے لکھتے تھے، یعنی باسمک اللہم (سے تحریر شروع کرو) وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ كَايِبِي مَطْلَب هِيَ (یعنی یہ لوگ اللہ کے رحمن ہونے کا انکار کرتے ہیں) (تفسیر مظہری)

قُلْ هُوَ رَبِّيَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ

تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے

تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝

بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف آتا ہوں رجوع کر کے ☆

توکل علی اللہ

یعنی جس رحمن سے تم انکار کرتے ہو وہ ہی میرا رب ہے اور وہ ہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ”قُلْ اذْعُوا لِلّٰهِ اَوْ اذْعُوا لِلرَّحْمٰنِ اَيًّا مَّا تَدْعُوْنَ فَالَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى“ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۲) میرا آغاز و انجام سب اسی کے ہاتھ میں ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں، نہ تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے ضرر کا اندیشہ ہے نہ اس کی امداد و اعانت سے مایوس ہوں۔ (تفسیر عثمانی) طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر وہ صحیح ہے تو ہمارے مردہ اسلاف کو ہم سے ملا دو تا کہ ہم ان کو دیکھیں اور ان سے باتیں کریں اور وہ تمہاری تصدیق کریں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سِيَّرَتْ بِهٖ الْجِبَالُ

اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ

اَوْ قَطَّعَتْ بِهٖ الْاَرْضُ اَوْ كَلِمٰتٍ بِهٖ

یا نکلے ہووے اس سے زمین یا بولیں اس سے

الْمَوْتِ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا

مردے تو کیا ہوتا بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں ☆

ایک درخت کا نام طوبی ہے، اس میں تھن ہیں جن سے جنتیوں کے بچے دودھ پیتے ہیں کچے گرے ہوئے بچے جنت کی نہروں میں ہیں۔ قیامت کے قائم ہونے تک پھر چالیس سال کے بن کر اپنے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ فِيْ اُمَّةٍ قَدْ

اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں

خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَّمٌ لِّتَتْلُوْا

کہ گذر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ سناوے

عَلَيْهِنَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں اسی طرح اس امت کی رہنمائی کے لئے ہم نے تجھے مبعوث کیا، تا جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اتاری ہے آپ ان کو پڑھ کر سنا دیں، آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنیوالوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ط

اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمن سے ☆

قریش رحمن کے منکر تھے

یعنی رحمان نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن اتارا۔ ”اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ“ اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، مگر انہوں نے سخت ناشکری اور کفران نعمت پر کمر باندھ لی رحمان کا حق ماننے سے منکر ہو گئے بلکہ اس نام سے ہی وحشت کھانے لگے، اسی لئے ”حدیبیہ“ کے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر جھگڑا کیا۔ ”فَلَا اَقِيْلُ لَهُمْ اِسْجِدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ“ (فرقان۔ رکوع ۵) (تفسیر عثمانی) ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے بھی قتادہ کا یہ بیان نقل کیا ہے، اس کی توضیح اس طرح ہے کہ جب قریش اور صحابہ کا صلح نامہ لکھنے پر اتفاق

قرآن پاک

دنیا تک رہے گا نہ اس کے عجائبات ختم ہوں نہ یہ کثرت تلاوت سے پرانا ہونہ اس سے علماء کا پیٹ بھر جائے یہ فضل ہے دل لگی نہیں، جو سرکش اسے چھوڑ دے گا اللہ اسے توڑ دے گا جو اس کے سوا اور میں ہدایت تلاش کرے گا اسے خدا گمراہ کر دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَفَلَمْ يَأْتِسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ

سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر اگر

يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا

چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو ☆

بعض مسلمانوں کے خیال کی تصحیح

شاید بعض مسلمانوں کو خیال گذرا ہوگا کہ ایک مرتبہ ان کی فرمائش ہی پوری کر دی جائے شاید ایمان لے آئیں ان کو سمجھایا کہ خاطر جمع رکھو اگر خدا چاہے تو بدون ایک نشان دکھلائے ہی سب کو راہ راست پر لے آئے، لیکن یہ اُس کی عادت و حکمت کے خلاف ہے اُس نے انسان کو ایک حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر ہدایت کے کافی اسباب فراہم کر دیے، جو چاہے اُن سے مستفیع ہو، کیا ضرورت ہے کہ اُن کی فرمائش پوری کی جائیں باوجود کافی سامان ہدایت موجود ہونے کے اگر معاندین نہیں مانتے اور اپنے ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں تو ہم نے یہ ارادہ بھی نہیں کیا کہ ساری دنیا کو ضرور منوا ہی دیا جائے۔ آخر ”لَا مَلِكُ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ والی بات بھی تو پوری ہو کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَلَمْ يَأْتِسِ الَّذِينَ آمَنُوا كَمَا (ان کافروں کے ایمان لانے سے)

اہل ایمان ابھی نا امید نہیں ہوئے باوجود یہ کہ ان معجزات سے بڑھ چڑھ کر یہ کافر معجزات دیکھ چکے پھر بھی ایمان نہ لائے چاند پھٹنے کا معجزہ انہوں نے دیکھا پھر بھی تصدیق نہیں کی کنکریوں کا کلام کرنا، انہوں نے دیکھ لیا اور ایمان نہ لائے، پہاڑوں کے رواں کرنے اور دوش ہوا پر قطع مسافت کرنے سے تو چاند کے پھٹنے کا معجزہ زیادہ موثر ہونا چاہئے اور مردوں کے کلام کرنے سے کنکریوں کا بولنا زیادہ مشکل ہے، جب یہ معجزات ان کو قبول ایمان پر آمادہ نہ کر سکے تو فرمائش معجزات کی تکمیل کیا ایمان بخش ہو سکتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں ”زبور“ پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوا ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائش نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کوئی ہو سکتی تھی۔ یہ ہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جسے ہوئے لوگوں کو اُن کی جگہ سے ہٹا دیا قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الہی کے چشمے جاری کر دیے وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے، مُردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء و ہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو تب ہی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی جنتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے تم ایسے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سب کام (ہدایت و اضلال) اللہ کے ہاتھ میں ہیں جسے وہ نہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی لیکن وہ اسی کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسند میں ہے حضرت داؤد پر قرآن اس قدر آسان کر دیا گیا تھا کہ ان کے حکم سے سواری کسی جانی اس کے تیار ہونے سے پہلے ہی وہ قرآن کو ختم کر دیتے سوا اپنے ہاتھ کی کمائی کے وہ اور کچھ نہ کھاتے تھے پس مراد یہاں قرآن سے زبور ہے کیا ایماندار اب تک اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ تمام مخلوق ایمان نہیں لانے کی، کیا وہ مشیت خدا کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں، رب کی یہ منشا ہی نہیں، اگر ہوتی تو روئے زمین کے لوگ مسلمان ہو جاتے بھلا اس قرآن کے بعد کس معجزے کی ضرورت دنیا کو رہ گئی؟ اس سے بہتر اس سے واضح اس سے صاف اس سے زیادہ دلوں میں گھر کرنے والا اور کون سا کلام ہوگا؟ اسے تو اگر بڑے بڑے پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ بھی خشیت خدا سے چکنا چور ہو جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نبی کو ایسی چیز ملی کہ لوگ اس پر ایمان لائیں میری ایسی چیز خدا کی یہ وحی ہے پس مجھے امید ہے کہ سب نبیوں سے زیادہ تابعداروں والا میں ہو جاؤں گا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کے ساتھ ہی چلے گئے اور میرا یہ معجزہ جیتا جاگتا رہتی

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ

اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے

فَأَمْلَيْتُمُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ

سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر

أَخَذْتُهُمْ وَقَفَّ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۶

ان کو پکڑ لیا سو کیا تھا میرا بدلہ ☆

ڈھیل سے بے خوف نہ ہو

یعنی سزا ملنے میں دیر ہو تو مت سمجھو کہ چھوٹ گئے، گذشتہ مجرموں کو بھی پہلے ڈھیل دی گئی، پھر جب پکڑا تو دیکھ لو کیا حشر ہوا، آج تک ان کی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں۔

أَفَمَن هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ

بھلا جو لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر

يَبَاكُسِبَتٍ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۗ ط

جو کچھ اس نے کیا ہے اور مقرر کرتے ہیں اللہ کیلئے شریک ☆

خدا کسی سے غافل نہیں

یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں، ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے کیا مجرم اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں؟ یا اس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں نہ اپنے یا دوسرے کے نفع و ضرر کا پتہ اختیار رکھتی ہیں تعجب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی عاجز و حقیر مخلوق کے آگے سر جھکائے اور اس کی خدائی کے اختیارات تفویض کر دے اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ علیم الکل اور بہمہ صفت موصوف خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں، خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں سب خدا کی آنکھ کے سامنے ہے۔ لوگوں کی ان مشرکانہ گستاخیوں سے وہ بے خبر نہیں، جلد یا بدیر سزا مل کر رہے گی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ

اور برابر پہنچتا رہے گا منکروں کو

بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً ۙ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا

ان کی کرتوت پر صدمہ یا اترے گا ان کے

مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ

گھر سے نزدیک جب تک کہ پہنچے وعدہ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝۷

اللہ کا بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ ☆

ان کا علاج جہاد ہے

یعنی یہ کفار مکہ فرمائی نشانوں سے ماننے والے نہیں، یہ تو اس طرح مانیں گے کہ برابر کوئی آفت و مصیبت خود ان پر یا ان کے آس پاس والوں پر پڑتی رہے گی جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کریں مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے کچھ قتل ہوئے کچھ قید کیے جائینگے کچھ دوسری طرح کے مصائب کا شکار ہوئے یہ ہی سلسلہ رہے گا جب تک خدا کا وعدہ پورا ہو یعنی مکہ فتح ہو اور ”جزیرۃ العرب“ شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہو جائے بے شک خدا کا وعدہ اٹل ہے، پورا ہو کر رہے گا، بعض مفسرین نے اَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب مانا ہے یعنی آپ ان کی بستی کے قریب اتریں گے جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا اس وقت ”قارعہ“ سے وہ سرایا مراد ہونگے جن میں آپ بہ نفس نفیس شریک نہ ہوتے تھے بعض سلف سے منقول ہے کہ آیت تمام کفار کے حق میں عام ہے، مکہ والوں کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قارعہ کے معنی مصیبت اور آفت کے ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ ان مشرکین کے مطالبات تو اس لئے منظور نہیں کئے گئے کہ ان کی بدینتی اور ہٹ دھرمی معلوم تھی کہ پورے کرنے پر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ (معارف القرآن)

انکار کرے گا، اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ سب اوپر اوپر کی باتیں ہیں جن کو انسانی ضمیر اور انسانی فطرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔

بَلْ زَيْنَ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا

یہ نہیں بلکہ بھلے بھلائیے ہیں منکروں کو

مَكْرَهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ

ان کے فریب اور دھوکہ دیے گئے ہیں راہ سے ☆

فقط دھوکہ ہے

یعنی کچھ بھی نہیں، شرک کی حمایت میں ان کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے، اسی نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

وَمَنْ يُضِلِّ اللّٰهُ فَمَا لَهُ

اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اس کو

مِنْ هَادٍ

راہ بتلانے والا ☆

ہدایت اللہ کے پاس ہے

یعنی جسے خدا ہدایت کی توفیق نہ دے اسے کون راہ پر لاسکتا ہے اور وہ اسی کو توفیق دیتا ہے جو باختیار خود ہدایت کے دروازے اپنے اوپر بند نہ کر لے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ان کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی میں ☆

وَلِعَذَابِ الْآخِرَةِ اَشْقٰ وَّ مَا لَهُمْ

اور آخرت کی مار تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو

مِّن اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ

اللہ سے بچانے والا ☆

یعنی بے سزا دیے چھوڑیگا نہیں پھر وہاں کی سزا کا کیا پوچھنا۔

قُلْ سَمُوْهُمْ

کہہ ان کا نام لو ☆

یعنی ذرا آگے بڑھ کر ان شرکاء کے نام تو لو اور پتے تو بتاؤ، کیا خداوند قدوس کی یہ صفات سن کر جو اوپر بیان ہوئیں کوئی حیا دار ان پتھروں کا نام بھی لے سکتا ہے؟ اور بے حیائی سے ”لات“ و ”عزی“ کے نام لینے لگو تو کیا کوئی عاقل ادھر التفات کر سکتا ہے؟

اَمْ تَنْبُوْنَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ

یا اللہ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں ☆

خدا کا کوئی شریک نہیں ہے

یعنی خدا کو تمام رُوئے زمین پر اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں (کیونکہ ہے ہی نہیں جو معلوم ہو) کیا تم اُسے وہ چیز بتلاؤ گے جسے وہ نہیں جانتا؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) زمین کی قید اس لئے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء (اصنام) کی قیامگاہ یہ ہی زمین تھی، ابو حیان نے ”لَا يَعْلَمُ“ کی ضمیر ”مَا“ کی طرف لوٹائی ہے، یعنی کیا خدا کو بتلاتے ہو کہ آپ کی خدائی کے حصہ دار وہ بت ہیں جو ادنیٰ سا علم بھی نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی) پس کیا تم بتوں کے وہ اوصاف بتا سکتے ہو جن کی وجہ سے وہ مستحق عبادت ہو سکیں اور ایسے شریکوں کی صفات بیان کر سکتے ہو جو مستحق عبادت قرار پاسکیں۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ

یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں ☆

شرک کی کوئی حقیقت نہیں ہے

پہلے فرمایا تھا ان شرکاء کا ذرا نام لو، پھر متنبہ فرمایا کہ جس چیز کا واقع میں ثبوت ہی نہیں اُس کا نام کیا لیا جاسکتا ہے؟ اب بتلاتے ہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صورت محض ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں، مجر دظن و تخمین اور باطل اوہام سے چند بے معنی الفاظ با معنی نہیں بن جاتے۔ شاید ”بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ“ میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ جو شرکانہ باتیں وہ کر رہے ہیں اگر کورانہ تقلید و تعصب سے خالی ہو کر اپنے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود ان کا ضمیر بھی ان لغویات سے

فرماتے ہیں جنتی کھائیں پیئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ ہر شخص کو کھانے پینے اور جماع اور شہوت کی اتنی قوت دی جائے گی جتنی یہاں سو آدمیوں کو مل کر ہو اس نے کہا، اچھا تو جو کھائے گا پئے گا اسے پیشاب پاخانے کی بھی حاجت ہوگی، پھر جنت میں گندگی کیسی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ پسینے کے راستے سب ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ مشک بو ہوگا (مسند و نسائی) فرماتے ہیں کہ جس پرندے کی طرف کھانے کے ارادے سے جنتی نظر ڈالے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا اس کے سامنے گر پڑے گا بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ اسی طرح بحکم خدا زندہ رہ کر اڑ جائے گا قرآن میں ہے، وہاں بکثرت میوے ہونگے کہ نہ کٹیں نہ ٹوٹیں نہ ختم ہوں نہ گھٹیں سایے جھکے ہوئے، شاخیں نیچی، سائے بھی ہیشگی والے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَوَظَلُّهَا

☆ اور سایہ بھی

جنت کے سائے

یعنی سایہ بھی ہمیشہ آرام دہ رہے گا نہ کبھی دھوپ کی تپش ہوگی نہ سردی کی تکلیف۔ ”لَا يَرُونَ فِيهَا سُمًْا وَلَا زُسُومًا“ (دھر رکوع ۱۷) (تفسیر عثمانی) خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد فرماتے ہیں کہ اللہ بندگان خدا کیا تمہارے کسی عمل کی قبولیت کا یا کسی گناہ کی معافی کا کوئی پروانہ تم میں سے کسی کو ملا؟ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم بیکار پیدا کئے گئے ہو اور تم خدا کے بس میں آنے والے نہیں ہو، واللہ اگر اطاعت خداوندی کا بدلہ دنیا میں ہی ملتا تو تم تمام نیکیوں پر جم جاتے، کیا تم دنیا پر ہی فریفتہ ہو گئے ہو؟ کیا اسی کے پیچھے مر مٹو گے؟ کیا تمہیں جنت کی رغبت نہیں؟ جس کے پھل اور جس کے سائے ہیشگی رہنے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا

☆ یہ بدلہ ہے ان کا جو ڈرتے رہے ☆

یعنی خدا سے ڈر کر شرک و کفر کو چھوڑے رکھا۔

وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ

☆ اور بدلہ منکروں کا آگ ہے ☆

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ

حال جنت کا جس کا وعدہ ہے پرہیزگاروں سے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أَكْهَادًا

ہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا ہمیشہ ہے ☆

جنت کا تعارف

جس کی کوئی نوع کبھی ختم نہ ہوگی اور ہمیشہ وہ ہی ملے گا جس کی خواہش کریں گے۔ ”لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ“ (واقفہ رکوع ۱۷) (تفسیر عثمانی) أَكْهَادًا آيَةُ اس کے پھل ہمیشہ ہوں گے کبھی منقطع نہ ہوں گے۔ بزار اور طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ثوبان نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جنت والوں میں سے جو شخص بھی جنت کا کوئی پھل لے گا فوراً اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل دوبارہ آجائے گا۔ (تفسیر مظہری) ابو یعلیٰ میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ ناگاہ آگے بڑھے اور ہم بھی بڑھے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا پھر آپ پیچھے ہٹ آئے، نماز کے خاتمہ کے بعد حضرت ابی بن کعب نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں میرے سامنے جنت پیش کی گئی جو تروتازگی سے مہک رہی تھی، میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑ لاؤں لیکن میرے اور اس کے درمیان آڑ کر دی گئی، اگر میں اسے توڑ لاتا تو تمام دنیا اسے کھاتی اور پھر بھی ذرا سا بھی کم نہ ہوتا، ایک دیہاتی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جنت میں انگور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ فرمایا اتنے بڑے کہ اگر کوئی کالا کوا مہینہ بھراڑتا رہے تو بھی اس خوشے سے آگے نہ نکل سکے، اور حدیث میں ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑیں گے اسی وقت اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی خوب کھائیں پیئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گا نہ پیشاب نہ پاخانہ، مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا، اور اسی سے کھانا ہضم ہو جائے گا جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے اسی طرح تسبیح و تقدیس الہام کی جائے گی (مسلم وغیرہ) ایک اہل کتاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ

کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی

وَلَا أُشْرِكُ بِهِ إِلَهًا أَدْعُوا

اور شریک نہ کروں اس کا اسی کی طرف بلاتا ہوں

وَالْيَهُ مَابِ ۝۶

اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانا ☆

کسی کی خوشی کی پرواہ نہیں

یعنی کوئی خوش ہو یا ناخوش، میں تو اسی خدائے وحدہ لا شریک لہ کی بندگی کرتا ہوں جس کو سب انبیاء اور ملکہ بالاتفاق مانتے چلے آئے، اسی کے احکام و مرضیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہیں میرا ٹھکانا ہے وہ ہی مجھ کو آخر کار غالب و منصور اور مخالفین کو مغلوب و رسوا کرے گا لہذا کسی کے خلاف و انکار کی مجھے قطعاً پرواہ نہیں۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا

اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں ☆

علم و حکمت کا خزانہ

یعنی جیسے بیشتر دوسری کتابیں اتاری گئیں اس وقت یہ قرآن اتارا جو عظیم الشان معارف و حکم پر مشتمل اور حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنے والا ہے پھر جس طرح ہر پیغمبر کو اسی کی زبان میں کتاب دی گئی جو اس کی قومی زبان تھی ایسے ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی قرآن دیا گیا بلاشبہ قرآن جیسی معجز و جامع کتاب ایسی ہی زبان میں نازل ہونی چاہئے تھی، جو نہایت بلغ، وسیع، جامع، منضبط، واضح پر مغز اور (پُر شوکت ہونے کی وجہ سے "أم اللسانہ" اور "ملکہ اللغات" کہلانے کی مستحق ہے۔

اہل حق اور اہل باطل کا انجام ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرمایا، "وَبِضْءِهَا تَتَّبِعْنَ الْأَشْيَاءَ".

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ

اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس

بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ

سے جو نازل ہوا تجھ پر ☆

قرآن خوشی کا پیغام ہے

جن کو اب قرآن دیا ہے (یعنی مسلمان) اور جن کو پہلے تورات و "انجیل" وغیرہ دی گئی (یعنی یہود و نصاریٰ) اُس چیز کو سن کر خوش ہوتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی مسلمانوں کا خوش ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسی کتاب کو فلاح دارین کی کلید جانتے تھے، باقی یہود و نصاریٰ میں جو لوگ اہل علم و انصاف اور فی الجملہ حق پرست تھے ان کے لئے بھی ایک طرح مسرت کا موقع تھا۔

کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کریم کیسی فراخ دلی سے اُن کی اصل کتابوں کی تصدیق اور اُن کے انبیاء کی تعریف و تعظیم میں رطب اللسان ہے۔ بلکہ سچے احبار و رہبان کے وجود کو بھی معرض مدح میں پیش کرتا ہے۔ ذَلِكِ يَاقَاتِنُ مَنَّهُمْ قَتِيلِينَ وَرُهْبَانًا " چنانچہ اسی قسم کے منصف و حق پرست یہود و نصاریٰ آخر کار مشرف باسلام ہوئے۔

وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ

اور بعض فرقتے نہیں مانتے اس کی بعضی بات ☆

اہل کتاب کا انکار

یعنی یہود و نصاریٰ یا عرب کے جاہلوں میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو قرآن سے اس لئے ناخوش ہیں کہ انہیں اس کی بعض چیزوں سے انکار ہے اور یہ وہی چیزیں ہیں جو ان کی تحریف و تبدیل یا آراء و اہواء کے خلاف قرآن نے بیان کی ہیں۔

وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ

اور اگر تو چلے ان کی خواہش کے موافق بعد

مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ

اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا کوئی نہیں تیرا

اللَّهِ مِنْ وَّلِيِّ وَلَا وَاقٍ ۝۴

اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا ☆

فقط قرآن کی پیروی کرو

یعنی کسی کے انکار و ناخوشی کی ذرہ بھر پروا نہ کرو، حق تعالیٰ نے جو علم عظیم تم کو دیا ہے اُس کی پیروی کرتے رہو اگر بالفرض تم ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں تو آپ کو سامنے رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی نظر گذر چکیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ

اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے

وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۝۵

اور ہم نے دی تھیں ان کو جو زوجیں اور اولاد اور

مَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ

نہیں ہوا کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٍ ۝۶

مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا ☆

پیغمبر پر نکتہ چینی بلا وجہ ہے

یعنی پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کتاب اور نئے احکام دے کر بھیجنا کیا اچھے کی بات ہو گئی جو اتنی جتیں نکالی جاتی ہیں آخر ان سے

پہلے بھی ہم نے جو پیغمبر بھیجے وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے اسی دنیا کے رہنے والے آدمی تھے جو کھانا کھاتے اپنی ضروریات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور بیوی بچے رکھتے تھے۔ اُن میں کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ لوگ جو نشانی مانگتے ضرور دکھلا دیتا بلکہ موجودہ پیغمبر کی طرح ہر چیز میں خدائی عظیم کے منتظر رہتے تھے وہ ہی نشان دکھاتے اور وہی احکام سناتے تھے جس کا اذن خدا کے یہاں سے ہوتا۔ خدائی اذن کا حال یہ ہے کہ اُس کے یہاں ہر زمانہ اور ہر قرن کے مناسب جدا گانہ حکم لکھا ہوا ہے اور ایک وعدہ ٹھہرا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ پھر جب ہر ایک پیغمبر اپنے زمانہ کے مناسب احکام لائے اور اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کے پابند نہیں رہے نہ اپنے کو حوائج بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کیا تو ان ہی چیزوں کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جانا ان کا نبوت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ (تفسیر عثمانی)

کفار و مشرکین کا نظریہ

کفار و مشرکین کا رسول و نبی کے متعلق ایک عام تخیل یہ تھا کہ وہ جنس بشر اور انسان کے علاوہ کوئی مخلوق مثل فرشتوں کے ہونی چاہئے، جس کی وجہ سے عام انسانوں سے ان کی برتری واضح ہو جائے، قرآن کریم نے ان کے اس خیالی فاسد کا جواب متعدد آیات میں دیا ہے کہ تم نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور حکمت کو ہی نہیں پہچانا، اس لئے ایسے تخیلات کے درپے ہوئے، کیونکہ رسول کو حق تعالیٰ ایک نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں کہ امت کے سارے انسان ان کی پیروی کریں انہی جیسے اعمال و اخلاق سیکھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان اپنے ہم جنس انسان ہی کی پیروی اور اتباع کر سکتا ہے، جو اس کی جنس کا نہ ہو اس کی پیروی انسان سے ناممکن ہے، مثلاً فرشتہ کو نہ بھوگ لگے نہ پیاس نہ نفسانی خواہشات سے اس کو کوئی واسطہ، نہ اس کو نیند آوے نہ مکان ہو، اب اگر انسانوں کو ان کے اتباع اور پیروی کا حکم دیا جاتا تو ان کے لئے ان کی قدرت سے زائد تکلیف ہو جاتی، اس جگہ بھی مشرکین کا یہی اعتراض پیش ہوا، خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد و ازدواج سے ان کا یہ شبہ اور بڑھا، اس کا جواب پہلی آیت کے ابتدائی جملوں میں یہ دیا گیا کہ ایک یا ایک سے زیادہ نکاح کرنے اور بیوی بچوں والا

تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں، جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں، بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال ان کے پاس محفوظ ہے، جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

یہ ایک خاص معیار کے لئے یا خاص حالات کی بناء پر ہے جب وہ میعاد گزر جائے گی یا وہ حالات بدل جائیں گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا اس ام الكتاب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعیین کے ساتھ درج ہے، اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کر کونسا حکم لایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعاء کی وجہ سے بھی تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔ اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعاء کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے، جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا، اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے، بعض اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے، جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں، اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے۔ (معارف القرآن)

لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ہر مدت (اور ہر چیز کے وقت) کے لیے (اللہ کی طرف سے ازل میں) ایک مقرر تحریر ہے (اس تحریر میں ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء لکھی ہوئی ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ زید فلاں وقت پیدا ہوگا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا، کافر ہوگا یا مؤمن وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

ہونے کو تم نے کس دلیل سے نبوت و رسالت کے خلاف سمجھ لیا، اللہ تعالیٰ کو تو ابتداء آفرینش سے یہی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو صاحب اہل و عیال بناتے ہیں، جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے گزرے ہیں، اور ان میں سے بعض کی نبوت کے تم بھی قائل ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں) اور فرمایا کہ میں رات میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لئے کھڑا بھی ہوتا ہوں (یعنی ایسا نہیں کہ ساری رات عبادت ہی کروں) اور گوشت بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میری اس سنت کو قابل اعتراض سمجھے وہ مسلمان نہیں۔

ہر چیز کا وقت مقرر ہے

لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ، اجل کے معنی مدت معینہ اور میعاد کے آتے ہیں، اور کتاب اس جگہ بمعنی مصدر ہے، یعنی تحریر، معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کی میعاد اور مقدار اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی ہے اس نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت پیدا ہوگا اور اتنے دن زندہ رہے گا کہاں کہاں جائے گا کیا کیا کام کرے گا، کس وقت اور کہاں مرے گا۔

اسی طرح یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں زمانے میں فلاں پیغمبر پر کیا وحی اور احکام نازل ہوں گے کیونکہ احکام کا ہر زمانے اور ہر قوم کے مناسب حال آتے رہنا ہی مقتضائے عقل و انصاف ہے، اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں پیغمبر سے فلاں وقت کس کس معجزہ کا ظہور ہوگا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کہ فلاں قسم کے احکام قرآن میں تاویل کرائیں، یا یہ مطالبہ کہ فلاں خاص معجزہ دکھلائیں ایک معاندانہ اور غلط مطالبہ ہے، جو رسالت و نبوت کی حقیقت سے بے خبر ہونے پر مبنی ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس آیت کو بھی احکام و شرائع کے محو اثبات یعنی مسئلہ نسخ کے متعلق قرار دیا ہے، اور آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اللہ

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ

مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے

وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿۲۹﴾

اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب ☆

اللہ مختارِ کل ہے

یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے، جسے چاہے باقی رکھے جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اُس کی جگہ جما دے، جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے، جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرائط نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیل و تغیر، محدود اثبات و نسخ و احکام اُسی کے ہاتھ میں ہے قضا و قدر کے تمام دفاتر اُسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات و دفاتر کی جڑ جسے ”اُم الکتاب“ کہنا چاہئے اُسی کے پاس ہے یعنی ”علم ازلی محیط“ جو ہر قسم کے تبدیل و تغیر سے قطعاً منزہ و مبرئ اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔

اسباب

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے چھپے ہیں، اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے، جب چاہے ویسی ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں، یہ دو تقدیریں ہوں گی ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی، جو تقدیر بدلتی ہے اُس کو معلق اور جو نہیں بدلتی اُس کو مُبرم کہتے ہیں۔“ جن احادیث و آثار سے بعض افاضل کو قضا و مُبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے اُن کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ ان شاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا، اگر خدا نے توفیق دی، وہو الموفق والمستعان۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ جو چاہے مٹا دے جو چاہے باقی رکھے

طبرانی نے ضعیف سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے قائم رکھتا ہے سوائے بدبختی اور خوش بختی اور زندگی اور موت کے (یعنی ان چاروں کو نہیں بدلتا) ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے حضرت رباب کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رزق (کی وسعت و کثرت) کو مٹا بھی دیتا ہے اور رزق میں زیادتی بھی کر دیتا ہے اور عمر (کی میعاد) کو مٹا بھی دیتا ہے اور اس میں زیادتی بھی کر دیتا ہے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت یمحوا اللہ ما یشاء الخ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا یہ ہر شے قدر میں ہوتا ہے اللہ (مرتبہ) اٹھاتا ہے اور پناہ (یعنی دوزخ سے پناہ) دیتا ہے اور رزق دیتا ہے سوائے زندگی اور موت اور شقاوت و سعادت کے کہ ان میں تبدیلی نہیں کرتا۔ (از مؤلف رحمہ اللہ) حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے سوائے رزق اور عمر اور سعادت و شقاوت کے یعنی یہ امور نہیں بدلے جاتے۔

بغوی نے لکھا ہے ہم کو حضرت حذیفہ بن اسید کی روایت سے یہ فرمان رسول پہنچا ہے کہ استقرار نطفہ کے چالیس یا پچاس دن کے بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ شقی ہے یا سعید یہ دونوں باتیں لکھ دی جاتی ہیں پھر فرشتہ کہتا ہے اے رب یہ نر ہے یا مادہ یہ دونوں امور بھی لکھ دیئے جاتے ہیں پھر اس کا عمل اثر، عمر اور رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر یہ تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں جن کے اندر اس کے بعد نہ زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ سچے تھے اور اللہ کی طرف سے آپ کو سچا بنایا گیا تھا کہ آدمی کی بناوٹ ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بصورت نطفہ پھراتے ہی روز بصورت علقہ (لوٹھڑا، خون جما ہوا) پھراتی ہی مدت بصورت مضغہ (گوشت کی بوٹی) رہتی ہے پھر اللہ اس کی طرف ایک فرشتہ چار باتوں کے لیے بھیجتا ہے فرشتہ اس کا عمل اس کی زندگی اس کا رزق اور اس کا شقی (دوزخی) یا سعید (جنتی) ہونا لکھ دیتا ہے اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

بغوی نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے دونوں حضرات نے فرمایا اللہ سعادت و شقاوت کو بھی مٹا دیتا ہے اور رزق و مدت حیات کو بھی اور کچھ ثابت رکھتا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کعبہ شریف کا طواف کرنے میں رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ اگر تو نے مجھے اہل سعادت میں لکھا ہے تو ان میں قائم رکھ (میرا نام ان کی فہرست سے نہ مٹا) اور اگر تو نے میرے لیے شقاوت لکھی ہے تو میرا نام (اہل شقاوت کی فہرست سے) مٹا دے اور اہل سعادت و مغفرت میں لکھ دے بلاشبہ تو جو کچھ چاہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہے قائم رکھتا ہے تیرے ہی پاس اُم الکتاب (اصل کتاب، ہر چیز کا تحریر نامہ) ہے ایسی ہی روایت حضرت ابن مسعود سے بھی آئی ہے۔

عمر میں کمی زیادتی

بعض آثار میں آیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض آدمیوں کی عمر کے تیس سال باقی ہوتے ہیں لیکن جب وہ قرابت کو قطع کرتا ہے (قطع رحم کرتا ہے) تو لوٹا کر تیس سال کے تین دن کر دیئے جاتے ہیں اور بعض آدمیوں کی عمر کے تین دن باقی رہتے ہیں اور وہ کنبہ کی پرداخت (صلہ رحمی) کرتا ہے تو تین دن کھینچ کر تیس سال کر دیئے جاتے ہیں، یہ اثر نقل کرنے کے بعد بغوی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی عمر کے جب صرف تین گھنٹے رہ جاتے ہیں تو اللہ رات کے آخری تین گھنٹوں میں نزول اجلال فرماتا ہے اور کتاب مندرج شدہ کو پہلے گھنٹہ میں ملاحظہ فرماتا ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی اس کتاب کو نہیں دیکھ سکتا پس جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثبت فرما دیتا ہے (یا برقرار رکھتا) ہے۔

ابن مردویہ راوی ہیں کہ حضرت علی نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تفسیر کر کے تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اور اپنے بعد آنے والی اپنی امت کی آنکھیں بھی اس کی تشریح سے ٹھنڈی کر دوں گا صدقہ کرنا صحیح طور پر ماں باپ سے اچھا سلوک اور اقسام خیر، بدبختی کو نیک نصیبی سے بدل دیتے ہیں اور عمر بڑھادیتے ہیں۔

حضرت مجدد کا واقعہ

میں کہتا ہوں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی روایت کے

مطابق مقامات مجددیہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے ایک شخص ملا طاہر لاہوری تھے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے دونوں صاحبزادگان حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے معلم تھے حضرت مجدد قدس سرہ نے بنظر کشف ملاحظہ فرمایا کہ ملاً طاہر کی پیشانی پر لکھا ہے ملا طاہر لاہوری شقی۔ حضرت نے اس کا ذکر اپنے لڑکوں سے کر دیا صاحبزادگان تو ملا طاہر کے شاگرد تھے ہی اس لیے انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ اللہ سے دعاء کر دیجئے، اللہ اس شقاوت کو مٹا کر سعادت سے بدل دے حضرت نے فرمایا، میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے کہ یہ قضاء مبرم ہے جس کو بدلنا نہیں جاسکتا لڑکوں نے دعاء کرنے کے لیے اصرار کیا حضرت مجدد نے فرمایا مجھے یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نے فرمایا تھا، میری دعاء سے قضاء مبرم بھی بدل جاتی ہے اس لیے میں دعاء کرتا ہوں اور بارگاہ الہی میں عرض کرتا ہوں اے اللہ تیری رحمت وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر ختم نہیں ہو جاتا میں تجھ سے امید کرتا ہوں اور تیرے ہمہ گیر فضل سے درخواست کرتا ہوں کہ میری دعاء قبول فرمائے اور ملا طاہر کی پیشانی سے شقاوت کی تحریر مٹا کر اس کی جگہ سعادت کے نقوش ثبت کر دے جیسے تو نے میرے آقا (حضرت غوث اعظم) کی دعاء قبول فرمائی تھی حضرت مجدد قدس سرہ کا بیان ہے اس دعاء کے بعد وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ گویا میری نظر کے سامنے لفظ شقی ملا طاہر کی پیشانی سے مٹا کر اس کی جگہ لفظ سعید لکھ دیا گیا اور اللہ کے لیے یہ بات دشوار نہیں۔

شبہ

حضرت مفسر کا بیان ہے اس تقریر کے بعد میرے دل میں ایک اشکال پیدا ہو گیا کہ کسی کی دعاء سے قضاء مبرم کے ٹل جانے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے اگر قضاء مبرم بھی ٹل جاتی ہے تو وہ مبرم ہی کب ہوئی ایسی قضاء کو مبرم کہنا ہی غلط ہے۔

جواب

اس اشکال کا جواب اللہ نے میرے دل میں اس طرح القاء کیا کہ قضاء معلق دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے دوسری وہ قضاء جس کا مبرم ہونا لوح محفوظ میں درج نہیں اس کا معلق یا مبرم ہونا صرف اللہ کے علم میں ہے لوح محفوظ میں چونکہ اس کی تعلیق مکتوب نہیں اس لیے (تحریر لوح کے اعتبار سے) اس

کو قضاء مبرم کہا جاتا ہے حضرت غوث الثقلین نے جس قضاء مبرم کا اپنی دعاء سے بدل جانا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی قضاء ہے جو لوح محفوظ میں (مبرم یعنی) غیر معلق ہے اور علم الہی میں معلق (غیر مبرم) ہے ملا طاہر کی بدبختی بھی اسی قسم کی تھی، لوح میں غیر معلق یعنی مبرم تھی، لیکن اللہ کے علم میں معلق (غیر مبرم) تھی اس لیے بدل دی گئی، واللہ اعلم۔

مٹانے اور باقی رکھنے کا مطلب

ضحاک اور کلبی نے آیت يَعْمُرُونَ اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُؤْتُونَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کراما کاتبین آدمی کے تمام افعال و اقوال اپنے رجسٹروں میں لکھ لیتے ہیں ان میں کچھ ایسے اعمال و اقوال بھی ہوتے ہیں جن کا نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ عذاب مثلاً کوئی کہتا ہے میں نے کھا لیا، میں نے پی لیا، میں وہاں گیا، میں گھر سے نکلا، یہ کلام اگر سچا ہوتا ہے تو اس پر نہ ثواب مرتب ہوتا ہے نہ عذاب اور کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو موجب ثواب و عذاب ہوتے ہیں اول قسم کے اندراجات کو اللہ کراما کاتبین کے رجسٹروں سے مٹا دیتا ہے اور دوسری قسم کی تحریروں کو قائم رکھتا ہے۔ کلبی نے اتنا مزید بیان کیا کہ جمعرات کے دن ایسے لا حاصل اعمال و اقوال مٹائے جاتے ہیں۔

عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول تشریح آیت کے ذیل میں اس طرح بیان کیا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے لیکن آخر نافرمانی کرنے لگتا ہے اور اسی گمراہی پر مر جاتا ہے تو اللہ اس کے سابق نیک اعمال مٹا دیتا ہے اور جو شخص مرتے دم تک اطاعت پر قائم رہتا ہے اللہ اس کی نیکیاں قائم رکھتا ہے۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام آدمیوں کے سارے دل ایک آدمی کے دل کی طرح رجن کی چنگلی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے پھر حضور نے یہ دعاء کی اے اللہ اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے (یعنی اپنی اطاعت پر قائم رکھ)۔

عکرمہ نے کہا اللہ اپنے بندوں کے جو گناہ توبہ سے معاف کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور گناہوں کے بدلے نیکیاں ثبت کر دیتا ہے، اس نے خود دوسری آیت میں فرمایا ہے، أُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

مسلم نے حضرت ابو ذر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعض آدمیوں کی پیشی ہوگی تو حکم

ہوگا اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ رکھو، حسب الحکم صغیرہ گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور کبیرہ گناہ مخفی رکھے جائیں گے اور کہا جائے گا فلاں دن تو نے یہ یہ کام کیے تھے وہ شخص اقرار کرتا جائے گا انکار نہیں کرے گا مگر کبائر سے خوف زدہ رہے گا کبائر اس سے پوشیدہ رکھے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو بندہ عرض کرے گا میرے گناہ تو اور بھی تھے جو میں یہاں نہیں دیکھتا راوی کا بیان ہے یہ فرمانے کے وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے کہ آپ کی کچلیاں بھی نمودار ہو گئیں مولف نے کہا میں کہتا ہوں شاید یہ عمل ان لوگوں کے لیے ہوگا جو محبوبیت کے سمندر میں غرق ہیں صاف بدن عالی قدر صوفی ہیں۔

بغوی نے کہا ام الكتاب لوح محفوظ ہے جس کے مندرجات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، عطاء نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کی ایک لوح محفوظ ہے (اتنی بڑی کہ) بقدر پانچ سو برس کی راہ کے (اس کی لمبائی ہے) یا سفید موتی کی بنی ہوئی ہے اس کے دونوں پٹھے یا قوت کے ہیں اللہ روزانہ تین سو تیس بار اس کو ملاحظہ فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے (اس میں سے) مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ ان آیات کے ترجمہ ”ہر قضائے موقت رانا مہست یعنی چوں قضائے الہی بوجہ متحقق شود آزاد عالم ملکوت مثبت می کنند تا بودی ساز خدا ہر چہ می خواہد و نزدیک اوست ام الكتاب یعنی لوح محفوظ، مترجم گوید صورت حادثہ در عالم ملکوت خلق می فرماید بعد ازاں اگر خواہد محو کند و اگر خواہد ثابت دارد شاید کہ معنی چنین باشد ہر زمانے را شریفی مست نسخ می کند، خدائے تعالیٰ انچہ می خواہد و ثابت می گذارد و انچہ خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ، واللہ اعلم۔ (فتح الرحمان)

صفت تقدیر اور علم ازلی

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تقدیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لئے ایک وقت مقدر اور مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حکم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضاء معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن کا ندھلوی رحمہ اللہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دعاء

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے روتے روتے یہ دعاء پڑھا کرتے تھے، اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر برائی اور گناہ لکھ رکھے ہیں تو انہیں مٹا دے، تو جو چاہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے، ام الكتاب تیرے پاس ہی ہے تو اسے سعادت اور رحمت کر دے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی دعا کیا کرتے تھے کعبؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک آیت کتاب اللہ میں نہ ہوتی تو میں قیامت تک جو امور ہونے والے ہیں سب آپ کو بتا دیتا پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی، ان تمام اقوال کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر کی الٹ پلٹ خدا کے اختیار کی چیز ہے چنانچہ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور تقدیر کو دعاء کے سوا کوئی چیز بدل نہیں سکتی، اور عمر کی زیادتی کرنے والی بجز نیکی کے کوئی چیز نہیں، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ دعاء اور قضا دونوں کی مڈ بھیڑ آسمان وزمین کے درمیان ہوتی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے پاس لوح محفوظ ہے جو پانچ سو سال کے راستے کی چیز ہے، سفید موتی کی ہے، یا قوت کے دو پٹھوں کے درمیان، تریسٹھ بار اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرماتا ہے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ ام الكتاب اسی کے پاس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي

اور اگر دکھلا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم نے

نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ

کیا ہے ان سے یا تجھ کو اٹھا لیوں سو تیرا ذمہ تو

الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ④

پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا ☆

تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے

یعنی جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں، ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے بعض آپ کے سامنے پورے کر دیں یا آپ کی وفات کے بعد ظاہر کریں۔ نہ آپ کو ان کے ظہور کی فکر میں پڑنا چاہئے اور نہ تاخیر و امہال دیکھ کر ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہئے، خدا کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مناسب ہے جس کے پہنچنے پر وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی، آپ اپنا فرض (تبلیغ) ادا کئے جائیے، تکذیب کر نیوالوں کا حساب ہم خود بیباک کر دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

أَوْلَكُمْ يَرَوْنَ أَنَّ نَاتِي الْأَرْضِ

کہا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو

نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا

گھٹاتے اس کے کناروں سے ☆

اشاعت اسلام

یعنی سر زمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکھ بیٹھ رہا ہے۔ اوس و خزرج کے دل حق و صداقت کے ساتھ مفتوح ہو رہے ہیں اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آ رہے ہیں کیا یہ روشن آثار ان مکذبین کو نہیں بتلاتے کہ خدا کا فیصلہ ان کے مستقبل کے متعلق ہو چکا ہے۔ ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رکنے والا نہیں، لہذا انجام بنی اسی میں ہے کہ آنیوالی چیز کو آئی ہوئی سمجھیں۔

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَكُمْ لَمْ يُعَقِّبْ لِحُكْمِهِ

اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم ☆

اللہ کا فیصلہ اٹل ہے

یعنی اُس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا

اور کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ لَا

کہہ دے اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں ☆

اللہ کی گواہی کافی ہے

یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، جبکہ خداوند قدس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے قرآن جو اس کا کلام ہے، جیسے اپنے کلام الہی ہونے کی شہادت دیتا ہے اسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا گواہ ہے۔

اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اس شان سے پھیلتے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا، اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر سمٹتے رہنا خدا کی طرف سے کھلی ہوئی گواہی میری حقانیت کی ہے۔ (تفسیر عثمانی) یعنی میری سچائی نبوت کے لیے اللہ کی شہادت کافی ہے اس نے میری رسالت کی صداقت ایسے دلائل سے واضح کر دی ہے کہ ان کے بعد کسی اور شاہد کی ضرورت نہیں، اور وہی قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اس روز ان منکروں کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

اور جس کو خبر ہے کتاب کی ☆

اہل کتاب کی گواہی

یعنی جن کو قرآن کا علم اور ان کے حقائق کی خبر ہوگئی ہے وہ بھی دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا۔ نیز جنہیں پہلی کتب سماویہ اور ان کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے اُنکے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک اُن پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سینکڑوں برس پیشتر موسیٰ اور مسیح کرچکے تھے، علی علیہما لینا الصلوٰۃ والسلام، اے خدا! تو گواہ رہ کہ جس چیز کی گواہی تو نے اور تیری کتاب والوں نے دی، یہ عاجز خاطر بھی صدق دل سے اُسکی گواہی دیتا ہے تم

وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ

اور وہ جلد لیتا ہے حساب ☆

یعنی جہاں حساب کا وقت آن پہنچا پھر دیر نہ لگے گی، یا جو چیز یقیناً آئیوالی ہے اُسے جلد ہی سمجھو۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے

فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا

سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب ☆

اللہ کی تدبیر کامیاب ہے

وہ نہ چاہے تو سب فریب رکھے جائیں یا یہ کہ خدا ان کے فریب کا توڑ کرتا ہے۔ ”مکر“ اصل میں خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر برائی کے لئے کی جائے بری ہے اور برائی کو دور کرنے کے لئے ہو تو اچھی ہے یعنی انہوں نے چھپ چھپ کر ناپاک تدبیریں کیں لیکن خدا کی تدبیر سب پر غالب رہی، اُس نے وہ تدبیریں اُن ہی پر الٹ دیں وَلَا يَجْنِبُ الْمَكَرَ السَّيِّئُ إِلَّا يَأْخُذْهُ“ (فاطر۔ رکوع ۵۷)

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر ایک جی ☆

یعنی جس سے کوئی حرکت و سکون اور کھلا چھپا کام پوشیدہ نہیں اس کے آگے کسی کا مکر کیا چل سکتا ہے وہ ان مکاروں کو خوب مزا چکھائے گا۔

وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ

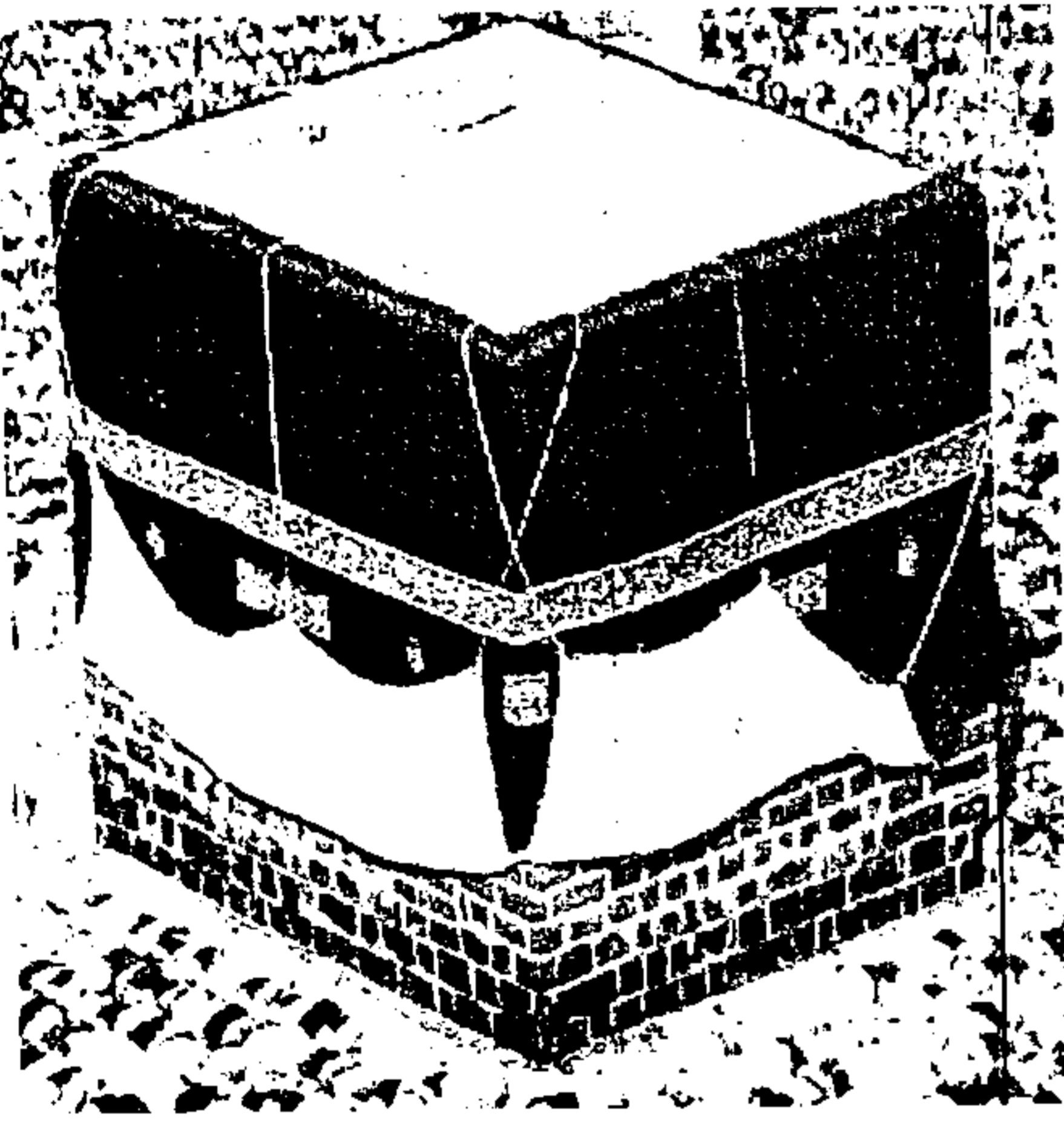
اور اب علم کئے لیتے ہیں کافر کہ کس کا ہوتا ہے

عُقْبَى الدَّارِ

پچھلا گھر ☆

کافر انجام دیکھ لیں گے۔ یعنی جیسے اگلوں نے اپنے مکر کا انجام دیکھ لیا، ہو موجودہ کفار کو بھی قدر عافیت معلوم ہوا چاہتی ہے۔

اگر (حضرت موسیٰ) (علیہ السلام) بھی آجاتے تو تم درخت سے نہ کودتے، کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اتنا جی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے بھی زیادہ خوشی مجھے ختم المرسلین کی یہاں تشریف آوری سے ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)



اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَتَحِيَّاتِهِ

سورة الرعد بعون الله و حسن توفيقه (تفسیر عثمانی) جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، رہا کافروں کا انکار تو اس کی بناء محض حسد، عناد اور مال و جاہ کی طلب پر ہے حرص و ہوا اور حسد ان کو اقرار کرنے سے روک رہے ہیں۔

اس تفسیر کی بناء پر بعض علماء نے کہا کہ پوری سورت اگر چہ سچی ہے مگر یہ آیت مدنی ہے۔ میں کہتا ہوں آیت کو اگر ہم سچی ہی قرار دیں تب بھی آیت میں اہل کتاب مراد ہونا ناممکن نہیں ہے گویا اللہ نے کفار مکہ سے فرمایا کہ اگر تم کو محمد کی رسالت کا یقین نہیں ہے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو معتبر اہل کتاب تصدیق کریں گے اور محمد کی نبوت کی شہادت دیں گے۔

حسن اور مجاہد نے کہا الكتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور من عندہ علم الكتب سے مراد اللہ ہے۔ (تفسیر مظہری) عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے علماء یہود سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے باپ ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی مسجد میں جا کر عید منائیں، مکے پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تھے، یہ لوگ جب حج سے لوٹے تو آپ سے ملاقات ہوئی، اس وقت آپ ایک مسجد میں تشریف فرما تھے، اور لوگ بھی آپ کے پاس تھے یہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ آپ ہی عبداللہ بن سلام ہیں، کہا ہاں، فرمایا قریب آؤ، جب قریب گئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میرا ذکر تو رات میں نہیں پاتے؟

انہوں نے فرمایا آپ خدا تعالیٰ کے اوصاف میرے سامنے بیان فرمائیے، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ کہو قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ آپ نے پوری سورت پڑھ کر سنائی، ابن سلام نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا، مسلمان ہو گئے، مدینے واپس چلے آئے لیکن اپنے اسلام کو چھپائے رہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے پہنچے اس وقت آپ کھجور کے ایک درخت پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے جو آپ کو خبر پہنچی اسی وقت درخت سے کود پڑے، ماں کہنے لگیں کہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ ابراہیم

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں اور شیخ کرنے والوں میں سے ہوگا۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الرَّتْكِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ

یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے

النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى

لوگوں کو اندھیروں سے

النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ

اجالے کی طرف ان کے رب کے حکم سے ☆

عظمت قرآن

یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ ہم اس کے اتارنے والے اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانیوالی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ وارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا وہ یہ کہ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار، بادشاہ ہوں یا رعایا۔ سب کو جہالت و اوہام کی گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت جریر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے (پر چلنے کا اور قائم کرنے) کا ثواب بھی ملے گا اور اس طریقے پر جتنے لوگ چلیں گے ان کے ثواب کے برابر بھی اجر ملے گا (بعد کو) اس طریقے پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی (ایسا نہ ہوگا کہ ان

کا ثواب گھٹا کر طریقہ حسنہ قائم کرنے والے کا ثواب بڑھا دیا جائے) اور جس نے اسلام میں کوئی طریقہ برا جاری کیا اس پر اس برے طریقے (کو اختیار کرنے) کا گناہ بھی ہوگا اور (آئندہ) جو لوگ اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی ہوگا مگر اس سے برے طریقے پر چلنے والوں کے گناہ (اور سزا) میں کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم)

ابن عساکر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مدینے والو، لوگ علم میں تمہارے تابع ہیں، مدینے والوں سے مراد ہیں انصار اور مہاجر، دوسرے لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں مگر انصار، دین (خلافت میں) مہاجرین کے تابع ہیں، دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

حضرت ابورافعؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر والوں کے لئے شیخ (سب کا بزرگ) ایسا ہے جیسے امت کے لئے پیغمبر، رواہ ابن النجار والجلیلی فی مشیختہ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر میں شیخ ایسا ہے جیسے اپنی قوم (امت) میں پیغمبر۔ رواہ ابن حبان فی الضعفاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد ابن ماجہ والدارمی عن کثیر بن قیس۔ ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیر بتایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور لوگ تمہارے تابع ہیں لوگ تمہارے پاس اطراف ملک سے دین سیکھنے آتے ہیں تم ان سے اچھا سلوک کرو بھلائی کی ان کو نصیحت کرو۔ (رواہ الترمذی) بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ میں قومہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

(اور انبی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام کتابیں عربی میں اتاری گئی تھیں پھر حضرت جبریل نے ان کا ترجمہ مختلف (انبیاء کی) زبانوں میں کیا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کے مضامین

اس سورۃ کے شروع میں رسالت و نبوت اور ان کی کچھ خصوصیات کا بیان ہے، پھر توحید کا مضمون اور اس کے شواہد کا ذکر ہے اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اور اسی کی مناسبت سے سورۃ کا نام سورہ ابراہیم رکھا گیا ہے۔

حروف مقطعات

الّا ، ان حروف مقطعات میں سے ہیں جن کے متعلق بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں اسلم اور بے غبار طریقہ سلف صالحین کا ہے کہ اس پر ایمان و یقین رکھیں کہ جو کچھ اس کی مراد ہے وہ حق ہے لیکن اس کے معانی کی تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوں۔

قرآن امن و ہدایت کی کتاب

کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ ، میں نحوی ترکیب کے لحاظ سے زیادہ واضح اور صاف صاف بات یہ ہے کہ اس کو لفظ ہذا محذوف کی خبر قرار دی جائے اور جملہ کے معنی یہ ہوں کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اس میں نازل کرنے کی نسبت حق تعالیٰ شانہ کی طرف اور خطاب کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے میں دو چیزوں کی طرف اشارہ پایا گیا جتنا جتنا لوگ اس کے قریب آئیں گے، اسی انداز سے ان کو دنیا میں بھی امن و امان اور عافیت و اطمینان نصیب ہوگا اور آخرت میں بھی فلاح و کامیابی حاصل ہوگی، اور جتنا اس سے دور ہونگے اتنا ہی دونوں جہان کی خرابیوں بربادیوں مصیبتوں اور پریشانیوں کے غار میں گریں گے۔ آیت کے الفاظ میں یہ نہیں کھولا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعہ کس طرح لوگوں کو اندھیریوں سے نجات دے کر روشنی میں لائیں گے، لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ کسی کتاب کے ذریعہ کسی قوم کو درست کرنے کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تعلیمات و ہدایات کو اس قوم میں پھیلایا جائے اور ان کو اس کا پابند کیا جائے۔

قرآن کریم کی تلاوت بھی مستقل مقصد ہے

مگر قرآن کریم کی ایک مزید خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت اور بغیر سمجھے ہوئے اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی بالخاصہ انسان کے نفس پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اس کو برائیوں سے بچنے میں مدد دیتا ہے، کم از کم کفر و شرک کے کیسے ہی خوب صورت جال ہوں قرآن پڑھنے والا اگرچہ بے سمجھے ہی پڑھتا ہو ان کے دام میں نہیں آسکتا، ہندوؤں کی تحریک شدھی سنگٹھن کے زمانے میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ ان کے دام میں صرف کچھ وہ لوگ آئے جو قرآن کی تلاوت سے بھی بیگانہ تھے، آج عیسائی مشیز یا مسلمانوں کے ہر خطہ میں طرح طرح کے سبز باغ اور سنہرے جال لئے پھرتی ہیں لیکن ان کا اگر کوئی اثر پڑتا ہے تو صرف ان گھرانوں پر جو قرآن کی تلاوت سے بھی غافل ہیں خواہ جاہل ہونے کی وجہ سے یا نئی تعلیم کے غلط اثر سے۔

بعثت کے مقاصد

شاید اسی معنوی اثر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن کریم میں جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بتلائے گئے ہیں وہاں تعلیم معانی سے پہلے تلاوت کا جدا گانہ ذکر کیا گیا ہے۔

يَتْلُوَا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کاموں کے لئے بھیجا گیا ہے پہلا کام قرآن مجید کی تلاوت ہے اور ظاہر ہے کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے، معانی سمجھے جاتے ہیں ان کی تلاوت نہیں ہوتی، دوسرا کام لوگوں کو برائیوں سے پاک کرنا اور تیسرا کام قرآن کریم اور حکمت یعنی سنت رسول کی تعلیم دینا ہے۔

الفاظ اور معانی دونوں ہدایت ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جس کے معانی سمجھ کر اس پر عمل کرنا تو اصل مقصد ہی ہے اور اس کا انسانی زندگی کی اصلاح میں موثر ہونا بھی واضح ہے اس کے ساتھ اس کے الفاظ کی تلاوت کرنا بھی غیر شعوری طور پر انسان کے نفس کی اصلاح میں نمایاں اثر رکھتا ہے۔

اس آیت میں باذن خداوندی اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر کے یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ اگرچہ ہدایت کا پیدا کرنا حقیقۃً حق تعالیٰ کا فعل ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر اس کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝۱

رستہ پر اس زبردست خوبیوں والے

اللّٰهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ کے جس کا ہے جو کچھ کہ موجود ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝

اور جو کچھ ہے زمین میں ☆

اس راہ میں ناکامی نہیں ہے

یعنی صحیح معرفت کی روشنی میں اس راستہ پر چل پڑیں جو زبردست وغالب، ستودہ صفات، شہنشاہ مطلق اور مالک الکل خدا کا بتایا ہوا اور اس کے مقام رضاء تک پہنچانے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی حالت

یہ کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا اوڑھنا پچھونا یہی دنیا ہے آخرت کے مقابلہ میں اسی کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ شب و روز اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں پھنسا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے راستہ سے روک دیں۔ اسی لئے یہ فکر رہتی ہے کہ خدا کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ فی الحقیقت یہ لوگ راستہ سے بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑتے ہیں جن کے واپس آنے کی توقع نہیں۔ خدا کی سخت مار پڑے گی تب آنکھیں کھلیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

اہل علم کی ایک غلطی

جیسے آجکل بے شمار اہل علم اس میں مبتلا ہیں کہ اپنے دل میں ایک خیال کبھی اپنی غلطی سے کبھی کسی دوسری قوم سے متاثر ہو کر گھڑ لیتے ہیں، پھر قرآن و حدیث میں اس کے مویدات تلاش کرتے ہیں، اور کہیں کوئی لفظ اس خیال کی موافقت میں نظر پڑ گیا تو اس کو اپنے حق میں قرآنی دلیل سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ طریقہ کار اصولاً ہی غلط ہے کیونکہ مومن کا کام یہ ہے کہ اپنے خیالات و خواہشات سے خالی الذہن ہو کر کتاب و سنت کو دیکھے، جو کچھ ان سے واضح طور پر ثابت ہو جائے اسی کو اپنا مسلک قرار دے۔

تین بری خصلتیں

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اگرچہ اس آیت میں صراحتاً یہ تین خصلتیں کفار کی بیان کی گئی ہیں اور انہی کا یہ انجام ذکر کیا گیا ہے کہ وہ گمراہی میں دور چلے گئے ہیں، لیکن اصول کی رو سے جس مسلمان میں بھی یہ تین خصلتیں موجود ہوں وہ بھی اس وعید کا مستحق ہے ان تین خصلتوں کا خلاصہ یہ ہے: (۱) دنیا کی محبت کو آخرت پر غالب رکھیں، یہاں تک کہ دین کی روشنی میں نہ آئیں۔ (۲) دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک رکھنے کے لئے اللہ کے راستہ سے روکیں۔ (۳) قرآن و سنت کو ہیر پھیر کر کے اپنے خیالات پر منطبق کرنے کی کوشش کریں۔ نعوذ باللہ منہ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا

اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر

بِلِسَانٍ قَوِيٍّ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے ☆

ارشاد فرمایا کہ وہ روشنی اللہ کا راستہ ہے جس پر گامزن ہونے والا نہ اندھیرے میں چلنے والے کی طرح بھٹکتا ہے نہ اس کو لغزش ہوتی ہے نہ وہ مقصد تک پہنچنے میں ناکام ہوتا ہے، اللہ کے راستہ سے مراد وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچ سکے، اور اس کی رضا کا لہجہ حاصل کر سکے اس جگہ لفظ اللہ تو بعد میں لایا گیا، اس سے پہلے اس کی دو صفیتیں عزیز اور حمید ذکر کی گئی ہیں، عزیز کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے قوی اور غالب کے ہیں اور حمید کے معنی وہ ذات، جو حمد کی مستحق ہو ان دو صفیوں کو اصل نام حق سے پہلے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ راستہ جس ذات قدوس کی طرف لے جانے والا ہے وہ قوی اور غالب بھی ہے اور ہر حمد کی مستحق بھی، اس لئے اس پر چلنے والا نہ کہیں ٹھوکر کھائے گا نہ اس کی کوشش رائیگاں ہوگی بلکہ اس کا منزل مقصود پر پہنچنا یقینی ہے شرط یہ ہے کہ اس راستہ کو نہ چھوڑے۔

وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ

اور مصیبت ہے کافروں کو

عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝۲۰

ایک سخت عذاب سے ☆

بد نصیب لوگ

یعنی جو لوگ ایسی کتاب نازل ہونے کے بعد کفر و شرک اور جہالت و ضلالت کی اندھیری سے نہ نکلے ان کو سخت عذاب اور ہلاکت خیز مصیبت کا سامنا ہے آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

جو کہ پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی

عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

آخرت سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأُولَٰئِكَ

سے اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی وہ

فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۲۱

راستہ بھول کر جا پڑے دور ہیں ☆

طبعی تربیت کا لحاظ

یعنی جس طرح آپ کو ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، پہلے بھی ہر زمانہ میں سامان ہدایت بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ چونکہ طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں سے وہ پیغمبر اٹھایا جاتا ہے اس لئے اسی کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی رہی۔ تا احکام الہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں پوری سہولت رہے۔

قرآن عربی میں نازل کرنے کی حکمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت میں گو تمام جن و انس شامل ہیں، تاہم جس قوم میں سے آپ اٹھائے گئے اس کی زبان عربی تھی اور ترتیب طبعی کے موافق شیوع ہدایت کی یہ ہی صورت مقدر تھی کہ آپ کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد ایسی سہولت اور خوبی سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور محفوظ کر لیں کہ ان کے ذریعہ سے تمام اقوام عالم اور انبیوالی نسلیں درجہ بدرجہ قرآنی رنگ میں رنگی جاسکیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا عربوں نے اپنے نبی کی صحبت میں رہ کر اپنی قومی زبان میں جس سے انہیں بیحد شغف تھا، قرآنی علوم پر کافی دسترس پائی، پھر وہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے اور روم و فارس پر چھا گئے۔ اس وقت قدرت نے عجی قوموں میں ایسا زبردست جوش اور داعیہ کلام الہی کی معرفت اور زبان عربی میں مہارت حاصل کر نیکا پیدا فرمادیا کہ تھوڑی مدت کے بعد وہ قرآنی علوم کی شرح و تبیین میں اپنے معاصر عربوں سے گئے سبقت لے گئے بلکہ عموماً علوم دینیہ و ادبیہ کا مدار ثریا تک پرواز کرنے والے عجیبوں پر رہ گیا۔ اس طرح خدا کی جنت بندوں پر تمام ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً قرآنی ہدایات سے مستفید ہونیکے اسباب فراہم ہوتے رہے۔ فالحمد لله علیٰ ذلک۔ بہر حال خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قوم عرب میں سے اٹھائے جانیکے اگر کچھ وجوہ موجود ہیں (اور یقیناً ہیں) تو ان ہی وجوہ کے نتیجہ میں اس سوال کا جواب بھی آجاتا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اتار کر خداوند عالم نے عربوں کی رعایت کیوں کی؟ قومہ سے مراد وہ قوم جس میں پیغمبر پیدا ہوا اور مبعوث ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر رسول اپنی قوم کا ہم زبان تھا

اگر عبرانی زبان بولنے والوں کی طرف کوئی رسول بھیجا تو رسول کی زبان بھی عبرانی ہی تھی، فارسیوں کے رسول کی زبان بھی فارسی،

بربر یوں کے رسول کی زبان بربری رکھی گئی، خواہ اس صورت سے کہ جس شخص کو رسول بنایا گیا وہ خود اسی قوم کا فرد ہو اور مادری زبان اسی قوم کی زبان ہو، یا یہ کہ اس کی پیدائشی اور مادری زبان اگرچہ کچھ اور ہو مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ اس نے اس قوم کی زبان سیکھ لی، جیسے حضرت لوط علیہ السلام اگرچہ اصل باشندے عراق کے تھے، جہاں کی زبان فارسی تھی، لیکن ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کے بعد انہی لوگوں میں شادی کی اور شامیوں کی زبان ہی ان کی زبان بن گئی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خطہ شام کا نبی بنایا۔ (معارف القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت جابر مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کے درمیان اپنی پانچ امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے پہلے ہر رسول و نبی خاص اپنی قوم و برادری کی طرف مبعوث ہوا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام اقوام بنی آدم کی طرف مبعوث فرمایا۔

حق تعالیٰ نے اس عالم میں انسانی آبادی کو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا، اور انہی کو انسانوں کا سب سے پہلا نبی اور پیغمبر بنایا، پھر انسانی آبادی جس طرح اپنی عمرانی اور اقتصادی حیثیت سے پھیلتی اور ترقی کرتی رہی، اسی کی مناسبت سے رشد و ہدایت کے انتظامات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف رسولوں، پیغمبروں کے ذریعہ ہوتے رہے۔ زمانہ کے ہر دور اور ہر قوم کے مناسب حال احکام اور شریعتیں نازل ہوتی رہیں یہاں تک کہ عالم انسانی کا نشوونما کمال کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین امام الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پوری دنیا کا رسول بنا کر بھیجا اور جو کتاب و شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی وہ پورے عالم اور قیامت تک کے پورے زمانے کے لئے کامل و مکمل کر کے دی، اور ارشاد فرمایا: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔ ”یعنی میں نے آج تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تمہارے لئے پوری کر دی۔“

عربی زبان کی خصوصیت

اول یہ کہ عربی زبان آسمان کی دفتری زبان ہے، فرشتوں کی زبان عربی ہے، لوح محفوظ کی زبان عربی ہے جیسا کہ آیت قرآن بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ سے معلوم ہوتا ہے اور جنت

معنوی حیثیت سے تو دوسری آسمانی کتابیں بھی کلام الہی ہیں۔ مگر ان میں شاید اصل عربی الفاظ کے بجائے ترجمہ ہونے ہی کی وجہ سے یہ دعویٰ کسی دوسری آسمانی کتاب نے نہیں کیا، ورنہ قرآن کی طرح کلام الہی ہونے کی حیثیت سے ہر کتاب کی یکتائی اور بے مثال ہونا یقینی تھا۔

عربی کے انتخاب کی وجوہات

عربی زبان کے انتخاب کی ایک وجہ خود اس زبان کی ذاتی صلاحیتیں بھی ہیں کہ ایک مفہوم کی ادائیگی کے لئے اس میں بے شمار صورتیں اور طریقے ہیں۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عربی زبان سے ایک مناسبت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے ہر شخص با آسانی عربی زبان بقدر ضرورت سیکھ لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام جس ملک میں پہنچے تھوڑے ہی عرصہ میں بغیر کسی جبر و اکراہ کے پورے ملک کی زبان عربی ہو گئی، مصر، شام، عراق سب میں کسی کی زبان بھی عربی نہ تھی، جو آج عربی ممالک کہلاتے ہیں۔

ایک یہ وجہ بھی ہے کہ عرب لوگ اگرچہ اسلام سے پہلے سخت بد اعمالیوں کے شکار تھے، مگر اس قوم کی صلاحیتیں اور ملکات اور جذبات ان حالتوں میں بھی بے نظیر تھے، یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں پیدا فرمایا اور ان کی زبان کو قرآن کے لئے اختیار فرمایا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے انہی کی ہدایت و تعلیم کا حکم دیا و انذر عشیرتک الاقربین۔

مثالی معاشرے کا قیام

پوری دنیا میں ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا ہو گیا جس کی نظیر اس سے پہلے آسمان و زمین نے نہیں دیکھی تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے مثال جماعت کو قرآنی تعلیمات کے پھیلائے اور شائع کرنے کے لئے کھڑا کر دیا اور فرمایا:

بلغوا عنی ولو ایتہ، یعنی مجھ سے سنی ہوئی بات کو امت تک پہنچا دو۔ جاں نثار صحابہ نے اس ہدایت کو پلے باندھا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر قرآن اور اس کی تعلیمات کو جہان میں پھیلا دیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے تھے کہ قرآن کی آواز مشرق و مغرب میں گونجنے لگی۔

دوسری طرف حق تعالیٰ نے تقدیری اور تکوینی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت جس میں دنیا کے مشرکین اور اہل

جو انسان کا وطن اصلی ہے اور جہاں اس کو لوٹ کر جانا ہے اس کی زبان بھی عربی ہے طبرانی، مستدرک حاکم، شعب الایمان بہتلی میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقوان عربی وکلام اهل الجنة عربی، (اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے، جامع صغیر میں بھی صحیح کی علامت بتائی ہے، بعض محدثین نے اس کو ضعیف و مجروح کہا ہے) حافظ حدیث ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ مضمون اس حدیث کا ثابت ہے درجہ حسن سے کم نہیں، (فیض القدر شرح جامع صغیر) معنی حدیث کے یہ ہیں ”کہ تم لوگ تین وجہ سے عرب سے محبت کرو، ایک یہ کہ میں عربی ہوں، دوسرے یہ کہ قرآن عربی ہے، تیسرے یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔“ تفسیر قرطبی وغیرہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی، زمین پر نازل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے بعد عربی ہی زبان میں کچھ تغیرات ہو کر سریانی زبان پیدا ہو گئی۔ (معارف القرآن)

تمام کتب کی اصل زبان عربی تھی

اس سے ان روایات کی بھی تائید و تقویت ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں انبیاء پر نازل فرمائی ہیں ان کی اصلی زبان عربی ہی تھی، جبریل امین نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا اور انہوں نے اپنی قومی زبان میں امتوں کو پہنچایا، یہ روایات علامہ سیوطی نے اتقان میں اور آیت مذکورہ کے ذیل میں اکثر مفسرین نے نقل کی ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب آسمانی کتابوں کی اصل زبان عربی ہے، مگر قرآن کریم کے سوا دوسری کتابیں ملکی اور قومی زبانوں میں ترجمہ کر کے دی گئی ہیں اس لئے ان کے معانی تو سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

قرآن کی خصوصیت

یہ صرف قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس کے معانی کی طرح الفاظ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے آئے ہوئے ہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا کہ سارا جہان جن و انس جمع ہو کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سورۃ بلکہ ایک آیت کی مثال نہیں بنا سکتے، کیونکہ وہ معنوی اور لفظی حیثیت سے کلام الہی اور ایک صفت الہی ہے، جس کی کوئی نقل نہیں اتار سکتا

برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان منشعب اور پنچ گنج اور نحو میر بھی نہیں اگر ہے تولائے اور دکھلائے۔ (معارف کا نحلوی)

فِيضُ اللَّهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

پھر راستہ بھلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلاتا ہے

مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

جس کو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا ☆

ہر کسی نے اپنی مرضی کی چیز خریدی یعنی تمبین و ہدایت کے سامان مکمل کر دیے پھر جس نے ان سامانوں سے منتفع ہونا چاہا اس کی دستگیری فرما کر راہ پر لگا دیا جس نے روگردانی کی اسے گمراہی میں چھوڑے رکھا۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ چاہے تو سب کو زبردستی راہ ہدایت پر لگا دے لیکن اس کی حکمت مقضی ہوئی کہ انسان کو کسب و اختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر رحمت و غضب دونوں کے مظاہر کو دنیا میں باقی رہنے دے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ

اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ

أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ

نکل اپنی قوم کو اندھیروں سے

إِلَى النُّورِ ۗ وَذَكَرَهُمْ بِآيَاتِهِ

اجالے کی طرف اور یاد دلا ان کو دن

اللَّهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ

اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو

صَبَّارٍ شَكُورٍ ⑤

صبر کرنے والا ہے شکر گزار ☆

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

”نشانیاں دیکر“ یعنی معجزات دیکر جو ”آیات تسعة“ کے نام سے مشہور

کتاب یہود و نصاریٰ سب داخل ہیں ان میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف، تبلیغ و اشاعت کا ایسا پیدا فرما دیا کہ اس کی نظیر دنیا کی کبھی تاریخ میں نہیں ملتی، اس کے نتیجے میں عجمی اقوام میں نہ صرف قرآن و سنت کے علوم حاصل کرنے کا قوی جذبہ پیدا ہوا بلکہ عربی زبان کو حاصل کرنے اور اس کی ترویج و اشاعت میں عجمیوں کا قدم عرب سے پیچھے نہیں رہا۔

عربی زبان کا لٹریچر

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اس وقت عربی لغت اور محاورات اور اس کے قواعد نحو و صرف (گرامر) پر جتنی کتابیں دنیا میں موجود ہیں وہ بیشتر عجمیوں کی لکھی ہوئی ہیں قرآن و سنت کی جمع و تدوین پھر تفسیر و تشریح میں بھی ان کا حصہ عربوں سے کم نہیں رہا۔

تعلیمات قرآنیہ ہر قوم میں پہنچ گئیں

اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور آپ کی کتاب عربی ہونے کے باوجود پورے عالم پر محیط ہو گئی اور دعوت و تبلیغ کی حد تک عرب و عجم کا فرق مٹ گیا، ہر ملک و قوم اور ہر عجمی زبان کے لوگوں میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جنہوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی قومی زبانوں میں نہایت سہولت کے ساتھ پہنچا دیا، اور رسول کو قوم کی زبان میں بھیجنے کو جو حکمت تھی وہ حاصل ہو گئی۔

آخر آیت میں فرمایا کہ ہم نے لوگوں کی سہولت کے لئے اپنے رسولوں کو ان کی زبان میں اس لئے بھیجا کہ وہ ہمارے احکام ان کو اچھی طرح سمجھا دیں لیکن ہدایت اور گمراہی پھر بھی کسی انسان کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے وہ جس کو چاہتے ہیں گمراہی میں رکھتے ہیں جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں وہی بڑی قوت اور حکمت والے ہیں۔

افضل و اکمل زبان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوئے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف اور اکمل اور ارفع اور ابلغ ہے اس لئے آپ پر عربی زبان میں کتاب الہی کا نزول اولیٰ اور انسب ہوا اور حضور پر نور چونکہ اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی کہ جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے کسی زبان میں عربی زبان جیسا نہ لغت تھا اور نہ صرف و نحو اور نہ بلاغت ہے، کافیہ اور شافیہ اور تلخیص المفتاح کا تو کیا ذکر کروں امریکہ اور

ہیں یا آیات تورات مراد ہوں۔ اور ”یاد دلا انکودن اللہ کے“ یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلاؤ، جب ان پر شدا ند و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات دی اور اپنی مہربانی مبذول فرمائی۔ کیونکہ دونوں قسم کے حالات سننے سے صابر و شاکر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ کہ مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اترا نا نہیں چاہئے۔ جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمائے الہیہ پر شکر کرنے سے ہوئے ہیں۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ

عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ذُرِّيَّتًا صَابِرِينَ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ. (اعراف۔ رکوہ ۱۶) (تفسیر عثمانی)

گزشتہ اقوام کو یاد کرو

ایام اللہ سے حضرت ابن عباس حضرت ابی بن کعب مجاہد اور قتادہ کے نزدیک اللہ کی نعمتیں مراد ہیں۔

محاورہ میں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایام العرب کا عالم ہے یعنی عرب کی لڑائیوں سے واقف ہے اس تقریر پر کلام کا مطلب اس طرح ہوگا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات بتاؤ جو اللہ نے گزشتہ ایام میں ظاہر کئے خواہ وہ بصورت نعمت ہوئے ہوں یا بشکل مصیبت ہیں اور مقاتل کے نزدیک وہ واقعات مراد ہیں جو گزشتہ امتوں عا د و ثمود اور قوم نوح کو پیش آئے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّبَلَّغِ ان واقعات میں (اللہ کی ہستی اس کی قدرت و حکمت اور توحید کی) بڑی نشانیاں ہیں۔

صبر و شکر ضروری ہے

لِكُلِّ صَبَّارٍ هَرِيصٍ آدَمِيٍّ كَلِمَةٍ صَابِرَةٍ اور طاعت اور گناہ سے اجتناب پر ہے۔

شکور۔ (اور نعمتوں پر) بڑا شکر ادا کرنے والا ہو۔ مراد یہ ہے کہ ہر مومن کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں صبار اور شکور کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ہر مومن کے اندر صبر و شکر کی صفت ہونی لازم ہے۔ بیہتی نے شعب الایمان میں اور ابن ابی حاتم نے باسناد ابو ظبیان حسب روایت علقمہ حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان۔

بیہتی نے حضرت انسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ایمان دو حصوں کا مجموعہ ہے ایمان کا آدھا حصہ صبر میں اور آدھا حصہ شکر میں ہے۔ طبرانی نے مکارم الاخلاق میں

اور ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے کہ ایمان صبر و سماحت (ایثار) کا نام ہے۔ مسلم اور امام احمد نے حضرت صہیبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا بھی عجیب معاملہ ہے اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے مومن کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نصیب نہیں اگر اس کا سکھ پہنچتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کیلئے خیر ہو جاتا ہے اور دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ایام اللہ کی تفسیر خدا کی نعمتوں سے مروی ہے لیکن ابن جریر میں یہ روایت ابی بن کعبؓ سے مرفوعا بھی آئی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے۔ ہم نے اپنے بندوں بنی اسرائیل کے ساتھ جو احسان کئے فرعون سے نجات دلوانا اس کے ذلیل عذابوں سے چھڑوانا، اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے عبرت ہے جو مصیبت میں صبر کے اور راحت میں شکر کے خوگر ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں اچھا بندہ وہ ہے جو سختی کے وقت صبر کرے اور نرمی کے وقت شکر کرے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کا تمام کام عجیب ہے اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے وہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے راحت و آرام ملے شکر کرتا ہے، اس کا انجام بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

”ایام اللہ“ کا معنی

ایام، یوم کی جمع ہے، جس کے معنی دن کے مشہور ہیں لفظ ایام اللہ دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے اور وہ دونوں یہاں مراد ہو سکتے ہیں، اول وہ خاص ایام جن میں کوئی جنگ یا انقلاب آیا ہے جیسے غزوہ بدر واحد اور احزاب و حنین وغیرہ کے واقعات یا پھیلی امتوں پر عذاب نازل ہونے کے واقعات ہیں جن میں بڑی بڑی قومیں زیر و زبر یا نیست و نابود ہو گئیں، اس صورت میں ایام اللہ یاد دلانے سے ان قوموں کو کفر کے انجام بد سے ڈرانا اور متنبہ کرنا مقصود ہوگا۔ دوسرے معنی ایام اللہ کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کے بھی آتے ہیں تو ان کو یاد دلانے کا مقصد یہ ہوگا کہ شریف انسان کو جب کسی محسن کا احسان یاد دلا یا جائے تو وہ اس کی مخالفت اور نافرمانی سے شرماتا ہے۔

عمل کی تدبیر

قرآن مجید کا اسلوب اور طریق اصلاح عموماً یہ ہے کہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس حکم پر عمل آسان کرنے کی تدبیریں بھی بتلائی جاتی ہیں یہاں پہلے جملہ میں موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی آیات سنا کر یا معجزات دکھا کر اپنی قوم کو کفر کی اندھیری سے نکالو، اور ایمان کی روشنی

اس طرح کہ صبر کا اجر عظیم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حساب ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے **إِنَّمَا يُؤْتِي الضَّيِّقُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا کوئی حال برا نہیں ہوتا اچھا ہی اچھا ہے وہ کرنے میں بھی ابھرتا ہے اور بگڑنے میں بھی بنتا ہے نہ شوخی چل سکی باد صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی ایمان وہ دولت ہے جو مصیبت و تکلیف کو بھی راحت و نعمت میں تبدیل کر دیتی ہے۔

امت محمدیہ کی دانشمندی و بردباری

حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے میں آپ کے بعد ایک ایسی امت پیدا کر نیوالا ہوں کہ اگر ان کی دلی مراد پوری ہو اور کام حسب منشاء ہو جائے تو وہ شکر ادا کریں گے، اور اگر ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف ناگوار اور ناپسندیدہ صورت حال پیش آئے تو وہ اس کو ذریعہ ثواب سمجھ کر صبر کریں گے اور یہ دانشمندی اور بردباری ان کی اپنی ذاتی عقل و حلم کا نتیجہ نہیں بلکہ ہم ان کو اپنے علم و حلم کا ایک حصہ عطا فرمادیں گے۔ (مظہری) صبر و شکر کی حقیقت

شکر کی حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور حرام و ناجائز کاموں میں خرچ نہ کرے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے افعال و اعمال کو بھی اس کی مرضی کے مطابق بنائے۔ اور صبر کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف طبع امور پر پریشان نہ ہو، اپنے قول و عمل میں ناشکری سے بچے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دنیا میں بھی امیدوار رہے اور آخرت میں صبر کے اجر عظیم کا یقین رکھے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو

نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ

اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چھڑا دیا تم کو

أِلْفِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب ☆

مثلاً تم کو غلام بنا رکھا تھا اور سخت بیگاریں لیتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

میں لاؤ، اس کی تدبیر اس جملہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ نافرمانوں کو راہ راست پر لانے کی دو تدبیریں ہیں ایک سزا سے ڈرانا، دوسرے نعمتوں اور احسانات کو یاد دلا کر اطاعت کی طرف بلانا، جملہ **ذِكْرُهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** میں یہ دونوں چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ کہ پچھلی امتوں کے نافرمانوں کا انجام بدان پر آنے والے عذاب اور جہاد میں ان کا مقتول یا ذلیل و خوار ہونا ان کو یاد دلائیں، تاکہ وہ عبرت حاصل کر کے اس سے بچ جائیں اسی طرح اس قوم پر جو اللہ تعالیٰ کی عام نعمتیں دن رات برستی ہیں اور جو مخصوص نعمتیں ہر موقع پر ان کے لئے مبدول ہوئی ہیں۔ مثلاً وادی تہ میں ان کے سروں پر ابر کا سایہ، خوراک کے لئے من و سلوئی کا نزول پانی کی ضرورت ہوئی تو پتھر سے چشموں کا بہہ نکلنا وغیرہ ان کو یاد دلا کر خدا تعالیٰ کی اطاعت اور توحید کی طرف بلا جائے۔

ماضی میں نشانیاں ہیں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ۔ اس میں آیات سے مراد نشانیاں اور دلائل ہیں اور صبار صبر سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت صبر کرنے والا اور شکور شکر سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت شکر گزار، جملہ کے معنی یہ ہیں کہ ایام اللہ یعنی پچھلے واقعات خواہ جو منکروں کی سزا اور عذاب سے متعلق ہوں یا اللہ تعالیٰ کی انعامات و احسانات سے متعلق بہر حال ماضی کے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بڑی نشانیاں اور دلائل موجود ہیں اس شخص کی لئے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہو۔

صبر کا اجر

صحیح مسلم اور مسند احمد میں بروایت حضرت صہیب مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا ہر حال خیر ہی خیر اور بھلا ہی بھلا ہے۔ اور یہ بات سوائے مومن کے اور کسی کو نصیب نہیں کیونکہ مومن کو اگر کوئی راحت، نعمت یا عزت ملتی ہے تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے جو اس کے لئے دین و دنیا میں خیر اور بھلائی کا سامان ہو جاتا ہے (دنیا میں تو حسب وعدہ الہی نعمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور قائم رہتی ہے اور آخرت میں اس کے شکر کا اجر عظیم اس کو ملتا ہے) اور اگر مومن کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آجائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اس کے صبر کی وجہ سے وہ مصیبت بھی اس کے لئے نعمت و راحت کا سامان ہو جاتی ہے (دنیا میں اس طرح کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، قرآن کا ارشاد ہے **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ**) اور اللہ جس کے ساتھ ہو انجام کار اس کی مصیبت راحت سے تبدیل ہو جاتی ہے، اور آخرت میں

شکر اور ناشکری کے نتائج

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ - لفظ تاذن، اذن اور اطلاع دینے اور اعلان

کرنے کے معنی میں ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان علم فرمادیا ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ ان کو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال و افعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی تو میں ان نعمتوں کو اور زیادہ کر دوں گا۔ یہ زیادتی نعمتوں کی مقدار میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور ان کے بقاء و دوام میں بھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادت سے محروم نہ ہوگا (رواہ ابن مردویہ عن ابن عباس مظہری)۔ اور فرمایا کہ اگر تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی تو میرا عذاب بھی سخت ہے، ناشکری کا حاصل یہی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں صرف کرے یا اس کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں سستی کرے اور کفرانِ نعمت کا عذاب شدید دنیا میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نعمت سلب ہو جائے یا ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ نعمت کا فائدہ نہ اٹھا سکے اور آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہو۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے شکر گزاروں کے لئے تواجرو ثواب اور نعمت کی زیادتی کا وعدہ اور وہ بھی بلفظ تاکید و وعدہ فرمایا ہے لازیدنکم لیکن اس کے بالمقابل ناشکری کرنے والوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ لا عذبکم یعنی میں تمہیں ضرور عذاب دوں گا بلکہ صرف اتنا فرما کر ڈرایا ہے کہ میرا عذاب بھی جس کو پہنچے وہ بڑا سخت ہوتا ہے اس خاص تعبیر میں اشارہ ہے کہ ہر ناشکرے کا گرفتار عذاب ہونا کچھ ضروری نہیں معافی کا بھی امکان ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝۷

اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے ☆

ناشکری

موجودہ نعمتیں سلب کر لی جائیگی اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے نہ لی یا پھینک دی۔

وَيَذَّبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

اور ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے

نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن

تمہاری عورتوں کو اور اس میں مدد ہوئی تمہارے

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝۴

رب کی طرف سے بڑی ☆

انعام سے آزمائش

کہ تم کو غلامی کی ذلت سے نکالا اور دولت آزادی سے مالا مال کیا۔ "بلاء" کے اصل معنی آزمائش کے ہیں۔ تکلیف و راحت دونوں حالتوں میں بندے کے صبر و شکر کی آزمائش ہے۔ "وَبَلَّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً" (الانبیاء - رکوع ۳) وَبَلَّوْهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ - (اعراف - رکوع ۲۱)۔ چونکہ فرعونوں سے نجات دینا بڑی نعمت تھی تو یہاں آزمائش انعام سے ہوئی جسے مترجم محقق نے بطور حاصل معنی لفظ "مدد" سے تعبیر کیا۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ اور اعراف میں گزر چکی ہے وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن

اور جب سنا دیا تمہارے رب نے

شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

اگر احسان مانو گے تو اور بھی دوں گا تم کو ☆

شکر سے نعمت بڑھتی ہے

موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا کہ اگر احسان مان کر زبان و دل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ نعمتیں ملی گی۔ جسمانی و روحانی اور دنیوی و اخروی ہر قسم کی۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو شکر دیا گیا (شکر کرنے کی توفیق دی گئی) وہ زیادتی سے محروم نہ رہے گا۔ رواہ ابن مردویہ عن ابن عباس۔ (تفسیر مظہری)

فرشتے بھی اس کی حمد کرتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا اگر تم ناشکری کرو گے تو اپنے آپ کو خود نقصان پہنچاؤ گے اپنی ذات کو مستحق عذاب اور ثواب سے محروم بناؤ گے اللہ بے نیاز اور مستحق حمد ہے۔

الْمَيَاتِكُمْ نَبِؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے

قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَشُعُوبَةٍ وَالَّذِينَ

قوم نوح کی اور عاد اور شعوب اور جو

مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ

ان سے پیچھے ہوئے کسی کو ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو ☆

پچھلی قوموں سے عبرت

یہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تہہ ہے۔ یا اسے چھوڑ کر حق تعالیٰ نے اس امت کو خطاب فرمایا ہے۔ بہر حال اس میں بتلایا کہ جو بیشتر قومیں پہلے گزر چکیں ان کے تفصیلی پتے اور احوال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ چند قومیں جو عرب والوں کے یہاں زیادہ مشہور تھیں ان کے نام لیکر اور بقیہ کو ”وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ“ میں درج کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ ان اقوام کو جو کچھ حشر ہوا کیا وہ تم کو نہیں پہنچا۔ تعجب ہے اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکیں اور ان کے حال سے ابھی تک تمہیں عبرت حاصل نہ ہوئی۔

(تنبیہ): ابن عباسؓ نے ”لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ“ کو پڑھ کر فرمایا ”کذب النسابون“ (یعنی انساب کی پوری معرفت کا دعویٰ رکھنے والے جھوٹے ہیں) عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں پایا، جو معد بن عدنان سے اوپر (تحقیقی طور پر) نسب کا حال بتاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

آئے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر

قُرْدُوَا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ

پھر لوتائے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں ☆

پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجوردی، وہ بولا ”سبحان اللہ تمرة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہؓ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس (شکر گزار) سائل کو دلوادے (تفسیر عثمانی) شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت نعمت بیروں کند نعمت ایمان کا شکر

اس لئے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا۔

بذکرش جملہ موجودات گوما ہمہ ادراز روئے شوق جو یا

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَ

اور کہا موسیٰ نے اگر کفر کرو گے تم اور

مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ

جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ ہے

لَعَنِي حَمِيدٌ ۝

پر دے سب خوبیوں والا ☆

اللہ شکر کا محتاج نہیں

یعنی کفران نعمت کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسے تمہارے شکر یوں کی کیا حاجت ہے۔ کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، بہر حال اس کے حمید و محمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا ”اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے، پچھلے، جن وانس سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی شخص کے نمونہ پر ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس مل کر بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔“ (تفسیر عثمانی)

ناشکری کا نقصان تمہیں ہوگا

اس کی حمد ابدی ازلی ہے خود اس کی ذات سے پیدا ہو رہی ہے

کا عجیب و غریب نظام شہادت دیتا ہے کہ اس مشین کے پرزوں کو وجود کے سانچے میں ڈھالنے والا پھر انہیں جوڑ کر نہایت محکم و منظم طریقہ سے چلانے والا بڑا زبردست ہاتھ ہونا چاہیے جو کامل حکمت و اختیار سے عالم کی مشین کو قابو میں کئے ہوئے ہے۔ اسی لئے کٹر سے کٹر مشرک کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراف سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان و زمین وغیرہ کرات پیدا کئے وہ ہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر بر اجماع ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک عظیم و حکیم قادر و توانا منبع الکمالات خدا کا سراغ پالیا پھر اوہام و ظنون کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلوانا یا چیتاں کیوں بنایا جاتا ہے۔ وجدان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم الکل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز کو دبانے یا گاڑنے کا مرادف ہے۔ کیا خداوند قدوس کی ذات و صفات میں (معاذ اللہ) کچھ کمی محسوس ہوئی جس کی مخلوق خداؤں کی جمعیت سے تلافی کرنا چاہتے ہو۔

يَدْعُوَكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ

وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے ☆

بخشش کی دعوت

یعنی ہم نہیں بلاتے۔ فی الحقیقت ہمارے ذریعہ سے وہ تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ توحید و ایمان کے رستہ پر چل کر اس کے مقام قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آ کر ایمان و ایقان کا طریق اختیار کر لو تو ایمان لانے سے پیشتر کے سب گناہ (بجز حقوق و زواجر کے) معاف کر دیگا۔ پھر ایمان لانیکے بعد جیسا عمل کرو گے اس کے موافق معاملہ ہوگا۔

وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ط

اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے ☆

یعنی کفر و شرارت پر قائم رہنے کی صورت میں جو جلد تباہ کئے جاتے اس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جتنی مدت دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گزارو گے۔ ”يُمَتِّعُكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا“ اور ”فَلْيُؤَخِّرَكُمْ حَيٰوةً طَيِّبَةً“ وغیرہ نصوص کے موافق۔ (تفسیر عثمانی) اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جن سابق قوموں کو کفر پر قائم رہنے

قوم کی گستاخیاں

یعنی کفار فطر غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے۔ عَصُوًا عَلَيْكُمْ الْاِنَامِلُ مِنَ الْغَيْظِ ”یا انبیاء کی باتیں سن کر فطر تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لئے یا ہاتھ منہ کی طرف لیجا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہیے۔ یا ہماری اس زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو، جو آگے آ رہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر ہنستے تھے اور کبھی ہنسی کے دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایدہم کی ضمیر کفار کی طرف اور افواہہم کی ”رسل“ کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑا دیے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں رسل کی طرف ہوں۔ یعنی گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہی کے منہ میں ٹھونس دیے بعض کے نزدیک یہاں ”ایدی“ سے مراد نعمتیں ہیں۔ یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں مثلاً شرايع الہیہ وغیرہ وہ ناقدری سے ان ہی کی طرف لوٹادیں کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی لئے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔

وَقَالُوا اِنَّا كَفَرْنَا بَمَا اُرْسِلْتُمْ

اور بولے ہم نہیں مانتے جو تم کو دے کر بھیجا

بِهِ وَاِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

اور ہم کو تو شبہ ہے اس راہ میں جس کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۙ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اِنِّی

خلجان میں ڈالنے والا بولے ان کے رسول کیا

اللّٰهِ شَكٌّ فَاِطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین ☆

نظام کائنات کی شہادت

یعنی خدا کی ہستی اور وحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو، انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ علویات و سفلیات

کی وجہ سے ہلاک کیا گیا ان کی ہلاکت کفر پر اصرار رکھنے کے ساتھ مشروط تھی اور یہ قضاء ہلاکت معلق تھی اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کی عمریں طویل ہو جاتیں (اور انتہائے عمر سے پہلے ہلاک نہ ہوتے)۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو ہم جیسے تم چاہتے ہو

تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا

کہ روک دے تم کو ان چیزوں سے جن

كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَاتُونَا

کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے سو لاؤ

سِلْطِنٍ مُّبِينٍ ⑩

کوئی سند کھلی ہوئی ☆

معجزات کی فرمائش

یعنی اچھا خدا کی بحث کو چھوڑیے۔ آپ اپنی نسبت کہیں کیا آپ آسمان کے فرشتے ہیں؟ یا نوع بشر کے علاوہ کوئی دوسری نوع ہیں؟ جب کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو تو آخر کس طرح آپ کی باتوں پر یقین کر لیں۔ آپ کی خواہش یہ ہوگی کہ ہم کو قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لیں تو خاطر جمع رکھئے یہ کبھی نہ ہوگا اگر آپ اپنا امتیاز ثابت کرنا اور اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا کھلا ہوا نشان یا خدائی سرٹیفکیٹ دکھلائیے جس کے سامنے خواہی نہ خواہی سب کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری فرمائش کے موافق معجزات دکھلائیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رَسُولُهُمْ إِنْ نَحْنُ

ان کو کہا ان کے رسولوں نے ہم تو یہی

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ

آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے

يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

اپنے بندوں میں جس پر چاہے ☆

اللہ نے نبوت سے سرفراز کیا

یعنی تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ ہم نہ فرشتے ہیں نہ کوئی اور مخلوق بلکہ نفس بشریت میں تم ہی جیسے ہیں لیکن نوع بشر کے افراد میں احوال و مدارج کے اعتبار سے کیا زمین و آسمان کا تفاوت نہیں۔ آخر اتنا تو تم بھی مشاہدہ کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے جسمانی، دماغی، اخلاقی اور معاشی حالات کے اعتبار سے بعض انسانوں کو بعض پر کس قدر فضیلت دی ہے۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے اپنے بعض بندوں کو ان کی فطری قابلیت اور اعلیٰ ملکات کی بدولت روحانی کمال اور باطنی قرب کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جسے ”مقام نبوت“ یا ”منصب رسالت“ کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال و استبعاد ہے؟ بہر حال دعویٰ نبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی نسبت بشر کے سوا کوئی دوسری نوع ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض پر ایک خصوصی احسان فرماتا ہے جو دوسروں پر نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطِنٍ

اور ہمارا کام نہیں کہ لے آئیں تمہارے پاس سند

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہئے

الْمُؤْمِنُونَ ⑪

ایمان والوں کو ☆

معجزات اللہ کے اختیار میں ہیں

یعنی اب رہا سند اور سرٹیفکیٹ لانے کا قصہ، سو خدا کے حکم سے ہم پہلے ہی اپنی نبوت کی سند اور روشن نشانیاں دکھلا چکے ہیں۔ ”کما قال جَاءَتْهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ“ جو آدمی ماننا چاہے اس کے اطمینان کے لئے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ باقی تمہاری فرمائشیں پوری کرنا، تو یہ چیز ہمارے قبضہ میں نہیں۔ نہ ہماری تصدیق عقلاً اس پر موقوف ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی حکمت کے موافق جو سند اور نشان چاہے، تم کو دکھلائیگا، فرمائشیں نشانہ دیکھنے سے ایمان نہیں آتا، اللہ کے دینے سے آتا ہے، لہذا ایک ایماندار کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اگر تم نہ مانو گے اور ہماری عداوت و ایذا رسانی پر تیار ہو گے تو ہمارا بھروسہ اسی خدا کے مہربانی اور امداد پر رہیگا۔ (تفسیر مہربانی)

قوم والوں کا فیصلہ

یعنی اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دو، زیادہ بزرگی مت جتاؤ، بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہیگی۔ یا تم (بعثت سے پہلے کی طرح) چپ چاپ ہم میں رل کر رہو گے اور جن کو تم نے بہکایا ہے وہ سب ہمارے پرانے دین میں واپس آئینگے ورنہ تم سب کو ملک بدر اور جلاوطن کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهَدِّكَنَّ

تب حکم بھیجا ان کو ان کے رب نے ہم غارت کریں گے

الظَّالِمِينَ ۝۱۳ وَكَسَبْنَاكُمْ الْأَرْضَ

ان ظالموں کو اور آباد کریں گے تم کو اس زمین

مِنْ بَعْدِهِمْ ط

میں ان کے پیچھے ☆

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

یعنی یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں سے نکال دینگے کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں۔ اور ان کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کرینگے دیکھ لو کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مکہ سے نکالنا چاہا وہ ہی نکلتا آخراں کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلط ہو اور کفار کا نشان باقی نہ رہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي

یہ ملتا ہے ان کو جو ڈرتا ہے کھڑے ہونے سے میرے سامنے

وَخَافَ وَعِيدِ ۝۱۴

اور ڈرتا ہے میرے عذاب کے وعدہ سے ☆

شرط کامیابی

یعنی مذکورہ بالا کامیابی ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک دن حساب دینے کیلئے اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے جہاں اس کے بے پناہ عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَنَا إِلَّا تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ

اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر

وَقَدْ هَدَيْنَا سُبُلَنَا ط

اور وہ بھجا چکا ہم کو ہماری راہیں ☆

یعنی حق تعالیٰ ہم کو جام توحید و عرفان پلا کر حقیقی کامیابی کے راستے بتا چکا پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکل نہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا أذَيْتُمُونَا ط

اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور

عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝۱۵

اللہ پر بھروسہ چاہئے بھروسے والوں کو ☆

ہم توکل نہیں چھوڑ سکتے

یعنی تم خواہ کتنی ہی ایذا پہنچاؤ خدا کے فضل سے ہمارے توکل میں فرق نہیں پرہے سکتا۔ متوکلین کا یہ کام نہیں کہ سختیاں دیکھ کر توکل اور استقامت کی راہ سے ہٹ جائیں (تفسیر عثمانی) وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس کلام سے انبیاء نے دوسرے ساتھی ایمانداروں کو ہدایت کر دی کہ کافروں کے مقابلے میں تم کو اللہ پر اعتماد کرنا چاہئے اور اپنے توکل علی اللہ کا بھی اظہار کر دیا۔ آیت سے درپردہ یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا تقاضا ایمان ہے۔ کیونکہ مؤمن کا جب یہ پختہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ خیر و شر کو پیدا کرنے والا اور نفع و ضرر پہنچانے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں تو لازمی طور پر وہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ

اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو

لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ

ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ

فِي مِلَّتِنَا ط

ہمارے دین میں ☆

غرور کی وجہ سے کسی کا اپنے اوپر کوئی حق نہ سمجھے (اور ہر ذمہ داری سے اپنی ذات کو بالا قرار دے) بغوی نے لکھا ہے کہ جب اس کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے اعلیٰ اور بالا کسی کو نہ سمجھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاسْتَفْتَحُوا

اور فیصلہ لگے مانگنے پیغمبر ☆

پیغمبروں کی دعائیں

یعنی پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا۔ "فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا وَبِحَنِي الخ" لوط علیہ السلام نے کہا "رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ" شعیب علیہ السلام نے عرض کیا "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ"۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی "رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِكَ الخ" اور کفار نے بھی جب دیکھا کہ اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں لیکن اس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء اور تمسخر سے کہنے لگے "رَبَّنَا عَجَلْنَا قَوْمَنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ" (ص۔ رکو ع ۲) اور اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ اثْبِتْنَا بِعَذَابِ الْيَوْمِ (انفال۔ رکو ع ۴) یہ تو قریش کے مقولے ہیں، قوم نوح نے کہا تھا۔ "فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا"۔ قوم شعیب نے کہا "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا" وغیرہ ذلک۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آیت استفتحوا کا انبیاء کے قصہ سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل الگ آیت ہے اور اس کا نزول مکہ والوں کے متعلق ہوا اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے قحط میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے فتح یعنی بارش کے لئے اللہ سے دعا کی مگر اللہ نے ان کی مراد پوری نہیں کی اور بجائے پانی کے دوزخ میں دوزخیوں کے جوف کا گندہ پانی پلائے جانے کی وعید سنا دی۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ

اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش ضدی ☆

سرکشوں کی گرفت

یعنی پیغمبروں کا خدا کو پکارنا تھا کہ مدد آئی اور ہر ایک سرکش اور ضدی نامراد ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ خیالات پکار کھے تھے ایک ہی پکڑ میں کانوں ہو گئے نہ وہ رہے نہ ان کی توقعات رہیں۔ ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی) یا جبار ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں رحم کا گزر بھی نہ ہو۔ اور ناحق خوزری کرتا رہے۔ یا جبار ایسے شخص کو کہتے ہیں جو انتہائی

مِنْ ذُرِّيَّتِهِ جَهَنَّمَ وَيُسْقَى

پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلائیں گے

مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ

اس کو پانی پیپ کا ☆

عذابِ آخرت

یعنی یہ تو یہاں کا عذاب تھا اس کے بعد آگے دوزخ کا بھی ایک منظر ہے جہاں شدت کی تشنگی کے وقت ان کو پیپ یا پیپ جیسا پانی پلایا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ

گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا ☆

پیپ پلائی جائے گی

یعنی خوشی سے کہاں پی سکیں گے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوہے کے گرز سر پر مار کر زبردستی منہ میں ڈالیں گے۔ جس وقت منہ کے قریب کرینگے شدت حرارت سے دماغ تک کی کھال اتر کر نیچے لٹک پڑے گی، منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنسے گا بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے خلق سے نیچے اتارینگے۔ پیٹ میں پہنچنا ہوگا کہ آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی۔ "وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ" (محمد رکو ع ۲۷)۔ وَإِنْ يَسْتَعِذُّوْا بِغُلَاظِ الْإِبْرَاءِ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ (کہف رکو ع ۴۷)

(اعاذنا الله منها وسائر المؤمنين)

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ

اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر

مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ

طرف سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے

ذُرِّيَّتِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ

پیچھے عذاب ہے سخت ☆

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ

حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے

أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ

ان کے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ زور کی چلے اس پر

الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا

ہوا آندھی کے دن کچھ ان کے ہاتھ میں نہ

يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ

ہو گا اپنی کمائی میں سے

ذَلِكَ هُوَ الصَّلَاةُ الْبَعِيدُ ۝۱۸

یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا ☆

اعمال کفار

بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کئے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، بہترے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کر لیا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئیگا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائینگے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔ اس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہونگے حالانکہ وہ ہی موقع ہوگا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔ کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر تہی دست رادل پر آگندہ تر (تفسیر عثمانی)

اعمال سے مراد ہیں کافروں کی وہ خود تراشیدہ نیکیاں جن کے ثواب کے وہ امیدوار تھے جیسے (ان کی مفروضہ) خیرات، کنبہ پروری، اعانت فقراء، آزادی غلاماں وغیرہ۔ ان تمام کارہائے خیر کی بنیاد چونکہ خدا شناسی پر نہ تھی

بے پناہ تکلیف

یعنی اس کا پینا کیا ہوگا ہر طرف سے موت کا سامنا کرنا ہوگا سر سے پاؤں تک ہر عضو بدن پر سکرات موت طاری ہونگے شش جہت سے مہلک عذاب کی چڑھائی ہوگی۔ اس زندگی پر موت کو ترجیح دیئے۔ لیکن موت بھی نہیں آئیگی۔ جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔ ایک عذاب کے پیچھے دوسرا تازہ عذاب آتا رہیگا۔ کَلِمًا نَفِيحَاتٍ جَلُودُهُمْ بِذَلَّتْهُمْ جَلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (سورۃ کوہ ۸) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (اعلیٰ۔ رکوع ۱) سچ ہے اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے۔ اللہم احفظنا۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر ابن ابی حاتم، ابن المنذر، بیہقی بغوی نے اور ابن ابی الدنیا نے صفۃ النار میں اور حاکم نے اپنی صحیح اسناد سے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا، صدید کو دوزخی کے قریب لایا جائے گا تو اس کو برداشت نہ ہوگی اور زیادہ قریب لایا جائے گا تو اس کے چہرہ کو بھون ڈالے گا اس کے سر کی کھال گر پڑے گی جب اس کو پیسے گا تو انتڑیوں کو کاٹ کر دبر سے نکل جائے گا۔ پس اللہ فرمائے گا وَسُقُونَا مَا جَبِمَا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ وَإِنْ يَسْتَعِينُوا يَأْتُوا بِنَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور موت (یعنی تکلیفیں اور قسم قسم کے عذاب) ہر طرف سے اس پر آئیں گے یعنی ہر طرف سے اس کو طرح طرح کا عذاب گھیر لے گا۔ یا الموت سے مراد موت کی سختیاں اور شدائد ہیں اور کل مکان سے مراد ہے جسم کا ہر حصہ یعنی ہر حصہ، جسم سے اس پر موت کی سختیاں آئیں گی۔ ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم تیمی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر (بن) موسیٰ اس پر موت (کی شدت) آئے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَكِيَّتٍ اور وہ مردہ نہ ہوگا کہ تکلیف سے چھوٹ جائے۔ ابن جریر نے کہا سانس گلے میں انکی رہے گی نہ منہ سے باہر نکلے گی نہ اندر ہی اترے گی۔ ابن المنذر نے فضیل بن عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد سانس کا (گلے میں) بند ہو جانا ہے۔

وَمِنْ ذُرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ۔ اور اس (عذاب) کے بعد اس سے بھی سخت عذاب ہوگا۔ بعض علماء نے کہا کہ عذاب غلیظ سے مراد ہے دوزخ میں ہمیشہ رہنا کبھی نہ نکلنا۔ (تفسیر مظہری)

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا

اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سامنے ☆

یعنی سب سے بڑی عدالت میں پیشی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالَ الضُّعْفُو الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو

اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

ہم تو تمہارے تابع تھے سو بچاؤ

مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط

گے ہم کو اللہ کے کسی عذاب سے کچھ ☆

تابع و متبوع کا جھگڑا

یہ اتباع اپنے متبوعین سے کہیں گے۔ یعنی دنیا میں تم بڑے بن کر بیٹھے تھے اور ہم نے تمہاری بہت تابعداری کی تھی۔ آج اس مصیبت کی گھڑی میں کچھ تو کام آؤ، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عذاب الہی کے کسی حصہ کو ہم سے ذرا ہلکا کر دو۔ یہ دوزخ میں جانے کے بعد کہیں گے یا میدان حشر میں، ابن کثیر نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لقولہ تعالیٰ وَاذِیْتُمْ اَجْحُونَ فِی النَّارِ فِیْقُولُ الضُّعْفُو الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا الْاٰیة وَغَیْر ذٰلِكَ مِنَ الْاٰیَاتِ . وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قَالُوا لَوْ هَدانا اللّٰهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سِوَاءَ

وہ کہیں گے اگر ہدایت کرتا ہم کو اللہ تو البتہ ہم تم کو ہدایت کرتے اب برابر ہے

عَلَيْنَا اَجْرُنَا اَمْ صَبْرًا مَا لَنَا

ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہم کو

مِنْ تَحِيصٍ ۴

نہیں خلاصی ☆

سرداروں کا جواب

یعنی اگر خدا دنیا میں ہم کو ہدایت کی توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی اپنے ساتھ سیدھے راستہ پر لے چلتے۔ لیکن ہم نے ٹھوکر کھائی تو تمہیں بھی

اور ان سے اللہ کی خوشنودی مطلوب نہیں تھی۔ یا بتوں کے نام پر یہ نیکیاں کی جاتی تھیں جو ان کے کسی عمل اور عبادت سے واقف نہ تھے اور نہ بدلہ دینے کی ان میں طاقت تھی اس لئے اللہ نے ایسی خوش اعمالیوں کو آندھی کی خاک سے تشبیہ دی جس کو آندھی اڑا کر لے جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الْمُتَرَانِ اللّٰهُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَشَاۤءُ يَهْبِكُمْ

تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان اور

زَمِيْنَ جِیْسِی چاہیے اگر چاہے تم کو لے جائے

زمین جیسی چاہیے اگر چاہے تم کو لے جائے

وَاٰیٰتِ بِمَخْلُوْقٍ جَدِيْدٍ ۱۰ وَمَا ذٰلِكَ

اور لائے کوئی پیدائش نئی اور یہ

عَلٰی اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۱۱

اللہ کو کچھ مشکل نہیں ☆

آخرت کی زندگی

یعنی شاید کفار کو یہ خیال گزرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے پھر دوبارہ زندگی کہاں۔ قیامت اور عذاب و ثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں، ان کو بتلایا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کا دل قدرت و حکمت سے پیدا کئے اسے تمہارا از سر نو دوبارہ پیدا کرنا، یا کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان و زمین کے محکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے اور قائم رکھنے والا کوئی صانع حکیم ہے جیسا کہ لفظ بالحق میں تشبیہ فرمائی، تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اشرف المخلوقات (انسان) کو محض بے نتیجہ پیدا کیا ہوگا اور اس کی تخلیق و ایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد متعلق نہ ہوگا یقیناً اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہونی چاہئے۔ جس میں آدم کی پیدائش کا مقصد عظیم اکمل و اتم طریقہ سے آشکارا ہو۔ (تفسیر عثمانی) وَمَا ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی دشوار بھی نہیں ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک چیز پر وہ قادر ہو اور دوسری چیز اس کی قدرت سے خارج ہو۔ اور جو ایسا قادر مطلق ہو وہی مستحق ہے اس امر کا اسی کی پرستش اور اطاعت کی جائے اور اسی سے ثواب کی امید رکھی جائے اور اسی کی ناراضگی سے خوف کیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

کے بعد ابلیس کھڑا ہو کر ان کو خطاب کرے گا اور کہے گا اللہ نے بلاشبہ تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو وعدے تم کو دیئے تھے اس کے خلاف ہوا مگر تم پر میری کوئی زبردستی نہ تھی میں نے تو تم کو صرف دعوت دی تھی تم نے میری دعوت مان لی۔ لہذا آج مجھے ملامت نہ کرو خود اپنے کو ملامت کرو۔ ابلیس کا یہ کلام سن کر لوگوں کو خود اپنے سے نفرت ہو جائے گی۔ اس پر ندا آئے گی جتنی نفرت تم کو (آج) اپنے سے ہے اس سے زیادہ نفرت اللہ کو تم سے اس وقت تھی جب تم کو ایمان کی دعوت دی جا رہی تھی اور تم انکار کر رہے تھے۔ یہ ندا سن کر وہ پکارا نہیں گئے اے ہمارے رب (نبی کے قول اور تیرے وعدے کی سچائی) ہم نے دیکھی اور سن لیا۔ اب ہم کو (دنیا میں) پھر لوٹا دے، ہم اچھے عمل کریں گے ہم کو یقین آ گیا۔ اللہ ان کی تردید میں فرمائے گا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ لَّهَا ۗ لَآيَاتٍ ۗ وَهِيَ تَمْتَلِكُ ۗ أَعْيُنَ النَّاسِ ۗ وَنَحْنُ نَعْلَمُ ۗ مَا فِي صُدُورِهِمْ ۗ وَنَحْنُ أَكْبَرُ ۗ

اے ہمارے رب ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور پیغمبروں کا بھی اتباع کریں گے تو تھوڑی مدت کی ہم کو مہلت دیدے۔ اللہ فرمائے گا کیا تم نے اس سے پہلے قسم کھا کر نہ کہا تھا کہ ہم کو فنا نہیں۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ پکاریں گے اے ہمارے رب تو ہم کو (یہاں سے) نکال دے ہم جو کام پہلے کر چکے ہیں ان کے سوا دوسرے عمل کریں گے۔ اللہ ان کی رد میں فرمائے گا کیا ہم نے تم کو ایسی اور اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت پکڑے والا تھا نصیحت پکڑ لیتا اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا۔ پھر ایک مدت تک توقف کرنے کے بعد اللہ ان سے فرمائے گا کیا میرے احکام تم کو پڑھ کر نہیں سنائے گئے تھے اور تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ بات سن کر وہ کہیں گے ہم پر آئندہ ہمارا رب رحم (بالکل) نہیں کرے گا۔ اس کے بعد پکارا نہیں گئے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی ہم لوگ گمراہ ہو گئے تھے اے ہمارے رب (اب کی بار) ہم کو یہاں سے نکال لے اگر پھر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو ہم بلاشبہ ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا اس میں ذلت کے ساتھ ہو مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ اس وقت وہ بالکل مایوس ہوں گے اور دعا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور باہم نوحہ کریں گے۔

دوزخیوں کا رونا

حضرت عبدالرحمن ابن زید فرماتے ہیں کہ دوزخی لوگ کہیں گے کہ دیکھو یہ مسلمان خدا کے سامنے روتے دھوتے تھے۔ اس وجہ سے وہ جنت میں پہنچے۔ آؤ ہم بھی اللہ کے سامنے روئیں گڑ گڑائیں۔ خوب روئیں پیش گے، چنچیں چلائیں گے، لیکن بے سود رہیں گے، تو کہیں گے

لے ڈوبے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اگر خدا تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بتلاتا تو ہم تمہیں وہ ہی راہ بتا دیتے۔ اب تو تمہاری طرح ہم خود مصیبت میں مبتلا ہیں اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل۔ (تفسیر عثمانی)

بے کار اور جبری صبر

ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت کعب بن مالک کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ دوزخی کہیں گے آؤ ہم صبر کریں (شاید اللہ کو رحم آجائے) چنانچہ پانچ سو برس تک صبر کریں گے اور جب یہ دیکھیں گے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو کہیں گے سوا علینا اجزنا الخ۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے۔ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ دوزخی دوزخ کے منتظمین سے کہیں گے اذعوار بکم یخفف عذابنا یومئذین العذاب ابے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہی ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے منتظمین دوزخ جواب دیں گے الم یاتکم رسولکم بالبینات کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر احکام واضح لے کر نہیں پہنچے تھے دوزخی کہیں گے پہنچے کیوں نہ تھے اس پر منتظمین جواب دیں گے اذعوا وما دعو الکفرین الا فی ضللی تم خود دعا کرو کافروں کی دعا کا سوائے ناکامی کے اور کچھ نتیجہ نہیں۔ جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو کہیں گے یٰمالک لیقض علینا ربک اے مالک (داروغہ جنم) تمہارا رب تو ہمارا کام تمام ہی کر دے (یعنی موت ہی دے دے تو اس عذاب سے چھوٹ جائیں) مالک ان کو اسی برس تک کوئی جواب نہیں دے گا۔ اسی برس میں ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہی ہوگا لیکن ہر دن ہزار برس کا ہوگا (یعنی ہمارے ہزار برس کے برابر ہوگا) اسی برس کے بعد جواب دے گا تم کو یہیں رہنا ہوگا جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ تو ایک دوسرے سے کہے گا تم پر جو مصیبت آئی تھی وہ آہی گئی (اب جزع فزع کرنا بیکار ہے) ہم کو صبر کرنا چاہئے۔ ممکن ہے صبر سے کچھ اچھا نتیجہ نکل آئے جس طرح دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا اور ہر دکھ کو برداشت کیا تھا۔ تو ان کو (آج) فائدہ ہوا۔ غرض بالاتفاق (مجبوراً) صبر کریں گے اور طویل مدت تک صبر رکھیں گے (مگر بے سود) پھر جزع فزع کریں گے اور طویل مدت تک کریں گے (لیکن کچھ نتیجہ نہ ہوگا) آخر پکارا نہیں گے سوا علینا اجزنا ام صبرنا ما لنا من فحیص۔ یعنی کوئی بچنے کا مقام نہیں۔ اس

جنتوں کے جنت میں جانے کی ایک وجہ صبر کرنا تھی، آؤ ہم بھی خاموشی اور صبر اختیار کریں۔ اب ایسا صبر کریں گے کہ ایسا صبر کبھی نہیں دیکھا گیا لیکن یہ بھی لا حاصل رہے گا۔ اس وقت کہیں گے ہائے صبر بھی بے سود اور بے قراری بھی بے نفع۔ ظاہر تو یہ ہے کہ پیشواؤں اور تابعداروں کی یہ بات چیت جہنم میں جانے کے بعد ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ

اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام پیشک

اللَّهُ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ وَعَدَّ تُكْمُ

اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا

فَاخْلَفْتُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ

پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ

سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتَكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری

لِي فَلَآتِكُمْ مِّمَّنْ وَلَوْوَأَنْفُسِكُمْ مَا أَنَا

بات کو سوا الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں

بِمُضْرِحِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُضْرِحِي

تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو

إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ

میں منکر ہوں جو تم نے مجھ کو شریک بنایا تھا اس سے پہلے

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

البتہ جو ظالم ہیں ان کے لئے ہے عذاب دردناک ☆

مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر۔ تا عذاب الہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے واسطے سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و برہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کر دیتا۔ بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضا و رغبت سے چل پڑے اگر میں نے اغوا کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کر پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لئے انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو میرا جرم اغوا بجائے خود رہا۔ لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو آج تم کو مدد دینا تو درکنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہئے تھا) بہر حال اپنے جہل و غباوت سے جو شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا ”بما اشرکتتمونی“ میں بائے سمیت لیکریہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کا رتبہ دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کئے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہئے شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گزشتہ آیت میں ضعفاء و مستکمرین (عوام اور لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہالیدر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدعا دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لئے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان

ابلیس کا خطاب

یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اس وقت کفار دوزخ میں جا کر داخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دینگے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کر لیا۔ اب کوئی تدبیر

نے سونگھی ہی نہ ہوگی پھر ابلیس ان کو جہنم کی طرف لے جائے گا۔

شیطان نے اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لئے (آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ جلد ۹ اور صادی حاشیہ جلالین ص ۲۸۲ جلد ۲ میں وہاں دیکھ لیا جائے) کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا۔

عقبہ بن عامر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کر کے فیصلہ کر دے گا اور خدا کے رسول شفاعت سے فارغ ہو جائیں گے تو کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنا شفع پالیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا جو ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ کاش کوئی ہمارا سفارش ہو جاتا۔ کفار کہیں گے سوائے ابلیس کے کون ہے جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا۔ بس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبو اٹھے گی جو کسی نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہوگی اور پھر گریہ وزاری اور چیخ و پکار بلند ہوگی اس وقت شیطان اٹھے گا اور یہ کہے گا ان اللہ وعدکم وعدا لحق اور اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

وَادْخُلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور داخل کیے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کیے

الصَّالِحَاتِ جَدَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

تھے نیک باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں

الْأَنْهَارِ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ

نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اپنے رب کے حکم سے ☆

یہ بطور مقابلہ کفار کی سزا کے بعد مومنین کا انجام بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کی اتباع سے باز رہیں۔ (تفسیر عثمانی) شفاعت کبریٰ

ابن جریر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم، بغوی، طبرانی اور ابن المبارک نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ اگلوں پچھلوں کو سب کو جمع کر کے ان کا فیصلہ کر چکے گا تو اہل ایمان کہیں گے ہمارے رب نے ہمارے درمیان فیصلہ کر دیا اب کوئی شخص ایسا ہو جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کر دے، لوگ کہیں گے آدم ایسے ہو سکتے ہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے ان کو بنایا تھا اور ان سے کلام کیا تھا چنانچہ سب لوگ جا کر حضرت آدم سے گزارش کریں گے کہ ہمارا رب ہمارا فیصلہ کر چکا اور حکم جاری کر چکا اب آپ اٹھ کر ہماری شفاعت کر دیجئے۔ حضرت آدم کہیں گے نوخ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت نوخ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوخ حضرت ابراہیم کے پاس جانے کی ہدایت کر دیں گے لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے آپ حضرت موسیٰ کا راستہ بتادیں گے لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے آپ حضرت عیسیٰ کا حوالہ دیدیں گے۔ جب لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچیں گے تو آپ کہیں گے میں تم کو پتہ بتاتا ہوں تم نبی امی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ سب سے زیادہ صاحب فخر (فضیلت) ہیں۔ آخر لوگ میرے پاس آئیں گے اور اللہ مجھے کھڑے ہو کر گزارش کرنے کی اجازت دے گا پھر میری مجلس ایک بے نظیر پاکیزہ ترین خوشبو سے مہکا دی جائے گی ایسی مہک ہوگی کہ کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی پھر میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر شفاعت کروں گا اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک مجھے نور ہی نور کر دے گا سر تا قدم میرے لئے نور کر دے گا۔

کافروں کو سفارشی نہ ملے

یہ بات دیکھ کر کافر کہیں گے مسلمانوں کو تو سفارشی مل گیا اب ہماری سفارش کون کرے خود ہی جواب دیں گے اب تو ابلیس ہی جس نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہمارے سامنے ہے اور کوئی سفارشی موجود ہی نہیں ہے چنانچہ یہ لوگ ابلیس سے جا کر کہیں گے۔ مومنوں کو تو شفاعت کرنے والا مل گیا اب تو اٹھ کر ہماری شفاعت کر تو نے ہی ہم کو گمراہ کیا تھا، ابلیس جو نبی اٹھے گا اس کی مجلس میں بدترین بو اڑنے لگے گی، ایسی بدبو تو کسی

یعنی کوئی فصل پھل سے خالی نہ جائے یا فرض کیجئے بارہ مہینے صبح و شام اس پر تازہ پھل لگا کرے۔ (تفسیر عثمانی)
تراز و کو بھرنے والے کلمات

ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ پڑھنا (قیامت کے دن) میزان (عدل) کا آدھا حصہ ہوگا اور الحمد للہ (پڑھنا) میزان کو (نیکیوں سے) بھر دے گا اور لا الہ الا اللہ کو (اللہ تک پہنچنے سے) کوئی مانع نہیں۔
کلمہ طیبہ

ترمذی نے حسن کی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی بندہ خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو ضرور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے بشرطیکہ اس کا قائل کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے گا۔ ترمذی نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شجرہ طیبہ کھجور کا درخت ہے اور شجرہ خبیثہ حنظل (اندرائن) کا درخت ہے۔
کھجور کا درخت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی طرح ہوتا ہے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا لوگوں کے خیالات صحرائی درختوں کی طرف جا پڑے اور میرے دل میں آیا کہ ایسا درخت کھجور ہوتا ہے مگر میں چھوٹا تھا اس لئے جھجکا (اور کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی) آخر حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور خود ہی بیان فرمادیں فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

یہ درخت کونسا اور کہاں ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے اقوال مختلف ہیں مگر زیادہ اقرب یہ ہے کہ وہ کھجور کا درخت ہے اس کی تائید تجربہ اور مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے اور روایات حدیث سے بھی، کھجور کے درخت کے تنہ کا بلند اور مضبوط ہونا تو مشاہدہ کی چیز ہے، سب ہی جانتے ہیں اس کی جڑوں کا زمین کی دور گہرائی تک پہنچنا بھی معروف و معلوم ہے اور اس کا پھل بھی ہر وقت اور ہر حال میں کھایا جاتا ہے جس وقت سے اس کا پھل درخت پر ظاہر ہوتا ہے اس وقت سے پکنے کے

تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۱﴾

ان کی ملاقات ہے وہاں سلام ☆

جنت کا سلام

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں ”سلام“ دعا ہے سلامتی مانگنے کی، وہاں ”سلام“ کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔ (تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا

تو نے نہ دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال ☆

ایمان کی مثال

یعنی دیکھئے اور غور کیجئے کیسی باموقع اور معنی خیز مثال ہے۔ عقلمند جس قدر اس میں غور کرے سینکڑوں باریکیاں نکلتی چلی آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَلِمَةً طَيِّبَةً

بات سہری ☆

”سہری بات“ میں کلمہ توحید، معرفت الہی کی باتیں، ایمان و ایمانیات قرآن، حمد و ثنا، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

جیسے ایک درخت سہرا ☆

اکثر روایات آثار میں یہاں ”سہرے درخت“ کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے گھوڑے سہرے درخت بھی اس کے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۲﴾

اس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے ہیں آسمان میں ☆

یعنی اس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے اور چوٹی آسمان سے لگی ہو یعنی شاخیں بہت اونچی اور زمینی کٹافٹوں سے دور ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

تُوْتِي أَكْثَرَهُمْ حِينَ يَأْتُونَ رَبَّهُمْ

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے ☆

کھجور کے درخت کی شاخیں بلند آسمان کی طرف ہوتی ہیں مؤمن کے ایمان کے ثمرات یعنی اعمال بھی آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں قرآن کریم میں ہے إِنَّهُ يَصْنَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پاکیزہ کلمات، مطلب یہ ہے کہ مؤمن جو اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح، تہلیل، قرآن کریم وغیرہ کرتا ہے صبح و شام اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت، ہر حال میں لیل و نہار کھایا جاتا ہے مؤمن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت ہر موسم اور ہر حال ہر موسم میں صبح شام جاری ہیں اور جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کارآمد ہے مؤمن کا ہر قول و فعل اور حرکت و سکون اور اس سے پیدا ہونے والے آثار پوری دنیا کے لئے نافع و مفید ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مؤمن کامل اور تعلیمات خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو۔ مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ تَوَاتُرُ أَكْلِهَا كُلِّ حِينٍ میں اکل سے مراد پھل اور کھانے کے لائق چیزیں ہیں اور حین سے مراد ہر وقت ہر حال ہے، اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے، بعض حضرات کے دوسرے اقوال بھی ہیں۔

درخت اور ایمان میں مشابہت

بغوی نے لکھا ہے درخت کی تکمیل تین اجزاء سے ہوتی ہے زمین کے اندر جمے ہوئے ریشے تنہ اور شاخیں، ایمان کی تکمیل بھی تین ہی چیزوں سے ہوتی ہے (دل سے) تصدیق زبان سے اقرار اور اعضاء جسم سے عمل۔ ابو ظبیاں نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا کہ شجرہ طیبہ جنت کے اندر ایک درخت ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (خلوص کے ساتھ) سبحان اللہ العظیم و بحمدہ کہا اس کے لئے کھجور کا ایک درخت جنت میں بودیا جاتا ہے (رواہ الترمذی، تفسیر مظہری)

وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلٌ

تاکہ وہ فکر کریں اور مثال

كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ

گندی بات کی ☆

زمانہ تک ہر حال اور ہر صورت میں اس کا پھل مختلف طریقوں سے چٹنی و اچار کے طریقہ سے یا دوسرے طریقہ سے کھایا جاتا ہے۔ پھر پھل پک جانے کے بعد اس کا ذخیرہ بھی پورے سال باقی رہتا ہے، صبح و شام، دن اور رات، گرمی اور سردی، غرض ہر موسم اور ہر وقت میں کام دیتا ہے اس درخت کا گودا بھی کھایا جاتا ہے اس سے میٹھا رس بھی نکالا جاتا ہے اس کے پتوں سے بہت سی مفید چیزیں چٹائیاں وغیرہ بنتی ہیں اس کی گٹھلی جانوروں کا چارہ ہے بخلاف دوسری درختوں کے پھلوں کے کہ وہ خاص موسم میں آتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں ان کا ذخیرہ نہیں رکھا جاتا ہے اور نہ ان کی ہر چیز سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اور ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بروایت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شجرہ طیبہ (جس کا ذکر قرآن میں ہے) کھجور کا درخت ہے اور شجرہ حیدہ حنظل کا درخت۔ (مظہری)

اور مسند احمد میں بروایت مجاہد مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک روز ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کوئی صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کے درخت کا گودہ لائے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ایک سوال کیا کہ درختوں میں سے کا ایک ایسا درخت بھی ہے جو مرد مؤمن کی مثال ہے (اور بخاری کی روایت میں اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت کے پتے کسی موسم میں جھڑتے نہیں) بتلاؤ وہ درخت کونسا ہے؟ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے مگر مجلس میں ابو بکرؓ و عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ موجود تھے، ان کو خاموش دیکھ کر مجھے بولنے کی ہمت نہ ہوئی پھر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے

اس مثال کی وجہ

مؤمن کی مثال اس درخت سے دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں ایمان اس کی جڑ ہے جو بہت مستحکم اور مضبوط ہے، دنیا کے حوادث اس کو ہلا نہیں سکتے مومنین کا ملین صحابہ و تابعین بلکہ ہر زمانہ کے پکے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں کہ ایمان کے مقابلہ میں نہ جان کی پروا کی نہ مال کی اور نہ کسی دوسری چیز کی، دوسری وجہ ان کی طہارت و نظافت ہے کہ دنیا کی گندیوں سے متاثر نہیں ہوتے، جیسے بڑے درخت پر سطح زمین کی گندی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ دو وصف تو أَصْلُهَا ثَابِتٌ کی مثال ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح

کرنا پڑے اور آخرت میں اس کلمہ کو قائم و برقرار رکھ کر اس کی مدد کی جاتی ہے صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ یعنی قبر کا عالم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

کَشَجْرَةٍ خَبِيثَةٍ

☆ جیسے درخت گندرا ☆

گندہ درخت

اکثر نے اس سے حنظل (اندرائن) مراد لیا ہے گو عموم لفظ میں ہر خراب درخت شامل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجِئْتُمْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ

اکھاڑ لیا اس کو زمین کے اوپر سے

مَالِهَامِنْ قَرَارٍ ۲۶

☆ کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ ☆

دونوں مثالوں کا حاصل

یعنی جڑ کچھ نہ ہو، ذرا اشارہ سے اکھڑ جائے۔ گویا اس کے بودے پن اور ناپائیداری کو ظاہر فرمایا، دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعوائے توحید و ایمان پکا اور سچا ہے جس کے دلائل نہایت صاف و صحیح اور مضبوط ہیں موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبول سے جا لگتی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه (فاطر۔ رکوع ۲) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سدابہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائیداری کے ساتھ اونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعوائے باطل کی جڑ، بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ ناحق بات ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں۔ تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اسی لئے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی

کفر کی مثال

کلمہ کفر، جھوٹی بات اور ہر ایک کلام جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو "کلمہ خبیثہ" میں داخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو (مراد درخت حنظل ہے) کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے (اور) اس کو (زمین میں) کچھ ثبات نہ ہو (خراب فرمایا باعتبار اس کی بو اور مزہ اور رنگ کے یا اس کے پھل کی بو اور مزہ اور رنگ کے، یہ صفت طیبہ کے مقابل ہوئی اور اوپر سے اکھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جڑ اس کی دور تک نہیں ہوتی اوپر ہی رکھی ہوتی ہے یہ اصلہا ثابت کے مقابل فرمایا اور مَالِهَامِنْ قَرَارٍ اسی کی تاکید کے لئے فرمایا اور اس کی شاخوں کا اونچا نہ جانا اور اس کے پھل کا تفکھا مطلوب نہ ہونا ظاہر ہے یہی حال کلمہ کفر کا ہے کہ گو کافر کے دل میں اس کی جڑ ہے مگر حق کے سامنے اس کا مضحل و مغلوب ہو جانا مشابہ اسی کی ہے جیسے اس کی جڑ ہی نہیں، قال تعالیٰ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ اور شاید مَالِهَامِنْ قَرَارٍ کی تصریح سے کفر کا یہی اضمحلال و مغلوبیت بتلانا مقصود ہو اور چونکہ اس کے اعمال مقبول نہیں ہوتے اس لئے گویا اس درخت کی شاخیں بھی فضاء میں نہیں پھیلی اور چونکہ اس کے اعمال پر رضائے الہی مرتب نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن)

کفار کی مثال

اس کے بالمقابل دوسری مثال کفار کی شجرہ خبیثہ سے دی گئی، جس طرح کلمہ طیبہ سے مراد قول لا الہ الا اللہ یعنی ایمان ہے اسی طرح کلمہ خبیثہ سے مراد کلمات کفر اور افعال کفر ہیں، شجرہ خبیثہ سے مراد مذکورہ حدیث میں حنظل کو قرار دیا گیا ہے اور بعض نے لہسن وغیرہ کہا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کا حال قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جڑیں زمین کے اندر زیادہ نہیں ہوتیں اس لئے جب کوئی چاہے اس درخت کے پورے جشہ کو زمین سے اکھاڑ سکتا ہے، اجْتِئْتُمْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ کے یہی معنی ہیں کیونکہ اجتیت کے اصل معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے جشہ کو پورا پورا اٹھا لیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قائم رہتا ہے خواہ اس کے خلاف کتنے ہی حوادث سے مقابلہ

شاہ ولی اللہ کی تشریح

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں، حق جل شانہ نے اس آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان اور کفر کے فرق کو بتلایا ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ و شیریں نہایت نفع بخش پھل دار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اتار کر مکہ میں نصب کیا گیا جو بوجہ علو و رفعت یہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین میں قائم ہوئی اور پھر اس کی جڑیں اور شاخیں پھوٹی شروع ہوئیں۔ اور اطراف عالم میں پھیلتی گئیں اور کلمہ ناپاک کی مثال ایک ناپاک و خراب درخت جیسی ہے جسے لوگ بوجہ گندگی کے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ سرسبز نہیں ہونے پاتا۔ اسی طرح جو کفر و شرک عالم میں پھیلا ہوا تھا اسلام نے اسے مٹایا اور مٹاتا رہا اس تمثیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ایک گروہ وہ تھا کہ جو اعلاء کلمہ حق میں ساعی و کوشاں تھا۔

اور دوسرا گروہ وہ تھا، جو کفر کا پیشوا تھا اور کفر اور شرک کی ترویج میں ساعی و کوشاں تھا گروہ اول کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے گا اور دوسرے گروہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی دین حق کو کفر اور ضلالت سے تبدیل کر رکھا تھا مذمت کی اور آخرت میں ان کا برا ٹھکانہ قرار دیا مگر وہ اول کے مصداق اولین مہاجرین اولیں ہیں جن کے سر دفتر ابو بکر صدیقؓ تھے جن کی وجہ سے دین اسلام نے رواج پایا اور گروہ ثانی جہلانے قریش تھا اس گروہ کا سر دفتر ابو جہل تھا گروہ اول کے بالمقابل گروہ ثانی والے ذلیل و خوار اور گرفتار مصیبت و بلا ہوئے اور آیت میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے توفیق الہی مراد ہے جو بندہ کو قبر میں عطا کی جاتی ہے اور جس وقت منکر نکیر اس سے آکر سوال کرتے ہیں تو وہ توفیق الہی سے جواب راست دیتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ

مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط

الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

بات سے دنیا کی زندگی میں

وَفِي الْآخِرَةِ

اور آخرت میں ☆

طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔ نہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے صوفیاء کے طرز پر ان مثالوں کے بیان میں بہت اطناب سے کام لیا ہے یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (زمین کے اندر) اس کا جماؤ نہ ہو۔ اسی طرح اس کلمہ کی حالت ہے جو رضائے الہی کے لئے نہ ہو۔ اس کا کبھی کوئی فائدہ نہیں ابن مردویہ نے بوساطت حبان بن شعبہ، حضرت انس بن مالک کا قول بیان کیا کہ شجرہ خبیثہ شربانہ ہے حضرت انسؓ سے پوچھا گیا شربانہ کیا ہے؟ فرمایا اندرائن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ شجرہ طیبہ کے اندر کھجور کا درخت بھی داخل ہے اور شجرہ خبیثہ کا لفظ درخت حنظل کو بھی شامل ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کلمہ طیبہ سے مراد لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ پاکیزہ درخت کی طرح کا مؤمن ہے اس کی جڑ مضبوط ہے۔ یعنی مؤمن کے دل میں لا الہ الا اللہ جما ہوا ہے۔ اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ یعنی اس توحید کے کلمہ کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے کہ مراد اس سے مؤمن کے اعمال ہیں اور اس کے پاک اقوال اور نیک کام۔ مؤمن مثل کھجور کے درخت کے ہے ہر وقت ہر صبح ہر شام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک خوشہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کا پہلا حصہ تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ پاک درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔

مسلمان کے مشابہ درخت

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں، نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں (حضرت ابو بکرؓ ہیں حضرت عمرؓ ہیں اور اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپکا ہو رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ درخت کھجور کا ہے۔ جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد (حضرت) عمرؓ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا پیارے بچے اگر تم یہ جواب دیدیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مؤمن کی استقامت

یعنی حق تعالیٰ تو حید و ایمان کی باتوں سے (جن کی مضبوطی و پائیداری پہلی مثال میں ظاہر کی گئی) مؤمنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط و ثابت قدم رکھتا ہے رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مؤمنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقع پر یہ ہی کلمہ تو حید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔ (تفسیر عثمانی)

القول الثابت سے مراد ہے کلمہ تو حید جس کا اعتراف خلوص کے ساتھ کیا گیا ہو خلوص دل سے کلمہ تو حید کا اقرار دل میں جم جاتا ہے اور اس کا ثواب اللہ کے ہاں ثابت ہو جاتا ہے دین کے معاملات میں دنیا کے اندر جو دکھ اور آلام اہل ایمان پر آتے ہیں ان کے ایمان کو نہیں ہلا سکتے وہ ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جہے رہتے ہیں جیسے حضرت زکریا حضرت یحییٰ حضرت جبرئیل حضرت شمعون علیہم السلام اصحاب اخدود۔

ائمہ ستہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں آیت يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کا یہی مطلب ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا نزول عذاب قبر کے سلسلہ میں ہوا۔ صاحب قبر سے کہا جائے گا تیرا رب کون ہے وہ جواب دے گا اللہ میرا رب ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیغمبر ہیں۔ (متفق علیہ) حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ مردہ کے دُفن سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس توقف فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اللہ سے اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی درخواست کرو۔ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے

اور اس کے ساتھی واپس آنے لگتے ہیں تو مردہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے (اس وقت) دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے، مؤمن جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے کہا جاتا ہے اپنے دوزخ والے ٹھکانے کو دیکھ کہ اس کی جگہ اللہ نے جنت میں ٹھکانہ عطا فرما دیا، مؤمن دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ منافق اور کافر سے جب پوچھا جاتا ہے تو اس شخص کی بابت کیا کہتا تھا تو وہ کہتا ہے مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جو بات اور لوگ کہتے تھے میں بھی کہتا تھا فرشتے اس کو کہتے ہیں نہ تو نے جانا اور نہ (قرآن میں) پڑھا پھر اس پر لوہے کے ہتھوڑوں کی مار پڑتی ہے اور وہ چیختا ہے اس کی چیخوں کو سوائے جن وانس کے سب قریب والے سنتے ہیں۔

قبر میں سوال و جواب

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو قبر میں دُفن کیا جاتا ہے تو دو سیاہ فام نیلے (یعنی نیلی آنکھوں والے) فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے دونوں فرشتے پوچھتے ہیں تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا مردہ کہتا ہے وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں فرشتے کہتے ہیں ہم تو جانتے ہی تھے کہ تو یہ کہے گا پھر اس کی قبر میں ستر ستر ہاتھ ہر طرف وسعت کر دی جاتی ہے اور روشنی کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے سو جاؤ وہ سو جاتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے میں واپس جا کر اپنے گھر والوں کو (اس کیفیت کی) اطلاع تو دیدوں۔ فرشتے کہتے ہیں اس دلہن کی طرح (محبت آرام اور سکون کے ساتھ) سو جا جس کو سوائے اس شخصیت کے جو سب گھر والوں میں اس کو پیاری ہوتی ہے اور کوئی نہیں اٹھاتا (آخر وہ سو جائے گا)۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواہ گاہ سے اٹھائے گا۔ اور اگر مردہ منافق ہوگا تو جواب دے گا میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا میں نے بھی ویسے ہی کہہ دیا مجھے کچھ نہیں معلوم (کہ یہ اللہ کے رسول تھے یا نہ تھے) فرشتے کہیں گے ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو یہ بات کہے گا پھر زمین کو حکم دیا جائے گا تو اس پر مل جا (یعنی ایسا دبا کہ تیرے دونوں حصے آپس میں مل جائیں)۔ زمین اس منافق کو اتنا دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر

نکل جائیں گی۔ اس طرح یہ برابر عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خوابگاہ سے اٹھائے گا۔ (رواہ الترمذی)

عذاب قبر سے پناہ

مسند میں ہے کہ ایک انصاری کے جنازے میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ قبرستان پہنچے۔ ابھی تک قبر تیار نہ تھی۔ آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو تکا تھا اس سے آپ زمین پر لکیریں نکال رہے تھے جو سرائٹھا کر دو تین مرتبہ فرمایا کہ عذاب قبر سے پناہ چاہو۔ بندہ جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہرے والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کے چہرے سورج جیسے ہیں۔ ان کے ساتھ جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے۔ اس کے پاس جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے پاک روح اللہ تعالیٰ کی مغفرت اس کی رضامندی کی طرف چل۔ وہ اس آسانی سے نکل آتی ہے جیسے کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک آیا ہو۔ ایک آنکھ جھپکنے کے برابر کی دیر بھی وہ فرشتے اسے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے فوراً لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں۔ خود اس روح میں سے بھی مشک سے بھی عمدہ خوشبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر ایسی عمدہ خوشبو نہ سونگھی گئی ہو۔ وہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کس کی ہے۔ یہ اس کا جو بہترین نام دنیا میں مشہور تھا وہ بتلاتے ہیں اور اس کے باپ کا نام بھی۔ آسمان دنیا تک پہنچ کر دروازے کھلواتے ہیں۔ آسمان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہاں کے فرشتے اسے دوسرے آسمان تک اور دوسرے آسمان کے تیسرے آسمان تک اسی طرح ساتویں آسمان پر وہ پہنچتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ لو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ میں نے اسی سے اسے پیدا کیا ہے اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ پس اس کی روح اسی کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اللہ تعالیٰ، وہ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا

ہے کہ اسلام۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے۔ فرشتے پوچھتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ پڑھی اس پر ایمان لایا اسے سچا مانا۔ اسی وقت آسمان سے ایک منادی دیتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنتی فرش بچھا دو اور اسے جنتی لباس پہنا دو اور جنت کی طرف کا دروازہ کھول دو۔ پس جنت کی روح پرور خوشبودار ہواؤں کی لپٹیں اسے آنے لگتی ہیں۔ اس کی قبر بقدر دراز گئی نظر وسیع کر دی جاتی ہے اس کے پاس ایک شخص خوبصورت نورانی چہرے والا عمدہ کپڑوں والا اچھی خوشبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے آپ خوش ہو جائیے۔ اسی دن کا وعدہ آپ دیئے جاتے تھے۔ یہ اس سے پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے چہرے سے بھلائی ہی بھلائی نظر آتی ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس وقت مسلمان آرزو کرتا ہے کہ خدایا قیامت جلد قائم ہو جائے تو میں اپنے اہل و عیال اور ملک و مال کی طرف لوٹ جاؤں اور کافر بندہ جب دنیا کی آخری ساعت اور آخرت کی اول ساعت میں ہوتا ہے۔ اس کے پاس سیاہ چہرے کے آسمانی فرشتے آتے ہیں اور ان کے ساتھ جہنمی ٹاٹ ہوتا ہے۔ جہاں تک نگاہ پہنچے وہاں تک وہ بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر حضرت ملک الموت علیہ السلام آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں، اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ کی طرف چل۔ اس کی روح جسم میں چھپتی پھرتی ہے جسے بہت سختی کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔ اس وقت ایک آنکھ جھپکنے جتنی دیر میں اسے فرشتے ان کے ہاتھوں سے لے لیتے ہیں اور اسے جہنمی بورے میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اس میں سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ بدبو نہیں پائی گئی۔ اب یہ اسے لے کر اوپر کو چڑھتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے، وہ اس کا بدترین نام جو دنیا میں تھا بتلاتے ہیں اور اس کے باپ کا نام بھی۔ آسمان دنیا تک پہنچ کر دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں لیکن کھولا نہیں جاتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَا تُفْتَنُوا لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمٰوٰتِ الْخ کی تلاوت فرمائی کہ نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں نہ وہ جنت میں جا سکیں۔ یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گزر جائے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اس کی کتاب سچین میں لکھ لو جو سب سے نیچے کی زمین میں ہے پس اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت

نیکیاں ساتھ ہوتی ہیں

ابن جریر میں فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میت تمہاری جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے جبکہ تم اسے دفنا کر واپس لوٹتے ہو۔ اگر وہ ایمان پر مرے تو نماز اس کے سر ہانے ہوتی ہے زکوٰۃ دائیں جانب ہوتی ہے روزہ بائیں طرف ہوتا ہے نیکیاں مثلاً صدقہ، خیرات صلہ رحمی، بھلائی لوگوں سے احسان وغیرہ اس کے پیروں کی طرف ہوتے ہیں۔ جب اس کے سر کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نماز کہتی ہے یہاں سے جانے کی جگہ نہیں، دائیں طرف سے زکوٰۃ روکتی ہے بائیں طرف سے روزہ اور پیروں کی طرف سے اور نیکیاں۔ پس اس سے کہا جاتا ہے بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سورج ڈوبنے کے قریب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جو ہم پوچھیں اس کا جواب دو۔ وہ کہتا ہے تم چھوڑو پہلے میں نماز ادا کر لوں۔ وہ کہتے ہیں وہ تو تو کرے گا یہی ابھی ہمیں ہمارے سوالوں کا جواب دے۔ وہ کہتا ہے اچھا تم کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اور کیا شہادت دیتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں؟ جواب ملتا ہے کہ ہاں آپ ہی کے بارے میں۔ یہ کہتا ہے کہ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں، آپ خدا کے پاس سے ہمارے پاس دلیلیں لیکر آئے، ہم نے آپ کو سچا مانا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اسی پر زندہ رکھا گیا اور اسی پر مر اور اسی پر ان شاء اللہ دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ پھیلا دی جاتی ہے اور نورانی کردی جاتی ہے اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے دیکھ یہ ہے تیرا اصلی ٹھکانا۔ اب تو اسے خوشی اور راحت ہی راحت ہوتی ہے پھر اس کی روح پاک روحوں میں سبز پرندوں کے قالب میں جنتی درختوں میں رہتی ہے اور اس کا جسم جس سے اس کی ابتدا کی گئی تھی اسی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے یعنی مٹی کی طرف۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے۔

دنیا و آخرت کی ثابت قدمی

حضرت طاؤس فرماتے ہیں دنیا میں ثابت قدمی کلمہ توحید پر استقامت ہے اور آخرت میں ثابت قدمی منکر نکیر کے جواب کی ہے۔ قادہ فرماتے ہیں خیر اور عمل صالح کے ساتھ دنیا میں رکھے جاتے ہیں اور قبر میں بھی۔ ابو عبد اللہ حکیم ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب نوادر

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ الْخَبْثُ الَّذِي يَتَوَّاسِعُ پرندہ چمک لے جائیں گے یا آندھی کسی دور کے گڑھے میں پھینک مارے گی۔ پھر اس کی روح اسی جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں جو اسے اٹھاتے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے اس کا بھی علم نہیں۔ پھر پوچھتے ہیں وہ کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ اسی وقت آسمان سے ایک منادی کی ندا آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے لئے جہنم کی آگ کا فرش کر دو اور دوزخ کی جانب کا دروازہ کھول دو۔ وہاں سے اسے دوزخی ہوا اور دوزخ کا بھپارہ پہنچتا رہتا ہے اور اس کی قبر اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ بڑی بری اور ڈراؤنی صورت والا برے میلے کھیلے خراب کپڑوں والا بڑی بدبو والا ایک شخص اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اب غمناک ہو جاؤ۔ اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے برائی برستی ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرے اعمال بد کا مجسمہ ہوں۔ تو یہ دعا کرتا ہے کہ خدایا قیامت قائم نہ ہو۔ (ابوداؤد سنائی، ابن ماجہ وغیرہ)

نیک و بد کی موت

مسند میں ہے کہ نیک بندے کی روح نکلنے کے وقت آسمان وزمین کے درمیان کے فرشتے اور آسمانوں کے فرشتے سب اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور آسمانوں کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں ہر دروازے کے فرشتوں کی دعا ہوتی ہے کہ اس کی پاک اور نیک روح ان کے دروازے سے چڑھائی جائے الخ۔ اور برے شخص کے بارے میں ہے کہ اس کی قبر میں ایک اندھا گونگا فرشتہ مقرر ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گھن ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ مٹی بن جائے۔ اس سے وہ اسے مارتا ہے یہ مٹی ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ عزوجل پھر لوٹاتا ہے جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے وہ اسے پھر وہی گھن مارتا ہے۔ یہ ایسا چنٹا ہے کہ اس کی چیخ کو سوائے انسانوں اور جن کے ہر کوئی سنتا ہے۔ حضرت برآ فرماتے ہیں، اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں مراد اس سے قبر کے سوالوں کے جواب میں مومن کو استقامت کا ملنا ہے۔

کہ پل صراط پر لڑکنیاں کھا رہا ہے کہ اس کا مجھ پر درود پڑھنا آیا اور ہاتھ تھام کر سیدھا کر دیا اور وہ پارا تر گیا۔ ایک کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر پہنچا، لیکن دروازہ بند ہو گیا۔ اسی وقت لا الہ الا اللہ کی شہادت پہنچی، دروازے کھلوادئے اور اسے جنت میں پہنچا دیا۔ قرطبی اس حدیث کو وارد کر کے فرماتے ہیں یہ حدیث بہت بڑی ہے، اس میں ان مخصوص اعمال کا ذکر ہے جو مخصوص مصیبتوں سے نجات دلوانے والے ہیں (تذکرہ)۔ اس بارے میں حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے بھی ایک غریب مطول حدیث روایت کی ہے جس میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے تو میرے دوست کے پاس جا، میں نے آسمانی تختی سے ہر طرح آزمایا ہے ہر ایک کی حالت میں اسے اپنی خوشی میں خوش پایا، تو جا اور اسے میرے پاس لے آ کہ میں اسے ہر طرح کا آرام و عیش دوں ملک الموت علیہ السلام اپنے ساتھ پانچ سو فرشتوں کو لے کر چلتے ہیں۔ ان کے پاس جنتی کفن وہاں کی خوشبو اور ریحان کے خوشے ہوتے ہیں جس کے سرے پر بیس رنگ ہوتے ہیں ہر رنگ کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے۔ سفید ریشمی کپڑے میں اعلیٰ مشک بہ تکلف لپی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ سب آتے ہیں ملک الموت علیہ السلام تو اس کے سر ہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرشتے اس کے چار طرف بیٹھ جاتے ہیں ہر ایک کے ساتھ جو کچھ جنتی تحفہ ہے وہ اسکے اعضاء پر رکھ دیا جاتا ہے اور سفید ریشم اور مشک اذخر اس کی ٹھوڑی تلے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کی روح کبھی جنتی پھولوں سے کبھی جنتی لباسوں سے کبھی جنتی پھولوں سے اس طرح بہلائی جاتی ہے جیسے روتے ہوئے بچے کو لوگ بہلاتے ہیں۔ اس وقت اس کی حوریں ہنس کر اس کی چاہت کرتی ہیں، روح ان مناظر کو دیکھ کر بہت جلد جسمانی قید سے نکل جانے کا قصد کرتی ہے ملک الموت فرماتے ہیں ہاں اے پاک روح بغیر کانٹے کی بیڑیوں کی طرف اور لدے ہوئے کیلوں کی طرف اور لمبی لمبی چھاؤں کی طرف اور پانی کے جھرنوں کی طرف چل۔ واللہ ماں جس قدر بچے پر مہربان ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ ملک الموت اس پر شفقت و رحمت کرتا ہے اس لئے کہ اسے علم ہے کہ یہ محبوب خدا ہے۔ اگر اسے ذرا سی بھی تکلیف پہنچی تو میرے رب کی ناراضگی مجھ پر ہوگی۔ بس اس طرح اس روح کو اس جسم سے الگ کر لیتا ہے جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال۔

الاصول میں لائے ہیں کہ صحابہ کی جماعت کے پاس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی مسجد میں فرمایا کہ گزشتہ رات میں نے عجیب باتیں دیکھیں، دیکھا کہ میرے ایک امتی کو عذاب قبر نے گھیر رکھا ہے۔ آخر اس کے وضو نے آ کر اسے چھڑا لیا۔ میرے ایک امتی کو دیکھا کہ شیطان اسے وحشی بنائے ہوئے ہیں لیکن ذکر اللہ نے آ کر اسے خلاصی دلوائی۔ ایک امتی کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اسے گھیر رکھا ہے اس کی نماز نے آ کر اسے بچا لیا۔ ایک امتی کو دیکھا کہ پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہے۔ جب حوض پر جاتا ہے دھکے لگتے ہیں اس کا روزہ آیا اور اس نے اسے پانی پلا دیا اور آسودہ کر دیا۔ آپ نے ایک اور امتی کو دیکھا کہ انبیاء حلقے باندھ باندھ کر بیٹھے ہیں یہ جس حلقے میں بیٹھنا چاہتا ہے وہاں والے اسے اٹھا دیتے ہیں اسی وقت اس کی جنابت کا غسل آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس بٹھا دیا۔ ایک امتی کو دیکھا کہ چاروں طرف سے اسے اندھیرا گھیرے ہوئے ہے اور اوپر نیچے سے بھی وہ اسی میں گھرا ہوا ہے کہ اس کا حج اور عمرہ آیا اور اسے اندھیرا میں سے نکال کر نور میں پہنچا دیا۔ ایک امتی کو دیکھا کہ وہ مؤمنوں سے کلام کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے بولتے نہیں اسی وقت صلہ رحمی آئی اور اعلان کیا کہ اس سے بات چیت کرو، چنانچہ وہ بولنے چالنے لگتے ہیں۔ ایک امتی کو دیکھا کہ وہ اپنے منہ پر سے آگ کے شعلے ہٹانے کو ہاتھ بڑھا رہا ہے اتنے میں اس کی خیرات آئی اور اس کے منہ پر پردہ اور اوٹ ہو گئی اور اس کے سر پر سایہ بن گئی اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اسے ہر طرف سے قید کر لیا ہے لیکن اس کا نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا آیا اور ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر رحمت کے فرشتوں سے ملا دیا۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے اور خدا میں اور اس میں حجاب ہے، اسکے اچھے اخلاق آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے پاس پہنچا آئے۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں طرف سے آرہا ہے لیکن اس کے خوف خدا نے آ کر اسے اس کے سامنے کر دیا۔ اپنے ایک امتی کو میں نے جہنم کے کنارے کھڑا دیکھا اسی وقت اس کا خدا سے کپکپانا آیا اور اسے جہنم سے بچالے گیا۔ میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اسے اوندھا کر دیا گیا ہے کہ جہنم میں ڈال دیں لیکن اسی وقت خوف خدا سے اس کا رونا آیا اور ان آنسوؤں نے اسے بچا لیا۔ میں نے ایک امتی کو دیکھا

انہیں کے بارے میں فرمان خدا ہے کہ ان کی روح کو طیب فرشتے فوت کرتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے کہ اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آرام و آسائش ہے۔ یعنی موت آرام کی اور آسائش کی ملنے والی اور دنیا کے بدلے کی جنت۔ ملک الموت اس کی روح کو قبض کرتے ہی روح جسم سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تجھے جزائے خیر دے تو خدا کی اطاعت کی طرف جلدی کرنے والا اور خدا کی معصیت سے دیر کرنے والا تھا۔ تو نے آپ بھی نجات پائی اور مجھے بھی نجات دلوائی۔ جسم بھی روح کو ایسا ہی جواب دیتا ہے۔ زمین کے وہ تمام حصے جن پر یہ عبادت خدا کرتا تھا اس کے مرنے سے چالیس دن تک روتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے وہ کل دروازے جن سے اس کے نیک اعمال چڑھتے تھے اور جن سے اس کی روزیاں اترتی تھیں اس پر روتے ہیں۔ اسی وقت وہ پانچ سو فرشتے اس جسم کے ارد گرد کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے نہلانے میں شامل رہتے ہیں۔ انسان اس کی کروٹ بدلے، اس سے پہلے خود فرشتے بدل دیتے ہیں اور اسے نہلا کر انسانی کفن سے پہلے اپنا ساتھ لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں۔ ان کی خوشبو سے پہلے اپنی خوشبو لگا دیتے ہیں اور اس کے گھر کے دروازے سے لے کر اس کی قبر تک دو رخ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت شیطان اس زور سے رنج کے ساتھ چینتا ہے کہ اس کے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں اور کہتا ہے میرے لشکر یوم برباد ہو جاؤ ہائے تمہارے ہاتھوں سے کیسے بچ گیا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو معصوم تھا۔ جب اس کی روح کو لے کر ملک الموت چڑھتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کو لے کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔ ہر ایک اسے جداگانہ بشارت خداوندی سناتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روح عرش خدا کے پاس پہنچتی ہے وہاں جاتے ہی سجدے میں گر پڑتی ہے اس وقت جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو بغیر کانٹوں کی بیڑیوں میں اور تہ بہ تہ کیلوں کے درختوں میں اور لمبے سایوں میں بہتے پانیوں میں جگہ دو۔ پھر جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے تو دائیں طرف نماز کھڑی ہو جاتی ہے، بائیں طرف روزہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ سر کی طرف قرآن آ جاتا ہے، نمازوں کو چل کر جانا پیروں کی طرف ہوتا ہے ایک کنارے صبر کھڑا ہو جاتا ہے۔ عذاب کی ایک گردن

لپکتی آتی ہے لیکن دائیں جانب سے نماز سے روک دیتی ہے کہ یہ ہمیشہ چونکا رہا اب اس قبر میں آ کر ذرا راحت پائی۔ وہ بائیں طرف سے آتی ہے یہاں سے روزہ بھی کہہ کر اسے آنے نہیں دیتا۔ سر ہانے سے آتی ہے یہاں سے قرآن اور ذکر بھی کہہ کر آڑے آتے ہیں۔ وہ پانچویں سے آتی ہے یہاں سے اس کی نمازوں کے لئے چل کر جانا اسے روک دیتا ہے غرض چو طرف سے خدا کے محبوب کے لئے روک ہو جاتی ہے اور عذاب کو کہیں سے راہ نہیں ملتی۔ وہ واپس چلا جاتا ہے اس وقت صبر کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ اگر تم سے ہی یہ عذاب دفع ہو جائے تو مجھے بولنے کی کیا ضرورت؟ ورنہ میں بھی اس کی حمایت کرتا۔ اب دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں ایک کو نکیر کہا جاتا ہے دوسرے کو منکر۔ یہ اچک لے جانے والی بجلی جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے دانت سیہ جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے سانس سے شعلے نکلتے ہیں ان کے بال پیروں تلے لٹکتے ہوتے ہیں۔ ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہوتی ہے ان کے دل نرمی اور رحمت سے بالکل خالی ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھوڑے ہوتے ہیں کہ اگر قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر جمع ہو کر اسے اٹھانا چاہیں تو ناممکن۔ وہ آتے ہی اسے کہتے ہیں اٹھ بیٹھ۔ یہ اٹھ کر سیدھی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا کفن اس کے پہلو پر آ جاتا ہے وہ اس سے پوچھتے ہیں۔

تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ صحابہؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ایسے ڈراؤنے فرشتوں کو کون جواب دے سکے گا؟ آپ نے اسی آیت یثبت اللہ الخ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا وہ بے جھجک جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور میرا دین اسلام ہے جو فرشتوں کا بھی دین ہے اور میرے نبی محمد ہیں جو خاتم النبیین تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وہ کہتے ہیں آپ نے صحیح جواب دیا اب تو وہ اس کے لئے اس کی قبر کو اس کے دائیں سے اس کے بائیں سے اس کے آگے سے اس کے پیچھے سے اس کے سر کی طرف سے اس کے پاؤں کی طرف سے چالیس چالیس ہاتھ کشادہ کر دیتے ہیں۔ وہ دوسو ہاتھ کی وسعت کر دیتے ہیں اور چالیس ہاتھ کا احاطہ کر دیتے ہیں اور اس سے فرماتے ہیں اپنے اوپر نظریں اٹھا۔ یہ دیکھتا ہے کہ جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ کہتے ہیں اے خدا کے دوست چونکہ تو نے خدا کی بات مان لی ہے تیری منزل یہ ہے۔

اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور ملک الموت علیہ السلام فرماتے ہیں اے لعین و ملعون روح چل سینک میں اور پھسلتے پانی میں اور کالے سیاہ دھوئیں کے غبار میں جس میں نہ تو خشکی ہے نہ اچھی جگہ۔ جب یہ روح قبض ہو جاتی ہے تو اپنے جسم سے کہتی ہے اللہ تجھ سے سمجھے تو مجھے خدا کی نافرمانیوں کی طرف بھگائے لئے جارہا تھا۔ خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی برباد کیا۔ جسم بھی روح سے یہی کہتا ہے۔ زمین کے وہ تمام حصے جہاں یہ خدا کی معصیت کرتا تھا اس پر لعنت کرنے لگتے ہیں۔ شیطان لشکر دوڑتا ہوا شیطان کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے آج ایک کو جہنم میں پہنچا دیا۔ اس کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں دائیں میں گھس جاتی ہیں۔ کالے رنگ بنختی اونٹوں کے برابر اس کی قبر میں بھیجے جاتے ہیں جو اس کے کانوں اور اس کے پاؤں کے انگوٹھے سے اسے ڈسنا شروع کرتے ہیں اور اوپر چڑھتے آتے ہیں یہاں تک کہ وسط جسم میں مل جاتے ہیں۔ دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جن کی آنکھیں تیز بجلی جیسی جن کی آواز گرج جیسی جن کے دانت درندے جیسے جن کے سانس آگ کے شعلے جیسے جن کے بال پیروں کے نیچے تک جن کے دو مونڈھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے جن کے دل میں رحمت و رحم کا نام و نشان بھی نہیں جن کا نام ہی منکر نکیر ہے۔ جن کے ہاتھ میں لوہے کے اتنے بڑے ہتھوڑے ہیں جنہیں ربیعہ اور مضمل کر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اسے کہتے ہیں اٹھ بیٹھ۔ یہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے اور تہہ باندھنے کی جگہ اس کا کفن آپڑتا ہے۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ تیرا نبی کون ہے؟ یہ کہتا ہے مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہاں نہ تو نے معلوم کیا نہ تو نے پڑھا۔ پھر اس زور سے ہتھوڑا اسے مارتے ہیں کہ اس کے شرارے اس کی قبر کو پر کر دیتے ہیں۔ پھر لوٹ کر اس سے کہتے ہیں اپنے اوپر کو دیکھ یہ ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھتا ہے وہ کہتے ہیں واللہ اگر تو خدا کے فرماں بردار رہتا تو تیری یہ جگہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اب تو اسے وہ حسرت ہوتی ہے جو کبھی اس کے دل سے جدا نہیں ہونے کی۔ پھر وہ کہتے ہیں اب اپنے نیچے دیکھ۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک دروازہ جہنم کا کھلا ہوا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اے دشمن خدا۔ چوں کہ تو نے اللہ کی نامرضی کے کام کئے ہیں اب تیری جگہ یہ ہے۔ واللہ اس وقت اس کا دل رنج و افسوس سے بیٹھ جاتا ہے۔ جو صدمہ اسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اس وقت جو سرور و راحت اس کے دل کو ہوتی ہے وہ لازوال ہوتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے اب اپنے نیچے کی طرف دیکھ۔ یہ دیکھتا ہے کہ جہنم کا دروازہ کھلا ہوا ہے فرشتے کہتے ہیں دیکھ اس سے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے نجات بخشی۔ پھر تو اس کا دل اتنا خوش ہوتا ہے کہ یہ خوشی ابداً آباد تک ہتی نہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے لئے ستر دروازے جنت کے کھل جاتے ہیں۔ جہاں سے باد صبا کی لپٹیں خوشبو اور ٹھنڈک کے ساتھ آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اسے اللہ عز و جل اس کی اس خواب گاہ سے قیامت کے قائم ہو جانے پر اٹھائے۔ اسی اسناد سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ برے بندے کے لئے ملک الموت سے فرماتا ہے جا اور میرے اس دشمن کو لے آ۔ اسے میں نے روزی میں برکت دے رکھی تھی۔ اپنی نعمتیں عطا فرما رکھی تھیں۔ لیکن پھر بھی یہ میری نافرمانیوں سے نہ بچا۔ اسے لے آتا کہ میں اس سے انتقام لوں۔ اور اسی وقت حضرت ملک الموت علیہ السلام اس کے سامنے نہایت بد اور ڈراؤنی صورت میں آتے ہیں۔ ایسی کہ کسی نے اتنی بھیاں تک اور گھناؤنی صورت نہ دیکھی ہو۔ بارہ آنکھیں ہوتی ہیں جہنم کا خاردار لباس ساتھ ہوتا ہے۔ پانچ سو فرشتے جو جہنمی آگ کے انگارے اور آگ کے کوڑے اپنے ساتھ لئے ہوتے ہیں ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ملک الموت وہ خاردار کھال جو جہنم کی آگ کی ہے اس کے جسم پر مارتے ہیں، روئیں روئیں میں آگ کے کانٹے گھس جاتے ہیں۔ پھر اس طرح گھماتے ہیں کہ اس کا جوڑ جوڑ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ پھر اس کی روح اس کے پاؤں کے انگوٹھے سے کھینچتے ہیں اور اس کے گھٹنوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس وقت خدا کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے۔ پس ملک الموت اسے اٹھا لیتے ہیں۔ فرشتے اپنے جہنمی کوڑے اس کے چہرے پر اور پیٹھ پر مارتے ہیں پھر ملک الموت اسے دبوچتے ہیں اور اس کی روح اس کی ایڑیوں کی طرف سے کھینچتے ہیں اور اس کے گھٹنوں پر ڈال دیتے ہیں پھر اس کے تہ بند باندھنے کی جگہ پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ دشمن خدا اس وقت پھر بے تاب ہو جاتا ہے۔ فرشتہ موت پھر اس بے ہوشی کو اٹھا لیتا ہے اور فرشتے پھر اس کے چہرے اور کمر پر کوڑے برسائے لگتے ہیں۔ آخر یہاں تک کہ روح سینے پر چڑھ آتی ہے پھر حلق پر پہنچتی ہے پھر فرشتے اس جہنمی تانبے اور جہنمی انگاروں کو

میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ (معارف القرآن)

اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا ناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی، خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے جب خالق کائنات نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دیدی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

آخر آیت میں فرمایا **وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ**، یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کو تو کلمہ طیبہ اور قول ثابت پر ثابت قدم رکھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں قبر ہی سے ان کے لئے راحت کے سامان جمع ہو جاتے ہیں مگر ظالموں یعنی کفار و مشرکین کو یہ خداوندی نصرت و امداد نہیں ملتی، منکر نکیر کے سوالات کا صحیح جواب نہیں دے سکتے، اور انجام کار ابھی سے ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ قَفْ

اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو ☆

بے انصافوں سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں وہ دنیا میں بھی بچلے اور آخر تک بچتے رہیں گے۔ کبھی حقیقی کامیابی کا رستہ ہاتھ نہ لگے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ٧٧

اور کرتا ہے اللہ جو چاہے ☆

مشیتِ خداوندی

یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ۔ اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے کسی کو توفیق ایمان سے محروم رکھتا ہے کسی کو ایمان پر قائم

کبھی بھولنے کا نہیں۔ اس کے لئے مستتر دروازے جہنم کے کھل جاتے ہیں جہاں سے گرم ہوا اور بھاپ اسے ہمیشہ ہی آیا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ اٹھا بٹھائے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور یہ سیاق بھی بہت عجیب ہے اور اس کا راوی یزید رقاشی جو حضرت انسؓ کے نیچے کاراوی ہے اس کی غرائب و منکرات بہت ہیں اور ائمہ کے نزدیک وہ ضعیف الروایت ہے، واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

ابوداؤد میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی طلب کرو اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔ حافظ ابن مردویہ نے فرمان باری **وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الموتِ الخ** کی تفسیر میں ایک بہت لمبی حدیث وارد کی ہے، وہ بھی غرائب سے پر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قبر کا عذاب و ثواب قرآن و حدیث سے ثابت ہے

حدیث یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مومن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائیدر بانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی

يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ اتَّوَابُوا الْقَوْلَ الثَّابِتَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کا یہی مطلب ہے۔ (یہ روایت حدیث حضرت براء بن عازبؓ نے نقل فرمائی)۔ اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیر نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے منظوم رسالہ التعمیبات عند التبییت میں اور شرح الصدور میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ

سردارانِ قریش

اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤسائے قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ تھی یعنی حق تعالیٰ نے ان پر کیسے احسان کئے ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر علیہ السلام کو بھیجا، قرآن اتارا اپنے حرم اور بیت کا مجاور بنایا، عرب کی سرداری دی، انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ کیا کہ خدا کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے اس کی باتوں کو جھٹلایا اس کے پیغمبر سے لڑائی کی، آخر اپنی قوم کو لیکر تباہی کے گڑھے میں جا گئے۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ واللہ وہ کفار قریش تھے (یعنی کفار قریش آیت میں مراد ہیں) حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ (ناشکرے) قریش تھے اور اللہ کی نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ ابن جریر نے عطاء بن بسیر کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کی جنگ میں جو لوگ مکہ والوں میں سے مارے گئے وہ مراد ہیں اللہ نے ان کو پیدا کیا حرم کا ساکن بنایا جہاں ہر طرف سے پھل اور غلہ لایا جاتا تھا (اور چین کے ساتھ مکہ والے بیٹھے کھاتے تھے) اصحابِ فیل نے جب کعبہ پر چڑھائی کی تو اللہ نے ان کو مکہ والوں کی طرف سے دفع کیا ان کے لیے رزق کے دروازے کھول دیئے (شام و یمن کو) سردی و گرمی کے زمانہ میں سفر کرنے کا ان کو خوگر اور مانوس بنایا (تاکہ غلہ، پھل، کپڑا اور ہر ضرورت کی چیز ان کو بافراط مل سکے) اور انہی میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ آپ ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں ان کے عقائد و اخلاق کو پاکیزہ اور ستھرا بنائیں اور ان کو قرآن و حکمت کی تعلیم دیں اور تمام لوگوں کو ان کا تابع بنایا لیکن انہوں نے ان تمام نعمتوں کی ناشکری کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی پر قائم رہے۔ آخر قحط و سخت سالہ میں مبتلا ہوئے اور بدر کے دن قید بھی ہوئے اور مارے بھی گئے اور ذلیل بھی ہوئے اور مرتے دم تک اللہ کی مذکورہ نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

رکھتا ہے کسی کو قائم نہیں رکھتا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدم کو پیدا کیا، پیدا کرنے کے بعد ان کے دائیں شانہ پر ہاتھ مارا اور ان کی گوری نسل باہر آگئی۔ گویا (کثرت میں) وہ چھوٹی چیونٹوں کی طرح تھی اور بائیں شانہ پر ہاتھ مارا تو کالی نسل جیسے کونکہ باہر آگئی پھر اس نسل کے متعلق جو دائیں شانہ میں تھی فرمایا (یہ) جنت کی طرف (جانے والے ہیں) اور مجھے پروا نہیں اور اس نسل کے متعلق جو بائیں شانہ میں تھی فرمایا (یہ) دوزخ کی طرف (جانے والے ہیں) اور مجھے پروا نہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمام آسمان وزمین والوں کو اللہ عذاب دے تو وہ عذاب دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمائے گا تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے ان کے لئے بہتر ہوگی اگر (کوہ) احد کے برابر سونا تم راہ خدا میں دے دو تو جب تک تقدیر پر تمہارا ایمان نہ ہوگا اللہ اس کو قبول نہیں فرمائے گا اور جان لو کہ جو کچھ تم کو پہنچے گا وہ تم سے چوکنے والا نہیں اور جو کچھ نہیں پہنچے گا وہ کسی طرح پہنچنے والا نہیں۔ اگر اس کے خلاف عقیدہ پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی احادیث منقول ہیں۔ (رواہ احمد ابن ماجہ) (تفسیر مظہری)

وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ۔ ”یعنی اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے“ کوئی طاقت نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کو روک سکے۔

ضروری عقیدہ

حضرت ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ وغیرہ حضرات صحابہؓ نے فرمایا ہے کہ مؤمن کو اس کا اعتقاد لازم ہے کہ اس کو جو چیز حاصل ہوئی وہ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے حاصل ہوئی، اس کا نہ ملنا ناممکن تھا اسی طرح جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا حاصل ہونا ناممکن نہ تھا اور فرمایا کہ اگر تمہیں اس پر یقین و اعتماد نہ ہو تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

الْمُرْتَلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

تو نے نہ دیکھا ان کو جنہوں نے بدلہ کیا اللہ کے احسان کا

كُفْرًا وَ أَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۗ

ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں ☆

جَهَنَّمَ يَصَلُّونَهَا وَاَبْسَ الْقَرَارِ ۗ وَجَعَلُوا

جو دوزخ ہے داخل ہو گئے اس میں اور وہ برا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے

لِللَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ

اللہ کیلئے مقابلہ کہ بہکائیں لوگوں کو اس کی راہ سے ☆

(اگر شراب دین احمد میں حرام ہے تو) ہونے دو) مسیح بن مریم کے دین (یعنی عیسائیت) کے مطابق تم اس کو (حلال سمجھ کر) لے لو۔ اور اس کے ساتھیوں اور جانشینوں کے یہ مزے ایک ہزار مہینے تک رہے اس کے بعد ان میں سے کوئی نہیں بچا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ تَتَّبِعُوا فَإِنْ مَصِیْرُكُمْ إِلَى النَّارِ

تو کہہ مزا اڑالو پھر تم کو لوٹنا ہے طرف آگ کی ☆

عذاب کی دھمکی

یعنی بہتر ہے۔ بیوقوفوں کو جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑالو، مگر تانے کے آخر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کیونکہ اس مزے اڑانے کا یہ ہی نتیجہ ہوگا۔ گویا یہ جملہ ایسا ہوا جیسے ایک طبیب کسی بد پرہیز مریض کو خفا ہو کر کہے ”کل ماترید فان مصیرک الی الموت“ جو تیرا جی چاہے کھا کیونکہ ایک دن یہ مرض تیری جان لے کر رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

جہاں تک ممکن ہو آدمی اپنی نفسانی خواہشات سے بہرہ اندوز ہو۔ تمتعو اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن امر سے مراد حکم نہیں ہے بلکہ یہ ایک تہدید اور عذاب کی دھمکی ہے اور اس بات کی اطلاع ہے کہ تمہاری یہ گمراہیاں تم کو عذاب میں لے جائیں گی۔ اسی لئے امر کے بعد فرمایا کہ آخر تم کو دوزخ میں جانا ہے گویا دوزخ میں جانے کا تم کو حکم دے دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا

کہہ دے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں قائم رکھیں

الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً

پوشیدہ اور ظاہر ☆

اہل ایمان کو تنبیہ

کفار کے احوال ذکر کرنے کے بعد مومنین مخلصین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ پوری طرح بیدار رہیں، وظائف عبودیت میں ذرا فرق نہ آنے دیں، دل و جان سے خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کریں کہ وہ بھی

یعنی خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر منعم حقیقی کی شکرگزاری اور اطاعت شعاری میں لگتے، یہ تو نہ ہوا لٹے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے، خدا کے مقابل دوسری چیزیں کھڑی کر دیں جن پر خدائی اختیارات تقسیم کئے اور عبادت جو خدائے واحد کا حق تھا، وہ مختلف عنوانوں سے ان کے لئے ثابت کرنے لگے تا اس سلسلہ میں اپنے ساتھ دوسروں کی راہ ماریں اور انہیں بہکا کر اپنے دام سیادت میں پھنسائے رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

بنی مغیرہ اور بنی امیہ

ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المومنین آیت **الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا** میں کون لوگ مراد ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا قریش کے وہ دو (قبیلے) جو سب سے زیادہ بدکار تھے۔ بنی مغیرہ اور بنی امیہ۔ بنی مغیرہ کے شر سے تو بدر کی لڑائی میں تمہاری حفاظت ہو چکی (یعنی بدر میں ان کا زور ٹوٹ گیا) اور بنی امیہ کو ایک وقت تک مزے اڑانے کا موقع دیا گیا ہے۔ بغوی نے بھی اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے:

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے اسی طرح کا قول حضرت علیؓ کا بھی مختلف روایات سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسکو صحیح بھی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں بنی امیہ کو حالت کفر میں مزے اڑانے کو موقع دیا گیا۔ یہاں تک کہ ابوسفیان معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ مسلمان ہو گئے پھر یزید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اہل بیت کی دشمنی کا جھنڈا انہوں نے بلند کیا آخر حضرت حسینؓ کو ظلماً شہید کر دیا اور یزید نے دین محمدی کا ہی انکار کر دیا اور حضرت حسینؓ کو شہید کر چکا تو چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا آج میرے اسلاف ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے آل محمد اور بنی ہاشم سے ان کا کیسا بدلہ لیا۔ یزید نے جو اشعار کہے تھے ان میں آخری شعر یہ تھا:

ولست من جذب ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل احمد نے جو کچھ (ہمارے بزرگوں کے ساتھ بدر میں) کیا اگر احمد کی

اولاد سے میں نے اس کا انتقام نہ لیا تو میں بنی جنذب سے نہیں ہوں) یزید نے شراب کو بھی حلال قرار دیدیا تھا شراب کی تعریف میں چند شعر کہنے کے بعد آخری شعر میں اس نے کہا تھا:

فان حرمت یوماعلیٰ دین احمد فخذ ہاعلیٰ دین المسیح بن مریم

دلائل بھی بیان ہو گئے۔ ممکن ہے انہیں سن کر کوئی عاقل منصف شرمکيات سے باز آجائے یا عظمت و جبروت کے نشانات میں غور کر کے اس کی گرفت اور سزا سے ڈر جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَهُ يَوْمَ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا إِخْلَافٌ۔ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ اس میں نہ خرید و فروخت ہوگی (کہ کوئی قصور وار کوئی ایسی چیز خرید کر دیدے جو اس کے قصور کا بدلہ ہو سکے) اور نہ کوئی دوستی ہوگی (کہ دوست اپنے دوست کی سفارش کر کے بچالے)۔ (تفسیر مظہری)

اعلانیہ اور خفیہ عمل

بعض علماء نے فرمایا کہ زکوٰۃ فرض، صدقۃ الفطر وغیرہ اعلانیہ ہونے چاہئیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو، اور نفلی صدقہ خیرات کو پوشیدہ دینا بہتر ہے کہ نام و نمود کا خطرہ نہ رہے، اور اصل مداریت اور حالات پر ہے اگر اعلان و اظہار میں نام و نمود کا شائبہ آجائے تو صدقہ کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے خواہ فرض ہو یا نفل اور اگر نیت یہ ہو کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو تو فرض اور نفل دونوں میں اعلان و اظہار جائز ہے۔

”خُلَّةٌ“ کا معنی

مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَهُ يَوْمَ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا إِخْلَافٌ لفظ خلال، خلۃ کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنی بے غرض دوستی کے ہیں، اور اس لفظ کو باب مفاعلة کا مصدر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے قتال، دفاع وغیرہ اس صورت میں اس کے معنی دو شخصوں کے آپس میں دونوں طرف سے مخلصانہ دوستی کرنے کے ہوں گے، اس جملہ کا تعلق اوپر کے بیان کئے ہوئے دونوں حکم یعنی نماز اور صدقہ کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آج تو اللہ تعالیٰ نے طاقت، فرصت عطا فرما رکھی ہے کہ نماز ادا کریں اور اگر پچھلی عمر میں غفلت سے کوئی نماز رہ گئی ہے تو اس کی قضاء کریں اسی طرح آج مال تمہاری ملک اور قبضہ میں ہے اس کو اللہ کے لئے خرچ کر کے دائمی زندگی کا کام بنا سکتے ہو لیکن وہ دن قریب آنے والا ہے جب کہ یہ دونوں قوتیں اور قدرتیں تم سے لے لی جائیں گی نہ تمہارے بدن نماز پڑھنے کے قابل رہیں گے نہ تمہاری ملک اور قبضہ میں کوئی مال رہے گا جس سے ضائع شدہ حقوق کی ادائیگی کر سکو، اور اس دن میں کوئی بیع و شراء اور خرید و فروخت بھی نہ ہو سکے گی کہ آپ کوئی ایسی چیز خرید لیں جس کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا کفارہ کر سکیں، اور اس دن میں آپس کی دوستیاں اور تعلقات بھی کام

بہترین عبادت ہے۔ نمازوں کو ان کے حقوق و حدود کی رعایت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے رہیں۔ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا ایک حصہ خفیہ یا اعلانیہ مستحقین پر خرچ کریں۔ غرض کفار جو شرک اور کفرانِ نعمت پر تلے ہوئے ہیں ان کے بالمقابل مؤمنین کو جان و مال سے حق تعالیٰ کی طاعت و شکرگزاری میں مستعدی دکھانا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

بِئْرًا وَعَلَا بَيْعَةً (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ نمازیں قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر راہ خدا میں کچھ خرچ کریں۔ اہل ایمان کو خصوصی طور پر نماز پڑھنے اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی ہدایت کرنے کا حکم دیا اور مؤمنوں کو خاص طور پر عبادی فرمایا اور اپنے بندے قرار دیا اس سب سے مقصود اہل ایمان کی عزت افزائی ہے۔ اور اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اہل ایمان ہی حقیقتاً حقوقِ عبدیت کو ادا کرنے اور تعمیل احکام کرنے والے ہیں وہ امر کی تعمیل کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَهُ يَوْمَ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا إِخْلَافٌ

پہلے اس سے کہ آئے وہ دن جس میں نہ

فِيهِ وَلَا إِخْلَافٌ ﴿۳۱﴾

سودا ہے نہ دوستی ☆

قیامت میں پہلے نیکیاں کام آئیں گی

یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ نیکیاں اس دن کام آئیں گی، بیع و شراء یا محض دوستانہ تعلقات سے کام نہ نکلے گا۔ یعنی نہ وہاں نیک عمل کہیں سے خرید کر لاسکو گے نہ کوئی ایسا دوست بیٹھا ہے جو بدو ان ایمان و عمل صالح کے محض دوستانہ تعلقات کی بناء پر نجات کی ذمہ داری کر لے (رہے) پہلے کفار کی ناشکری کا ذکر تھا پھر مؤمنین کو مراسم طاعت کی اقامت کا حکم دیکر شکرگزاری کی طرف ابھارا۔ آگے چند عظیم الشان نعمائے الہیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر مؤمن و کافر کے حق میں عام ہیں، تا انہیں سن کر مؤمنین کو شکرگزاری کی مزید ترغیب ہو اور کفار بھی غور کریں۔ تو اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ کیسے بڑے منعم و محسن شہنشاہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت کے

سمندروں کی تسخیر

یعنی سمندر کی خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم جدھر چاہیں لئے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ ۝۳۷ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اور کام میں لگایا تمہارے ندیوں کو اور کام میں لگا دیا

الشَّمْسِ وَالْقَمَرَ دَايِبِينَ ۝۳۸ وَسَخَّرَ

تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر اور کام میں لگا دیا

لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۹

تمہارے رات اور دن کو ☆

یعنی ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہیں۔ سورج چاند کی تسخیر

اسی طرح چاند سورج جو ایک معین نظام اور ضابطہ کے موافق برابر چل رہے ہیں کبھی تھکتے نہیں نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ یارات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری ہوئی عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں یہ سب چیزیں گواہ معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت و تاثیر کو پھیر دو تاہم تم بہت سے تصرفات و تدابیر کر کے ان کے اثرات سے بی شمار فوائد حاصل کرتے ہو اور انسانی تصرف و تدبیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تم سوتے ہو وہ تمہارا کام کرتے ہیں تم چین سے بیٹھے ہو وہ تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسخر کر دینے کا مطلب

پھر فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ہی کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھرتے ہیں۔ لفظ سخر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا استعمال تمہارے لئے آسان کر دیا ہے لکڑی، لوہا اور ان سے کشتی جہاز

نہ آسکیں گے کوئی عزیز دوست کسی کے گناہوں کا بار نہ اٹھا سکے گا اور نہ اس کے عذاب کو کسی طرح ہٹا سکے گا۔

موت کا دن

”اس دن“ سے مراد بظاہر حشر و قیامت کا دن ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ موت کا دن ہو، کیونکہ یہ سب آثار موت ہی کے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں نہ بدن میں کسی عمل کی صلاحیت رہتی ہے نہ مال ہی اس کی ملک میں رہتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اور اتارا آسمان سے پانی ☆

پانی کا اتارنا

یعنی آسمان کی طرف سے پانی اتارا یا یہ مطلب ہو کہ بارش کے آنے میں بخارات وغیرہ ظاہری اسباب کے علاوہ غیر مرئی سماوی اسباب کو بھی دخل ہے۔ دیکھو آفتاب کی شعاعیں تمام اشیا کی طرح آتشیں شیشہ پر بھی پڑتی ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص ساخت اور استعداد کی بدولت انہی شعاعوں سے غیر مرئی طور پر اس درجہ حرارت کا استفادہ کرتا ہے جو دوسری چیزیں نہیں کرتیں۔ چاند سمندر سے کتنی دور ہے مگر اس کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر کے پانی میں جزر و مد پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بادل بھی کسی سماوی خزانہ سے غیر محسوس طریقہ پر مستفید ہوتا ہو تو انکار کی کوئی وجہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاخْرَجَ مِنْهُمُ الشُّجْرَةَ رِزْقًا لَّهُمْ

پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے ☆

جو ہر حیات

یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت و حکمت سے پانی میں ایک قوت رکھی جو درختوں اور کھیتوں کے نشوونما اور بار آور ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ اسی کے ذریعہ سے پھل اور میوے ہمیں کھانے کو ملتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۝۴۰

اور کہنے میں لگایا تمہارے کشتی کو کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے ☆

اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر وہ چیز دیدی جو مانگنے کے قابل ہے اگرچہ تم نے مانگا نہ ہو۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

وَآتَكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ

اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی ☆

تمام ضرورتوں کی کفالت

یعنی جو چیزیں تم نے زبانِ قال یا حال سے طلب کیں ان میں سے ہر چیز کا جس قدر حصہ حکمت و مصلحت کے موافق تھا مجموعی طور پر تم سب کو دیا۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے شاید مراد یہ ہے کہ تمہاری ضرورتوں کا جو تقاضا تھا اور تمہاری حاجتیں (فطری طور پر جس چیز کی خواہش مند تھیں وہ سب کچھ تم کو دیا خواہ زبان سے تم نے مانگا ہو یا نہ مانگا۔ لفظ کل کثرت کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے (استغراق حقیقی مراد نہیں ہے) جیسے محاورے میں بولا جاتا ہے۔ فلاں شخص سب کچھ جانتا ہے (یعنی بقدر ضرورت) اس کے پاس ہر شخص آگیا یعنی بہت آدمی آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَتَنَّا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ یعنی بہت چیزوں کے دروازے ہم نے ان پر کھول دیئے۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے

بے شمار نعمتیں

یعنی خدا کی نعمتیں اتنی بیشمار بلکہ غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب ملکر اجمالاً ہی گنتی شروع کرو تو تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس موقع پر امام رازیؒ نے نعمائے الہیہ کا بیشمار ہونا، اور علامہ ابوالسعود نے ان کا غیر متناہی ہونا ذرا سطر سے بیان فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے ان کے بیانات پر مفید اضافہ کیا۔ یہاں اس قدر تطویل کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو گے تو پوری گنتی نہیں کر سکتے یعنی ان کے انواع و اقسام کو بھی نہیں گن سکتے افراد کا تو ذکر ہی کیا ہے افراد نعمت تو ان گنت ہیں ان سب کا شکر ادا کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے لیکن اللہ نے اپنے کرم سے ادائے شکر نہ کر سکنے کے اقرار کو ہی اہل ایمان کے لئے شکر کے قائم مقام قرار دیدیا

بنانے کے اوزار و آلات اور ان سے صحیح کام لینے کی عقل و دانش یہ سب چیزیں اسی کی دی ہوئی ہیں اس لئے ان چیزوں کے موجود اس پرناز نہ کریں، کہ یہ ہم نے ایجاد کی یا بنائی ہے کیونکہ جن چیزوں سے ان میں کام لیا گیا ہے ان میں کوئی چیز بھی نہ تم نے پیدا کی ہے نہ کر سکتے ہو، خالق کائنات کی بنائی ہوئی لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل ہی میں تصرفات کر کے یہ ایجاد کا سہرا آپ نے اپنے سر لیا ہے، ورنہ حقیقت دیکھو تو خود آپ کا اپنا وجود اپنے ہاتھ پاؤں، اپنا دماغ اور عقل بھی تو آپ کی بنائی ہوئی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ یہ دونوں ہمیشہ ایک حالت پر چلتے ہی رہتے ہیں، دائبین، داب سے مشتق ہے، جس کے معنی عادت کے ہیں مراد یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں چلنا ان دونوں سیاروں کی عادت بنا دی گئی کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا مسخر کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمہارے حکم اور اشاروں پر چلا کریں۔ اگر شمس و قمر کو اس طرح انسان کا مسخر کر دیا جاتا کہ وہ انسانی حکم کے تابع چلا کرتے تو انسانوں کے باہمی اختلاف کا یہ نتیجہ ہوتا کہ ایک انسان کہتا کہ آج آفتاب دو گھنٹے بعد نکلے کیونکہ رات میں کام زیادہ ہے، دوسرا چاہتا کہ دو گھنٹے پہلے نکلے کہ دن کے کام زیادہ ہیں اس لئے رب العزت جل شانہ نے آسمان اور ستاروں کو انسان کا مسخر تو بنایا، مگر اس معنی سے مسخر کیا کہ وہ ہر وقت ہر حال میں حکمت خداوندی کے ماتحت انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں، یہ نہیں کہ ان کا طلوع و غروب اور رفتار انسان کی مرضی کے تابع ہو جائے۔

اسی طرح یہ ارشاد کہ ہم نے رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان دونوں کو انسان کی خدمت اور راحت کے کام میں لگا دیا۔

وَآتَكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ، یعنی اللہ تعالیٰ نے دیا تم کو ہر اس چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور بخشش کسی کے مانگنے پر موقوف نہیں، ہم نے تو اپنا وجود بھی نہیں مانگا تھا اسی نے اپنے فضل سے بے مانگے عطا فرمایا۔

مانبود یم و تقاضا مانبود لطف تو ناگفتہ مای شنود

اسی طرح آسمان، زمین، چاند، سورج وغیرہ پیدا کرنے کی دعا کس نے مانگی تھی، یہ سب کچھ مالک نے بے مانگے ہی دیا ہے، اسی لئے قاضی بیضاوی نے اس لفظ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ

زیادہ ہیں کہ بندے ان کی گنتی کر سکیں لوگوں کو صبح شام توبہ استغفار کرتے رہو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ خدایا تیرے ہی لئے سب حمد و ثنا سزاوار ہے۔ ہماری ثنائیں ناکافی ہیں۔ پوری اور بے پرواہ کرنے والی نہیں۔ خدایا تو معاف فرما۔

تین رجسٹر

بزار میں آپ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن انسان کے تین دیوان نکلیں گے ایک میں نیکیاں لکھی ہوئی ہوں گی، دوسرے میں گناہ ہوں گے، تیسرے میں خدا کی نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال سے لے لے۔ اس سے اس کے سارے ہی عمل ختم ہو جائیں گے۔ پھر بھی وہ یکسو ہو کر کہے گی کہ باری تعالیٰ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ خیال کیجئے ابھی گناہوں کا دیوان یونہی الگ تھلگ رکھا ہوا ہے اور تمام نعمتوں کا دیوان بھی یونہی رکھا ہوا ہے۔ اگر بندے پر خدا کا ارادہ رحم و کرم کا ہوا تو اب وہ اس کی نیکیاں بڑھادے گا اور اس کے گناہوں سے تجاوز کر جائیگا اور اس سے فرما دیگا کہ میں نے اپنی نعمتیں تجھے بغیر بدلے کے بخش دی۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ جل و علا سے دریافت کیا کہ میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ شکر کرنا خود بھی تو تیری ایک نعمت ہے۔ جواب ملا کہ داؤد اب تو شکر ادا کر چکا جبکہ تو نے یہ جان لیا اور اس کا اقرار کر لیا کہ تو میری نعمتوں کے شکر کی ادائیگی سے قاصر ہے۔

انسانوں کی ناشکری

آخر آیت میں فرمایا **إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ**، یعنی انسان بہت بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے۔ یعنی مقتضی انصاف کا تو یہ تھا کہ کوئی تکلیف و مصیبت پیش آئے تو صبر و سکون سے کام لے۔ زبان اور دل کو شکایت سے پاک رکھے اور سمجھے کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے ایک حاکم حکیم کی طرف سے آیا ہے وہ بھی مقتضائے حکمت ہونے کی بناء پر ایک نعمت ہی ہے اور جب کوئی راحت و نعمت ملے تو دل اور زبان ہر عمل سے اس کا شکر گزار ہو مگر عام انسانوں کی عادت اس سے مختلف ہے کہ ذرا مصیبت و تکلیف پیش آجائے تو بے صبری میں مبتلا ہو جائیں اور کہتے پھریں اور ذرا نعمت و دولت مل جائے تو اس میں مست ہو کر خدا تعالیٰ کو بھلا دیں اسی لئے مومنین مخلصین کی صفت پچھلی آیت میں صبار اور شکور بتلائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ہے اور جو لوگ شکر سے عاجزی کا اقرار کرتے ہیں ان کو اپنا شکر گزار بندہ فرمایا ہے اور جو لوگ شکر نہ کر سکنے کے باوجود اپنی عاجزی کا اقرار نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ۔ بیشک انسان بے صبرا ناشکرا ہے سختی اور مصیبت میں اللہ کا شکوہ کرتا اور بے صبری کا اظہار کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کا رب جواد ہے کریم ہے حکیم ہے یہ مصیبت بھی پر از مصلحت ہے تقاضائے حکمت ہے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں نہ آئے اور آسائش و نعمت ملتی ہے تو آدمی شکر ادا نہیں کرتا۔ ناشکرے کی ضد شکر گزار ہے ظاہر ہے کہ شکر اور عدم شکر باہم ضد ہیں اور بالواسطہ ظلم کی ضد کو صبر کہا جاتا ہے کیونکہ ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھ دینا مصیبت پر صبر کرنا پر محل ہے مصیبت کا تقاضا صبر ہے پس اگر مصیبت پر صبر نہ کیا جائے بے صبری کے ساتھ شکایت کرنے لگے تو یہ ظلم ہو جائے گا اسی وجہ سے آیت میں ظلموں سے مجازاً مراد ہے بے صبرا۔ بعض علماء نے کہا کہ انسان کو ظلم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کر کے آدمی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے دنیا اور آخرت میں مبتلائے عذاب ہو جانے کے اسباب فراہم کر دیتا ہے یا یوں کہو کہ شکر نعمت کو ترک کر کے آدمی اپنے نفس کو نعمت سے محروم کر دیتا ہے یہی اپنے نفس پر ظلم ہو یا یوں کہا جائے کہ ناشکرا آدمی نعمت پر ظلم کرتا ہے کہ اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ یا غیر منعم کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور منعم حقیقی کا شکر نہیں کرتا تو اس طرح شکر کا استعمال بے محل کرتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا میرے اور جن و انس کے معاملات عجیب ہیں۔ میں پیدا کرتا ہوں اور وہ دوسروں کو پوجتے ہیں، میں رزق دیتا ہوں اور وہ دوسروں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ رواہ الحاکم والبیہقی، عن ابی الدرداء۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر ☆

بے انصاف انسان

یعنی جنس انسان میں بہترے بے انصاف اور ناسپاس ہیں جو اتنے بیشمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔ (تفسیر عثمانی)

صبح شام استغفار

طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے ادا کر سکیں اور خدا کی نعمتیں اس سے بہت

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے ☆

قریشیوں کو نصیحت

رؤسائے قریش جن کی ناشکرگزاری اور شرک و کفر کا بیان اوپر
اَلَّذِي تَرَىٰ اِلَى الدِّينِ بَدَلًا لِّوَلَدِكَ اَللّٰهُ الْخَالِقُ الَّذِي تَرَىٰ اِلَى الدِّينِ
کا قصہ یاد دلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ تم جن کی اولاد ہو نیکی وجہ سے کعبہ اللہ
اور حرم شریف کے مجاور بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس کعبہ کی بنیاد خالص
توحید پر رکھی تھی، ان ہی کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے یہ شہر (مکہ)
آباد کیا اور پتھر لے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے ڈھیر
لگا دیے۔ وہ دنیا سے یہ ہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت
ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ اب تم کو سوچنا اور
شرمانا چاہئے کہ کہاں تک ان کی وصایا کا پاس کیا یا ان کی دعا سے حصہ پایا
اور کس حد تک خدا تعالیٰ کے احسانات پر شکر گزار ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ

اے رب کر دے اس شہر کو امن والا اور

اٰجِنْبِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۗ

دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو ☆

دُعَاۃ اِبْرٰهِيْمُ

یعنی مکہ کو "حرم امن" بنادے (چنانچہ خدا نے بنا دیا) نیز مجھ کو اور میری
اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" خاص صلبی اولاد
مراد ہے۔ سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اور اگر عام ذریت
مراد ہو تو کہا جائیگا کہ دعاء بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ
حضرت ابراہیم معصوم پیغمبر تھے مگر یہ دعا کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے
آدمی اپنے لئے دعا کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہیں
ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود ان کی پیدا کی ہوئی
نہیں بلکہ حق کی حفاظت و صیانت سے ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اسی کی
طرف التجاء کرتے ہیں۔ جو ان کی عصمت کا ضامن و کفیل ہوا ہے۔

(تنبیہ): حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک ابراہیم

علیہ السلام نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں۔ سورہ
بقرہ میں اول پارہ کے ختم پر جس دعا کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے
وقت حضرت اسمعیل علیہ السلام کی معیت میں ہوئی، یہ دعائیں اس
کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم نے اس جگہ مکہ سے خوف کو دور کرنے اور شہر
کو پر امن بنانے کی دعا کی اور آیت اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا میں یہ
درخواست کی کہ اس وادی کو امن کی بستی بنادے (یعنی یہاں وادی میں
ایک شہر بسادے جو پر امن ہو۔)

قرآن کا مقصد

اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قصص اور حالات کے بیان سے
قرآن کریم کا مقصد ان کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان میں انسانی زندگی
کے ہر شعبہ کے متعلق ہدایتی اصول ہوتے ہیں انہی کو جاری رکھنے کے لئے
یہ واقعات قرآن میں بار بار دہرائے جاتے ہیں۔

اولادِ اسماعیل

اللہ جل شانہ نے اپنے خلیل کی دعا قبول فرمائی ان کی اولاد شرک و بت
پرستی سے محفوظ رہی اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اہل مکہ تو عموماً اولاد ابراہیم
علیہ السلام ہیں ان میں تو بت پرستی موجود تھی، بحر محیط میں اس کا جواب
بحوالہ سفیان بن عیینہ یہ دیا ہے کہ اولاد اسمعیل علیہ السلام میں کسی نے
درحقیقت بت پرستی نہیں کی، بلکہ جس وقت مکہ پر قوم جرہم کے لوگوں نے
قبضہ کر کے اولاد اسمعیل علیہ السلام کو حرم سے نکال دیا، تو یہ لوگ حرم سے
انتہائی محبت و عظمت کی بناء پر یہاں کے کچھ پتھر اپنے ساتھ اٹھالے گئے
تھے ان کو حرم محترم اور بیت اللہ کی یادگار کے طور پر سامنے رکھ کر عبادت
اور اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے، جس میں کسی غیر اللہ کی طرف کوئی رخ
نہ تھا، بلکہ جس طرح بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یا بیت اللہ کے
گرد طواف کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے، اسی طرح وہ اس پتھر کی طرف
رخ اور اس کے گرد طواف کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منافی نہ سمجھتے تھے، اس
کے بعد یہی طریقہ کار بت پرستی کا سبب بن گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

سفیان بن عیینہ کی یہ تشریح قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنت و اجماع
کے بھی۔ خیر متواتر سے ثابت ہے کہ اللہ کی کتاب میں مشرکوں سے مراد اہل
مکہ (نسل اسماعیل) ہیں اور اللہ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے و قَالَ
الَّذِينَ اشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا

حکیمانہ دُعاء

دعا تو ہر انسان مانگتا ہے مگر مانگنے کا سلیقہ ہر ایک کو نہیں ہوتا انبیاء علیہم السلام کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے اس دعائے ابراہیمی کے دو جز ہیں ایک شہر مکہ کو خوف و خطر سے آزاد جائے امن بنا دینا، دوسرے اپنی اولاد کو بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانا۔

کامیابی کے دو بنیادی اصول

غور سے کام لیا جائے تو انسان کی صلاح و فلاح کے یہی دو بنیادی اصول ہیں، کیونکہ انسانوں کو اگر اپنے رہنے سہنے کی جگہ میں خوف و خطر اور دشمنوں کے حملوں سے امن و اطمینان نہ ہو تو نہ دنیوی اور مادی اعتبار سے ان کی زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے اور نہ دینی اور روحانی اعتبار سے، دنیا کے سارے کاموں اور راحتوں کا مدار تو امن و اطمینان پر ہونا ظاہر ہی ہے جو شخص دشمنوں کے زخموں اور مختلف قسم کے خطروں میں گھرا ہو اس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کھانے پینے ہونے جاگنے کی بہترین آسانیاں، اعلیٰ قسم کے محلات اور بنگلے، مال و دولت کی بہتات سب تلخ ہو جاتی ہیں۔

دینی اعتبار سے بھی ہر طاعت و عبادت اور احکام الہیہ کی تعمیل انسان اسی وقت کر سکتا ہے جب اس کو کچھ سکون و اطمینان نصیب ہو۔ اس لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پہلی دعا میں انسانی فلاح کی تمام ضروریات معاشی و اقتصادی اور دینی و اخروی سب داخل ہو گئیں اس ایک جملہ سے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیا کی تمام اہم چیزیں مانگ لیں۔

اولاد کی معاشی راحت

اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کی ہمدردی اور ان کی معاشی راحت کا انتظام بھی حسب قدرت باپ کے فرائض میں سے ہے، اس کی کوشش زہد اور ترک دنیا کے منافی نہیں۔

دوسری دعا میں بھی بڑی جامعیت ہے کیونکہ وہ گناہ جس کی مغفرت کا امکان نہیں، وہ شرک و بت پرستی ہے اس سے محفوظ رہنے کی دعا فرمادی، اس کے بعد اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اس کا کفارہ دوسرے اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی شفاعت سے بھی معاف کئے جاسکتے ہیں، اور اگر عبادت اصنام کے لفظ صوفیائے کرام کے اقوال کے مطابق اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے کہ ہر وہ چیز جو انسان

دونہ من شیء اس کے علاوہ بھی دوسری آیات سے (یہی) ثابت ہے (کہ اہل مکہ مشرک تھے اور ان کے باپ دادا بھی)۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

اے رب انہوں نے گمراہ کیا بہت لوگوں کو ☆

یعنی یہ پتھر کی مورتیاں بہت آدمیوں کی گمراہی کا سبب ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ

سو جس نے پیروی کی میری سو وہ تو میرا ہے اور جس نے

عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

میرا کہا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے ☆

ابراہیمی کون ہے

یعنی جس نے توحید خالص کا راستہ اختیار کیا اور میری بات مانی وہ میری جماعت میں شامل ہے۔ جس نے کہنا نہ مانا اور ہمارے راستہ سے علیحدہ ہو گیا تو آپ اپنی بخشش اور مہربانی سے اس کو توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو تو وہ ایمان لا کر اپنے کورحمت خصوصی اور نجات ابدی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کو قدرت ہے اسے بھی بحالت موجودہ بخش دیں گو آپ کی حکمت سے اس کا وقوع نہ ہو۔

تنبیہ:- سورہ مائدہ کے آخر میں ہم نے حضرت خلیل کے اس قول اور مسیح علیہ السلام کے مقولے میں فرق بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرک کیلئے رزق کی دُعاء

اس دعا میں صرف اہل ایمان کو رزق عطا کرنے کی دعا اس لئے کی کہ مشرک کے غیر مغفور ہونے کی صراحت سے آپ کو خیال پیدا ہو گیا کہ مشرک سے اللہ دنیا میں بھی انتقام لے گا اور اپنے پیدا کیے ہوئے پھلوں سے محروم رکھے گا۔ (چونکہ یہ خیال غلط تھا اس لئے اس کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاَمْتَعْنَاهُ الْخَيْرَ وَجُودًا كَرِيْمًا (بقدر مدت زندگی) میں بہرہ اندوز رکھوں گا، پھر اس کو عذاب دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جاؤں گا (یعنی کافروں کو دنیوی نعمتوں سے محروم نہیں رکھوں گا۔ ہاں آخرت میں اس کی مغفرت نہ ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

علیہ السلام نے مڑ کر جواب دیا کہ ہاں، حضرت ہاجرہ نے یہ سن کر فرمایا
اذا لا یضیعنا ”یعنی اب کوئی پرواہ نہیں“۔ جس مالک نے آپ
کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ایک
پہاڑی کے پیچھے پہنچ گئے جہاں ہاجرہ واسمعیل علیہما السلام آنکھوں سے
اوجھل ہو گئے، تو اس وقت بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا مانگی جو اس
آیت میں مذکور ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ دعا کے ضمن میں
بہت سی ہدایات اور مسائل ہیں، ان کا بیان یہ ہے:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طرف تو مقام خلیل اللہ
کا حق ادا کیا کہ جس وقت اور جس جگہ ان کو یہ حکم ملا کہ آپ ملک شام واپس چلے
جائیں، اس بے آب و گیاہ لوق و دوق میدان میں اہلیہ اور شیر خوار بچے کو چھوڑ
کر چلے جانے اور حکم ربانی کی تعمیل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں فرمائی۔ اس
کی تعمیل میں اتنی دیر لگانا بھی گوارا نہیں فرمایا کہ اہلیہ محترمہ کے پاس جا کر تسلی
کر دیں، اور کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم ملا ہے آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ جس وقت جس
جگہ حکم ملا فوراً حکم ربانی کی تعمیل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي

اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم گھر

الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

کے پاس اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو

فَأَجْعَلْ آفِيَّةً مِنَ النَّاسِ

سورکھ بعضے لوگوں کے دل کہ

تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَأَرْزُقْهُمْ مِنْ

مال ہوں ان کی طرف اور روزی دے ان کو

الشَّمْرِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۱۷﴾

میووں سے شاید وہ شکر کریں ☆

کو اللہ سے غافل کرے وہ اس کا بت ہے۔ اور اس کی محبت سے
مغلوب ہو کر خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اقدام کر لینا ایک طرح سے اس
کی عبادت ہے تو اس دعا یعنی عبادت اصنام سے محفوظ رہنے میں تمام
گناہوں سے حفاظت کا مضمون آجاتا ہے بعض صوفیاء کرام نے اس
معنی میں اپنے نفس کو خطاب کر کے غفلت و معصیت پر ملامت کی ہے
سودہ گشت از جدہ راہ بتاں پیشانیم چند بر خود تہمت دین مسلمانی ہم
اور عارف روئی نے فرمایا ہے ۔

ہر خیال شہوتے در رہتے ست

(معارف القرآن)

حضرت ہاجرہ اور اسمعیلؑ کو مکہ میں ٹھہرانے کا واقعہ

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کا واقعہ یہ ہے کہ بیت اللہ
شریف کی تعمیر جو طوفان نوح میں بے نشان ہو گئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اس کی
دوبارہ تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو اس کے لئے منتخب
فرما کر ان کو ملک شام سے ہجرت کر کے حضرت ہاجرہ اور صاحبزادے اسمعیل
علیہ السلام کے ساتھ اس بے آب و گیاہ مقام کو مسکن بنانے کے لئے مامور
فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اسمعیل علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچے تھے،
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسب حکم ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہ کو موجودہ
بیت اللہ اور چاہ زمزم کے قریب ٹھہرا دیا اس وقت یہ جگہ پہاڑوں سے گھری
ہوئی ایک چشیل میدان تھی دور دور تک نہ پانی نہ آبادی، ابراہیم علیہ السلام نے
ان کے لئے ایک توشہ دان میں کچھ کھانا اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا تھا۔ اس
کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک شام کی طرف واپس ہونے کا حکم ملا،
جس جگہ حکم ملا تھا وہیں سے تعمیل حکم کے لئے روانہ ہو گئے، بیوی اور شیر خوار بچہ
کو اس لوق و دوق جنگل میں چھوڑنے کا جو طبعی اور فطری اثر تھا اس کا اظہار تو اس
دعا سے ہو گا جو بعد میں کی گئی مگر حکم ربانی کی تعمیل میں اتنی دیر بھی گوارا نہیں
فرمائی کہ حضرت ہاجرہ کو خبر دیدیں اور کچھ تسلی کے الفاظ کہہ دیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت ہاجرہ نے ان کو جاتے ہوئے دیکھا
تو بار بار آوازیں دیں کہ اس جنگل میں آپ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے
ہیں جہاں نہ کوئی انسان ہے نہ زندگی کا سامان مگر خلیل اللہ نے مڑ کر نہیں
دیکھا تب حضرت ہاجرہ کو خیال آیا کہ اللہ کا خلیل ایسی بے وفائی نہیں
کر سکتا، شاید اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ملا ہے تو آواز دے کر پوچھا کہ کیا آپ
کو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا ہے تب حضرت ابراہیم

مکہ کی حرمت

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ، تیرے ممنوعہ گھر کے پاس، بیت اللہ سے مراد وہ بیت اللہ ہے جو طوفان نوح سے پہلے موجود تھا۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جس روز آسمان وزمین بنائے (اسی روز) اس شہر کو باحرمت (ممنوعہ) قرار دے دیا۔ پس روز قیامت تک اللہ کی عطا کی ہوئی حرمت کی وجہ سے یہ (شہر) ممنوعہ (باحرمت) رہے گا یہاں کسی کے لئے لڑنا حلال نہیں اور ایک ساعت سے زیادہ میرے لئے بھی یہاں قتال جائز نہیں۔ روز قیامت تک خدا داد حرمت کی وجہ سے یہ باحرمت (ممنوعہ) رہے گا۔ یہاں کانٹے یعنی جھاڑیاں (بھی) نہ کاٹے جائیں نہ یہاں کے شکار کو (بھگا کر) باہر نکالا جائے نہ یہاں گری پڑی چیز کوئی اٹھائے سوائے اس غرض کے کہ اس چیز کی شناخت کرانی ہو (کہ شناخت کر کے اس کا مالک لے لے) نہ یہاں کی گھاس کاٹی جائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اذخر، (مرچیا گند) اس سے مستثنیٰ کر دیجئے یہ لوہاروں کے اور مکہ والوں کے گھروں کے کام میں آتی ہے۔ فرمایا اذخر مستثنیٰ ہے۔ (متفق علیہ) (رواہ ابن عباس)

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہن

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید کے سلسلہ سے حسب ذیل روایت کی ہے۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کی بی بی تھیں مدت تک حضرت کے پاس رہیں لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمعیل پیدا ہو گئے تو حضرت سارہ کو جذبہ رقابت نے ابھارا اور آپ کے دل میں کچھ احساس افسردگی و انتقام پیدا ہو گیا اور انہوں نے قسم کھالی کہ ہاجرہ کے تینوں ناک کان کاٹیں گی (تاکہ بد صورت ہو جائیں اور حضرت ابراہیم کو ان سے نفرت ہو جائے) حضرت ابراہیم نے فرمایا کیا تم اپنی قسم پوری کرنی چاہتی ہو۔ حضرت سارہ نے عرض کیا میں کیا کروں (میری قسم پوری ہونے کی کیا صورت ہو؟) حضرت ابراہیم نے فرمایا ہاجرہ کے کانوں میں سوراخ کر دو اور اس کا ختنہ کر دو۔ حضرت سارہ نے ایسا ہی کیا حضرت ہاجرہ نے کان چھدنے کے بعد دو بالیاں کانوں میں پہن لیں۔ اس سے ان کا حسن اور بڑھ گیا حضرت سارہ بولیں اس سے تو میں نے اس کے حسن میں اور اضافہ کر دیا غرض حضرت سارہ نے پسند نہیں کیا کہ حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ کے ساتھ رہیں۔

تعمیر کعبہ

یعنی اسمعیل علیہ السلام کو، کیونکہ دوسری اولاد حضرت اسحاق وغیرہ "شام" میں تھے خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرت اسمعیل کو بحالت شیر خوارگی اور ان کی والدہ ہاجرہ کو یہاں چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بعدہ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں پہنچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل کی تشنگی اور ہاجرہ کی بیتابی کو دیکھ کر فرشتے کے ذریعہ سے وہاں "زمزم" کا چشمہ جاری کر دیا۔ جرہم کے خانہ بدوش لوگ پانی دیکھ کر اتر پڑے اور ہاجرہ کی اجازت سے وہیں بسنے لگے اسمعیل علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے ایک بستی آباد ہو گئی، حضرت ابراہیم گاہ بگاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے کہ خداوند! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تا یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دلجمعی کیلئے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے گزر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکرگزاری میں لگے رہیں۔ حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔ آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق و مغرب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو۔ حالانکہ خود مکہ میں ایک بھی شمر دار درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں "أَفِيْدَةَ قَمْنِ النَّائِسِ" (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا ورنہ سارا جہان ٹوٹ پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

بے آب و گیاہ وادی

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ۔ ایسے وادی میں جہاں کھیتی نہیں ہے لغت میں وادی پہاڑی نالے کو کہتے ہیں پھر (توسیع استعمال کے بعد) چند پہاڑوں یا ریت کے ٹیلوں کے درمیانی میدان پر اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا مکہ کی بستی بھی ایسے ہی میدان میں تھی جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ چونکہ یہ وادی پتھر یا علاقہ تھا ناقابل روئیدگی تھا اس لئے اس کو غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ فرمایا۔

نطاق کا استعمال

بخاری نے صحیح میں اور بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے نطاق حضرت ہاجرہؓ نے اس غرض سے پہنا کہ قدموں کے نشانوں کو پیچھے نطاق کا سر امانا چلے اور حضرت سارہ کو ان کا نشان قدم معلوم نہ ہو (عرب کی عورتوں نے نطاق کا استعمال حضرت ہاجرہ سے ہی سیکھا تھا۔)

مکہ میں پہنچنا

غرض حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور ان کے لڑکے اسماعیلؑ کو لے کر بیت اللہ کے پاس پہنچے اور مسجد سے بالائی مقام پر زمزم کے اوپر ایک بڑے درخت کے پاس دونوں کو بٹھایا۔ حضرت اسماعیلؑ (ان دنوں) شیر خوار تھے، حضرت ہاجرہ کا دودھ پیتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک خورجین جس میں چھوڑے تھے اور ایک مشکیزہ پانی سے بھرا ہوا حضرت ہاجرہ کے پاس رکھ دیا پھر لوٹ پڑے، حضرت ہاجرہ نے پیچھا کیا اور کہا ابراہیمؑ آپ ہم کو اس ویران وادی میں (جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کچھ اور چیز) چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ہاجرہ نے یہ بات کہی مگر حضرت ابراہیمؑ نے منہ پھیر کر نہیں دیکھا۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ چل دیئے، جب ہاجرہ کی نظر سے غائب ہو گئے تو کعبے کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا کی

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ

پانی کا ختم ہونا

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ مشکیزہ کا پانی پیتی رہی اور بچہ کو دودھ پلاتی رہی یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا اور پیاس لگی اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا تو چل دیں بچہ کی طرف نظر اٹھائی تو بچہ اپنی زبان منہ میں گھما رہا تھا یہ منظر دیکھ کر (بے تاب ہو گئیں اور) نظر پھیر لی اور چل کر کوہ صفا پر پہنچ گئیں۔ وہاں سے قریب ترین پہاڑ صفا ہی تھا۔ صفا پر چڑھ کر اوپر کھڑی ہو کر وادی کی طرف دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اتر کر وادی میں پہنچیں اور قوت کے ساتھ دوڑنے والے آدمی کی طرح کرتہ کا دامن اوپر کواٹھا کر دوڑ کر وادی سے گزر کر مروہ پہاڑی پر پہنچیں اور ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ

کوئی نظر پڑ جائے لیکن کوئی دکھائی نہ دیا اس طرح سات بار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی لئے (حاجی) لوگ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں آخر (مرتبہ) جب مروہ پر پہنچیں تو ایک آواز سنی اور خود اپنے آپ سے کہنے لگیں چپ۔ پھر کان لگا کر سنا تو پھر آواز سنائی دی۔ کہنے لگیں میں نے آواز تو سنی لی اگر تیرے پاس کچھ مدد کا سامان ہو (تو، لا) زمزم کا چشمہ

اچانک زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ نمودار ہوا اور زمین کو ایڑی یا پد مار کر اس نے کھودا فوراً پانی نکل آیا حضرت ہاجرہ پانی کا گھیرا بنا لگیں اور اپنے ہاتھ سے چلو بنا کر پانی لے کر مشکیزہ میں بھر لگیں جو نہی چلو بھر کر اٹھاتی تھیں پانی اور ابل آتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسماعیلؑ کی والدہ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ زمزم کو یونہی رہنے دیتیں یا یہ فرمایا کہ اگر وہ چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ ہو جاتا غرض حضرت ہاجرہ نے خود پانی پیا اور اپنے بچہ کو دودھ بھی پلایا فرشتہ نے کہا تم ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے یہ لڑکا اور اس کے والد اللہ کے گھر کی تعمیر کریں گے اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ کعبہ اس زمانہ میں ٹیلہ کی شکل پر زمین سے کچھ اونچا تھا۔ سیلاب آ کر اس کے دائیں بائیں کناروں کو کاٹ کر لے جاتا تھا۔ حضرت ہاجرہ اسی حالت میں رہتی رہیں۔

بنی جرہم

آخر بنی جرہم کا ایک قافلہ ادھر سے گزرا اور آ کر مکہ سے نشیبی مقام پر اس نے پڑاؤ ڈالا۔ قافلہ والوں نے دیکھا کہ کچھ پرندے پانی کے اوپر اڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے یہ پرندے یقیناً پانی پر گھوم رہے ہیں لیکن ہم تو اس وادی سے پہلے گزر چکے ہیں یہاں تو پہلے کوئی پانی نہ تھا کچھ لوگوں کو (تفتیش احوال کے لئے) بھیجا انہوں نے جا کر دیکھا تو پانی موجود پایا۔ لوٹ کر آئے اور ساتھیوں کو اطلاع دیدی اس کے بعد قافلہ والوں نے آ کر حضرت اسماعیلؑ کی والدہ سے گزارش کی کہ ہم کو اپنے پاس رہنے کی آپ اجازت دیدیں حضرت ہاجرہ نے فرمایا اچھا لیکن پانی پر تمہارا کوئی (مالکانہ) حق نہ ہوگا۔ قافلے والوں نے اس کا اقرار کر لیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسماعیلؑ کی والدہ انس کی طالب تھیں (تنہائی کی وحشت

بیت اللہ کی پہلی تعمیر

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ سے ثابت ہوا کہ بیت اللہ شریف کی بناء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہو چکی تھی جیسا کہ امام قرطبی نے تفسیر سورہ بقرہ میں متعدد روایات سے ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر آدم علیہ السلام نے کی ہے جب ان کو زمین پر اتارا گیا، تو بطور معجزہ جبل سراندیپ سے اس جگہ تک ان کو پہنچایا گیا، اور جبرئیل امین نے بیت اللہ کی جگہ نشاندہی بھی کی، اس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی، وہ خود اور ان کی اولاد اس کے گرد طواف کرتے تھے، یہاں تک کہ طوفان نوح میں بیت اللہ کو اٹھا لیا گیا اور اس کی بنیادیں زمین میں موجود رہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی نئی تعمیر کا حکم ملا، حضرت جبرئیل امین نے قدیم بنیادوں کی نشان دہی کی، پھر یہ بنا ابراہیمی عہد جاہلیت عرب میں منہدم ہو گئی تو قریش جاہلیت نے از سر نو تعمیر کی، جس کی تعمیر میں ابوطالب کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نبوت سے پہلے حصہ لیا۔ اس میں بیت اللہ کی صفت مُحَرَّم کی گئی ہے محرم کے معنی معزز کے بھی ہو سکتے ہیں اور محفوظ کے بھی، بیت اللہ شریف میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں، کہ ہمیشہ معزز اور مکرم رہا ہے اور ہمیشہ دشمنوں سے محفوظ بھی رہا ہے۔

نماز کی پابندی

لِيَقِيَهُمُ الصَّلَاةَ، حضرت خلیل نے شروع دعا میں اپنے بچے اور اس کی والدہ کی بے بسی اور خستہ حالی ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے جو دعا کی وہ یہ کہ ان کو نماز کا پابند بنا دے کیونکہ نماز دنیا و آخرت کی تمام خیرات و برکات کے لئے جامع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے حق میں اس سے بڑی کوئی ہمدردی اور خیر خواہی نہیں کہ ان کو نماز کا پابند بنا دیا جائے۔ اور اگرچہ وہاں اس وقت صرف ایک عورت اور بچہ کو چھوڑا تھا، مگر دعا میں صیغہ جمع کا استعمال فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہاں شہر آباد ہوگا اور اس بچہ کی نسل چلے گی، اس لئے دعا میں ان سب کو شریک کر لیا۔

نکتہ:- فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً قَمِينَ النَّاسِ، افئدة، نواد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں اس جگہ لفظ افئدہ کو نکرہ اور اس کے ساتھ حرف من لایا گیا، جو بعض اور تقلیل کے لئے آتا ہے اس لئے معنی یہ ہوئے کہ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے، امام تفسیر حضرت مجاہد فرماتے

دور کرنا چاہتی تھیں) پانی پر قبضہ انہی کا رہا قافلہ والوں نے اپنے متعلقین کو بھی بلوایا اور سب وہیں مقیم ہو گئے رفتہ رفتہ بہت خاندان بن گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی

اسماعیل بھی جوان ہو گئے بنی جرہم سے عربی بھی انہوں نے سیکھ لی اور جوان ہونے کے بعد سب کے محبوب بن گئے۔ بنی جرہم نے اپنی ہی ایک عورت سے ان کا نکاح بھی کر دیا اور اسماعیل کی والدہ کی وفات بھی ہو گئی۔ حضرت اسماعیل کا نکاح ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی دعا کی) برکت کا معائنہ کرنے کیلئے تشریف لائے۔ باقی حصہ ہم نے سورت بقرہ کی آیت وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَاتِلِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلِّیًّا کی تفسیر کے ذیل میں نقل کر دیا ہے۔

پیغمبرانہ استقامت

دوسری طرف اہل وعیال کے حقوق اور ان کی محبت کا یہ حق ادا کیا کہ پہاڑی کے پیچھے ان سے اوجھل ہوتے ہی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حفاظت اور امن و اطمینان کے ساتھ رہنے کی دعا فرمائی، ان کی راحت کا سامان کر دیا، کیونکہ وہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ تعمیل حکم کے ساتھ جو دعا کی جائے گی بارگاہ کریم سے وہ ہرگز رد نہ ہوگی اور ایسا ہی ہوا کہ یہ پیکس و بے بس عورت اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل میں ایک شہر آباد ہو گیا اور نہ صرف یہ کہ ان کو ضروریات زندگی اطمینان کے ساتھ نصیب ہوئیں بلکہ ان کے طفیل میں آج تک اہل مکہ پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ہے پیغمبرانہ استقامت اور حسن انتظام، کہ ایک پہلو کی رعایت کے وقت دوسرا پہلو کبھی نظر انداز نہیں ہوتا، وہ عام صوفیائے کرام کی طرح مغلوب الحال نہیں ہوتے اور یہی وہ تعلیم ہے جس کے ذریعہ ایک انسان انسان کامل بنتا ہے۔

غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کو اس خشک میدان میں چھوڑ کر ملک شام چلے جائیں تو اسی حکم سے اتنا تو یقین ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہ فرماویں گے بلکہ ان کیلئے پانی ضرور مہیا کیا جائے گا۔ اس لئے بواد غیر ذی ماء نہیں کہا، بلکہ غیر ذی زرع فرما کر درخواست یہ کی کہ ان کو پھل اور ثمرات عطا ہوں خواہ کسی دوسری جگہ ہی سے لائے جائیں، یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں آج تک بھی کاشت کا کوئی خاص انتظام نہیں، مگر دنیا بھر کے پھل اور ہر چیز کے ثمرات وہاں اتنے پہنچتے ہیں کہ دوسرے بہت سے شہروں میں ان کا ملنا مشکل ہے۔ (بحر محیط)

اسمعیل واسحق کی ولادت

یعنی بڑھاپے میں اسحق سارہ کے اور اسمعیل ہاجرہ کے لطن سے غیر متوقع طور پر عنایت کئے۔ جیسے آپ نے اولاد کے متعلق میری دعا ”رب ہب لی من الصالحین۔ سنی یہ دعائیں بھی قبول فرمائیے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلٰى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ تَعْرِيفُ هُوَ اس اللہ کو جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھ کو اسمعیل واسحق (دونوں بچے) عطا فرمائے۔ یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میں مایوس ہو گیا تھا ایسی حالت میں اللہ نے اولاد عطا فرمائی یہ اللہ کی عظیم الشان نعمت اور شان قدرت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ننانوے سال کی تھی تو حضرت اسمعیلؑ پیدا ہوئے اور ایک سو بارہ سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ کی ولادت ہوئی۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایک سو سترہ سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۃِ مِرَابِ دَعَا كُوخِبِ سَنَةِ وَالَا هُوَ يَعْنِي دَعَا قَبُوْل كَرْنِ وَالَا هُوَ سَمِعَ الْمَلِكُ الْكَلَامِ بَادِشَاهِ نَبَاتِ سَنَ لِيْ يَعْنِي بَاتِ كَاثَرِ لِيَا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی اور اولاد ہونے کی درخواست کی تھی اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ناامیدی کی حالت میں زینہ اولاد عطا کی۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقْبِلَ الصَّلٰوةِ

اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ

اور میری اولاد میں سے بھی

یعنی میری ذریت میں ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۃٖ

اے رب میرے اور قبول کر میری دعا ☆

یعنی میری سب دعائیں قبول فرمائیے۔ (تفسیر عثمانی)
دُعَاۃٖ كِيْ اِهْمِيْتِ

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۃٖ اے میرے رب اور میری دعا (یا عبادت) قبول فرما

ہیں کہ اگر اس دعا میں یہ حرف تبجیض و تقلیل نہ ہوتا بلکہ افئدة الناس کہہ دیا جاتا تو ساری دنیا کے مسلم و غیر مسلم یہود و نصاریٰ اور مشرق و مغرب کے سب آدمی مکہ پر ٹوٹ پڑتے جو ان کے لئے باعث زحمت ہو جاتا، اس حقیقت کے پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یہ الفاظ فرمائے کہ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے۔

پھل :- وَاَنْزَلْنَاهُمْ مِّنَ الشَّجَرِ ثَمْرَاتٍ، ثمرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھل، اور عادتاً ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جو کھائے جاتے ہیں اس اعتبار سے دعا کا حاصل یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو کھانے کیلئے ہر طرح کے پھل عطا فرمائیے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نَخْفِيْ وَمَا نَعْلِنُ

اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر

وَمَا يَخْفَىٰ عَلٰى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ

زمین میں نہ آسمان میں ☆

یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہمارا ظاہر و باطن کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یہ جو فرمایا ”جو ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کرتے ہیں دکھا کر“ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں لیکن تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ الفاظ عام ہیں جو سب کھلی چھپی چیزوں کو شامل ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر میں دعا کی سب اولاد کے واسطے اور دل میں دعا منظور تھی پیغمبر آخر الزمان کی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلٰى

شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی

الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ

بڑی عمر میں اسمعیل اور اسحق بیشک

رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۃِ

میرا رب سنتا ہے دعا کو ☆

بھی لیا جائے تو اس کے لئے دعا مغفرت کی وجہ خود ہی اللہ نے بیان فرمادی ہے کہ ابراہیمؑ نے باپ کے لئے دعا مغفرت صرف اس وعدہ کی وجہ سے کی تھی کہ اس سے وعدہ کر لیا تھا لیکن جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے اور بیزاری کا اظہار کر دیا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے - **وَكَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰبٖهِ الْاٰعَنَ مَوْعِدًا وَعَدَهَا اٰيٰةً فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَيَّرَ بِاٰمِنَتِهٖ** (تفسیر مظہری)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا

اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں

يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ

سے جو کرتے ہیں بے انصاف ☆

ظالم عاقل نہ ہوں

ایک رکوع پہلے بہت سے نعمائے عظیمہ کا ذکر کر کے فرمایا تھا۔ **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمًا كَفّٰرًا** (انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے۔) بعدہ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنا کر کفار مکہ کو بعض خصوصی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور ان کے ظلم و شرک کی طرف اشارہ کیا۔ اس رکوع میں متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو سزا ملنے میں کچھ دیر ہو تو یہ مت سمجھو کہ خدا ان کی حرکات سے بے خبر ہے، یاد رکھو ان کا کوئی چھوٹا بڑا کام خدا سے پوشیدہ نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فوراً پکڑ کر تباہ کر دے۔ وہ بڑے سے بڑے ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یا اپنے جرائم سے باز آجائے یا ارتکاب جرائم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ قانونی حیثیت سے اس کے مستحق سزا ہونے میں کسی طرح کا خفا باقی نہ رہے۔

آیت کا مخاطب کون ہے

(تنبیہ): "لا تحسبن" کا خطاب ہر اس شخص کو ہے جسے ایسا خیال گزر سکتا ہو اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے تو آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہوگا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ایسا خیال مت کرو۔ حالانکہ ایسا خیال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی نہ آسکتا تھا تو دوسروں کے حق میں اس طرح کا خیال کس قدر واجب الاحتراز ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے امام احمد نے اور بخاری نے الادب میں اور چاروں اصحاب السنن نے اور ابن حبان نے اور حاکم نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا (سے مراد) ہی عبادت ہے۔ ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْ وَ

اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۴۱

سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب ☆

والد کیلئے دُعاء

یہ دعا غالباً اپنے والد کے حالت کفر پر مرنے کی خبر موصول ہونے سے پہلے کی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے اسلام کی ہدایت کر کے قیامت کے دن مغفرت کا مستحق بنا دے۔ اور اگر مرنے کی خبر ملنے کے بعد دعا کی ہے تو شاید اس وقت تک خدا تعالیٰ نے آپ کو مطلع نہیں کیا ہوگا کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی۔ عقلاً کافر کی مغفرت محال نہیں سمعاً ممتنع ہے۔ سو اس کا علم سمع پر موقوف ہوگا اور قبل از سمع امکان عقلی معتبر رہے گا۔ بعض شیعہ نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو جو کافر کہا گیا ہے وہ ان کے حقیقی باپ نہ تھے بلکہ چچا وغیرہ کوئی دوسرے خاندان کے بڑے تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْ۔ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والدین مسلمان تھے۔ آذر آپ کا چچا تھا اور تاریخ آپ کے باپ کا نام تھا۔ تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ چونکہ اب کا لفظ چچا کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس لئے اگر والدی کی جگہ ابوی کا لفظ استعمال کیا جاتا تو خیال ہو سکتا کہ شاید حضرت نے آذر کے لئے بھی دعا مغفرت کی تھی باوجودیکہ آذر مشرک تھا اور مشرک ناقابل مغفرت ہے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے والدی فرمایا یعنی حقیقی ماں اور حقیقی باپ۔ اور بالفرض اگر آذر کو (حقیقی) باپ مان

اور بہتری کی توقع سے یکسر خالی اور فرط دہشت و خوف سے اڑے جا رہے ہوں گے۔ غرض ظالموں کے لئے وہ سخت حسرتناک وقت ہوگا۔ رہے مومنین قانتین، سوان کے حق میں دوسری جگہ آچکا ہے۔ ”لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ“ (الانبیاء رکوع ۷) وافلتهم هو آء۔ اور ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے۔ یعنی انتہائی دہشت اور حیرت کی وجہ سے ان کے دل فہم و عقل سے خالی ہو جائیں گے۔ احمق آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے: قلبہ ہوا اس کا دل (فہم سمجھ اور قوت سے) خالی ہے (مطلب یہ کہ اس کا دماغ کھوکھلا ہے) قتادہ نے کہا ان کے دل سینوں سے نکلنے لگیں گے اور حلق میں آکر ٹنگ جائیں گے نہ منہ سے باہر آئیں گے نہ اپنی جگہ پر لوٹیں گے۔ پس دل ہوا ہو جائیں گے یعنی ان کے اندر کچھ نہ ہوگا۔ آسمان وزمین کی درمیانی خلاء کو اسی وجہ سے ہوا کہا جاتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا ان کے دل بے تاب اور بے قرار ہوں گے کسی جگہ ان کو قرار نہ ہوگا۔

وَأَنْزَلَ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ

اور ڈرادے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب ☆

یا تو قیامت کا دن اور عذاب اخروی مراد ہے یا موت کا وقت اور اس کے سکرات و قبض روح کی شدت یا دنیوی عذاب سے ہلاک ہونے کا دن ارادہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا

تب کہیں گے ظالم اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّحُبِّ دَعْوَتِكَ

تھوڑی مدت تک کہ ہم قبول کر لیں تیرے بلانے کو

وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ

اور پیروی کر لیں رسولوں کی ☆

مہلت کی درخواست

اگر یہ کہنا دنیا میں عذاب یا موت کی شدت دیکھ کر ہو تب تو مطلب ظاہر ہے کہ ابھی چند روز کی ہم کو اور مہلت دیجئے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے۔ یعنی حق کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کی پیروی اختیار کرینگے کما قال تعالیٰ ”حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یا آیت میں خطاب عمومی ہے ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اللہ کی ذات و صفات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ کو غافل خیال کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے کو اللہ کی ناواقفیت پر محمول کرتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں مظلوم کے لئے پیام نسلی اور ظالم کے لئے عذاب کی دھمکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اس دن کے لئے کہ پتھرا

فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝

جائیں گے آنکھیں ☆

قیامت کی ہولناکی

یعنی قیامت کے دن ہول اور دہشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ۔ کیونکہ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔ یعنی اس دن کے ہول سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی پلک نہ جھپکے گی یا یہ مطلب ہے کہ نظریں اٹھ جائیں گی اور اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گی۔ (تفسیر مظہری)

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ

دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر پھر کر

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَ

نہیں آئیں گی ان کی طرف ان کی آنکھیں اور

أَفِدَّتْهُمُ هَوَاهُ ۝

دل ان کے اڑ گئے ہوں گے ☆

خوف و حیرت

یعنی محشر میں سخت پریشانی اور خوف و حیرت سے اوپر کو سر اٹھائے ٹٹکی باندھے گھبرائے ہوئے چلے آئیں گے۔ جد ہر نظر اٹھ گئی ادھر سے ہٹے گی نہیں، ہکا بکا ہو کر ایک طرف دیکھتے ہونگے۔ ذرا پلک بھی نہ جھپکے گی۔ دلوں کا حال یہ ہوگا کہ عقل و فہم

ازِجْعُونَ لَعَلَّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا (امؤمنون رکوع ۶) اور اگر ان کا یہ مقولہ قیامت کے دن ہوگا تب مہلت طلب کرنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم کو دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیجئے پھر دیکھئے ہم کیسی وفاداری دکھلاتے ہیں، کما قال تعالیٰ وَكَوْتَرَىٰ اِذِ الْمُرْمُونَ تَاكْسُوْا رُوْسِيْهِمْ عِنْدَ رَبِّنَا اَبْصُرْنَا وَسَمِعْنَا فَاَرْجِعْنَا نَعْمَلُ صَالِحًا. (السجدہ رکوع ۲۴) (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو

مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ

نہیں دنیا سے ملنا ☆

جواب درخواست

یعنی تم وہ ہی تو ہو جن میں کے بعض مغرور بے باک زبان قال سے اور اکثر زبان حال سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شکوہ کو کبھی زوال نہیں نہ کبھی مر کر خدا کے پاس جانا ہے۔ ”واقسمو ابالله جھدا ایمانہم لا یبعث اللہ من یموت“ (نحل رکوع ۵) یہ ان کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ (زوال سے مراد ہے دارا آخرت کی طرف منتقل ہو جانا) انہوں نے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم کو دارا آخرت کی طرف پہنچنا نہیں (قیامت نہیں ہوگی اور دوبارہ کوئی زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا) دوسری آیت میں یہی مضمون آیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے واقسموا باللہ جھدا ایمانہم لا یبعث اللہ من یموت (انہوں نے پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ جو مر جائے گا اس کو اللہ دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔) (تفسیر مظہری)

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور آباد تھے تم بستیوں میں انہی لوگوں کی جنہوں نے ظلم

اَنْفُسِهِمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهٖمْ

کیا اپنی جان پر اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیا کیا ہم نے ان سے

وَضَرَبْنَا لَكُمْ اَلْمَثَالَ ۙ

اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے ☆

باوجود علم کے ظالموں کی پیروی

یعنی تمہارے پچھلے ان ہی بستیوں میں یا ان کے آس پاس آباد ہوئے، جہاں اگلے ظالم سکونت رکھتے تھے۔ اور ان ہی کی عادات و اطوار اختیار کیں، حالانکہ تاریخی روایات اور متواتر خبروں سے ان پر روشن ہو چکا تھا کہ ہم اگلے ظالموں کو کیسی کچھ سزا دے چکے ہیں اور ہم نے امم ماضیہ کے یہ قصے کتب سماویہ میں درج کر کے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کو آگاہ بھی کر دیا تھا، مگر انہیں ذرہ بھر عبرت نہ ہوئی۔ اسی سرکشی، عناد اور عداوت حق پر اڑے رہے۔

حِكْمَةٌ بِاللِّغَةِ فَمَا تُغْنِ التُّذْرُ (القرع رکوع ۱)۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهٖمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ اَلْمَثَالَ اور (کیا ان کے آثار قدیمہ کا مشاہدہ کر کے اور ان کی تباہیوں اور بربادیوں کی خبریں سن کر) تم پر ظاہر (نہ) ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور (کیا) تمہاری عبرت کے لئے ہم نے (ان کے احوال کی) مثالیں (نہیں) بیان کر دی تھیں۔ یعنی کیا ہم نے پیغمبروں کی معرفت اور ان کی زبانی نہیں بیان کر دیا تھا کہ تم کفر و استحقاق عذاب میں گزشتہ اقوام کی طرح ہو یا یہ مطلب کہ گزشتہ اقوام کے حالات و اعمال اور ان کے نتائج جو قدرت میں مشہور کہاوتوں کی طرح ہو گئے تھے تم سے بیان نہ کر دیئے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری سبق آموزی کے لئے ہم نے قرآن میں مثالیں نہیں بیان کر دی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ

اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرَهُمْ

اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ ☆

سب مخالفانہ داؤنا کام

یعنی سب اگلے پچھلے ظالم اپنے اپنے داؤ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور سازش انہوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی سب تدبیریں اور داؤ گھات خدا کے سامنے ہیں اور ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ ہی ان کا بدلہ دینے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرَهُمْ وَاِنْ كَانَ

مَكْرَهُمْ لِيَنْزِلَ مِنْهُ الْجِبَالُ، یعنی ان لوگوں نے دین حق مٹانے

ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔ ان نافیہ ہے اور لتزول میں لام تاکید نفی کے لئے ہے اور جبال سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معاملہ اور قوانین شریعت اور آیات خداوندی مطلب یہ ہے کہ ان کا مکر ایسا نہیں کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں یعنی نبوت محمدیہ اور احکام الہیہ ان کی سازشوں سے باطل نہیں ہو سکتے نہ ان کی فریب کاریوں سے ان میں زوال آ سکتا ہے۔ یَاٰنْ اِنَّ كَاْمَخْفَہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور شریعت الہیہ اور احکام خداوندی جو پہاڑوں کی طرح پائیدار ہیں انہوں نے اپنی سازشوں سے ان کو اکھاڑ دینا چاہا اور ارادہ کیا کہ فریب و مکر سے ان کی بیخ کنی کر دیں لیکن ایسا ناممکن ہے۔ حسن نے کہا ان کا مکر پہاڑوں کو ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ ابن جریج کی قرأت میں لتزول کی جگہ لتزول آیا ہے۔ ان مخفہ ہے اور لام تاکید فیصل کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا مکر بلاشبہ ایسا تھا کہ پہاڑ بھی اس کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ جائیں یعنی ان کا شرک بہت سخت تھا اور اتنا بڑا جرم تھا کہ اس سے پہاڑ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اکھڑ جائیں۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں آیا ہے۔ تَخٰذُ الْجِبَالِ هٰذَا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال

اور اکثر مفسرین نے وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ میں لفظ ان کو حرف نفی قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ اگرچہ انہوں نے بہت سی تدبیریں کیں اور چالیں چلیں، لیکن ان کی تدبیروں اور چالوں سے یہ ممکن نہ تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں اور پہاڑ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا عزم و استقلال ہے کہ کفار کی کوئی چال اس پر اثر انداز نہیں ہو سکی۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفاً وَعَدِ الرَّسُوْلَ ط

سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے ☆

یعنی وہ وعدہ جو ”اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا“ اور ”كَتَبَ اللّٰهُ لَآغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِي“ وغیرہ آیات میں کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوْ اِنْتِقَامٍ ط

بیشک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ☆

اور دعوت قبول کرنے والے مسلمانوں کو ستانے اور ایذا پہنچانے کے لئے بھرپور تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سب کھلی اور چھپی ہوئی تدبیریں سامنے موجود ہیں، وہ سب سے واقف اور ان کو ناکام بنا دینے پر قادر ہیں۔ اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی عظیم اور سخت تھیں کہ ان کے مقابلہ پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ ساری تدبیریں گرد اور ناکام ہو کر رہ گئیں۔

جن مخالفانہ تدبیروں کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد پچھلی ہلاک شدہ قوموں کی تدبیریں ہوں، مثلاً نمرود، فرعون، قوم عاد و ثمود وغیرہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں موجود مشرکین عرب کا حال بیان کیا گیا ہو کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بڑی گہری اور دور رس سازشیں اور تدبیریں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ناکام بنا دیا۔ (معارف القرآن)

وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جائیں

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۱۳﴾

اس سے پہاڑ ☆

حقیقت ٹل نہیں سکتی

یعنی انہوں نے بہترے داؤ کر کے دیکھ لئے۔ مگر خدا کی حفاظت کے آگے سب ناکام رہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی مکاریاں پہاڑوں کو ان کی جگہ سے تلا دیں یعنی انبیاء علیہم السلام اور شرائع حقہ جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستقیم ہوتے ہیں ان کی مکاریوں سے ڈگمگا جائیں؟ حاشا وکلا۔ اس تفسیر کے موافق ”وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ“ میں ”ان“ نافیہ ہوگا اور آیت کا مضمون ”وَلَا تَمْنُنَ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا“ (بنی اسرائیل رکوع ۳) کے مشابہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے ”ان“ شرطیہ اور واو وصلیہ لے کر آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے داؤ چلائے جو حفاظت الہی کے سامنے ہیج ثابت ہوئے۔ اگرچہ ان کے داؤ فی حد ذاتہ ایسے زبردست تھے جو ایک مرتبہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ اور واقعی ان کی تدبیریں

نہ مجرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے نہ وہ خود ایسے مجرموں کو سزا دیے بدون چھوڑ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ

جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین اور

السَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۰﴾

بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے ☆

زمین و آسمان کی تبدیلی

قیامت کو یہ زمین و آسمان بہت موجودہ باقی نہ رہیں گے یا تو ان کی ذوات ہی بدل دی جائیں گی یا صرف صفات میں تغیر ہوگا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شاید متعدد مرتبہ تبدیل و تغیر کی نوبت آئیگی۔ واللہ اعلم۔ سامنے کھڑے ہونے کا مطلب وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ النِّخَّ " کے تحت میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کا قول اس آیت کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ زمین بدل کر ایسی زمین کر دی جائے گی جو چاندی کی طرح ہوگی جہاں نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی اور گناہ کیا گیا ہوگا۔ بیہقی نے یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی ہے۔ یعنی حضرت ابن مسعود کا قول نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور حضرت ابن مسعود راوی ہیں اور موقوفاً بھی یعنی حضرت ابن مسعود کا قول بھی قرار دیا ہے اور موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ میں کہتا ہوں اس جگہ موقوف حدیث بھی مرفوع کی طرح ہے۔ واقعات قیامت کا بیان اجتہاد فکر و رائے سے کوئی صحابی نہیں کر سکتا کہ جس سے غلطی کا امکان ہو سکے۔ مبدأو معاد ملائکہ نبوت، جنت و دوزخ اور مستقبل کے سلسلے میں جو اقوال کسی صحابی کی طرف منسوب ہیں وہ یقیناً صحابی کے از خود نہیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ہیں، احتیاطاً یا کسی اور وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت نہیں کی گئی پس تبدیل ارض و سماء کے سلسلے میں بھی جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ مترجم

ایک دوسری سند سے ابن جریر و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا، یہ زمین بدل کر سفید زمین ہو جائے گی جیسے خالص چاندی۔ احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ایوب کی روایت سے اور (صرف) ابن جریر نے حضرت انس کی روایت سے (موقوفاً) بیان کیا، قیامت کے دن اللہ اس زمین کو چاندی کی ایسی زمین سے بدل دے گا جس پر گناہ نہیں کیا گیا ہوگا۔ ابن جریر نے ابو حمزہ کے سلسلے سے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا۔ یہ زمین چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی۔ ابن ابی الدنیا نے صفت الجنۃ میں حضرت علی کی روایت سے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں بیان کیا کہ (حضرت علی نے فرمایا) زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ زمین ایسی ہوگی جیسے چاندی اور آسمان بھی ایسا ہی ہوگا۔ عبد بن حمید نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا ہم کو یہ (روایت) پہنچی ہے کہ یہ زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے برابر ایک اور زمین ہوگی۔ اس زمین سے اس زمین کی طرف لوگوں کو لے جا کر جمع کیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت سہل بن سعد کی روایت آئی ہے، حضرت سہل نے فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: قیامت کے دن لوگوں کو ایک سفید زمین پر جمع کیا جائے گا، جس کا رنگ خاکستری (سفیدی آفریں ٹیالا) ہوگا اور چھنے ہوئے آٹے کی نمکیہ کی طرح (ہموار و ہم رنگ) ہوگی جس میں کسی کی کوئی (عمارت منارہ گنبد وغیرہ کوئی) نشانی نہ ہوگی۔

چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی

بیہقی نے بسند سدی صغیر بحوالہ کلبی از ابوصالح اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں کمی بیشی کر دی جائے گی۔ ٹیلے پہاڑ وادیاں، درخت اور جو کچھ اس زمین میں ہے ختم کر دیا جائے گا اور عکاظ کے چمڑے کی طرح اس کو کھینچ کر پھیلا یا جائے گا وہ چاندی کی طرح ایک سفید زمین ہوگی جس پر کوئی خون نہیں بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا اور آسمانوں کے سورج و چاند ستارے ختم کر دیئے جائیں گے۔

حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور سب مخلوق کو (اس پر) جمع کیا جائے گا۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابرؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چمڑے کے کھینچنے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا پھر کسی آدمی کے لئے قدموں کے رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ہوگی، پھر سب سے پہلے مجھے پکارا جائے گا اور میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھے اجازت ملے گی تو اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور عرض کروں گا۔ اے میرے رب! یہ جبرئیل ہیں (حضرت جبرئیلؑ اس وقت رحمان کے دائیں جانب ہوں گے اور جبرئیلؑ نے اس سے پہلے رحمن کو کبھی نہ دیکھا ہوگا) انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے ان کو میرے پاس بھیجا تھا، جبرئیلؑ خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے۔ اللہ فرمائے گا۔ اس نے سچ کہا تھا پھر اللہ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب تیرے بندے زمین کے تمام اطراف میں ہیں۔ یہی مقام محمود ہوگا (اللہ کی حمد کرنے کا مقام جس پر قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز کیا جائے گا۔)

جنتیوں کی روٹی

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوگی جو اللہ اپنے ہاتھ سے اہل جنت کی مہمانی کے لئے تیار کرے گا جیسے تم لوگ سفر کیلئے اپنی روٹی تیار کرتے ہو (اس حدیث میں نزل لاهل الجنة کا لفظ آیا، ہم نے نزل کا ترجمہ مہمانی کیا ہے خواہ مہمان کے لئے تیار کیا ہوا کھانا یا کوئی اور چیز جو کھانے کے لئے کھانے سے پہلے کی پیش کی جائے) در اور دی نے کہا نزل اس چیز کو کہتے ہیں جو طعام مہمانی سے پہلے مہمان کو پیش کی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ اہل جنت کو جنت میں پہنچنے تک مختلف مواقع و مقامات پر بطور نزل زمین کی روٹی پیش کی جائے گی اور آخر وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اسی طرح ابن مرجان نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ زمین بدل کر ایک روٹی کر دی جائے گی (جس کو) مؤمن اپنے قدموں کے درمیان سے (اٹھا کر) کھائے گا اور حوض (غالباً کوثر یا نسیم) کا پانی پئے گا۔ ابن حجر نے لکھا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ میدان حشر کے سارے مواقع کی پوری مدت میں مؤمنوں کو بھوک کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اللہ اپنی قدرت سے زمین کی فطرت بدل دے گا کہ اللہ کی مشیت

کے مطابق مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کمائی اور تکلیف کے اٹھا کر (روٹی) کھائیں گے اسی کی تائید کرتا ہے سعید بن جبیر کا وہ قول جو ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ زمین سفید روٹی ہو جائے گی جو مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے (اٹھا کر) کھائے گا۔ اسی طرح کا محمد بن کعب کا قول بھی مروی ہے۔ یہی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین بدل کر سفید مثل روٹی کے ہو جائے گی جس کو اہل اسلام حساب سے فراغت کے وقت تک کھاتے رہیں گے۔ امام ابو جعفر یعنی امام باقرؑ کا قول بھی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔

محشر کی بھوک اور پیاس

خطیب نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ بہت زیادہ بھوکے ہوں گے ایسے بھوکے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بہت زیادہ پیاسے ہوں گے ایسے پیاسے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بالکل برہنہ ہوں گے کبھی ایسے ننگے نہ رہے ہوں گے اور ایسے تھکے ہوئے ہوں گے کہ کبھی ایسے نہ تھکے ہوں گے۔ پس جس نے (دنیا میں) اللہ کے لئے کھانا کھلایا ہوگا اللہ (اس روز) اس کو کھانا کھلائے گا اور جس نے اللہ کے لئے پانی پلایا ہوگا اللہ اس کو پانی پلائے گا اور جس نے اللہ کے واسطے لباس پہنایا ہوگا اللہ اس کو لباس پہنائے گا اور جس نے (اللہ کے لئے) کوئی عمل کیا ہوگا اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

زمین آگ بن جائے گی

ابن جریر نے محمد بن کعب کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے ابن کعبؓ نے کہا آسمان باغ ہو جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی اور زمین تبدیل کر کے کچھ اور کر دی جائے گی۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک قول آیا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین آگ ہو جائے گی۔ کعب احبارؓ کا قول ہے کہ سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی۔

لوگ کہاں ہوں گے

مسلم نے حضرت ثوبان کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریافت کیا جس روز زمین دوسری زمین میں تبدیل کر دی جائے گی اس روز لوگ کہاں ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل سے ورے تاریکی میں۔

مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے، ام المؤمنین نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیان فرمائیے کہ جس

روز زمین تبدیل کر دی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے فرمایا، صراط پر۔
 بیہتی نے کہا اس حدیث میں صراط کا لفظ مجازاً استعمال کیا گیا ہے چونکہ
 لوگوں کو (اس کے بعد) صراط سے گزرنا ہی ہوگا اس لئے بطور مجاز
 صراط پر ہونے کی صراحت فرمائی اب حضرت ثوبان کی روایت سے اس
 روایت کی مطابقت ہو جائے گی ثوبان کی روایت میں ”پل سے ورے
 تاریکی میں“ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی ہے کہ تبدیل ارضی
 یعنی اس زمین سے منتقل ہو کر ارض موقوف پر پہنچنا تو زجرہ (جھڑکی
 یا جھنجھوڑ) کے وقت ہوگا (جو پل صراط پر پہنچنے سے پہلے ہوگا)

چہروں کی خاک

بیہتی نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ آیت
 وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً کی تشریح میں آپ نے
 فرمایا، دونوں خاک ہو جائیں گے جو کافروں کے چہروں پر پڑے گی مومنوں
 کے چہروں پر نہیں پڑے گی وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ
 تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کا یہی مطلب ہے کافروں کے چہروں پر اس روز خاک
 ہوگی جن پر سیاہی چڑھی ہوگی۔

تبدیلی کیسے ہوگی؟

سیوطی نے لکھا ہے قدماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ
 کیا تبدیل ارض سے صرف تبدیل اوصاف (احوال رنگ، ہیبت وغیرہ)
 ہے یا تبدیل ذات ہی ہو جائے گی مؤخر الذکر قول کو ابن ابی حمزہ نے ترجیح
 دی ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ دنیا کی زمین نابود ہو جائے گی اور موقوف
 قیامت کی نئی زمین پیدا کی جائے گی۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تبدیل
 ارض کی احادیث اور زمین کو کھینچ کر پھیلا نے اور اس میں کمی بیشی کرنے کی
 احادیث میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ یہ سارے حوادث ارض دنیا پر واقع ہوں
 گے اور موقوف کی زمین اس کے علاوہ ہوگی۔ یہ زمین بدل جائے گی تو ایک
 جھڑکی سے سب لوگ یہاں سے نکل کر ارض محشر میں پہنچ جائیں گے۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ مومنوں کے قدموں کے
 نیچے کی زمین روٹی بن جائے گی اور کافروں کے قدموں کے نیچے کی
 زمین خاک اور آگ ہو جائے گی۔

دو مرتبہ تبدیلی

قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب انصاح نے ان تمام متضاد احادیث
 کا تعارض دور کرنے کیلئے کہا ہے کہ زمین و آسمان کی تبدیلی دو مرتبہ ہوگی،

پہلی مرتبہ تھم، صعق (پہلی مرتبہ صور پھونکنے) سے پہلے ہوگی کہ ستارے
 جھڑ جائیں گے چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے، آسمان تانبے کی طرح
 سرخ ہو جائے گا اس کا پوست اتار لیا جائے گا۔ پہاڑ اڑے اڑے پھریں
 گے سمندر آگ ہو جائیں گے، زمین میں لرزہ پیدا ہو جائیگا اور وہ پارہ پارہ
 ہو جائے گی۔ اس کی ہیبت ہی بدل جائے گی، پھر پہلا صور پھونکا جائے گا
 تو آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے، آسمان بدل کر دوسرا آسمان ہو جائے گا
 اور زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور ویسا ہی دوبارہ کر دیا جائے گا جیسے وہ
 پہلے تھی اس کے اندر قبریں ہوں گی جن کے اندر مردے ہوں گے۔

پھر (دوبارہ صور پھونکنے کے بعد) زمین میں دوسری تبدیلی ہوگی یہ اس
 وقت ہوگا جب لوگ میدان حشر میں کھڑے ہوں گے ایسی حالت میں روئے
 زمین، جس کو ساہرہ کہا جائے گا اور اس پر حساب نہیں ہوگی، بدل دیا جائیگا اس
 وقت زمین چاندی کی ہوگی، سفید خاکستری رنگ ہوگا جس پر نہ خون ریزی کی
 گئی ہوگی نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا اس تبدیلی کے وقت لوگ صراط پر کھڑے ہوں
 گے اور سب اس میں سما جائیں گے جو بچیں گے وہ جہنم کے پل پر ٹھہرے ہوں
 گے۔ دوزخ اس وقت منجمد ہوگی، حضرت عبداللہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ
 زمین آگ ہو جائے گی اس سے یہی مراد ہے۔ جب لوگ صراط سے گزر
 جائیں گے اور (مومن) انبیاء کے حوضوں پر پہنچ کر قیام کریں گے اور حیاض
 انبیاء کا پانی پیئیں گے تو زمین روٹی کی ایک ٹکیہ بنا دی جائے گی جو جنت
 میں جانیوالے ہوں گے وہ سب اس روٹی میں سے کھائیں گے جنت کے
 بیل کی جگہ یا مچھلی کی جگہ کی جگہ کا ان کے لئے ساں ہوگا۔

مساجد

طبرانی نے الاوسط میں، اور ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ
 بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سوائے مسجدوں کے سب زمین نابود
 ہو جائے گی۔ مساجد کو باہم ملا دیا جائے گا۔ (یعنی تمام مساجد یکجا جمع
 کر دی جائیں گی۔) میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو
 شاید سب مساجد کی زمین جنت کی زمین بنا دی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میرے گھر اور میرے
 ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ رواہ الشیخان
 فی واحمد والنسائی عن عبداللہ بن زید و فی المحسن والترندی عن ابی ہریرہ۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ اور (قبروں سے نکل کر حساب نہیں
 اور جزا و سزا پانے کے لئے) (تفسیر مظہری)

تبدیلی کا ایک اور معنی

اور تبدیل زمین و آسمان کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بالکل ہی اس زمین کے بدلے میں دوسری زمین اور اس آسمان کی جگہ دوسرے آسمان بنا دیئے جائیں روایات حدیث جو اس کے متعلق منقول ہیں، ان میں بھی بعض سے صرف صفات کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے بعض سے ذات کی تبدیلی۔ امام حدیث بیہقی نے سند صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود سے اس آیت کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر کی زمین بالکل نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور یہ زمین ایسی ہوگی جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا جس پر کسی کا ناحق خون نہیں گرایا گیا، اسی طرح مسند احمد اور تفسیر ابن جریر کی حدیث میں یہی مضمون بروایت حضرت انس مذکور ہے (تفسیر مظہری) صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ایک ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو ایسی صاف و سفید ہوگی جیسے میدے کی روٹی، اس میں کسی کی کوئی علامت (مکان، باغ، درخت، پہاڑ، ٹیلہ وغیرہ کی) کچھ نہ ہوگی، یہی مضمون بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور حاکم نے سند قوی کے ساتھ حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی جیسے چمڑے کو کھینچا جائے جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں (اس کی وجہ سے زمین کے غار اور پہاڑ سب برابر ہو کر ایک سطح مستوی بن جائے گی) اور اس وقت تمام اولاد آدم اس زمین پر جمع ہوگی اس ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصہ میں صرف اتنی ہی زمین ہوگی، جس پر وہ کھڑا ہو سکے پھر محشر میں سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا میں رب العزت کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو میں تمام مخلوق کے لئے شفاعت کروں گا کہ ان کا حساب کتاب جلد ہو جائے۔

بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ پہلے نفع صور کے وقت اسی موجودہ زمین کی صفات تبدیل کی جائیں اور پھر حساب کتاب کے لئے ان کو کسی دوسری زمین کی طرف منتقل کیا جائے۔ (معارف القرآن)

تفسیر مظہری میں مسند عبد بن حمید سے حضرت عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ زمین سمٹ جائے گی اور اس کے پہلو میں ایک دوسری زمین ہوگی جس پر لوگوں کو حساب

کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ثوبان منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور یہ سوال کیا کہ جس دن یہ زمین بدلی جائے گی تو آدمی کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پل صراط کے پاس ایک اندھیری میں ہوں گے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمین سے بذریعہ پل صراط دوسری طرف منتقل کئے جائیں گے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں متعدد صحابہ و تابعین کے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ اس وقت موجودہ زمین اور اس کے سب دریا آگ ہو جائیں گے گویا یہ سارا علاقہ جس میں اب دنیا آباد ہے اس وقت جہنم کا علاقہ ہو جائے گا اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بندہ کے لئے پس کے سوا چارہ نہیں۔

زباں تازہ کردن باقرار تو عین عین عین علت ازکار تو
آخری آیات میں اہل جہنم کا یہ حال بتلایا گیا ہے کہ مجرم لوگوں کو ایک زنجیر میں باندھ دیا جائے گا یعنی ہر جرم کے مجرم الگ الگ جمع کر کے ایک جا باندھ دیئے جائیں گے اور ان کو جو لباس پہنا دیا جائے گا وہ قطران کا ہوگا جس کو تار کول کہا جاتا ہے اور وہ ایک آتش گیر مادہ ہے کہ آگ فوراً پکڑ لیتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَتَرَى الْمَجْرَمِينَ يَوْمَئِذٍ

اور دیکھے تو گنہگاروں کو اس دن

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۱۹﴾

باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں ☆

یعنی ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم اکٹھے زنجیروں میں باندھے جائینگے۔ کما قال تعالیٰ۔ "أُحْتَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأُزْوَجَهُمْ" (صافات رکوع ۲) وقال تعالیٰ "وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ" (نکویر رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قِطْرَانٍ

کرتے ان کے ہیں گندھک کے ☆

جہنمی کرتے

جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے پھر جیسی جہنم کی آگ ویسی ہی وہاں کی گندھک سمجھ لیجئے۔

مذکورہ بالا اقوال صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھے دن سے مراد ہے آخرت کا آدھا دن (اس سے دنیوی دن کا آدھا حصہ مراد نہیں ہے)۔ جاہلیت کے کاموں کی سزا

مسند احمد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جو ان سے نہ چھوٹیں گے، حسب پر فخر، نسب میں طعنہ زنی، ستاروں سے بارش کی طلبی، میت پر نوحہ، سنو نوحہ کر نیوالی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کر لی، تو اسے قیامت کے دن گندھک کا کرتا اور کھجلی کا دوپٹہ پہنایا جائے گا۔ مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور روایت میں ہے کہ وہ جنت دوزخ کے درمیان کھڑی کی جائے گی۔ گندھک کا کرتا ہوگا اور منہ پر آگ کھیل رہی ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کاموں کا بدلہ دے گا، بروں کی برائیاں سامنے آجائیں گی۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی جلد ساری مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائیگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَذَا بَلَاءٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ

یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونکہ جائیں اس سے

وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَ

اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور

لِيُنذِرَ أَوْلِيَاءَ الْكُفَّارِ ۗ

تاکہ سوچ میں عقل والے ☆

یعنی خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اس کی آیات میں غور کریں جس سے اسکی وحدانیت کا یقین حاصل ہو اور عقل و فکر سے کام لیکر نصیحت پر کاربند ہوں۔ تم سورۃ ابراہیم علیہ السلام ولله الحمد والمنة۔ (تفسیر عثمانی)

ان آیات میں اللہ نے بلاغ قرآنی کے تین فائدے بیان فرمائے تمام آسمانی کتابیں نازل ہونے کی یہی تین حکمتیں ہیں: (۱) پیغمبروں کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرانا تاکہ تمام حجت ہو جائے۔ (۲) انسان کی قوت فکریہ کی تکمیل۔ قوت فکریہ کا انتہائی کمال اعتراف توحید ہے۔ (۳) قوت عملیہ کی مدد جو نصیحت پذیری اور اختیار تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد لله تیسری جلد ختم ہوئی چوتھی جلد سورۃ الحجج سے شروع ہے

وَتَعْتَنِي وَجُوهَهُمُ النَّارُ ۗ

اور ڈھانکے لیتی ہے ان کے منہ کو آگ ☆

چہرہ چونکہ حواس و مشاعرہ کا محل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرف عضو ہے اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا جیسے دوسری جگہ تطلع علی الافئدة میں قلب کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ

تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۗ

بیشک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب ☆

یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے اسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ "إِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ" (الانبیاء رکوع ۱) یا یہ مطلب ہے کہ جس وقت حساب ہوگا پھر دیر نہ لگے گی۔ تمام اولین و آخرین جن و انس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا پر کوئی چیز مخفی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَبْعَثُكُمْ إِلَّا الْكَفَّيْسُ وَاحِدَةً (لقمان۔ رکوع ۳) حساب کی مدت

سیوطی نے کہا یعنی ایک سے حساب نہیں اس کو دوسرے کی حساب نہیں سے نہیں روکتی۔ (ایک ہی وقت میں سب کا حساب لے لے گا) سیوطی نے جلالین میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدھے دن یعنی اس دنیوی دن کی نصف مدت میں سب کی حساب نہیں کر لے گا۔ اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ نخعی کا بیان ہے وہ لوگ (غالباً صحابہ) خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن اللہ لوگوں کے حساب سے آدھے دن کی مدت میں فارغ ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق دوزخ میں قیلولہ کرے گا (دو پہر گزارے گا) رواہ ابو نعیم وابن المبارک۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ وہ صرف دو پہر تک کا وقت ہوگا پھر اولیاء اللہ (جنت کے اندر) کشادہ چشم حوروں کے ساتھ مسہریوں پر (دو پہر گزاریں گے یعنی) قیلولہ کریں گے اور اللہ کے دشمن شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں